وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

صَحِيحُ البُخَارِي

مؤلفہ

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ

ترجمہ و شرح

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ

تحقیق و تفحص

جناب شبیر احمد صاحب ثاقب

صدر شعبہ حدیث جامعہ احمدیہ ربوہ

جلد دہم

شائع کردہ

نظارت اشاعت صدر انجمن احمدیہ پاکستان۔ ربوہ

مطبع

ضیاء الاسلام پریس ربوہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے بخاری ترجمہ و شرح حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کی دسویں جلد مکمل کرنے کی توفیق مل رہی ہے جو طبع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ جلد کتاب التفسیر آغاز تا تفسیر سورۃ الکہف پر مشتمل ہے۔ بخاری کتاب التفسیر کا مطالعہ قرآن کریم سے محبت اور اس کی معرفت کا ذریعہ ہے۔ کرتا ہے۔ کے ساتھ قرآن کریم کے مختلف بطون اور مواقع نزول کا ادراک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک آیت کے متعدد معانی اور مختلف بطون سے استنباطِ احکام، استخراجِ مسائل اور احکامِ الٰہی کی آگاہی سے زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ امام بخاری عناوینِ ابواب میں بعض تعلیقات لائیں ہیں جن سے بڑے بڑے مسائل حل ہوتے ہیں جیسے سورۂ مائدہ میں حضرت ابن عباس کا یہ قول متوفیک ممیتک لا کر وفاتِ مسیح کا مسئلہ انتہائی اختصار و جامعیت سے حل کیا ہے۔ اس قسم کی مثالیں متعدد اور متنوع ہیں جس کا حقیقی حظّ قارئین کو بخاری کے کتاب التفسیر کے مطالعہ سے ہو گا۔ کتاب التفسیر کی باقاعدہ شرح سے قبل حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ نے تمہید کے طور پر مختصر مگر جامع نوٹ تحریر فرمایا ہے۔ یہ نوٹ بخاری کی کتاب التفسیر کو سمجھنے کے لیے ایک کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

اس جلد کی تیاری میں خاکسار کے ساتھ مکرم عطاء اللہ مجیب صاحب، مکرم جاوید اقبال یوسف صاحب، مکرم حافظ جاوید الرحمٰن صاحب اور مکرم فاتح احمد صاحب مربیان کی دن رات محنت اور عرق ریزی کا بہت دخل ہے۔ خاکسار اپنی اس ٹیم کی خدمات پر دلی شکریہ ادا کرتا ہے۔ نیز مکرم کلیم احمد طاہر صاحب مربی سلسلہ اور وہ تمام احباب جن کا تعاون کسی بھی صورت میں ہمیں حاصل رہا، ہم ان سب کے ممنون ہیں فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

والسلام

خاکسار

شبیر احمد ثاقب

صدر شعبہ حدیث جامعہ احمدیہ ربوہ

28 مارچ 2016ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فہرست

٦٥- كِتَابُ التَّفْسِيرِ

﴿سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ﴾ ۲۳۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

٦٥- كِتَابُ التَّفْسِيْرِ

امام بخاریؒ کی یہ کتاب ان معنوں میں تفسیر نہیں جو آج کل معروف ہیں اور جن سے ہمارے ذہن مانوس ہیں۔ بلکہ زیادہ تر اس کا تعلق اس تفسیر سے ہے جس کا مدار منقولہ روایات و آثار پر ہے۔ جن کے نقل کرنے میں بقول ابن خلدونؒ متقدمین نے تحقیق و تدقیق سے کام نہیں لیا۔ جو انہیں پہنچا انہوں نے قلم بند کرلیا۔ ان متقدمین میں طبری، واقدی اور ثعالبی پیش رَو ہیں۔ اس کے بعد دوسرا دَور آیا جب علماء نے منقولہ روایات کو تحقیق و تفتیش کی کسوٹی پر پرکھا اور حق و باطل اور معقول و نامعقول میں تمیز کی اور آثار و روایات کو ناقدانہ نظر سے دیکھا۔ ان میں سے باوثوق کو الگ کر کے پیش کیا۔ ان محققین میں سے ابو محمد بن عطیہ مغربیؒ اور قرطبیؒ کا نام سر ورق آتا ہے اور وہ اس فن میں پیش رَو ہیں۔ قرآنِ کریم کے معانی و حقائق کی معرفت کے لئے جہاں لغت عرب، کلامِ عربی کے مخصوص اسلوب، قواعد نحو و صرف اور اس کی فصاحت و بلاغت کا علم ضروری ہے، وہاں متعلقہ واقعات و حادثات کے تاریخی پس منظر سے واقفیت بھی لازمی ہے۔ اس جہت سے علامہ زمخشری کی مایہ ناز تفسیر کشاف قابل ذکر ہے۔ محققین اہل سنت کو بھی باوجود انہیں معتزلی سمجھنے کے اس کتاب کی قدر و منزلت کا اقرار ہے اور نفس زبان و بلاغت کی حیثیت سے اس کا درجہ تمام دیگر تفاسیر متقدمین میں اس قدر بلند ہے کہ علماء اہل سنت میں سے علامہ شرف الدین طیبی عراقی کو اپنی تفسیر میں ان کا تتبع کرنے سے چارہ نہیں رہا۔ تاہم جہاں انہیں معتزلہ کے عقیدے کا اثر محسوس ہوا، دلائل سے اسے ردّ کیا۔ امام ابن خلدونؒ کے نزدیک علامہ طیبی نے تحقیق کا حق ادا کردیا ہے۔ [۱]

امام بخاریؒ کا مرتبہ محدثین میں بہت ہی بلند اور مسلّم ہے۔ علامہ ابن خلدونؒ کی رائے میں ان کی کتاب صحیح بخاری کی شرح کماحقہ نہیں ہوئی اور اس کی گہرائیوں تک رسائی نہیں ہوسکی۔ ان کے نزدیک ابن بطالؒ، ابن مہلبؒ اور ابن التین کی شرحیں نامکمل ہیں اور وہ اپنے اساتذہ کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ اس کی شرح کا بوجھ اُن کے وقت تک امت کے کندھوں پر ہے اور ایک واجب الادا قرض ہے جو اس سے ساقط نہیں ہوا اور اس وقت تک جو شرحیں لکھی گئی ہیں وہ شرح کہلانے کی مستحق نہیں۔ [۲]

علامہ ابن خلدونؒ کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری کا ہے۔ ان کے بعد علامہ ابن حجرؒ نے صحیح بخاری کی شرح اور سابقہ شارحین کی کمی کا تدارک کیا۔ اس وقت تک جتنی شرحیں لکھی گئی ہیں، ان میں شرح فتح الباری بہترین شرح ہے۔ علامہ عینیؒ نے ان کا تتبع کیا ہے۔ دونوں شرحیں قابل قدر ہیں۔ صحیح بخاری کی شرح لکھتے وقت میں نے انہی سے مدد لی

[۱] (تاریخ ابن خلدون، الباب السادس من الکتاب الأوّل، الفصل الخامس فی علوم القرآن، جزء اوّل صفحہ ۵۵۴-۵۵۶)

[۲] (تاریخ ابن خلدون، الباب السادس من الکتاب الأوّل فی العلوم، الفصل السادس فی علوم الحدیث، جزء اوّل صفحہ ۵۶۰)

ہے اور جس کتاب کی شرح اس وقت زیر نظر ہے اس تعلق میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ امام بخاریؒ نے اپنی جامع مسند صحیح میں کتاب التفسیر کا اضافہ کر کے امت اسلامیہ پر بے بہا احسان کیا ہے۔ تیسری صدی ہجری کے اوائل میں سولہ سال کی جانکاہ محنت کے بعد چھ لاکھ روایتوں میں سے صرف سات ہزار دو سو پچھتر[۱] صحیح احادیث کا انتخاب کر کے انہیں مختصر عناوین کے تحت ابواب میں مقفل و محفوظ کر دیا ہے اور ان ابواب کے ساتھ ان کے کھولنے کی کلیدیں بھی ہمارے لئے مہیا کر دیں۔ اس طرح آپؒ نے خاموشی سے قرآنِ مجید کتاب اللہ الحکیم کی تفسیریں جو نااہل لوگوں نے لاکھوں کمزور روایتوں کی بناء پر لکھیں، ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیں۔ آپ کی کتاب التفسیر کا زیادہ تر تعلق منقولات کی صحت وسقم سے ہے۔ اس میں مذاہب فقہی سے متعلق اپنے اجتہاد سے حسب معمول جرح وقدح سے بھی کام لیا ہے۔ جیسا کہ دورانِ شرح بتایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ القیامۃ میں قرآنِ حکیم کے بارے میں دو باتوں کی صراحت فرمائی ہے۔ ایک اس کی ترتیب قرأت اور دوسرا اس کا بیان۔ فرماتا ہے: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ (القیامۃ:۱۷تا۲۰) ترجمہ: (اے نبی!) تو اپنی زبان کو حرکت نہ دے، تا کہ یہ قرآن جلدی نازل ہو جائے۔ اس کا جمع کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے اور اس کا دنیا کے سامنے سنانا بھی (ہمارے ذمہ ہے۔) پس جب ہم اسے پڑھ لیا کریں تو ہمارے پڑھنے کے بعد تو بھی پڑھ لیا کر اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو تیری زبان سے لوگوں کو کھول کر سنا دیں۔ (تفسیر صغیر)

ان آیات سے ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید کی لفظی حفاظت اور اس کے معانی کا بیان دو مختلف وعدے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن کا پورا کرنا اپنے ذمہ لیا ہے۔ سو یہ وعدے پورے ہوئے۔ پہلا وعدہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں ان کے ساتھی کارکنوں کے ذریعہ پورا ہوا۔ اور دوسرا وعدہ ائمہ ومجددین وقت کے ذریعہ جن پر وقت کی ضرورت کے مطابق حقائق ومعارف قرآن سے متعلق انکشاف ہوتا چلا گیا۔ جیسا کہ ہم اپنے زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ نااہل مفسروں کی غلطی کی وجہ سے کس طرح عقیدہ حیاتِ مسیح اور جسد عنصری کے ساتھ رفع عیسیٰ علیہ السلام وجود میں آیا۔ آخر اس کی حقیقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ بینات قرآنِ مجید کی روشنی میں واضح سے واضح تر ہو گئی۔ یہاں تک کہ علماء و دانشمندانِ اسلام و غیر اسلام اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ بیسیوں مثالوں میں سے صرف ایک مثال کا ذکر کیا جاتا ہے کہ قرآن کی لفظی حفاظت کا جو وعدہ تھا، وہ ابتداءً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین کے عہد میں پورا ہوا اور قراءت کے قواعد اور الفاظ کی فصاحت و بلاغت سے متعلق انکشاف علامہ زمخشریؒ جیسے اعلیٰ پایہ محققین کے ذریعہ ہوا اور بیان قرآنِ حکیم سے متعلق وعدۂ الٰہی کا زمانہ تا قیامت ممتد ہے۔ کیونکہ یہ کتاب بنی نوع انسان کے لئے کامل ہدایت کی جامع ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد صحیح بخاری کی کتاب التفسیر شروع کی جاتی ہے۔

---

[۱] (ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری، الفصل العاشر فی عد أحادیث الجامع، صفحہ ۶۵۴)

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: اسْمَانِ مِنَ الرَّحْمَةِ

رحمٰن اور رحیم دو نام ہیں، رحمت سے مشتق ہیں

الـرَّحِيْمُ وَالـرَّاحِمُ بِمَعْنًـى وَاحِـدٍ كَالْعَلِيمِ وَالْعَالِمِ.

رحیم اور راحم ایک ہی معنوں میں ہیں، جیسے علیم اور عالم۔

بَاب ۱: مَا جَاءَ فِي فَاتِحَةِ الْكِتَابِ

سورۂ فاتحہ سے متعلق جو (حدیثیں) آئی ہیں

وَسُـمِّيَتْ أُمَّ الْكِتَـابِ أَنَّـهُ يُبْـدَأُ بِكِتَابَتِهَـا فِـي الْمَصَـاحِفِ وَيُبْـدَأُ بِقِرَاءَتِهَا فِي الصَّلَاةِ.

اور اس کا نام اُمّ الکتب بھی رکھا گیا ہے، اس لئے کہ مصاحف میں پہلے اس کو لکھا جاتا ہے اور نماز میں بھی پہلے اس کو پڑھا جاتا ہے۔

وَالدِّيْنُ: الْجَزَاءُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ كَمَـا تَـدِيْنُ تُـدَانُ. وَقَـالَ مُجَاهِـدٌ بِالدِّيْنِ (الإنفطار: ١٠) بِالْحِسَـابِ، مَدِيْنِيْنَ (الواقعة: ٨٧) مُحَاسَبِيْنَ.

اور دین کے معنی بدلہ، نیکی کا ہو یا بدی کا۔ جیسے یہ مثل ہے: جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ اور مجاہد نے کہا: (یہ جو آیا ہے: كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ تو یہاں) الدِّیْن کے معنی ہیں حساب۔ (اور فَلَوْ لَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ میں) مَدِيْنِيْنَ کے معنی ہیں جن سے حساب لیا جائے گا۔

٤٤٧٤: حَـدَّثَنَا مُسَـدَّدٌ حَـدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْـنُ عَبْـدِ الـرَّحْمَنِ عَـنْ حَفْـصِ بْـنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِي رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أُجِبْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّي كُنْتُ

۴۴۷۴: مسدد نے ہم سے بیان کیا کہ یحيٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے شعبہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: خبیب بن عبد الرحمٰن نے مجھے بتایا۔ انہوں نے حفص بن عاصم (بن عمر بن خطاب) سے، حفص نے حضرت ابوسعید بن معلیٰؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا۔ میں نے آپؐ کو جواب نہ دیا۔ پھر

أُصَلِّي فَقَالَ أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ: اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ (الأنفال: ٢٥) ثُمَّ قَالَ لِي لَأُعَلِّمَنَّكَ سُوْرَةً هِيَ أَعْظَمُ السُّوَرِ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَّخْرُجَ قُلْتُ لَهُ أَلَمْ تَقُلْ لَأُعَلِّمَنَّكَ سُوْرَةً هِيَ أَعْظَمُ سُوْرَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الفاتحة: ٢) هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ.

میں نے کہا: یارسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: کیا اللہ نے نہیں فرمایا: اللہ اور اس کے رسول کو جواب دو جب وہ تمہیں بلائیں۔ پھر آپؐ نے مجھ سے فرمایا: پیشتر اس کے کہ مسجد سے نکلو، میں تمہیں ایک ایسی سورۃ کا علم دیتا ہوں جو قرآن کی تمام سورتوں میں اپنی عظمت میں بڑھ کر ہے۔ پھر آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا۔ جب آپؐ نے (مسجد سے) نکلنے کا ارادہ کیا، میں نے آپؐ سے کہا: کیا آپؐ نے نہیں فرمایا تھا، میں تمہیں ایسی سورۃ کا علم دوں گا جو قرآن کی تمام سورتوں میں اپنی عظمت میں بڑھ کر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یہی سبع مثانی اور قرآنِ عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

أطرافه: ٤٦٤٧، ٤٧٠٣، ٥٠٠٦۔

تشریح: الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: اسْمَانِ مِنَ الرَّحْمَةِ۔ رحمٰن اور رحیم اسماءِ الٰہیہ میں سے دو صفاتی نام ہیں، جو مصدر رَحْمَة سے مشتق ہیں۔ ایک باب فَعْلَان کے وزن پر ہے اور دوسرا فَعِيْل کے وزن پر۔ عربی زبان میں ابواب میں سے ہر باب کی باعتبار معانی کچھ خصوصیات ہیں، جو ایک ہی مصدر سے مشتق ہونے کے باوجود ابواب کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں۔ عنوانِ باب میں اس امر کا ذکر کہ اَلرَّحِيْمُ وَ الرَّاحِمُ (بِمَعْنًى وَّاحِدٍ) ایک ہی معنوں میں ہیں، بلحاظ نفس اشتقاق اور فعل کے تو صحیح ہے کہ دونوں کے معنی ہیں رحم کرنے والا۔ لیکن اَلرَّاحِمُ اسم فاعل ہے جو عارضی فعل کا مفہوم دیتا ہے۔ ایک دفعہ رحم کرنے والا رَاحِم کہلائے گا۔ مگر جس سے رحمت کا ظہور بار بار ہو وہ نہ صرف رَاحِم ہوگا بلکہ اپنے دائمی وصف کی رو سے رَحِيْم ہوگا۔ وزن فَعِيْل اوزانِ مبالغہ میں سے ہے۔ فَعِيْل کے معنی میں تکرار و دوام کا وصف پایا جاتا ہے۔ رَحِيْم میں صیغہ رَاحِم کے معنی سے بڑھ کر معنی پائے جاتے ہیں۔ امام ابن حجرؒ نے یہ فرق بیان کیا ہے۔

امام بخاریؒ نے فقرہ بِمَعْنًى وَّاحِدٍ سے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ رَحِيْم بروزن فَعِيْل، فاعل کے معنوں میں ہے نہ کہ مفعول کے معنوں میں۔ جیسے قَتَلَ سے قَتِيْل بمعنی مَقْتُوْل۔ کیونکہ جس پر رحم کیا جائے کبھی اسے بھی رَحِيْم کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں مَرْحُوْم۔ امام بخاریؒ کو دونوں ناموں کے مصدر رَحْمَة سے مشتق ہونے کے

بارے میں ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ بعض کے نزدیک اَلرَّحْمٰن اسم غیر مشتق ہے۔ کیونکہ کفار کا یہ قول قرآنِ مجید میں منقول ہے: قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ (الفرقان: ٦١) کہ رحمٰن کیا شے ہے؟ اور اس کے ان فیوض و برکات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو اُس سے صادر ہوئے ہیں۔ کفار کا یہ اعتراض مانع نہیں ہے کہ یہ نام مشتق ہو۔ اس کے علاوہ یہ سوال بھی اُٹھایا گیا ہے کہ اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِیْم کا ایک ہی مفہوم ہے اور تکرارِ لفظ بطور تاکید ہے۔ تو اس کا جواب عنوانِ باب میں "اسْمَانِ" سے دیا گیا ہے کہ اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِیْم دو الگ الگ نام ہیں۔ اَلرَّحْمٰن نام کے معنی میں جو وزنِ فعلان ہے وسعت ہے۔ یہ صفت مومن و کافر، ذی روح اور غیر ذی روح سب کو شامل رکھتی ہے۔ امام ابن حجرؒ نے تَعُمُّ الْمُؤْمِنَ وَالْكَافِرَ کہہ کر اس معنوی وسعت کی طرف توجہ دلائی ہے اور صفت رحیم کا تعلق مجاہدہ سے ہے، جو محنت و عمل پر مبنی ہے۔ امام ابن حجرؒ نے الفاظ تَخُصُّ الْمُؤْمِنَ سے صفت رحیمیت کی اسی خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔ یہ صفت صرف مؤمن ہی سے مختص ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۱۹۴، ۱۹۵)

قرآنِ مجید کی ہر چھوٹی بڑی سورۃ سوائے سورۂ توبہ کے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے شروع کی گئی ہے اور ایک حدیث میں ہے: كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيْمِ أَقْطَعُ۔[1] ہر کام جو بِسْمِ اللّٰه سے شروع نہیں کیا جاتا، بے برکت ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا بِسْمِ اللّٰه سے شروع فرماتے اور آپؐ نے مسلمانوں کو اپنی سنت پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ جس طرح رات کے وقت دروازہ بند کرنے، چراغ گل کرنے، مشکیزہ کا منہ باندھنے اور برتن ڈھانپنے میں سے ہر فعل پر بِسْمِ اللّٰه پڑھنے کا ارشاد نبوی ہے،[2] اسی طرح کھانے کے وقت بھی۔[3] آپؐ کے ارشاد كُلُّ أَمْرٍ کے مطابق انسان کوئی کام بھی صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتا جب تک صفت رحمانیت و صفت رحیمیت کی یاوری نہ ہو۔ ایک زمیندار بابرکت کاشت نہیں کر سکتا جب تک صحت مند اعضا و قویٰ، قابل کاشت زمین اور آلات زراعت نہ رکھتا ہو اور اسے عقل و علم نہ ہو کہ فلاں زمین فلاں قسم کی پیداوار کے لئے فلاں موسم میں مناسب ہے۔ زمینی یا آسمانی آبپاشی کا انتظام نہ ہو۔ یہ سارے لوازمات اسے بلا معاوضہ عمل عطا ہوئے ہیں۔ سورج اور بادل کا وجود محض صفت رحمانیت کا ظہور ہے۔ ان اسباب رحمانیت سے اسی وقت کام لے گا جب اسے یقین ہوگا کہ اس کی محنت اس کے لئے نتیجہ خیز ہوگی۔ اس یقین کے بغیر اس کا قدم عمل کے لئے نہیں اُٹھ سکتا۔ اگر کوئی شخص کسب معاش کے لئے چوری، ڈاکہ زنی کو وسیلہ بناتا ہے اور وسائل رحمانیت کو ترک کرتا ہے تو گو اس کے لئے وہ عمل کرتا ہے مگر چونکہ اس کی کمائی صفت رحمانیت کے منافی

---

[1] (الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، الفاتحة، جزء اوّل صفحہ ۲۶)
(الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، مَا يَبْتَدِئُ بِهِ الْمُسْتَمْلِي مِنَ الْقَوْلِ، جزء ۲ صفحہ ۶۹)

[2] (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، روایت نمبر ۳۲۸۰)
(صحیح البخاری، کتاب الأشربة، باب تغطية الإناء، روایت نمبر ۵۶۲۳)

[3] (صحیح البخاری، کتاب الأطعمة، باب الأكل مما يليه، روایت نمبر ۵۳۷۸)

ہے، اس لئے حاصل شدہ نتیجہ عمل اس کے لئے بے برکت ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صفت رحمانیت سے وہ رحمت مراد لی ہے جو کسی عمل و محنت کے نتیجہ میں صادر نہیں ہوتی۔ بلکہ ہر کس و ناکس پر بلا مبادلہ واستحقاق شامل ہے۔ باب فعلان کے خواص میں وسعت، غلبہ اور اعتلاء پایا جاتا ہے اور صفت رحیمیت کا تعلق اس رحمت سے ہے جو عمل و محنت پر صادر ہوتی ہے۔ پہلی صفت کے تحت انسان کی پیدائش سے قبل اس کے لئے تمام لوازمات قیام وبقائے حیات وارتقاء کا وجود پذیر ہو جانا ہے۔ دوسری صفت کے تحت انسان کا اپنی خداداد قوتوں سے کام لینا اور اس کے لئے خیر وبرکت کے نتائج کا پیدا ہونا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دو صفتوں کی فصاحت پورے بسط سے بیان کی ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

"یہ آیت قرآن شریف کے شروع کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے اور اس کے پڑھنے سے مدعا یہ ہے کہ تا اس ذات مستجمع جمیع صفات کاملہ سے مدد طلب کی جائے، جس کی صفتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رحمٰن ہے اور طالب حق کے لئے محض تفضّل اور احسان سے اسباب خیر اور برکت اور رُشد کے پیدا کر دیتا ہے اور دوسری صفت یہ ہے کہ وہ رحیم ہے۔ یعنی سعی اور کوشش کرنے والوں کی کوششوں کو ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ ان کے جدوجہد پر ثمرات حسنہ مترتب کرتا ہے اور ان کی محنت کا پھل ان کو عطا فرماتا ہے اور یہ دونوں صفتیں یعنی رحمانیت اور رحیمیت ایسی ہیں کہ بغیر ان کے کوئی کام دنیا کا ہو یا دین کا انجام کو پہنچ نہیں سکتا اور اگر غور کر کے دیکھو تو ظاہر ہوگا کہ دنیا کی تمام مہمات کے انجام دینے کے لئے یہ دونوں صفتیں ہر وقت اور ہر لحظہ کام میں لگی ہوئی ہیں۔ خدا کی رحمانیت اس وقت سے ظاہر ہو رہی ہے کہ جب انسان ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔...... اسی طرح خدا کی رحیمیت تب ظہور کرتی ہے کہ جب انسان سب توفیقوں کو پا کر خداداد قوتوں کو کسی فعل کے انجام کے لئے حرکت دیتا ہے۔"

(براہین احمدیہ حصہ چہارم، روحانی خزائن جلد اوّل حاشیہ صفحہ ۴۲۱، ۴۲۲)

قرآنِ مجید میں جہاں جہاں مذکورہ بالا ناموں کا ذکر وارد ہوا ہے وہاں رحمٰن سے ان فیوض باری تعالیٰ کا ذکر وابستہ ہے، جو بلا معاوضہ کدّ و عمل محض بمقتضائے ربوبیت عامہ وجود پذیر ہیں اور رحیم کے ساتھ جُہد و عمل کا تعلق مثلاً التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ یا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ - جب تک معصیت اور گناہ سے توبہ نہ ہو اور عمل صالحہ بجا نہ لایا جائے، مغفرت ورحمت شامل حال نہیں ہوتی۔ فرماتا ہے: جو شریک باری تعالیٰ ٹھہرائیں گے اور قتل وزنا وغیرہ گناہوں کا ارتکاب کریں

گے، انہیں بڑھ چڑھ کر سزا ملے گی۔ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ○ (الفرقان:۷۱، ۷۲)

ترجمہ: سوائے اس کے جس نے توبہ کرلی اور ایمان لایا اور ایمان کے مطابق عمل کئے۔ پس یہ لوگ ایسے ہوں گے کہ اللہ (تعالیٰ) ان کی بدیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ (تعالیٰ) بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے اور جو توبہ کرے اور اس کے مطابق عمل کرے تو وہ شخص حقیقی طور پر اللہ (تعالیٰ) کی طرف جھکتا ہے۔

امام بخاریؒ نے بِسْمِ اللّٰهِ سے شروع کرکے الرَّحْمٰن اور الرَّحِيْم کو اسماءِ الٰہیہ میں سے اسم مشتق قرار دینے کے علاوہ اس تعلق میں کوئی روایت نقل نہیں کی اور نہ یہاں اس بحث میں گئے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ ہر سورۃ کا حصہ ہے یا نہیں۔ اس لئے باعتبار اسم وصفی اور مشتق ہونے کے دونوں صفتوں کا مفہوم اور ان کے درمیان فرق کی وضاحت ضروری سمجھ کر قدرے تفصیل سے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو فرق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا ہے، اس کی تائید قرآنِ مجید کی آیات بینات سے جابجا ہوتی ہے۔ یہ آپؑ کی تشریح ایک ایسا بیان واضح ہے کہ اگر اسے مدنظر رکھ کر قرآنِ مجید کی سورتیں تدبر سے پڑھی جائیں تو اس امر میں ذرہ شبہ نہیں رہتا کہ آیت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سورتوں کے درمیان محض بطور علامت فصل و وقفہ نہیں۔ بلکہ ہر سورت کا مستقل عنوان اور حصہ ہے اور یہ اس لئے کہ سورتوں میں احکامِ الٰہیہ، نواہی و اوامر اور مجازات ثواب و عقاب کا ذکر ہے اور بموجب نص صریح وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ [1] (الأعراف:۱۵۷) اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر شے پر حاوی و شامل ہے، جیسا کہ اس کا غضب و مؤاخذہ اور گرفت و سزا بھی رحمت سے خالی نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے عین حکمت سے ہر سورۃ کا آغاز بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے کیا ہے اور یہ ہر سورۃ کا اسی طرح حصہ ہے جس طرح اس کی دیگر آیات۔ بعض علماء نے اسے سورتوں کا حصہ قرار نہیں دیا۔ اس بارے میں ان کے درمیان جو اختلاف ہے، وہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اس کے لئے دیکھئے تفسیر کبیر، تفسیر سورۃ الفاتحۃ، جلد اوّل صفحہ ۱۲ تا ۱۸۔ اگلے باب میں امام بخاریؒ نے یہ سوال خود بھی حل فرمایا ہے۔

مَا جَاءَ فِي فَاتِحَةِ الْكِتَابِ: عنوانِ باب سورۃ فاتحہ سے متعلق کرکے اس کے ساتھ ابوعبیدہ کا قول نقل کیا ہے کہ سورۃ فاتحہ کا نام اس لئے اُمُّ الْكِتَاب ہے کہ ہر مصحف کی ابتداء میں وہ لکھی اور نماز کی ہر رکعت اس سے شروع کی جاتی ہے۔ [2] بعض نے کہا: ''اُمّ'' کے معنی اصل کے ہیں۔ ماں عربی میں اُمّ کہلاتی ہے کہ بچے کی پیدائش کا منبع ہے۔ سورۃ فاتحہ کی آیات بطور اصول ہیں اور قرآنِ مجید ان کی شرح و تفصیل ہے۔ اس لئے سورۃ فاتحہ کا نام اُمُّ الْكِتَاب ہے۔ (فتح الباری، جزء ۸ صفحہ ۱۹۵) دونوں توجیہیں درست ہیں۔ ابوعبیدہ کی توجیہہ بھی امر واقعہ ہے اور دوسری توجیہہ بھی۔ قرآنِ مجید میں صفاتِ باری تعالیٰ کا ذکر ہے اور جس صورت میں ان صفات کا انسان سے تعلق ہے

[1] ترجمہ از تفسیر صغیر: ''اور میری رحمت ہر ایک چیز کو حاوی ہے۔''

[2] (مجاز القرآن لأبی عبیدۃ، أمّ الکتاب سورۃ الفاتحۃ، جزء اوّل صفحہ ۲۰)

اس کا مفصل بیان ہے اور اس کے ان صفات سے فیضیاب ہونے یا محروم رہنے کی حالت میں جو نیک و بد نتائج جزا و سزا کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، دنیا میں یا آخرت میں، وہ قرآنِ مجید میں واضح کئے گئے ہیں۔ یہی تینوں باتیں سورۃ فاتحہ میں مجملاً مذکور ہیں۔ اس لئے وہ قرآنِ مجید کے لئے اُمُّ الْكِتَاب ٹھہری اور اسلامی عبادت کا ضروری حصہ قرار دی گئی کہ اس کے بغیر نماز نہیں۔ امام ابن حجرؒ نے سورۂ فاتحہ کے نام اَلْكَنْز، اَلْوَافِيَة، اَلشَّافِيَة، اَلْكَافِيَة، سُوْرَةُ الْحَمْد، اَلْحَمْدُ لِله، سُوْرَةُ الصَّلَاة، سُوْرَةُ الشِّفَاء، سُوْرَةُ الْأَسَاس، سُوْرَةُ الشُّكْر اور سُوْرَةُ الدُّعَا بھی بیان کئے ہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۱۹۶) یہ نام وصفی ہیں۔ کسی صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر ایک شخص کے درد کا علاج کیا، اس لئے سورۃ فاتحہ کی برکت نمایاں کرنے کی غرض سے اس کا نام سورۃ الشفاء رکھا گیا۔ امام بخاریؒ نے ایسی غیر مستند روایتیں نظر انداز کر دی ہیں۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ: اس آیت میں دین کے معنی مذہب یا طریق نہیں بلکہ محاسبہ و مجازاۃ ہیں۔ یعنی نیکی بدی کا بدلہ۔ یہ تشریح بھی ابو عبیدہ ہی کی ہے۔[1] اور مجاہد کی جس تفسیر کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ حاکم نے بعض صحابہ سے نقل کی ہے۔[2] مذکورہ بالا تفسیر کا حوالہ اس لئے دیا گیا ہے کہ لفظ دین کے کئی معانی ہیں۔ مثلاً عادت، عمل، حکم، حالت، خلق، اطاعت، غلبہ، ملت، شریعت، تقویٰ، سیاست وغیرہ جن کا امام ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے۔
(فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۱۹۶)

هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي: باب کے تحت جو روایت نقل کی گئی ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سورۃ فاتحہ ہی کا حصہ ہے، اس سے الگ نہیں۔ اسے شامل کر کے اس کی سات آیتیں ہوتی ہیں۔ السَّبْعُ الْمَثَانِي سورۂ فاتحہ کا نام ہے اور اس کے معنی ہیں سات آیتیں جو بار بار دُہرائی جائیں۔ مَثَانِي آلۂ ساز، سارنگی یا بربط وغیرہ کی کنجیاں جن سے آواز میں زیر و بم پیدا کیا جاتا ہے اور سرور کے مختلف نغمے حاصل ہوتے ہیں، کو بھی کہتے ہیں۔ بِسْمِ اللهِ کی آیت شامل کرنے سے ہی سات آیتیں ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کا اور دوسری سورتوں کا یہ حصہ ہے، ان سے الگ آیت نہیں، جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ مذکورہ بالا ارشادِ نبوی میں قرآنِ مجید کی یہ آیت مدنظر ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ○ (الحجر: ۸۸)[3]

روایت نمبر ۴۴۷۴ سے ظاہر ہے کہ السَّبْعُ الْمَثَانِي سورۂ فاتحہ کا دوسرا نام ہے اور تقابل سے ظاہر ہے کہ سورۂ فاتحہ کی سات آیات اور قرآنِ عظیم بلحاظ اہمیت مطالب برابر ہیں۔

---

[1] (مجاز القرآن لأبي عبيدة، أمّ الكتاب سورة الفاتحة، جزء اوّل صفحہ ۲۳)

[2] (المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب التفسير، تفسير سورة الفاتحة، جزء ۲ صفحہ ۲۸۴)

[3] ترجمہ از تفسیرِ صغیر: "اور ہم نے یقیناً تجھے سات دُہرائی جانے والی (آیات) اور (بہت بڑی) عظمت والا قرآن دیا ہے۔"

بَاب ۲ : غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحۃ: ۷)

جن پر غضب نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہوئے

٤٤٧٥ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحة:۷) فَقُولُوا آمِيْنَ فَمَنْ وَّافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

۴۴۷۵: عبداللہ بن یوسف (تنیسی) نے ہم سے بیان کیا کہ مالک نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے سُمَيّ سے، سُمَيّ نے ابوصالح (ذکوان) سے، ابوصالح نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو۔ جس کا قول (آمین) ملائکہ کے قول (آمین) کے موافق ہو گیا تو جو اُس کے گناہ پہلے ہو چکے ہیں، اُن کی پردہ پوشی کر کے اُس سے درگزر کی جائے گی۔

طرفہ: ۷۸۲۔

تشریح: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ: آمین کے معنی ہیں الٰہی قبول فرمایا، ایسا ہی ہو۔ آمین دعا ہے، جو امام بھی کر سکتا ہے اور مقتدی بھی۔ صحابہؓ اس کو ضروری سمجھتے تھے اور اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے، جس کی تعمیل ضروری ہے۔ (اس تعلق میں دیکھئے کتاب الأذان، باب ۱۱۱ تا ۱۱۳) جب بندہ الحاح وزاری اور دل کی بے قراری کے ساتھ دعا کرتا ہے تو اس کی آمین کو شرفِ قبولیت بخشا جاتا ہے اور جونہی اللہ تعالیٰ کے حضور دعا قبول ہوتی ہے تو معاً مشیئت ایزدی ملائکہ پر اپنا پرتَو ڈالتی ہے اور پھر ملکی تحریکوں کے تحت تمام متعلقہ اسباب کا رُخ مقصد دعا کی طرف پھر جاتا ہے۔ اس کے خاص فضل سے انسان کی معنویات میں انقلاب آنا شروع ہو جاتا ہے۔ جس کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ سابقہ گناہوں کے اثرات مٹا دیئے جاتے ہیں اور میلانِ گناہ کے سامنے ایک اور روک پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ یکسو ہو کر نیکی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے لفظ مغفرت کی اور ملائکہ کے آمین کہنے اور نمازیوں کی آمین کے اُن کی آمین سے موافق ہو جانے کی۔ اس ضمن میں کتاب بدء الخلق باب نمبر ۵، ۶ بھی دیکھئے، جہاں مشیئت الٰہی کے جبرائیلی انعکاس کی بحث کی گئی ہے۔

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

بَاب ۱: قَوْلُ اللهِ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرة:۳۲)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: اور (اللہ نے) آدم کو سب نام سکھائے

٤٤٧٦: حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح.

۴۴۷۶: مسلم بن ابراہیم نے ہمیں بتایا کہ ہشام (دستوائی) نے ہم سے بیان کیا کہ قتادہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

وَقَالَ لِي خَلِيْفَةُ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجْتَمِعُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُونَ لَوِ اسْتَشْفَعْنَا إِلَى رَبِّنَا فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُوْنَ أَنْتَ أَبُو النَّاسِ خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ وَعَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ فَاشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هَذَا فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ ذَنْبَهُ فَيَسْتَحِي ائْتُوا نُوحًا فَإِنَّهُ أَوَّلُ رَسُوْلٍ بَعَثَهُ اللهُ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَيَأْتُونَهُ فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ سُؤَالَهُ

اور خلیفہ (بن خیاط) نے بھی مجھ سے کہا کہ یزید بن زُرَیع نے ہم سے بیان کیا کہ سعید نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: مومن قیامت کے دن اکٹھے ہوں گے اور کہیں گے: اگر ہم اپنے ربّ کے پاس کسی کی سفارش حاصل کریں۔ وہ حضرت آدمؑ کے پاس آئیں گے۔ کہیں گے: آپؑ لوگوں کے باپ ہیں۔ آپؑ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ملائکہ کو آپؑ کا فرمانبردار بنایا اور آپؑ کو ہر چیز کے نام سکھائے۔ اس لئے آپؑ اپنے ربّ کے پاس ہماری سفارش کریں کہ وہ ہمیں ہماری اس حالت سے چھٹکارا دے۔ وہ کہیں گے: میں اس مقام پر نہیں (کہ سفارش کروں) اور وہ اپنا قصور یاد کریں گے اور شرم محسوس کریں گے۔ (کہیں گے:) نوحؑ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں، جن کو اللہ نے زمین والوں کی طرف بھیجا۔ وہ اُن کے پاس آئیں

رَبَّهُ مَا لَيْسَ لَهُ بِهِ عِلْمٌ فَيَسْتَحِي فَيَقُوْلُ ائْتُوا خَلِيْلَ الرَّحْمَنِ فَيَأْتُونَهُ فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ ائْتُوا مُوسَى عَبْدًا كَلَّمَهُ اللهُ وَأَعْطَاهُ التَّوْرَاةَ فَيَأْتُونَهُ فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ قَتْلَ النَّفْسِ بِغَيْرِ نَفْسٍ فَيَسْتَحِي مِنْ رَبِّهِ فَيَقُولُ ائْتُوا عِيسَى عَبْدَ اللهِ وَرَسُولَهُ وَكَلِمَةَ اللهِ وَرُوحَهُ فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ ائْتُوا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَأْتُونِي فَأَنْطَلِقُ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ عَلَى رَبِّي فَيُؤْذَنَ لِي فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ يُقَالُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَقُلْ يُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُهُ بِتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِيْهِ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَعُوْدُ إِلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي مِثْلَهُ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا

گے۔حضرت نوحؑ کہیں گے: میں اس مقام پر نہیں (کہ سفارش کروں) اور وہ اپنے اس سوال کو یاد کریں گے جو انہوں نے اپنے ربّ سے کیا تھا۔ یعنی اس بات کا سوال جس کا انہیں علم نہیں تھا۔ وہ (اس سے) شرمندہ ہوں گے اور کہیں گے: خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ۔ اس پر وہ اُن کے پاس جائیں گے۔ تو (خلیل الرحمٰن) کہیں گے: میں اس مقام پر نہیں (کہ سفارش کروں۔) موسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ وہ ایسا بندہ ہے جس سے اللہ نے کلام کیا اور جس کو اُس نے تورات دی۔ چنانچہ لوگ اُن کے پاس آئیں گے۔ حضرت موسیٰؑ کہیں گے: میں اس مقام پر نہیں ہوں (کہ سفارش کروں) اور وہ اس نفس کا واقعۂ قتل یاد کریں گے جو انہوں نے مار ڈالا تھا، بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا۔ اور وہ اپنے ربّ سے شرمندہ ہوں گے اور کہیں گے: عیسیٰؑ کے پاس جاؤ، جو اللہ کے بندے اور اُس کے رسول اور کلمۃ اللہ اور رُکن روح تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کہیں گے: میں اس مقام پر نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، جو ایسے بندے ہیں کہ اللہ نے ان کو پہلے بھی گناہوں سے محفوظ[1] رکھا اور بعد میں بھی۔ چنانچہ لوگ میرے پاس آئیں گے۔ مَیں چلا جاؤں گا، جا کر مَیں اپنے ربّ سے اجازت طلب کروں گا اور مجھے اجازت دی جائے گی۔ جب میں اپنے ربّ کو دیکھوں گا، میں سجدہ میں گر پڑوں گا اور جب تک اللہ چاہے گا، مجھے سجدہ میں رہنے دے گا۔ پھر

[1] امام راغب نے "غَفَرٌ" کے معنی "محفوظ رکھنا" بھی کئے ہیں۔ (المفردات فی غریب القرآن۔ غفر)

فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَعُوْدُ الثَّالِثَةَ ثُمَّ أَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَأَقُوْلُ مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ وَوَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُوْدُ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ يَعْنِي قَوْلَ اللهِ تَعَالَى: خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (البقرة:١٦٣)(هود:١٠٨)

کہا جائے گا: اپنا سر اُٹھاؤ۔ مانگو تمہیں دیا جائے گا اور کہو تمہاری سنی جائے گی اور سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ تب میں اپنا سر اُٹھاؤں گا اور میں اُس کی وہ حمد بیان کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا اور اس کے بعد میں سفارش کروں گا اور وہ میرے لئے حدّ مقرر کرے گا اور میں (اس حدّ کے اندر اندر) لوگوں کو جنت میں داخل کروں گا۔ پھر میں اس کی طرف دوبارہ جاؤں گا اور جب اپنے ربّ کو دیکھوں گا تو اسی طرح (سجدہ میں گر پڑوں گا۔) اس کے بعد مَیں سفارش کروں گا تو وہ میرے لیے حد مقرر کر دے گا اور میں (اس حدّ کے اندر اندر) لوگوں کو جنت میں داخل کروں گا۔ پھر تیسری دفعہ اور چوتھی دفعہ اس کے پاس واپس جاؤں گا اور میں کہوں گا: اب آگ میں وہی باقی ہیں جن کے رہنے کی بابت قرآن نے کہا ہے اور جن کا دیر تک رہنا ضروری ہے۔ ابوعبداللہ (امام بخاریؒ) نے کہا: اِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول مراد ہے: وہ اس میں لمبے عرصے تک رہیں گے۔

أطرافه: ٤٤، ٦٥٦٥، ٧٤١٠، ٧٤٤٠، ٧٥٠٩، ٧٥١٠، ٧٥١٦۔

تشریح: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا: سورۂ بقرہ سے متعلق روایات باب ۵۵ تک مذکور ہیں۔ اس باب میں حضرت آدم علیہ السلام کے تعلق میں جن کی خلافت کا ذکر رکوع نمبر ۴ میں ہے، مذکورہ بالا روایت نقل کرکے باب کا عنوان آیت وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرة:۳۲) قائم کیا گیا ہے کہ آدمؑ کو تمام نام سکھائے۔ شارحین کے سامنے دو سوال ہیں۔ ایک یہ کہ کیا نام سکھائے، اشیاء کے نام یا اسماءِ الٰہی؟ اس کے جواب میں رائے کا اختلاف ہے۔ کسی نے ذریت کے نام اور کسی نے ملائکہ کے نام کہا۔ بعض کے نزدیک ہر شے کا نام جو زمین میں ہے، حضرت آدم علیہ السلام کو بتایا گیا اور بعض نے کہا کہ اسماءِ اجناس سکھائے گئے، انواع کے نام نہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۱) اگر دو باتیں مدنظر رکھی جائیں تو تعلیم اسماء سے متعلق سوال کا جواب آسان ہو جاتا ہے۔ ایک حضرت آدم علیہ السلام کی حیثیت کہ وہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی ہیں اور انبیاء کو باقی لوگوں سے اس بات میں امتیاز حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسماءِ الٰہی کی معرفت عطا کئے جاتے ہیں اور دوسروں کے لئے معلّم ربانی ہوتے ہیں اور اسماءِ الٰہی کی

معرفت اس علم کو شامل رکھتی ہے جس کا تعلق مخلوق سے ہے۔ دوسرا اَمر جو جواب کے وقت نظر انداز ہے وہ الفاظ ”کُلّ“ اور ”جَمِیْع“ کے درمیان فرق ہے۔ کُلُّ اسْمٍ کے معنی ہیں ہر نام اور جَمِیْع کے معنی ہیں سب۔ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے مراد سب نام سمجھنا غلطی ہے۔ بلکہ اس کے معنی ہیں: اسماءِ کلیّہ اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت آدم علیہم السلام کو اَسماءِ کلیّہ کے ادراک کی قابلیت عطا کی گئی اور تصورِ کُلّی کی قابلیت ہی انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے۔ حیوانی اور انسانی بچے کی علم کے لحاظ سے ایک ہی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ دونوں جس چیز کو دیکھتے ہیں، اس سے اس شے کی صورت وشکل ان کے آئینہ ذہن میں ہوتی ہے، جسے وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اس سے اُن کا ذہن کوئی ایسا تصور اخذ نہیں کرتا جسے وہ مشابہہ اشیاء پر بھی منطبق کرسکتے ہوں۔ مثلاً بچہ کرسی کمرہ میں دیکھتا ہے، اسے اُس کرسی کے وجود کا احساس ہوگا۔ یہ احساس کہ اس شکل کی ہر شے کرسی ہے، اس میں بڑا ہونے پر پیدا ہوگا۔ انسان پر ایک زمانہ آیا ہے کہ تصوراتِ ذہنی میں اس کی حالت بچے کی سی تھی۔ جس چیز کو دیکھتا، اُس چیز کا احساس رکھتا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے مختلف قسم کے پودوں کو دیکھا اور ان میں تنے، شاخوں، ٹہنیوں، پتوں، پھولوں اور پھلوں کا اشتراک دیکھ کر اس جنس کی اشیاء کا ایک نام الہامِ الٰہی سے تجویز فرمایا، جس میں زمین کا ہر پودا شامل ہے۔ درخت کے نام میں کروڑہا شاخ وپتیاں رکھنے والی چیزیں شامل ہیں۔ یہ لفظ اسم کُلّی کہلائے گا۔ اسی طرح گندم، جَو، چاول، پیاز وغیرہ اسماءِ اجناس اسماءِ کُلیّہ ہیں، جو حضرت آدم علیہ السلام کو وحی الٰہی کے ذریعہ سکھائے گئے اور اس تعلیم الٰہی کا نتیجہ یہ ہے کہ جوں جوں انسان خواص الاشیاء کے علم میں ترقی کرتا جاتا ہے، ناموں کی کتاب لغت (قاموس) ضخیم سے ضخیم ہوتی جاتی ہے۔ انسان کی قابلیت معمولی نہ سمجھی جائے۔ بلکہ اس کا مایہ ناز امتیاز ہے اور اس قابلیت کے یہ معنی ہیں کہ اسے اشیاء کی ظاہر صورت وشکل شناخت کرنے اور ان کے اوصاف میں جو مماثلت یا اختلاف ہے، اسے پہچاننے اور ہر ایک شے میں جو خواص موجود ہیں، انہیں معلوم کرنے کی قدرت ہے اور اُس نے کائناتِ عالَم کا بلحاظ صورت وشکل اور اوصاف وخواص مقابلہ وموازنہ کرکے انہیں ایک دوسرے سے الگ کیا اور ہر ایک شے کا نام رکھا۔ مثلاً مکھی، پھر شہد کی مکھیاں، پھر اُن کی ملکہ (Queen)، اسی طرح اور لاکھوں اور کروڑوں مخزن ہیں۔ انسان کا علم اور اس کی معلومات جن کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا اور اللہ ہی جانتا ہے کہاں اس کا انتہاء ہے۔ یہ نام جہاں حضرت آدمؑ اور بنی آدم کی استعدادِ فطری پر دلالت کرتے ہیں، اس کے ساتھ صفاتِ باری تعالیٰ پر بھی دالّ ہیں اور اس اعتبار سے انسان کا یہ امتیاز اُسے ملائکہ پر بھی فوقیت دیتا ہے کہ وہ یہ قابلیت نہیں رکھتے اور اس میں اس کے سامنے سربسجود و مطیع اور اس کے مددگار وساز گار ہیں۔ ملائکہ کی یاوری وساز گاری ہی کا نتیجہ ہے کہ انسان کے علمی ارتقاء کا دائرہ تحقیق واستنباط وسعت پذیر اور دن بدن بڑھتا چلا جارہا ہے۔

غرض لفظ ”کُلّ“ اور ”جَمِیْع“ کا فرق مدنظر نہ رکھنے سے علماء کو آیت وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرۃ:۳۲) کا مفہوم سمجھنے میں مشکل پیش آئی ہے، جس کا ذکر علامہ ابن حجرؒ نے ان الفاظ میں کیا ہے: وَقِيلَ أَسْمَاءُ الْأَجْنَاسِ دُونَ أَنْوَاعِهَا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۱) حضرت آدم علیہ السلام زمین میں بطور خلیفۃ اللہ مبعوث ہوئے

تھے، اس لئے صفاتِ باری تعالیٰ کا علم اُن کو دیا جانا ضروری تھا اور یہی علم اصل ہے سارے علوم کی۔ اس تعلق میں دیکھئے تفسیر کبیر مصنفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب رضی اللہ عنہ جلد اوّل صفحہ ۳۱۲، ۳۱۳۔

رہا یہ سوال کہ روایت نمبر ۴۴۷۶ کا عنوانِ باب سے کیا تعلق ہے؟ میرے نزدیک روایت کا موضوع انبیاء علیہم السلام کی حیثیت کا بیان ہے کہ وہ اپنی قوم کے لئے بطور نجات دہندہ مبعوث ہوئے تھے اور اس حیثیت سے اُن میں سے ہر نبی نے اپنی استعداد و استطاعت کے مطابق جدوجہد فرمائی۔ لیکن ان میں کامل نجات دہندہ اور شفیع بنی نوع انسان نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے کہ وہ صفاتِ باری تعالیٰ کی کامل معرفت عطا کئے گئے اور مظہرِ حق ٹھہرے۔ آیت وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرة:۳۲) کی تشریح بیان کرنے کی غرض سے مذکورہ بالا روایت یہاں نقل کی گئی ہے۔ روایت کے آخری الفاظ قابلِ توجہ ہیں۔ فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُهُ بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ ثُمَّ أَشْفَعُ - یعنی پھر میں اپنا سر اُٹھاؤں گا اور میں اُس کی وہ حمد بیان کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا اور اس کے بعد میں سفارش کروں گا۔

اِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ کی وضاحت امام بخاریؒ کی ہے۔ یعنی وہ لوگ جن کی نسبت قرآنِ مجید میں فرمایا گیا ہے کہ وہ آگ میں ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہوں گے، وہ میری شفاعت سے محروم ہو جائیں گے۔ لیکن رحمت ربانی ان کا تدارک فرمائے گی۔ دیکھئے کتاب الرقاق، باب ۵۲، روایت نمبر ۶۵۷۳۔

بَاب ۲

قَالَ مُجَاهِدٌ: اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ (البقرة:١٦) أَصْحَابِهِمْ مِنَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُشْرِكِيْنَ. مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ (البقرة:٢١) اللهُ جَامِعُهُمْ. {صِبْغَةٌ: دِيْنٌ.[1]} عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (البقرة:٤٦) عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَقًّا. قَالَ مُجَاهِدٌ: بِقُوَّةٍ (البقرة:٦٤) يَعْمَلُ بِمَا فِيْهِ.

مجاہد نے کہا: (اِذَا خَلَوْا) اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ سے ان کے وہ ساتھی مراد ہیں جو منافق و مشرک ہیں۔ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اُن کو اکٹھا کرنے والا ہے۔ (مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ) صِبْغَةٌ سے مراد دین ہے۔ عَلَى الْخٰشِعِيْنَ سے مراد پکے مومنوں پر۔ مجاہد نے کہا: (خُذُوْا مَا فِيْهِ) بِقُوَّةٍ میں قوت سے یہ مراد ہے کہ اس میں جو احکام ہیں اُن پر عمل کریں۔

وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ مَرَضٌ (البقرة:١٢) شَكٌّ. وَمَا خَلْفَهَا (البقرة:٦٧) عِبْرَةٌ لِمَنْ بَقِيَ. لَا شِيَةَ (البقرة:٧٢) لَا

ابوالعالیہ نے کہا: (فِيْ قُلُوْبِهِمْ) مَّرَضٌ سے مراد شک (جو اُن کے دلوں میں) ہے۔ (نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا) وَمَا خَلْفَهَا سے مراد یہ ہے کہ وہ باقیوں کے لئے

[1] یہ الفاظ فتح الباری مطبوعہ بولاق کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ حاشیہ صفحہ ۲۰۱) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

بَيَاضَ. وَقَالَ غَيْرُهُ: يَسُوْمُوْنَكُمْ (البقرة: ٥٠) يُولُونَكُمْ. الْوَلَايَةُ مَفْتُوحَةٌ مَصْدَرُ الْوَلَاءِ وَهِيَ الرُّبُوبِيَّةُ إِذَا كُسِرَتِ الْوَاوُ فَهِيَ الْإِمَارَةُ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ الْحُبُوبُ الَّتِي تُؤْكَلُ كُلُّهَا فُومٌ. {فَادّٰرَءْتُمْ (البقرة: ٧٢) اخْتَلَفْتُمْ.[1]} وَقَالَ قَتَادَةُ: فَبَآءُوْ (البقرة: ٩١) فَانْقَلَبُوا. وَقَالَ غَيْرُهُ: يَسْتَفْتِحُوْنَ (البقرة: ٩٠) يَسْتَنْصِرُونَ. شَرَوْا (البقرة: ١٠٣) بَاعُوا. رَاعِنَا (البقرة: ١٠٥) مِنَ الرُّعُونَةِ، إِذَا أَرَادُوا أَنْ يُحَمِّقُوا إِنْسَانًا قَالُوا رَاعِنًا. لَا يَجْزِىْ: لَا يُغْنِي.[2] خُطُوٰتِ (البقرة: ١٦٩) مِنَ الْخَطْوِ وَالْمَعْنَى آثَارُهُ. ابْتَلٰى (البقرة: ١٢٥) اخْتَبَرَ.

عبرت ہے۔ لَا شِيَةَ (فِيْهَا) کے معنی اس میں کوئی سفیدی نہیں۔ اور ابو العالیہ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے یَسُوْمُوْنَكُمْ کے یہ معنی کئے ہیں کہ وہ تمہارے ربّ بنتے ہیں۔ اَلْوَلَايَة واؤ کی زبر کے ساتھ وَلَاءٌ کا مصدر ہے جس کے معنی ربوبیت کے ہیں اور اگر واؤ کے نیچے زیر ہو تو اس کے معنی حکومت ہیں۔ (فُوْمٌ) بعض نے کہا ہے: وہ اناج جو کھایا جاتا ہے، سب کا سب فُوم کہلاتا ہے۔ فَادّٰرَءْتُمْ (کے معانی) تم نے (اس کے متعلق) جھگڑا کیا۔ اور قتادہ نے کہا: فَبَآءُوْ (بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ) کے معنی ہیں وہ غضب پر غضب لے کر لوٹ گئے۔ اور قتادہ کے سوا اوروں نے کہا: يَسْتَفْتِحُوْنَ کے معنی ہیں يَسْتَنْصِرُونَ یعنی مدد طلب کرتے ہیں۔ شَرَوْا کے معنی انہوں نے بیچا۔ رَاعِنَا- رَعُوْنَةٌ سے ہے، یعنی حماقت۔ (عرب) جب کسی انسان کو احمق بنانا چاہتے تو کہتے رَاعِنًا۔ لَا تَجْزِىْ (نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ) کے معنی کوئی نفس کسی نفس کے کام نہیں آئے گا۔ (لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ میں) خُطُوٰتِ (جمع ہے خُطْوَةٌ کی، جو) خَطْوٌ سے ہے اس کے معنی ہیں قدموں کے نشان۔ (وَاِذِ ابْتَلٰى میں) ابْتَلٰى کے معنی ہیں آزمایا۔

---

[1] یہ الفاظ صحیح البخاری مطبوعہ آرام باغ کراچی کے مطابق ہیں۔ (صحیح البخاری جزء۲ صفحہ ۶۴۳)

[2] فتح الباری مطبوعہ بولاق میں اس جگہ لَا تَجْزِىْ (البقرة:١٢٤) لَا تُغْنِى کے الفاظ ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ حاشیہ صفحہ ۲۰۲) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: یہ باب بغیر عنوان کے ہے اور اس میں بعض الفاظ و آیات کا مفہوم نقل کیا گیا ہے۔ ”شیطان“ کا لفظ شیطانی وصف انسان پر بھی اطلاق پاتا ہے۔ مجاہدؒ نے سورۂ بقرہ کی آیت (نمبر ۱۵) وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ میں شیاطین سے کفار کے وہ سردار اور راہنما مراد لیے ہیں جو منافق اور مشرک تھے اور انہیں غلط کاری کا مشورہ دیتے تھے۔ مجاہدؒ کی یہ تفسیر عبداللہ بن ابی نجیحؒ اور قتادہؒ سے مروی ہے اور خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ میں حرف جر ”اِلَی“ بمعنی ”مَعَ“ ہے۔ یعنی ان کے ساتھ خلوت میں ہوتے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۲)

مُحِیْطٌۢ بِالْکٰفِرِیْنَ کے معنی اللہ انہیں اکٹھا کرنے والا ہے۔ یہ تفسیر بھی مجاہدؒ کی مذکورہ بالا سند سے مروی ہے اور طبری نے بھی اسے موصولاً نقل کرتے ہوئے اتنا بڑھایا ہے کہ جہنم میں اکٹھا کرے گا[1] اور حضرت ابن عباسؓ نے نے مُنْزِلٌ بِهِمُ النِّقْمَةَ کے معنی کیے ہیں: اُن پر ناراضگی نازل کرنے والا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۲) سیاقِ کلام سے دونوں کا مفہوم واضح اور ایک ہی ہے۔ نِقْمَة عربی میں وہ ناراضگی ہے جس کا اظہار بصورتِ سزا ہو۔ کفار کا احاطہ کرنے سے ظاہر ہے کہ الٰہی سزا کی گرفت نہایت سخت اور ہمہ گیر ہوگی کہ وہ اس سے بچ نہیں سکیں گے۔ جیسا کہ عملاً واقعہ ہوا۔ بڑے شدّ و مد سے کفارِ قریش نے جنگ بھڑکائی اور وہی جنگ ان کی ہلاکت کا باعث ہوئی اور قبل از وقت انذار پورا ہو کر بہتوں کے ایمان و ہدایت کا موجب ہوا۔ قرآن کی آیات اسی لئے آیات کہلاتی ہیں کہ وہ حیّ و قیوم قادر مطلق خدا کے وجود پر دلالت اور اس کی صفات کی نشاندہی کرتی ہیں۔ آیت کے معنی ہیں نشان، جو راہنمائی کرے اور پتہ دے۔ لوگ موجودہ تورات وانا جیل کی عبارتوں کو جو مسلمہ طور پر بعض علماء کا ساختہ پرداختہ ہے آیت کہتے ہیں جو غلطی ہے۔

صِبْغَةٌ سے اشارہ ہے آیت صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ[2] (البقرۃ:۱۳۹) کی طرف۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ میں لفظ صِبْغَةٌ مصدر بمعنی ترغیب و طلب ہے کہ صفاتِ الٰہیہ کا روپ دھارو، اس سے بڑھ کر حسن کسی شے میں نہیں۔ یہ اشارہ ہے بپتسمہ کی طرف، جو یہودیوں اور عیسائیوں میں رائج تھا۔ یہود اپنے بچوں کو یہودی بنانے کی غرض سے پانی سے نہلاتے تھے اور عیسائی بھی، مگر اب بپتسمہ کا طریق تبدیل ہوگیا ہے۔ مجاہدؒ نے صِبْغَةٌ سے مراد دین لیا ہے اور انہی سے صِبْغَةٌ بمعنی فِطرَةَ الله یعنی فطرتِ الٰہی بھی مروی ہے۔ جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ آیت کے آخری فقرے وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ سے عبودیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جس کے معنی ہیں، صفاتِ الٰہیہ کو اپنانا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا مفہوم تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ بیان فرمایا ہے۔[3] یہی عبودیت بالفاظ دیگر دین ہے۔ امام ابن حجرؒ نے صِبْغَةَ اللّٰهِ کی مزید وضاحت کی ہے کہ وہ دین اسلام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۲) اور مذکورہ بالا آیت سے قبل انہی کے الفاظ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا

[1] (جامع البیان للطبری، سورۃ البقرۃ، آیت: مُحِیْطٌۢ بِالْکٰفِرِیْنَ، جزء اوّل صفحہ ۳۷۸)

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اللہ کا رنگ پکڑو اور رنگ میں اللہ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔“

[3] (التفسیر الکبیر للرازی، سورۃ آل عمران، آیت: فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ، جزء۹ صفحہ ۴۰۸)

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○[۱] (البقرۃ:۱۳۳) نقل کئے ہیں کہ انہوں نے اپنی اولاد کو یہی دین اختیار کرنے کی وصیت کی اور ان کی اولاد نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے اقرار کیا۔ نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (البقرۃ:۱۳۴) کہ ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادوں ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی جو ایک ہی معبود ہے عبادت کریں گے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔ یہاں بطور تمہید اس آیت کا انتخاب بھی برمحل ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا ایک ہی دین رہا ہے جو توحید کامل ہے۔ اسی توحید کا نام دوسرے الفاظ میں دِیْن، صِبْغَةَ اللّٰهِ اور اِسْلَام ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنے مخصوص انداز بیان سے ایک ایک لفظ میں وسیع معانی سمیٹے ہیں۔

عَلَى الْخٰشِعِيْنَ سے اشارہ ہے آیت وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ (البقرۃ: ۴۶،۴۷) کی طرف۔ یعنی اور صبر اور دعا کے ذریعہ سے (اللہ سے) مدد مانگو اور بیشک فروتنی اختیار کرنے والوں کے سوا (دوسروں کے لئے) یہ (امر) مشکل ہے۔ (وہ فروتن) جو (اس بات پر) یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے ربّ سے ملنے والے ہیں اور اس بات پر بھی کہ وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ خَاشِعِيْنَ کے معنی ابو العالیہ نے خَائِفِيْنَ کئے ہیں۔ خوف اور خشوع میں فرق ہے۔ خشوع میں الٰہی عظمت اور کبریائی کا اور اپنی کم مائیگی کا اور بے بسی کا احساس ہوتا ہے۔ مجاہدؒ نے خَاشِعِيْنَ سے مراد مومنین لئے ہیں۔ اوّل الذکر تفسیر ابن ابی حاتمؒ نے اور مجاہدؒ کی تفسیر شبابہ کی سند سے عبد بن حمید نے نقل کی ہے۔ مقاتل بن حیان سے خَاشِعِيْنَ کے معنی مُتَوَاضِعِيْنَ بھی مروی ہیں۔[۲] (فتح الباری جزء۸ صفحہ۲۰۳) جسے مدنظر رکھ کر ترجمہ "فروتنی اختیار کرنے والے" کیا گیا ہے۔ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَقًّا سے یہ مراد ہے کہ جو بات دوسروں کے لیے مشکل ہے، مومن اسے اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

بِقُوَّةٍ سے آیت وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (البقرۃ:۶۴) کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور تم پر طُور کو بلند کیا۔ (ہم نے کہا:) جو (حکم) ہم نے تمہیں دیئے ہیں انہیں مضبوطی سے لو اور جو (مقصد) ان میں ہے اسے مدنظر رکھو، تا تم متقی بنو۔ مذکورہ بالا سند سے قُوَّة کا مفہوم اطاعت مروی ہے اور قتادہؒ اور سدیؒ سے قُوَّة کے معنی جدوجہد مروی ہیں، یعنی احکام پر جہاں تک ہو سکے پوری کوشش سے عمل کیا جائے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ۲۰۳)

آیت فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرۃ:۱۱) میں ابو العالیہ اور حضرت ابن عباسؓ سے مَرَضٌ سے

---

[۱] ترجمہ از تفسیر صغیر: "اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور (اسی طرح) یعقوب نے بھی (اپنے بیٹوں کو) اس اس بات کی تاکید کی (اور کہا کہ) اے میرے بیٹو! اللہ نے یقیناً اس دین کو تمہارے لیے چُن لیا ہے۔ پس ہر گز نہ مرنا، مگر اس حالت میں کہ تم (اللہ کے) پورے فرماں بردار ہو۔"

[۲] (تفسیر القرآن العظیم لابن أبي حاتم، سورۃ البقرۃ آیت: اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ، جزء اوّل صفحہ۱۰۳)

مراد شک، اور عکرمہ سے ریا کاری کے معنی مروی ہیں۔ قتادہ نے نفاق مراد لی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۳)

نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا حصہ ہے اس آیت کا وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ○ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ (البقرۃ:۶۶،۶۷) اور ان لوگوں (کے انجام) کا تمہیں یقیناً علم ہو چکا ہے جو تم میں سے سبت کے بارے میں حدود سے بڑھ گئے تھے، تو ہم نے انہیں کہا: ذلیل بندر ہو جاؤ اور ہم نے اس (واقعہ) کو عبرت بنایا، ان کے لئے بھی جو اُس وقت موجود تھے اور اُن کے لئے بھی جو بعد میں آنے والے ہیں، اور متقیوں کے لئے موجب نصیحت ہے۔ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً میں كُوْنُوْا سے مراد طبعی نتیجے کا ظہور اور تقدیر الٰہی کا صدور ہوتا ہے۔ یہ اسلوب قرآنِ مجید میں بلا استثناء اسی قسم کے سیاقِ کلام میں اختیار کیا گیا ہے۔ جب یہود نے احکام الٰہی کی اصل غرض وغایت نظر انداز کی اور صرف ظاہر پر نظر رکھی تو اُن کی حالت نقال بندر کی سی تھی۔ ظاہری قربانی پر زور دیا اور نفس کی قربانی کا خیال نہ رکھا۔ روزہ رکھا، مگر روزہ سے جو مقصود تھا کہ محرمات سے اجتناب کیا جائے، وہ نہیں کیا اور افعالِ شنیعہ کے مرتکب ہوئے۔ جس پر تقدیر الٰہی پاداش کی صورت میں جاری ہوئی کہ وہ حاکم ہونے کے بعد دوسری قوموں کے محکوم ہوئے اور آخر ذلیل ہو گئے کہ دوسروں کا جوا اُن کی گردنوں میں ڈالا گیا اور انہوں نے ان کی عادات ورسوم کی نقالی شروع کر دی جو بندروں کا خاصہ ہے۔ انہی معنوں میں قِرَدَةً وارد ہوا ہے جس سے مراد انسان ہیں اور اسی لئے قِرَدَةً کا وصف بجائے صیغہ مونث کے صیغہ جمع مذکر سالم خٰسِـِٕيْنَ وارد ہوا ہے۔ اگر بندر مراد ہوتے تو اس کا وصف قاعدہ کی رو سے خَاسِئَات ہونا چاہیے تھا۔ اس آیت سے ماقبل جس آیت کا حوالہ بِقُوَّةٍ سے دیا گیا ہے اس میں قُلْنَا حذف ہے اور قرآنِ مجید میں یہ اسلوب بلا استثناء ایسے سیاقِ کلام میں اختیار کیا گیا ہے جہاں الٰہی غضب کی تجلی غیر معمولی ہو۔ ایسی حالت میں شدتِ خوف کی وجہ سے انسان بغیر حکم دئے خود بخود اطاعت اختیار کرتا ہے۔ ہیبت ناک طُوری تجلی دیکھ کر بنی اسرائیل سربسجود ہو گئے۔ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں جب ایسی گرفت سخت ہوتی ہے تو انسان کی گردن خود بخود جھکتی ہے۔ اسی حالت کے پیش نظر قُلْنَا کا لفظ حذف ہے۔ فرماتا ہے: وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ (قُلْنَا) خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ (البقرۃ:۶۴) مذکورۃ الصدر دونوں اسلوب قرآنِ مجید میں جابجا ہیں۔

بعض وقت محض دل کے خیال کو بھی لفظ قَالَ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسے سورۂ یوسف میں ہے کہ بھائیوں کے اس اظہار پر کہ بنیامین کے بھائی نے بھی چوری کی تھی، فرماتا ہے: قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ○ (یوسف:۳۸) کہا تم بڑے بدبخت ہو، اور جو بات تم کہتے ہو اللہ اسے بہتر جانتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ الفاظ اپنے بھائیوں سے نہیں فرمائے تھے کیونکہ اس سے پہلے آتا ہے: فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَ لَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ (یوسف:۳۸) یوسف نے ان کی بات (کہ اس نے اگر چوری کی ہے تو اس کے ایک بھائی نے بھی اس سے پہلے چوری کی تھی) اپنے دل میں پوشیدہ رکھی اور اسے اُن پر ظاہر نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ اس سیاقِ کلام میں قَالَ کا

لفظ دل میں خیال گزرنے پر محمول کیا جائے گا۔ لَا شِيَةَ فِيهَا: کوئی سفیدی نہیں۔

وَقَالَ غَيْرُهُ يَسُومُونَكُمْ: يَسُومُونَكُمْ کا معنی يُوْلُوْنَكُمْ کرنے والے ابو عبید قاسم بن سلام ہیں اور ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ نے بھی یہی معنی کئے ہیں۔ سَامَهُ خَسْفًا کے معنی ہیں: اُس نے اسے ذلت پہنچائی، نقصان پہنچایا۔ سبع معلقات میں عمرو بن کلثوم کا مشہور شعر ہے:

إِذَا مَا الْمَلِكُ سَامَ النَّاسَ خَسْفًا أَبَيْنَا أَنْ نَقِرَّ الْخَسْفَ فِينَا [1]

جب بادشاہ لوگوں کو ذلت و نقصان پہنچائے تو ہم انکار کر دیتے ہیں کہ ذلت ہم میں قرار نہ پائے۔

سَوْم کے معنوں میں دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ يَسُومُونَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ: يَدِيمُوْنَ تَعْذِيْبَكُمْ۔ تمہیں تکلیف دہ سزا دیتے رہتے تھے۔ ریوڑ کو سَائِمَة اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ چرتا رہتا ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۲۰۳)

علامہ طبریؒ نے يَسُومُونَكُمْ کے معنی علاوہ يُوْلُوْنَ کے يُوْرِدُوْنَ اور يُذِيْقُوْنَ بھی کئے ہیں [2] اور يُوْرِدُ کے معنی گھاٹ پر پلانے کے لئے لایا۔ اَذَاقَ، يُذِيْقُ کے معنی چکھایا۔ پوری آیت یہ ہے: وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ○ (البقرة: ۵۰) اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات دی کہ وہ تمہیں بدترین عذاب دے رہی تھی۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیتی تھی اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتی تھی اور تمہارے ربّ کی طرف سے اس (بات) میں (تمہارے لئے) ایک بڑی آزمائش تھی۔ مصیبت جب انتہاء تک پہنچ جائے تو وہی مصیبت مردہ احساسات کو بیدار کرنے اور درماندہ قوم کو اُٹھانے اور نجات دلانے کا باعث بن جاتی ہے۔

امام بخاریؒ نے لفظ يَسُومُونَكُمْ کے تعلق میں اَوْلَى، يُوْلِي کے اشتقاق وَلَايَة کا ذکر کیا ہے، جس سے ابوعبید کی تفسیر يُوْلُوْنَكُمْ کی وضاحت مقصود ہے۔ وَلِيَ، يَلِي - وارث ہوا، حاکم اور مالک (ربّ) بنا۔ وَلِيَ الْعَمَلَ - کارپرداز ہوا، کام کا سپرد کار بنا۔ سورۂ کہف میں الْوَلَايَة وراثت اور حکومت کے معنوں میں وارد ہوا ہے۔ فرماتا ہے: هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا ○ (الكهف: ۴۵) اس وقت معبودِ حقیقی ہی کی حکومت ہوگی اور وہی بہتر بدلہ دینے والا ہے۔ اور انجام کی رو سے نہایت اچھا ہے۔ غرض لفظ وَلَايَة واؤ کی فتح سے ربوبیت کا اور وِلَايَة واؤ کی کسرہ سے امارت کا مفہوم دیتا ہے۔ [3] (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۲۰۳)

آیت وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ

---

[1] (شرح المعلقات السبع للزوزني، معلقة عمرو بن كلثوم، جزء اوّل صفحہ ۲۳۵)

[2] (جامع البيان للطبري، سورة البقرة، آیت: يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ، جزء اوّل صفحہ ۶۴۴)

[3] (مجاز القرآن، سُوْرَةُ الْكهف، آیت: هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ، جزء اوّل صفحہ ۴۰۵)

بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا[1] (البقرة:۶۲) میں لفظ فُوْمٌ کے معنی حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے گندم مروی ہیں اور فراء ادیب نے عطاء بن ابی رباح اور قتادہؒ کی سند سے ہر قسم کا اناج مراد لیا ہے، جس سے روٹی تیار کی جاسکے۔(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۳)

وَقَالَ قَتَادَةُ فَبَآءُوْ- فَانْقَلَبُوا: قتادہ نے فَبَآءُوْ کے معنی کئے ہیں وہ لوٹے۔ یہ معنی ان سے عبد بن حمید نے نقل کئے ہیں۔(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۳) یہ لفظ آیت بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○[2] (البقرة:۹۱) میں مذکورہ بالا معنوں میں وارد ہوا ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهٗ يَسْتَفْتِحُوْنَ- يَسْتَنْصِرُونَ: یعنی مدد مانگتے ہیں۔ اِسْتِفْتَاح کے معنی مدد طلبی ابو عبیدہ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے بجائے يَسْتَنْصِرُونَ کے يَسْتَظْهِرُوْنَ بھی مروی ہیں۔ جس کے معنی ہیں اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کریں گے۔ محمد بن اسحاق نے سیرت نبویہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ عربی قبائل مدینہ نے زمانہ جاہلیت میں یہودیوں پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ تو یہودی کہا کرتے تھے کہ ایک نبی مبعوث ہوگا جس کا زمانہ قریب ہے اور اس کی معیت میں ہم تمہیں قتل کریں گے۔ جب اللہ نے وہ نبی مبعوث فرمایا اور ہم نے اس کی پیروی کی اور یہود نے اس کا انکار کر دیا۔ تو اس تعلق میں آیت وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○(البقرة:۹۰) نازل ہوئی۔[3] (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۴) اس آیت کا ترجمہ یہ ہے: اور جب اُن کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی جو اس (کتاب کی پیشگوئیوں) کو جو اُن کے پاس ہے سچا کرنے والی ہے تو باوجود اس کے کہ پہلے یہ (لوگ اللہ سے) کافروں پر فتح (پانے کی دعا) مانگا کرتے تھے، جب ان کے پاس وہ چیز آگئی جس کو انہوں نے پہچان لیا تو اس کا انکار کر دیا۔ پس ایسے کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔ لفظ يَسْتَفْتِحُوْنَ سے ان کے قول کا ذکر ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے وہ غلبہ حاصل کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے پس ہمارے لئے اپنے ربّ سے دعا کر کہ وہ ہمارے لئے وہ چیزیں نکالے جو زمین اُگاتی ہے، از قسم اپنی سبزیوں کے اور اپنی ککڑیوں کے اور اپنی گندم کے اور اپنی دالوں کے اور اپنے پیاز کے۔"

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "بہت بُرا ہے جو انہوں نے اپنے نفوس بیچ کر ان کے بدلے میں حاصل کیا کہ اُس (حق) کا انکار کر رہے ہیں جو اللہ نے اُتارا۔ اس بات کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل کرتا ہے۔ پس وہ غضب پر غضب لیے ہوئے لوٹے اور کافروں کے لیے رُسوا کن عذاب (مقدر) ہے۔"

[3] (السيرة النبوية لابن هشام، انذار يهود برسول الله صلى الله عليه وسلم، جزء اوّل صفحہ ۲۱۱)

آیت وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○[1] (البقرۃ: ۱۰۳) میں لفظ شَرَوْا کے معنی بَاعُوْا یعنی بیچ دیا۔ ابوعبیدہ نے کئے ہیں۔[2] ابن ابی حاتمؒ نے بھی سدی سے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[3] اور آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا[4] (البقرۃ: ۱۰۵) میں رَاعِنَا لفظ رَعُوْنَة سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں حماقت۔ غیر معقول گفتگو کے وقت یہ فقرہ مخاطب کے لئے بولا جاتا ہے۔ لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا غیر معقول بات نہ کریں۔ یہ تفسیر حسن بصری اور ابوحیوہ کی ہے اور ان سے الرَّاعِنُ: السِّخْرِيُّ کے معنی بھی مروی ہیں، یعنی مسخری کرنے والا۔ رَاعِنَا: ہماری رعایت کریں۔ ان معنوں کی رو سے لفظ "رَاعِ" مُرَاعَاة سے صیغہ فعل امر ہے اور "نَا" ضمیر مفعول ہے۔ ہمارا خیال رکھیں، ہمیں بھی بات کرنے دیں۔ اس میں ضمناً تہکم واستخفاف پایا جاتا ہے کہ آپ اپنی کہتے جاتے ہیں ہماری نہیں سنتے۔ اس تعلق میں بعض روایتیں بھی مروی ہیں کہ یہودی رَاعِنَا بولتے وقت ع کو اس طرح بولتے کہ رَاعِی مقصود ہوتا، یعنی چرواہا۔ یا ان میں سے کوئی کہتا۔ أَرْعِنِي سَمْعَكَ وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کان لگا کر میری بات کی طرف متوجہ ہوں اور سنیں، آپ کو سنانے کی ضرورت نہیں، دانا وبینا ہیں۔[5] (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۴) بظاہر اس فقرہ میں ادب پایا جاتا تھا، لیکن دراصل مذاق تھا، جس کی ممانعت کردی گئی۔ امام بخاریؒ کے نزدیک یہ روایتیں مستند نہیں۔

آیت وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○[6] (البقرۃ: ۱۲۴) میں تَجْزِىْ کے معنی لَا تُغْنِي کوئی نفس کسی نفس کے کام نہیں آئے گا اور آیت يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (البقرۃ: ۱۶۹) اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے جو کچھ حلال اور پاکیزہ ہے (اُسے) کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، وہ

---

1. ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: پس بہت ہی بُرا تھا وہ (عارضی فائدہ) جس کے بدلے میں انہوں نے اپنی جانیں بیچ دیں، کاش کہ وہ جانتے۔
2. (مجاز القرآن، سورۃ البقرۃ، آیت: مَا شَرَوْا بِهٖٓ أَنْفُسَهُمْ، جزء اوّل صفحہ ۴۸)
3. (تفسیر القرآن لابن أبي حاتم، سورۃ البقرۃ، آیت: مَا شَرَوْا بِهٖٓ أَنْفُسَهُمْ، جزء اوّل صفحہ ۱۹۵)
4. ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو (ہمارے رسول کو) "رَاعِنَا" نہ کہا کرو بلکہ یہ کہا کرو کہ ہم پر نظر فرما۔"
5. (المفردات في غریب القرآن للراغب، کتاب الراء، رعن، صفحہ ۳۵۸)
(التفسیر الکبیر للرازی، سورۃ النساء، آیت: وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا، جزء ۱۰ صفحہ ۹۴)
6. ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اور ڈرو اُس دن سے جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ کام نہیں آئے گی اور نہ اس سے کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی شفاعت اسے فائدہ دے گی اور نہ ہی وہ لوگ کوئی مدد دیئے جائیں گے۔"

یقیناً تمہارا کھلا (کھلا) دشمن ہے۔ اس میں لفظ خُطُوٰتِ، خُطْوَۃٌ کی جمع ہے یعنی نشانِ قدم۔ شیطان کے نشان قدم کی پیروی نہ کرو۔ مجاہدؒ نے خُطَاہُ یعنی اس کے قدم معنی کئے ہیں۔ قتادہؒ کے نزدیک ہر معصیت (نافرمانی) خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ میں شامل ہے۔ اس کے معنی نَزَغَاتُ الشَّیْطَان (شیطانی تحریکات) بھی کئے گئے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۴)

آیت وَ اِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ [1] (البقرۃ: ۱۲۵) میں ابْتَلٰٓی کے معنی اِخْتَبَرَ آزمایا، امتحان لیا۔ یہ تفسیر ابو عبیدہ کی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۵)

بَاب۳: قَوْلُهُ تَعَالَى فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:۲۳)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: پس تم سمجھتے بوجھتے ہوئے اللہ کے ہمسر نہ بناؤ

٤٤٧٧: حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيْلَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قُلْتُ إِنَّ ذَلِكَ لَعَظِيْمٌ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ وَأَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ تَخَافُ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ.

۴۴۷۷: عثمان بن ابی شیبہ نے مجھ سے بیان کیا، (کہا:) جریر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے ابووائل سے، ابووائل نے عمرو بن شرحبیل سے، انہوں نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اللہ کے نزدیک کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ کہ اللہ کا ہمسر بناؤ، حالانکہ اُس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ میں نے کہا: یہ تو بہت بڑا گناہ ہے۔ میں نے پوچھا: پھر (اس کے بعد) کونسا؟ آپؐ نے فرمایا: اور یہ کہ تم اپنی اولاد کو مار ڈالو، اس ڈر سے کہ وہ تمہارے ساتھ کھائیں۔ میں نے پوچھا: پھر کونسا؟ آپؐ نے فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

أطرافهُ: ٤٧٦١، ٦٠٠١، ٦٨١١، ٦٨٦١، ٧٥٢٠، ٧٥٣٢۔

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور جب ابراہیم کو اس کے ربّ نے بعض کلمات سے آزمایا اور اس نے ان سب کو پورا کر دیا۔“

تشریح: فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: یہ سورۃ البقرة کی آیت نمبر ۲۳ ہے۔ جس سے عنوانِ باب قائم کیا گیا ہے۔ لفظ اَنْدَادًا جمع ہے نِدٌّ کی، بمعنی نَظِیْر یعنی مثل، ہمسر۔ اس باب کے تعلق میں روایت نمبر ۴۴۷۷ نقل کی گئی ہے، جس میں شرک باللہ، قتل اولاد اور زنا (اَكْبَرُ الْكَبَائِر) سب سے بڑے گناہ قرار دیئے گئے ہیں۔ جبکہ کتاب الشھادات (روایت نمبر ۲۶۵۴) میں شرک باللہ کے ساتھ والدین کی نافرمانی اور جھوٹ بولنے کو اَكْبَرُ الْكَبَائِر کہا گیا ہے۔ بڑا چھوٹا گناہ یا نیکی ایک اضافی یعنی نسبتی امر ہے۔ اَكْبَرُ الْكَبَائِر سے یہ مراد نہیں کہ صرف یہی باتیں گناہِ کبیرہ ہیں بلکہ اور بھی ایسے امور ہیں، جیسا کہ روایت نمبر ۲۷۶۶ میں (اَلسَّبْعُ الْمُوْبِقَات) سات ہلاک کرنے والی باتوں کا ذکر ہے۔

بَاب ٤ : وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تمہارے لئے من و سلویٰ اُتارے

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ (البقرة:٥٨)

(اور کہا کہ) ان پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں کھاؤ۔ اور انہوں نے (نافرمانی کر کے) ہمارا نقصان نہیں کیا بلکہ وہ اپنا ہی نقصان کر رہے تھے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: الْمَنُّ صَمْغَةٌ وَالسَّلْوَى الطَّيْرُ.

مجاہدؒ نے کہا: مَنّ (ایک درخت کی) گوند ہے اور سَلْوَی پرندے ہیں۔

٤٤٧٨ : حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ.

۴۴۷۸: ابونعیم نے ہم سے بیان کیا، (کہا:) سفیان (ثوری) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عبدالملک سے، عبدالملک نے حضرت عمرو بن حُرَیثؓ سے، حضرت عمروؓ نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھمبی بھی مَنّ ہی ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفا کا موجب ہوتا ہے۔

أطرافه: ٤٦٣٩، ٥٧٠٨۔

تشریح: وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى: معنونہ آیت میں اَلْمَنَّ وَ السَّلْوٰى بنی اسرائیل کو عطا کئے جانے کا ذکر ہے۔ مجاہدؒ نے اَلْمَنَّ سے گوند اور السَّلْوٰى سے پرندے مراد لئے ہیں۔ ان کی یہ شرح فریابی سے موصولاً مروی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۵) عنوانِ باب

کے ساتھ مجاہدؒ کے قول کا حوالہ دے کر روایت نمبر ۴۴۷۸ نقل کی گئی ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ کھمبی بھی مَنّ شمار کی گئی ہے۔ مَنّ وہ رزق ہے جو بغیر محنت حاصل ہو۔ کھمبی برسات سے جنگلوں اور پہاڑوں میں بکثرت پیدا ہوتی ہے اور لذیذ ترین کھانا ہے۔ ہندو اسے گوشت کا نعم البدل سمجھتے ہیں۔ ہزارہ کے علاقہ میں گچھیاں جو پیدا ہوتی ہیں وہ بھی کھمبی ہی کی قسم ہے۔ کھمبی جنت کی غذا اسی لئے قرار دی گئی ہے کہ وہ بغیر محنت حاصل ہوتی ہے۔

وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ: ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ آشوب چشم کے لئے اس کا پانی استعمال کیا جاتا تھا۔ کشمیر میں بید کے درختوں کے پتوں اور سطح زمین پر راب جیسی گوند شیریں پائی گئی اور میں نے بھی اسے کھایا ہے۔ بعض اوقات کھلے پہاڑوں کی چوٹیاں بھی سفید راب جیسی شے سے ڈھکی پائی گئیں اور مسافر اُسے استعمال میں لائے ہیں۔ اس باب کی شرح میں امام ابن حجرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت بھی نقل کی ہے کہ مَنّ درختوں پر نازل ہوتی تھی، جس سے بنی اسرائیل جتنی چاہتے کھاتے تھے اور عکرمہ سے مروی ہے کہ مَنّ ترنجبین کی مانند ہوتی ہے۔ خودرَو پھل دار جنگلی پودے، پیلو وغیرہ سب مَنّ کہلائیں گے کہ بغیر محنت سے حاصل ہوتے ہیں۔ سَلوٰی سے متعلق بھی روایتیں نقل کی گئی ہیں، جن سے بٹیر تیتر وغیرہ جنگلی پرندے سَلوٰی میں شمار کئے گئے ہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۲۰۵، ۲۰۶) اس تعلق میں دیکھئے تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ ۴۶۲، ۴۶۳۔

بَاب ۵: وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ

فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ (البقرة: ۵۹)

رَغَدًا وَاسِعٌ كَثِيْرٌ.

اور اس میں سے جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ اور (اس کے) دروازے میں پوری فرمانبرداری کرتے ہوئے داخل ہو اور کہتے جاؤ (کہ ہم) بوجھ ہلکا کرنے کی التجا کرتے ہیں، تب ہم تمہاری خطاؤں کو بالکل معاف کردیں گے اور ہم محسنوں کو ضرور بڑھائیں گے۔ رَغَدًا کے معنی ہیں بہت کشادہ۔

٤٤٧٩: حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ

۴۴۷۹: محمد نے مجھ سے بیان کیا، (کہا:) عبدالرحمٰن بن مہدی نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے (عبداللہ) بن مبارک سے، انہوں نے معمر سے، معمر نے ہمام بن منبہ سے، ہمام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، حضرت ابوہریرہؓ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِيْلَ لِبَنِي إِسْرَائِيْلَ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ (البقرة:۵۹) فَدَخَلُوا يَزْحَفُونَ عَلَى أَسْتَاهِهِمْ فَبَدَّلُوا وَقَالُوا حِطَّةٌ حَبَّةٌ فِي شَعَرَةٍ.

نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ تم دروازہ سے فرمانبرداری سے داخل ہو جانا اور یہ دعائیں کرتے جانا کہ گناہ دور ہوں (یعنی استغفار کرتے جانا) مگر وہ اپنے سرین کے بل رینگتے ہوئے داخل ہوئے اور استغفار کا حکم تبدیل کر دیا اور حِطَّةٌ کی جگہ کہنے لگے، وہ دانے جو بالی کے اندر ہیں۔

أطرافه: ۳۴۰۳، ۴۶۴۱۔

تشریح: وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ: سورۃ البقرۃ کی اس آیت (نمبر ۵۹) میں لفظ رَغَدًا جو وارد ہوا ہے اس کے معنی ہیں وَاسِعًا كَثِيْرًا - اس بستی میں رزق کی بہتات ہے۔ یہ تفسیر ابوعبیدہ کی ہے، کہتے ہیں قَدْ أَرْغَدَ فُلَانٌ إِذَا أَصَابَ عَيْشًا وَّاسِعًا كَثِيْرًا - فلاں کو کھانے پینے وغیرہ کا سامانِ زندگی بہت ملا۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی وسعت رزق کے معنی مروی ہیں۔ طبری نے مذکورہ بالا معنوں کے علاوہ رَغَدًا کے معنی هَنِيْئًا (خوشگوار) بھی نقل کئے ہیں اور انہوں نے مجاہدؒ سے بلا حساب بھی روایت کئے ہیں۔[1] (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۶) اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے بجائے استغفار اور اطاعت الٰہی اور متانت اختیار کرنے کے احکام الٰہی کا مذاق اڑایا اور گستاخ ہو گئے۔

بَاب ۶ : قَوْلُهُ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ (البقرة:۹۸)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: جو بھی جبرائیل کا دشمن ہے

وَقَالَ عِكْرِمَةُ جَبَرَ وَمِيكَ وَسَرَافِ عَبْدٌ، إِيلْ: اللّٰهُ.

عکرمہ نے کہا: جَبَرَ، مِيْكَ اور سَرَافِ کے معنی (عبرانی میں) بندہ کے ہیں اور اِیْل اللہ کو کہتے ہیں یعنی اللہ کا بندہ۔

۴۴۸۰: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُنِيْرٍ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ بَكْرٍ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ

۴۴۸۰: عبداللہ بن منیر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے عبداللہ بن بکر سے سنا۔ (انہوں نے کہا:) حمید نے ہمیں بتایا کہ حضرت انسؓ سے روایت

[1] (جامع البیان للطبری، سورۃ البقرۃ، آیت: وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا، جزء اوّل صفحہ ۵۵۰)

بِقُدُوْمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي أَرْضٍ يَخْتَرِفُ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ ثَلَاثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا نَبِيٌّ فَمَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَمَا أَوَّلُ طَعَامِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَا يَنْزِعُ الْوَلَدُ إِلَى أَبِيْهِ أَوْ إِلَى أُمِّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي بِهِنَّ جِبْرِيْلُ آنِفًا قَالَ جِبْرِيْلُ قَالَ نَعَمْ قَالَ ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُوْدِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَقَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (البقرۃ:۹۸) أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ الْحُوْتِ وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدُ وَ إِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ نَزَعَتْ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ الْيَهُودَ قَوْمٌ بُهْتٌ وَإِنَّهُمْ إِنْ يَّعْلَمُوا بِإِسْلَامِي

ہے کہ وہ کہتے تھے: حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے متعلق سنا اور وہ اس وقت (اپنی) ایک زمین میں پھل چن رہے تھے۔ (سنتے ہی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: میں آپؐ سے تین باتوں کے بارے میں پوچھتا ہوں جو سوائے نبی کے کوئی نہیں جانتا: اُس گھڑی کی علامتوں میں سے پہلی علامت کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہوگا؟ اور بچہ اپنی ماں یا اپنے باپ سے کیوں مشابہ ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جبریل نے مجھے ان باتوں سے متعلق ابھی بتایا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے کہا: جبریل؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے کہا: وہی (جبریل) جو ملائکہ میں سے یہود کا دشمن ہے، تو آپؐ نے یہ آیت پڑھی: جو شخص جبریل کا اس لئے دشمن ہے کہ اس نے تیرے دل پر یہ (قرآن) نازل کیا ہے۔ اس گھڑی کی پہلی علامت ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کر کے لے جائے گی، اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا حصہ ہوگا، اور اگر مرد کا پانی عورت کے پانی سے سبقت لے جائے تو بچہ اس کے مشابہ ہو جاتا ہے اور اگر عورت کا پانی سبقت لے جائے تو بچے کو اپنے مشابہ کر لیتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے کہا: میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اقرار کرتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ یا رسول اللہ! یہود بڑے

أَنْ تَسْأَلَهُمْ يَبْهَتُونِي فَجَاءَتِ الْيَهُوْدُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللهِ فِيكُمْ قَالُوا خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا وَسَيِّدُنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا قَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ فَقَالُوا أَعَاذَهُ اللهُ مِنْ ذَلِكَ فَخَرَجَ عَبْدُ اللهِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ فَقَالُوا شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا وَانْتَقَصُوْهُ قَالَ فَهَذَا الَّذِي كُنْتُ أَخَافُ يَا رَسُوْلَ اللهِ.

مفتری لوگ ہیں، اگر انہوں نے جان لیا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے، (پیشتر اس کے کہ) آپؐ ان سے (میرے متعلق) پوچھیں تو وہ مجھ پر بہتان لگائیں گے۔ پھر یہود آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: عبداللہ تم میں کیسے آدمی ہیں؟ کہنے لگے: ہم میں سے بہترین ہیں اور ہم میں سے بہترین کے بیٹے ہیں اور ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: بھلا بتاؤ تو سہی اگر عبداللہ بن سلامؓ اسلام قبول کر لے (تم بھی کر لو گے؟) کہنے لگے: اللہ ان کو اس سے پناہ میں رکھے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہؓ باہر آ گئے اور کہنے لگے: میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ کہنے لگے: ہم میں سے بد ترین ہے، اور ہم میں سے بدترین کا بیٹا ہے اور ان کے نقائص بیان کرنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا: یارسول اللہ! یہ ہے وہ بات جس سے میں ڈرتا تھا۔

أطرافه: ۳۳۲۹، ۳۹۱۱، ۳۹۳۸۔

تشریح: **مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ:** پوری آیت یہ ہے: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَإِنَّ اللهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ○ (البقرة: ۹۸،۹۹) تو (ان سے) کہہ دے کہ جو شخص اس وجہ سے جبریل کا دشمن ہو کہ اس نے تیرے دل پر اللہ کے حکم سے اس (کتاب) کو اُتارا ہے جو اس (کلام) کو جو اس سے پہلے موجود ہے سچا کرنے والی ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔ (تو اسے یاد رہے کہ) جو شخص (بھی) اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو تو (ایسے) کافروں کا اللہ بھی یقیناً دشمن ہے۔ عکرمہ کے نزدیک جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے نام مرکب ہیں۔ جَبَرَ، مِيْكَ اور سَرَافِ تینوں کے معنی عَبْد (حکم بجالانے والا) اور إِيْل بمعنی اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیئت نافذ کرنے والے تو سب ملائکہ ہی ہوتے

ہیں اور مذکورہ تین فرشتوں کے معین فرائض ہیں۔عربی اُمّ الْاَلْسِنَۃ ہے اور عبرانی اس کی ایک شاخ اور بدلی ہوئی شکل ہے۔ جَبْر عربی میں بمعنی اصلاح، ٹوٹی ہوئی ہڈی کا بحال کرنا۔(أقرب الموارد- جبر)انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد بگڑی قوموں کے سنوارنے سے ہے اور وہ وحی جس کا تعلق ہدایت و اصلاح سے ہے، اس کا نزول بذریعہ جبریل ہوتا ہے اور اس ہدایت کا ہدف و مقصود تزکیہ نفوس ہے۔ اسی لئے مذکورہ بالا آیت سے ما قبل آیت میں جبریل کا علیٰحدہ ذکر کیا اور فرمایا ہے: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○(البقرۃ:۹۸) تو(ان سے) کہہ دے کہ جو شخص اس وجہ سے جبریل کا دشمن ہو کہ اس نے تیرے دل پر اللہ کے حکم سے اس (کتاب) کو اُتارا ہے جو اس (کلام) کو جو اس سے پہلے موجود ہے سچا کرنے والی ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔ ایسے منکروں کا یقیناً اللہ دشمن ہوگا جو محض اس وجہ سے ماننے سے انکاری ہیں۔ رسول اور کلام نازل کرنے والے سے دشمنی درحقیقت اپنی جان سے دشمنی ہے۔ باب کے معنونہ حوالے سے ظاہر ہے کہ میکائیل بھی مرکب نام ہے اور مشیئت الٰہی کا نافذ کرنے والا ہے۔ عہد نامہ قدیم کی کتاب دانی ایل سے ظاہر ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا مقرب فرشتہ ہے، جو بنی اسرائیل کو اجنبی حکومت سے رہائی دلانے کے لئے مامور تھا۔(دانی ایل، باب ۱۲: ۱) اس سے میکائیل کے فرض منصبی کی نوعیت کا علم ہوتا ہے کہ دنیاوی امور کی اصلاح اس کے سپرد ہے۔ جبریل کا تعلق روحانی امور کی اصلاح سے ہے۔ دونوں کا دائرہ عمل جدا اور ہر ایک اپنے دائرہ عمل سے وابستہ ہے۔ مذکورہ بالا فرق کی تصدیق نہ صرف عہد نامہ قدیم سے بلکہ اناجیل کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام سے ہم کلام ہونے والا فرشتہ جبریل بتایا گیا ہے، جس نے ان سے اور حضرت مریم علیہ السلام سے کلام کیا اور خوش خبری دی۔(لوقا، باب ۱:۱۹تا۳۳) حضرت دانیال علیہ السلام کو اپنی ایک رؤیا سمجھ نہیں آتی تھی، اس کی تفہیم کے لئے جو فرشتہ انسان کی صورت میں متمثل ہوا وہ جبریل ہی تھا۔(دانی ایل، باب ۸:۱۵تا۲۷) یہ امر کہ آیا یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جبریل کو اپنا دشمن اور میکائیل کو دوست سمجھتے تھے، روایت نمبر ۴۴۸۰ سے ظاہر ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور ملائکۃ اللہ بلا تفریق قابل تعظیم و تکریم ہیں، مگر جب کوئی قوم جہالت میں مبتلاء ہو جائے اور ادبار و ذلت میں ہو تو اپنی نحوست و فلاکت کے اسباب سمجھنے کی جگہ وہ دوسروں کو ملزم گردانتی اور اپنی نجات کی راہ کلیۃً بند کر دیتی ہے۔ یہی عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا باب سے متعلق امام ابن حجرؒ نے اور بھی روایتیں نقل کی ہیں، جو امام بخاریؒ نے غیر مستند ہونے کی وجہ سے نظر انداز کر دی ہیں اور بعض مفسرین نے انہیں نقل کر کے اپنے شوق تصنیف کی پیاس بجھائی ہے۔(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۰۸، ۲۰۹) امام موصوف نے سورۃ البقرۃ کی محولہ آیات سے متعلق یہ ابواب بلاوجہ منعقد نہیں کئے۔

بَاب۷: قَوْلُهُ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا (البقرة: ۱۰۷)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: ہم جو بھی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اس کو بھلا دیتے ہیں

٤٤٨١ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيْبٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَقْرَؤُنَا أُبَيٌّ وَأَقْضَانَا عَلِيٌّ وَإِنَّا لَنَدَعُ مِنْ قَوْلِ أُبَيٍّ وَذَاكَ أَنَّ أُبَيًّا يَقُوْلُ لَا أَدَعُ شَيْئًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ قَالَ اللهُ تَعَالَى مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نَنْسَأَهَا. [1]

طَرَفُهُ: ۵۰۰۵۔

۴۴۸۱: عمرو بن علی نے ہمیں بتایا۔ یحییٰ (بن سعید قطان) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (ثوری) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے حبیب (بن ابی ثابت) سے، حبیب نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے: ہم میں سب سے بہتر قرآن پڑھنے والے اُبَیّ (بن کعبؓ) ہیں اور ہم میں سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں اور ہم اُبَیؓ کی ایک بات چھوڑتے ہیں اور وہ یہ کہ اُبَیؓ کہتے ہیں کہ میں کوئی بھی (قرأت) نہیں چھوڑوں گا جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہم جو بھی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اُس کو بھلا دیتے ہیں۔

تشریح: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا: یہ باب مشہور مسئلہ ناسخ و منسوخ کے تعلق میں قائم کیا گیا ہے۔ ناسخ و منسوخ کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بعض احکام نازل ہوئے اور پھر وہ مع متعلقہ آیات منسوخ ہوئے۔ اس بارے میں کچھ روایتیں بھی ہیں جو غیر مستند ہونے کی وجہ سے امام بخاریؒ نے قبول نہیں کیں۔ صرف ایک روایت (نمبر ۴۴۸۱) ان کے نزدیک درست ہے، جو معنعن ہے اور لفظی قرأت سے متعلق ہے۔ احکام کی منسوخی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اَقْرَءُنَا أُبَيٌّ: ہم میں سے سب سے زیادہ عمدہ قاری حضرت اُبَیّ بن کعبؓ ہیں۔ امام ترمذیؒ نے یہ روایت حضرت انسؓ سے مرفوع نقل کی ہے، جس کے یہ الفاظ ہیں۔ أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ... وَأَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ۔ [2] میری اُمت سے سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابو بکرؓ ہیں ... اور ان میں سے کتاب اللہ کا

[1] فتح الباری مطبوعہ بولاق میں "مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا" کے الفاظ ہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ حاشیہ صفحہ ۲۰۹) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

[2] (سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل وزید بن ثابت...)

زیادہ علم رکھنے والے اُبَیّ بن کعبؓ ہیں۔ یہ حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ و دیگر صحابہ کی سند سے بھی مروی ہے اور اس کا تعلق صورت تلفظ سے ہے۔ جب حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے منشاء کے موافق قرآنِ مجید کو ایک طریق قرأت پر مصحف کی شکل میں محفوظ کیا تو باقی قرأتیں ترک ہوئیں۔ حضرت اُبَیّ بن کعبؓ کو یہ سب قرأتیں یاد تھیں، جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کا موقع ملا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر باقی قرأتیں چھوڑی دی جائیں اور ایک طرز پر اکتفا کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور استدلال معنونہ آیت سے کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس استدلال کا تعلق قرأت سے ہے نہ نسخ کے احکام سے، اور آپ کا یہ استدلال ضمنی کہلائے گا۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ محولہ بالا آیت اپنے اصل سیاق میں بھی قرأت سے متعلق ہے۔ پوری آیت یہ ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ (البقرۃ:۱۰۷)[1] یہ آیت نئی شریعت کے نزول سے متعلق ہے کہ وہ خیر و رحمت کا منبع اور فضل عظیم کا ظہور ہے۔ یہودی اور مشرک نہیں پسند کرتے کہ عرب اس کے لئے چنے جائیں۔ فرماتا ہے کہ ہمارا طریق عمل یہ ہے کہ جب ہم کوئی (آیت) راہنمائی کی بات منسوخ کرتے ہیں تو اس سے بہتر لاتے ہیں، یا بھلا دیتے ہیں تو ویسی ہی بات لے آتے ہیں۔ یہ آیت قاعدہ لف و نشر کے مطابق ہے۔ آیت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں، ایک نسخ کی اور دوسری نسیان کی، اور دوسرے حصہ کا پہلا جملہ نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ پہلی بات سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا جملہ اَوْ مِثْلِهَا دوسری بات سے۔ یعنی شریعت کے منسوخ ہونے کی صورت میں اس سے بہتر شریعت لوگوں کی راہنمائی کے لئے لائی جاتی ہے اور نسیان کی صورت میں بھولی ہوئی شے کی تجدید ہوتی ہے اور اسے بحال کر دیا جاتا ہے۔ یہ وہ سنت الٰہی ہے جس کا ذکر مذکورہ بالا آیت میں کیا گیا ہے۔ آیت کے آخر میں اپنی صفت قدیر کا ذکر کیا ہے۔ فرماتا ہے: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔ کیا تمہیں علم نہیں ہوا کہ اللہ ہر مشیئت (ارادہ) پر قدیر ہے۔ یعنی اس نے اندازے مقرر کئے ہوئے ہیں کہ کب اور کن حالات میں تجدید کی ضرورت ہوتی ہے اور کیا حالات نئی شریعت کے متقاضی ہیں۔ ان میں سے ہر بات پر جس کا وہ ارادہ کرے کامل قدرت رکھتا ہے۔ محولہ بالا آیت اپنے سیاق کلام اور اسلوب بیان میں کتنی واضح ہے۔ لیکن غلط تفسیر اور کمزور روایتوں سے کچھ کا کچھ سمجھ لیا گیا اور قرآن میں ناسخ و منسوخ کے جھگڑے کا ایک دروازہ کھول دیا گیا۔ اللہ بھلا کرے امام بخاریؒ کا جنہوں نے خاموشی سے اس کا آسان حل اس باب اور اس کی ایک روایت سے کر دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس نسخ کا احکام سے کوئی تعلق نہیں۔ جب حضرت عمرؓ نے حضرت اُبَیّ بن کعبؓ کو مشورہ دیا کہ مختلف قرأتوں کی ضرورت نہیں تو انہوں نے کہا کہ میں نے جو قرأت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اسے کیسے چھوڑ دوں تو حضرت عمرؓ نے مذکورہ بالا آیت سے بہت لطیف جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تو حالات کی تبدیلی سے ایک شریعت تک کو منسوخ کر دیتا ہے اور تم مختلف طرز قرأت نہیں چھوڑ سکتے۔

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”جو آیت بھی ہم منسوخ کر دیں یا اُسے بُھلا دیں، اُس سے بہتر یا اُس جیسی ضرور لے آتے ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر جسے وہ چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے۔“

بَاب۸: وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ (البقرۃ: ۱۱۷)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے (اپنے لئے) ایک بیٹا بنالیا ہے (ان کی بات درست نہیں) وہ (توہر کمزوری سے) پاک ہے

٤٤٨٢: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللهُ كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ ذَلِكَ وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ ذَلِكَ فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَزَعَمَ أَنِّي لَا أَقْدِرُ أَنْ أُعِيدَهُ كَمَا كَانَ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ لِي وَلَدٌ فَسُبْحَانِي أَنْ أَتَّخِذَ صَاحِبَةً أَوْ وَلَدًا.

۴۴۸۲: ابوالیمان نے ہم سے بیان کیا کہ شعیب نے ہمیں بتایا کہ عبداللہ بن ابی حسین سے مروی ہے (انہوں نے کہا) کہ نافع بن جبیر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، حضرت ابن عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم نے میری تکذیب کی اور یہ اس کو نہیں چاہیے تھا، اور اس نے مجھ کو گالیاں دیں اور اس کو یہ نہیں چاہیے تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ اس نے خیال کیا کہ میں اس کو پھر ویسے کا ویسا دوبارہ (پیدا) نہیں کر سکتا جیسا کہ وہ تھا اور اس کا مجھے گالیاں دینا، یہ کہنا ہے کہ میرا ایک بیٹا ہے۔ میں پاک ہوں اس سے کہ کسی کو جورو یا بیٹا بناؤں۔

تشریح: وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ: روایت ۴۴۸۲ احادیث قدسیہ میں سے ہے۔ حدیث قدسی وہ ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا قول منقول ہو۔ جسے کامل علم اور کامل قدرت ہو، ایسی علیم وقدیر ذات سے متعلق یہ خیال کہ وہ اعادۂ خلق یا موجودہ نظام سے بہتر نہیں بنا سکتا ہے، اس کی طرف عجز منسوب کرنے کے مترادف ہے، جو اس کی صفات کاملہ کی تکذیب ہے۔ فانی مخلوق اپنی نوع کی بقاء و دوام کے لئے اولاد کی محتاج ہوتی ہے، جو اس کی وارث ہو کر اس کا سلسلہ قائم رکھے۔ اسی لئے غیر فانی اشیاء میں سلسلہ تناسل نہیں۔ پس خالق کا بیٹا تجویز کرنے کے لازماً یہ معنی ہوں گے کہ وہ فانی ہے اور اولاد کا محتاج۔ جو اس کے لئے گالی کے مترادف ہے۔ گالی میں نقص وعیب منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی لئے محولہ بالا آیت میں سُبْحٰنَهٗ کہہ کر خالق کو بے عیب قرار دیا گیا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○ (البقرة:۱۱۷) ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے (اپنے لیے) ایک بیٹا بنالیا ہے۔ (اُن کی بات درست نہیں) وہ (تو ہر کمزوری سے) پاک ہے، بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اُسی کا ہے۔ سب اُس کے فرمانبردار ہیں۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (البقرة:۱۱۸) یعنی وہ آسمانوں اور زمین کو (بغیر کسی سابق نمونہ کے) پیدا کرنے والا ہے اور جب وہ کسی اَمر (کے عالَم وجود میں لانے) کا فیصلہ کرلیتا ہے تو اُس کے متعلق صرف یہ فرماتا ہے کہ تو ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے۔ محولہ آیات اور روایت میں عیسائیوں اور مشرکین کے مروجہ عقائد باطلہ کا ردّ ہے۔ مشرکوں نے بھی خدا تعالیٰ کے بیٹے بیٹیاں تجویز کئے ہوئے تھے۔ تاریخ مسیحیت سے ثابت ہے کہ اس میں رومانی مشرکین کے مشرکانہ عقائد داخل ہو گئے تھے۔

بَاب ۹: قَوْلُهُ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (البقرة: ۱۲۶)

(اللہ تعالیٰ کا یہ) فرمانا: اور (حکم دیا تھا کہ) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ

مَثَابَةً (البقرة:۱۲۶) يَثُوبُونَ يَرْجِعُونَ.

مَثَابَةً کے معنی ایسی جگہ جہاں لوگ بار بار لوٹ کر آتے ہیں۔

۴۴۸۳: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ وَافَقْتُ اللهَ فِي ثَلَاثٍ أَوْ وَافَقَنِي رَبِّي فِي ثَلَاثٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَوِ اتَّخَذْتَ مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ يَدْخُلُ عَلَيْكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَلَوْ أَمَرْتَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْحِجَابِ فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ الْحِجَابِ قَالَ وَبَلَغَنِي مُعَاتَبَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضَ نِسَائِهِ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِنَّ قُلْتُ إِنِ انْتَهَيْتُنَّ أَوْ لَيُبَدِّلَنَّ اللهُ رَسُولَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴۴۸۳: مسدد نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے یحیٰ بن سعید (قطان) سے، یحیٰ نے حمید (طویل) سے، حمید نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تین باتوں میں میری رائے اللہ کے منشاء کے مطابق ہوئی، یا کہا: تین باتوں میں میرے ربّ نے میری رائے کے مطابق کیا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! اگر آپؐ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ قرار دیں (تو بہتر ہو) اور میں نے کہا: یارسول اللہ! آپؐ کے پاس اچھے اور بُرے آتے ہیں اگر آپؐ اُمہات المؤمنین کو پردہ کرنے کے لئے فرمائیں (تو اچھا ہو)۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حجاب کا حکم نازل کیا۔ کہتے تھے: اور مجھے یہ خبر پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ سے ناراضگی

خَيْرًا مِّنْكُنَّ حَتَّى أَتَيْتُ إِحْدَى نِسَائِهِ قَالَتْ يَا عُمَرُ أَمَا فِي رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَعِظُ نِسَاءَهُ حَتَّى تَعِظَهُنَّ أَنْتَ فَأَنْزَلَ اللهُ: عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ (التحریم:٦) الْآيَةَ. وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ سَمِعْتُ أَنَسًا عَنْ عُمَرَ.

کا اظہار کیا ہے۔ میں آپؐ کی ازواج کے پاس گیا۔ میں نے کہا: اگر تم باز آتی ہو (تو آؤ) ورنہ اللہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے بدلے تم سے بہتر (عورتیں) دے گا۔ جب میں آپؐ کی ازواج میں سے ایک کے پاس گیا تو وہ بول اُٹھیں: عمرؓ! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کو نصیحت نہیں فرماتے کہ آپؓ ان کو نصیحت کرنے لگ گئے ہیں۔ آخر اللہ نے یہ وحی نازل کی: ہوسکتا ہے کہ اگر وہ تم کو طلاق دے دے تو اس کا ربّ تمہارے بدلہ میں اس کو ایسی ازواج دے جو تم سے بہتر ہوں، فرمانبردار ہوں۔ ابن ابی مریم نے کہا: یحیٰ بن ایوب نے ہم سے بیان کیا کہ حمید نے مجھے بتایا۔ (وہ کہتے تھے) کہ میں نے حضرت انسؓ سے سنا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے یہی روایت بیان کی۔

أطرافهُ: ٤٠٢، ٤٧٩٠، ٤٩١٦۔

تشریح: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى: پوری آیت یہ ہے: وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ (البقرۃ:۱۲۶) اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے اس گھر (یعنی کعبہ) کو لوگوں کے لئے بار بار جمع ہونے کی جگہ اور امن (کا مقام) بنایا تھا۔ اور (حکم دیا تھا کہ) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک (اور صاف) رکھو۔

عنوان باب میں لفظ مَثَابَةً کی شرح ابوعبیدہ سے مروی ہے۔ یہ اسم مصدر ہے۔ بعض کے نزدیک ظرف مکاں ہے۔ فراء ادیب نے مَثَابَةٌ اور مَثَابٌ کو ایک ہی معنوں میں قرار دیا ہے، یعنی مرجع عالم، جیسے مَقَامٌ اور مَقَامَةٌ۔ علماء بصرہ کے نزدیک "ة" مبالغہ کے لئے ہے، جیسے سَيَّارَةٌ۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۱۱، ۲۱۲) اس باب کے تحت ایک روایت (نمبر ۴۴۸۳) درج ہے۔ اس میں مذکور تحویل قبلہ کے مضمون کے لیے دیکھئے کتاب الصلاۃ باب ۳۰ تا ۳۲۔ نیز کتاب النکاح باب ۱۱۵، روایت نمبر ۵۲۳۷ بھی دیکھئے جہاں حجاب سے متعلق حضرت عمرؓ کی رائے کا ذکر ہے۔

بَاب ١٠ : قَوْلُهُ تَعَالَى وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: اور جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○(البقرة:١٢٨)

(تو انہوں نے یہ دعا کی:) اے ہمارے ربّ! ہم سے قبول کیجیو۔ تو ہی خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

الْقَوَاعِدُ: أَسَاسُهُ وَاحِدَتُهَا قَاعِدَةٌ، وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ (النور:٦١) وَاحِدُهَا قَاعِدٌ.

اَلْقَوَاعِدَ کے معنی ہیں: بنیادیں۔ اس کا مفرد قَاعِدَةٌ ہے اور (سورۂ نور میں جو) وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ آیا ہے تو اس کا مفرد قَاعِدٌ ہے۔ یعنی جو شادی کے قابل نہیں۔

٤٤٨٤: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ أَخْبَرَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ قَوْمَكِ بَنَوا الْكَعْبَةَ وَاقْتَصَرُوا عَنْ قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيْمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَلَا تَرُدُّهَا عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ لَوْلَا حِدْثَانُ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ لَئِنْ كَانَتْ عَائِشَةُ سَمِعَتْ هٰذَا مِنْ رَّسُوْلِ

۴۴۸۴: اسماعیل (بن ابی اویس) نے ہم سے بیان کیا، کہا: مالک نے مجھے بتایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے سالم بن عبداللہ سے روایت کی کہ عبد اللہ بن محمد بن ابی بکر نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بتایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں علم نہیں کہ تمہاری قوم نے کعبہ بنایا تھا اور انہوں نے ابراہیمؑ کی بنیادوں سے چھوٹا رکھا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپؐ پھر اسے ابراہیم کی بنیادوں پر نہیں کر دیتے؟ آپؐ نے فرمایا: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمہاری قوم نے حال ہی میں کفر سے نجات پائی ہے (تو میں ویسا کر دیتا۔) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے (یہ سن کر) کہا: اگر حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے تو میں

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُرَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكَ اسْتِلَامَ الرُّكْنَيْنِ اللَّذَيْنِ يَلِيَانِ الْحِجْرَ إِلَّا أَنَّ الْبَيْتَ لَمْ يُتَمَّمْ عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيْمَ.

سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ستون جو حجر اَسود سے ملحق ہیں ان کو بوسہ نہیں دیا تو اس کی صرف یہی وجہ تھی کہ بیت اللہ کو حضرت ابراہیمؑ کی بنیادوں پر پورے طور پر نہیں بنایا گیا تھا۔

أطرافهُ: ١٢٦، ١٥٨٣، ١٥٨٤، ١٥٨٥، ١٥٨٦، ٣٣٦٨، ٧٢٤٣۔

تشریح: وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ: پوری آیت یہ ہے وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○(البقرة:۱۲۸)اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم اس گھر کی بنیادیں اُٹھا رہا تھا اور اسماعیل بھی۔ (دونوں دعا کرتے تھے:) اے ہمارے ربّ! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرما۔ تو ہی (ہے جو) بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔ بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر کتاب الحج باب(۴۲) فَضْلُ مَكَّةَ وَبُنْيَانُهَا اور کتاب أحادیث الأنبیاء باب ۹، ۱۰ میں وضاحت سے موجود ہے۔ ابوعبیدہؒ نے اس آیت کی تشریح میں قَوَاعِد سے بنیاد مراد لی ہے اور طبریؒ سے مروی ہے کہ اس بارہ میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ آیا حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی بنیاد ڈالی یا بنیاد پہلے موجود تھی جو بحال کر کے دوبارہ اُٹھائی گئی اور انہوں نے صحیح سند سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ سابقہ قدیم بنیاد ان دونوں کے ہاتھوں سے بحال ہوئی اور بیت اللہ از سرِ نو بنایا گیا۔[1] (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۱۳)

عنوان باب میں لفظ اَلْقَوَاعِدُ کی تشریح حضرت ابن عباسؓ کی روایت کی تصدیق میں ہے۔ نیز آیت وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا (النور:۶۱) کا حوالہ دے کر بتایا گیا ہے کہ بڑھیا جو نکاح کے قابل نہ ہو، اسے عربی میں قَاعِدٌ کہتے ہیں اور اس کی جمع قَوَاعِد ہے اور بنیادوں کو بھی قَوَاعِد کہتے ہیں۔ اس سے گویا اشارہ کیا ہے کہ وہ (گھر) ایک زمانہ عبادت گاہ رہنے کے بعد ترک کر دیا گیا تھا۔ قرآن مجید میں بیت اللہ کا نام بیت العتیق بھی آیا ہے۔ (الحج:۳۰) یعنی قدیم گھر۔

بَاب ۱۱ : قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا (البقرة:۱۳۷)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) تم کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا، اس پر ایمان لائے ہیں

٤٤٨٥ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ أَخْبَرَنَا عَلِيٌّ

۴۴۸۵: محمد بن بشار نے ہمیں بتایا کہ عثمان بن عمر نے ہم سے بیان کیا کہ علی بن مبارک نے ہمیں

[1] (جامع البیان للطبری، سورة البقرة، وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ... جزء۲ صفحہ ۵۴۹)

بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا (البقرة:۱۳۷) الْآيَةَ.

بتایا۔ انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے، یحییٰ نے ابوسلمہ سے، ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: اہل کتاب تورات کو عبرانی میں پڑھا کرتے تھے اور مسلمانوں سے اس کا مفہوم عربی زبان میں بیان کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب کی نہ تم تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب، اور یہ کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اس پر بھی جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔

أطرافہ: ۷۳۶۲، ۷۵۴۲۔

تشریح: قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا: معنونہ آیت ۱۳۷ نیز آیت ۱۳۸ ایسی اصولی تعلیم پر مشتمل ہیں جس سے مذاہب عالم کے اختلاف مٹ سکتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ (البقرۃ:۱۳۸) اگر وہ اس تعلیم سے روگردانی کریں گے تو وہ پھوٹ میں رہیں گے۔ روایت زیر باب سے متعلق امام شافعیؒ نے وضاحت کی ہے کہ ارشادِ نبویؐ سے یہ مراد نہیں کہ جو بات شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو اس میں بھی ان کی تصدیق نہ کی جائے۔ اسی طرح جو اس کے خلاف ہو اس کی تکذیب نہ ہو۔ بلکہ اس سے مراد مشتبہ، ظنی وغیر معقول باتیں ہیں جو وہ اپنی کتابوں سے بیان کریں، انہیں سن کر خاموش رہو۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۱۴) لیکن باوجود اس قیمتی ہدایت کے نام نہاد تفسیروں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ سے متعلق نامعقول روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ عوج بن عنق کی خرافات بھی۔[1] قرآنِ مجید میں ہمیں صراحت سے متنبہ کیا گیا ہے کہ مبادہ یہود مسلمانوں کو وحی الٰہی سے برگشتہ کر دیں اور اس برگشتگی کا ایک طریق یہ ہے کہ لغویات سنا کر سننے والوں کا ذہن ماؤف کر کے صحیح عقائد مسخ کر دیئے جائیں۔ فرماتا ہے: وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ○ (بنی اسرائیل:۷۴) اور قریب تھا کہ اس (کلام) کی وجہ سے جو ہم نے تجھ پر وحی سے نازل کیا ہے وہ تجھے (سخت سے سخت) عذاب میں مبتلا کرتے تا کہ تو (اس سے ڈر کر) اس (کلام) کے سوا کچھ اور (کلام اپنے پاس سے) بنا کر ہماری طرف منسوب کر دے اور (اگر تو ایسا کرتا تو) اس صورت میں وہ یقیناً تجھے (اپنا) گہرا دوست بنا لیتے۔ اس آیت میں یہود کے بد ارادوں سے آگاہ کیا گیا ہے اور اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ وحی میخ آہنی کی طرح گاڑ دی گئی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں کو وہ بگاڑ سکتے ہیں، مگر اس کلام میں تصرف نہیں کر سکیں گے۔

[1] (تفسیر ابن کثیر، سورۃ المائدۃ آیت: قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ، جزء۳ صفحہ ۶۸)

بَاب ۱۲

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) عنقریب لوگوں میں سے بے وقوف کہیں گے کہ انہیں ان کے اس قبلہ سے کس بات نے پھیر دیا جس پر کہ وہ پہلے تھے

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (البقرة:۱۴۳)

تو کہہ اللہ ہی کا مشرق و مغرب ہے۔ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

٤٤٨٦: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ سَمِعَ زُهَيْرًا عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ تَكُونَ قِبْلَتُهُ قِبَلَ الْبَيْتِ وَأَنَّهُ صَلَّى أَوْ صَلَّاهَا صَلَاةَ الْعَصْرِ وَصَلَّى مَعَهُ قَوْمٌ فَخَرَجَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ صَلَّى مَعَهُ فَمَرَّ عَلَى أَهْلِ الْمَسْجِدِ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ قَالَ أَشْهَدُ بِاللهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ مَكَّةَ فَدَارُوْا كَمَا هُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ وَكَانَ الَّذِي مَاتَ عَلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ أَنْ تُحَوَّلَ قِبَلَ الْبَيْتِ رِجَالٌ قُتِلُوْا لَمْ نَدْرِ مَا نَقُوْلُ فِيهِمْ فَأَنْزَلَ اللهُ وَمَا

۴۴۸۶: ابونعیم نے ہم سے بیان کیا کہ انہوں نے زُہَیر سے سنا۔ وہ ابواسحاق سے، ابواسحاق حضرت براء (بن عازب) رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور آپؐ چاہتے تھے کہ آپؐ کا رُخ بیت اللہ کی طرف ہو، اور آپؐ نے عصر کی نماز (بیت اللہ کی طرف منہ کر کے) پڑھی اور آپؐ کے ساتھ یہ نماز بعض لوگوں نے بھی پڑھی۔ پھر ان لوگوں میں سے جنہوں نے آپؐ کے ساتھ یہ نماز پڑھی تھی ایک شخص باہر گیا اور وہ ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا، جبکہ وہ رکوع میں تھے۔ اس نے کہا: میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے تو وہ اسی حالت میں جس میں وہ تھے بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ اور وہ لوگ جو پہلے قبلہ پر ہی پیشتر اس کے کہ وہ بیت اللہ کی طرف تبدیل ہوا، فوت ہو گئے تھے، وہ (ایسے لوگ ہی

كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (البقرة:۱۴۴)

تھے جو لڑائیوں میں) شہید ہوئے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ ان کی بابت کیا کہیں۔ اس لئے اللہ نے یہ وحی کی: اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان ضائع کرے، اللہ یقیناً سب انسانوں پر بڑا ہی نرمی کرنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

أطرافه: ٤٠، ٣٩٩، ٤٤٩٢، ٧٢٥٢۔

تشریح: سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ: اَلسُّفَهَآءُ، سَفِيْهٌ کی جمع ہے۔ ثَوْبٌ سَفِيْهٌ - ہلکا بنا ہوا کپڑا، جس کا تانا بانا کمزور ہو۔ ناپختہ عقل کو سَفِيْهٌ کہتے ہیں۔ تحویل قبلہ کی نسبت باتیں کرنے والے یہود بھی تھے اور مشرک بھی۔ یہود نے کہا: انبیاء علیہم السلام کا قبلہ ترک کرنے والا کس طرح صادق نبی ہو سکتا ہے اور مشرکوں نے کہا: اصل قبلے کی طرف لوٹا ہے، اس سے امید کی جاتی ہے کہ وہ ہمارے دین کو بھی قبول کرلے گا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۱۵)

بَاب ۱۳: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرة:١٤٤)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں اعلیٰ درجہ کی امت بنایا ہے تا کہ تم (دوسرے) لوگوں کے نگران بنو اور یہ رسول تم پر نگران ہو

٤٤٨٧: حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ رَاشِدٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ وَأَبُو أُسَامَةَ وَاللَّفْظُ لِجَرِيْرٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ ح. وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْعَى نُوحٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ هَلْ بَلَّغْتَ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيُقَالُ لِأُمَّتِهِ هَلْ بَلَّغَكُمْ

۴۴۸۷: یوسف بن راشد نے ہم سے بیان کیا کہ جریر اور ابو اسامہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابو صالح سے روایت کی اور یہ الفاظ جریر کے ہیں۔ اور ابو اسامہ نے کہا کہ ابو صالح نے ہمیں بتایا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز نوحؑ کو بلایا جائے گا۔ وہ کہیں گے: اے میرے ربّ! میں حاضر ہوں اور تیری خدمت میں ہوں اور وہ پوچھے گا: کیا تم نے (میرا حکم) پہنچا دیا تھا؟ تو وہ کہیں گے: ہاں۔ پھر ان

فَيَقُوْلُوْنَ مَا أَتَانَا مِنْ نَّذِيْرٍ فَيَقُوْلُ مَنْ يَّشْهَدُ لَكَ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ وَ أُمَّتُهُ فَيَشْهَدُوْنَ أَنَّهُ قَدْ بَلَّغَ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا فَذَلِكَ قَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ○ (البقرة:۱۴۴) وَالْوَسَطُ الْعَدْلُ.

کی قوم سے پوچھا جائے گا: کیا اس نے تمہیں (میرا حکم) پہنچادیا تھا؟ تو وہ کہیں گے: ہمارے پاس تو کوئی نذیر نہیں آیا۔ تب وہ پوچھے گا: تیرے لئے کون شہادت دے گا؟ نوحؑ کہیں گے: محمدؐ اور اُن کی اُمّت۔ اور وہ شہادت دیں گے کہ انہوں نے فی الواقع (حکم) پہنچا دیا تھا اور یہ رسول بھی تمہارے متعلق (اسی طرح) شاہد ہوگا۔ اور یہ وہی بات ہے جو اللہ جل ذِکرہٗ فرماتا ہے: اور اسی طرح ہم نے تمہیں اعلیٰ درجہ کی امت بنایا ہے تا کہ تم (دوسرے) لوگوں کے نگران بنو اور یہ رسول تم پر نگران ہو اور اَلْوَسَطُ کے معنی ہیں اَلْعَدْلُ (یعنی اعلیٰ درجہ کا)۔

أطرافه: ۳۳۳۹، ۷۳۴۹۔

تشریح: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا: روایت زیر باب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی امت نے ان کی تکذیب کی۔ بہت کم ایمان لائے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرماتا ہے: وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ (ھود:۳۷) اور نوح کو وحی کی گئی کہ تیری قوم ہرگز نہیں مانے گی سوا اُن کے جو مان چکے ہیں۔ سو اپنی جان جوکھوں میں نہ ڈال بوجہ ان کرتوتوں کے جو وہ کر رہے ہیں۔ ان کی یہی قوم روزِ قیامت بوقت محاسبہ انکار کرے گی کہ اسے تبلیغ نہیں کی گئی تو حضرت نوحؑ سے شہادت طلب کی جائے گی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امت کو بطور گواہ پیش کریں گے اور یہ شہادت دیں گے کہ انہوں نے فی الواقعہ تبلیغ کی تھی۔ اسی شہادت کا ذکر آیت لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ میں کیا گیا ہے اور آیت وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا میں لفظ اَلْوَسَط کے معنی ہیں اَلْعَدْل، یعنی اوّل درجہ کے عادل، مستقیم جو صحیح راستے پر قائم ہوں۔ اُمَّةً وَّسَطًا سے مراد اعلیٰ درجے کی امت ہے۔ صحیح شہادت کے لئے ضروری ہے کہ آنکھوں دیکھی بات کہی جائے۔ سماعی شہادت (کانوں سُنی بات) کی عدالت میں اتنی وقعت نہیں جتنی عینی شہادت کی ہوتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شَهِيْد ہیں۔ اس جہت سے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلّی واضح طور پر ہوئی۔ ان کو صفات باری تعالیٰ کی ایک ایک صفت کا بار بار مشاہدہ ہوا اور آپؐ کے ذریعہ سے صحابہ کرامؓ کو ان صفات کا مشاہدہ ہوا۔ اس طرح آپؐ نے تبلیغ کا فرض ادا کیا، اور حجۃ الوداع میں اور اس کے بعد بوقت نزع آپؐ نے لوگوں کو اور اللہ تعالیٰ

کو گواہ ٹھہرایا کہ میں نے تبلیغ کا فرض ادا کر دیا۔(دیکھئے کتاب الحج باب ۱۳۲، روایت نمبر ۱۷۴۱) یہ اعلیٰ درجہ کا مقام شہادت دیگر انبیاء اور ان کی امتوں کو حاصل نہیں ہوا۔ شدتِ تکذیب اور حق تبلیغ سے انکار کا ذکر سورۃ الملک کی آیات ۸ تا ۱۱ میں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اتمام حجّت کا ذکر سورۃ المائدہ میں ہے۔ فرماتا ہے: يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (المائدۃ:۲۰) یعنی اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آ چکا ہے۔ وہ رسولوں کے انقطاع کے بعد تم سے (ہماری باتیں) بیان کرتا ہے۔ تا کہ تم (یہ) نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی بشارت دینے ولا آیا ہے اور نہ ڈرانے والا۔ سو تمہارے پاس ایک بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ ہر ایک بات پر پورا (پورا) قادر ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اتمام حجت کی گئی ہے اور قیامت کے دن بھی اس اتمام حجت کا ظہور ہوگا جب کوئی قوم اپنے نبی کی تبلیغ سے انکار کرے گی۔ قرآنِ مجید میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی تبلیغ کا ذکر محفوظ کیا گیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کے لقب سے سرفراز کئے گئے ہیں تا انبیاء اور ان کی قوموں کے لئے بطور شاہد عادل بنیں اور آپؐ کے اس مبارک لقب کی برکت سے آپؐ کی امت بھی شاہد عادل قرار دی گئی ہے اور اس اعتبار سے امت محمدیہ کا فرض منصبی متعین ہوتا ہے کہ وہ تمام قوموں میں تبلیغ کرے اور ان کی ہدایت کا موجب ہو۔ آیت كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ[1] (آل عمران:۱۱۱) کا بھی یہی مفہوم ہے کہ وہ اسی صورت میں بہترین امت ہو گی کہ جب لوگوں کی فی الواقعہ خیر خواہ اور راہنما بنے گی اور اسی جہت سے قیامت کے روز ان کی شہادت انبیاء کے لئے بھی قابل قدر اور عنداللہ مقبول ہوگی۔ وَسَط کے معنی خَيَارُ النَّاس - بہترین لوگ بھی لئے گئے ہیں۔ طبریؒ نے بیان کیا ہے: اَلْوَسَطُ فَإِنَّهُ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ الْخِيَارُ۔ یعنی وَسَط کے معنی عربوں کے نزدیک بہترین کے ہیں۔[2] یاد رہے کہ فریضہ جہاد احکام اسلام میں سے ہے اور تبلیغ بالقرآن جہادِ کبیر قرار دیا گیا ہے۔(الفرقان:۵۳) جو فردِ مسلم پر اسی طرح واجب ہے جس طرح فریضہ صلوٰۃ وصوم۔

مذکورہ بالا روایت کے تعلق میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علیم خدا کو شہادت کی کیا ضرورت ہے؟ یہ درست ہے، اسے قطعاً ضرورت نہیں۔ لیکن انسان محتاج ہے کہ وہ اپنی کمزوریوں سے مطلع ہو اور یہ اطلاع اسے اس وقت ہوتی ہے جب آزمائشوں کی بھٹی میں ڈالا جاتا ہے۔ اسے بھی اپنی کمزوری یا مضبوطی کا علم ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی۔

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''تم بہترین امّت ہو جو تمام انسانوں کے فائدہ کے لئے نکالی گئی ہو۔''

[2] (جامع البیان للطبری، سورۃ البقرۃ آیت وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا، جزء ۲ صفحہ ۶۲۶)

بَاب ١٤ : وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور ہم نے اس قبلہ کو جس پر تو (اس سے پہلے قائم) تھا صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ تا ہم اس شخص کو جو اس رسول کی فرمانبرداری کرتا ہے اس شخص کے مقابل پر جو ایڑیوں کے بَل پھر جاتا ہے (ایک ممتاز حیثیت میں) جان لیں

وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (البقرة:١٤٤)

اور یہ (امر) ان لوگوں کے سوا جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے (دوسروں کے لئے) ضرور مشکل ہے اور اللہ (ایسا) نہیں کہ تمہارے ایمانوں کو ضائع کرے۔ اللہ یقیناً سب انسانوں پر نہایت مہربان (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

٤٤٨٨ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا بَيْنَا النَّاسُ يُصَلُّونَ الصُّبْحَ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ إِذْ جَاءَ جَاءٍ فَقَالَ أَنْزَلَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرْآنًا أَنْ يَّسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوهَا فَتَوَجَّهُوْا إِلَى الْكَعْبَةِ.

۴۴۸۸: مسدد نے ہم سے بیان کیا کہ یحییٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے سفیان (ثوری) سے، سفیان نے عبداللہ بن دینار سے، انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ اس اثنا میں کہ لوگ مسجد قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا ہے کہ وہ کعبہ کو قبلہ بنائیں۔ اس لئے تم بھی اس کو قبلہ بناؤ تو (یہ سُن کر) انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر لیا۔

أَطرافهُ: ٤٠٣، ٤٤٩٠، ٤٤٩١، ٤٤٩٣، ٤٤٩٤، ٧٢٥١۔

تشریح: وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ: قرآن کریم اور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود پسند کرنے اور خواہش رکھنے کے ایک لمبے عرصہ تک بیت المقدس کی طرف ہی منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ باوجود اپنی خواہش کے آپؐ نے بیت المقدس کو نہیں چھوڑا۔ کیونکہ سابقہ شریعت کے

ذریعہ آپؐ کو یقینی علم تھا کہ مشیئتِ الٰہی نے لوگوں کے لئے اس کو قبلہ ٹھہرایا ہوا ہے، اس لیے اپنی خواہش کو اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے ماتحت اس وقت تک رکھا، جب تک کہ تحویل قبلہ کے متعلق صریح حکم نہیں آ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک نمونہ ہمارے لیے ابدالآباد تک ستارۂ قطب کی طرح رہنما رہے گا کہ ہماری حرکات و سکنات اپنی خواہش کے ماتحت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے ماتحت ہونی چاہئیں۔ یہ ہے ایمان کا کمال اور انسان کے سارے اعمال کی زینت۔ یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ابراہیمی تعلق کی وجہ سے تھی، نیز اُن سابقہ پیشگوئیوں کو مدنظر رکھ کر تھی، جن کا ماحصل یہ ہے کہ نبوت اور برکاتِ الٰہیہ کا مرکز بیت المقدس سے منتقل ہو کر مکہ مکرمہ ہو گا۔

فَتَوَجَّهُوْا إِلَى الْكَعْبَةِ: صحابہؓ کا نمونہ بھی کیا پیارا ہے۔ تحویل قبلہ کی خبر سن کر نماز ہی میں قبلہ رُخ ہو گئے اور ایک لمحہ کے لیے بھی تردّد نہ کیا۔ حالانکہ ایک کام کی عادت کچھ نہ کچھ تو اپنا اثر دکھلاتی ہے۔ مگر وہ نہایت سہولت سے سب کے سب یک دم قبلہ کی طرف پھر گئے۔ گویا فوجی قواعد تھے۔ اس کی بھی ضرورت نہ سمجھی کہ تحقیق کر لیں۔ یہ ہے وہ اعتماد ایک دوسرے کی صداقت پر اور یہ ہے وہ مستعدی جو اسلام اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لانے کے لیے چاہتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب الایمان باب ۳۰۔

بَاب ۱۵

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ إِلَى عَمَّا يَعْمَلُوْنَ (البقرة:۱٤٥)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) ہم تیری توجہ کا بار بار آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم تجھے ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے تو پسند کرتا ہے سو (اَب) تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے۔ اور (اے مسلمانو!) تم (بھی) جہاں کہیں ہو، اس کی طرف اپنا منہ کیا کرو اور جن (لوگوں) کو کتاب (یعنی تورات) دی گئی ہے وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ (تحویل قبلہ کا حکم) تیرے ربّ کی طرف سے بھیجی ہوئی صداقت ہے اور جو کچھ یہ (لوگ) کر رہے ہیں، اللہ اس سے ہرگز بے خبر نہیں ہے

٤٤٨٩ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمْ يَبْقَ مِمَّنْ صَلَّى الْقِبْلَتَيْنِ غَيْرِي.

۴۴۸۹: علی بن عبد اللہ (مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ معتمر (بن سلیمان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ان لوگوں میں سے جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی میرے سوا کوئی نہیں رہا۔

تشریح: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ: سنت اللہ اسی طرح جاری ہوتی ہے کہ جب وہ اپنی کسی مشیئت کے جاری کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اپنے بندوں کے دلوں کو اس طرف مائل کرتا اور اس کے لئے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ ازل سے یہ مقدر ہو چکا تھا کہ جس پتھر کو معماروں نے ردّ کیا، وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔(زبور باب ۱۱۸: ۲۲) حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک تاکستان کی تمثیل بیان فرمائی ہے کہ باغبانوں نے اللہ تعالیٰ کے فرستادوں سے بُرا سلوک کیا۔ کسی کو پیٹا، کسی کو سنگسار اور کسی کو قتل کیا۔ لیکن جب تاکستان کا مالک آئے گا تو بدکاروں کو بُری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ ایسے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں اور فرماتے ہیں: "میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اُس قوم کو جو اُس کے پھل لائے، دے دی جائے گی۔" (متی باب ۲۱: ۳۳ تا ۴۳) انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیوں کے مطابق نئے قبلہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے دیباچہ تفسیر القرآن، بائبل میں قرآن مجید کے نزول اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے متعلق پیشگوئیاں، انوار العلوم جلد ۲۰ صفحہ ۱۱۵ تا ۱۷۴۔

لَمْ يَبْقَ مِمَّنْ صَلَّى الْقِبْلَتَيْنِ غَيْرِي: حضرت انسؓ سے متعلق مشہور ہے کہ وہ آخری صحابی ہیں۔ ایک سو تین برس کی عمر میں بمقام بصرہ فوت ہوئے اور وہ ان صحابہ میں سے تھے جنہوں نے دونوں قبلوں بیت المقدس اور بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع پایا۔ امام ابن حجرؒ کو اس میں تردّد ہوا ہے۔ کیونکہ بعض صحابہ نے دیہاتی قبائل میں بود و باش اختیار کر لی تھی اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ وہی آخری صحابی تھے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۲۱۷، ۲۱۸) مذکورہ بالا روایت میں نفی کا تعلق خاص سے ہے، صحابہ سے بالعموم نہیں۔

بَاب ١٦: وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ إِلَى قَوْلِهِ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (البقرة: ١٤٦)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور جن لوگوں کو (تم سے پہلے) کتاب دی گئی ہے اگر تو اُن کے پاس ہر ایک (طرح کا) نشان (بھی) لے آئے (تو بھی) وہ تیرے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے اور نہ تو اُن کے قبلہ کی پیروی کر سکتا ہے اور نہ ان میں سے کوئی (فریق) دوسرے (فریق) کے قبلہ کی پیروی کرے گا اور (اے مخاطب!) اگر اس کے بعد بھی کہ تیرے پاس (الٰہی) علم آچکا ہے تو نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو یقیناً اس صورت میں تو ظالموں میں (شمار) ہوگا

٤٤٩٠: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ

۴۴۹۰: خالد بن مخلد نے ہمیں بتایا کہ سلیمان نے ہم سے بیان کیا کہ عبد اللہ بن دینار نے مجھے

دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا بَيْنَمَا النَّاسُ فِي الصُّبْحِ بِقُبَاءٍ جَاءَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ وَأُمِرَ أَنْ يَّسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ أَلَا فَاسْتَقْبِلُوهَا وَكَانَ وَجْهُ النَّاسِ إِلَى الشَّأْمِ فَاسْتَدَارُوْا بِوُجُوهِهِمْ إِلَى الْكَعْبَةِ.

بتایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ اس اثنا میں کہ لوگ ایک بار قباء میں صبح کی نماز میں تھے، ان کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آج رات قرآن نازل ہوا ہے اور آپؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کعبہ کی طرف منہ پھیر لیں۔ سنو! تم بھی اس کو قبلہ بناؤ اور لوگوں کا منہ (اس وقت) شام کی طرف تھا (یہ سُن کر) انہوں نے اپنے منہ کعبہ کی طرف پھیر لئے۔

أطرافه: ٤٠٣، ٤٤٨٨، ٤٤٩١، ٤٤٩٣، ٤٤٩٤، ٧٢٥١۔

تشریح: وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ: اس باب کے تحت روایت نمبر ۴۴۹۰ نئی سند سے لائی گئی ہے جو ماقبل باب ۱۴ میں بھی گزر چکی ہے۔ اس روایت سے ایک مسلمان کا امتیازی وصف نمایاں ہے کہ اس کے عقائد اور حرکات و سکنات تابع مرضیٔ مولیٰ ہوتے ہیں۔ وہ حاضر باش ہر حال میں مستعد باطاعت سپاہی ہے، جو اپنے آقا کا حکم بجالاتا ہے۔ اس کے برعکس وہ لوگ ہیں جو اپنے اپنے خیالات و رسوم و رواج کے پجاری ہیں، اس لئے احکام الٰہی کی اطاعت کے لئے انہیں انقباض ہوتا ہے۔ کوئی دلیل ان پر اثر نہیں کرتی۔ اس تعلق میں دیکھئے سورۃ الانعام آیت ۵، سورۃ النحل آیت ۱۰۸، سورۃ الزمر آیت ۲۳۔

بَاب ۱۷: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (سچائی) کو (اسی طرح) پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ إِلَى قَوْلِهِ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ (البقرة: ١٤٧، ١٤٨)

اور ان میں سے کچھ لوگ یقیناً حق کو جان بوجھ کر چھپاتے ہیں۔ یہ (مذکورہ بالا) صداقت تیرے ربّ کی طرف سے ہے۔ پس تو شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ بن۔

٤٤٩١: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ

۴۴۹۱: یحییٰ بن قزعہ نے ہم سے بیان کیا کہ مالک نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عبد اللہ بن دینار سے،

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَّسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوْهَا وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّأْمِ فَاسْتَدَارُوْا إِلَى الْكَعْبَةِ.

عبداللہ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: اس اثنا میں کہ لوگ ایک بار قباء میں صبح کی نماز میں تھے، ان کے پاس آنے والا آیا۔ اس نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آج رات قرآن اُترا ہے اور حکم ہوا ہے کہ کعبہ کو قبلہ بنائیں۔ اس لئے تم بھی کعبہ کو قبلہ بناؤ۔ ان کے منہ شام کی طرف تھے (یہ سن کر) وہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔

أطرافه: ۴۰۳، ۴۴۸۸، ۴۴۹۰، ۴۴۹۳، ۴۴۹۴، ۷۲۵۱۔

تشریح: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ: اس باب میں بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ والی روایت نئی سند سے دُہرائی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے فرمانبرداری کے لئے انشراحِ صدر کا عملی نمونہ دکھایا، جس سے ظاہر ہے کہ وہ کتاب اللہ سے متعلق علیٰ وجہ البصیرت قائم تھے۔

مذکورہ بالا روایت معنونہ آیت کے تحت نقل کرنے سے ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے صحابہ کرامؓ اور ان کے علاوہ اسلام کو علیٰ وجہ البصیرت قبول کرنے والے لوگ ہیں۔ بعض نے اہل کتاب بھی ان معنوں میں مراد لئے ہیں کہ ان میں انبیاء بکثرت آئے ہیں اور اس وجہ سے وہ ان کی خصوصیات اور مشیئت الٰہیہ سے واقف ہیں اور اس علم کلام کو بھی اچھی طرح پہچان سکتے ہیں جو رسولِ عربیؐ کو دیا گیا اور جن کے بارے میں صراحت ہے: ”میں اُن کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا۔“ (استثناء باب ۱۸: ۱۸)

بَاب ۱۸: وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (البقرۃ: ۱۴۹)

اور ہر ایک کے لئے ایک جہت ہے جس کی طرف وہ رُخ کئے ہوئے ہے۔ تم نیکیوں میں بڑھ جاؤ۔ جہاں کہیں بھی تم ہوگے اللہ تم سبھی کو لے آئے گا۔ اللہ ہر ایک بات پر قادر ہے۔

۴۴۹۲: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

۴۴۹۲: محمد بن مثنیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ یحيٰ (بن سعید) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے سفیان (ثوری) سے روایت کی کہ ابو اسحاق نے مجھ سے

قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ صَرَفَهُ نَحْوَ الْقِبْلَةِ.

بیان کیا، کہا: میں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سنا، کہتے تھے: ہم نبی ﷺ کے ساتھ بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ مہینے نماز پڑھتے رہے۔ پھر اللہ نے آپؐ کا رُخ قبلہ کی طرف پھیر دیا۔

أطرافه: ٤٠، ٣٩٩، ٤٤٨٦، ٧٢٥٢-

تشریح: وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا: اس باب کے تحت حضرت براء بن عازبؓ ہی کی روایت (نمبر ۳۹۹) نئی سند سے دُہرائی گئی ہے۔ جس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ جب کسی جہت کی طرف منہ کرنے سے چارہ نہیں تو بہتر یہ ہوگا کہ حکم الٰہی فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ کی تعمیل میں سب ایک ہی جہت اختیار کریں، تا نصب العین میں یگانگت پیدا ہو۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب الایمان باب ۳۰ مع تشریح۔

بَاب ۱۹ : وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۖ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۰)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور جہاں سے بھی تو نکلے، اپنے منہ کو مسجد حرام ہی کی طرف پھیر اور یقیناً یہی تمہارے ربّ کی طرف سے حق ہے اور اللہ بے خبر نہیں اُن اعمال سے جو تم کر رہے ہو

شَطْرُهُ تِلْقَاؤُهُ.

شَطْرُهُ (کے معنی ہیں) اس کی طرف۔

٤٤٩٣ : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ بَيْنَا النَّاسُ فِي الصُّبْحِ بِقُبَاءٍ إِذْ جَاءَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ فَأُمِرَ أَنْ يَّسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوْهَا وَاسْتَدَارُوْا كَهَيْئَتِهِمْ فَتَوَجَّهُوْا إِلَى الْكَعْبَةِ وَكَانَ وَجْهُ النَّاسِ إِلَى الشَّأْمِ.

۴۴۹۳: موسیٰ بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالعزیز بن مسلم نے ہمیں بتایا کہ عبداللہ بن دینار نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، کہتے تھے: اس اثنا میں کہ لوگ قباء میں صبح کی نماز میں تھے، ایک شخص ان کے پاس آیا اور اس نے کہا: آج رات قرآن نازل ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے کہ وہ کعبہ کو قبلہ بنائیں۔ اس لئے تم بھی اس کو قبلہ بناؤ اور وہ جیسے تھے اسی حالت میں پھر گئے اور انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کرلیا اور اس وقت لوگوں کا منہ شام کی طرف تھا۔

أطرافه: ٤٠٣، ٤٤٨٨، ٤٤٩٠، ٤٤٩١، ٤٤٩٤، ٧٢٥١-

بَاب ۲۰ : وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور تو جس جگہ سے (بھی) نکلے اپنی توجہ مسجد حرام کی طرف پھیر دے

وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ إِلَى قَوْلِهِ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (البقرة:١٥١)

اور تم (بھی) جہاں کہیں ہو اپنے منہ اس کی طرف کیا کرو۔ تا اُن لوگوں کے سوا جو ان (مخالفوں) میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں (باقی) لوگوں کی طرف سے تم پر الزام نہ رہے۔ سو تم ان (ظالموں) سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو (یہ حکم میں نے اس لئے دیا ہے کہ تم پر لوگوں کا الزام نہ رہے) اور تا کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

٤٤٩٤ : حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَّالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَيْنَمَا النَّاسُ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ بِقُبَاءٍ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَّسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوْهَا وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّأْمِ فَاسْتَدَارُوْا إِلَى الْقِبْلَةِ.

۴۴۹۴: قتیبہ بن سعید نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے مالک سے، مالک نے عبد اللہ بن دینار سے، ابن دینار نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: اس اثنا میں کہ لوگ قباء میں صبح کی نماز میں تھے، ان کے پاس ایک آنے والا آیا۔ اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آج رات وحی نازل کی گئی ہے اور آپؐ کو حکم ہوا ہے کہ کعبہ کو قبلہ بنائیں۔ اس لئے تم بھی اس کو قبلہ بناؤ۔ ان کے منہ شام کی طرف تھے اور وہ قبلہ کی طرف پھر گئے۔

أطرافه: ٤٠٣، ٤٤٨٨، ٤٤٩٠، ٤٤٩١، ٤٤٩٣، ٧٢٥١۔

تشریح: وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ : شَطْرُهُ تِلْقَاءُهُ - یعنی جس جہت میں بیت اللہ واقع ہے، اس کی طرف۔ اس آیت کی شرح کے لئے بھی صحابہ کرامؓ کا عمل پیش کیا گیا ہے، جس کا ذکر حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں گزر چکا ہے۔ اس کا تکرار نئی سند سے ہے۔

بَاب ۲۱ : قَوْلُهُ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: صفا اور مروہ یقیناً اللہ کے نشانات میں سے ہیں

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ○(البقرة:۱۵۹)

اس لئے جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اگر ان کے درمیان بھی چکر لگائے۔ اور جس نے خوشی سے کوئی نیکی کی تو اللہ قدر دان، خوب علم رکھنے والا ہے۔

شَعَائِرُ عَلَامَاتٌ وَاحِدَتُهَا شَعِيْرَةٌ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الصَّفْوَانُ الْحَجَرُ، وَيُقَالُ الْحِجَارَةُ الْمُلْسُ الَّتِي لَا تُنْبِتُ شَيْئًا، وَالْوَاحِدَةُ صَفْوَانَةٌ بِمَعْنَى الصَّفَا، وَالصَّفَا لِلْجَمِيْعِ.

شَعَائِرُ کے معنی ہیں نشانات۔ اس کا مفرد شَعِیْرَۃٌ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: (اس سورۃ میں یہ جو ہے: فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ) صَفْوَان کے معنی پتھر کے ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (اس سے مراد) وہ چکنے پتھر ہیں کہ جو کچھ نہیں اُگاتے اور اس کی مفرد صَفْوَانَۃٌ ہے جو صَفَا کے معنی میں ہے اور اس کی جمع صَفَا بھی ہے۔

۴۴۹۵: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيْثُ السِّنِّ أَرَأَيْتِ قَوْلَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا(البقرة:۱۵۹) فَمَا أُرَى عَلَى أَحَدٍ شَيْئًا أَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا فَقَالَتْ عَائِشَةُ كَلَّا لَوْ كَانَتْ كَمَا

۴۴۹۵: عبد اللہ بن یوسف (تنیسی) نے ہم سے بیان کیا کہ مالک نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ہشام بن عروہ سے، ہشام نے اپنے باپ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سے پوچھا اور میں ان دنوں کم سن تھا، بتلائیں: اللہ تعالیٰ نے (یہ جو) فرمایا ہے صفا اور مروہ بھی اللہ کے نشانوں میں سے ہیں۔ جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان چکر لگائے۔ میرے نزدیک کچھ (بھی حرج) نہیں اگر کوئی ان کا طواف نہ کرے۔ حضرت عائشہؓ نے (یہ سُن کر)

تَقُوْلُ كَانَتْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا إِنَّمَا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي الْأَنْصَارِ كَانُوا يُهِلُّونَ لِمَنَاةَ وَكَانَتْ مَنَاةُ حَذْوَ قُدَيْدٍ وَكَانُوا يَتَحَرَّجُونَ أَنْ يَّطُوْفُوْا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ سَأَلُوا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَأَنْزَلَ اللهُ: اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (البقرة:۱۵۹)

أطرافه: ۱٦٤٣، ۱۷۹۰، ٤٨٦١۔

فرمایا: (ایسا) ہرگز نہیں اگر (یہ بات) ہوتی، جیسا کہ تم کہتے ہو تو یہ (آیت یوں) ہوتی: اُس پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ ان کا طواف نہ کرے۔ دراصل یہ آیت انصار کے بارے میں نازل کی گئی تھی۔ (مشرک) لوگ احرام باندھتے وقت مناۃ کے نام پر لبیک پکارتے اور مناۃ (بت) قُدَید کے مقابل پر رکھا ہوا تھا اور انصار گناہ سمجھتے تھے کہ صفا و مروہ کے درمیان چکر لگائیں۔ جب اسلام آیا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی بابت پوچھا۔ تب اللہ نے (یہ آیت) نازل کی: صفا و مروہ اللہ کے نشانوں میں سے ہیں۔ سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان پر بھی چکر لگائے۔

٤٤٩٦: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَقَالَ كُنَّا نَرَى أَنَّهُمَا مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا كَانَ الْإِسْلَامُ أَمْسَكْنَا عَنْهُمَا فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ إِلَى قَوْلِهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا. (البقرة:۱۵۹)

طرفه: ۱٦٤٨۔

۴۴۹۶: محمد بن یوسف (فریابی) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عاصم بن سلیمان سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے صفا و مروہ سے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا: ہم سمجھتے تھے کہ ان دونوں میں پھیرے لگانا جاہلیت کی ایک رسم ہے۔ جب اسلام آیا تو ہم ان (میں پھیرے لگانے) سے رُک گئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: صفا و مروہ اللہ کے نشانوں میں سے ہیں۔ سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان پر بھی چکر لگائے۔

تشریح: اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ: معنونہ آیت میں وارد الفاظ صَفَا اور شَعَائِر کی تفسیر کی گئی ہے۔ دونوں الفاظ جمع ہیں۔ شَعَائِرُ، شَعِيْرَةٌ کی جمع ہے بمعنی علامت، جس سے راستہ

معلوم ہو۔ یہ تفسیر ابو عبیدہؒ سے مروی ہے اور صَفَا جمع ہے صَفْوَان کی، بمعنی حجر (پتھر)۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے، جو طبریؒ نے موصولاً نقل کیا ہے۔[1] صَفْوَانَةٌ اس پتھریلی چٹیل زمین کو بھی کہتے ہیں جہاں کوئی نباتات نہ اُگ سکے۔ اس کی جمع صَفَا، اَصفاء اور صِفَا ہے۔ یہ تفسیر بھی ابو عبیدہؒ کی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۲۰، ۲۲۱)
اس باب کی دونوں روایتیں کتاب الحج میں گزر چکی ہیں۔ مزید تشریح کے لیے دیکھئے کتاب الحج، باب ۷۹، ۸۰۔

بَاب ۲۲ : وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا (البقرة:١٦٦)

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں
جو اللہ کے سوا اَوروں کو اُس کا ہمسر بناتے ہیں

أَضْدَادًا وَاحِدُهَا نِدٌّ.

(اَنْدَادًا کے معنی ہیں) مدمقابل، اس کی مفرد نِدٌّ ہے۔

٤٤٩٧ : حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَةً وَقُلْتُ أُخْرَى قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّاتَ وَهْوَ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللّٰهِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ وَقُلْتُ أَنَا مَنْ مَّاتَ وَهْوَ لَا يَدْعُو لِلّٰهِ نِدًّا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

۴۴۹۷: عبدان نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابوحمزہ (محمد بن میمون) سے، ابوحمزہ نے اعمش سے، اعمش نے شقیق سے، شقیق نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات فرمائی اور میں نے ایک اور (بات) کہی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو (ایسی حالت میں) مر جائے کہ وہ اللہ کے سوا اُس کے شریک کو پکارتا ہو، وہ آگ میں داخل ہو گیا اور میں نے (یوں) کہا: جو (ایسی حالت میں) مر جائے کہ وہ اللہ کا کوئی شریک نہ پکارتا ہو، وہ جنت میں داخل ہو گا۔

أطرافه: ١٢٣٨، ٦٦٨٣-

تشریح: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا: یہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۶۶ ہے، جس سے عنوانِ باب قائم کیا گیا ہے۔ لفظ اَنْدَادًا جمع ہے نِدٌّ کی، جس کے معانی ہیں مثل، ہمسر اور مدمقابل۔ اس باب کے تعلق میں روایت نمبر ۴۴۹۷ نقل کی گئی ہے، جس میں شرک باللہ کے سب سے بڑے گناہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یہی مضمون کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ باب نمبر ۳ میں بھی گذر چکا ہے۔

[1] (جامع البیان للطبری، سورۃ البقرۃ آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ، جزء۴ صفحہ ۲۶۵)

بَاب ۲۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ

إِلَى قَوْلِهِ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (البقرۃ:۱۷۹)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر مقتولوں کے بارہ میں برابر کا بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے۔ اگر (قاتل) آزاد (مرد) ہو تو اسی آزاد (قاتل) سے اور اگر (قاتل) غلام ہو تو اسی غلام (قاتل) سے اور اگر (قاتل) عورت ہو تو اسی عورت (قاتل) سے، مگر جس (قاتل) کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ (تاوان) معاف کر دیا جائے تو (مقتول کا وارث بقیہ تاوان کو صرف) مناسب طور پر وصول کر سکتا ہے اور (قاتل پر) عمدگی کے ساتھ (بقیہ تاوان) اس کو ادا کر دینا (واجب) ہے۔ یہ تمہارے ربّ کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ پھر جو شخص اس (حکم) کے بعد بھی زیادتی کرے اس کے لئے دردناک عذاب (مقدر) ہے۔

عُفِيَ (البقرۃ: ۱۷۹) تُرِكَ.

(فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ میں) عُفِيَ کے معنی چھوڑ دیا جائے۔

۴۴۹۸: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ كَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ الْقِصَاصُ وَلَمْ تَكُنْ فِيهِمُ الدِّيَةُ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى لِهَـٰذِهِ الْأُمَّـةِ: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ

۴۴۹۸: (عبداللہ بن زبیر) حمیدی نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا کہ عمرو (بن دینار) نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے مجاہد سے سنا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہتے تھے: بنی اسرائیل میں قصاص تھا اور ان میں دیت نہ تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے فرمایا: مقتولوں کا بدلہ لینا تم پر فرض کیا گیا ہے۔ اگر (قاتل) آزاد (مرد) ہو تو اسی آزاد (قاتل) سے اور اگر (قاتل)

مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ (البقرة:١٧٩) فَالْعَفْوُ أَنْ يَّقْبَلَ الدِّيَةَ فِي الْعَمْدِ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ (البقرة:١٧٩) يَتَّبِعُ بِالْمَعْرُوفِ وَ يُؤَدِّي بِإِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ (البقرة:١٧٩) مِمَّا كُتِبَ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (البقرة: ١٧٩) قَتَلَ بَعْدَ قَبُولِ الدِّيَةِ.

طرفهُ: ٦٨٨١-

غلام ہو تو اسی غلام (قاتل) سے اور اگر (قاتل) عورت ہو تو اسی عورت (قاتل) سے، مگر جس (قاتل) کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ (تاوان) معاف کر دیا جائے (تو یہاں) عَفْو کے معنی ہیں کہ وہ قتل عمد میں دیت کو منظور کر لے۔ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ یعنی وہ دستور کے مطابق مطالبہ کرے اور وہ (ان کو) اچھی طرح ادا کر دے۔ یہ تمہارے ربّ کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے، بمقابل اس حکم کے جو تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا تھا۔ سو جس نے اس کے بعد زیادتی کی اس کو دردناک سزا دی جائے۔ یعنی دیت قبول کرنے کے بعد (زیادتی کرے) تو اسے قتل کر دیں۔

٤٤٩٩: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كِتَابُ اللهِ الْقِصَاصُ.

اطرافهُ: ٢٧٠٣، ٢٨٠٦، ٤٥٠٠، ٤٦١١، ٦٨٩٤-

۴۴۹۹: محمد بن عبد اللہ انصاری نے ہمیں بتایا کہ حمید نے ہم سے بیان کیا کہ حضرت انسؓ نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے بتایا۔ آپؐ نے فرمایا: کتاب اللہ تو بدلہ لینے کا حکم کرتی ہے۔

٤٥٠٠: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيْرٍ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ بَكْرٍ السَّهْمِيَّ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ الرُّبَيِّعَ عَمَّتَهُ كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ فَطَلَبُوا إِلَيْهَا الْعَفْوَ فَأَبَوْا فَعَرَضُوا الْأَرْشَ فَأَبَوْا فَأَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴۵۰۰: عبد اللہ بن منیر نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے عبد اللہ بن بکر سہمی سے سنا کہ حمید نے ہمیں بتایا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رُبَیِّعؓ ان کی پھوپھی نے ایک لڑکی کا دانت توڑ ڈالا تو رُبَیِّعؓ کے لوگوں نے اس سے معافی مانگی۔ اس لڑکی کے لوگوں نے نہ مانا۔ انہوں نے دیت پیش کی۔ پھر بھی وہ نہ مانے۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ

وَأَبَوْا إِلَّا الْقِصَاصَ فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ يَا رَسُولَ اللهِ أَتُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَنَسُ كِتَابُ اللهِ الْقِصَاصُ فَرَضِيَ الْقَوْمُ فَعَفَوْا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ.

علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے بدلہ لینے پر ہی اصرار کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے بدلہ لینے کا حکم دیا۔ حضرت انس بن نضرؓ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا رُبیعؓ کا دانت توڑا جائے گا؟ نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسؓ! کتاب اللہ تو بدلہ لینے کا ہی حکم کرتی ہے۔ (یہ سن کر) وہ لوگ خوش ہوگئے اور انہوں نے معاف کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بندوں میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اگر اللہ کو بھی قسم دیں تو وہ ان کی قسم کو ضرور پورا کر دے۔

اطرافهُ: ۲۷۰۳، ۲۸۰۶، ۴۴۹۹، ۴۶۱۱، ۶۸۹۴۔

تشریح: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ: پوری آیت یہ ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (البقرۃ:۱۷۹) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر مقتولوں کے بارہ میں برابر کا بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے۔ اگر (قاتل) آزاد (مرد) ہو تو اسی آزاد (قاتل) سے اور اگر (قاتل) غلام ہو تو اسی غلام (قاتل) سے اور اگر (قاتل) عورت ہو تو اسی عورت (قاتل) سے، مگر جس (قاتل) کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ (تاوان) معاف کر دیا جائے تو (مقتول کا وارث بقیہ تاوان کو صرف) مناسب طور پر وصول کر سکتا ہے اور (قاتل پر) عمدگی کے ساتھ (بقیہ تاوان) اس کو ادا کر دینا (واجب) ہے۔ یہ تمہارے ربّ کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ پھر جو شخص اس (حکم) کے بعد بھی زیادتی کرے اس کے لئے دردناک عذاب (مقدر) ہے۔ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ، أَيْ تُرِكَ لَهُ۔ جسے اس کے بھائی کی طرف سے دیت میں سے کچھ چھوڑ دیا جائے تو چاہیے کہ فیصلہ کی تعمیل دستور کے مطابق ہو اور ادائیگی عمدہ صورت میں ہو۔ آیت میں بھائی کا لفظ اختیار کر کے اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ قاتل کی سزا قتل ہر صورت میں، بعض وقت خاندان کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔ جبکہ قاتل بھائی ہو جو خاندان کا اکیلا سرپرست ہے، یا قتل عمد نہیں تو نقصانِ جان کی تلافی دیت سے کی جا سکتی ہے۔ یہ استثنائی صورت

ہے۔ اصل قانون الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ہے۔ مقتول کا انتقام قاتل سے لیا جائے گا، قطع نظر اس سے کہ وہ آزاد ہے یا غلام، مرد ہے یا عورت۔ شریعت اسلامیہ میں طبقاتی یا جنسی کوئی استثناء نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں عرب قاتل کے بیٹے یا کسی رشتہ دار کو قتل کر دیتے تھے جس کی ممانعت ہوئی۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ سے تصریح کی گئی کہ شریف زادہ قاتل ہو تو وہ شریف زادہ ہی قتل کیا جائے گا۔ اس کے بدلے میں کوئی دوسرا قتل نہیں کیا جائے گا۔ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی سے سابقہ تعزیرات میں جو سختی اور غلو تھا وہ روک دیا گیا ہے۔ زخموں کی سزا بھی قتل سے دی جاتی تھی۔ آیت کا ایک ایک لفظ برمحل اور اس کے معانی و مطالب میں وسعت مد نظر ہے۔

تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ: تخفیف سزا اور نرمی کا تعلق جرم کی قلت سے ہے نہ کہ اس کی سنگینی سے۔ یہ مراد نہیں کہ جرم سنگین نوعیت کا ہو اور بواعث و محرکات جرم اور اس کی شہادتیں واضح ہوں تو بھی اس کی سزا میں تخفیف و رحمت سے کام لیا جائے۔ قتل عمد میں کوئی نرمی نہیں۔ قاتل کی سزا قتل ہی ہے۔ البتہ قتل غیر ارادی سے تخفیف و رحمت کا تعلق ہے، اس کی نسبت تعزیری حکم کی وضاحت سورۂ نساء کی آیت نمبر ۹۳ میں کی گئی ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: عفو کے بعد اعادہ جرم کرے یا قاتل دیت نہ دے تو عَذَابٌ اَلِيْمٌ سے مراد مذکورہ بالا روایت میں قصاص قتل بتایا گیا ہے۔ اس باب کی روایت جرم اور سزا میں تخفیف و رحمت کی نوعیت واضح کرنے کی غرض سے نقل کی گئی ہے، جو استثنائی حکم ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تخفیف و رحمت کا تعلق قابل قصاص جرم سے نہیں۔

بَاب ٢٤

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرة: ١٨٤)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر (بھی) روزوں کا رکھنا (اسی طرح) فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں تاکہ تم (روحانی اور اخلاقی کمزوریوں سے) بچو

٤٥٠١: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ عَاشُورَاءُ يَصُومُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ قَالَ مَنْ شَاءَ صَامَهُ

۴۵۰۱: مسدد نے ہم سے بیان کیا کہ یحییٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا۔ عبید اللہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: نافع نے مجھے بتایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا: عاشورہ ایسا دن تھا جس میں زمانہ جاہلیت کے لوگ

وَمَنْ شَاءَ لَمْ يَصُمْهُ.

روزہ رکھا کرتے تھے۔ جب رمضان (کے بارے میں حکم) نازل ہوا، آپؐ نے فرمایا: جو چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے اور جو چاہے روزہ نہ رکھے۔

أطرافهُ: ١٨٩٢ ، ٢٠٠٠۔

٤٥٠٢: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا كَانَ عَاشُورَاءُ يُصَامُ قَبْلَ رَمَضَانَ فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ قَالَ مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ.

۴۵۰۲: عبداللہ بن محمد (مسندی) نے ہم سے بیان کیا کہ (سفیان) بن عیینہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے زُہری سے، زُہری نے عروہ سے، عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رمضان سے پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا۔ جب رمضان (سے متعلق حکم) نازل ہوا، آپؐ نے فرمایا: جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے۔

أطرافهُ: ١٥٩٢ ، ١٨٩٣ ، ٢٠٠١ ، ٢٠٠٢ ، ٣٨٣١ ، ٤٥٠٤۔

٤٥٠٣: حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ مَّنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ دَخَلَ عَلَيْهِ الْأَشْعَثُ وَهُوَ يَطْعَمُ فَقَالَ الْيَوْمُ عَاشُورَاءُ فَقَالَ كَانَ يُصَامُ قَبْلَ أَنْ يَّنْزِلَ رَمَضَانُ فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ تُرِكَ فَادْنُ فَكُلْ.

۴۵۰۳: محمود (بن غیلان) نے مجھ سے بیان کیا کہ عبیداللہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اسرائیل سے، اسرائیل نے منصور سے، منصور نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے علقمہ سے، علقمہ نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ان کے پاس اشعث (بن قیسؓ) آئے اور وہ کھانا کھا رہے تھے۔ حضرت اشعثؓ نے کہا: آج تو عاشورہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہ: رمضان سے متعلق حکم نازل ہونے سے پہلے اس دن روزہ رکھا جاتا تھا۔ جب رمضان (کا حکم) نازل ہوا تو چھوڑ دیا گیا۔ آگے بڑھو اور کھانا کھاؤ۔

٤٥٠٤: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ أَخْبَرَنِي

۴۵۰۴: محمد بن مثنیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ یحيٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا کہ ہشام (بن عروہ)

أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ كَانَ رَمَضَانُ الْفَرِيضَةَ وَتُرِكَ عَاشُورَاءُ فَكَانَ مَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ لَمْ يَصُمْهُ.

نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میرے باپ نے مجھے بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: عاشورہ کا دن ایسا تھا کہ اس روز قریش زمانہ جاہلیت میں روزہ رکھا کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دن روزہ رکھتے۔ جب آپؐ مدینہ آئے آپؐ نے اس دن روزہ رکھا اور لوگوں سے بھی فرمایا کہ وہ اس دن روزہ رکھیں۔ جب رمضان (کے بارے میں حکم) نازل ہوا تو رمضان فرض ہو گیا اور عاشورہ چھوڑ دیا گیا۔ پھر یہ ہوتا کہ جو چاہتا اس دن روزہ رکھتا اور جو چاہتا اس دن روزہ نہ رکھتا۔

أطرافهُ: ۱۵۹۲، ۱۸۹۳، ۲۰۰۱، ۲۰۰۲، ۳۸۳۱، ۴۵۰۲۔

تشریح: يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ: مذکورہ بالا آیت کی تشریح میں چار روایتیں منقول ہیں۔ جن میں سے دو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، ایک حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اور ایک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایات کتاب الصوم (باب ۶۹) میں گزر چکی ہیں اور یہاں نئی سند سے دُہرائی گئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے لئے دیکھئے مسلم، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء۔ آیت كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (البقرۃ:۱۸۴) سے بعض نے استنباط کیا ہے کہ رمضان بنی اسرائیل پر فرض تھا اور اس تعلق میں حضرت ابن عمرؓ ہی کی مرفوع روایت نقل کی جاتی ہے کہ رمضان کے روزے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے۔[۱] یہ روایت ابن ابی حاتم سے ایک ایسی سند سے مروی ہے جس میں ایک راوی غیر معروف ہے۔ حسن بصری اور سدی کا بھی یہ قول ہے اور ترمذیؒ، شعبیؒ اور قتادہؒ سے بھی ان معنوں میں اقوال نقل کئے جاتے ہیں اور بعض نے (كَمَا) صرف تشبیہ سے مطلق روزے کی فرضیت مراد لی ہے نہ کہ روزے کا وقت۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۲۳، ۲۲۴) امام بخاریؒ کا رجحان اسی طرف ہے، جس کی تائید میں یہ باب قائم کر کے مذکورہ بالا روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کا روزہ بطور فرض نہیں رکھتے تھے کہ یہ سمجھا جائے کہ وہ رمضان کے ذریعہ سے منسوخ ہوا۔

[۱] (تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ البقرۃ، آیت يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ، جزء اول صفحہ ۳۰۴)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"احبار باب ١٦ آیت ٢٩ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو ایک روزہ رکھنا یہود کے لئے ضروری قرار دیا گیا تھا۔ چنانچہ بنی اسرائیل ہمیشہ یہ روزے رکھتے رہے اور انبیاءِ بنی اسرائیل بھی اِس کی تاکید کرتے رہے۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ البقرۃ آیت ١٨٤ جلد ٢ صفحہ ٣٧٢)

بَاب ٢۵

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) چند گنتی کے دن، سو تم میں سے جو بیمار یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی گنتی کے روزے رکھ لئے جائیں

وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرة: ١٨٥)

اور وہ لوگ جو فدیہ دینے کی طاقت رکھتے ہوں ان پر فدیہ دینا ضروری ہوگا۔ یعنی ایک مسکین کو کھانا کھلانا، اور جس نے اپنی خوشی سے نیکی کی تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہوگا اگر تم جانتے ہو۔

وَقَالَ عَطَاءٌ يُفْطِرُ مِنَ الْمَرَضِ كُلِّهِ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالَى. وَقَالَ الْحَسَنُ وَإِبْرَاهِيمُ فِي الْمُرْضِعِ وَ الْحَامِلِ إِذَا خَافَتَا عَلَى أَنْفُسِهِمَا أَوْ وَلَدِهِمَا تُفْطِرَانِ ثُمَّ تَقْضِيَانِ وَأَمَّا الشَّيْخُ الْكَبِيرُ إِذَا لَمْ يُطِقِ الصِّيَامَ فَقَدْ أَطْعَمَ أَنَسٌ بَعْدَ مَا كَبِرَ عَامًا أَوْ عَامَيْنِ كُلَّ يَوْمٍ مِسْكِينًا خُبْزًا وَلَحْمًا وَأَفْطَرَ. قِرَاءَةُ الْعَامَّةِ يُطِيْقُوْنَهٗ (البقرة: ١٨٥) وَهُوَ أَكْثَرُ.

اور عطاء نے کہا: بیماری کی وجہ سے افطار کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور حسن (بصری) اور ابراہیم (نخعی) نے دودھ پلانے والی اور حاملہ کی بابت کہا: اگر وہ اپنے یا اپنے بچے کے متعلق ڈریں تو افطار کریں، پھر روزے پورے کریں۔ اور جو بہت بوڑھا ہو اگر وہ روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو (تو وہ فدیہ دے۔) چنانچہ حضرت انسؓ جب بوڑھے ہو گئے ایک یا دو سال تک ہر روز ایک مسکین کو روٹی اور گوشت کھلاتے رہے اور افطار کرتے رہے۔ اس کی عمومی قرأت يُطِيْقُوْنَهٗ ہے، اور اکثر اسی طرح پڑھتے ہیں۔

٤٥٠٥ : حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ عَطَاءٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطَوَّقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ (البقرة:١٨٥) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَيْسَتْ بِمَنْسُوخَةٍ هُوَ الشَّيْخُ الْكَبِيرُ وَالْمَرْأَةُ الْكَبِيرَةُ لَا يَسْتَطِيعَانِ أَنْ يَصُومَا فَلْيُطْعِمَانِ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا.

۴۵۰۵: اسحاق (بن راہویہ) نے مجھ سے بیان کیا کہ روح (بن عبادہ) نے ہمیں خبر دی کہ زکریا بن اسحاق نے ہم سے بیان کیا کہ عمرو بن دینار نے ہمیں بتایا۔ عطاء (بن ابی رباح) سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کو یوں پڑھتے ہوئے سنا: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطَوَّقُونَهُ یعنی جو اپنی طاقت سے بڑھ کر تکلیف سے روزہ رکھتے ہیں (وہ بے شک روزہ نہ رکھیں) ان پر فدیہ دینا ضروری ہوگا ایک آدمی کا کھانا۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: یہ (حکم) منسوخ نہیں، اس سے مراد بہت ہی بوڑھا شخص اور بہت ہی بوڑھی عورت ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ ہر روز کا فدیہ ایک مسکین کو کھلائیں۔

تشریح: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ: اس آیت کے تعلق میں بعض اختلافات کا ذکر کیا گیا ہے، تا اس کی شرح واضح ہو۔ یہ سوال کہ روزہ چھوڑنے کے لئے بیماری کی حد کیا ہو؟ فقہا کے درمیان موضوع اختلاف رہا ہے۔ چنانچہ عطاء کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ مطلق بیماری میں افطار کیا جاسکتا ہے۔ آیت فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا میں ان کے نزدیک کوئی تخصیص نہیں۔ جمہور کے نزدیک ایسی بیماری مراد ہے جس میں پانی کے باوجود تیمم کرنا جائز ہو اور روزہ رکھنے سے جان کا یا کسی عضو کو نقصان پہنچنے یا بیماری بڑھنے کا اندیشہ ہو۔ ابن سیرین کا فتویٰ عطاء کے قول کی طرح ہے کہ انسان کی حالت ایسی ہو جس پر بیماری کا لفظ بولا جاسکتا ہو۔ ابراہیم نخعی کا فتویٰ ہے کہ جب کوئی بیماری کی وجہ سے کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو اسے روزہ بھی نہیں رکھنا چاہیے۔ عنوان باب کی ذیل میں حاملہ اور مرضعہ سے متعلق حسن بصری اور ابراہیم نخعی کا فتویٰ بھی منقول ہے۔ ظاہر ہے کہ حمل ورضاعت بیماری نہیں بلکہ طبعی حالت ہے۔ لیکن روزہ سے جنین یا دودھ پیتے بچے کو نقصان پہنچ سکتا ہے، اسی طرح بڑھاپے میں بھی۔ ان حالات میں فدیہ دیا جائے گا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۲۵)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَيْسَتْ بِمَنْسُوخَةٍ: اگلے باب کی روایت (نمبر ۴۵۰۷) میں آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرة:۱۸۶) کے ذریعہ آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ○ (البقرة:۱۸۵)

کے منسوخ کئے جانے کا ذکر ہے جو درست نہیں۔ کیونکہ اس آیت میں رمضان کے روزے رکھنے کا اسی شخص کو حکم ہے جو رکھ سکتا ہے اور جو نہ رکھ سکے وہ فدیہ دے، جیسے بوڑھا۔ اس لئے حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر ہی صحیح ہے۔ بعض نے یُطِیْقُوْنَهٗ کے معنی لَا یُطِیْقُوْنَهٗ کئے ہیں۔ باب اِفْعَال میں نفی اور ازالے کا مفہوم پایا جاتا ہے، جیسا کہ اس مصرعہ میں فَقُلْتُ یَمِیْنُ اللهِ أَبْرَحُ قَاعِدًا أَيْ لَا أَبْرَحُ قَاعِدًا - اللہ کی قسم میں نہیں ہٹوں گا، یہیں بیٹھا رہوں گا۔

(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۲۶)

وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ: يُطِيْقُوْنَهٗ کے معانی ہیں لَا يُطِيْقُوْنَ الصِّيَامُ۔ یعنی جو روزوں کی طاقت نہ رکھیں ان پر فدیہ واجب ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک يُطِيْقُوْنَهٗ کی ایک قرأت يُطَوَّقُوْنَهٗ بھی ہے جو حضرت ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے، بمعنی يُكَلَّفُوْنَ اِطَاقَتَهٗ - یعنی اپنی طاقت سے بڑھ کر تکلیف سے روزہ رکھتے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۲۶) دراصل استطاعت اور طاقت میں فرق ہے۔ استطاعت طَوْع مصدر سے باب اِسْتِفْعَال ہے، قویٰ کا بسہولت برداشت کرنا، اور اَطَاق، طَوْق سے باب اِفْعَال بمشکل اور تکلیف سے برداشت کرنا۔ طَوْق بمعنی حلقہ۔ حلقہ کی گولائی اس کی آخری حد ہوتی ہے۔ لفظ طاقت میں یہی مفہوم مضمر ہے۔ جبکہ طَوْع میں سہولت کا مفہوم ہے۔ طوعی کام وہ ہے جو خوشی نفس سے کیا جائے۔ مثلاً صَلَاةُ التَّطَوُّع یعنی نفلی نماز۔ لفظ طَوْع قرآن مجید میں اسی مفہوم میں وارد ہوا ہے۔ فرماتا ہے: ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ (حٰم السجدۃ:۱۲) پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ محض ایک کہر کی طرح تھا اور اس نے اس سے اور زمین سے کہا: دونوں اپنی مرضی سے یا مجبور ہو کر میری فرمانبرداری کے لئے آجاؤ۔ اُن دونوں نے کہا: ہم فرمانبردار ہو کر آگئے ہیں۔ اگر لفظ يُطِيْقُوْنَهٗ کا مذکورہ بالا مفہوم مد نظر رکھا جائے تو آیت کا مقصود سمجھنے میں کوئی دقت نہیں۔ عام حالات میں بھوک برداشت کرلی جاتی ہے اور قویٰ کو بجائے نقصان پہنچنے کے فائدہ ہوتا ہے کہ انہیں وقفہ مل جاتا ہے۔ لیکن بحالت بیماری بھوک سے قویٰ جسمانیہ و ذہنیہ کو جو نقصان پہنچے گا وہ درحقیقت قوت برداشت سے بڑھ کر ہوگا۔ اس صورت میں افطار اور فدیہ لازم ہوں گے۔ اس تعلق میں کتاب الصوم باب ۳۹ بھی دیکھئے۔

بَاب ۲۶ : فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ (البقرۃ:۱۸۶)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تم میں سے جو یہ مہینہ پائے چاہیے کہ وہ اس کے روزے رکھے

۴۵۰۶: حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَرَأَ: فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِيْنَ

۴۵۰۶: عیاش بن ولید نے ہمیں بتایا کہ عبدالاعلیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ عبید اللہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ انہوں نے

قَالَ هِيَ مَنْسُوْخَةٌ.

طرفه: ١٩٤٩۔

(سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۵ کو) یوں پڑھا: فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِيْنَ۔ کہا: یہ منسوخ ہے۔

٤٥٠٧: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ (البقرة: ١٨٥) كَانَ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُفْطِرَ وَيَفْتَدِيَ حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَةُ الَّتِي بَعْدَهَا فَنَسَخَتْهَا. {قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ[1]} مَاتَ بُكَيْرٌ قَبْلَ يَزِيدَ.

۴۵۰۷: قتیبہ (بن سعید) نے ہم سے بیان کیا کہ بکر بن مُضر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عمرو بن حارث سے، عمرو نے بُکیر بن عبداللہ سے، بُکیر نے حضرت سلمہ بن اکوعؓ کے آزاد کردہ غلام یزید سے، یزید نے حضرت سلمہ (بن اکوعؓ) سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ[2] جو روزہ نہ رکھتا اور فدیہ دینا چاہتا تو ایسا کرلیتا، یہاں تک کہ وہ آیت جو اس کے بعد ہے نازل ہوئی۔ (یعنی فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ[3]) تو اس آیت نے اس کو منسوخ کر دیا۔ ابو عبداللہ (امام بخاریؒ) نے کہا: بُکیر (جو یزید کے شاگرد تھے) یزید سے پہلے فوت ہو گئے۔

تشریح: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ: اس باب کی دونوں روایتیں مُعَنْعَنْ ہیں۔ علاوہ ازیں امام بخاریؒ نے دوسری روایت سے متعلق یہ جرح کی ہے کہ بُکیر راوی یزید سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ ان کی ملاقات نہیں ہوئی تو ان سے سننا اور روایت کرنا کیسا ہے؟! بُکیر ۱۲۰ھ میں اور یزید بن ابی عبید ۱۴۶، ۱۴۷ھ میں فوت ہوئے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۲۷)

فَنَسَخَتْهَا: ایک آیت کے نزول سے ایک مضمون سمجھا جاتا جو پوری طرح درست نہ ہوتا تو بعد میں نازل ہونے والی آیت اس غلط تشریح اور مفہوم کو منسوخ کر کے اس مضمون کی صحیح صورت واضح کر دیتی۔

---

[1] یہ الفاظ مستملی کے نسخہ کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۲۷) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں ان پر فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔“

[3] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”پس جو بھی تم میں سے اس مہینے کو دیکھے تو اِس کے روزے رکھے۔“

بَاب ۲۷ : اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تمہیں روزہ رکھنے کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانے کی اجازت ہے

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (البقرة:١٨٨)

وہ تمہارے لئے ایک (قسم کا) لباس ہیں اور تم ان لئے ایک (قسم کا) لباس ہو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنے نفسوں کی حق تلفی کرتے تھے۔ اس لئے اس نے تم پر فضل سے توجہ کی اور تمہاری (اس حالت کی) اصلاح کر دی۔ سو اَب تم (بلا تأمل) ان کے پاس جاؤ اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے مقدر کیا ہے اس کی جستجو کرو۔

٤٥٠٨: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ ح.

۴۵۰۸: عبید اللہ (بن موسیٰ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اسرائیل سے، اسرائیل نے ابو اسحاق سے، ابو اسحاق نے حضرت براء (بن عازبؓ) سے روایت کی۔

وَ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَمَّا نَزَلَ صَوْمُ رَمَضَانَ كَانُوا لَا يَقْرَبُونَ النِّسَاءَ رَمَضَانَ كُلَّهُ وَكَانَ رِجَالٌ يَخُونُونَ أَنْفُسَهُمْ فَأَنْزَلَ اللهُ: عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ (البقرة:١٨٨)

اور ہمیں احمد بن عثمان نے بتایا کہ شُریح بن مسلمہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابراہیم بن یوسف نے مجھے بتایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے ابو اسحاق سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سنا: جب رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم ہوا تو لوگ رمضان بھر عورتوں کے قریب نہیں جاتے تھے اور اپنے نفسوں کی حق تلفی کرتے تھے۔ اس لئے اللہ نے یہ وحی نازل کی: عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ- اللہ کو علم ہے کہ تم اپنے نفسوں کی حق تلفی کرتے تھے، اس لئے اس نے تم پر رحم کیا اور تم سے درگزر کیا۔

طرفهُ: ١٩١٥۔

تشریح: اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَآئِكُمْ: شریعتِ اسلام نے طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک روزے کا وقت مقرر کیا ہے۔ رات کا وقت اس سے مستثنیٰ ہے۔

كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ: اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہودیوں کے دستور کے مطابق رات کا وقت روزہ کا حصہ شمار کر کے تم اپنی بیویوں کے پاس نہیں جایا کرتے تھے۔ (فتح الباری، شرح کتاب الصوم، باب ۱۵ اجزء ۴ صفحہ ۱۶۷)

یہ اس لحاظ سے خیانت نفس ہے کہ وہ اپنے حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ ازدواجی تعلق کی غرض وغایت بقائے سلسلہ نسل ہے۔ اس سے نفس کو محروم رکھنا درست نہیں۔ اس آیت سے یہ سمجھنا کہ صحابہ کرامؓ بھی اپنی بیویوں سے بحالتِ روزہ مباشرت کر کے الٰہی حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے، درست نہیں۔ کیونکہ اوّل تو اس بارہ میں ازدواجی تعلق سے رُکنے کا حکم نازل ہی نہ ہوا تھا۔ یہ امر خیانتِ نفس تو کہلا سکتا ہے کہ نفس کو اس کے حق سے محروم رکھا جائے۔ مگر الٰہی حکم کی خیانت نہیں کہلا سکتا جو نازل ہی نہ ہوا تھا۔

روایت نمبر ۴۵۰۸ میں نفس پر حد درجہ کی سختی کا ذکر ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ صحابہ کرامؓ بحالت روزہ اپنی جان پر سختی برداشت کیا کرتے تھے۔ اس امر واقعہ کے خلاف آیت مذکورہ بالا سے مذکورہ نتیجہ اَخذ کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ یہ واقعہ تو محولہ بالا آیت کا صحیح مفہوم بیان کرنے کی غرض سے درج کیا گیا ہے۔ جن لوگوں نے آیت کا یہ مفہوم لیا ہے کہ صحابہ کرامؓ بحالت روزہ ازدواجی تعلق سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے آیت کے الفاظ مد نظر نہیں رکھے۔ لفظ تَخْتَانُوْنَ، خَتَنَ سے ہے جس کے معنی کاٹنے اور کم کرنے کے ہیں۔ اس سے لفظ ختنہ اور مختون ہے۔ کہتے ہیں: عَامٌ مَخْتُوْنٌ یعنی قحط کا سال۔ (اقرب الموارد۔ ختن) اس اشتقاق کی رُو سے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم اپنے نفسوں کو اُن کے حق سے محروم کرتے تھے۔ غرض ایسے لوگوں نے آیت کا سیاق ملحوظ نہیں رکھا اور نہ لفظ تَخْتَانُوْنَ اور مندرجہ بالا روایت کی بین شہادت، تینوں باتیں ہی ان کے خیال کو ردّ کرتی ہیں۔

بَاب ٢٨: وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ إِلَى قَوْلِهِ يَتَّقُوْنَ ○ (البقرة:١٨٨)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہیں صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے اس کے بعد (صبح سے) رات تک روزوں کی تکمیل کرو۔ اور جب تم مساجد میں معتکف ہو تو ان کے (یعنی بیویوں کے) پاس نہ جاؤ۔ یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں، اس لئے تم ان کے قریب (بھی) مت جاؤ۔ اللہ اسی طرح لوگوں کے لئے اپنے احکامات بیان کرتا ہے تاکہ وہ (ہلاکتوں سے) بچیں۔

الْعَاكِفُ (الحج:٢٦) الْمُقِيمُ.

عاکف کے معنی مُقِیم کے ہیں یعنی (عبادت کے لئے) ٹھہرنے والا۔

٤٥٠٩: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيٍّ قَالَ أَخَذَ عَدِيٌّ عِقَالًا أَبْيَضَ وَعِقَالًا أَسْوَدَ حَتَّى كَانَ بَعْضُ اللَّيْلِ نَظَرَ فَلَمْ يَسْتَبِينَا فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ جَعَلْتُ تَحْتَ وِسَادِي {عِقَالَيْنِ[1]} قَالَ إِنَّ وِسَادَكَ إِذًا لَعَرِيضٌ أَنْ كَانَ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ تَحْتَ وِسَادَتِكَ.

اطرافہ: ١٩١٦، ٤٥١٠۔

٤٥٠٩: موسیٰ بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا کہ ابوعوانہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے حصین (بن عبدالرحمٰن) سے، حصین نے (عامر) شعبی سے، شعبی نے حضرت عدی (بن حاتمؓ) سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: حضرت عدیؓ نے ایک سفید ڈوری اور ایک سیاہ ڈوری لی۔ کچھ رات گزری، انہوں نے دیکھا تو کچھ امتیاز نہ کر سکے۔ جب صبح ہوئی انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں نے اپنے تکیے کے نیچے دو ڈوریاں رکھی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا: تب تو تمہارا تکیہ بہت ہی لمبا چوڑا ہے، اس لئے کہ سفید اور سیاہ دھاری تمہارے تکیہ کے نیچے سما گئی۔

٤٥١٠: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ

٤٥١٠: قتیبہ بن سعید نے ہم سے بیان کیا کہ جریر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے مطرف سے، مطرف

[1] لفظ "عِقَالَیْن" عمدۃ القاری کے مطابق ہے۔ (عمدۃ القاری جزء ١٨ صفحہ ١٠٧) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَا الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ أَهُمَا الْخَيْطَانِ قَالَ إِنَّكَ لَعَرِيضُ الْقَفَا إِنْ أَبْصَرْتَ الْخَيْطَيْنِ ثُمَّ قَالَ لَا بَلْ هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ.

اطرافہ: ۱۹۱۶، ۴۵۰۹۔

نے شعبی سے، شعبی نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! اَلْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ دو دھاگے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: تمہاری گُدّی تو بہت چوڑی ہے اگر تم نے ان دھاریوں کو دیکھ لیا۔ پھر فرمایا: نہیں، اس سے مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔

۴۵۱۱: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ أُنْزِلَتْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ (البقرۃ:۱۸۸) وَلَمْ يَنْزِلْ: مِنَ الْفَجْرِ (البقرۃ:۱۸۸) وَكَانَ رِجَالٌ إِذَا أَرَادُوا الصَّوْمَ رَبَطَ أَحَدُهُمْ فِي رِجْلَيْهِ الْخَيْطَ الْأَبْيَضَ وَالْخَيْطَ الْأَسْوَدَ وَلَا يَزَالُ يَأْكُلُ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُ رُؤْيَتُهُمَا فَأَنْزَلَ اللهُ بَعْدَهُ مِنَ الْفَجْرِ فَعَلِمُوا أَنَّمَا يَعْنِي اللَّيْلَ مِنَ النَّهَارِ.

طرفہ: ۱۹۱۷۔

۴۵۱۱: (سعید) بن ابی مریم نے ہمیں بتایا۔ ابو غسان محمد بن مطرف نے ہم سے بیان کیا کہ ابو حازم (سلمہ بن دینار) نے مجھے بتایا کہ حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: یہ آیت جو نازل ہوئی: اس وقت تک کھاؤ اور پیو کہ تمہارے لئے سفید دھاری سیاہ دھاری سے نمایاں ہو جائے، اور (اس میں) مِنَ الْفَجْرِ کے الفاظ نازل نہیں ہوئے اور کچھ لوگ ایسے تھے کہ جب وہ روزہ رکھنا چاہتے تو ان میں سے ایک اپنے پاؤں میں سفید دھاگہ اور سیاہ دھاگہ باندھ لیتا اور کھاتا رہتا۔ یہاں تک کہ ان کو الگ الگ دیکھ لیتا۔ اس لئے اللہ نے اس کے بعد یہ الفاظ نازل کئے یعنی مِنَ الْفَجْرِ اور اس سے انہوں نے جان لیا کہ اس کے تو معنی رات کا دن سے نمایاں ہونا ہے۔

تشریح: وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ: روزہ کے اوقات میں سے رات کا وقت علی الاطلاق خارج ثابت کرنے کے بعد اب دن کے اوقات کی حدود بتائی گئی ہیں جس میں روزے سے متعلق پابندی ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ یعنی طلوعِ فجر سے غروب آفتاب تک۔

سفید دھاری سے صبح کی سفیدی اور سیاہ دھاری سے رات کی تاریکی مراد ہے۔ یعنی جب تک اِن دونوں کے درمیان نمایاں فرق نظر نہ آئے سحری کھائی جاسکتی ہے۔ عام طور پر لوگ وہم سے کام لیتے ہیں اور بہت پہلے سحری کھالیتے ہیں اور اسی طرح بوقتِ افطار رات کی تاریکی کا انتظار کرتے ہیں جو خلافِ منشاءِ شریعت ہے۔

کچھ لوگوں نے اَلْخَیْطُ سے دھاگہ سمجھا اور ان کا ذہن استعارہ کی طرف نہیں گیا۔ ان میں سے ایک حضرت عدی بن حاتمؓ تھے۔ یہ صحابی نویں یا دسویں ہجری میں مسلمان ہوئے تھے اور بادیہ نشین قبائل میں سے تھے۔ (فتح الباری شرح کتاب الصوم باب ۱۶، جزء ۴ صفحہ ۱۷۰) بعض شارحین کا خیال ہے کہ ہوسکتا ہے خَیْطِ اَبْیَض اور خَیْطِ اَسْوَد کا محاورہ اُن کے ہاں نہ ہو۔ یہ خیال درست نہیں جیسا کہ امام ابن حجرؒ نے زمانہ جاہلیت کے قدیم عرب شاعر ابوداؤد ایادی کا حوالہ دیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ خَیْط کا اِن معنوں میں استعمال موجود تھا۔

وَلَمَّا تَبَدَّتْ لَنَا سَدْفَةٌ وَلَاحَ مِنَ الصُّبْحِ خَيْطٌ أَنَارَا

(فتح الباری شرح کتاب الصوم، باب ۱۶ جزء ۴ صفحہ ۱۷۳)

سَدْفَةٌ کے معنی تاریکی اور روشنی۔ یہ لفظ اَضداد میں سے ہے۔ (لسان العرب - سدف) یعنی جب رات میں روشنی ظاہر ہوئی اور صبح کی دھاری چمکی۔ حضرت عدیؓ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت محولہ بالا پہلے نازل ہوچکی تھی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا واقعہ سن کر فرمایا: بَلْ هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ۔ یہ نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الفاظ مِنَ الْفَجْرِ کے نزول کا انتظار فرمایا کہ وحی ربانی کی تصریح کے بعد حضرت عدیؓ کو جواب دیں۔ جیسا کہ بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ مِنَ الْفَجْرِ کا جملہ بعد میں بطور وضاحت نازل ہوا اور یہ غلط فہمی روایت نمبر ۴۵۱۱ کے الفاظ سے پیدا ہوئی ہے۔ حضرت عدی بن حاتمؓ کی روایت سے دو باتیں واضح ہیں۔ ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فی البدیہہ تصریح۔ ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اُن سے مزاحاً فرمایا: إِنَّ وِسَادَكَ إِذًا لَعَرِيضٌ۔ (روایت نمبر ۴۵۰۹) کہ تمہارا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہے جس نے دونوں افقوں کو اپنے نیچے لپیٹا ہوا ہے۔ بعض دوسری روایتوں میں یہ الفاظ ہیں: إِنَّكَ لَعَرِيضُ الْقَفَا۔ (روایت نمبر ۴۵۱۰) یعنی تمہاری گدی وسیع ہے۔ دوسری بات جو اُن کی روایت سے ظاہر ہے، وہ لفظ نَزَلَتْ کے مفہوم کا تعین ہے کہ اُس سے مراد تطبیق و تشریح ہے کیونکہ رمضان کے احکام کا نزول یقینی طور پر سورۃ البقرۃ میں بہت پہلے ہوچکا تھا اور صحابہ کرامؓ سفیدی کو دیکھ کر سحری کھانے سے رُک جاتے تھے۔ یہ خیال کہ رمضان سے متعلق آیات بعد میں نازل ہوئی ہوں گی، محققین کے نزدیک بہت دُور کا خیال ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجرؒ نے اس خیال کی غلطی بدلائل ثابت کی ہے۔ (فتح الباری جزء ۴ صفحہ ۱۷۱ تا ۱۷۴)

بَاب ۲۹ : وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے گھروں میں ان کے پیچھے کی طرف سے آؤ

وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَ اْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (البقرة:۱۹۰)

بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو بدیوں سے بچا۔ اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ ہی کو اپنا سپر بناؤ تا کہ تم کامیاب ہو۔

٤٥١٢: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانُوا إِذَا أَحْرَمُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَتَوُا الْبَيْتَ مِنْ ظَهْرِهِ فَأَنْزَلَ اللهُ: وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَ اْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ (البقرة: ۱۹۰)

۴۵۱۲: عبید اللہ بن موسیٰ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اسرائیل سے، اسرائیل نے ابواسحاق سے، ابواسحاق نے حضرت براء (بن عازبؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: (عرب) لوگ زمانہ جاہلیت میں جب احرام میں ہوتے تو گھر میں اس کے پچھواڑے کی طرف سے آتے۔ اس لئے اللہ نے یہ آیت نازل کی: نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کے پچھواڑے کی طرف سے آؤ۔ بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو بدیوں سے بچا اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو۔

طرفهُ: ۱۸۰۳۔

تشریح: وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا: محولہ بالا آیت حج اور اس کے مقاصد متعلقہ کی بابت نازل ہوئی کہ ظاہر پرستی اور دینی مسائل میں غلو اور موشگافی بے حقیقت باتیں ہیں۔ اصل چیز تقویٰ، استقامت اور حقیقی قربانی ہے۔ محولہ بالا آیت کے موقعِ نزول کی بابت کئی ایک کمزور روایتیں ہیں، جنہیں امام بخاریؒ نے قبول نہیں کیا۔ ان کے نزدیک ایک ہی روایت (نمبر ۴۵۱۲) مستند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عربوں کے اس غلط عقیدہ کی اصلاح فرمائی کہ دروازے سے واپس آنا آدابِ حج کے خلاف ہے۔ ہر مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ایک صحیح اور سیدھا راستہ ہوتا ہے۔ مقاصد کو اس کی صحیح راہوں سے ہی حاصل کرنا چاہیے۔ اس عنوان سے بھی امام موصوفؒ کی شریعت فہمی اور حسنِ انتخاب و ترتیب ظاہر ہے۔

بَاب ٣٠ : وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ (البقرة:١٩٤)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) تم اُن سے اس وقت تک لڑتے رہو کہ فتنہ نہ رہے اور دین اللہ ہی کی خاطر ہو جائے۔ اگر وہ رُک جائیں تو پھر ظالموں کے سوا کسی پر حملہ نہ کرو۔

٤٥١٣ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَتَاهُ رَجُلَانِ فِي فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَقَالَا إِنَّ النَّاسَ قَدْ ضُيِّعُوْا[1] وَأَنْتَ ابْنُ عُمَرَ وَصَاحِبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَخْرُجَ فَقَالَ يَمْنَعُنِي أَنَّ اللهَ حَرَّمَ دَمَ أَخِي فَقَالَا أَلَمْ يَقُلِ اللهُ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (البقرة:١٩٤) فَقَالَ قَاتَلْنَا حَتَّى لَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ وَكَانَ الدِّينُ لِلَّهِ وَأَنْتُمْ تُرِيدُونَ أَنْ تُقَاتِلُوا حَتَّى تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِغَيْرِ اللهِ.

۴۵۱۳: محمد بن بشار نے ہمیں بتایا کہ عبدالوہاب نے ہم سے بیان کیا کہ عبیداللہ (عمری) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے نافع سے، نافع نے حضرت (عبداللہ) بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضرت (عبداللہ) بن زبیرؓ کے فتنے کے وقت اُن کے پاس دو شخص آئے، کہنے لگے: (آپؓ دیکھتے ہیں) جو لوگوں نے کیا ہے اور آپؓ حضرت عمرؓ کے بیٹے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، (ایسے وقت میں) آپؓ کو نکلنے سے کیا روک ہے؟ آپؓ نے فرمایا: مجھے یہ بات روکتی ہے کہ اللہ نے میرے بھائی کا خون حرام قرار دیا ہے۔ (یہ سن کر) ان دونوں نے کہا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا: تم اس وقت تک اُن سے لڑتے رہو کہ فتنہ نہ رہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا: ہم لڑتے رہے یہاں تک کہ فتنہ نہ رہا اور دین اللہ ہی کی خاطر ہو گیا اور تم اس لئے لڑنا چاہتے ہو کہ فتنہ ہو اور دین اللہ کے سوا اَوروں کی خاطر ہو جائے۔

اطرافه: ٣١٣٠، ٣٦٩٨، ٣٧٠٤، ٤٠٦٦، ٤٥١٤، ٤٦٥٠، ٤٦٥١، ٧٠٩٥۔

---

[1] کشمیہنی کے نسخہ کے مطابق یہاں "صَنَعُوا" کا لفظ ہے (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۳۱) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

٤٥١٤ : وَزَادَ عُثْمَانُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي فُلَانٌ وَحَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَمْرٍو الْمَعَافِرِيِّ أَنَّ بُكَيْرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَهُ عَنْ نَّافِعٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ مَا حَمَلَكَ عَلَى أَنْ تَحُجَّ عَامًا وَتَعْتَمِرَ عَامًا وَتَتْرُكَ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَدْ عَلِمْتَ مَا رَغَّبَ اللهُ فِيهِ قَالَ يَا ابْنَ أَخِي بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ إِيمَانٍ بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَصِيَامِ رَمَضَانَ وَأَدَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ قَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَلَا تَسْمَعُ مَا ذَكَرَ اللهُ فِي كِتَابِهِ: وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللهِ (الحجرات: ١٠) قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (البقرة:١٩٤) قَالَ فَعَلْنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ الْإِسْلَامُ قَلِيلًا فَكَانَ

۴۵۱۴: اور عثمان بن صالح نے (عبداللہ) بن وہب سے روایت کرتے ہوئے (اتنا) اور بڑھایا، انہوں نے کہا: مجھے فلاں شخص اور حیوہ بن شُرَیح نے بتایا کہ بکر بن عمرو معافری سے روایت ہے کہ بُکَیر بن عبداللہ نے ان سے بیان کیا۔ وہ نافع سے روایت کرتے تھے کہ ایک شخص حضرت ابن عمرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ابوعبدالرحمٰنؓ! آپؓ کو کس بات نے آمادہ کیا ہے کہ آپؓ ایک سال حج کریں اور ایک سال عمرہ اور اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد چھوڑ دیں؟ حالانکہ آپؓ کو خوب علم ہے کہ اللہ نے جہاد سے متعلق کیا کچھ ترغیب دی ہے۔ انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پانچ نمازیں ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکوۃ دینا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ وہ کہنے لگا: ابوعبدالرحمٰنؓ! کیا آپؓ وہ نہیں سنتے جو اللہ نے اپنی کتاب میں کہا ہے: اگر مومنوں میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر (صلح ہو جانے کے بعد) ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر چڑھائی کرے تو سب مل کر اس چڑھائی کرنے والے کے خلاف جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ (نیز فرمایا ہے) ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ (حضرت ابن عمرؓ نے) کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں (یہ) کیا

الرَّجُلُ يُفْتَنُ فِي دِينِهِ إِمَّا قَتَلُوهُ وَإِمَّا يُعَذِّبُونَهُ حَتَّى كَثُرَ الْإِسْلَامُ فَلَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ.

اور اس وقت مسلمان تھوڑے تھے اور آدمی کو اس کے دین کی وجہ سے ابتلاء میں ڈال دیا جاتا تھا یا وہ اسے قتل کر دیتے یا اُسے دکھ دیتے، آخر مسلمان بہت ہوگئے اور فتنہ نہ رہا۔

اطرافه: ۳۷۰٤، ٤٠٦٦، ٤٥١٣، ٤٦٥٠، ٤٦٥١، ٧٠٩٥۔

٤٥١٥: قَالَ فَمَا قَوْلُكَ فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ قَالَ أَمَّا عُثْمَانُ فَكَأَنَّ اللهَ عَفَا عَنْهُ وَأَمَّا أَنْتُمْ فَكَرِهْتُمْ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُ وَأَمَّا عَلِيٌّ فَابْنُ عَمِّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَتَنُهُ وَأَشَارَ بِيَدِهِ فَقَالَ هَذَا بَيْتُهُ حَيْثُ تَرَوْنَ.

۴۵۱۵: (حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھنے والے) اس (شخص) نے کہا: پھر حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کی نسبت آپؓ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا: حضرت عثمانؓ جو تھے، اللہ نے ان کو معاف کر دیا اور تم جو ہو تو تم نے بُرا منایا کہ اللہ ان سے درگزر کرے اور حضرت علیؓ جو تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور آپؐ کے داماد تھے۔ اور (حضرت ابن عمرؓ نے) اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا، یہ اُن کا گھر ہے جہاں تم دیکھ رہے ہو۔

طرفه: ٤٦٥٠۔

تشریح: وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ: روایات زیر باب میں مذکورہ واقعہ سے آیت محولہ بالا کے غلط مفہوم کا ازالہ کیا گیا ہے۔ وَ قٰتِلُوْهُمْ کے حکم سے سمجھا گیا ہے کہ دو مسلم فریقین آپس میں برسرپیکار ہوں تو اُن میں ایک کا دوسرے سے جنگ کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ کہلائے گا اور اس حکم کی تعمیل ہوگی، یہ درست نہیں۔ آیت کا تعلق کفار کے فتنہ سے ہے جو مذہب کے بارے میں جبر و اکراہ سے کام لیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے خطاب کرنے والوں نے باغیانِ عثمانؓ سے جنگ کرنے کا سوال اُٹھایا تھا کہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے اور جہاد مثل دیگر ارکانِ اسلام واجب التعمیل ہے۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی کی صورت ایسی نوعیت کی ہے جو جہاد سے مختلف ہے اور آیت قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (البقرۃ: ۱۹۴)[1] کا موضوع ہے۔ اس جہاد سے مقصود فتنہ مٹانا ہے، تا مذہبی آزادی بحال ہو اور خانہ جنگی میں شریک ہونا مترادف ہے، اپنے بھائی کے

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”ان سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔“

گلا کاٹنے سے، تا مذہب غیر اللہ کا ہو۔ کیونکہ خانہ جنگی کی بناء سیاسی اغراض پر ہے کہ ایک فریق حکومت پر قابض ہو اور لوگوں کا خدا بنے، جیسا کہ خاندان بنی امیہ یا خاندان بنی عباس نے کیا۔ خانہ جنگی والی صورت سے متعلق الگ حکم ہے جو آیت وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا (الحجرات:۱۰)[1] میں بیان ہوا ہے۔ دونوں حکموں میں نوعیت کا فرق ہے۔ پہلا حکم خالص جہاد فی سبیل اللہ کا ہے کہ اس میں مذہبی آزادی کی بحالی مقصود ہے۔ سیاسی غرض مدنظر نہیں اور اس میں محرکات جنگ بالکل الگ ہیں۔ نیک نیتی ہو تو اس میں شمولیت عام قسم کا جہاد کہلائے گا، لیکن دونوں جہادوں کے ثواب میں فرق ہے۔

وَزَادَ عُثْمَانُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي فُلَانٌ: اس سند کے راوی عثمان بن صالح امام بخاریؒ کے شیوخ میں سے ہیں۔ فلاں سے مراد بعض نے عبد اللہ بن لہیعہ لئے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۳۱) سورۃ الانفال کی تفسیر میں یہی روایت زیر باب ۵ صرف حیوہ کی سند سے مروی ہے۔ (دیکھئے روایت نمبر ۴۶۵۰)

بَاب ۳۱

وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَ اَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرة:۱۹۶)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت ڈالو اور احسان کرو۔ اللہ محسنوں سے محبت رکھتا ہے۔

التَّهْلُكَةَ وَالْهَلَاكُ وَاحِدٌ.

التَّهْلُكَة اور الْهَلَاكُ ایک ہی ہیں۔

۴۵۱۶: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرة:۱۹۶) قَالَ نَزَلَتْ فِي النَّفَقَةِ.

۴۵۱۶: اسحاق نے ہم سے بیان کیا کہ نضر (بن شمیل) نے ہمیں خبر دی کہ شعبہ نے ہمیں بتایا کہ سلیمان سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے ابووائل سے سنا۔ وہ حضرت حذیفہؓ سے روایت کرتے تھے کہ انہوں نے کہا: وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔[2] خرچ کرنے کی بابت نازل ہوئی۔

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفة المسیح الرابعؒ: ”اگر مومنوں میں سے دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں۔“

[2] ترجمہ حضرت خلیفة المسیح الرابعؒ: ”اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں (اپنے تئیں) ہلاکت میں نہ ڈالو۔“

تشریح: وَ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ لَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ: التَّهْلُكَة اور الْهَلَاكُ دونوں مصدر ہیں اور ان کا معنی ایک ہے۔ یہ قول ابو عبید کا ہے۔[1] (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۳۲)

مصادر میں حروف کی قلت یا کثرت معنوں میں مناسب تبدیلی پیدا کرتی ہے۔ روایت زیر باب سے آیت کا مفہوم واضح کیا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ سے تم اپنا ہی بھلا کرو گے۔ دوسرے حصہ آیت سے مزید تاکید ہے کہ اگر خرچ نہ کیا تو اپنے آپ کو ہلاک کرو گے جس سے منع فرمایا۔ امام ابن حجرؒ نے صحابہؓ کے اقوال کا حوالہ دے کر آیت کا یہی مفہوم واضح کیا ہے، جو سیاق کلام کے لحاظ سے درست ہے۔ جن لوگوں نے اس سے یہ سمجھا کہ بوقت مقابلہ یا انفاق خطرے میں نہ ڈالو۔ جیسا کہ کسی نے کیا۔ رَمَى بِنَفْسِهِ فِي الْحَرْبِ فَقُتِلَ، فَقَالَ نَاسٌ أَلْقَى بِيَدِهِ إِلَى التَّهْلُكَةِ، فَقَالَ عُمَرُ كَذَبُوا لَكِنَّهُ اشْتَرَى الْآخِرَةَ بِالدُّنْيَا۔ اس نے اپنے آپ کو جنگ میں ڈالا اور مارا گیا تو لوگوں نے کہا کہ اس نے اپنے ہاتھ سے اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان کی تغلیط کی اور فرمایا: اس نے تو دنیا کے بدلے آخرت خرید لی۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۳۳)

بَاب ۳۲: فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ بِهٖۤ اَذًى مِّنۡ رَّاۡسِهٖ (البقرۃ:۱۹۷)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اپنے سر (کی بیماری کی وجہ) سے اُسے تکلیف (پہنچ رہی) ہو...

۴۵۱۷: حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْفَهَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَعْقِلٍ قَالَ قَعَدْتُ إِلَى كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ يَعْنِي مَسْجِدَ الْكُوفَةِ فَسَأَلْتُهُ عَنْ فِدۡيَةٌ مِّنۡ صِيَامٍ (البقرۃ:۱۹۷) فَقَالَ حُمِلْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلَى وَجْهِي فَقَالَ مَا كُنْتُ أُرَى أَنَّ الْجَهْدَ قَدْ بَلَغَ بِكَ هَذَا أَمَا تَجِدُ شَاةً قُلْتُ

۴۵۱۷: آدم (بن ابی ایاس) نے ہم سے بیان کیا۔ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عبدالرحمٰن بن اصفہانی سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے عبداللہ بن معقل سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ اس مسجد میں یعنی کوفہ کی مسجد میں حضرت کعب بن عُجرہؓ کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور میں نے اُن سے (آیت) فِدۡيَةٌ مِّنۡ صِيَامٍ سے متعلق پوچھا تھا۔ انہوں نے کہا: لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجھے لے گئے اور (حالت یہ تھی کہ) جوئیں میرے منہ پر گر رہی تھیں۔ آپؐ نے (دیکھ کر) فرمایا: میں نہیں سمجھتا تھا کہ تکلیف نے تمہارا یہ حال کر دیا

[1] (مجاز القرآن لابی عبیدۃ، سورۃ البقرۃ، آیت وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ، جزء اول صفحہ ۶۸)

لَا قَالَ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ طَعَامٍ وَاحْلِقْ رَأْسَكَ فَنَزَلَتْ فِيَّ خَاصَّةً وَهْيَ لَكُمْ عَامَّةً.

ہے۔ کیا ایک بکری (ذبح کرنے) کی استطاعت ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: تین روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ ہر مسکین کو آدھا صاع اناج دو اور اپنے سر کو منڈواؤ۔ تو یہ آیت میرے متعلق خاص کر نازل ہوئی اور تمہارے لئے عام ہے۔

اطرافه: ۱۸۱٤، ۱۸۱٥، ۱۸۱٦، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ٤١٥٩، ٤١٩٠، ٤١٩١، ٥٦٦٥، ٥٧٠٣، ٦٧٠٨-

تشریح: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّأْسِهٖ: بعض ائمہ اس طرف گئے ہیں کہ روزے بطور فدیہ مقدم ہیں۔ (فتح الباری کتاب المحصر، شرح باب ٦، جزء ۴ صفحہ ۲۱) حدیث مذکورہ سے ظاہر ہے کہ بیماری کی وجہ سے احرام کھولا ہو تو حسب استطاعت صورت اختیار کی جائے گی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اگر کوئی شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے اُسے سر منڈوانا پڑے۔ جیسے اس کے سر میں جُوئیں پڑ جائیں یا پھوڑے نکل آئیں تو وہ سر منڈوا سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں اسے صیام یا صدقہ یا قربانی کا فدیہ دینا پڑے گا۔ قرآن کریم نے فدیہ کی تینوں اقسام کو غیر معین رکھا ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے اس کی تعیین ہو جاتی ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ کعب بن عجرہؓ ایک صحابی تھے، ان کے سر میں جُوئیں پڑ گئیں، اور ان کی اتنی کثرت ہو گئی کہ جوئیں ان کے منہ پر گرتی تھیں۔ وہ کہتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا: اے کعبؓ! تجھے ان جوؤں کی وجہ سے بہت تکلیف ہے، تو سر منڈوا دے اور صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ، أَوِ انْسُكْ بِشَاةٍ۔[1] تو فدیہ کے طور پر تین دن کے روزے رکھ لے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے، یا ایک بکری کی قربانی دے دے۔

میرے نزدیک اس آیت میں جو فدیہ کی ترتیب ہے وہ امارت اور غربت

[1] (بخاری، کتاب المحصر، باب ۵، روایت نمبر ۱۸۱۴)

کے لحاظ سے ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص غریب ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھ لے۔ اگر متوسط درجہ کا ہو تو چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے اور اگر مالدار ہو تو قربانی دے دے۔ بہر حال قربانی مقدم ہے اور اس کے بعد صدقہ ہے اور اس کے بعد روزے ہیں، اور یہ ترتیب درجہ کی بلندی کے لحاظ سے ہے۔ یعنی ادنیٰ فدیہ یہ ہے کہ تین دن کے روزے رکھے۔ اس سے اعلیٰ فدیہ یہ ہے کہ چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اس سے اعلیٰ فدیہ یہ ہے کہ ایک قربانی دے دے۔“

(تفسیر کبیر، تفسیر سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۷، جلد ۲ صفحہ ۴۳۴)

بَاب ۳۳: فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ (البقرة:۱۹۷)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر فائدہ اُٹھایا

٤٥١٨: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عِمْرَانَ أَبِي بَكْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ أُنْزِلَتْ آيَةُ الْمُتْعَةِ فِي كِتَابِ اللهِ فَفَعَلْنَاهَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُنْزَلْ قُرْآنٌ يُحَرِّمُهُ وَلَمْ يُنْهَ[۱] عَنْهَا حَتَّى مَاتَ قَالَ رَجُلٌ بِرَأْيِهِ مَا شَاءَ.

۴۵۱۸: مسدد نے ہم سے بیان کیا کہ یحیٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا کہ ابو بکر عمران سے روایت ہے۔ ابو رجاء نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ کہتے تھے: تمتع کی آیت (یعنی عمرہ کو حج کے ساتھ ادا کرنے) کا حکم کتاب اللہ میں نازل ہوا اور ہم نے یہ تمتع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا اور اس کے بعد قرآن میں کوئی (ایسا) حکم نہیں نازل کیا گیا جو اس کو حرام قرار دیتا ہو اور نہ آپؐ نے اس سے روکا، یہاں تک کہ آپؐ فوت ہوئے۔ پھر ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہا۔

اطرافه: ۱۵۷۱۔

تشریح: فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ: حضرت عمرؓ نے آیت وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ (البقرة:۱۹۷) اور سنت نبویہ کی بناء پر قران کی اصل تمتع قرار دیا ہے اور تمتع کی وہ صورت جس کے اختیار کرنے کے لئے صحابہ کو حکم دیا گیا تھا، وہ ان کے نزدیک ایک وقتی ضرورت تھی۔ تمتع کے معنی فائدہ اُٹھانا۔ آیت فَمَنْ

[۱] عمدۃ القاری میں اس جگہ ”يَنْهَ“ کا لفظ ہے۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۸ صفحہ ۱۱۱) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ (البقرة:۱۹۷) سے یہ سمجھا گیا ہے کہ عمرہ کرنے کے بعد احرام کی پابندی سے آزادی حاصل کر کے حلال باتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور اس کے بعد حج کے لئے احرام باندھا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس بات سے روکا اور فرمایا کہ تمتع اصل میں یہ ہے کہ حج کے ایام میں حج اور عمرہ دونوں ایک ہی احرام سے کئے جائیں اور یہ صورت قِران کی ہے۔

قَالَ رَجُلٌ بِرَأْيِهِ مَا شَاءَ :اس سے مراد حضرت عمرؓ ہی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے روکا تھا۔ (فتح الباری، شرح کتاب الحج، باب ۳۶، جزء ۳ صفحہ ۵۴۶) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمتع میں نامناسب صورت پیدا ہو جانے پر حضرت عمرؓ کو روکنا پڑا۔ نص صریح فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ (البقرة:۱۹۷) اور ارشاد وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ (البقرة:۱۹۷) نیز سنت نبویہ کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے ایسا فرمایا تھا، لیکن بعض حالات میں انسان کو مکہ مکرمہ میں حج شروع ہونے سے قبل جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہاں اپنے تعلقات یا کاروبار کی وجہ سے ٹھہرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں دیر تک بحالت احرام رہنا موجب تکلیف تھا۔ اس لئے اِفراد کی صورت سے فائدہ اُٹھایا گیا۔

بَاب ۳۴: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرة:۱۹۹)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) تمہارے لئے (یہ) کوئی گناہ (کی بات) نہیں
کہ (حج کے ایام میں) تم اپنے ربّ کے کسی فضل کی جستجو کرلو

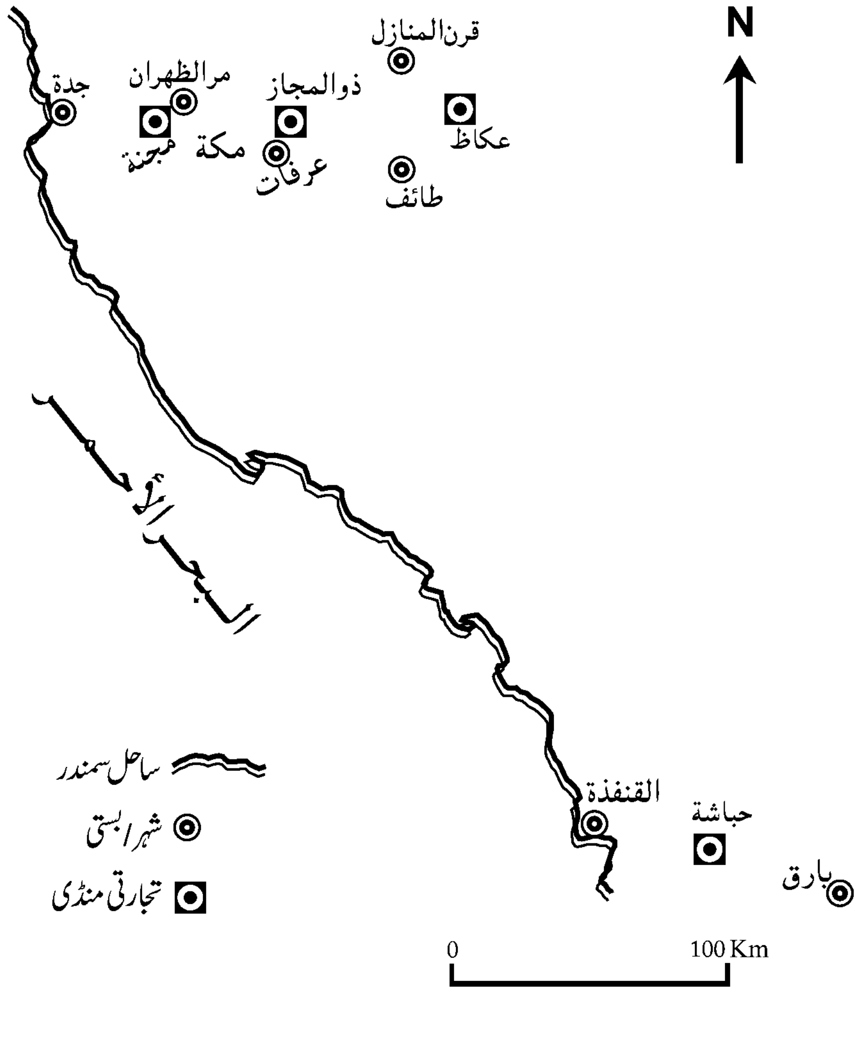
٤٥١٩: حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَتْ عُكَاظٌ وَمَجَنَّةُ وَذُو الْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَتَأَثَّمُوْا أَنْ يَتَّجِرُوا فِي الْمَوَاسِمِ فَنَزَلَتْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرة:۱۹۹) فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ.

اطرافه: ۱۷۷۰، ۲۰۵۰، ۲۰۹۸۔

۴۵۱۹: محمد (بن سلام بیکندی) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: (سفیان) بن عیینہ نے مجھ سے کہا: انہوں نے عمرو سے، عمرو نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز زمانہ جاہلیت میں منڈیاں ہوا کرتی تھیں۔ مسلمانوں نے گناہ سمجھا کہ وہ (حج کے) موسموں میں تجارت کریں۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی: تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے ربّ کے فضل کی جستجو کرو، یعنی حج کے ایام میں۔

تشریح: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ: مشرکین عرب کے نزدیک بیت اللہ کا حج بہت بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ جیسا کہ قدیم تاریخ عرب اور قدیم شعراء کے کلام کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ بیت اللہ کا طواف، عرفات کا قیام، منیٰ میں قربانی وغیرہ سب ان میں موجود تھیں۔ لیکن

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی خالص توحید- بت پرستی اور مشرکانہ عقائد و رسوم سے خلط ملط کر کے مسخ کر دی گئی تھی۔ اسلام نے پھر اسے اصل صورت پر بحال کیا اور جو باتیں درست تھیں انہیں بعض پابندیوں کے ساتھ قائم رکھا۔ جن میں سے بیت اللہ کا طواف بھی تھا۔ (دیکھئے کتاب الحج، باب ۹۱، ۱۴۴) اور بیت اللہ میں اعتکاف بھی۔ (کتاب الاعتکاف، باب ۵، روایت نمبر ۲۰۳۲) اور بیت اللہ کی تعظیم ان کے دلوں میں یہاں تک راسخ تھی کہ سوار ہو کر حج کرنا بیت اللہ کی تعظیم کے خلاف سمجھا جاتا تھا اور بیت اللہ کا حرم اتنا مقدس تھا کہ بیٹا باپ کا اور باپ بیٹے کے قتل کا انتقام لینا گناہِ عظیم سمجھتا تھا۔ یہاں تجارتی کاروبار بھی ہوتا تھا۔ تجارتی منڈیاں عکاظ، ذی المجاز، مجنّة اور حباشة میں قائم کی جاتی تھیں اور بالعموم حرمت والے مہینوں میں یہ کاروبار جائز سمجھا جاتا تھا۔ ذو المجاز کی منڈی عرفات کے قریب اور عکاظ طائف کے قریب قرن المنازل کے ورے اور مجنّة مرّالظہران میں اصغر پہاڑی



کے قریب قائم کی جاتی تھی۔ (فتح الباری کتاب الحج، باب ۱۵۰، جزء ۳ صفحہ ۷۴۹، ۷۵۰) صحابہ کرامؓ مطلق تجارت جائز سمجھتے تھے۔ مگر حج کے ایام میں بحالت احرام ان کے نزدیک تجارت کرنا حج کے منافی تھا۔ اس سے یہ ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ بحالت احرام صحابہ کرامؓ کا یہ احساس درست تھا۔ مگر حج سے فراغت پانے اور حج کے مہینہ میں تجارتی کاروبار سے اجتناب سابقہ عقیدے کی بناء پر درست نہیں تھا، جس کی اصلاح کی گئی۔ روایت زیر باب میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے، اس کے آخر میں فِيْ مَوَاسِمِ الْحَجِّ ہے۔ یہ الفاظ آیت کا حصہ نہیں بلکہ تفسیر ہے۔
(فتح الباری، کتاب الحج، باب ۱۵۰، جزء ۳ صفحہ ۷۵۰)

خلاصہ یہ کہ اس قسم کے تمام مشرکانہ رسم رواج کا اسلام نے قلع قمع کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس اسوۂ حسنہ کی برکت سے نفوس میں خارق عادت تبدیلی ہوئی اور تقویٰ وطہارت کے بارہ میں عربوں کا شعور و احساس لطیف ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوت قدسیہ سے عربوں میں اس درجہ تبدیلی کی کہ آپؐ کا اعجاز از خود نمایاں ہو جاتا ہے۔

بَاب ۳۵: ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (البقرة: ۲۰۰)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) تم بھی اسی جگہ سے لوٹ کر آیا کرو جہاں سے لوگ لوٹیں

٤٥٢٠: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَازِمٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا كَانَتْ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ دِيْنَهَا يَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَكَانُوا يُسَمَّوْنَ الْحُمْسَ وَكَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُونَ بِعَرَفَاتٍ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ أَمَرَ اللهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْتِيَ عَرَفَاتٍ ثُمَّ يَقِفَ بِهَا ثُمَّ يُفِيضَ مِنْهَا فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ. (البقرة: ۲۰۰)

طرفه: ١٦٦٥۔

۴۵۲۰: علی بن عبد اللہ (مدینی) نے ہمیں بتایا۔ محمد بن حازم نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام (بن عروہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ قریش اور جو اُن کے طریقہ پر چلتے تھے مزدلفہ میں ٹھہر جاتے اور ان لوگوں کو حُمس (یعنی دین کے پکے) کہا کرتے تھے اور باقی تمام عرب عرفات میں (جاکر) ٹھہرا کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عرفات میں آئیں اور پھر وہاں ٹھہریں اور پھر وہاں سے لوٹ کر آئیں۔ یہی مراد ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول سے: تم بھی اسی جگہ سے لوٹ کر آیا کرو جہاں سے لوگ لوٹیں۔

٤٥٢١ : حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ يَطَّوَّفُ الرَّجُلُ بِالْبَيْتِ مَا كَانَ حَلَالًا حَتَّى يُهِلَّ بِالْحَجِّ فَإِذَا رَكِبَ إِلَى عَرَفَةَ فَمَنْ تَيَسَّرَ لَهُ هَدِيَّةٌ مِنَ الْإِبِلِ أَوِ الْبَقَرِ أَوِ الْغَنَمِ مَا تَيَسَّرَ لَهُ مِنْ ذَلِكَ أَيَّ ذَلِكَ شَاءَ غَيْرَ إِنْ لَّمْ يَتَيَسَّرْ لَهُ فَعَلَيْهِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَذَلِكَ قَبْلَ يَوْمِ عَرَفَةَ فَإِنْ كَانَ آخِرُ يَوْمٍ مِنَ الْأَيَّامِ الثَّلَاثَةِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيَنْطَلِقْ حَتَّى يَقِفَ بِعَرَفَاتٍ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى أَنْ يَكُونَ الظَّلَامُ ثُمَّ لِيَدْفَعُوا مِنْ عَرَفَاتٍ فَإِذَا أَفَاضُوا مِنْهَا حَتَّى يَبْلُغُوا جَمْعًا الَّذِي يَتَبَرَّرُ فِيهِ[1] ثُمَّ لِيَذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا أَوْ أَكْثِرُوا التَّكْبِيرَ وَالتَّهْلِيلَ قَبْلَ أَنْ تُصْبِحُوا ثُمَّ أَفِيضُوا فَإِنَّ النَّاسَ كَانُوا يُفِيضُونَ وَقَالَ اللهُ تَعَالَى ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

۴۵۲۱: محمد بن ابی بکر نے مجھ سے بیان کیا کہ فضیل بن سلیمان نے ہمیں بتایا کہ موسیٰ بن عقبہ نے ہم سے بیان کیا کہ کریب نے مجھے بتایا۔ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: آدمی جب تک بغیر احرام ہو یعنی جب تک حج کی لبیک نہ پکارے بیت اللہ کا طواف کرتا رہے اور جب سوار ہوکر عرفات کو جائے پھر جس کو قربانی میسر ہو، اونٹوں سے یا گائے بیل سے یا بکریوں سے جو بھی اس کو میسر ہو اور جسے چاہے اس کی قربانی کر دے۔ لیکن اگر اس کو میسر نہ ہو تو اس کو تین روزے حج میں رکھنے چاہئیں اور یہ عرفات کے دن سے پہلے ہیں۔ اور اگر ان تین روزوں میں سے آخری روزہ عرفات کے دن ہو تب بھی اس پر کوئی حرج نہیں۔ پھر (مکہ سے) چل دے اور آکر عرفات میں عصر کی نماز سے لے کر اس وقت تک کہ اندھیرا ہو جائے ٹھہرے، پھر چاہیئے کہ لوگ عرفات سے لوٹیں۔ پھر جب وہ وہاں سے لوٹ پڑیں یہاں تک کہ مزدلفہ میں پہنچ جائیں جہاں وہ رات گزارتے ہیں۔ پھر چاہیئے کہ وہ ذکر الٰہی میں بہت مشغول رہیں۔ یا (کہا:) تم صبح ہونے سے پہلے تکبیر اور تہلیل کثرت سے کرو۔ پھر وہاں سے لَوٹو۔ کیونکہ لوگ وہیں سے لوٹتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: اور جہاں سے لوگ (واپس) لوٹتے رہے ہیں وہاں

[1] عمدۃ القاری میں یہاں "یَبِیتُونَ بِهِ" کے الفاظ ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۸ صفحہ ۱۱۳)

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○(البقـرۃ: ۲۰۰) حَـتّٰى تَـرْمُـوا الْـجَمْـرَةَ.

سے تم بھی (واپس) لوٹو۔ اور اللہ سے مغفرت طلب کرو۔ اللہ یقیناً بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ یعنی رمی جمار تک (استغفار میں مشغول رہو۔)

تشریح: ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ: وقوف عرفات مناسک حج میں سے ایک ضروری رکن ہے۔ مکہ مکرمہ سے جنوب مشرق کی سمت میں طائف کے راستے پر تقریباً نو میل اور منٰی سے چھ میل کے فاصلے پر ایک وسیع میدان ہے جو عرفات کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں نویں ذوالحج کو حاجی جمع ہوتے ہیں۔ یہاں سب حاجیوں کا پہنچنا ضروری ہے۔ اگر کوئی حاجی نہیں جاتا تو اس کا حج ناقص ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ منادی اس بارہ میں تاکید فرمائی۔ اس تاکید کی وجہ یہ تھی کہ قریش اور وہ قبائل جن سے عائلی، نسلی اور مذہبی تعلقات و معاہدات تھے۔ یعنی بنو خزاعہ، بنو کنانہ، بنو عامر بن صعصعہ، ثقیف اور لیث بن بکر وغیرہ حج کے وقت حرمِ مکہ سے باہر جانا ناجائز سمجھتے تھے۔ (عمدۃ القاری، جزء ۱۰ صفحہ ۳) کیونکہ قریش اور مذکورہ بالا قبائل اپنے آپ کو بیت اللہ کا محافظ سمجھتے تھے۔ مکہ مکرمہ پر ایک زمانہ ایسا آیا کہ فقر و فاقہ کی وجہ سے یہ غیر آباد ہو گیا۔ قصی بن کلاب پہلے شخص تھے جنہوں نے متفرق قبائل کو جمع کیا اور مکہ مکرمہ میں انہیں دوبارہ آباد کیا اور اسی وجہ سے ان کا نام قریش ہوا۔ یعنی پراگندگی کے بعد جمع شدہ۔ (عمدۃ القاری، جزء ۱۶ صفحہ ۷۳) مزید تفصیل کیلئے دیکھئے تفسیر کبیر تفسیر سورۃ القریش، جلد ۱۰ صفحہ ۹۴ تا ۱۱۲۔ مزدلفہ حرمِ مکہ میں شامل ہے۔ عرفات کا علاقہ اس سے باہر ہے۔ اس لئے مزدلفہ ہی سے قریش لوٹ آتے تھے۔ جبکہ دوسرے لوگ مقامِ عرفات میں جا کر باقی ماندہ مناسک پورے کرتے۔ قریش اپنے آپ کو حُمس کہتے تھے اور دوسروں کو "احلّہ"۔ یعنی وہ لوگ جن کو بوقت احرام حرم سے باہر جانا جائز ہے۔ حُمس لفظ حماسۃ سے افعل تفعیل ہے۔ یعنی نہایت جوشیلے بمعنی متعصب اور اپنے لئے اس امر کو بطور امتیاز خاص گردانتے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسلامی مساوات کی روح کے خلاف پا کر ارشاد فرمایا: ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○(البقرۃ: ۲۰۰) یعنی تم وہاں سے لوٹو جہاں سے لوگ لوٹیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور یقیناً وہ غفور و رحیم ہے۔ اس ارشادِ باری تعالیٰ سے ظاہر ہے کہ عبادتِ حج کی علت غائی تزکیہ نفس ہے۔

زمانہ جاہلیت میں ان حُمس نے کچھ بدعتیں جاری کر رکھی تھیں۔ مثلاً ان کی عورتوں کو بحالت احرام حج کے ایام میں کاتنا، بُننا، دودھ بلونا، پنیر بنانا اور گھی استعمال کرنا منع تھا۔ بحالت احرام گھروں میں بھی داخل نہیں ہوتے تھے اور ایامِ حج میں خیمے استعمال کرتے، خصوصاً چمڑے کے۔ (عمدۃ القاری شرح کتاب الحج، جزء ۱۰ صفحہ ۳) ایسی قدیم رسوم کے پیش نظر کتاب الحج میں بعض ابواب بھی قائم کئے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اپنے ہاتھ سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کے ہار بنایا کرتی تھی۔ (روایت نمبر ۱۷۰۰) اور عرب دروازے سے داخل ہونا بھی معیوب سمجھتے تھے۔ جیسا کہ روایت نمبر ۴۵۱۲ میں گذر چکا ہے۔ روایت نمبر ۱۶۶۴ میں یہ جو ذکر آیا ہے کہ مقامِ عرفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر لوگ متعجب ہوئے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ مَا شَأْنُهُ یعنی آپؐ تو قریش میں سے ہیں۔ کیا ہوا کہ آپؐ حرم سے باہر چلے گئے ہیں۔ یہ تعجب تو در حقیقت اسی قدیم رسم کی وجہ سے تھا۔ شارحین کا خیال ہے کہ ان کے تعجب کی وجہ قرآنِ مجید کے حکم اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ سے ناواقفیت تھی۔ (فتح الباری، شرح کتاب الحج، باب ۹۱، جزء ۳ صفحہ ۶۵۲) عرب بھی قدیم سے ان جگہوں میں اپنے طریق پر عبادت کیا کرتے تھے۔ جس سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے ان جگہوں کو عبادت سے برکت دی ہے۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ عربوں نے توحید الٰہی کو شرک سے ملوث کر دیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملت ابراہیمی بحال فرمائی۔

بَاب ٣٦
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (البقرة:٢٠٢)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) ان میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے ربّ! ہمیں اس دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھلائی عطا کر اور ہمیں آگ کی سزا سے بچائیو

٤٥٢٢: حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُمَّ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (البقرة:٢٠٢)

۴۵۲۲: ابومعمر نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالوارث نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عبدالعزیز سے، عبدالعزیز نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے ہمارے ربّ! ہمیں اس دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھلائی عطا کر اور ہمیں آگ کی سزا سے بچائیو۔

طرفه: ٦٣٨٩۔

تشریح: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ: یہ دعا مانگنے والوں میں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے

ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کثرت سے پڑھتے سنا ہے۔[1]

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے جو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً (البقرۃ:۲۰۲) اس میں بھی دنیا کو مقدم کیا ہے، لیکن کس دنیا کو؟ حَسَنَۃُ الدُّنْیَا کو جو آخرت میں حسنات کا موجب ہو جائے۔ اس دعا کی تعلیم سے صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ مومن کو دنیا کے حصول میں حَسَنَاتُ الْاٰخِرَۃ کا خیال رکھنا چاہیئے، اور ساتھ ہی حَسَنَۃُ الدُّنْیَا کے لفظ میں ان تمام بہترین ذرائع حصولِ دنیا کا ذکر آ گیا ہے جو ایک مومن مسلمان کو حصولِ دنیا کے لئے اختیار کرنے چاہئیں۔ دنیا کو ہر ایسے طریق سے حاصل کرو جس کے اختیار کرنے سے بھلائی اور خوبی ہی ہو۔ نہ وہ طریق جو کسی دوسرے بنی نوع انسان کی تکلیف رسائی کا موجب ہو، نہ ہم جنسوں میں کسی عار و شرم کا باعث۔ ایسی دنیا بے شک حَسَنَۃُ الْاٰخِرَۃ کا موجب ہوگی۔ پس یاد رکھو کہ جو شخص خدا کے لئے زندگی وقف کر دیتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ وہ بے دست و پا ہو جاتا ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ دین اور للّٰہی وقف انسان کو ہوشیار اور چابکدست بنا دیتا ہے، سستی اور کسل اس کے پاس نہیں آتا۔ حدیث میں عمار بن خزیمہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے میرے باپ کو فرمایا کہ تجھے کس چیز نے اپنی زمین میں درخت لگانے سے منع کیا ہے۔ تو میرے باپ نے جواب دیا کہ میں بڈھا ہوں، کل مر جاؤں گا۔ پس اس کو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تجھ پر ضرور ہے کہ درخت لگائے۔ پھر میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ خود میرے باپ کے ساتھ مل کر ہماری زمین میں درخت لگاتے تھے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عجز اور کسل سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ سست نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ حصول دنیا سے منع نہیں کرتا، بلکہ حَسَنَۃُ الدُّنْیَا کی دعا تعلیم فرماتا ہے۔“[2]

---

[1] (بخاری کتاب الدعوات، باب قول النبی ﷺ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً، روایت نمبر ۶۳۸۹)

[2] (ملفوظات جلد اول صفحہ ۳۶۵-الحکم جلد ۴ نمبر ۲۹ مورخہ ۱۶، اگست ۱۹۰۰ صفحہ ۳، ۴)

وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ کی تشریح کرتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"آگ سے مراد صرف وہی آگ نہیں جو قیامت کو ہوگی بلکہ دنیا میں بھی جو شخص ایک لمبی عمر پاتا ہے وہ دیکھ لیتا ہے کہ دنیا میں بھی ہزاروں طرح کی آگ ہے۔ تجربہ کار جانتے ہیں کہ قسم قسم کی آگ دنیا میں موجود ہے۔ طرح طرح کے عذاب، خوف، حزن، فقر و فاقے، امراض، ناکامیاں، ذلت و ادبار کے اندیشے، ہزاروں قسم کے دکھ، اولاد بیوی وغیرہ کے متعلق تکالیف اور رشتہ داروں کے ساتھ معاملات میں الجھن، غرض یہ سب آگ ہیں تو مومن دعا کرتا ہے کہ ساری قسم کی آگوں سے ہمیں بچا۔ جب ہم نے تیرا دامن پکڑا ہے تو ان سب عوارض سے جو انسانی زندگی کو تلخ کرنے والے ہیں اور انسان کے لئے بمنزلہ آگ ہیں بچائے رکھ۔"[1]

بَاب ۳۷: وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (البقرة:۲۰۵)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) وہ نہایت سخت جھگڑالو ہے

وَقَالَ عَطَاءٌ: النَّسْلُ الْحَيَوَانُ.

اور عطاء نے کہا: (يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ میں) النَّسْلَ (البقرة:۲۰۶) سے مراد حیوان ہیں۔

۴۵۲۳: حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ تَرْفَعُهُ قَالَ أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ.

۴۵۲۳: قبیصہ (بن عقبہ) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (ثوری) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابن جریج سے، ابن جریج نے ابن ابی ملیکہ سے، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ وہ اس حدیث کو مرفوعاً بیان کرتی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ کو لوگوں میں سے سب سے زیادہ قابل نفرت وہ شخص ہے جو بڑا لڑنے والا جھگڑالو ہو۔

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ

اور عبداللہ (بن ولید) نے کہا: سفیان (ثوری) نے ہم سے بیان کیا کہ ابن جریج نے مجھے بتایا۔

[1] (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۱۴۵- الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ مورخہ ۲۴، مارچ ۱۹۰۳ صفحہ ۹، ۱۰)

عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

انہوں نے ابن ابی ملیکہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، حضرت عائشہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

اطرافه: ٢٤٥٧، ٧١٨٨۔

تشریح: وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ: اَلَدُّ، لَدَدٌ سے اسم تفضیل ہے۔ لَدَدٌ کے معنی ہیں شِدَّةُ الْخُصُوْمَةِ۔ خِصَامٌ- خَصْمٌ کی جمع ہے، بروزن كَلْبٌ وَ كِلَابٌ۔ اور خِصَام مصدر بھی ہے، خَاصَمَ خِصَامًا بروزن قَاتَلَ قِتَالًا یعنی خصومت میں نہایت سخت ہے۔ انتہائی شدت مراد ہے اور بمعنی اسم فاعل وارد ہوا ہے، یعنی وَهُوَلَدِيْدُ الْخِصَامِ۔ اَلْحَرْثُ سے الزَّرْعُ یعنی کھیتی اور النَّسْل سے انسان و حیوان کی نسل مراد ہے۔ یہ مفہوم بذریعہ ابن ابی حاتم حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔[1] عطاء بن ابی رباح کا محولہ بالا قول طبریؒ سے موصولاً منقول ہے۔[2] (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۳۶) آیت وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ کے تعلق میں حضرت عائشہؓ کی روایت دو سندوں سے مروی ہے۔ سفیان سے مراد سفیان ثوری ہیں۔ صراحت ہے کہ حدیث أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللهِ الأَلَدُّ الخَصِمُ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے موصولاً مروی ہے۔ پہلی سند حضرت عائشہؓ تک پہنچ کر لفظ تَرْفَعُهُ سے اظہار ہے کہ یہ روایت مرفوع ہے۔ دونوں سندیں ایک دوسری کی مؤید ہیں۔ جس آیت میں النَّسْلَ وَ الْحَرْثَ کی ہلاکت کا ذکر ہے، وہ آیت وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ کے معاً بعد ہے۔ فرماتا ہے: وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○ (البقرۃ:۲۰۶) اور جب وہ حاکم ہوتا ہے تو زمین میں ایسا رویہ اختیار کرتا ہے کہ جس سے اخلاق بگاڑتا اور زراعت و نسل تباہ کر دیتا ہے اور اللہ فساد پسند نہیں کرتا۔

بَاب ۳۸

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۗ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ إِلَى قَرِيْبٌ ○ (البقرۃ:۲۱۵)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ باوجود اس کے کہ ابھی تم پر اُن لوگوں کی (سی تکلیف کی) حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے گزرے ہیں تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ انہیں تنگی (بھی) پہنچی اور تکلیف (بھی) اور انہیں خوب خوف دلایا گیا تاکہ (اس وقت کا) رسول اور اس کے ساتھ (کے) ایمان والے کہہ اٹھیں کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ یاد رکھو! اللہ کی مدد یقیناً قریب ہے۔

٤٥٢٤: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى

۴۵۲۴: ابراہیم بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ

[1] (تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ البقرۃ، آیت وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا، جزء ۲ صفحہ ۳۶۷)
[2] (جامع البیان للطبری، سورۃ البقرۃ، آیت وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا، جزء ۳ صفحہ ۵۸۶)

أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ يَقُولُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا (يوسف:١١١) خَفِيفَةً ذَهَبَ بِهَا هُنَاكَ وَتَلَا: حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○ (البقرة:٢١٥) فَلَقِيتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ فَذَكَرْتُ لَهُ ذٰلِكَ.

ہشام نے ہمیں بتایا۔ ابن جریج سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابن ابی ملیکہ سے سنا، کہتے تھے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (سورۂ یوسف کی اس آیت کو یوں) پڑھا: حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا[1] (یعنی كُذِبُوْا کی دال کو) مخفف کر کے اور اس آیت کے وہی معنی کئے جو اس آیت کے ہیں: حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔[2] پھر میں عروہ بن زبیر سے ملا اور ان سے یہ ذکر کیا۔

٤٥٢٥: فَقَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَعَاذَ اللهِ وَاللهِ مَا وَعَدَ اللهُ رَسُولَهُ مِنْ شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا عَلِمَ أَنَّهُ كَائِنٌ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ وَلٰكِنْ لَمْ يَزَلِ الْبَلَاءُ بِالرُّسُلِ حَتَّى خَافُوا أَنْ يَكُونَ مَنْ مَعَهُمْ يُكَذِّبُونَهُمْ فَكَانَتْ تَقْرَؤُهَا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ (يوسف:١١١) كُذِّبُوا مُثَقَّلَةً.

۴۵۲۵: عروہ نے کہا: حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں: معاذاللہ، اللہ کی قسم! اللہ نے اپنے رسول سے کبھی کوئی وعدہ نہیں کیا کہ آپؐ کو یقین ہوتا کہ وہ آپؐ کے فوت ہونے سے پہلے ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ بلکہ رسولوں کی آزمائش ہمیشہ ہوتی رہی، یہاں تک کہ وہ ڈرے کہ وہ جو اُن کے ساتھ ہیں کہیں اُن کو جھوٹا نہ سمجھیں اور (حضرت عائشہؓ) اس آیت کو یوں پڑھتی تھیں: وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا ذال کی تشدید سے۔

اطرافه: ٣٣٨٩، ٤٦٩٥، ٤٦٩٦۔

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”یہاں تک کہ جب پیغمبر (ان سے) مایوس ہو گئے اور (لوگوں نے) خیال کیا کہ اُن سے جھوٹ بولا گیا ہے۔“

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”یہاں تک کہ رسول اور وہ جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے پکار اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ سنو! یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے۔“

تشریح: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ: آیت ۲۱۵ کا ذکر اس باب کے ضمن میں لا کر حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی ہے، جس کا تعلق مفہوماً اس آیت سے بھی ہے اور سورۃ یوسف کی آیت نمبر ۱۱۱ سے بھی ہے۔ اس تعلق میں کتاب احادیث الانبیاء، باب ۱۹ روایت نمبر ۳۳۸۹ بھی دیکھئے۔ دونوں آیتوں میں انبیاء ورسل کے حوصلہ شکن شدید ابتلاء اور خارق عادت نصرت الٰہی کے ظہور کا ذکر ہے۔

بَاب ۳۹: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ الْآيَةَ (البقرة: ٢٢٤)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) تمہاری عورتیں تمہارے لئے ایک کھیتی ہیں اس لئے تم اپنی کھیتی میں آؤ جس طرح چاہو اور اپنی بھلائی کو مقدم رکھو

٤٥٢٦: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ نَّافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ لَمْ يَتَكَلَّمْ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ فَأَخَذْتُ عَلَيْهِ يَوْمًا فَقَرَأَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ حَتَّى انْتَهَى إِلَى مَكَانٍ قَالَ تَدْرِي فِيمَ أُنْزِلَتْ قُلْتُ لَا قَالَ أُنْزِلَتْ فِي كَذَا وَكَذَا، ثُمَّ مَضَى.

طرفه: ٤٥٢٧۔

۴۵۲۶: اسحاق (بن راہویہ) نے ہم سے بیان کیا کہ نضر بن شمیل نے ہمیں خبر دی کہ (عبداللہ) بن عون نے ہمیں بتایا۔ نافع سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب قرآن پڑھتے تو جب تک اس سے فارغ نہ ہو لیتے بات نہ کرتے۔ میں نے ایک دن اُن سے قرآن کا سبق لیا۔ انہوں نے سورۂ بقرہ پڑھی۔ یہاں تک کہ جب اس آیت (نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ) پر پہنچے (مجھے) کہنے لگے: تم جانتے ہو یہ آیت کس کے بارے میں اُتری؟ میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے فرمایا: فلاں فلاں بات سے متعلق اُتری۔ پھر وہ پڑھنے لگ گئے۔

٤٥٢٧: وَعَنْ عَبْدِ الصَّمَدِ {حَدَّثَنِي أَبِي[1]} حَدَّثَنِي أَيُّوبُ عَنْ

۴۵۲۷: اور عبدالصمد (بن عبدالوارث) سے مروی ہے۔ (انہوں نے کہا:) میرے باپ نے

[1] یہ الفاظ فتح الباری مطبوعہ بولاق کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ حاشیہ صفحہ ۲۳۷) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ (البقرة:٢٢٤) قَالَ يَأْتِيهَا فِي. رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ.

طرفه: ٤٥٢٦۔

مجھ سے بیان کیا کہ ایوب نے مجھے بتایا۔ انہوں نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی۔ (انہوں نے کہا:) فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی سے جماع کرے۔ اس حدیث کو محمد بن یحییٰ بن سعید نے بھی بیان کیا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے عبیداللہ سے، عبیداللہ نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی۔

٤٥٢٨: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ سَمِعْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَتِ الْيَهُودُ تَقُولُ إِذَا جَامَعَهَا مِنْ وَرَائِهَا جَاءَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ فَنَزَلَتْ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ. (البقرة:٢٢٤)

۴۵۲۸: ابونعیم نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (ثوری) نے ہمیں بتایا کہ (محمد) بن منکدر سے روایت ہے۔ (انہوں نے کہا:) میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے: یہود لوگ خیال کرتے تھے کہ مرد اگر عورت کے پیچھے کی طرف سے جماع کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوگا۔ اس لئے یہ آیت نازل ہوئی: تمہاری عورتیں تمہارے لئے ایک کھیتی ہیں اس لئے تم اپنی کھیتی میں آؤ جس طرح چاہو۔

تشریح: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ: یہ آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے بڑی واضح ہے۔ کیونکہ اس میں صراحت ہے کہ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ۔ حَرْثٌ کا لفظ کنایہ ہے اور مراد پیداوار کی جگہ جو عورت میں معین عضو ہے۔ اس جگہ "جس طرح چاہو آؤ" کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ اس معین جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ آؤ جو پیدائش کے لئے مقصود نہیں۔

سیاقِ کلام سے الفاظ أَنَّى شِئْتُمْ کا مفہوم اسی معین جگہ سے ہی محدود ہوگا۔ صرف اسی صورت میں عورت کھیتی کا کام دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مباشرت کے لئے مختلف آسن ہیں۔ اس کے متعلق ہندوؤں کے ہاں نہ صرف کتابیں رکھی گئی ہیں بلکہ جگن ناتھ پوری (ضلع کٹک) کے مشہور مندر میں ان آسنوں کی شکلیں بھی بنائی گئی ہیں اور یہ مندر قدیم ہندو تمدن کی یادگار ہے۔ اسی طرح عربوں کے ہاں بھی بعض آسن تھے۔ ان میں سے چار کا ذکر روایات میں آتا ہے۔ مُقْبِلَات، مُدْبِرَات، مُسْتَلْقِيَات، مُحْبِيَات۔ سامنے سے، پیچھے سے، چت لیٹ کر، گھٹنوں کے بل

اوندھے ہو کر اور یہود کے ہاں عَلٰی حَرْفٍ یعنی کروٹ کے بل کا رواج تھا۔ ہر آسن کا تعلق اندامِ نہانی سے ہے جو جائے پیدائش ہے۔ اسرائیل بن روح سے مروی ہے کہ امام مالکؒ سے اَنّٰی شِئْتُمْ کے معنی دریافت کئے گئے تو انہوں نے کہا: مَا أَنْتُمْ قَوْمٌ عَرَبٌ هَلْ يَكُونُ الْحَرْثُ إِلَّا مَوْضِعَ الزَّرْعِ؟ تعجب ہے تم عرب لوگ ہو کیا کھیتی زرعی جگہ کے سوا بھی ہوتی ہے؟ اسی مفہوم پر مالکیوں میں سے فقہائے متاخرین کا اتفاق ہے۔(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۳۹، ۲۴۱) امام ابن حجرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے جو امام احمد بن حنبل اور ترمذی نے نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہود کا آسن (عَلٰی حَرْفٍ) اختیار کر کے ندامت محسوس کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے آیت نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ پڑھی اور فرمایا: أَقْبِلْ وَأَدْبِرْ وَاتَّقِ الدُّبُرَ وَالْحَيْضَةَ۔[۱] سامنے سے ہو یا پیچھے سے، لیکن مقعد سے بچو اور حائضہ سے بچو۔(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۴۰) یہ روایت حضرت جابرؓ کی مشہور روایت نمبر ۴۵۲۸ سے موافق ہے، جو آیت کے شانِ نزول سے متعلق واضح ہے۔ اس میں یہود کی عادت کا ذکر ہے۔

ابوداودؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے بسند مجاہدؒ نقل کیا ہے کہ مشرکین مدینہ یہودیوں کے اکثر افعال کی تقلید کرتے تھے اور مباشرت میں بھی انہی کے آسن اُن کے ہاں رائج تھے۔ اسی طرح قریش بھی۔ ایک مہاجر قریشی کی مدینہ کی انصاری عورت سے شادی ہوئی اور اس نے یہودیوں کے طریق کے مطابق مباشرت کرنی چاہی، عورت نے انکار کیا اور رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی۔[۲] اس روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے حضرت ابن عمرؓ کی تاویل آیت کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ حضرت ابن عمرؓ کو معاف کرے۔ ان کا یونہی خیال ہے کہ آیت میں وسعت اور جواز ہے۔(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۴۰)

أُنْزِلَتْ فِي كَذَا وَكَذَا: امام ابن حجرؒ نے اس بارے میں مختلف روایتیں نقل کر کے بتایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرف تاویل آیت کے بارے میں جو قول منسوب کیا جاتا ہے وہ واضح نہیں، اس میں ابہام ہے۔ امام بخاریؒ نے جو دو مستند روایتیں نقل کی ہیں ان میں بھی ابہام ہے۔ **حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى مَكَانٍ** - جب مذکورہ بالا آیت کی جگہ پہنچے تو انہوں نے یہ یہ باتیں کیں۔ وہ کیا باتیں تھیں؟ اس کا کوئی ذکر نہیں اور دوسری روایت بھی "يَأْتِيهَا فِي" پر ختم ہے۔ حمیدی نے فِي الْفَرْجِ کہہ کر شرمگاہ کی صراحت کی ہے، جو سیاقِ کلام سے واضح ہے۔ اس کے ماسوا حرام ہے اور لواطت کی حرمت کے بارے میں قرآنِ مجید اور صحیح احادیث قطعی ہیں، جس پر ائمہ و فقہا کا اتفاق ہے۔(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۳۸ تا ۲۴۱)

---

[۱] (سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة)
(مسند احمد بن حنبل، مسند بنی هاشم، مسند عبد الله بن العباس، جزء اول صفحہ ۲۹۷)

[۲] (سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی جامع النکاح)

بَاب ٤٠

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (البقرة:۲۳۲)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مقررہ میعاد کو پہنچ جائیں تو ان کو مت روکو کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کر لیں

٤٥٢٩: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ رَاشِدٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ قَالَ حَدَّثَنِي مَعْقِلُ بْنُ يَسَارٍ قَالَ كَانَتْ لِي أُخْتٌ تُخْطَبُ إِلَيَّ.

۴۵۲۹: عبید اللہ بن سعید نے ہم سے بیان کیا کہ ابو عامر عقدی نے ہمیں بتایا کہ عباد بن راشد نے ہم سے بیان کیا کہ حسن نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: حضرت معقل بن یسارؓ نے مجھ سے بیان کیا، کہتے تھے: میری ایک بہن تھی جس کے نکاح کی نسبت مجھے پیغام آنے لگے۔

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ حَدَّثَنِي مَعْقِلُ بْنُ يَسَارٍ ح.

اور ابراہیم (بن طہمان) نے کہا: یونس سے روایت ہے۔ یونس نے حسن سے یوں نقل کیا: حضرت معقل بن یسارؓ نے مجھ سے بیان کیا۔

حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ أُخْتَ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا فَتَرَكَهَا حَتَّى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَخَطَبَهَا فَأَبَى مَعْقِلٌ فَنَزَلَتْ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ. (البقرة:۲۳۲)

ابو معمر نے ہمیں بتایا: عبد الوارث نے ہم سے بیان کیا کہ یونس نے ہمیں بتایا۔ حسن سے روایت ہے کہ حضرت معقل بن یسارؓ کی بہن کو اس کے خاوند نے طلاق دی اور اسے چھوڑے رکھا، یہاں تک کہ اس کی عدت گزر گئی۔ پھر اس نے اس سے نکاح کرنے کا پیغام بھیجا۔ لیکن حضرت معقلؓ نے نہ مانا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: انہیں نہ روکو کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کریں۔

اطرافہ: ۵۱۳۰، ۵۳۳۰، ۵۳۳۱۔

تشریح: وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ: یعنی جب عدت طلاق پوری ہو اور وہ اپنے خاوند سے نکاح کرنا چاہیں تو ان کے سرپرستوں سے

خطاب ہے کہ انہیں اس سے نہ روکا جائے۔ مفسرین کو اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں عورتوں کے ولی مخاطب ہیں۔ جیسا کہ روایت زیر باب کی دوسری سند میں صراحت ہے کہ حضرت معقلؓ نے اپنی بہن کو اپنے خاوند کے ساتھ نکاح کرنے سے روکا۔ یہ روایت کتاب النکاح باب ۳۶ روایت نمبر ۵۱۳۰ میں قدرے تفصیل سے نقل کی گئی ہے۔ سورۃ النساء میں بھی عورتوں پر ظلم و جبر کرتے ہوئے نکاح کے بارے میں پابندی عائد کئے رکھنے کی ممانعت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ (النساء:۲۰) تم انہیں (نکاح سے) نہ روکو تا تم نے جو انہیں دیا ہے وہ لے جاؤ۔ اس ضمن میں کتاب التفسیر، سورۃ النساء، باب ۶ قائم کیا گیا ہے۔

بَاب ٤١ : وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور تم میں سے جن (لوگوں) کی روح قبض کر لی جاتی ہے اور وہ (اپنے پیچھے) بیویاں چھوڑ جاتے ہیں

يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا إِلَى بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ (البقرة:۲۳۵)

(چاہیئے کہ) وہ (بیویاں) اپنے آپ کو چار مہینے (اور) دس (دن) تک روک رکھیں پھر جب وہ اپنا مقررۃ وقت پورا کر لیں وہ اپنے متعلق مناسب طور پر جو کچھ (بھی) کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے۔

يَعْفُوْنَ (البقرة:۲۳۸) يَهَبْنَ.

يَعْفُوْنَ کے معنی ہیں ہبہ کر دیں۔ (یعنی یونہی دیں۔)

٤٥٣٠ : حَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ حَبِيبٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ قُلْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا (البقرة:۲٤۱) قَالَ قَدْ نَسَخَتْهَا الْآيَةُ الْأُخْرَى فَلِمَ تَكْتُبُهَا أَوْ تَدَعُهَا قَالَ يَا ابْنَ أَخِي لَا

۴۵۳۰: امیہ بن بسطام نے ہم سے بیان کیا کہ یزید بن زُریع نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے حبیب (بن شہید) سے، حبیب نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی کہ (حضرت عبداللہ) بن زبیرؓ نے کہا: میں نے حضرت عثمان بن عفانؓ سے وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا سے متعلق پوچھا۔ (ابن زبیرؓ نے) کہا: اس کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔ پھر آپؓ نے اس کو لکھوایا

أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْهُ مِنْ مَّكَانِهِ.

کیوں ہے یا رہنے کیوں دیا ہے؟ (حضرت عثمانؓ نے) فرمایا: میرے بھتیجے! میں قرآن سے کچھ بھی اس کی اپنی جگہ سے نہیں بدلوں گا۔

طرفهُ: ٤٥٣٦۔

٤٥٣١ : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا شِبْلٌ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُّجَاهِدٍ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا (البقرة:۲۳۵) قَالَ كَانَتْ هَذِهِ الْعِدَّةُ تَعْتَدُّ عِنْدَ أَهْلِ زَوْجِهَا وَاجِبٌ فَأَنْزَلَ اللهُ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ (البقرة:۲٤۱) قَالَ جَعَلَ اللهُ لَهَا تَمَامَ السَّنَةِ سَبْعَةَ أَشْهُرٍ وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَصِيَّةً إِنْ شَاءَتْ سَكَنَتْ فِي وَصِيَّتِهَا وَإِنْ شَاءَتْ خَرَجَتْ وَهْوَ قَوْلُ اللهِ تَعَالَى غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ (البقرة:۲٤۱) فَالْعِدَّةُ كَمَا هِيَ وَاجِبٌ عَلَيْهَا زَعَمَ ذَلِكَ عَنْ مُّجَاهِدٍ.

۴۵۳۱: اسحاق (بن راہویہ) نے ہمیں بتایا۔ روح (بن عبادہ) نے ہم سے بیان کیا کہ شبل (بن عباد) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے (عبد اللہ) ابن ابی نجیح سے، انہوں نے مجاہد سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ ... (میں جس عدت کا ذکر ہے) یہ وہ عدت ہے جو عورت کے لیے اپنے خاوند کے رشتہ داروں کے پاس گزارنا ضروری تھی اس لیے اللہ نے یہ آیت نازل کی: اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں۔ وہ اپنی بیویوں کے حق میں ایک سال تک فائدہ پہنچانے یعنی اُن کو (گھروں سے) نہ نکالنے کی وصیت کر جائیں، لیکن اگر وہ (خود بخود) چلی جائیں تو وہ اپنے متعلق جو پسندیدہ بات کریں اُس کا تمہیں کوئی گناہ نہیں۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) عورت کے لئے سال پورا کر دیا ہے سات مہینوں اور بیس راتوں کی وصیت کر کے۔ اگر چاہے تو اس وصیت کے مطابق رہے اور اگر چاہے تو چلی جائے اور یہی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مراد ہے کہ ان کو نہ نکالا جائے اور اگر وہ خود نکلیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں، مگر عدت جتنی ہے وہ عورت پر واجب ہے۔ (شبل نے کہا کہ ابن ابی نجیح نے) مجاہد سے یہی روایت کی۔

وَقَالَ عَطَاءٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَسَخَتْ هَذِهِ الْآيَةُ عِدَّتَهَا عِنْدَ أَهْلِهَا فَتَعْتَدُّ حَيْثُ شَاءَتْ وَهُوَ قَوْلُ اللهِ تَعَالَى غَيْرَ إِخْرَاجٍ.

اور عطاء کہتے تھے: حضرت ابن عباسؓ نے کہا: اس آیت نے عورت کی وہ عدت (کی سابقہ رسم) منسوخ کردی جو وہ اپنے گھر والوں کے پاس پورا کرتی تھی۔ اب جہاں چاہے عدت پوری کرے اور یہی ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کو نہ نکالا جائے۔

قَالَ عَطَاءٌ إِنْ شَاءَتِ اعْتَدَّتْ عِنْدَ أَهْلِهِ وَسَكَنَتْ فِي وَصِيَّتِهَا وَإِنْ شَاءَتْ خَرَجَتْ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ (البقرة:۲۴۱) قَالَ عَطَاءٌ ثُمَّ جَاءَ الْمِيرَاثُ فَنَسَخَ السُّكْنَى فَتَعْتَدُّ حَيْثُ شَاءَتْ وَلَا سُكْنَى لَهَا.

عطاء کہتے تھے: اگر وہ چاہے تو اپنے گھر والوں کے پاس عدت گزارے اور اپنی وصیت کے مطابق رہے اور اگر چاہے، نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم پر کوئی گناہ نہیں، اس امر میں جو انہوں نے کیا۔ عطاء کہتے تھے: اس کے بعد میراث کا حکم نازل ہوا اور اس نے سکونت (کے دستور) کو منسوخ کیا۔ اس لئے اب جہاں چاہے عدت گزارے اور اس کے لئے خاوند کے گھر میں رہنا ضروری نہیں۔

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ بِهَذَا.

اور محمد بن یوسف (فریابی) سے مروی ہے۔ (انہوں نے کہا:) ورقاء (بن عمر) نے ابن ابی نجیح سے بروایت مجاہد ہمیں یہی بتایا۔

وَعَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَسَخَتْ هَذِهِ الْآيَةُ عِدَّتَهَا فِي أَهْلِهَا فَتَعْتَدُّ حَيْثُ شَاءَتْ لِقَوْلِ اللهِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ نَحْوَهُ.

اور ابن ابی نجیح سے یہی مروی ہے کہ انہوں نے عطاء سے، عطاء نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے یوں کہا: اس آیت نے عورت کی اس عدت کو منسوخ کردیا جو وہ اپنے گھر والوں میں گزارا کرتی تھی۔ اب جہاں چاہے عدت گزارے۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: نہ نکالا جائے۔

طرفہ: ۵۳۴۴۔

٤٥٣٢: حَـدَّثَنَا حِبَّـانُ حَـدَّثَنَا عَبْـدُ اللهِ أَخْبَرَنَـا عَبْـدُ اللهِ بْـنُ عَـوْنٍ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ جَلَسْتُ إِلَى مَجْلِسٍ فِيهِ عُظْمٌ مِنَ الْأَنْصَارِ وَفِيهِمْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي لَيْلَى فَذَكَرْتُ حَدِيثَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ فِي شَأْنِ سُبَيْعَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ فَقَالَ عَبْـدُ الـرَّحْمَنِ وَلَكِـنَّ عَمَّـهُ كَـانَ لَا يَقُولُ ذَلِكَ فَقُلْتُ إِنِّي لَجَرِيءٌ إِنْ كَـذَبْتُ عَلَـى رَجُـلٍ فِـي جَانِـبِ الْكُوفَةِ وَرَفَعَ صَوْتَهُ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ فَلَقِيتُ مَالِكَ بْنَ عَامِرٍ أَوْ مَالِكَ بْنَ عَـوْفٍ قُلْـتُ كَيْـفَ كَـانَ قَـوْلُ ابْـنِ مَسْـعُودٍ فِـي الْمُتَـوَفَّى عَنْهَـا زَوْجُهَـا وَهْيَ حَامِلٌ فَقَالَ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ أَتَجْعَلُـونَ عَلَيْهَـا التَّغْلِـيظَ وَلَا تَجْعَلُونَ لَهَا الرُّخْصَةَ لَنَزَلَتْ سُورَةُ النِّسَاءِ الْقُصْرَى بَعْدَ الطُّولَى. وَقَالَ أَيُّوبُ عَنْ مُّحَمَّدٍ لَقِيتُ أَبَا عَطِيَّةَ مَالِكَ بْنَ عَامِرٍ.

طرفه: ٤٩١٠۔

۴۵۳۲: حبان (بن موسیٰ السلمی) نے ہمیں بتایا کہ عبداللہ (بن مبارک) نے ہم سے بیان کیا کہ عبداللہ بن عون نے ہمیں بتایا کہ محمد بن سیرین سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: میں ایک مجلس میں بیٹھا جہاں بڑے بڑے انصاری تھے اور ان میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی تھے۔ میں نے عبداللہ بن عتبہ کی اس حدیث کا ذکر کیا جو حضرت سُبَیعہ بنت حارثؓ سے متعلق ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا: لیکن عبداللہ بن عتبہ کے چچا تو یوں نہیں کہتے تھے۔ میں نے کہا: میں تو پھر بڑا ہی دلیر ہوں اگر میں نے ایسے شخص کی بابت جھوٹ کہا ہے جو کوفہ کے ایک کونے میں رہتا ہے اور انہوں نے اپنی آواز بلند کی۔ محمد بن سیرین کہتے تھے: یہ کہہ کر میں باہر چلا گیا اور پھر مالک بن عامر یا مالک بن عوف سے ملا۔ میں نے پوچھا کہ حضرت ابن مسعودؓ کا کیا قول تھا؟ اس عورت کے بارے میں جس کا خاوند وفات پا (کر اُس کو چھوڑ) جائے اور وہ حاملہ ہو۔ انہوں نے کہا حضرت ابن مسعودؓ کہتے تھے: تم حاملہ پر سختی تو کرتے ہو اور اس کے لیے آسانی نہیں کرتے۔ حالانکہ عورتوں کے متعلق چھوٹی سورۃ (یعنی سورۃ الطلاق) تو لمبی (یعنی سورۃ البقرۃ) کے بعد اُتری۔ اور ایوب (سختیانی) نے محمد (بن سیرین) سے یوں نقل کیا کہ میں ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملا۔

تشریح: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا: يَعْفُوْنَ کے معنی يَهَبْنَ، ہبہ کر دیں، بخشش دیں۔ يَعْفُوْنَ سے آیت اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ[1] (البقرۃ:۲۳۸) کی طرف اشارہ کر کے اس اختلاف کا حل کیا ہے جو سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۴۱ سے متعلق بعض کو ہوا ہے کہ وہ آیت فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[2] (البقرۃ:۲۳۵) سے منسوخ ہے۔ یہ آیت جسے ناسخ قرار دیا جاتا ہے پہلے ہے اور جسے منسوخ کہا جاتا ہے وہ بعد میں۔ جس سے ظاہر ہے کہ منسوخ حکم پہلے ہونا چاہیے تھا اور ناسخ حکم بعد میں۔ موجودہ ترتیب آیات میں الٹ ہے، ناسخ (یعنی منسوخ کرنے والی آیت) پہلے ہے اور منسوخ بعد میں، جو خلاف دستور اور غیر معقول ہے کہ قابل منسوخ حکم صادر نہیں ہوا کہ نسخ کرنے والا حکم پہلے نازل ہو گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ پہلی آیت میں بالکل الگ حکم ہے جو متوفی کی بیوہ کے بارے میں ہے کہ اسے چار مہینے اور دس دن انتظار کرنا چاہیے تا حمل کا علم ہو جائے۔ کیونکہ حمل کی صورت میں وضعگی کے بعد عقد نکاح ہونا چاہیے۔ (الطلاق:۵) اور دوسرے حکم کا مفہوم یہ ہے کہ متوفی وصیت کرے کہ اس کی بیوہ کو گھر سے ایک سال تک نکالنا نہیں سوا اس کے کہ وہ خود نکلے اور اپنے والدین یا کسی رشتہ دار کے پاس مقیم ہو جہاں اس کا اطمینان ہو۔ اس حکم کے دو حصے ہیں۔ ایک کا تعلق متوفی اور اس کے رشتہ داروں سے اور دوسرے حصہ کا بیوہ اور اس کے رشتہ داروں سے۔ دونوں حکموں کا تعلق مختلف حالات سے ہے اور حالات کے مطابق واجب التعمیل ہیں، ناسخ منسوخ نہیں۔

امام بخاریؒ نے آیت يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (البقرۃ:۲۳۸) کا حوالہ دے کر بتایا ہے کہ رخصتانہ سے قبل طلاق کی صورت میں خود بھی حق مہر معاف کر سکتی ہیں اور اُن کا ولی بھی۔ جیسی صورت حالات ہو۔ جس طرح اس آیت کے دونوں حصے ناسخ منسوخ نہیں کہلا سکتے، معنونہ آیت کے دونوں حصے ایک دوسرے کے ناسخ نہیں۔ خاوند کو یہ ضروری ہے کہ وہ ایک سال کی غَيْرَ اِخْرَاجٍ والی وصیت کرے۔ لیکن اگر کوئی بیوہ گھر سے خود نکلے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ تو جن پر وصیت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہو، وہ قابل مؤاخذہ نہیں ہوں گے۔

قَالَ قَدْ نَسَخَتْهَا الْاٰيَةُ الْاُخْرٰى: حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اس (آیت) کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے پھر آپؓ اسے کیوں لکھتے ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا: میں قرآن مجید میں تغیر و تبدل نہیں کروں گا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے سوال میں الفاظ فَلِمَ تَكْتُبُهَا یا فَلِمَ تَدَعُهَا ہیں۔ دونوں فقروں میں أَوْ حرفِ عطف ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قَدْ نَسَخَتْهَا کو ان معنوں میں لیا ہے کہ عورت کے لئے لازمی نہیں کہ وہ بھی پورا ایک سال رہے۔ چار ماہ دس دن کی عدتِ انتظار تو خاوند کے گھر میں ضروری ہے۔ لیکن خاوند کی

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”سوائے اس کے کہ وہ (عورتیں) معاف کر دیں، یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا بندھن ہے۔“

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”پس جب وہ اپنی (مقررہ) مدت کو پہنچ جائیں تو پھر وہ (عورتیں) اپنے متعلق معروف کے مطابق جو بھی کریں اس بارہ میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔“

موت کے بعد باقی سات ماہ اور بیس دن کا عرصہ اس کے لئے پورا کرنا واجب نہیں۔ چاہے متوفی کے گھر میں بموجب وصیت رہے اور چاہے نہ رہے، چلی جائے۔ سلف صالح نے بھی اس آیت سے یہی مراد لی ہے۔ باب کی دوسری روایت (نمبر ۴۵۳۱) سے نسخ آیت کا مذکورہ بالا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ امام ابن حجرؒ نے اس قسم کے نسخ کی مثالیں قرآن مجید سے دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرة:۱۱۶) اس لیے جدھر بھی تم رُخ کرو گے ادھر ہی اللہ کی توجہ ہوگی اور فرماتا ہے: وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (البقرة:۱۴۵) اور (اے مسلمانو!) تم (بھی) جہاں کہیں ہو اس کی طرف اپنے منہ کیا کرو۔ ایک میں عام حکم ہے اور دوسرے میں خاص۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۴۴) جس طرح متوفی خاوند کے لئے مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ کی وصیت کرنے کا حکم عام ہے۔ فَاِنْ خَرَجْنَ کی اجازت بیوہ کے لئے مخصوص ہے۔ احکام شریعت میں یہ صورت تشریع توسع کہلائے گی نہ ان معنوں میں ناسخ و منسوخ جو عام طور پر سمجھے جاتے ہیں۔ آخری روایت میں حضرت ابن مسعودؓ کا قول اس بارے میں قول فیصل ہے: أَتَجْعَلُونَ عَلَيْهَا التَّغْلِيظَ، وَلَا تَجْعَلُونَ لَهَا الرُّخْصَةَ، تم بیوہ پر سختی کرنا چاہتے ہو اس کے لئے آسانی نہیں کرتے۔ پھر انہوں نے کہا کہ عورتوں کے متعلق سورۃ البقرۃ کی یہ آیات پہلے نازل ہوئی ہیں اور سورۃ الطلاق کا نزول اس کے بعد ہوا ہے۔

زَعَمَ ذٰلِكَ عَنْ مُّجَاهِدٍ: شبل بن عباد راوی نے کہا کہ عبد اللہ بن ابی نجیح نے مذکورہ تفسیر مجاہد سے روایت کی۔ زَعَمَ کا فاعل ابن ابی نجیح ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۴۴)

وَقَالَ عَطَاءٌ: عطاء کا قول معطوف ہے مجاہد پر کہ ابن ابی نجیح نے بسند عطاء مذکورہ بالا تفسیر نقل کی ہے۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ بعض کا خیال ہے کہ روایت معلق ہے۔ چنانچہ یہ خیال ورقاء کی سند سے بھی رد کیا گیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے حوالہ سے جس کے راوی عبد اللہ بن ابی نجیح اور عطاء ہیں، بتایا گیا ہے کہ آیت فَاِنْ خَرَجْنَ میں بیوہ عورت کو عدت گزارنے کی اجازت دی ہے کہ جہاں وہ چاہے گزارے۔ ضروری نہیں کہ اپنے متوفی خاوند کے گھر ہی میں گزارے۔ کیونکہ غَيْرَ اِخْرَاجٍ کی ممانعت کا تعلق خاوند کے اقرباء سے ہے۔

مَجْلِسٍ فِيهِ عُظْمٌ مِنَ الْاَنْصَارِ: یہ مجلس انصار میں سے بڑے لوگوں پر مشتمل تھی اور یہ حضرت سُبَیعہ بنت حارثؓ کا واقعہ ہے۔

بَاب ٤٢ : حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرة:۲۳۹)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تم (تمام) نمازوں کا اور (خصوصاً) درمیانی نماز کا پورا خیال رکھو

٤٥٣٣ : حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ

۴۵۳۳: عبد اللہ بن محمد (مسندی) نے مجھے بتایا کہ یزید نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام (بن حسان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے محمد (بن سیرین) سے،

عَنْهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح.

انہوں نے عبیدہ (بن عمرو) سے، عبیدہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ هِشَامٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَبَسُونَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطَى حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ مَلَأَ اللّٰهُ قُبُورَهُمْ وَبُيُوتَهُمْ أَوْ أَجْوَافَهُمْ نَارًا، شَكَّ يَحْيَى.

اور عبدالرحمٰن (بن بشر بن حکم) نے مجھ سے بیان کیا کہ یحییٰ بن سعید (قطان) نے ہمیں بتایا کہ ہشام نے کہا: محمد (بن سیرین) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عبیدہ (بن عمرو سلمانی) سے، عبیدہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے ایام میں فرمایا: انہوں نے ہمیں درمیانی نماز سے روکے رکھا یہاں تک کہ سورج بھی ڈوب گیا۔ اللہ ان کی قبروں اور ان کے گھروں کو یا اُن کے پیٹوں کو آگ سے بھرے۔ یحییٰ (راوی) نے (بُيُوتَهُمْ یا أَجْوَافَهُمْ کے متعلق) شک کیا (کہ یہ لفظ فرمایا یا وہ۔)

أطرافه: ٢٩٣١، ٤١١١، ٦٣٩٦-

تشریح: حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى: اس آیت کی تشریح کے تعلق میں دوسندوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے جو کتاب المغازی (باب ۲۹ روایت نمبر ۴۱۱۱) میں بھی مذکور ہے۔ امام مسلم نے بھی یہی روایت بسند شُتَیر بن شکل نقل کی ہے جس کے یہ الفاظ ہیں: شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى، صَلَاةِ الْعَصْرِ۔[1] انہوں نے ہمیں مشغول رکھا کہ ہم صلوٰۃ وسطیٰ یعنی نماز عصر نہیں پڑھ سکے اور آخر میں یہ الفاظ زائد ہیں: ثُمَّ صَلَّاهَا بَيْنَ الْعِشَاءَيْنِ، بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ۔ پھر آپؐ نے مغرب اور عشاء کے (وقت کے) درمیان یہ نماز پڑھی۔ امام مسلم نے حضرت ابن مسعودؓ سے بھی حضرت علیؓ کی طرح روایت بیان کی ہے۔[1] حضرت ابوہریرہؓ سے بھی روایت ہے جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دریافت کرنے پر تصریح فرمائی کہ صلوٰۃ الوسطیٰ عصر ہے۔[2] اس بارے میں جہاں تک روایات کا تعلق ہے وہ نماز عصر ہی تھی، جو غزوہ احزاب کے ایام میں بروقت نہیں پڑھی جاسکی۔ ائمہ اربعہ وغیرہ کی روایات میں بھی یہی ہے۔ لیکن صلوٰۃ الوسطیٰ کے مفہوم کی نسبت علماء سلف

[1] (صحيح المسلم، كتاب المساجد، بَابُ الدَّلِيلِ لِمَنْ قَالَ الصَّلَاةُ الْوُسْطَى هِيَ صَلَاةُ الْعَصْرِ)

[2] (جامع البيان للطبري، سورة البقرة، آيت حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى، جزء ۴ صفحہ ۳۴۴)

میں اختلاف ہے۔ امام ابن حجرؒ نے علامہ دمیاطی کی مشہور کتاب کشف الغطاء عن الصلوۃ الوسطی کے حوالے سے اس بارہ میں انیس اقوال کا ذکر کیا ہے کہ نماز وسطی کا مصداق نماز فجر یا ظہر یا عصر یا مغرب یا ساری نمازیں ہیں اور وجہ بیان کی گئی ہے کہ خواب غفلت میں صبح کی نماز یا شدت گرمی میں ظہر کی نماز ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے اس کی حفاظت کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ بعض نے جمعہ کی نماز صلوٰۃ وسطی قرار دی ہے کہ وہ قابل اہتمام ہے۔ ان اقوال سے ظاہر ہے کہ جس نماز کے ضائع ہونے کا ڈر یا اسے کسی وجہ سے اہمیت حاصل ہو وہی نمازِ وسطی ہے۔ کاروبار کے اثنا میں یا جنگ کی حالت میں ہر نماز کے ضائع ہونے کا احتمال ہے اور اس لحاظ سے اس کی نگہداشت ضروری ہے۔ آیت کے سیاق سے بھی یہی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ جس چیز کے ضائع ہونے کا خوف ہو اسی کی خاص طور پر حفاظت کی جاتی ہے۔ دوران جنگ نماز عصر ضائع ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الوسطی کا اس پر اطلاق فرمایا۔ اس سے یہ سمجھنا درست نہیں کہ صرف عصر کی نماز صلوٰۃ الوسطی ہے، کسی اور نماز کے لئے ایسے حالات پیدا نہیں ہو سکتے کہ وہ ضائع ہو جائے۔ وسطی کے معنی ہیں درمیانی۔ ضائع کرنے والے حالات میں واقع ہر نماز وسطی کہلا سکتی ہے اور صلوٰۃ الوسطی کے ایک معنی اعلیٰ درجے کی نماز کے بھی ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۴۵ تا ۲۴۸) ہر نماز جو کسی وجہ سے قابل اہتمام ہو نماز وسطی ہو گی۔ مثلاً نماز مغرب کی بابت ارشاد نبوی ہے کہ وہ سورج غروب ہونے پر ہی پڑھی جائے یا صبح کی نماز سے متعلق فرمایا کہ سورج نکلنے کا انتظار نہ کرو۔ اس لحاظ سے یہ دونوں نمازیں بھی قابل اہتمام ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب ۳۰، ۳۱۔

مَلَأَ اللّٰهُ قُبُوْرَهُمْ...نَارًا: ناراضگی کا یہ فقرہ نماز کے ضائع ہونے کی وجہ سے شدت احساس پر دلالت کرتا ہے۔ جن کفار نے مسلمانوں کے خلاف سارے ملک میں آگ بھڑکا دی تھی، وہ دعاء رحمت کے کیونکر مستحق ہو سکتے تھے۔ سلسلہ پاداش کا حساب تو نیک و بد اعمال پر مبنی ہے اور جو اچھی بُری جزا بوقت محاسبہ ملتی ہے وہ عمل کی مماثلت سے ملتی ہے۔ آگ بھڑکانے والوں کی سزا آگ ہی ہو سکتی ہے۔

بَاب ۴۳ : وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (البقرة:۲۳۹)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور اللہ کے فرمانبردار ہو کر کھڑے ہو جاؤ

أَيْ مُطِيعِينَ.

(قٰنِتِيْنَ کے) معنی ہیں: اطاعت کرنے والے۔

۴۵۳۴ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ شُبَيْلٍ عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ يُكَلِّمُ أَحَدُنَا أَخَاهُ

۴۵۳۴: مسدد نے ہم سے بیان کیا کہ یحییٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اسماعیل بن ابی خالد سے، اسماعیل نے حارث بن شُبَیل سے، حارث نے ابوعمرو (سعد بن ایاس) شیبانی سے، انہوں نے حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت

فِي حَاجَتِهِ حَتَّى نَزَلَتْ هَـذِهِ الْآيَـةُ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○(البقرة:٢٣٩) فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ.

کی۔ انہوں نے کہا: ہم نماز میں باتیں کیا کرتے تھے۔ ہم میں سے کوئی اپنے بھائی سے اپنی ضرورت کے بارے میں بات کرلیا کرتا تھا۔ آخر یہ آیت نازل ہوئی: تم (تمام) نمازوں کا اور (خصوصاً) درمیانی نماز کا پورا خیال رکھو اور اللہ کے فرمانبردار ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔ تب ہمیں خاموشی کا حکم دیا گیا۔

طرفهُ: ١٢٠٠۔

تشریح: وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ: قٰنِتِيْنَ کے معنی ہیں مُطِيْعِيْنَ یعنی اطاعت کرنے والے، بمطابق تفسیر حضرت ابن مسعودؓ و حضرت ابن عباسؓ و بعض تابعین۔ مجاہدؒ کے نزدیک قنوت کے معنی خشوع وخضوع اور دیر تک کھڑے رہ کر عاجزی سے دعا کرنے کے بھی ہیں۔ روایت زیر باب میں اس حکم کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ مذکورہ معنوں کے خلاف نہیں۔ نہ خاموش رہنے کے حکم سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ نماز میں بالکل خاموشی ہے۔ کیونکہ نماز نام ہے ذکرالٰہی اور دعا کا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۴۹، ۲۵۰)

بَاب ٤٤ : فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ

(اللہ عزوجل کا یہ فرمانا:) اور اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سوار ہونے کی حالت میں ہی (نماز پڑھ لو)

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرة:٢٤٠)

پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو کیونکہ اس نے تمہیں (وہ کچھ) سکھایا ہے جو تم (پہلے) نہ جانتے تھے۔

وَقَـالَ ابْـنُ جُبَيْـرٍ كُرْسِيُّهُ (البقرة:٢٥٦) عِلْمُـهُ. يُقَـالُ بَسْطَةً (البقرة:٢٤٨) زِيَادَةً وَفَضْلًا. اَفْرِغْ (البقرة:٢٥١) أَنْـزِلْ. وَلَا يَـئُوْدُهٗ (البقرة:٢٥٦) لَا يُثْقِلُـهُ، آدَنِـي أَثْقَلَنِي وَالْآدُ وَالْأَيْدُ الْقُوَّةُ. اَلسِّنَةُ

اور (سعید) بن جبیر نے کہا: (وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ میں) كُرْسِيُّهُ کے معنی ہیں اس کا علم۔ بَسْطَةً کے معنی ہیں بہتات اور برتری۔ اَفْرِغْ کے معنی ہیں نازل کر۔ وَلَا يَئُوْدُهٗ کے معنی ہیں، اس پر بوجھل نہیں ہوتی۔ (اسی سے ہے) آدَنِي (جس کے معنی ہیں) مجھے بوجھل کر دیا۔

النُّعَاسُ. لَمْ يَتَسَنَّهْ(البقرة:٢٦٠) لَمْ يَتَغَيَّرْ. فَبُهِتَ(البقرة:٢٥٩) ذَهَبَتْ حُجَّتُهُ. خَاوِيَةٌ(البقرة:٢٦٠) لَا أَنِيسَ فِيهَا. عُرُوشُهَا أَبْنِيَتُهَا. نُنْشِزُهَا (البقرة:٢٦٠) نُخْرِجُهَا. إِعْصَارٌ (البقرة:٢٦٧) رِيحٌ عَاصِفٌ تَهُبُّ مِنَ الْأَرْضِ إِلَى السَّمَاءِ كَعَمُودٍ فِيهِ نَارٌ.

الْآدُ اور الْأَيْدُ کے معنی ہیں قدرت و طاقت۔ سِنَةٌ کے معنی اونگھ۔ لَمْ يَتَسَنَّهْ کے معنی ہیں وہ نہیں بگڑا۔ فَبُهِتَ کے معنی اس کے پاس کوئی دلیل نہ رہی۔ خَاوِيَةٌ کے معنی ہیں ایسا برباد جس میں کوئی ہمدم نہ ہو۔ عُرُوشُهَا کے معنی ہیں اس کی عمارتیں۔ نُنْشِزُهَا ہم انہیں نکالتے ہیں۔ إِعْصَارٌ تیز آندھی جو زمین سے اٹھ کر آسمان تک چلی جاتی ہے جو ایک ستون کی طرح ہوتی ہے جس میں آگ ہو۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ صَلْدًا(البقرة:٢٦٥) لَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ. وَقَالَ عِكْرِمَةُ وَابِلٌ(البقرة:٢٦٥) مَطَرٌ شَدِيدٌ. الطَّلُّ النَّدَى، وَهَذَا مَثَلُ عَمَلِ الْمُؤْمِنِ. يَتَسَنَّهْ(البقرة:٢٦٠) يَتَغَيَّرْ.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: (فَتَرَكَهُ صَلْدًا میں) صَلْدًا کے معنی ہیں اس پر کچھ نہ ہو۔ عکرمہ نے کہا: وَابِلٌ کے معنی ہیں تیز بارش۔ طَلٌّ کے معنی ہیں شبنم، اور یہ مثال ہے مومن کے عمل کی۔ يَتَسَنَّهْ کے معنی ہیں وہ بگڑ جائے۔

٤٥٣٥: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْ صَلَاةِ الْخَوْفِ قَالَ يَتَقَدَّمُ الْإِمَامُ وَطَائِفَةٌ مِنَ النَّاسِ فَيُصَلِّي بِهِمُ الْإِمَامُ رَكْعَةً وَتَكُونُ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْعَدُوِّ لَمْ يُصَلُّوا فَإِذَا صَلَّى الَّذِينَ مَعَهُ رَكْعَةً اسْتَأْخَرُوا مَكَانَ الَّذِينَ لَمْ يُصَلُّوا وَلَا

۴۵۳۵: عبداللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ مالک نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے نافع سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب نماز خوف سے متعلق پوچھا جاتا تو کہتے امام آگے ہو اور کچھ لوگ (اس کے پیچھے ہوں) اور امام ان کو ایک رکعت پڑھائے اور ان میں سے کچھ لوگ ان کے اور دشمنوں کے درمیان رہیں، وہ نماز نہ پڑھیں۔ وہ لوگ جو امام کے ساتھ ہیں جب ایک رکعت پڑھ لیں تو وہ ہٹ کر ان لوگوں کی جگہ آجائیں جنہوں نے نماز نہیں پڑھی اور سلام

يُسَلِّمُونَ وَيَتَقَدَّمُ الَّذِينَ لَمْ يُصَلُّوا فَيُصَلُّونَ مَعَهُ رَكْعَةً ثُمَّ يَنْصَرِفُ الْإِمَامُ وَقَدْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ فَيَقُومُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنَ الطَّائِفَتَيْنِ فَيُصَلُّونَ لِأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً بَعْدَ أَنْ يَّنْصَرِفَ الْإِمَامُ فَيَكُونُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنَ الطَّائِفَتَيْنِ قَدْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ فَإِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ أَشَدَّ مِنْ ذَلِكَ صَلَّوْا رِجَالًا قِيَامًا عَلَى أَقْدَامِهِمْ أَوْ رُكْبَانًا مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ أَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيهَا. قَالَ مَالِكٌ قَالَ نَافِعٌ لَا أُرَى عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذَلِكَ إِلَّا عَنْ رَّسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

نہ پھیریں اور جن لوگوں نے نماز نہیں پڑھی وہ آگے بڑھیں اور امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھیں۔ پھر امام نماز سے فارغ ہو جائے اور وہ دو رکعتیں پڑھ چکا ہو گا۔ تو ان دو گروہوں میں سے ہر ایک کھڑا ہو کر اپنے طور پر امام کے فارغ ہونے کے بعد ایک ایک رکعت پڑھ لے۔ اس طرح (ان دو گروہوں میں سے) ہر ایک دو دو رکعتیں پڑھ لے گا۔ اگر اس سے بڑھ کر خوف ہو تو اپنے قدموں پر کھڑے کھڑے پیدل ہی یا سوار ہونے کی حالت میں پڑھ لیں، ان کا منہ قبلہ کی طرف ہو یا نہ ہو۔ مالک نے کہا: نافع کہتے تھے: میں سمجھتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی روایت کرتے ہوئے یہ ذکر کیا۔

اطرافہ: ۹۴۲، ۹۴۳، ۴۱۳۲، ۴۱۳۳۔

تشریح: فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا: قرآن مجید میں دو جگہ صلوٰۃ خوف کا ذکر آیا ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ: ۲۴۰) اور اگر تمہیں اندیشہ ہو تو پیدل یا سوار ہونے کی حالت میں ہی نماز پڑھ لو۔ پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو کیونکہ اس نے تمہیں (وہ کچھ) سکھایا ہے جو تم (پہلے) نہ جانتے تھے۔ یہاں اس حالت کا ذکر ہے جب جنگ کی وجہ سے باجماعت نماز پڑھنے کا موقع نہ ملے۔ اس صورت میں اجازت ہے کہ اپنی اپنی جگہ پر جس حالت میں کوئی ہو اور جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لے۔

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۰۳ میں وہ حالت بیان کی گئی ہے جس میں باجماعت نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَ لْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً۔ اور جب تو (خود) ان

میں ہو اور تو انہیں نماز پڑھائے تو ان میں سے ایک حصہ جماعت (کو چاہیے کہ) تیرے ساتھ کھڑے ہوں اور اپنے ہتھیار لے لیں۔ پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ تمہارے پیچھے (حفاظت کے لیے) کھڑے ہو جائیں۔ پھر ایک اور حصۂ جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی (آگے) آجائے اور تیرے ساتھ نماز پڑھے اور وہ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لیے رہیں۔ جو لوگ کافر ہیں وہ چاہتے ہیں کہ کاش تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامانوں سے غافل ہو جاؤ تو وہ یکدم ہی تم پر آپڑیں۔

مذکورہ بالا عنوان کے ساتھ بعض الفاظ آیات کی شرح بھی منقول ہے جو حسب ذیل ہیں۔ كُرْسِيُّهُ- وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (البقرۃ:۲۵۶) اس کا علم آسمانوں اور زمین سے متعلق وسیع ہے۔ سفیان ثوری نے سعید بن جبیر سے کُرْسِی بمعنی علم نقل کیا ہے اور ان کی روایت کی سند صحیح ہے۔ اس کا علم ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی معنی مرفوعاً مروی ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۵۰، ۲۵۱)

بَسْطَةً: قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرۃ:۲۴۸) بَسْطَةً اس آیت میں وسعت اور برتری کے معنوں میں ہے۔ ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے اسے تمہارے لئے منتخب کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی لحاظ سے (تم سے زیادہ) فراخی عطا کی ہے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی بادشاہت عطاء کرتا ہے اور اللہ وسعت والا ہے اور علیم ہے۔

اَفْرِغْ: نازل کر۔ یہ شرح ابوعبیدہؒ کی ہے۔ جب جالوت کے مقابلہ کے لئے طالوت نکلے تو ان کے ساتھیوں نے دعا کی: رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرۃ:۲۵۱) اے ہمارے رب! ہم پر صبر نازل کر اور ہمارے قدم مضبوط رکھ اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔

وَلَا يَؤُدُهٗ: حضرت ابن عباسؓ نے اس فقرے کے معنی لَا يُثْقِلُهُ (اس پر بوجھ نہیں) کئے ہیں۔ پوری آیت یہ ہے: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَؤُدُهٗ حِفْظُهُمَا (البقرۃ:۲۵۶) اس کا علم آسمانوں اور زمین پر وسیع ہے اور ان دونوں کی حفاظت اس پر بوجھل نہیں۔ ابوذر کے نسخہ سے ایسا اظہار ہوتا ہے کہ یہ معانی سعید بن جبیر نے کئے ہیں۔ جبکہ امام ابن حجرؒ کا قول ہے کہ ان کی یہ شرح انہیں کسی روایت میں نہیں ملی۔ آدَنِي: مجھ پر بوجھل ہے۔ یہ قول ابوعبیدہؒ کا ہے۔ مَا آدَكَ: تجھ پر کیا ہی بوجھل ہے۔ آيِدٌ کے معانی ہیں مُثْقِلٌ یعنی بوجھل۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی معنی مروی ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۵۱)

اَلسِّنَةُ: النُّعَاسُ اونگھ۔ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ اونگھ اور نیند اسے نہیں آتی (البقرۃ:۲۵۶) سِنَةٌ کے یہ معنی ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کئے ہیں۔ لَمْ يَتَسَنَّهْ: متغیر نہیں ہوا۔ اس میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ فرماتا ہے: فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ (البقرۃ:۲۶۰) اپنے کھانے اور پینے (کے سامان) کو دیکھ وہ ایسے ہی ہیں باسی نہیں ہوئے۔ يَتَسَنَّهْ کے یہ معنی بھی حضرت ابن عباسؓ ہی سے مروی ہیں۔ يَتَسَنَّهْ کی "ہ" سکتہ کی ہے۔ اصل میں يَتَسَنُّ ہے، حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ: گارا جس میں سڑاند پیدا ہو۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۵۱)

فَبُهِتَ: استدلال میں رہ گیا۔ فرماتا ہے: فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ (البقرۃ:۲۵۹) جس نے ابراہیمؑ سے اس کے ربّ کے بارے میں جھگڑا کیا تھا۔ بحث میں مبہوت ہو گیا، کوئی دلیل نہ دے سکا۔

خَاوِيَةٌ - لَا أَنِيسَ فِيهَا، عُرُوشُهَا - أَبْنِيَتُهَا، نُنْشِزُهَا - نُخْرِجُهَا: خَاوِيَةٌ سے مراد ہے ویران جس میں کوئی انسان نہ ہو۔ عُرُوْشُهَا کے معنی ہیں اس کی عمارتیں۔ نُنْشِزُهَا سے مراد ہے ہم انہیں نکالتے ہیں۔ ان تینوں الفاظ کی شرح کا تعلق اس آیت سے ہے۔ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْيَةٍ وَّ هِیَ خَاوِيَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی يُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ○ (البقرۃ:۲۶۰) اور (کیا تو نے) اس شخص کی مثل (کوئی آدمی دیکھا ہے) جو ایک ایسے شہر کے پاس سے گزرا جس کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنی چھتوں کے بل گرا ہوا تھا۔ (اس کو دیکھ کر) اس نے کہا کہ اللہ اس کی ویرانی کے بعد اسے کب آباد کرے گا۔ اس پر اللہ نے اسے سو سال (تک خواب میں) مارے رکھا۔ پھر اسے اٹھایا (اور) فرمایا: (اے میرے بندے) تو کتنے عرصہ تک (اس حالت میں) رہا ہے۔ اس نے کہا: میں (اس حالت میں) ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہا ہوں۔ (تب اللہ نے) فرمایا: (یہ بھی ٹھیک ہے) اور تو (اس حالت میں) سو سال تک بھی رہا ہے۔ اب تو اپنے کھانے اور پینے (کے سامان) کی طرف دیکھ کہ وہ سڑا نہیں اور اپنے گدھے کی طرف (بھی) دیکھ (اور ان دونوں کا سلامت رہنا دیکھ کر سمجھ لے کہ تیرا خیال بھی اپنی جگہ درست ہے اور ہمارا خیال بھی) اور ایسا ہم نے اس لئے کیا ہے تا تجھے لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں اور ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم انہیں کس طرح اپنی اپنی جگہ رکھ کر جوڑتے ہیں۔ پھر ہم ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پس جب اس پر (حقیقت) پورے طور پر ظاہر ہو گئی تو اس نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ قَرْيَة بستی سے مراد مفسرین کے نزدیک بیت المقدس ہے۔ عکرمہ، قتادہ، سدی اور ضحاک رحمہم اللہ کا خیال ہے الَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْيَةٍ سے حضرت عُزیرؑ نبی مراد ہیں اور اس میں بخت نصر شاہ بابل کے ہاتھوں سے بیت المقدس کی تباہی اور پھر ایک صدی کے بعد اس کی دوبارہ آبادی کے واقعہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۵۱ تا ۲۵۲) ۵۸۶ قبل مسیح میں بابلیوں نے بیت المقدس کو تاخت و تاراج کیا اور جو قتل عام سے بچے رہے وہ قید کر کے بابل میں لے جائے گئے اور تقریباً سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی غلامی سے نجات کا سامان مہیا کیا۔ (دیکھئے تفسیر کبیر مصنفہ حضرت مصلح موعودؓ، جلد دوم صفحہ ۶۰۰) عہد قدیم کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام کو بذریعہ کشف بوسیدہ ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھنے اور ان کے دوبارہ زندہ ہونے کا نظارہ دکھایا گیا تھا۔ دیکھئے کتاب حزقیل باب ۳۷، اور اس کے آخر میں مکاشفہ کی تعبیر ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

”تب اس نے مجھے فرمایا: اَے آدم زاد! یہ ہڈیاں تمام بنی اسرائیل ہیں۔
دیکھ یہ کہتے ہیں: ہماری ہڈیاں سوکھ گئیں اور ہماری امید جاتی رہی ہم تو بالکل فنا

ہو گئے۔ اس لئے تُو نبوت کر اور اِن سے کہہ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ اَے میرے لوگو! دیکھو مَیں تمہاری قبروں کو کھولوں گا اور تم کو اُن سے باہر نکالوں گا اسرائیل کے ملک میں لاؤں گا۔ اور اے میرے لوگو جب مَیں تمہاری قبروں کو کھولوں گا اور تم کو اُن سے باہر نکالوں گا تب تم جانو گے کہ خداوند میں ہوں اور میں اپنی روح تم میں ڈالوں گا اور تم زندہ ہو جاؤ گے اور میں تم کو تمہارے ملک میں بساؤں گا۔ تب تم جانو گے کہ مَیں خداوند نے فرمایا اور پورا کیا۔“

(حزقی ایل ۳۷: ۱۱تا۱۴)

احیاء ملی بغیر نبوت کے ناممکن ہے۔ یہی مضمون آیات مذکورہ بالا کا ہے۔ مکاشفہ اتنا واضح تھا کہ حزقیل نبی کو حیرت ہوئی کہ آیا سو سال کے واقعات سچ مچ ان کے سامنے گزرے ہیں یا یہ روحانی مشاہدہ ہے جو ایک لحہ میں لمبے عرصے کے واقعات کا دکھا دینا ہے۔ اپنا سامان خوراک اور سواری دیکھ کر انہیں یقین آیا۔ اس قسم کے مشاہدات روحانی کا تجربہ ہمیں خود متعدد بار ہوا۔ حزقیل نبی کا یہ مکاشفہ ایک لمبے عرصہ سے متعلق تھا اور ہر جزو اپنے وقت پر اسی طرح پورا ہوا، جس طرح بحالت کامل بیداری یا نیم بیداری ایک لمحے میں دکھایا گیا تھا۔ جنہیں تجربہ نہ ہوا ہو وہ تذکرے میں درج مکاشفات کو پڑھیں۔ امام بخاریؒ نے وہ تمام قصے نظر انداز کر دیئے ہیں جو مسافر کے مارنے اور دوبارہ زندہ کرنے اور اس کے گدھے وغیرہ کی نسبت نقل کئے گئے ہیں۔

اِعْصَارٌ: شدید آندھی۔ فرماتا ہے: فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ(البقرۃ:۲۶۷) اس باغ پر ایک ایسی شدید آندھی چلی جس میں آگ تھی۔ اس سے وہ جل گیا۔ مذکورہ بالا اِعْصَارٌ کے معنی واضح ہیں۔

امام بخاریؒ کی شرح محولہ بالا ابوعبیدہؒ کی ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے اِعْصَارٌ کے معنی رِيحٌ فِيهَا سَمُومٌ شَدِيدَةٌ بادِ سموم مروی ہیں۔(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۵۲)

صَلْدًا: چٹیل۔ جس میں کوئی روئیدگی نہ ہو۔ ریاکاروں کے صدقہ و انفاق کی مثال بیان فرمائی ہے۔ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا(البقرۃ:۲۶۵) جو ایسے پتھر کی مانند ہے، جس پر کچھ مٹی ہو۔ جونہی مینہ کی بوچھاڑ اس پر پڑے، اسے چٹیل چھوڑ جائے۔ وَابِلٌ تیروں کی بوچھاڑ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔(معجم اللغة العربية المعاصرة- وَبَل) ریاکار آدمی انجام کار طعن و تشنیع کا بھی نشانہ بنتا ہے۔ جس طرح سِل بیج نہیں اگا سکتی خواہ اس پر مٹی کیوں نہ ہو اسی طرح ریاکار انسان کا صدقہ و خیرات نتیجہ خیز نہیں ہوتے۔ نشوونما عارضی ہوتا ہے۔ صَلْدًا کے مذکورہ بالا معنی حضرت ابن عباسؓ سے ابن جریرؒ نے موصولاً نقل کئے ہیں اور ان سے يَابِسًا لَا يَنْبُتُ شَيْئًا- یعنی ”خشک جس میں کوئی روئیدگی نہ ہو“ بھی مروی ہیں۔(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۵۲)

وَقَالَ عِكْرِمَةُ: وَابِلٌ مَطَرٌ شَدِيدٌ۔ یعنی وَابِلٌ کے معنی ہیں شدید بارش۔ یہ معنی عبد بن حمید نے عکرمہ

سے بسند عثمان بن غیاث نقل کئے ہیں۔(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۵۲) لَمْ يَتَسَنَّهْ کے معنی لَمْ يَتَغَيَّرْ عکرمہ سے بھی مروی ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ میں یہی معنی اوپر گزر چکے ہیں۔

آیت فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا(البقرة:۲۴۰) کے ضمن میں جو روایت زیر باب درج ہے اس کا تعلق تو آیت سے واضح ہے۔ لیکن محولہ الفاظ کی شرح کا تعلق واضح نہیں۔ سوا اس کے کہ یہ رکوع ۳۲ تا ۳۶ میں وارد ہیں اور ان کے معانی سے متعلق جو مستند حوالے امام بخاریؒ کو دستیاب ہوئے ہیں۔ وہ شرح الفاظ سورۂ بقرہ کے تسلسل میں محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔

بَاب: ٤٥ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا(البقرة:٢٤١)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور وہ لوگ جو تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں

٤٥٣٦: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ الْأَسْوَدِ وَيَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ الشَّهِيدِ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ قُلْتُ لِعُثْمَانَ هَذِهِ الْآيَةُ الَّتِي فِي الْبَقَرَةِ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا إِلَى قَوْلِهِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ (البقرة:٢٤١) قَدْ نَسَخَتْهَا الْأُخْرَى فَلِمَ تَكْتُبُهَا قَالَ تَدَعُهَا يَا ابْنَ أَخِي لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْهُ مِنْ مَكَانِهِ، قَالَ حُمَيْدٌ أَوْ نَحْوَ هَذَا.

طرفه: ٤٥٣٠۔

۴۵۳۶: عبد اللہ بن ابی الاسود نے مجھے بتایا۔ حمید بن اسود اور یزید بن زُرَیع نے ہم سے بیان کیا۔ اُن دونوں نے کہا: حبیب بن شہید نے ابن ابی ملیکہ سے بیان کرتے ہوئے ہم سے کہا: حضرت (عبد اللہ) ابن زبیرؓ کہتے تھے: میں نے حضرت عثمانؓ سے اس آیت کی بابت پوچھا جو سورۃ البقرۃ میں ہے: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا...غَيْرَ إِخْرَاجٍ[1] کہ اس آیت کو دوسری نے منسوخ کیا ہے تو آپؓ نے اس کو (مصحف میں) کیوں لکھوایا؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: اس کو رہنے دو۔ اے میرے بھتیجے! میں قرآن مجید میں سے کچھ بھی اس کی جگہ سے نہیں بدلوں گا۔ حمید نے کہا: یا انہوں نے کچھ ایسا ہی کہا۔

تشریح: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا: اس آیت کی تشریح کے لئے دیکھئے باب ۴۱۔ ابوذر کے نسخہ میں یہ باب ہے۔ باقی نسخوں میں نہیں۔(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۵۳) تسلسل ابواب بھی یہی چاہتا ہے۔ کیونکہ اگلے باب کی معنونہ آیت کا تعلق پینتیسویں رکوع ہی سے ہے۔

[1] ترجمہ تفسیر صغیر: اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں۔ وہ اپنی بیویوں کے حق میں ایک سال تک فائدہ پہنچانے یعنی ان کو (گھروں سے) نہ نکالنے کی وصیت کر جائیں۔

بَاب: ٤٦ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى (البقرة: ٢٦١)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے ربّ! مجھے دکھلا کہ تو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے

٤٥٣٧: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَسَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ اِذْ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ (البقرة: ٢٦١).

۴۵۳۷: احمد بن صالح نے ہمیں بتایا۔ (عبداللہ) بن وہب نے ہم سے بیان کیا کہ یونس نے مجھے بتایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے ابوسلمہ اور سعید (بن مسیب) سے، ان دونوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اگر ابراہیمؑ کو شک ہوتا تو) ابراہیم سے بڑھ کر ہمیں زیادہ شک ہونا چاہیے۔ جبکہ انہوں نے یہ دعا کی: اے میرے ربّ! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کیا کرتا ہے۔ اس (کے ربّ) نے کہا: کیا تمہیں یقین نہیں؟ اس نے کہا: کیوں نہیں، لیکن اس لئے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔

اطرافه: ٣٣٧٢، ٣٣٧٥، ٣٣٨٧، ٤٦٩٤، ٦٩٩٢-

تشریح: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى: فَصُرْهُنَّ جو اس آیت میں آیا ہے اس کے معنی پرندوں کا کاٹنا اور ان کے ٹکڑے کرنا کئے گئے ہیں۔ امام بخاریؒ نے یہ معنی قبول نہیں کئے۔ اس بارہ میں کوئی مستند روایت نہیں۔ اگر ہوتی تو اس کا حوالہ دیا جاتا۔ امام ابن حجرؒ نے قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے: تَفْسِيرُ صُرْهُنَّ بِقَطِّعْهُنَّ غَرِيبٌ کہ مذکورہ بالا تفسیر غیر معروف ہے۔ الْمَعْرُوفُ أَنَّ مَعْنَاهَا أَمِلْهُنَّ اور مشہور معنی یہ ہیں کہ ان پرندوں کو اپنے ساتھ مانوس کرو۔ کہتے ہیں: صَارَهُ يُصَيِّرُهُ وَيُصَوِّرُهُ إِذَا أَمَالَهُ یعنی اُس نے اسے اپنی طرف مائل کر لیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے قرأت صُرْهُنَّ اور صِرْهُنَّ دونوں ہی طرح مروی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۵۳) آیت فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ میں صلہ اِلَيْكَ (اپنی طرف) بھی مائل کرنے کے مفہوم کی تائید کرتا ہے۔ اسی طرح باقی سیاق کلام اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا (البقرۃ:۲۶۱) بھی۔ کیونکہ اپنے مالک سے مانوس پرندے اس کے پکارنے سے دُور سے اڑ کر اس کے پاس آجاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

احیاء قومی کے تعلق میں سوال کا یہی جواب دیا گیا ہے کہ جب عمدہ تربیت سے قوم کے اندر روح محبت و اطاعت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ زندہ ہو جاتی ہے۔

یہ آیت مع تشریح کتاب احادیث الانبیاء (باب ۱۱) میں بھی گزر چکی ہے اور امام بخاریؒ نے دونوں جگہ پرندے کاٹ کر اور ٹکڑے کر کے ان کے دوبارہ زندہ ہو جانے کی بابت غیر مستند روایتیں نظر انداز کر دی ہیں۔

بَاب ٤٧

قَوْلُهُ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ إِلَى قَوْلِهِ تَتَفَكَّرُوْنَ (البقرة:٢٦٧)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: کیا تم میں سے کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں (اور) اسے اس میں سے ہر قسم کے پھل ملتے (رہتے) ہوں۔ اور اسے بڑھاپے نے بھی آ پکڑا ہو اور اس کے چھوٹے (چھوٹے) بچے ہوں۔ پھر اس باغ پر ایک ایسا بگولا چلے جس میں آگ (کی سی گرمی) ہو اور وہ (باغ) جل جائے۔ (دیکھو) اللہ تمہارے (فائدہ کے) لیے اس طرح اپنے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر (سے کام لیا) کرو۔

٤٥٣٨: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَسَمِعْتُ أَخَاهُ أَبَا بَكْرِ بْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَوْمًا لِأَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَ تَرَوْنَ هَذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ (البقرة:٢٦٧) قَالُوا اللهُ أَعْلَمُ فَغَضِبَ عُمَرُ فَقَالَ قُولُوا نَعْلَمُ أَوْ لَا نَعْلَمُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي نَفْسِي

۴۵۳۸: ابراہیم (بن موسیٰ) نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام نے ابن جریج سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا۔ (انہوں نے کہا:) میں نے عبد اللہ بن ابی ملیکہ سے سنا۔ وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے تھے۔ (ابن جریج نے) کہا اور میں نے عبد اللہ بن ابی ملیکہ کے بھائی سے سنا۔ وہ عبید بن عمیر سے روایت کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے پوچھا: اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ کی بابت تم کیا سمجھتے ہو کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ یعنی کیا تم میں سے کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو؟ انہوں نے کہا: اللہ بہتر جانتا

مِنْهَا شَيْءٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ عُمَرُ يَا ابْنَ أَخِي قُلْ وَلَا تَحْقِرْ نَفْسَكَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ضُرِبَتْ مَثَلًا لِعَمَلٍ قَالَ عُمَرُ أَيُّ عَمَلٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِعَمَلٍ قَالَ عُمَرُ لِرَجُلٍ غَنِيٍّ يَعْمَلُ بِطَاعَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ بَعَثَ اللهُ لَهُ الشَّيْطَانَ فَعَمِلَ بِالْمَعَاصِي حَتَّى أَغْرَقَ أَعْمَالَهُ.

فَصُرْهُنَّ (البقرة:۲۶۱) قَطِّعْهُنَّ.

ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ ناراض ہوگئے۔ کہنے لگے: تم کہو ہم جانتے ہیں یا ہم نہیں جانتے۔ تب حضرت ابن عباسؓ نے کہا: امیر المؤمنین! اس آیت کی نسبت میرے دل میں ایک بات ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: میرے بھتیجے کہو اور اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: یہ عمل کی ایک مثال بیان کی گئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: کس عمل کی؟ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: کسی عمل کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا: یہ اس مالدار شخص کی مثال ہے جو اللہ عزوجل کی اطاعت میں عمل کرتا ہے۔ پھر اللہ نے اس کے پاس شیطان کو بھیجا اور اس نے نافرمانیاں کرنی شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ اس نے سارے اعمال غرق کر دئے۔ فَصُرْهُنَّ (کے معانی ہیں): ان کو کاٹ دے۔

تشریح: **اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ:** روایت زیر باب میں عمل صالح کی مثال سرسبز و شاداب اور پھل دار باغ سے دی گئی ہے اور جب ذریت ایمان میں کمزور اور بد عمل ہو جاتی ہے تو ان کا باغ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ آیت کا خاتمہ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ اور حضرت عمرؓ کی حاضرین مجلس کے جواب پر ناراضگی سے امام بخاریؒ سابقہ باب کے تعلق میں یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ آیات کے سیاق پر غور نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غلط تاویلیں قبول کر لی جاتی ہیں۔ جیسا کہ فَصُرْهُنَّ کی غلط تفسیر میں قصے گھڑ لئے گئے۔ اسی طرف توجہ دلانے کے لیے فَصُرْهُنَّ قَطِّعْهُنَّ والی تفسیر روایت کے آخر پر دہرائی گئی ہے۔ یہ اصل روایت کا حصہ نہیں۔

بَاب ۴۸ : لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (البقرة:۲۷۴)

(اللہ کا فرمانا:) وہ لوگوں سے پیچھے پڑ کر نہیں مانگتے

يُقَالُ أَلْحَفَ عَلَيَّ وَأَلَحَّ {عَلَيَّ[1]} کہا جاتا ہے: اُس نے بااصرار مجھ سے مطالبہ کیا۔

---

[1] لفظ "عَلَيَّ" عمدۃ القاری کے مطابق ہے۔ (عمدۃ القاری جز۱۸ صفحہ۱۳۰)

وَأَحْفَانِي بِالْمَسْأَلَةِ. فَيُحْفِكُمْ (محمد:۳۸) يُجْهِدْكُمْ.

اور اس نے سوال سے مجھے تنگ کر دیا ہے۔ (اور یہ جو قرآن میں آتا ہے اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ اس میں) فَيُحْفِكُمْ کے معنی ہیں: يُجْهِدْكُمْ - وہ تمہیں دق کرے۔

٤٥٣٩: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنِي شَرِيْكُ بْنُ أَبِي نَمِرٍ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي عَمْرَةَ الْأَنْصَارِيَّ قَالَا سَمِعْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلَا اللُّقْمَةُ وَلَا اللُّقْمَتَانِ إِنَّمَا الْمِسْكِينُ الَّذِي يَتَعَفَّفُ، اِقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ يَعْنِي قَوْلَهُ تَعَالَى لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا. (البقرة:٢٧٤)

۴۵۳۹: (سعید) ابن ابی مریم نے ہم سے بیان کیا کہ محمد بن جعفر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: شریک بن ابی نمر نے مجھ سے بیان کیا کہ عطاء بن یسار اور عبدالرحمٰن بن ابی عَمرہ انصاری دونوں نے کہا کہ ہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ کہتے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسکین وہ نہیں جس کو ایک کھجور یا دو کھجوریں لوٹا دیں اور نہ وہ جس کو ایک لقمہ یا دو لقمے لوٹا دیں۔ بلکہ مسکین تو وہ شخص ہے جو سوال کرنے سے بچتا رہے اور اگر تم چاہو (قرآن میں) پڑھو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ قول: وہ لوگوں سے پیچھے پڑ کر نہیں مانگتے۔

اطرافه: ١٤٧٦، ١٤٧٩۔

تشریح: لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا: أَلْحَفَ عَلَيَّ: أَلَحَّ عَلَيَّ۔ اس نے بااصرار مجھ سے مطالبہ کیا۔ وَأَحْفَانِي بِالْمَسْأَلَةِ: اور اس نے سوال سے مجھے تنگ کر دیا ہے۔ أَلْحَفَ لحاف سے ہے۔ جس طرح لحاف جسم کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اسی طرح سائل لپٹ گیا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۵۵)

اگر سوال مطلق منع ہو تو حاجت مند کی حاجت کا علم دوسروں کو نہیں ہو سکتا۔ اسلام بھیک مانگنے کو قطعی طور پر بند کرتا ہے اور حکومتوں نے بھی قانوناً اسے ممنوع قرار دے دیا ہے۔ لیکن نفاذ کمزور ہے۔ عہد نبوی نے نہ صرف اس کا نفاذ تزکیہ نفس کے ذریعہ سے کیا، بلکہ اقتصادی حالات کو اتنا بہتر بنا دیا کہ صدقہ قبول کرنے والے ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے تھے۔ بھیک مانگنے والا کون ہے؟ اَلَّذِي تَرُدُّهُ... الْأُكْلَةُ وَالْأُكْلَتَانِ (روایت نمبر ۱۴۷۶) یعنی جو لقمہ لقمہ کے لئے دربدر مارا مارا پھرتا ہے؟ يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا کا بھی یہی مفہوم ہے کہ وہ لوگوں سے لپٹے رہتے ہیں۔ یعنی

مانگنا اُن کا پیشہ ہو گیا ہے۔ قرآنِ مجید نے ایسے لوگوں کو لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا فرما کر اُن محتاجوں کی فہرست سے خارج کر دیا ہے جو صدقات کے مستحق ہیں بلکہ فرماتا ہے: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا.... لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (البقرۃ:۲۷۴) یعنی ان محتاجوں کو صدقہ دیا جائے جو لوگوں سے نہیں مانگتے۔ مانگ کر روزی کمانے سے متعلق اسلام کی تعلیم سخت ہے۔ وہ اسے غایت درجہ مکروہ فعل قرار دیتا ہے اور اس امر کو ترجیح دیتا ہے کہ انسان محنت مزدوری کر کے اپنی ضرورت کا سامان مہیا کرے۔ (دیکھئے کتاب الزکاۃ باب ۵۳، روایت نمبر ۱۴۸۰) لیکن اس اعلیٰ تعلیم کے ساتھ اس نے بنی نوع انسان کے اس طبقہ کو نظر انداز نہیں کیا جو جسمانی طور پر کمزور اور معذور ہیں یا جن کی اقتصادی حالت اس قدر خراب ہے کہ کاروبار شروع نہیں کر سکتے اور امداد کے محتاج ہیں یا کسی اور سبب سے معذور ہیں۔ امام بخاریؒ نے قَوْلُهُ تَعَالٰى کہہ کر جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ○ (البقرۃ:۲۷۴) یعنی (یہ مذکورہ بالا صدقات) اُن محتاجوں کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں (دوسرے کاموں سے) روکے گئے ہیں وہ ملک میں (آزادی سے) آجا نہیں سکتے۔ (ایک) بے خبر (شخص اُن کے) سوال سے بچنے کے سبب سے انہیں غنی خیال کرتا ہے۔ تم اُن کی ہیئت سے پہچان سکتے ہو۔ وہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور تم جو اچھا مال بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو، اللہ اُس سے یقیناً خوب واقف ہے۔

اَحْصَرَهُ: حَبَسَهُ عَنْهُ (اقرب الموارد- حصر) یعنی کسی کام سے اسے روک دیا۔ پس معنی یہ ہوئے کہ جو لوگ دوسرے مشاغل سے روکے گئے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ فی سبیل اللہ یعنی دینِ الٰہی کے کاموں پر انہیں سب کاموں سے فارغ کر کے لگا دیا گیا ہے۔ (حاشیہ و ترجمہ تفسیر صغیر)

اس آیت سے جملہ لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا الگ کر کے اس کو باب کا عنوان قائم کرنے سے اوّل یہ سمجھانا مقصود ہے کہ فقیر یا محتاج جنہیں صدقہ یا زکوٰۃ دینے کا حکم ہے، وہ لوگ نہیں جن کا پیشہ مانگنا ہے۔ دوم یہ کہ سوال کا لفظ وسعت رکھتا ہے۔ اشارہ کنایہ سے بھی انسان اپنی حاجت دوسرے پر ظاہر کر سکتا ہے۔ ایسے اظہار سے گو ممانعت نہیں مگر تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ فرما کر اس بات کی تلقین کی ہے کہ مالدار کا یہ فرض ہے کہ ایسے حاجت مندوں کو اپنی دانش و فراست سے شناخت کرے۔ کیونکہ ان کی حالت تو زہد و تقویٰ اور حیاء کی وجہ سے یہ ہے کہ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (البقرۃ:۲۷۴) کہ ناواقف انہیں غنی سمجھتا ہے۔ اسلام جس طرح متمول افراد کو تلقین کرتا ہے کہ وہ بذاتِ خود اپنے ماحول میں اس بات کا خیال رکھیں کہ در حقیقت کون صحیح معنوں میں محتاج ہے۔ اسی طرح حکومت پر بھی یہ فرض عائد کرتا ہے کہ رعایا کی دیکھ بھال کرتی رہے اور از خود محتاج کی حاجت براری کر کے انہیں مانگنے کی لعنت سے بچائے۔ خلاصہ روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (خَشْیَةَ أَنْ یُكَبَّ فِی النَّارِ عَلٰى وَجْهِهٖ روایت نمبر ۱۴۷۸ کے مطابق) بعض لوگوں کے متعلق یہ خدشہ ہوتا کہ کہیں وہ (سوال کرنے کی وجہ سے) اوندھے منہ آگ میں نہ ڈالے جائیں اور آپؐ ایسے کو ابتلاء سے بچانے کے لیے خود بخود دیا کرتے تھے۔

آپؐ کے اس عمل میں ہمارے لیے یہ نیک سبق ہے کہ ہم بھی محتاجوں کو مانگنے کے گناہ سے محفوظ رکھیں۔ جیسا کہ اُن کا بھی فرض ہے کہ وہ خود بچیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ تَعۡرِفُهُمۡ کا یہی مقصد ہے کہ خلیفہ وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہونے کی حیثیت سے اور اسلامی حکومت زکوٰۃ کی تقسیم میں اور افرادِ اُمّت اتباعِ سنت کے واجب ہونے کی وجہ سے انفرادی صدقات کی تقسیم میں اس بات کا انتظار نہ کیا کریں کہ محتاج آکر خود مانگیں بلکہ اُنہیں خود ایسے محتاجوں کا علم رکھنا چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عفت و عزتِ نفس کی اعلیٰ روح جو اسلام افراد میں پیدا کرنا چاہتا ہے، پیدا نہیں ہوگی بلکہ مٹ جائے گی اور بھیک مانگنے کا سلسلہ وسیع ہوتا چلا جائے گا۔ آج جو مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ احکامِ اسلام کی بجا آوری میں حد درجہ غفلت و سہل انگاری ہے۔ اسلام قطعی طور پر مانگنے کے اس طریق کو روکتا ہے جو آج کل رائج ہے۔ بلکہ یہ چاہتا ہے کہ محتاج اپنی محتاجی کو پبلک پر ظاہر نہ ہونے دیں اور فقراء یعنی محتاجوں کی تعریف یہ کرتا ہے کہ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ..... جو خدمتِ دین کے لیے وقف ہوں اور اس وجہ سے کوئی دوسرا کاروبار کرکے صورتِ معاش پیدا نہ کرسکتے ہوں یا وہ لوگ جو خدمتِ دین کرنا چاہتے ہیں مگر تنگ دست ہیں، یا وہ جو جنگ وغیرہ میں بیکار ہوچکے ہیں۔ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ کا جملہ اپنے معانی و مقاصد کے اعتبار سے بہت وسعت رکھتا ہے اور رفاہِ عامہ کے تمام امور پر حاوی ہے، خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی۔ اسلام رضائے الٰہی کی خاطر بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنے کو بھی فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ قرار دیتا ہے۔ (روایت نمبر ۵۶) اس لیے اس کے مفہوم کو دو تین شقوں میں محصور کرنا قرآنِ مجید اور احادیث نبویہ کی اصطلاح کے خلاف ہوگا۔ آیت الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ... میں اِس اَمر کی بھی صراحت ہے کہ قومی و ملکی ضرورتیں مقدم کی جائیں۔ وہ زکوٰۃ کے اموال میں سے پہلے پوری کی جائیں۔ چنانچہ جب اسلام خطرہ میں تھا تو جہاد کے لئے امیر و غریب دونوں کو اس میں شریک ہونا پڑا تھا اور دونوں کو اس کے لئے تیاری کا حکم ہوا۔ اس لئے غنی و فقیر اور مسکین کی تعریف حالات کے ساتھ بدل جائے گی۔

بَاب ٤٩ : وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرة:٢٧٦)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اللہ نے خرید و فروخت تو حلال کی اور سود حرام کیا ہے

الۡمَسّ (البقرة:٢٧٦) الْجُنُون.

مَسّ کے معنی ہیں جنون اور دیوانگی۔

٤٥٤٠ : حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتِ الْآيَاتُ

۴۵۴۰: عمر بن حفص بن غیاث نے ہم سے بیان کیا کہ میرے باپ نے ہمیں بتایا کہ اعمش نے ہم سے بیان کیا کہ مسلم نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے مسروق سے، مسروق نے حضرت عائشہ

مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرِّبَا قَرَأَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ حَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ.

رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ فرماتی تھیں: جب ربا سے متعلق سورۃ البقرۃ کی آخری آیتیں نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے وہ پڑھیں۔ پھر آپؐ نے شراب کی خرید و فروخت بھی حرام کر دی۔

اطرافہ: ۴۵۹، ۲۰۸۴، ۲۲۲۶، ۴۵۴۱، ۴۵۴۲، ۴۵۴۳۔

تشریح: وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا: پوری آیت یہ ہے: اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (البقرۃ:۲۷۶) ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (بالکل) اسی طرح کھڑے ہوتے ہیں جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس پر شیطان (یعنی مرضِ جنون) کا سخت حملہ ہو۔ یہ (حالت) اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے (رہتے) ہیں کہ (خرید و) فروخت (بھی تو) بالکل سود (ہی) کی طرح ہے۔ حالانکہ اللہ نے (خرید و) فروخت کو جائز قرار دیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ سو (یاد رکھو کہ) جس (شخص) کے پاس اس کے ربّ کی طرف سے کوئی نصیحت (کی بات) آئے اور وہ (اسے سن کر خلاف ورزی سے) باز آ جائے تو جو (لین دین) وہ پہلے کر چکا ہے اس کا نفع اسی کا ہے۔ اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جو (لوگ) پھر (وہی کام) کریں تو وہ (ضرور) آگ (میں پڑنے) والے ہیں۔ وہ اس میں پڑے رہیں گے۔

عربی میں مجنون کو مَمْسُوْس بھی کہتے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۵۶) اس آیت میں مِنَ الْمَسِّ سے مراد یہ ہے کہ بوجہ جنون بدحواس ہو جاتا ہے۔ سود خور قوم کا یہ اعتراض ہے کہ جس طرح بیع میں نفع مقصود ہے، ربا سے بھی یہی مقصود ہے۔

قَرَأَهَا- یعنی ساری آیات متعلقہ سود پڑھیں۔ جن آیات کا مذکورہ روایت میں حوالہ دیا گیا ہے ان میں تجارت کی حلت اور سود کی حرمت کا ذکر ہے۔ ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے شراب کی حرمت کے متعلق حکم نازل ہو چکا تھا مگر اس کی تجارت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اعلان نہیں فرمایا تھا۔ ان آیات میں تجارت بظاہر بغیر قید و شرط کے جائز قرار دی گئی ہے۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے کہ شراب حرام ہے اس کی تجارت بھی حرام کر دی۔

بَاب ٥٠ : يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا (البقرة:٢٧٧)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اللہ سود کو مٹاتا ہے

يُذْهِبُهُ.

(يَمْحَقُ کے معنی ہیں) وہ اُسے مٹا دیتا ہے۔

٤٥٤١ : حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ سَمِعْتُ أَبَا الضُّحَى يُحَدِّثُ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ لَمَّا أُنْزِلَتِ الْآيَاتُ الْأَوَاخِرُ مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَلَاهُنَّ فِي الْمَسْجِدِ فَحَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ.

۴۵۴۱: بشر بن خالد نے ہم سے بیان کیا کہ محمد بن جعفر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے سلیمان سے روایت کی کہ میں نے ابوالضحیٰ سے سنا۔ وہ مسروق سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ مسروق نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ آپؓ فرماتی تھیں: جب سورۃ البقرۃ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور اُن آیات کو مسجد میں پڑھ کر سنایا اور آپؐ نے شراب کی خرید و فروخت بھی حرام کر دی۔

اطرافهُ: ٤٥٩، ٢٠٨٤، ٢٢٢٦، ٤٥٤٠، ٤٥٤٢، ٤٥٤٣۔

تشریح: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا: يَمْحَقُ کے معنی يُذْهِبُ وہ لے جاتا ہے ابوعبیدہؒ سے مروی ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۵۶) سابقہ باب کی روایت نمبر ۴۵۴۰ حضرت عائشہؓ سے ایک اور سند سے نقل کی گئی ہے۔ اسی طرح اگلی روایت بھی جس سے ظاہر ہے کہ رِبَا سے متعلقہ تمام آیات رکوع پڑھی گئی تھیں۔

بَاب ٥١ : فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (البقرة:٢٨٠)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ایک جنگ سے آگاہ ہو جاؤ

فَاعْلَمُوا.

(فَأْذَنُوْا کے معنی ہیں:) پس جان لو۔

٤٥٤٢ : حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا أُنْزِلَتِ الْآيَاتُ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ قَرَأَهُنَّ

۴۵۴۲: محمد بن بشار نے مجھے بتایا کہ غندر نے ہم سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے ابوالضحیٰ سے، انہوں نے مسروق سے، مسروق نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ آپؓ فرماتی تھیں: جب

النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَحَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ.

سورۃ البقرۃ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کو مسجد میں پڑھ کر سنایا اور آپؐ نے شراب کی خرید و فروخت بھی حرام کر دی۔

اطرافه: ٤٥٩، ٢٠٨٤، ٢٢٢٦، ٤٥٤٠، ٤٥٤١، ٤٥٤٣۔

تشریح: فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ: فَأْذَنُوْا کے معنی فَاعْلَمُوْا: جان لو کہ سودی کاروبار اللہ اور رسول کے حکم کی ایسی خلاف ورزی ہے کہ جو جنگ کے مترادف ہے۔ جن آیات کا مذکورہ روایت میں حوالہ دیا گیا ہے ان میں تجارت کی حلت اور سود کی حرمت کا ذکر ہے۔

سود خور سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک منذر خواب کا ذکر روایت نمبر ۲۰۸۵ میں گزر چکا ہے جس میں ایک شخص کو خون کی نہر میں دکھایا گیا کہ وہ جب اس سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو کنارے پر بیٹھا ہوا شخص اس کو پتھر مارتا ہے جس سے پھر وہ واپس خون کی نہر میں چلا جاتا ہے۔ اس خواب کے نظارے میں سود خور کی حالت بیان کی گئی ہے۔ خوابیں تعبیر طلب ہوتی ہیں۔ خون اور پانی قیامِ زندگی کا باعث ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی خواب میں دریا دیکھے اور اُس سے پانی پیئے تو امام محمد بن سیرین نے اس کی تعبیر مال و دولت کی ہے۔ سود خور بنی نوع انسان کا خون چوستا ہے اور اپنی دولت بڑھاتا ہے، جس کی پاداش کا نظارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے گا مگر نجات نہیں پاسکے گا۔ آپؐ کو رؤیا میں پتھر مارنے کا نظارہ دکھایا گیا ہے۔ پتھر قساوتِ قلبی، شدت اور تلخ زندگی پر دلالت کرتے ہیں۔ سود خور کی جو حالت قرآنِ مجید میں بیان ہوئی ہے وہ ایک مخبوط الحواس انسان کی سی ہے جو مال و دولت کے لالچ سے مجنون اور حواس باختہ ہے۔ چنانچہ اِس خواب کی تعبیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے وہ بھی ایسی ہی زندگی کے مناسب حال ہے۔

محولہ بالا آیت میں سود خور لوگوں کا انجام بد بطور پیشگوئی بتایا گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے ایک لڑائی مول لینے والے ہوں گے۔ فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ، آج کل کے واقعات اِس کی تصدیق کر رہے ہیں۔ عیسائی حکومتوں کی جنگیں سود کے بل بوتے پر ہی لڑی جاتی ہیں۔ سود کا لالچ نہ ہو تو جنگی اخراجات کے لئے بے شمار روپیہ مہیا ہونا ممکن نہیں۔ خواب نبوی کی تعبیر یہ خونی جنگیں بھی ہو سکتی ہیں۔ یہود بحیثیت قوم سود خوری میں شہرۂ آفاق ہیں۔ تاریخ قدیم میں بھی اور تاریخ جدید میں بھی۔ انہیں ملک بہ ملک جو دربدر ہونا پڑا اور اُن کے خون سے ہر جگہ جو ہولی کھیلی گئی اس کے پس پردہ اسباب میں سے ایک بڑا سبب سود بھی تھا جو اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً کی صورت میں دیا جاتا تھا اور یہ ایک طرف اُن کی دولت مندی کا سبب ہوتا اور دوسری طرف اُن کے استیصال کا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہودیوں کا ایک قول نقل کیا ہے، فرماتا ہے: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○ (آل عمران: ۱۸۲) اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی بات سن لی ہے

جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ تو محتاج ہے (جو مومن بندوں کو مال نہیں دیتا) اور ہم دولت مند ہیں۔ اُن کی یہ بات ہم ضرور لکھیں گے اور یہ بھی لکھیں گے کہ وہ ناحق انبیاء کے مارنے کے درپے رہے۔ ہم انہیں کہیں گے جلن کا عذاب چکھو۔ جملہ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ اور سَنَكْتُبُ کے الفاظ شدید انذار اور قہاری تجلی پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی ہم اُن کی بات کا جواب اور انبیاء کا مقابلہ تاریخی داستان بنادیں گے۔ میدوفارس میں سودی کاروبار سے اُن کی دولت مندی آخر سبب ہوئی اُن کے قرضداروں کی بغاوت یلغار کا جو انہوں نے یہودیوں پر کی۔ یہ واقعات بابل اور میدوفارس کی تاریخ قدیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں جرمنی اور پولینڈ وغیرہ میں یہودیوں پر جو گذری وہ نہایت ہی ہولناک اور دردانگیز داستانِ عذاب الحریق ہے۔ اسی طرح عیسائی دنیا میں موجودہ زمانے کی جنگیں۔ یہ حال تو اُن قوموں کا ہے جو سود میں شہرۂ آفاق ہیں۔ مگر سودخور افراد کی حالت انفرادی صورت میں بھی اِس سے کم خطرناک نہیں۔ بعض شارحین صحیح بخاری نے مذکورہ بالا خواب کی تطبیق قیامت پر کی ہے۔ (فتح الباری شرح کتاب البیوع، باب ۲۴ جزء ۴ صفحہ ۳۹۶)

اگر غور سے دیکھا جائے تو اِس دنیا میں بھی سود خور کا انجام عبرت ناک ہے۔ اس مضمون کی مزید وضاحت کے لیے دیکھئے اسلام کا اقتصادی نظام، مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ انوار العلوم جلد ۱۸۔

بَاب ۵۲: وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرة: ۲۸۱)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اگر کوئی تنگ ہو تو اسے کشائش تک مہلت دینی ہو گی اور یہ کہ تم صدقہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہو گا اگر تم جانو

٤٥٤٣: وَ قَالَ لَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَّنْصُورٍ وَالْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَّسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا أُنْزِلَتِ الْآيَاتُ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَهُنَّ عَلَيْنَا ثُمَّ حَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ.

۴۵۴۳: اور محمد بن یوسف (فریابی) نے ہم سے کہا: سفیان سے مروی ہے۔ انہوں نے منصور اور اعمش سے، ان دونوں نے ابوالضحیٰ سے، انہوں نے مسروق سے، مسروق نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ وہ فرماتی تھیں: جب سورۃ البقرۃ کی آخری آیتیں نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ہمارے سامنے وہ پڑھیں۔ پھر آپؐ نے شراب کی تجارت بھی حرام کی۔

اطرافهُ: ٤٥٩، ٢٠٨٤، ٢٢٢٦، ٤٥٤٠، ٤٥٤١، ٤٥٤٢۔

تشریح: وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ: یعنی جو قرض کے زیر بار ہے اگر وہ تنگ دست ہو تو اسے مہلت دو یا معاف کر دو۔ جو بطور صدقہ ہو گا اور بہترین نیکی ہے۔

وَ قَالَ لَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: مذکورہ بالا روایت فریابی کی ہے۔ چار ابواب ۴۹، ۵۰، ۵۱ اور ۵۲ میں ایک ہی روایت کا اعادہ ہے۔ تا معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں سارے رکوع کی تلاوت فرمائی اور سود کی حرمت کے ساتھ شراب کی تجارت بھی حرام کی۔

بَاب ۵۳: وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللهِ (البقرة:۲۸۲)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے

٤٥٤٤: حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ آخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آيَةُ الرِّبَا.

۴۵۴۴: قبیصہ بن عقبہ نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (ثوری) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عاصم (بن سلیمان) سے، عاصم نے شعبی سے، شعبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: آخری آیت جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی سود کی آیت ہے۔

تشریح: وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ: حدیث زیر باب سے مراد و مقصود یہ ہے کہ ربا سے متعلق یہ آخری آیت ہے۔ تُرْجَعُوْنَ کی دوسری قرأت تَرْجِعُوْنَ بھی ہے، مگر یہ قرأت جو ابوعمرو کی ہے شاذ ہے۔ قرآن مجید کے موجودہ نسخوں میں تاء کی پیش سے ہے اور جمہور کی یہی قرأت ہے۔
(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۵۷)

بَاب ٥٤
وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (البقرة:۲۸۵)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور اگر تم وہ جو تمہارے نفسوں میں ہے ظاہر کر دیا اس کو چھپاؤ تو اللہ تم سے اس کا حساب لے گا اور پھر جس کو چاہے گا اس کی مغفرت کرے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا اور اللہ نے ہر ایک بات کا اندازہ کیا ہوا ہے۔

٤٥٤٥: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ

۴۵۴۵: محمد نے ہمیں بتایا۔ (عبداللہ بن محمد)

حَدَّثَنَا مِسْكِينٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ مَّرْوَانَ الْأَصْفَرِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ عُمَرَ أَنَّهَا قَدْ نُسِخَتْ: وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ (البقرۃ: ۲۸۵) الْآيَةَ.

نفیلی نے ہم سے بیان کیا کہ مسکین (بن بکیر حرانی) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے خالد حذاء سے، خالد نے مروان اصفر سے، مروان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے اور وہ حضرت (عبداللہ) ابن عمرؓ ہیں روایت کی کہ آیت وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ منسوخ کردی گئی تھی۔

طرفه: ٤٥٤٦۔

تشریح: وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ: سورۃ البقرۃ کے آخری رکوع کی روایتوں سے متعلق دو باب قائم کرکے ان کے تحت دو سندوں سے حضرت ابن عمرؓ کی روایت نقل کی گئی ہے۔ دوسرے باب کے عنوان میں غُفْرَانَكَ رَبَّنَا کی طرف توجہ منعطف کرواکر نسخ آیت کے مفہوم کو واضح کیا ہے کہ جہاں تک محاسبہ کا سوال ہے تو یہ اصل الاصول بطور قاعدہ کلیہ کے لازوال طبعی قانون ہے کہ ہر نیک و بد خیال نفس بشریہ میں اپنا اثر بصورتِ اعمال ظاہر کرتا ہے۔ لیکن توبہ و استغفار اور دعا کا قانونِ شریعت رحمت الٰہی کو حرکت میں لاتا اور انسان کو بدنتائج سے محفوظ کرلیتا ہے۔ یہ مفہوم ہے نسخ کا جو ہمیشہ سے جاری و ساری ہے۔ اگر انسانی کمزوریوں کے تدارک کا یہ راستہ نہ کھلا ہوتا تو ارتقاءِ روحانی کا دروازہ کلیۃً بند ہو جاتا۔

امام ابن حجرؒ کو زیر باب روایت نمبر ۴۵۴۵ کا بیان (وَهُوَ ابْنُ عُمَرَ) قبول کرنے میں توقف ہے۔ کیونکہ دوسرے باب کی روایت (نمبر ۴۵۴۶) میں أَحْسِبُهُ کا جملہ ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ میرا گمان ہے کہ نسخ آیت کے بارے میں قول حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بسند مجاہد نقل کیا ہے کہ وہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا: كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ فَقَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ (وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ)۔ میں حضرت ابن عمرؓ کے پاس تھا تو وہ آیت وَاِنْ تُبْدُوْا پڑھ کر رو پڑے کہ اگر بوقت محاسبہ ہر خیال پر مواخذہ ہونے لگا تو مخلصی ممکن نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے انہیں بتایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو شدید غم ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْنَا، ہم تو ہلاک ہوگئے۔ فَأَمَّا قُلُوبُنَا فَلَيْسَتْ بِأَيْدِينَا: ہمارے دل ہمارے ہاتھوں میں نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: قُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا۔[1] بعد کی آیات کی طرف توجہ دلائی کہ جہاں تک تم سے ہوسکے سن کر اطاعت سے کام لو اور جو کمی رہ جائے اس کے لئے دعا استغفار سے کام لو۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۵۹)

[1] (مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن العباس، جزء اول صفحہ ۳۳۲)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا: ہر نفس حسب استطاعت مکلف ہے۔ طاقت سے زیادہ کسی نفس سے نہ مطالبہ ہے اور نہ مؤاخذہ اور وسعت نفس کا دائرہ بھی مختلف ہے۔ کسی کی قابلیت وقدرت عملی محدود اور کسی کی بہت وسیع۔ ہر شخص کو شریعت پر عمل کرنے کا اسی قدر مکلّف کیا جاتا ہے جس قدر اس کی طاقت ہے۔

بَاب ۵۵ : اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ (البقرة:٢٨٦)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے ربّ کی طرف سے اس کی طرف نازل کیا گیا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِصْرًا (البقرة:٢٨٧) عَهْدًا. وَيُقَالُ غُفْرَانَكَ (البقرة:٢٨٦) مَغْفِرَتَكَ، فَاغْفِرْ لَنَا.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: آیت (وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا میں) اِصْرًا کے معنی عہد کے ہیں اور غُفْرَانَكَ کے معنی مغفرت (بھی) کیے جاتے ہیں، یعنی ہماری غلطیوں پر پردہ پوشی کرتے ہوئے درگزر فرما۔

٤٥٤٦: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا رَوْحٌ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ مَّرْوَانَ الْأَصْفَرِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَحْسِبُهُ ابْنَ عُمَرَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ (البقرة:٢٨٥) قَالَ نَسَخَتْهَا الْآيَةُ الَّتِي بَعْدَهَا.

۴۵۴۶: اسحاق بن منصور نے مجھ سے بیان کیا۔ روح (بن عبادہ) نے ہمیں خبر دی کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے خالد حذاء سے، خالد نے مروان اصفر سے، مروان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔ (مروان) کہتے تھے: میں سمجھتا ہوں وہ حضرت ابن عمرؓ ہیں۔ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ جو آیت ہے وہ کہتے تھے: اس کو اس آیت نے جو اس کے بعد ہے منسوخ کر دیا۔ (یعنی لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا)[1]

طرفه: ٤٥٤٥۔

تشریح: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ......: دعا رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا میں لفظ اِصْرًا کے معنی بقول حضرت ابن عباسؓ عہد ہیں۔ یعنی اے ہمارے رب! ہمارے عہد کی ذمہ داری کا بوجھ ہم پر نہ ڈال، جیسا کہ تو نے ہم سے پہلوں پر ڈالا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔“

مَسْـُٔوْلًا○ (بنی اسرائیل:۳۵)[1] اِصْرًا کے لغوی معنی ثقیل (بوجھل) کے ہیں اور عہد کے پورا کرنے کی ذمہ واری بھی بہت کڑی ہے۔ عنوان باب میں غُفْرَانَكَ کی تشریح فَاغْفِرْلَنَا بلاوجہ نہیں، جیسا کہ سابقہ باب کی تشریح میں بتایا جاچکا ہے۔ غُفْرَانَكَ میں لفظ غُفْرَان مصدر ہے جو بمعنی امر واقع ہونے کی وجہ سے منسوب ہے۔ مصدر کا یہ مخصوص استعمال بطور التجا اور جذبات رحمت کو تحریک کرنے کی غرض سے ہے۔ جس کے لئے اردو میں آج کل لفظ اپیل استعمال ہوتا ہے۔ جیسے جنگی قیدیوں سے متعلق فرماتا ہے: فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً۔ (محمد:۵)[2] مَنًّا اور فِدَآءً بھی مصدر ہیں اور بمعنی طلب یہ صیغہ فعل امر کے صیغہ سے بلحاظ معنی مختلف ہے کہ اس میں رجاء، طلب اور ترغیب کی صورت ہوتی ہے۔ حکم کا مفہوم نہیں۔ مذکورہ بالا آیت کا حوالہ دے کر نسخ کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ اس بارہ میں علامہ طبری کے یہ الفاظ ہیں: وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهٖ نَسَخَتْهَا أَيْ أَزَالَتْ مَا تَضَمَّنَتْهُ مِنَ الشِّدَّةِ۔ یعنی جو سختی اس میں تھی وہ دعا کے دوسرے حصہ سے دور کردی گئی ہے۔ محاسبہ ہوگا لیکن مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۶۰) مؤاخذہ میں کئی باتیں دیکھی جاتی ہیں۔ مثلاً فطرتی استعداد، طبعی روکیں وغیرہ یا یہ کہ احکام الٰہی کی کماحقہ تبلیغ ہوئی تھی یا نہیں۔ استغفار سے متعلق اسلام کی ہدایت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید کا تعلق اس شعور سے ہے جو کوتاہیوں کے بارے میں انسان کو ہونا چاہیے۔ اس شعور کے بعد ہی اصلاح کا احساس وفکر ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے فرض منصبی کی ادائیگی سے متعلق اس قدر شدید احساس تھا کہ آپؐ کی روح بحالت استغفار گداز رہتی اور آپؐ نے اپنی امت کو بھی بکثرت استغفار کی تلقین فرمائی۔[3] سورۃ البقرۃ میں احکام شریعت کا بیان ہے اور مذکورہ بالا آیات سے اس کا خاتمہ حق وحکمت پر مبنی ہے۔ محاسبہ سے متعلق قانون الٰہی اور مواخذہ سے متعلق سنت اللہ دونوں الگ الگ نمایاں کرکے ضعف بشری کے تدارک کی صورت واضح کی گئی ہے کہ بذریعہ استغفار ودعا اللہ تعالیٰ کی صفت غفاریت ورحیمیت سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ انسان کسی حالت میں مایوس نہ ہو۔ دعا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا ... رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ترتیب میں اقرار سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کے بعد ہے۔ جس سے یہ ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ احکام الٰہی سن کر جہاں تک ہو سکے بجالائے جائیں اور جو کمی رہ جائے اس کی تلافی استغفار ودعا سے کی جائے۔ استغفار ودعا اسی وقت قبول ہوتی اور اپنا اثر دکھاتی ہے جب دلی جذبات کے ساتھ صادر ہو۔ محض قیل وقال کا مظاہرہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ، رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ، وَاعْفُ عَنَّا، وَاغْفِرْ لَنَا، وَارْحَمْنَا، اَنْتَ مَوْلٰنَا کی دعاؤں سے قبل لفظ قول کے صیغے حذف ہیں اور قرآن مجید میں یہ اسلوب بالالتزام ہر جگہ وہاں اختیار کیا گیا ہے جہاں جذبات کے مضطربانہ طبعی اظہار کا موقع ہو۔ مثال کے لئے سورۂ آل عمران: ۹، ۱۰، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵ دیکھئے۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ ... میں استجاب وقبولیت الٰہی کو اسی قسم کی دعاؤں کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ جو مضطربانہ حالت میں صادر ہوں۔

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔“

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”پھر بعد ازاں احسان کے طور پر یا فدیہ لے کر آزاد کرنا۔“

[3] (مسند احمد بن حنبل، مسند الکوفیین، جزء۴ صفحہ ۲۶۰)

۳- سُوْرَةُ آلِ عِمْرَان

تُقٰةً (آلِ عِمْرَان:۲۹) وَتَقِيَّةٌ وَاحِدٌ. صِرٌّ (آلِ عِمْرَان:۱۱۸) بَرْدٌ. شَفَا حُفْرَةٍ (آلِ عِمْرَان:۱۰۴) مِثْلُ شَفَا الرَّكِيَّةِ وَهْوَ حَرْفُهَا. تُبَوِّئُ (آلِ عِمْرَان:۱۲۲) تَتَّخِذُ مُعَسْكَرًا. الْمُسَوَّمُ الَّذِي لَهُ سِيمَاءٌ بِعَلَامَةٍ أَوْ بِصُوفَةٍ أَوْ بِمَا كَانَ. رِبِّيُّوْنَ (آلِ عِمْرَان:۱۴۷) الْجَمِيعُ وَالْوَاحِدُ رِبِّيٌّ. تَحُسُّوْنَهُمْ (آلِ عِمْرَان:۱۵۳) تَسْتَأْصِلُونَهُمْ قَتْلًا. غُزًّى (آلِ عِمْرَان:۱۵۷) وَاحِدُهَا غَازٍ. سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا (آلِ عِمْرَان:۱۸۲) سَنَحْفَظُ. نُزُلًا (آلِ عِمْرَان:۱۹۹) ثَوَابًا، وَيَجُوزُ وَمُنْزَلٌ مِنْ عِنْدِ اللهِ كَقَوْلِكَ أَنْزَلْتُهُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ (آلِ عِمْرَان:۱۵) الْمُطَهَّمَةِ الْحِسَانِ. {[۱] قَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى الْمُسَوَّمَةُ الرَّاعِيَةُ.} وَقَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ: وَحَصُوْرًا (آلِ عِمْرَان:۴۰) لَا يَأْتِي النِّسَاءَ. وَقَالَ عِكْرِمَةُ مِنْ

تُقٰةً وَتَقِيَّةٌ ایک ہی ہیں، بچاؤ کرنا۔ صِرٌّ کے معنی ہیں سخت سردی۔ شَفَا حُفْرَةٍ کے معنی ہیں گڑھے کے کنارے۔ جیسے شَفَا الرَّكِيَّةِ کے معنی ہیں کنویں کا کنارہ۔ تُبَوِّئُ کے معنی ہیں کہ لشکر کے لئے تو قرار گاہ تجویز کر رہا تھا۔ الْمُسَوَّمُ وہ ہے جس پر کوئی نشانی ہو، پشم کی یا کسی اور چیز کی۔ رِبِّيُّوْنَ جمع ہے، اس کی مفرد رِبِّي ہے۔ یعنی ہزاروں ہزار۔ تَحُسُّوْنَهُمْ کے معنی ہیں تم انہیں مار مار کر جڑ سے اکھیڑ رہے تھے۔ غُزًّى کی مفرد غَازٍ ہے یعنی جنگ کرنے والے۔ سَنَكْتُبُ ہم ضرور محفوظ رکھیں گے جو انہوں نے کہا۔ نُزُلًا معنی ثواب اور نُزُل بمعنی مُنْزَل بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے اُتارا ہوا۔ جیسا کہ تمہارا یہ کہنا کہ میں نے اسے اُتارا ہے۔ اور مجاہد نے کہا: الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ کے معنی ہیں بڑے بڑے موٹے تازے خوبصورت گھوڑے اور سعید بن جبیر اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ نے کہا: الْمُسَوَّمَةِ کے معنی ہیں الرَّاعِيَةُ (یعنی چراگاہ میں کھلے چھوڑ دیئے گئے ہوں) اور (سعید) ابن جبیر نے کہا: حَصُوْرًا کے معنی ہیں جو عورتوں سے بچتا رہے اور عکرمہ نے کہا: مِنْ فَوْرِهِمْ کے معنی ہیں بدر کے دن کے اپنے غیظ و غضب کے

---

[۱] یہ عبارت فتح الباری مطبوعہ بولاق کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ حاشیہ صفحہ ۲۶۱) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

فَوْرِهِمْ (آلِ عِمْرَان:۱۲۶) مِنْ غَضَبِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ يُخْرِجُ الْحَيَّ (الانعام:۹۶) النُّطْفَةُ تَخْرُجُ مَيِّتَةً وَيُخْرِجُ مِنْهَا الْحَيَّ. الْإِبْكَارِ (آلِ عِمْرَان:۴۲) أَوَّلُ الْفَجْرِ. وَالْعَشِيِّ (آلِ عِمْرَان:۴۲) مَيْلُ الشَّمْسِ أُرَاهُ إِلَى أَنْ تَغْرُبَ.

جوش میں۔ اور مجاہد نے کہا: يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ سے مراد یہ ہے کہ وہ اس نطفہ سے پیدا کرتا ہے جو پہلے (بظاہر) مردہ ہوتا ہے اور اس میں سے زندہ پیدا کرتا ہے اور الْإِبْكَارِ کے معنی صبح سویرے۔ اور عَشِيّ کے معانی سورج ڈھلنے پر، (مجاہد کہتے ہیں) میں سمجھتا ہوں سورج ڈوبنے تک۔

تشریح: تُقٰىةً اور تَقِيَّةٌ (دونوں مصدر) ایک ہی ہیں۔ یعنی بچنا، احتیاط کرنا۔ وَقٰى یعنی وِقَايَةٌ اسی سے باب اِفْتِعَال اِتَّقٰى، يَتَّقِي اور دیگر صیغے ہیں۔ سب میں بچنے اور احتیاط کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ تَقْوٰى بھی مصدر ہے۔ اسی مصدر سے فعل امر اتَّقُوا الله اس آیت میں آیا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (آل عمران:۱۰۳) اے وہ جو مومن ہو! اللہ (کی نافرمانی) سے بچو، جیسا کہ بچنے کا حق ہے اور تم پر صرف ایسی حالت میں موت آئے کہ تم پورے فرمانبردار ہو۔ اتَّقُوا اللّٰهَ کے معنی اللہ کی ناراضگی سے بچنے کے بھی کئے جاسکتے ہیں۔ مگر وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کا قرینہ بتاتا ہے کہ یہاں احکام الٰہی کی نافرمانی سے بچنے کی تاکید ہے۔ مصدر تُقَاة مذکورہ بالا آیت سے قبل بھی وارد ہوا ہے۔ فرماتا ہے: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ○ (آل عمران:۲۹) مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ صرف اُن سے پوری طرح بچ کر رہنا تمہارے لیے جائز ہے۔ اور (تم میں سے) جو شخص ایسا کرے اس کا اللہ سے کسی بات میں بھی (کوئی تعلق) نہ ہوگا۔ اور اللہ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف (تمہیں) لوٹنا ہوگا۔

صِرٌّ کے معنی ہیں سخت سردی۔ یہ تفسیر ابوعبیدہؒ سے مروی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۶۱) اس سے آیت مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ (آل عمران:۱۱۸)[1] کا مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ کفار جو دین حق کی مخالفت میں خرچ کررہے ہیں ان کا انجام اس ظالم قوم کا ہوگا جن کی کھیتی سخت سردی سے تباہ ہوگئی۔ یہی مضمونِ سیاق وسباق ہے اور یہ پیشگوئی مایوس کن حالاتِ

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''اس دنیا کی زندگی میں وہ جو بھی خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہوا کی طرح ہے جس میں شدید سردی ہو، وہ ایسے لوگوں کی کھیتی پر (مصیبت بن کر) وارد ہو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو اور وہ اُسے برباد کردے۔''

ضعف میں کی گئی اور بڑی شان سے پوری ہوئی۔ شَفَا بمعنی گڑھے کا کنارہ۔ جیسے شَفَا الرَّكِيَّةِ ، کنویں کا کنارہ۔ فرماتا ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (آل عمران:۱۰۴) اور تم سب اکٹھے ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقہ نہ کرو اور اللہ کی وہ نعمت یاد رکھو جو تم پر ہوئی کہ تم آپس میں دشمن تھے، اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس کے احسان سے تم بھائی بھائی ہو گئے۔ حالانکہ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے مگر اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کو بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ راست اختیار کر کے ہدایت پاؤ۔ اس آیت میں تفرقہ و عداوت کی آگ کو قوم کے لئے ہلاکت کا گڑھا قرار دیا گیا ہے۔ جس میں عرب کی قوم گر کر ہلاک ہونا چاہتی تھی اور وہ اخوت و اتحاد کی بدولت اس میں گرنے سے بچائی گئی اور حدیث نبوی میں امت محمدیہ کے ستر سے زائد فرقوں میں بٹ جانے کی جو مشہور پیشگوئی ہے۔ اس میں بھی كُلُّهَا فِي النَّارِ کا ذکر ہے کہ وہ تمام فرقے آگ میں ہوں گے اِلَّا وَاحِدَةً سوائے ایک کے،[1] اس سے مراد بھی تفرقہ ہی کی آگ ہے اور جس ایک فریق کو آگ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ افرادِ امت ہیں جنہوں نے امامِ وقت کی آواز پر لبیک کہہ کر تفرقہ چھوڑا۔ ایک ہاتھ پر جمع ہو گئے اور اسلامی اخوت و اتحاد کو اختیار کیا۔ یہ امام وقت ہی وہ حبل اللہ ہے جس کے ہاتھ کو مضبوط پکڑنے کا ارشاد آیت وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ میں ہے۔ آسمانی وسیلے کے بغیر کوئی قوم تفرقہ و غضب الٰہی کی آگ سے نجات نہیں پا سکتی۔ امامِ ربانی ہی حبل اللہ ہے۔ امام بخاریؒ نے الفاظ کی شرح سے آل عمران کی اہم آیات کی طرف توجہ دلائی ہے جو امت کے لئے ہر زمانہ میں مشعل راہ ہیں۔

تُبَوِّئُ کا مذکورہ بالا مفہوم ابوعبیدہؒ کی تفسیر ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۶۱) اور خود قرآن مجید میں یہی بیان ہوا ہے۔ فرماتا ہے: وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (آل عمران:۱۲۲)[2] محض جگہ کی تعیین نہیں بلکہ لڑائی کی غرض سے ہر دستہ فوج کے لئے جگہ متعین کرنا اور صف آرائی مراد ہے۔ وضاحت کے لئے دیکھئے کتاب المغازی، باب غزوۂ احد۔ ایک صف بندی وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی اور دوسری قسم کی صف بندی ملائکہ کے ذریعے سے جس کا ذکر آیت ۱۲۶ میں ہے۔

[1] (سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب افتراق الأمم)
(سنن الترمذي، أبواب الإيمان، باب ما جاء في افتراق هذه الأمة)
(سنن ابي داود، كتاب السنة، باب شرح السنة)

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اور (یاد کر) جب تُو صبح اپنے گھر والوں سے مومنوں کو (ان کی) لڑائی کے ٹھکانوں پر بٹھانے کی خاطر الگ ہوا۔"

رِبِّيُّوْنَ کا مفہوم بھی ابوعبیدہؒ ہی سے منقول ہے۔ رِبَّةٌ اور رُبَّةٌ کے معنی جماعت ہیں۔ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ: اَلْمَجْمُوْعُ الْكَثِيْرَةُ۔ رِبِّيٌّ بھی بطور مفرد استعمال ہوتا ہے۔ فرماتا ہے: وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○ (آل عمران:۱۴۷) کتنے ہی نبی ہوئے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سی جماعتوں نے (دشمن کا) مقابلہ کیا۔ جو مصیبتیں انہیں اللہ کی راہ میں پہنچیں، ان سے وہ نہ سُست ہوئے اور نہ کمزور اور نہ درماندہ اور اللہ صابروں سے محبت رکھتا ہے۔

تَحُسُّوْنَهُمْ کے معنی انہیں لڑائی میں جڑ سے کاٹ رہے تھے۔ محولہ آیات کے بعد فرماتا ہے: وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ (آل عمران:۱۵۳) اور یقیناً اللہ نے تم سے اپنا وعدہ ٹھیک طور پر پورا کر دیا تھا جب تم اس کے حکم سے انہیں مار مار کر ان کی جڑیں کاٹ رہے تھے۔

غُزًّى لفظ غَازٍ کی جمع ہے۔ یعنی جنگ کرنے والے۔ فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا (آل عمران:۱۵۷) اے لوگو جو مومن ہو ان لوگوں جیسے نہ ہو جنہوں نے انکار کیا اور اپنے بھائیوں کے متعلق جب وہ ملک میں (جہاد کی غرض سے) سفر کریں یا جنگ کرنے والے ہوں، کہنے لگے: کاش وہ ہمارے پاس رہتے تو وہ نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ غَازٍ کی جمع غُزَاةٍ اور غُزًّى ہے۔ یہ قراءت جمہور کی ہے اور تفسیر ابوعبیدہؒ کی۔ اور حسن بصریؒ وغیرہ نے بغیر شدّ کے غُزَی پڑھا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۶۲)

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا...: اس آیت میں نَكْتُبُ کے معنی ہیں ہم محفوظ رکھیں گے جو انہوں نے کہا۔ یہ مفہوم ابوعبیدہؒ سے مروی ہے۔ پوری آیت یہ ہے: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○ (آل عمران:۱۸۲)[۱] یعنی ان کا طعنہ اور دولت مندی کا گھمنڈ تاریخ عالم میں محفوظ ہے اور نمونۂ عبرت بنایا جائے گا۔ ایسا ہی ایک مضمون سورۃ مریم آیت نمبر ۸۰ میں بھی بیان ہوا ہے۔

نُزُلًا کے معنی ثواب یعنی بطور بدلہ ہوگا۔ اور اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بدلہ اللہ کے حضور سے بطور مہمان نوازی ہوگا۔ نُزُلٌ کا لفظ مصدر بمعنی مفعول مُنْزَلٌ ہے اور فاعل (نَازِل) کی جمع بھی ہے۔ جیسا کہ اعشٰی کے اس مصرعہ أَوْ تَنْزِلُونَ فَإِنَّا مَعْشَرٌ نُزُلٌ میں نُزُلٌ - نَازِلٌ کی جمع کے طور پر آیا ہے۔ اور لفظ نَازِل بمعنی نَزِيْل بھی آتا ہے یعنی مہمان۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۶۲)

---

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''اللہ نے یقیناً اُن لوگوں کا قول سُن لیا جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم دولت مند ہیں ہم ضرور اسے لکھ رکھیں گے جو انہوں نے کہا اور اُن کی انبیاء کی ناحق سخت مخالفت کو بھی اور ہم کہیں گے کہ جلن کا عذاب چکھو۔''

وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ: وہ گھوڑے ہیں جو کسی علامت سے نشان شدہ ہوں یا اونی کپڑے کی گرہ پیشانی پر ہو۔ خوبصورت اصیل گھوڑوں کو علامت سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ فرماتا ہے: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ (آل عمران:۱۵) عورتوں اور بیٹوں اور سونے چاندی کے محفوظ خزانوں اور خوبصورت گھوڑوں اور مال مویشیوں اور کھیتی باڑی سے متعلق خواہشات کی محبت لوگوں کے لئے خوبصورت شکل میں دکھائی گئی ہے۔ یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے اور اللہ وہ ذات ہے جس کے پاس نہایت عمدہ ٹھکانا ہے۔ اَلْمُسَوَّمَةِ کے معنی اَلرَّاعِيَةُ۔ یعنی چراگاہ میں کھلے چھوڑے ہوئے ثوریؒ اور طبریؒ سے مروی ہیں۔ اول الذکر نے سعید بن جبیر سے اور ثانی الذکر نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے نقل کئے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۶۲، ۲۶۳)

حَصُوْرًا سے آلِ عمران آیت نمبر ۴۰ کی شرح مقصود ہے۔ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ملائکہ نے زکریا کو پکارا جبکہ وہ محراب میں کھڑا مشغول نماز و دعا تھا کہ اللہ تجھے یحیٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کی ایک بات کو پورا کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور (گناہوں سے) روکنے والا اور صالحین میں سے نبی ہوگا۔ حَصُوْر کے معنی عفیف اور دوسروں کو ارتکاب بدی سے روکنے والا۔ متی باب ۳ اور مرقس باب ۱ میں جو حضرت یحیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ وہ بطور تارک الدنیا بیابان میں بود و باش رکھتے تھے اور لوگوں کو ترک گناہ کا وعظ کرتے اور اس کا بپتسمہ دیتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی ان سے بپتسمہ لیا۔ لفظ حَصُوْر سے ان کے اسی وصف کا بیان ہے اور لوقا باب ۱ میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور اس کی قبولیت اور بشارت کا ذکر ہے کہ ”تیرے لئے تیری بیوی الیشبع کے بیٹا ہوگا۔ تو اُس کا نام یوحنا رکھنا اور تجھے خوشی و خُرمی ہوگی اور بہت سے لوگ اس کی پیدائش کے سبب سے خوش ہوں گے۔ کیونکہ وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مَے نہ کوئی اَور شراب پیئے گا اور اپنی ماں کے بطن ہی سے روح القدس سے بھر جائے گا اور بہت سے بنی اسرائیل کو خداوند کی طرف جو اُن کا خدا ہے پھیرے گا۔“ (لوقا باب ۱: ۱۳ تا ۱۶) الفاظ حَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ سے حضرت یحیٰ علیہ السلام کے مذکورہ بالا اوصاف ہی مراد ہیں۔

مِّنْ فَوْرِهِمْ کے معنی ہیں کہ اُحد کی جنگ میں بدر کے دن کے اپنے غیظ و غضب کے جوش میں آئیں گے۔ عکرمہ سے مِّنْ فَوْرِهِمْ کے یہ معنی طبری نے بسند داؤد بن ابی ہند نقل کئے ہیں کہ بدر کے دن انہیں جو تکلیف پہنچی تھی اس کے غصہ میں اُحد کے دن نکلے تھے۔[۱] (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۶۳) جنگ اُحد کے تعلق میں فرمایا ہے: بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ (آل عمران:۱۲۶) ہاں (ضرور کافی ہوں گے) اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ (کافر) تم پر جوش و خروش سے

[۱] (جامع البیان للطبری، تفسیر سورۃ آل عمران، آیت وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا، جزء۶ صفحہ ۳۱)

حملہ آور ہوں تو تمہارا ربّ پانچ ہزار سخت حملہ کرنے والے ایسے ملائکہ کے ذریعہ سے تمہاری مدد کرے گا جن کا نشانہ خطا ہونے والا نہیں ہو گا۔

وَ قَالَ مُجَاهِدٌ: يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ۔ مجاہد کے نزدیک مردہ جس سے زندہ انسان پیدا ہوتا ہے نطفہ ہے، جو بظاہر بے جان معلوم ہوتا ہے۔ مجاہد کی یہ تفسیر آیت يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ (الانعام:۹۶)[1] عبد بن حمید نے بسند عبداللہ بن ابی نجیح موصولاً نقل کی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۶۳) مردہ اور زندہ نسبتی الفاظ ہیں۔ نطفہ کے اندر بھی زندگی ہوتی ہے۔ لیکن زندگی کی وہ علامات جو ایک بچے میں پائی جاتی ہیں نطفہ میں نہیں ہوتیں۔ اس لئے نطفہ اس کے بالمقابل مردہ تصور کیا گیا ہے۔ اسی طرح بے جان مادہ بھی جس سے نطفہ بنا اس کے بالمقابل مردہ ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ (البقرة:۲۹)[2] غرض موت وزندگی کا تصور ایک اضافی تصور ہے۔

الْاِبْكَارِ و الْعَشِيِّ کے الفاظ جو آیت وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (آل عمران:۴۲) میں بیان ہوئے ہیں۔ ان کے معنی صبح وشام کے ہیں۔ آیت کے معنی یہ ہیں: اپنے ربّ کو بہت یاد کرو اور اس کی (بہت) تسبیح کرو شام کے وقت بھی اور فجر کے وقت بھی۔ الْعَشِيِّ کا وقت زوال سے غروب آفتاب تک اور الْاِبْكَارِ صبح سویرے کا وقت ہے۔

بَاب ۱: مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ (آل عمران:۸)
اس کی بعض آیات محکم ہیں

قَالَ مُجَاهِدٌ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ. وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (آل عمران:۸) يُصَدِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا كَقَوْلِهِ تَعَالَى وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (البقرة:۲۷) وَكَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (يونس:۱۰۱) وَكَقَوْلِهِ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ (محمد:۱۸). زَيْغٌ (آل عمران:۸)

مجاہدؒ نے کہا: اس سے مراد وہ احکام ہیں جو حلال حرام سے متعلق ہیں۔ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (سے مراد وہ احکام ہیں) جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: وَ مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ۔ یعنی وہ صرف بدعہدوں کو ہی گمراہ ٹھہراتا ہے اور جیسے اللہ جلّ ذکرہ کا یہ فرمانا: وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ وہ گندگی کو انہی پر ڈالتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے اور جیسے اس کا فرمانا: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا... یعنی

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے۔“

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو جبکہ تم مُردہ تھے پھر اس نے تمہیں زندہ کیا۔ وہ پھر تمہیں مارے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا۔“

شَـكٌّ. ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ (آل عمران:۸) الْمُشْتَبِهَاتِ. وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ (آل عمران:۸) يَعْلَمُوْنَ تَاْوِيْلَهُ، وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ. (آل عمران:۸)

اور جو لوگ راہ راست پر آ گئے انہیں راست رَوِی میں اور بڑھا دیا اور انھیں تقویٰ عطا کیا۔ (فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ میں) زَيْغٌ کے معنی شک کے ہیں۔ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ سے مراد مشتبہات کی پیروی کرنا ہے۔ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کے معنی ہیں، وہ اس کی تفسیر جانتے ہیں اور کہتے ہیں، ہم اس پر ایمان لائے۔

٤٥٤٧: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التُّسْتَرِيُّ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ تَلَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الْآيَةَ: هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ إِلَى قَوْلِهِ أُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (آل عمران:۸) قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَأَيْتِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَّى اللهُ

۴۵۴۷: عبداللہ بن مسلمہ نے ہم سے بیان کیا کہ یزید بن ابراہیم تستری نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے (عبداللہ) ابن ابی ملیکہ سے، انہوں نے قاسم بن محمد سے، قاسم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ وہ فرماتی تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: وہی ہے جس نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی ہے جس کی بعض (آیتیں تو) محکم آیتیں ہیں جو اس کتاب کی جڑ ہیں اور کچھ اور (ہیں جو) متشابہ ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو فتنہ کی غرض سے اور اس (کتاب) کو (اس کی حقیقت سے) پھیر دینے کے لئے ان (آیات) کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو اس (کتاب) میں سے متشابہ ہیں حالانکہ اس کی تفسیر کو سوائے اللہ کے اور علم میں کامل دستگاہ رکھنے والوں کے (کہ) جو کہتے ہیں (کہ) ہم اس (کلام) پر ایمان رکھتے ہیں (اور جو کہتے ہیں کہ یہ) سب ہمارے ربّ کی طرف سے ہی ہے کوئی نہیں جانتا اور عقلمندوں کے سوا کوئی بھی نصیحت حاصل نہیں

فَاحْذَرُوهُمْ.

کرتا۔ فرماتی تھیں: یہ پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عائشہؓ!) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو قرآن کی ایسی آیات کے پیچھے لگتے ہیں جو متشابہ ہوں تو وہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) کیا ہے۔ یعنی ان سے بچو۔

تشریح: مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ: جس کی بعض آیات محکم ہیں۔ جو اس کتاب کی جڑ ہیں اور کچھ اور ہیں جو متشابہ ہیں۔ مجاہد نے اُمُّ الْكِتٰبِ سے مراد حلال و حرام سے متعلقہ واضح احکام لئے ہیں جو شریعت کی اصل بنیاد ہیں اور متشابہ یعنی متماثل، ایک دوسرے کے ہم معنی امور مراد لئے ہیں، (يُصَدِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا) جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک متشابہ کے معنی شبہ والی باتیں نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کا سب سے پہلا وصف لَا رَيْبَ فِيْهِ بیان ہوا ہے۔ اس میں شبہ والی کوئی بات نہیں۔ محکمات اور متشابہات سے متعلق ان کی مذکورہ بالا تفسیر عبد بن حمید نے عبد اللہ بن ابی نجیح کی سند سے نقل کی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۶۴) اور متشابہ سے متعلق جو تین مثالیں دی ہیں وہ ان کی تفسیر کو واضح کرتی ہیں۔ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (البقرۃ:۲۷)[۱] اس سے قبل فرماتا ہے: يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا (البقرۃ:۲۷)[۲] حق بات واضح کرنے کی مثال خواہ چھوٹی بیان کی جائے یا بڑی، مومن حق قبول کرتے ہیں اور کافر اعتراض کر کے اسے ردّ کر دیتے ہیں۔ اس حق کے ذریعہ سے اللہ بہتوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ربّ العالمین سے حق نازل ہو اور وہ (الْهُدٰى) کامل راہنمائی کا دعویٰ کرے پھر اس کے ذریعے سے بہت سے بجائے ہدایت پانے کے گمراہ ہوں، یہ دونوں باتیں بظاہر متضاد ہیں۔ اس کی وضاحت آیت وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ سے کی گئی ہے کہ حق کے ذریعہ سے صرف انہی کو گمراہ کرتا ہے جو احکام الٰہی کے نافرمان، بدعہد، تعلقات توڑنے والے اور دنیا میں بگاڑ پیدا کرنے والے ہوں۔ متشابہات کے ضمن میں مزید تشریح کے لئے کتاب البیوع، باب ۲ تا ۵ دیکھئے۔

مجاہد نے متشابہ کا مفہوم بیان کرنے کے لئے یہ ایک مثال دی ہے جو بہت واضح ہے۔ دوسری مثال یہ دی ہے: وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (یونس:۱۰۱)[۳] یہی مضمون سورۃ الانعام میں بھی بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور وہ اس کے ذریعہ فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں ٹھہراتا۔“

[۲] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”وہ اس (مثال) کے ذریعہ سے بہتوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے اور بہتوں کو اس کے ذریعہ سے ہدایت دیتا ہے۔“

[۳] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور وہ ان (کے چہروں) پر جو عقل سے کام نہیں لیتے (ان کے دل کی) پلیدی تھوپ دیتا ہے۔“

فرماتا ہے: وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (الانعام:۱۲۶) اور جسے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ (فرمانبرداری کے لئے) نہایت تنگ کر دیتا ہے۔ جیسے کہ وہ بلندی کی طرف چڑھ رہا ہے۔ اسی طرح یہ بد عملی عذاب کی صورت میں ان پر ڈالتا ہے جو نہیں مانتے۔ آیت مذکورہ بالا میں ہدایت و ضلالت سے متعلق اپنا قانون بیان فرماتا ہے کہ جو شرح صدر سے احکام الٰہی بجالاتے ہیں وہ ہدایت پاتے ہیں اور احکام کی بجا آوری میں جن کا شرح صدر نہیں ہوتا بلکہ سینہ گھٹ جاتا ہے اور قدم شل ہو جاتے ہیں۔ ان کی اپنی بد عملی عذاب کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ متشابہات یعنی ہم معنی آیات کی تیسری مثال یہ دی ہے: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ (محمد:۱۸) اور وہ لوگ جنہوں نے صحیح راستہ پالیا انہیں راہنمائی میں بڑھا دیا اور انھیں تقویٰ عطا کیا، جو اُن کے مناسب حال ہے۔ اس سے پہلے آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو سنتے ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ○ (محمد:۱۷) یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشات کے پیرو ہیں۔ یہ آیات بھی متشابہات میں سے ہیں۔ یُصَدِّق بَعْضُهَا بَعْضًا۔ تینوں مثالیں معناً و مفہوماً ایک دوسرے کی مصدق ہیں۔ مجاہد کی یہ شرح نہایت صحیح اور بڑی واضح ہے۔

متشابہات سے مراد وہ آیات بھی ہیں جو انباء الغیب (پیشگوئیوں) پر مشتمل ہیں۔ جب تک وہ واقع نہ ہو جائیں ان کا صحیح مفہوم واضح نہیں ہوتا اور کج رَو لوگ اپنے اپنے مطلب کے مطابق ان کی تاویل کرتے ہیں۔ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ (آلِ عمران:۸) حالانکہ پیشگوئی کا اصل مقصود علم الٰہی میں ہوتا ہے۔ نزول مسیح یا دجال کی پیشگوئی سے متعلق جتنے خیالی ڈھکوسلے تھے وہ امت کے لئے بہت بڑے فتنے کا موجب بن گئے ہیں۔ اس بارے میں ہدایت یہ تھی کہ ہم ایسے امور سے متعلق ایمان بالغیب رکھتے ہوئے یہ دعا کرتے رہیں: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ (آل عمران:۹) اے ہمارے ربّ! ہمارے دلوں کو راستی سے ٹیڑھا نہ ہونے دے جبکہ تو نے ہماری راہنمائی فرمائی ہے اور ہمیں اپنے حضور سے رحمت (کے سامان) عطا کر۔ تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔ آیت فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ (آلِ عمران:۸) [1] میں زَيْغٌ کا جو لفظ آیا ہے اس کے معنی مجاہدؒ نے شک کئے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۶۴) زَاغَ کا معنی ٹیڑھا ہوا، راستی چھوڑ کر کجی اختیار کی۔ اور ان کے نزدیک الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ سے مراد وہ علماء ہیں جنہیں آیت کے صحیح مفہوم کا علم ہوتا ہے اور ان کا یہ وصف بیان ہوا ہے کہ وہ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی بصیرت اور حقیقت شناسا ہوتے ہیں۔ ان کی نظر چھلکے پر نہیں بلکہ مغز پر ہوتی ہے۔

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ چاہتے ہوئے اور اس کی تاویل کی خاطر اُس میں سے اس کی پیروی کرتے ہیں جو باہم مشابہ ہے۔“

حدیث زیر باب سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کے لوگوں سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔ اول وہ جو محکمات یعنی اصول دین سے توجہ پھیرنے کی غرض سے متشابہات کی توجیہہ ایسے طور سے کرتے ہیں جس سے ان کی اپنی کتابوں کے بیان کی سچائی متشابہات کے ظاہری الفاظ سے ہوتی ہو۔ فَتَنَ کے معنی اصل مقصود سے توجہ پھیر دی۔ اِبْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ کا مفہوم یہ ہے کہ راستی سے ہٹانے کی غرض سے وہ متشابہ آیات کے معنی اپنی کتابوں میں وارد قصوں کے مطابق کرتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو پیشگوئیوں کی تاویل اپنے خیالی تصور و نفسانی خواہش سے کرتے ہیں اور جب وہ پیشگوئیاں ان کے خیال کے مطابق پوری نہیں ہوتیں بلکہ منشاء الٰہی اور صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو حق قبول کرنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ دونوں قسم کے لوگوں سے بچنے کا ارشاد ہے۔ خطابی نے بھی متشابہات سے ایسی آیات مراد لی ہیں جن سے متعلق (قبل از وقت) پورا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۲۶۷) اور وہ انباء الغیب ہیں جن کی حقیقت وقوعہ کے بعد کھلتی ہے۔ قرآن مجید میں ایسی خبریں بکثرت ہیں۔

بَاب ۲ : وَ اِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (آل عمران:۳۷)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) میں اسے اور اس کی ذریت کو شیطان رجیم سے تیری پناہ میں رکھتی ہوں

٤٥٤٨ : حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَّوْلُودٍ يُولَدُ إِلَّا وَالشَّيْطَانُ يَمَسُّهُ حِينَ يُولَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَّسِّ الشَّيْطَانِ إِيَّاهُ إِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ وَ اِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ .

(آل عمران:۳۷)

أطرافه: ٣٢٨٦، ٣٤٣١۔

۴۵۴۸: عبداللہ بن محمد (مسندی) نے مجھے بتایا کہ عبدالرزاق نے ہم سے بیان کیا۔ معمر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے زہری سے، زہری نے سعید بن مسیب سے، سعید نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو ضرور تکلیف دیتا ہے۔ اس لئے وہ شیطان کی تکلیف دینے کی وجہ سے چلا کر روتا ہے۔ سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے۔ یہ روایت بیان کر کے حضرت ابوہریرہؓ کہتے تھے: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: میں اسے اور اس کی ذریت کو شیطان رجیم سے تیری پناہ میں رکھتی ہوں۔

تشریح۔ وَ اِنِّیۡۤ اُعِیۡذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ: عنوان باب حضرت مریم علیہا السلام کے لئے کی جانے والی دعا سے قائم کیا گیا ہے اور روایت ۴۵۴۸ اس دعا کے تحت رکھ کر اس کے مفہوم کو حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہا السلام سے مخصوص رکھا گیا ہے۔

روایت سے ظاہر ہے کہ آیت محولہ بالا سے استدلال حضرت ابوہریرہؓ کا اپنا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں اور علامہ زمخشری مؤلف کشاف نے حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کو قرآن مجید کے محکمات اور مستند احادیث کے واضح بیانات کے خلاف قرار دیا ہے۔ قرآن مجید نے اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ○(الحجر:۴۱) کہہ کر اللہ کے تمام مخلص بندوں کو شیطانی تصرف سے آزاد قرار دیا ہے اور اس مفہوم کی متعدد آیات قرآن میں آئی ہیں اور حدیث میں آتا ہے کہ بوقت مباشرت جو شخص اَللّٰهُمَّ جَنِّبۡنِي الشَّيۡطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيۡطَانَ مَا رَزَقۡتَنَا کی دعا کرے گا۔ یعنی اے اللہ! مجھے شیطان سے الگ رکھیو اور شیطان کو اس سے الگ رکھیو جو تو نے ہمیں عطا کرنے کا ارادہ فرمایا ہے، تو ان کا پیدا ہونے والا بچہ مسّ شیطان سے محفوظ رکھا جائے گا۔ (الصحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ۶۷ روایت نمبر ۵۱۶۵) اس لئے علامہ زمخشری کو اس روایت کی صحت قبول کرنے میں تردد ہے اور امام فخر الدین رازیؒ نے اس روایت کو خبر واحد پر محمول کر کے بہت سے اعتراض کئے ہیں اور اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہا السلام کی شیطان سے محفوظ رہنے کی خصوصیت نہیں۔ پر وہ شخص جو مریمی یا عیسوی صفت ہے مس شیطان سے محفوظ کیا جاتا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۶۷)

امام بخاریؒ نے روایت کو آلِ عمران کی خاتون اُمّ مریم کے الفاظ وَ اِنِّیۡ سَمَّیۡتُهَا مَرۡیَمَ وَ اِنِّیۡۤ اُعِیۡذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا (آل عمران:۳۷)[1] کے تابع رکھا ہے جس میں اپنے بچے کے شیطان سے محفوظ رہنے کی دعا کا ذکر ہے۔ متی باب ۷ پڑھ کر دیکھئے کہ حضرت مسیحؑ کی تعلیم کیسی پاکیزہ اور مس شیطان سے خالی ہے۔ آپؑ کی زندگی بھی ایسی پاک تھی جیسی آپؑ کی تعلیم۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ”تمام انبیاء اور صلحاء مسّ شیطان سے پاک ہوتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ان کی صراحت اس واسطے کی ہے کہ ان پر ایسے ایسے اعتراض ہوئے اور کسی نبی پر چونکہ اعتراض نہیں ہوئے اس لئے ان کے لئے صراحت کی ضرورت بھی نہ پڑی۔ دوسرے نبیوں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے الفاظ ہوتے تو یہ بھی ایک قسم کی توہین ہے... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خود اہل مکہ تسلیم کر چکے ہوئے تھے کہ وہ مسّ شیطان سے پاک ہیں۔ تب ہی تو

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور (اس عمران کی عورت نے کہا) یقیناً میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے، اور میں اسے اور اس کی نسل کو راندۂ درگاہ شیطان سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔“

آپؐ کا نام انہوں نے امین رکھا ہوا تھا۔ اور آپؐ نے ان پر تحدی کی کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا (یونس:۱۷) پھر کیا ضرورت تھی کہ آپؐ کی نسبت بھی کہا جاتا۔“

(ملفوظات جلد سوم، صفحہ ۲۷۰، ۲۷۱)

باب ۳: اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ (آل عمران:۷۸)

(اللہ کا فرمانا:) وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض میں ایک تھوڑی سی قیمت پر راضی ہوتے ہیں ان کے لئے کوئی بھلائی نہیں

لَا خَيْرَ. اَلِيْمٌ (آل عمران:۷۸) مُؤْلِمٌ مُوجِعٌ مِنَ الأَلَمِ، وَهْوَ فِي مَوْضِعِ مُفْعِلٍ.

(لَا خَلَاقَ کے معانی ہیں) ان کے لئے کوئی بھلائی نہیں۔ اَلِيْمٌ کے معنی دردناک۔ اَلَمٌ سے مشتق ہے اور یہ لفظ مُفْعِل کے وزن پر ہے۔

٤٥٤٩- ٤٥٥٠: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ يَمِينَ صَبْرٍ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللهَ وَهْوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَأَنْزَلَ اللهُ تَصْدِيقَ ذَلِكَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ (آل عمران:۷۸) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ، قَالَ فَدَخَلَ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ وَقَالَ مَا يُحَدِّثُكُمْ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ

۴۵۴۹- ۴۵۵۰: حجاج بن منہال نے ہم سے بیان کیا کہ ابوعوانہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابووائل سے، ابووائل نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے خواہ مخواہ (جھوٹی) قسم کھائی جس کے ذریعہ سے وہ ایک مسلمان شخص کا مال لینا چاہتا ہے تو وہ اللہ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ وہ اس سے ناراض ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق سے یہ آیت نازل کی: جو لوگ اللہ کے ساتھ اپنے عہدوں اور قسموں کے بدلے میں تھوڑی قیمت لیتے ہیں ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہو گا اور قیامت کے دن اللہ ان سے بات نہیں کرے گا

قُلْنَا كَذَا وَكَذَا قَالَ فِيَّ أُنْزِلَتْ كَانَتْ لِي بِئْرٌ فِي أَرْضِ ابْنِ عَمٍّ لِي قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيِّنَتُكَ أَوْ يَمِينُهُ فَقُلْتُ إِذًا يَحْلِفَ يَارَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانٌ.

اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک ٹھہرائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب (مقدر) ہے۔ ابووائل کہتے تھے: اتنے میں حضرت اشعث بن قیس (کندیؓ) بھی آگئے اور کہنے لگے: ابوعبدالرحمٰنؓ تم سے کیا بیان کررہے ہیں؟ ہم نے کہا: ایسا ایسا۔ انہوں نے کہا: یہ آیت میرے متعلق نازل کی گئی۔ میرا ایک کنواں تھا میرے چچازاد بھائی کی زمین میں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری شہادت پیش ہو ورنہ اس سے قسم لی جائے گی۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! تب تو وہ قسم کھا جائے گا۔ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یونہی قسم کھاتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ مسلمان شخص کا مال مارنا چاہتا ہے اور وہ اس قسم میں جھوٹا ہے تو وہ اللہ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ وہ اس سے ناراض ہو گا۔

اطراف الحديث **٤٥٤٩**: ٢٣٥٦، ٢٤١٦، ٢٥١٥، ٢٦٦٦، ٢٦٦٩، ٢٦٧٣، ٢٦٧٦، ٦٦٥٩، ٦٦٧٦، ٧١٨٣، ٧٤٤٥۔

اطراف الحديث **٤٥٥٠**: ٢٣٥٧، ٢٤١٧، ٢٥١٦، ٢٦٦٧، ٢٦٧٠، ٢٦٧٧، ٦٦٦٠، ٦٦٧٧، ٧١٨٤۔

٤٥٥١: حَدَّثَنَا عَلِيٌّ هُوَ ابْنُ أَبِي هَاشِمٍ سَمِعَ هُشَيْمًا أَخْبَرَنَا الْعَوَّامُ بْنُ حَوْشَبٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلًا أَقَامَ سِلْعَةً فِي السُّوقِ فَحَلَفَ فِيهَا لَقَدْ أَعْطَى بِهَا مَا لَمْ يُعْطِهِ لِيُوقِعَ فِيهَا رَجُلًا مِنَ

۴۵۵۱: علی نے جو کہ ابوہاشم کے بیٹے ہیں ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے ہشیم سے سنا کہ عوام بن حوشب نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابراہیم بن عبدالرحمٰن سے، ابراہیم نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ ایک شخص نے بازار میں تجارتی سامان رکھا اور اس کے متعلق قسمیں کھانے لگا کہ فلاں نے

الْمُسْلِمِينَ فَنَزَلَتْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (آل عمران:٧٨) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ.

اس کا اتنا کچھ مول دیا تھا جو کہ نہیں دیا گیا تھا تا کہ وہ کسی مسلمان شخص کو اس میں پھنسا لے۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: جو لوگ اللہ کے ساتھ اپنے عہدوں اور قسموں کے بدلے میں تھوڑی قیمت لیتے ہیں ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہو گا اور قیامت کے دن اللہ ان سے بات نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک ٹھہرائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب (مقدر) ہے۔

أطرافهُ: ٢٠٨٨، ٢٦٧٥۔

٤٥٥٢ : حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ كَانَتَا تَخْرِزَانِ فِي بَيْتٍ أَوْ فِي الْحُجْرَةِ فَخَرَجَتْ إِحْدَاهُمَا وَقَدْ أُنْفِذَ بِإِشْفًى فِي كَفِّهَا فَادَّعَتْ عَلَى الْأُخْرَى فَرُفِعَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَذَهَبَ دِمَاءُ قَوْمٍ وَأَمْوَالُهُمْ ذَكِّرُوهَا بِاللهِ وَاقْرَءُوا عَلَيْهَا اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ (آل عمران:٧٨) فَذَكَّرُوهَا فَاعْتَرَفَتْ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ

۴۵۵۲: نصر بن علی بن نصر نے ہم سے بیان کیا کہ عبداللہ بن داؤد نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابن جریج سے، ابن جریج نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی کہ دو عورتیں ایک گھر میں یا کوٹھڑی میں بیٹھی (موزہ) سی رہی تھیں۔ (اتنے میں) ان میں سے ایک باہر نکلی اور اس کی ہتھیلی میں (موزہ سینے کا) سُوا چبھ گیا۔ اس نے دوسری پر دعویٰ کیا۔ یہ مقدمہ (حضرت عبداللہ) بن عباسؓ کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ نے (یہ سن کر) کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگوں کو ان کے ہر دعویٰ پر دلایا جاتا تو بہت سے لوگوں کے خون اور مال یونہی ضائع ہو جاتے۔ اس عورت کو اللہ کے نام سے نصیحت کرو اور اس کو یہ آیت پڑھ کر سناؤ: اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ۔

انہوں نے اس کو نصیحت کی اور اس نے اقرار کر لیا۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ. حضرت ابن عباسؓ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم مدعا علیہ پر ہوتی ہے۔

أطرافه: ٢٥١٤، ٢٦٦٨۔

تشریح: اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا: عنوان باب میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے یہ ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (آل عمران:۷۸) یعنی جو لوگ اللہ کے ساتھ اپنے عہدوں اور قسموں کے بدلے میں تھوڑی قیمت لیتے ہیں ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور قیامت کے دن اللہ ان سے بات نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک ٹھہرائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب (مقدر) ہے۔

لَا خَلَاقَ کے معنی لَا نَصِيْبَ مِنْ خَيْرٍ بھلائی سے ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ بلکہ دردناک سزا ملے گی۔ اَلِيْمٌ فَعِيْل کا وزن ہے، جو بعض وقت اسم فاعل کے معنوں میں آتا ہے۔ اَلِيْمٌ کے معنی مُؤْلِم دردناک۔ خَلَاقَ اور اَلِيْمٌ کے یہ معنی ابوعبیدہؒ سے مروی ہیں۔ انہوں نے ذوالرمہ کے اس مصرعہ کا حوالہ دیا ہے: يَصُكُّ وُجُوْهَهَا وَهَجٌ أَلِيْمٌ۔[۱] یعنی ان کے چہروں کو تکلیف دہ گرمی پہنچتی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۶۹)

آیات کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ یہودیوں کے فساد املاق کے ذکر میں مذکورہ بالا آیت سے بتایا گیا ہے کہ ان میں سے بعض تو متقی اور صالح ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک طبقہ سمجھتا ہے کہ امیوں کا مال کھانا جائز ہے، جس طریق سے ممکن ہو، یہودیوں سے جو اہل کتاب اور برگزیدہ قوم ہے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ روایات زیر باب سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تطبیق مسلمانوں پر فرمائی۔ جب ایک فریق نے ناحق کسی کا مال لینا چاہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت طلب کی اور فرمایا: اگر شہادت نہیں تو مدعا علیہ کو قسم دی جائے گی۔

آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ... ثَمَنًا قَلِيْلًا کے تعلق میں روایت نمبر ۴۵۵۱ بھی نقل کی گئی ہے کہ ایک تاجر نے اپنی پونجی کے نکاس کی غرض سے جھوٹی قسم کھائی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ روایت ۴۵۵۲ میں ایک اور واقعہ نقل کر کے بتایا گیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس تعلق میں یہی آیت پڑھی۔ مذکورہ بالا روایات سے ظاہر ہے کہ نزول سے مراد تطبیق آیت ہے جو اس سے قبل متعدد بار واضح کیا جا چکا ہے۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا (تھوڑے مول) سے مراد دنیا کا عارضی فائدہ ہے جو زوال پذیر ہوتا ہے اور جو سزا بیان کی گئی ہے وہ نہایت سخت ہے اور آیت سے پایا جاتا ہے کہ اسلامی تعلیم کی اصل بنیاد اس رابطہ پر ہے جو انسان اور اس کے خالق کے درمیان ہے اور وہ رابطہ عبودیت ہے۔ جو اس رابطے کو توڑتا ہے اور دنیا کے مفاد سے متعلق اپنی خواہش نفس کو مقدم کرتا ہے اس کی سزا بھی اس جرم کی نوعیت کے اعتبار

[۱] (مجاز القرآن لابی عبیدة، سورة البقرة، آیت وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ، جزء اول صفحہ ۳۲)

سے ویسی ہی بیان کی گئی ہے۔ یعنی تزکیہ نفس، نظر شفقت اور اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی سے محرومی، ہر خیر و برکت سے تہی دستی اور اللہ تعالیٰ کے قرب سے دوری۔ جس کی وجہ سے ایسا راندۂ درگاہ انسان دردناک سزا میں مبتلا ہوگا جبکہ وہ دیکھے گا کہ مقربین کا گروہ نعماء جنت سے محظوظ ہو رہا ہے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ اعمال میں اصل مقصود تقویٰ اور خالق کی رضاجوئی ہونی چاہیئے۔ روایت نمبر ۴۵۵۲ میں فقرہ بَيْتٍ أَوْ فِي الْحُجْرَةِ جو آیا ہے، اس کے متعلق بعض کا خیال ہے کہ "أَوْ" دراصل "وَ" ہے۔ امام ابن حجرؒ نے اس کی یہ توجیہہ پیش کی ہے کہ یہاں عطف الخاص علی العام کی صورت ہے۔ گھر عام ہے اور کوٹھڑی اس کا حصہ ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۶۹)

بَاب ٤ : قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ (آل عمران:٦٥)

اے اہل کتاب! آؤ اس بات کی طرف جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے یعنی اللہ کے سوا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں

سَوَاءٍ قَصْدٍ.

سَوَاء کے معنی ہیں عادلانہ۔

٤٥٥٣ : حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى عَنْ هِشَامٍ عَنْ مَّعْمَرٍ ح. وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سُفْيَانَ مِنْ فِيهِ إِلَى فِيَّ قَالَ انْطَلَقْتُ فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَتْ بَيْنِي وَبَيْنَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴۵۵۳: ابراہیم بن موسیٰ نے مجھے بتایا۔ انہوں نے ہشام (بن یوسف) سے، ہشام نے معمر سے روایت کی۔ اور عبداللہ بن محمد (مسندی) نے مجھے بتایا کہ عبدالرزاق نے ہم سے بیان کیا۔ معمر نے ہمیں بتایا کہ زہری سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے مجھے بتایا، کہا: حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے بیان کیا، کہا: ابوسفیان نے مجھ سے بالمشافہ بات کی، کہا: میں اس میعادی صلح کے دوران جو میرے اور رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے درمیان تھی چلا گیا، کہا: اس اثنا میں کہ میں شام میں تھا، نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ایک خط ہرقل کے پاس لایا گیا، کہا: اور دحیہ کلبیؓ وہ خط لائے اور انہوں

قَالَ فَبَيْنَا أَنَا بِالشَّأْمِ إِذْ جِيءَ بِكِتَابٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى هِرَقْلَ قَالَ وَكَانَ دَحْيَةُ الْكَلْبِيُّ جَاءَ بِهِ فَدَفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ بُصْرَى فَدَفَعَهُ عَظِيمُ بُصْرَى إِلَى هِرَقْلَ قَالَ فَقَالَ هِرَقْلُ هَلْ هَا هُنَا أَحَدٌ مِّنْ قَوْمِ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ فَقَالُوا نَعَمْ قَالَ فَدُعِيتُ فِي نَفَرٍ مِّنْ قُرَيْشٍ فَدَخَلْنَا عَلَى هِرَقْلَ فَأُجْلِسْنَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ أَيُّكُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا مِّنْ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ فَقُلْتُ أَنَا فَأَجْلَسُونِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَجْلَسُوا أَصْحَابِي خَلْفِي ثُمَّ دَعَا بِتَرْجُمَانِهِ فَقَالَ قُلْ لَّهُمْ إِنِّي سَائِلٌ هَذَا عَنْ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوهُ قَالَ أَبُو سُفْيَانَ وَايْمُ اللهِ لَوْ لَا أَنْ يُّؤْثِرُوا عَلَيَّ الْكَذِبَ لَكَذَبْتُ ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ سَلْهُ كَيْفَ حَسَبُهُ فِيكُمْ قَالَ قُلْتُ هُوَ فِينَا ذُو حَسَبٍ قَالَ فَهَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ

نے وہ بصریٰ کے سردار کے سپرد کیا اور بصریٰ کے سردار نے ہرقل کو پہنچا دیا، کہا: ہرقل نے پوچھا: کیا اس شخص کی قوم میں سے جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی ہے کوئی یہاں ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ ابوسفیان نے کہا: چنانچہ قریش کے چند لوگوں سمیت مجھے بلایا گیا۔ ہم ہرقل کے پاس آئے تو ہمیں اس کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ ہرقل نے پوچھا: تم میں سے کون اس شخص کا زیادہ قریبی رشتہ دار ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی ہے؟ ابوسفیان نے بیان کیا کہ میں نے کہا: میں ہوں۔ تب انہوں نے مجھے اس کے سامنے بٹھایا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھایا۔ پھر اس نے اپنے ترجمان کو بلایا اور اس سے کہا: ان لوگوں سے کہو کہ میں اس سے اس شخص کے متعلق جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی ہے پوچھنے لگا ہوں۔ اگر اس نے مجھ سے جھوٹ کہا تو تم اس کو جھٹلا دینا۔ ابوسفیان کہتے تھے: اللہ کی قسم! اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میرے ساتھی میرے متعلق جھوٹ کا چرچا کریں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا۔ پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا: اس سے پوچھو تم میں اس کا خاندان کیسا ہے؟ کہتے تھے، میں نے کہا: وہ ہم میں خاندانی ہے۔ ہرقل نے پوچھا: کیا اس کے باپ دادوں میں سے کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟ کہتے تھے، میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: تو کیا پیشتر اس کے کہ وہ دعویٰ کرتا جو اس نے کیا تم اسے جھوٹ سے متّہم کرتے تھے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے پوچھا: کیا لوگوں میں سے بڑے بڑے اس کی پیروی کرتے ہیں، یا اُن میں

مَلِكٌ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ أَيَتَّبِعُهُ أَشْرَافُ النَّاسِ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ قَالَ قُلْتُ بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ قَالَ يَزِيدُونَ أَوْ يَنْقُصُونَ قَالَ قُلْتُ لَا بَلْ يَزِيدُونَ قَالَ هَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ عَنْ دِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ سَخْطَةً لَّهُ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ قَاتَلْتُمُوهُ قَالَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ قَالَ قُلْتُ تَكُونُ الْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ سِجَالًا يُصِيبُ مِنَّا وَنُصِيبُ مِنْهُ قَالَ فَهَلْ يَغْدِرُ قَالَ قُلْتُ لَا وَنَحْنُ مِنْهُ فِي هَذِهِ الْمُدَّةِ لَا نَدْرِي مَا هُوَ صَانِعٌ فِيهَا قَالَ وَاللهِ مَا أَمْكَنَنِي مِنْ كَلِمَةٍ أُدْخِلُ فِيهَا شَيْئًا غَيْرَ هَذِهِ قَالَ فَهَلْ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ قَبْلَهُ قُلْتُ لَا ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ قُلْ لَّهُ إِنِّي سَأَلْتُكَ عَنْ حَسَبِهِ فِيكُمْ فَزَعَمْتَ أَنَّهُ فِيكُمْ ذُو حَسَبٍ وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي أَحْسَابِ قَوْمِهَا وَسَأَلْتُكَ هَلْ كَانَ فِي آبَائِهِ مَلِكٌ فَزَعَمْتَ أَنْ لَّا فَقُلْتُ لَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مَلِكٌ

سے کمزور؟ کہتے تھے، میں نے کہا: (بڑے نہیں) بلکہ ان میں سے کمزور۔ پوچھا: کیا وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ کہتے تھے، میں نے کہا: نہیں، بڑھ رہے ہیں۔ اس نے پوچھا: کیا ان میں سے کوئی اپنے دین سے اس میں داخل ہونے کے بعد دین سے نفرت کرنے کی وجہ سے مرتد بھی ہوتا ہے؟ کہتے تھے، میں نے کہا: نہیں۔ اس نے پوچھا: کیا تم نے اس سے جنگ بھی کی؟ کہتے تھے، میں نے کہا: ہاں۔ اس نے پوچھا: پھر اس سے تمہاری لڑائی کیسی رہی؟ کہتے تھے، میں نے کہا: لڑائی ہمارے اور اس کے درمیان ڈول کی طرح ہے۔ کبھی اسے ہم سے نقصان پہنچتا ہے، کبھی ہم اس سے نقصان اُٹھاتے ہیں۔ پوچھا: کیا وہ عہد شکنی بھی کرتا ہے؟ کہتے تھے، میں نے کہا: نہیں۔ اور اب ہم اس کی طرف سے ایک میعادی صلح میں ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ اس میں وہ کیا کچھ کرنے والا ہے۔ ابوسفیان کہتے تھے: اللہ کی قسم! کسی بات نے موقع نہیں دیا کہ اس میں اپنی طرف سے کچھ کہوں سوائے اس بات کے۔ اس نے پوچھا: کیا کسی نے اس سے پہلے یہ دعویٰ کیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ پھر اس کے بعد اس نے اپنے ترجمان سے کہا: اس سے کہہ میں نے تم سے اس کے خاندان سے متعلق پوچھا تھا کہ وہ تم میں کیسا ہے؟ تو تم نے کہا ہے کہ وہ ہم میں خاندانی ہے اور رسول بھی اس طرح اپنی قوم کے شریف خاندانوں ہی میں سے ہوتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا: کیا اس کے باپ دادوں میں سے کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟ تو تم نے کہا: نہیں۔ میں نے خیال کیا:

قُلْتُ رَجُلٌ يَطْلُبُ مُلْكَ آبَائِهِ وَسَأَلْتُكَ عَنْ أَتْبَاعِهِ أَضُعَفَاؤُهُمْ أَمْ أَشْرَافُهُمْ فَقُلْتَ بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ فَزَعَمْتَ أَنْ لَّا فَعَرَفْتُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَدَعَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ يَذْهَبَ فَيَكْذِبَ عَلَى اللهِ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِّنْهُمْ عَنْ دِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَّدْخُلَ فِيهِ سَخْطَةً لَّهُ فَزَعَمْتَ أَنْ لَّا وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ إِذَا خَالَطَ بَشَاشَةَ الْقُلُوبِ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ فَزَعَمْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حَتَّى يَتِمَّ وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَاتَلْتُمُوهُ فَزَعَمْتَ أَنَّكُمْ قَاتَلْتُمُوهُ فَتَكُونُ الْحَرْبُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ سِجَالًا يَنَالُ مِنْكُمْ وَتَنَالُونَ مِنْهُ وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلَى ثُمَّ تَكُونُ لَهُمُ الْعَاقِبَةُ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ فَزَعَمْتَ أَنَّهُ لَا يَغْدِرُ وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَالَ أَحَدٌ هَذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ فَزَعَمْتَ أَنْ لَّا

اگر اس کے باپ دادوں میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہو تو میں سمجھتا کہ ایک ایسا شخص ہے جو اپنے باپ دادوں کی بادشاہت کا خواہاں ہے اور میں نے تم سے اس کے پیرؤوں کی بابت پوچھا تھا: کیا وہ لوگوں میں سے کمزور ہیں یا ان میں سے بڑے بڑے لوگ؟ تو تم نے کہا: نہیں، ان میں سے کمزور اور یہی لوگ رسولوں کے پیرو ہوتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا: کیا جو اس نے دعویٰ کیا ہے اس دعویٰ کرنے سے پہلے تم اس کو جھوٹ سے متّہم کرتے تھے؟ تم نے کہا: نہیں۔ میں اس سے سمجھ گیا کہ وہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ لوگوں پر تو جھوٹ ترک کرے اور اللہ پر جھوٹ باندھنے لگے اور میں نے تم سے پوچھا: کیا ان میں سے کوئی اپنے دین سے اس میں داخل ہونے کے بعد اس دین سے نفرت کرنے کی وجہ سے مرتد بھی ہوتا ہے؟ تم نے کہا: نہیں، اور ایمان کی یہی حالت ہوتی ہے جب وہ دلوں کی بشاشت میں سما جاتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا تھا: کیا وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں تو تم نے کہا: بڑھ رہے ہیں اور ایمان کا یہی حال ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کمال کو پہنچ جائے اور میں نے تم سے پوچھا تھا: کیا تم نے کبھی اس سے لڑائی بھی کی؟ تم نے کہا کہ ہم نے اس سے جنگ کی اور جنگ تمہارے اور اس کے درمیان ڈول کی طرح ہے۔ کبھی وہ تم سے نقصان اُٹھاتا ہے اور کبھی تم اس سے نقصان اٹھاتے ہو اور رسولوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے مگر آخر انجام انہی کا ہوتا ہے اور پھر میں نے تم سے پوچھا: کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟ تم نے کہا: نہیں۔ اسی طرح

فَقُلْتُ لَوْ كَانَ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ قَبْلَهُ قُلْتُ رَجُلٌ ائْتَمَّ بِقَوْلٍ قِيلَ قَبْلَهُ قَالَ ثُمَّ قَالَ بِمَ يَأْمُرُكُمْ قَالَ قُلْتُ يَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّلَةِ وَالْعَفَافِ قَالَ إِنْ يَكُ مَا تَقُولُ فِيهِ حَقًّا فَإِنَّهُ نَبِيٌّ وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ وَلَمْ أَكُ أَظُنُّهُ مِنْكُمْ وَلَوْ أَنِّي أَعْلَمُ أَنِّي أَخْلُصُ إِلَيْهِ لَأَحْبَبْتُ لِقَاءَهُ وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ وَلَيَبْلُغَنَّ مُلْكُهُ مَا تَحْتَ قَدَمَيَّ قَالَ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيهِ:

رسولوں کا حال ہوتا ہے کہ وہ عہد شکنی نہیں کرتے اور میں نے تم سے پوچھا: کیا اس سے پہلے کسی نے یہ دعویٰ کیا؟ تم نے کہا: نہیں۔ میں نے خیال کیا کہ اگر اس سے پہلے کوئی یہ دعویٰ کرتا تو میں سمجھتا ایک شخص ہے کہ جس نے ایسی بات کی تقلید کی ہے جو اس سے پہلے بھی کہی گئی۔ ابوسفیان کہتے تھے: اس کے بعد اس نے پوچھا: وہ کس بات کا تمہیں حکم دیتا ہے؟ کہتے تھے، میں نے کہا: وہ ہمیں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے اور صلہ رحمی کرنے اور بدیوں سے بچنے کا حکم کرتا ہے۔ ہرقل کہنے لگا: جو کچھ تم نے اس کے بارے میں کہا ہے اگر یہ سچ ہے تو یقیناً وہ نبی ہے اور میں جانتا تھا کہ وہ آنے والا ہے مگر میں یہ خیال نہیں کرتا تھا کہ وہ تم میں سے ہو گا اور اگر میں جانتا کہ میں اس کے پاس صحیح سالم پہنچ جاؤں گا تو میں ضرور اس کی ملاقات پسند کرتا اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو میں اس کے پاؤں دھوتا اور ضرور ضرور اس کی بادشاہت اس زمین تک پہنچ جائے گی جو میرے پاؤں کے نیچے ہے۔ ابوسفیان کہتے تھے: پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط منگوایا اور اس کو پڑھا تو اس میں یہ مضمون تھا:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ

(میں) اللہ کا نام لے کر جو بے حد کرم کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ (پڑھتا ہوں)

محمدؐ کی طرف سے جو اللہ کا رسول ہے، ہرقل کی طرف جو رومیوں کا سردار ہے۔ جس نے ہدایت (صحیح راستے) کی پیروی کی، اس پر سلامتی ہو۔ اما بعد میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرلو سلامتی میں رہو گے اور اسلام قبول کرو، اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔

عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ وَ يَآهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ إِلَى قَوْلِهِ اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران:٦٥) فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ ارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ عِنْدَهُ وَكَثُرَ اللَّغَطُ وَأُمِرَ بِنَا فَأُخْرِجْنَا قَالَ فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي حِينَ خَرَجْنَا لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ إِنَّهُ لَيَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ فَمَا زِلْتُ مُوقِنًا بِأَمْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَيَظْهَرُ حَتَّى أَدْخَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامَ. قَالَ الزُّهْرِيُّ فَدَعَا هِرَقْلُ عُظَمَاءَ الرُّومِ فَجَمَعَهُمْ فِي دَارٍ لَهُ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الرُّومِ هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرَّشَدِ آخِرَ الْأَبَدِ وَأَنْ يَثْبُتَ لَكُمْ مُلْكُكُمْ قَالَ فَحَاصُوا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الْأَبْوَابِ فَوَجَدُوهَا قَدْ غُلِّقَتْ فَقَالَ عَلَيَّ بِهِمْ فَدَعَا بِهِمْ فَقَالَ إِنِّي إِنَّمَا اخْتَبَرْتُ شِدَّتَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ مِنْكُمُ الَّذِي أَحْبَبْتُ فَسَجَدُوا لَهُ وَرَضُوا عَنْهُ.

اگر تم پھر گئے تو یاد رکھو رعایا کا وبال بھی تم پر پڑے گا اور تو کہہ: اے اہل کتاب (کم سے کم) ایک ایسی بات کی طرف تو آجاؤ جو ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان برابر ہے (اور وہ یہ ہے) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اُس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ربّ بنایا کریں۔ پھر اگر وہ پھر جائیں تو ان سے کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرمانبردار ہیں۔ جب ہرقل اس خط کے پڑھنے سے فارغ ہوا تو اس کے پاس آوازیں بلند ہوئیں اور شور بہت ہوا اور ہمارے متعلق حکم دیا گیا اور ہم نکال دیئے گئے۔ ابوسفیان کہتے تھے: جب ہم نکلے میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ابوکبشہ کے بیٹے کی تو دھاک بیٹھ گئی ہے۔ اس سے تو اب بنو اصفر کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ میں اس وقت سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے سلسلے کی نسبت یقین کئے رہا کہ وہ ضرور غالب ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ دن آیا اللہ نے مجھ کو اسلام میں داخل کیا۔ زہری کہتے تھے: ہرقل نے رومیوں کے بڑے بڑے سرداروں کو بلایا۔ ان کو اپنے ایک محل میں جمع کیا اور کہنے لگا: رومی لوگو! کیا تمہیں کامیابی اور سیدھے راستے پر آخری زمانے تک رہنے کی خواہش ہے اور یہ کہ تمہاری بادشاہت قائم رہے۔ کہتے تھے: یہ سن کر وہ جنگلی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے مگر انہوں نے ان کو بند پایا۔ ہرقل نے کہا: ان کو میرے پاس لے آؤ۔ ان کو بلایا اور کہنے لگا: میں نے تو صرف یہ آزمایا تھا کہ تم اپنے دین پر مضبوط بھی ہو۔ سو میں نے تم سے یہ بات دیکھ لی ہے جو میں چاہتا تھا۔ یہ سن کر انہوں نے اس کے سامنے سجدہ کیا اور اس سے خوش ہو گئے۔

أطرافه: ٧، ٥١، ٢٦٨١، ٢٨٠٤، ٢٩٤١، ٢٩٧٨، ٣١٧٤، ٥٩٨٠، ٦٢٦٠، ٧١٩٦، ٧٥٤١۔

تشریح: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ: اس آیت میں کلمہ سَوَاء جو آیا ہے اس کے معنی قَصْدًا ہیں۔ یعنی عادلانہ بات جو دونوں کے درمیان مشترکہ ہو۔ یہ معنی ابوعبیدہؒ نے کئے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۷۱، ۲۷۲) آیت میں دعوت توحید ہے اور دعا مباہلہ کی طرف اہل کتاب کو بلایا گیا ہے۔ فرماتا ہے کہ عیسیٰ سے متعلق یہی حق ہے جو بیان کر دیا گیا ہے۔ وہ خدا یا خدا کے بیٹے نہ تھے۔ مثل دیگر انبیاء مقدس رسول تھے۔ اگر اس حق کے بعد کوئی حجت بازی سے کام لے اور نہ مانے اور باطل عقیدہ پر مصر رہے تو ایک طریق فیصلہ باقی رہ جاتا ہے وہ عاجزانہ دعا ہے۔ اِبْتَهَلَ اِلَى اللّٰهِ کے معنی ہیں تضرع اور زاری سے دعا کی۔ چونکہ آیت میں ہے کہ ان الفاظ میں دعا کریں کہ جھوٹے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوں۔ اس لئے مباہلہ کے معنوں میں لعنت کا مفہوم شامل ہے۔ لَعَنَهُ اللّٰهُ کے معنی ہیں اللہ نے اسے دور کیا۔ جس قسم کی یہ محرومی ہوتی ہے اس کی وضاحت سابقہ باب (نمبر۳) میں مفصل مذکور ہے۔ پوری آیت یہ ہے: فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ (آل عمران: ۶۲) [1]

بَاب ۵

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ إِلَى بِهٖ عَلِيْمٌ (آل عمران: ۹۳)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے تاوقتیکہ تم اس سے خرچ نہ کرو جو تمہیں پیاری ہے

٤٥٥٤ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَكْثَرَ أَنْصَارِيٍّ بِالْمَدِينَةِ نَخْلًا وَكَانَ أَحَبَّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ

۴۵۵۴: اسماعیل (بن ابی اویس) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ مالک نے مجھے بتایا۔ اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ سے روایت ہے۔ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت ابوطلحہؓ مدینہ کے سب انصاریوں سے زیادہ کھجوروں کے درخت

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”پس جو تجھ سے اس بارے میں اس کے بعد بھی جھگڑا کرے کہ تیرے پاس علم آ چکا ہے تو کہہ دے: آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو بھی اور اپنے نفوس کو اور تمہارے نفوس کو بھی۔ پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔“

وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَّاءٍ فِيهَا طَيِّبٍ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:۹۳) قَامَ أَبُو طَلْحَةَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ اللهَ يَقُولُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءَ وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ أَرْجُو بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللهِ فَضَعْهَا يَا رَسُولَ اللهِ حَيْثُ أَرَاكَ اللهُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَخٍ ذَلِكَ مَالٌ رَايِحٌ ذَلِكَ مَالٌ رَايِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ قَالَ أَبُو طَلْحَةَ أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ وَبَنِي عَمِّهِ. قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ وَرَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ ذَلِكَ مَالٌ رَابِحٌ.

رکھتے تھے اور ان کی جائیداد میں سے ان کو سب سے زیادہ پیارا بیر حاء کا باغ تھا اور وہ مسجد کے سامنے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جایا کرتے تھے اور اس کا عمدہ پانی پیتے۔ جب یہ آیت نازل کی گئی: تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے تاوقتیکہ تم اس سے خرچ نہ کرو جو تمہیں پیاری ہے۔ حضرت ابوطلحہؓ کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے تاوقتیکہ تم اس سے خرچ نہ کرو جو تمہیں پیاری ہے اور میری جائیدادوں میں سے سب سے پیارا مجھے بیر حاء ہے اور یہ باغ اللہ کے لئے صدقہ ہے۔ میں اس کے ثواب کی امید رکھتا ہوں اور یہ کہ اللہ کے پاس (میرے لئے) بطور ذخیرہ ہوگا۔ اس لئے یا رسول اللہ! جہاں اللہ آپ کو مناسب سمجھائے وہاں صَرف کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واہ واہ یہ تو بڑا اچھا مال ہے یہ تو بڑا اچھا مال ہے اور میں نے سن لیا ہے جو تم نے کہا ہے۔ اور میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اس کو رشتہ داروں میں تقسیم کرو۔ حضرت ابوطلحہؓ نے کہا: یارسول اللہ! میں یہی کروں گا۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے اس مال کو اپنے رشتہ داروں اور چچا کے بیٹوں میں تقسیم کیا۔ عبداللہ بن یوسف اور رَوح بن عبادہ نے اپنی روایت میں یہ الفاظ کہے کہ یہ تو فائدہ دینے والا مال ہے۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ مَالٌ رَايِحٌ.

یحییٰ بن یحییٰ نے مجھ سے بیان کیا، کہا: میں نے مالک سے یوں پڑھا ہے: مَالٌ رَایِحٌ یعنی بہت عمدہ مال۔

اطرافه: ١٤٦١، ٢٣١٨، ٢٧٥٢، ٢٧٥٨، ٢٧٦٩، ٤٥٥٥، ٥٦١١۔

٤٥٥٥: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ فَجَعَلَهَا لِحَسَّانَ وَأُبَيٍّ وَأَنَا أَقْرَبُ إِلَيْهِ وَلَمْ يَجْعَلْ لِّي مِنْهَا شَيْئًا.

۴۵۵۵: محمد بن عبد اللہ انصاری نے ہم سے بیان کیا، کہا: میرے باپ نے مجھے بتایا۔ انہوں نے ثمامہ سے، ثمامہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ حضرت انسؓ نے کہا کہ حضرت ابوطلحہؓ نے وہ باغ حضرت حسانؓ اور حضرت اُبیؓ کو دے دیا۔ حالانکہ میں ان کا بہت قریبی رشتہ دار ہوں مگر میرا اُس میں کوئی حصہ نہ رکھا۔

أطرافهُ: ١٤٦١، ٢٣١٨، ٢٧٥٢، ٢٧٥٨، ٢٧٦٩، ٤٥٥٤، ٥٦١١۔

تشریح: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ: مذکورہ بالا آیت سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۹۳ ہے۔ جس کا مفہوم ظاہر ہے کہ کامل نیکی محبوب ترین اشیاء کی قربانی سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک مَا تُحِبُّوْنَ اپنے مفہوم میں بہت وسیع ہے۔ صرف مالی قربانی تک محدود نہیں جو امیر آدمی کے لئے آسان امر ہے۔ صحابہ کرام کی قربانی سے متعلق آپؑ عربی قصیدہ میں فرماتے ہیں:

قَدْ وَدَّعُوْا أَهْوَاءَهُمْ وَنُفُوْسَهُمْ وَ تَبَرَّءُوْا مِنْ كُلِّ نَشْبٍ فَانِ
ظَهَرَتْ عَلَيْهِمْ بَيِّنَاتُ رَسُوْلِهِمْ فَتَمَزَّقَ الْأَهْوَاءُ كَالْأَوْثَانِ

(آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن، جلد ۵ صفحہ ۵۹۱)

اپنی خواہشوں اور نفسوں کو چھوڑ دیا اور سب طرح کے فانی مالوں سے بیزار ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی دلیلیں ان پر ظاہر ہوئیں اس لئے ان کی نفسانی خواہشیں بتوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔ یہ دو شعر ایک لمبے قصیدے میں سے ہیں۔ جس میں صحابہ کرام کی قربانیوں کی تصویر ایسی کھینچی گئی ہے جو لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا کی عملی تفسیر ہے۔ صحابہ کرام کی قربانیوں میں امیر و غریب کا امتیاز مٹ گیا۔

زیر باب روایت آیت کا مفہوم بیان کرنے کے لئے بطور مثال درج کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے محتاج اقرباء اور چچا کے بیٹوں میں اپنا کھجور کا باغ تقسیم کر دیا، جو محتاج تھے۔ زیر باب دوسری روایت یحییٰ بن یحییٰ یہاں مختصر ہے اور کتاب الوکالۃ زیر باب ۱۵ مفصل ہے اور اس

روایت کی تیسری سند سے ظاہر ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نے حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت اُبَیّ بن کعبؓ کو حضرت انسؓ پر جو اُن سے رشتے میں زیادہ قریبی تھے مقدم کیا۔ دراصل انفاق فی سبیل اللہ حالات کے تقاضا سے ہوتا ہے۔ اس روایت سے یہی سمجھانا مقصود ہے۔

بَاب ٦: قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (آل عمران: ٩٤)

تو کہہ دے کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو

٤٥٥٦: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ الْيَهُودَ جَاءُوا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ مِّنْهُمْ وَامْرَأَةٍ قَدْ زَنَيَا فَقَالَ لَهُمْ كَيْفَ تَفْعَلُونَ بِمَنْ زَنَى مِنْكُمْ قَالُوا نُحَمِّمُهُمَا وَنَضْرِبُهُمَا فَقَالَ لَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ الرَّجْمَ فَقَالُوا لَا نَجِدُ فِيهَا شَيْئًا فَقَالَ لَهُمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ كَذَبْتُمْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (آل عمران: ٩٤) فَوَضَعَ مِدْرَاسُهَا الَّذِي يُدَرِّسُهَا مِنْهُمْ كَفَّهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ فَطَفِقَ يَقْرَأُ مَا دُونَ يَدِهِ وَمَا وَرَاءَهَا وَلَا يَقْرَأُ آيَةَ الرَّجْمِ فَنَزَعَ يَدَهُ عَنْ آيَةِ الرَّجْمِ فَقَالَ مَا هَذِهِ فَلَمَّا رَأَوْا ذَلِكَ قَالُوا هِيَ آيَةُ الرَّجْمِ فَأَمَرَ

۴۵۵۶: ابراہیم بن منذر نے مجھے بتایا کہ ابوضمرہ نے مجھ سے بیان کیا کہ موسیٰ بن عقبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے نافع سے، نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے میں سے ایک مرد اور ایک عورت کو لائے جنہوں نے زنا کیا تھا۔ آپؐ نے ان سے پوچھا: جو تم میں سے زنا کرے تم اس کے ساتھ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اُن کا منہ کالا کرتے ہیں اور اُن کو مارتے ہیں۔ اس پر آپؐ نے پوچھا: کیا تورات میں تم رجم کا حکم نہیں پاتے؟ انہوں نے کہا: ہم تو اس میں ایسا حکم بالکل نہیں پاتے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے ان سے کہا: تم نے جھوٹ کہا ہے۔ اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو۔ آخر تورات کے ایک بڑے قاری نے جو ان کو پڑھایا کرتا تھا اپنا ہاتھ رجم کی آیت پر رکھ دیا اور جو اس کے ہاتھ کے آگے اور پیچھے آیتیں تھیں وہ پڑھنے لگا اور رجم کی آیت نہیں پڑھتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اس کے ہاتھ کو رجم کی آیت

بِهِمَا فَرُجِمَا قَرِيبًا مِّنْ حَيْثُ مَوْضِعُ الْجَنَائِزِ عِنْدَ الْمَسْجِدِ قَالَ فَرَأَيْتُ صَاحِبَهَا يَجْنَأُ عَلَيْهَا يَقِيهَا الْحِجَارَةَ.

سے کھینچ کر ہٹایا اور کہا: یہ کیا ہے؟ جب انہوں نے دیکھا، کہنے لگے: یہ رجم کی آیت ہے۔ چنانچہ آپؐ نے ان دونوں کے بارے میں حکم دیا اور وہ دونوں اس جگہ کے قریب رجم کئے گئے جہاں مسجد کے پاس جنازے رکھے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے: میں نے اس عورت کے یار کو دیکھا کہ وہ اس پر جھکا جاتا تھا اور اس کو پتھروں سے بچاتا تھا۔

أطرافهُ: ١٣٢٩، ٣٦٣٥، ٦٨١٩، ٦٨٤١، ٧٣٣٢، ٧٥٤٣۔

تشریح: قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: یہ آیت سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۹۴ ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ کے بعد فرماتا ہے: كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (آل عمران:۹۴)[1] زیر باب روایت میں رجم کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ یہودیوں نے اس پر عمل ترک کر دیا تھا اور ظاہر یہ کیا جاتا تھا کہ تورات میں زنا کی یہ سزا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب شکایت آئی تو چونکہ میثاق مدینہ میں صراحت تھی کہ معاہدہ میں شریک ہونے والے اپنے اپنے مذہب کے مطابق عمل کریں گے اس لئے آنحضرت ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ تورات کی تعزیرات کے مطابق دونوں کو رجم کی سزا دی جائے۔ غور کرنے پر تورات کا حکم دکھایا گیا اور نافذ ہوا۔ اس کے لئے دیکھئے کتاب استثناء باب ۲۲: ۲۲ تا ۲۹۔

زنا کی سزا تین قسم کی ہے:

۱) شوہر والی عورت سے زنا کرنے والا ہو تو زانی اور زانیہ دونوں مارے جائیں۔

۲) کنواری لڑکی جس کی نسبت ہو چکی ہے۔ اگر اس سے زنا ہو تو مرد اور لڑکی دونوں سنگسار کئے جائیں۔ لیکن اگر ایسی لڑکی سے باہر کھیت یا میدان میں جبراً زنا کیا گیا ہو تو فقط زانی مارا جائے گا۔

۳) غیر منسوبہ کنواری لڑکی سے زنا کرنے والا لڑکی کے باپ کو پچاس مثقال چاندی دے گا اور دونوں کا نکاح کر دیا جائے گا۔

آج کل بھی تورات کے حکم سنگساری پر عمل نہیں ہوتا۔ چونکہ مے نوشی اور بے پردگی کا یہودیوں اور عیسائی

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”تمام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے سوائے ان کے جو خود اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لئے پیشتر اس کے کہ تورات اتاری جاتی۔ تُو کہہ دے کہ تورات لے آؤ اور اسے پڑھ (کر دیکھ) لو، اگر تم سچے ہو۔“

قوموں میں رواج ہے اور عیسائی خنزیر خور بھی ہیں اور دونوں قوموں میں مرد و عورت کے درمیان آزادانہ اختلاط ہے اس لئے قدیم سے زنا کی کثرت رہی ہے اور اب تو یہ کثرت حد تصور سے بھی متجاوز ہے۔ زنا سے متعلق تورات کا مذکورہ بالا حکم کالعدم ہے۔ عصمت فروشی، فحاشی اور ہم جنسیت کی کوئی سزا نہیں۔ عصمت دری کی سزا جرمانہ ہے۔ جو خاوند کو دلایا جاتا ہے۔ یہ جنس لطیف کی قدر ہے؟ حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک فیصلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں بھی زنا بکثرت تھا۔ آپ کے پاس ایک زانیہ عورت لائی گئی کہ سنگسار کی جائے، آپؑ نے فرمایا: جو معصوم ہو وہ رجم کرے۔ یہ سن کر سب چلے گئے۔ (یوحنا باب۸: ۱تا۱۱) روایت نمبر ۴۵۵۶ کو غلط نہیں کہا جاسکتا۔ جس کے راوی مسلمہ طور پر صادق ہیں۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ کے تعلق میں کھانے کی حلت و حرمت کا مضمون بے جوڑ نہیں۔ کھانے کی شہوت اور پیٹ کا دھندا انسان کو نیکیوں سے محروم کر دیتا ہے۔ آل عمران آیت نمبر ۹۶ میں ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم ہے جو حنیف تھا۔ یعنی اپنی فرمانبرداری میں یکسو۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ: اس میں شرک کا شائبہ تک نہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”جو چیز قبلۂ حق سے تمہارا منہ پھیرتی ہے وہی تمہاری راہ میں بت ہے۔“

(ازالہ اوہام حصہ دوم، روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۵۵۰)

بَاب ۷: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: ۱۱۱)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) تم (سب سے) بہتر جماعت ہو جسے لوگوں کے (فائدہ کے) لئے پیدا کیا گیا ہے

٤٥٥٧: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَيْسَرَةَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: ۱۱۱) قَالَ خَيْرَ النَّاسِ لِلنَّاسِ تَأْتُونَ بِهِمْ فِي السَّلَاسِلِ فِي أَعْنَاقِهِمْ حَتَّى يَدْخُلُوا فِي الْإِسْلَامِ.

طرفهُ: ۳۰۱۰۔

۴۵۵۷: محمد بن یوسف (فریابی) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے سفیان (ثوری) سے، سفیان نے میسرہ (بن عمار اشجعی) سے، میسرہ نے ابوحازم سے، ابوحازم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ[1] کی تفسیر سے متعلق کہا: تم لوگوں کے لئے سب سے بہتر ہو۔ تم لوگوں کو لاتے ہو کہ ان کی گردنوں میں زنجیریں پڑی ہوتی ہیں اور پھر وہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”تم بہترین امت ہو جو تمام انسانوں کے فائدہ کے لئے نکالی گئی ہو۔“

تشریح: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ: پوری آیت یہ ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (آل عمران:۱۱۱) یعنی تم (سب سے) بہتر جماعت ہو جسے لوگوں کے (فائدہ کے) لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کی ہدایت کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ ان میں سے بعض مومن بھی ہیں اور اکثر ان میں سے نافرمان ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت جو یہاں معنعن ہے سے پایا جاتا ہے کہ ہم بہتر امت اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جو نہ صرف خود راست روی اختیار کریں بلکہ لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنائیں۔ اس روایت کا یہ مفہوم نہیں کہ لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کریں، اسلام میں یہ جائز نہیں۔ امت اسلامیہ کے وجود کی غرض وغایت کتنی اعلیٰ ہے اور اب اس امت کا کیا حال ہے۔ اس مقصد اعلیٰ سے موازنہ تو کریں۔

مجدد الف ثانی کی نسبت ان کی سوانح میں لکھا ہے کہ جب کسی نے عرض کی کہ فرمائیں تو میں آپ کی بیعت کرلوں؟ فرمایا: اگر میں بیعت کرنے کے لئے تمہیں کہوں تو یہ فرمانا بھی اکراہ کی ایک صورت ہوئی جو ارشاد باری تعالیٰ لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (البقرۃ:۲۵۷) یعنی دین کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر (جائز) نہیں، کے خلاف ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی نظر سے یہ آیت اوجھل نہ تھی۔

فِي السَّلَاسِلِ فِي أَعْنَاقِهِمْ جملہ حالیہ ہے۔ یعنی تبلیغ کے ذریعہ سے لوگوں کو ایسی حالت میں لاتے ہو کہ رسم ورواج اور عادات بد کی زنجیریں ان کی گردن میں ہوتی ہیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور وہ زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اسی مفہوم میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ ؗ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (الاعراف:۱۵۸) وہ (لوگ) جو ہمارے اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو نبی ہے اور امی ہے جس کا ذکر تورات اور انجیل میں ان کے پاس لکھا ہوا موجود ہے۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم دیتا ہے اور بُری باتوں سے روکتا ہے اور سب پاک چیزیں ان پر حلال کرتا ہے اور سب بُری چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور ان کے بوجھ (جو اُن پر لادے ہوئے تھے) اور طوق جو اُن کے گلوں میں ڈالے ہوئے تھے وہ ان سے دور کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی سورۂ آلِ عمران کی مذکورہ بالا آیت سے متعلق تفسیر سورۂ اعراف کی تفسیر کے مفہوم ہی میں ہے۔ ان کے الفاظ کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ لوگوں کو جبراً اسلام میں داخل کرنے کی وجہ سے امت محمدیہ بہتر امت ہے۔ صحابہ کرام نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اسلام اور مسلمانوں نے جو خیر الامم تھے مذہبی جبر واکراہ کا مذموم طریق دنیا سے یکسر مٹا دیا۔ عَلَیْهِمْ صَلَوَاتُ اللّٰهِ۔

بَاب۸: اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا (آل عمران:۱۲۳)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:)(پھر اس وقت کو بھی یاد کر) جب (کہ ان کے حالات کو دیکھ کر) تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر تیار ہو گئے تھے

٤٥٥٨: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ فِينَا نَزَلَتْ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا (آل عمران:۱۲۳) قَالَ نَحْنُ الطَّائِفَتَانِ بَنُو حَارِثَةَ وَبَنُو سَلِمَةَ وَمَا نُحِبُّ، وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً وَمَا يَسُرُّنِي أَنَّهَا لَمْ تَنْزِلْ لِقَوْلِ اللهِ وَاللهُ وَلِيُّهُمَا.

طرفهُ: ٤٠٥١۔

۴۵۵۸: علی بن عبد اللہ (مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا، کہتے تھے: عمرو (بن دینار) نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، کہتے تھے: ہمارے متعلق آیت اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا[1] نازل ہوئی۔ کہتے تھے: ہم دو گروہ تھے، بنو حارثہ اور بنو سلمہ اور ہم یہ پسند نہیں کرتے۔ اور سفیان نے ایک دفعہ یوں کہا اور مجھے اس سے خوشی نہیں کہ یہ آیت نہ نازل ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ ان دونوں کا مددگار ہے۔

تشریح: اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا: پوری آیت ہے: اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ○ (آل عمران:۱۲۳) یعنی (یاد کرو وہ وقت) جب تم میں سے دو گروہ کمزوری دکھانے لگے تھے۔ حالانکہ اللہ ان کا مددگار تھا اور مومنوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ آیات کے سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہ اُحد کا واقعہ ہے۔ کیونکہ اس سے اگلی آیت میں یہ ذکر ہے کہ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آل عمران:۱۲۴) یعنی (اس سے پہلے) بدر کی جنگ میں جبکہ تم نہایت کمزور تھے۔ اور مذہبی دشمنوں کے ظلم وستم سے وطن سے بے وطن ہوئے اور بے وطنی میں تمہارا پیچھا کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری خارق عادت طور سے مدد کی۔ اس باب سے امام بخاری دکھانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام خود جبر واکراہ کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ چہ جائیکہ ان سے متعلق مذکورہ بالا روایت حضرت ابوہریرہؓ سے یہ سمجھا جائے کہ گویا وہ لوگوں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے اور اسلام میں جبراً داخل کئے جاتے تھے۔

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”جب تم میں سے دو گروہوں نے ارادہ کیا کہ وہ بزدلی دکھائیں حالانکہ اللہ دونوں کا ولی تھا۔“

بَاب ۹: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (آل عمران:۱۲۹)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تیرا اس معاملہ میں کچھ (دخل) نہیں

٤٥٥٩: حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمٌ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِنَ الْفَجْرِ يَقُولُ اللَّهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا وَفُلَانًا بَعْدَ مَا يَقُولُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فَأَنْزَلَ اللهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ إِلَى قَوْلِهِ فَإِنَّهُمْ ظٰلِمُونَ (آل عمران:۱۲۹). رَوَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ رَاشِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

أطرافه: ٤٠٦٩، ٤٠٧٠، ٧٣٤٦-

۴۵۵۹: حبان بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ عبداللہ (بن مبارک) نے ہمیں خبر دی کہ معمر نے ہمیں بتایا کہ زہری سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: سالم نے مجھے بتایا کہ ان کے باپ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کی آخری رکعت میں رکوع سے اپنا سر اٹھایا تو انہوں نے آپؐ کو یوں دعا کرتے سنا: اے اللہ! فلاں اور فلاں اور فلاں کو اپنی رحمت سے دور رکھیو۔ یہ آپؐ نے سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ (یعنی سن لی اللہ نے اس شخص کی جس نے اس کی حمد کی۔ اے ہمارے ربّ سب تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں۔) کے بعد کہا۔ اس لئے اللہ نے یہ آیت نازل کی: تیرا اس معاملہ میں کچھ (دخل) نہیں۔ چاہے تو انہیں عفو و رحم سے معاف کرے یا انہیں سزا دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ اسحاق بن راشد نے بھی یہ حدیث زہری سے روایت کی۔

٤٥٦٠: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ

۴۵۶۰: موسیٰ بن اسماعیل نے ہمیں بتایا کہ ابراہیم بن سعد نے ہم سے بیان کیا کہ ابن شہاب نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے سعید بن مسیب اور ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن سے، ان دونوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ عَلَى أَحَدٍ أَوْ يَدْعُوَ لِأَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوعِ فَرُبَّمَا قَالَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اللَّهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ يَجْهَرُ بِذَلِكَ وَكَانَ يَقُولُ فِي بَعْضِ صَلَاتِهِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ اللَّهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا لِأَحْيَاءٍ مِنَ الْعَرَبِ حَتَّى أَنْزَلَ اللهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (آل عمران:۱۲۹) الْآيَةَ.

رسول اللہ ﷺ جب کسی کے خلاف دعا یا کسی کے لئے دعا کا ارادہ کرتے تو بسا اوقات رکوع کے بعد جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ (یعنی سن لی اللہ نے اس شخص کی جس نے اس کی حمد کی۔ اے اللہ اے ہمارے ربّ سب تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں۔) کہہ چکتے تو بحالت قیام دعا کرتے، کہتے: اے اللہ ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے۔ اے اللہ! مضر کو سختی سے لتاڑ اور ان کے سالوں کو یوسف کے سالوں کی طرح بنا۔ یہ دعا بلند آواز سے کرتے اور اپنی کسی نماز میں یعنی صبح کی نماز میں عرب کے بعض قبیلوں کا نام لے کر یوں کہتے تھے: اے اللہ! فلاں اور فلاں قبیلہ کو رحمت سے دور رکھیو۔ آخر اللہ نے یہ آیت نازل کی: تیرا اِس معاملہ میں کچھ (دخل) نہیں۔

أطرافه: ۷۹۷، ۸۰٤، ۱۰۰٦، ۲۹۳۲، ۳۳۸٦، ٤۵۹۸، ٦۲۰۰، ٦۳۹۳، ٦۹٤۰۔

تشریح: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ: معنونہ آیت بھی مذکورہ بالا روایت سے جو غلط مفہوم لیا گیا ہے اس کو ردّ کرنے کی غرض سے لائی گئی ہے۔ پوری آیت یہ ہے: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ (آل عمران:۱۲۹) اس بات سے تیرا کوئی تعلق نہیں۔ چاہے تو وہ انہیں عفو و رحم سے معاف کرے یا انہیں سزا دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے: وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (آل عمران:۱۳۰) اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ جسے چاہتا ہے مغفرت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور اللہ بہت ہی مغفرت کرنے والا ہے جو عمل صالح کرنے والے کو بار بار اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔

جزا و سزا کے تعلق میں یہ آیت بار بار دہرائی گئی ہے کہ بادشاہت اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس نے پاداش اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور عقیدے و عمل سے متعلق اس کا علم حاوی ہے۔ انسان کوتاہ نظر ہے اس لئے اس کا حق نہیں کہ

مذہب کے بارے میں جبر و اکراہ اور درشتی و سختی سے کام لے۔ بدر و اُحد کی جنگیں الٰہی تصرف سے ہوئیں تا ظالم سزا پائیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کا اس سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔ زمین و آسمانوں کے مالک نے دیکھا کہ اس کے بندے حد سے بڑھ گئے ہیں، اس لئے ان کی تباہی کا سامان ان کے اپنے ہاتھوں سے پیدا کر دیا۔ یہ مضمون ہے باب ۹ کا اور اس تعلق میں جو روایت نقل کی گئی ہے، اس سے بھی یہی پایا جاتا ہے۔ مگر ظلم سے نجات پانے کے لئے دعا و گریہ وزاری منع نہیں۔ اس تعلق میں دیکھئے کتاب الاذان باب ۱۲۶ مع تشریح۔

اللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ: اول الذکر ولید بن مغیرہ کے بیٹے اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے بھائی ہیں۔ ثانی الذکر ان کے چچازاد ہیں۔ غزوہ بدر میں کفار مکہ کی صف میں شریک تھے شکست کھانے پر اسیر ان جنگ میں تھے فدیہ دے کر آزاد ہوئے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ جس پر قریش مکہ قید کئے گئے اور حضرت سلمہؓ اور عیاشؓ بھی درپردہ مسلمان تھے۔ (رضی اللہ عنہم) مؤخر الذکر دونوں کا حضرت ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بحالت قید سمجھوتہ ہوا اور وہ قید سے ان کے ساتھ بھاگ کر مدینہ منورہ پہنچے جہاں حضرت ولیدؓ جلدی فوت ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شہید کہا۔ بحالت قید انہیں دکھ دئے گئے تا اسلام سے پھر جائیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۸۵)

امام ابن حجرؒ نے حافظ ابو بکر بن زیاد نیشاپوری کے حوالہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں پندرہ روز رکوع کے بعد حضرت ولید رضی اللہ عنہ کی نجات کے لئے دعا فرماتے رہے۔ عید کی صبح کو دعا نہیں کی۔ حضرت عمرؓ کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ وہ مع اپنے ساتھیوں کے جو قید میں تھے مدینہ میں پہنچ گئے ہیں۔ ان کے دونوں ساتھی چچازاد بھائی تھے۔ حضرت سلمہؓ بن ہشام بن مغیرہ ابو جہل کے بھائی ہیں۔ سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اسلام قبول کرنے والوں میں سے صف اول کے مومنین میں سے تھے۔ دو ہجرتیں کی ہیں۔ ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ۔ ابو جہل نے انہیں دھوکہ دے کر حبشہ سے مکہ بلوایا اور وہاں قید کر لیا۔ پھر تینوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے نجات پائی۔ حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ۱۴ھ کو فوت ہوئے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۸۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے قنوت میں جہاں نیک کے حق میں دعا کی، وہاں بد کے خلاف بھی دعا کی۔ ظالم اپنے انتہائی ظلم و ستم کی وجہ سے اس کے مستحق تھے۔ دعا و بد دعا کا تعلق حالات سے ہے۔ واقعہ طائف میں آپؐ کو پتھروں سے لہولہان کیا گیا اور اس حالت میں آپؐ نے ان کے لئے تباہی نہیں چاہی، بلکہ ہدایت کی خواہش کی۔ یہ مشہور واقعہ ہے۔ ہبار بن اسود اور ہند زوجہ ابوسفیان کا واقعہ تاریخ اسلامی میں مشہور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینبؓ مکہ سے مدینہ کے لئے اونٹ پر سوار ہو کر جا رہی تھیں ہبار بن اسود نے مع چند اوباشوں کے ان کا تعاقب کیا اور راستے میں جا لیا اور نیزے سے اونٹ کو جو مارا وہ بدکا، جس سے آپؓ کا ہودج گر پڑا۔ حاملہ تھیں اسقاط ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی سے حال سن کر اسے سزا دینے کا اعلان فرمایا۔ مگر یہی

ہبار مدینہ میں آکر مسلمان ہو گیا۔ (الإصابة فی تمييز الصحابة، حرف الهاء، هبار بن الأسود، جزء۶ صفحہ ۴۱۲) اسے یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے انتقام نہیں لیں گے۔ یہی واقعہ ہند کا ہے جس نے جنگ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ مگر اسلام قبول کرنے پر آپؐ نے عفو سے کام لیا۔ (اسد الغابة، حرف الهاء، هند بنت عتبة، جزء۷ صفحہ ۲۸۱) وحشی قاتل حمزہؓ سے بھی یہی سلوک ہوا۔
(بخاری کتاب المغازی، باب ۲۳ روایت نمبر ۴۰۷۲)

ایک یہودی اپنے قرضہ کے مطالبہ میں آپؐ سے درشت کلامی سے پیش آیا اور حضرت عمرؓ و دیگر نے اس سے سخت کلامی کی۔ آپؐ نے انہیں روکا اور فرمایا: عمر! مجھے حسن ادائیگی کے لئے اور زید کو حسن تقاضا کا مشورہ دیتے اور زید سے فرمایا کہ ابھی تو دو تین دن باقی ہیں۔ مگر حضرت عمرؓ کی وجہ سے زید کو بیس صاع زائد دلوائے کہ عمرؓ نے اس کو بُرا بھلا کہا ہے۔[1]

ایسے شفیق و کریم سے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ بد دعائیں کیا کرتا تھا آپؐ کی دعاؤں کی حقیقت نہ جاننے کے مترادف ہے۔ آپؐ کی دشمنوں کے خلاف دعائیں دراصل اُن کے حق میں ہی تھیں۔ کیونکہ اُن کی لمبی مہلت اُن کے نامۂ اعمال کی سیاہی کو بڑھانے اور بہتوں کی گمراہی کا موجب بن رہی تھی، اس لیے اُن کی ہلاکت خود اُن کے لیے بھی اور دوسرے کے لیے بھی خیر کو اپنے دامن میں لیے ہوئے تھی۔ آپؐ نے تو بد دعا سے روکا ہے۔[2] غرض لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ جو غزوہ احد کے تعلق میں نازل ہوئی ہے اس کے تحت مذکورہ بالا روایت (نمبر ۴۵۵۹) کے نقل کرنے سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دعا و بد دعا میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیا ہے۔ اس آیت کے نزول سے صرف تطبیق مراد ہے۔ کیونکہ رعل و ذکوان و عصیہ کا واقعۂ ظلم غزوہ احد کے بعد ہوا تھا۔ (دیکھئے کتاب المغازی، تشریح باب ۲۸) امام ابن حجرؒ نے اسی امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ مذکورہ بالا آیت کا نزول واقعہ رعل سے بہت پہلے غزوہ احد کے تعلق میں ہوا تھا اور انہوں نے اس مشکل کا حل یہ کیا ہے کہ الفاظ حَتّٰى أَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (آل عمران:۱۲۹) یعنی تیرا اِس معاملہ میں کچھ (دخل) نہیں، منقطع (الگ) اور از قبیل ادراج ضمنی ہے۔ مذکورہ بالا روایت زہری کی روایت کا حصہ نہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۸۶) امام مسلمؒ نے اس مشکل کا حل کیا ہے اور بتایا ہے کہ زہری نے بسند یونس کہا کہ ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بد کے خلاف دعا ترک کر دی تھی۔[3] سو اس خبر کی صحت محل شبہ ہے۔ امام مسلم و امام احمد نے غزوہ احد میں آپؐ

[1] (المستدرك، كتاب البيوع، وَأَمَّا حَدِيثُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، جزء۲ صفحہ ۳۷)
(المستدرك، كِتَابُ مَعْرِفَةِ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم، ذِكْرُ إِسْلَامِ زَيْدِ بْنِ سَعْنَةَ، جزء۳ صفحہ ۷۰۰)
[2] (بخاری، کتاب الادب، بَاب لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاحِشاً وَلَا مُتَفَاحِشًا، روایت نمبر ۶۰۳۰)
(ترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی اللعن والطعن)
[3] (مسلم، کتاب المساجد، باب استعجاب القنوت فی جمیع الصلاة إذا نزلت بالمسلمین نازلة)

کے زخمی ہونے اور دانت ٹوٹنے پر آپؐ کا ارشاد كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ فَعَلُوا هَذَا بِنَبِيِّهِمْ وَهُوَ يَدْعُوهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ[1]
(وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جنہوں نے اپنے نبیؐ سے ایسا سلوک کیا جبکہ وہ اُنہیں اُن کے ربّ کی طرف بلاتا ہے)
نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ (فتح الباری جزء٨ صفحہ ٢٨٦) اس سے بھی ظاہر ہے کہ
یہ ان کا قیاس ہے اور تطبیق آیت کی ایک مثال دی ہے۔ سیاق آیات سے اصل موضوع اوپر واضح کیا جا چکا ہے۔

بَاب ١٠: وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ أُخْرٰىكُمْ (آل عمران: ١٥٤)

حالانکہ رسول تمہاری سب سے پچھلی جماعت میں (کھڑا) تمہیں بلا رہا تھا

وَهْوَ تَأْنِيثُ آخِرِكُمْ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ (التوبة: ٥٢) فَتْحًا أَوْ شَهَادَةً.

یہ (أُخْرٰىكُمْ) آخِرِكُمْ کی مؤنث ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: (ان آیات میں) جو إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ہے، اس سے مراد فتح یا شہادت ہے۔

٤٥٦١: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ جَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الرَّجَّالَةِ يَوْمَ أُحُدٍ عَبْدَ اللهِ بْنَ جُبَيْرٍ وَأَقْبَلُوا مُنْهَزِمِينَ فَذَاكَ إِذْ يَدْعُوهُمُ الرَّسُولُ فِي أُخْرَاهُمْ وَلَمْ يَبْقَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا.

٤٥٦١: عمرو بن خالد نے ہم سے بیان کیا کہ زہیر نے ہمیں بتایا۔ ابو اسحاق نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے سنا، کہتے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اُحد کے دن پیادہ فوج پر حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ کو سردار مقرر کیا اور یہ شکست کھا کر بھاگے چلے آئے۔ تو یہ وہ ہے (جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) کہ رسول ان کے پچھلے حصہ میں (کھڑا) انہیں بلا رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوائے بارہ آدمیوں کے کوئی باقی نہ رہا تھا۔

أطرافهُ: ٣٠٣٩، ٣٩٨٦، ٤٠٤٣، ٤٠٦٧۔

تشریح: وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ أُخْرٰىكُمْ: پوری آیت یہ ہے: اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ

[1] (مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب غزوة احد)
(مسند احمد بن حنبل، مسند المكثرين، مسند انس بن مالك، جزء٣ صفحہ ٩٩)

اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (آل عمران:۱۵۴) یعنی جب تم دوڑے چلے جارہے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر نہیں دیکھتے تھے حالانکہ رسول تمہاری سب سے پچھلی جماعت میں (کھڑا) تمہیں بلا رہا تھا۔ اِس پر اس نے تمہیں ایک غم کے بدلہ میں ایک اور غم دیا تا کہ جو کچھ تم سے جاتا رہا ہے اور جو (دکھ) تمہیں پہنچا ہے۔ اس پر تم غمگین نہ ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے جانتا ہے۔ ایک غم صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا تھا کہ انہوں نے میدان جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکیدی ہدایت ملحوظ نہیں رکھی اور اپنا مورچہ چھوڑ کر پہاڑی سے نیچے اتر آئے تا بھاگتے دشمن کا تعاقب کریں اور غنیمت حاصل کریں اور دوسرا غم شکست کا جو بطور سزا انہیں ملا کہ انہوں نے نافرمانی کی جس کی سزا اُسی وقت پالی اور ان کے توبہ کرنے پر ان سے درگذر ہوا۔

اس آیت کا تعلق غزوہ احد سے ہے۔ یہاں لفظ اُخْرٰىكُمْ کی شرح مقصود ہے، جو ابو عبیدہؒ سے مروی ہے[1] اور آخَرُ کی مونث ہے نہ کہ آخِرُ کی جو آخری ہے، مراد پچھلی صف میں۔ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ سورۂ توبہ کی آیت ۵۲ میں آیا ہے۔ یہاں ذکر کرنے سے یہ مقصود ہے کہ غزوہ احد میں صحابہ کرام کو دونوں قسم کے ثواب حاصل ہوئے۔ حضرت براء بن عازبؓ کی مذکورہ بالا روایت غزوہ احد کے تعلق میں کتاب المغازی زیر باب ۱۷ مع تفصیلی واقعات گذر چکی ہے۔

بَاب ۱۱: اَمَنَةً نُّعَاسًا (آل عمران:۱۵۵)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) امن کو جو اونگھ کی صورت میں تھا

٤٥٦٢: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَبُو يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسٌ أَنَّ أَبَا طَلْحَةَ قَالَ غَشِيَنَا النُّعَاسُ وَنَحْنُ فِي مَصَافِّنَا يَوْمَ أُحُدٍ قَالَ فَجَعَلَ سَيْفِي يَسْقُطُ مِنْ يَدِي وَآخُذُهُ وَيَسْقُطُ وَآخُذُهُ.

طرفہُ: ٤٠٦٨۔

۴۵۶۲: اسحاق بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن ابو یعقوب (بغدادی) نے مجھے بتایا کہ حسین بن محمد نے ہم سے بیان کیا کہ شیبان نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے قتادہ سے روایت کی۔ (انہوں نے کہا:) حضرت انسؓ نے ہم سے بیان کیا کہ حضرت ابوطلحہؓ کہتے تھے: ہم پر اونگھ طاری ہوگئی جبکہ ہم اُحد کے دن اپنی اپنی جگہ صفوں میں تھے۔ کہتے تھے: میری تلوار میرے ہاتھ سے گرنے لگی۔ میں اس کو پکڑتا اور وہ گر پڑتی اور میں پھر اس کو پکڑ لیتا۔

[1] (مجاز القرآن، تفسیر سورۃ آل عمران، آیت وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ، جزء اول صفحہ ۱۰۵)

تشریح: **اَمَنَةً نُّعَاسًا:** یہ فقرہ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۵۵ میں آیا ہے۔ راوی ابو یعقوب بغدادی ملقب لؤلؤیا یؤیؤ امام ابن حجرؒ کے نزدیک ثقہ ہیں۔ صحیح بخاری میں ان کی دو روایات ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۸۷)

بَاب ۱۲

اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ ؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡہُمۡ وَ اتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ (آل عمران:۱۷۳)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جن لوگوں نے اللہ اور رسول کا حکم اپنے زخمی ہونے کے بعد (بھی) قبول کیا ان میں سے ان کے لئے جنہوں نے اچھی طرح اپنا فرض ادا کیا ہے اور تقویٰ اختیار کیا ہے بڑا اجر ہے

الْقَرْحُ (آل عمران:۱۷۳) الْجِرَاحُ. اسْتَجَابُوْا (آل عمران:۱۷۳) أَجَابُوا. يَسْتَجِيْبُ (الانعام:۳۷) يُجِيبُ.

اَلْقَرْحُ کے معنی ہیں زخم۔ اِسْتَجَابُوْا کے معنی ہیں مانا۔ یَسْتَجِیْبُ کے معنی ہیں وہ مانتا ہے۔

تشریح: **اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ:** اس باب کے تحت کوئی روایت نہیں۔ عنوان باب ہی میں اَلْقَرْحُ کے معنی زخم دئے گئے ہیں۔ اہل کوفہ قُرْح پڑھتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے قَرْح پڑھا ہے۔ اخفش کے نزدیک ضمہ سے اہل حجاز پڑھتے ہیں اور ان کے ماسوا فتح کے ساتھ۔ امام راغب نے فتح سے قَرْح زخم کا ظاہری اثر اور ضمہ سے قُرْح جسم کے اندر کا زخم مراد لیا ہے۔ اردو میں گھاؤ کہتے ہیں۔ اِسْتَجَابُوْا بمعنی أَجَابُوا ابو عبیدہؒ نے کئے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: اِسْتَجَبْتُكَ أَيْ أَجَبْتُكَ میں نے آپ کو جواب دیا۔ یعنی آپ کا فرمان مان لیا۔ ابن حجرؒ نے کعب غنوی کا یہ شعر بطور حوالہ پیش کیا ہے:

وَدَاعٍ دَعَا يَا مَنْ يُّجِيبُ إِلَى النَّدَى		فَلَمْ يَسْتَجِبْهُ عِنْدَ ذَاكَ مُجِيبُ

اور پکارنے والے نے پکارا، کون ہے جو پکار کا جواب دے؟ سو کسی جواب دینے والے نے اس وقت جواب نہیں دیا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۸۷)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مومن اور اعمال صالحہ بجالانے والے اللہ کا ارشاد قبول کرتے ہیں اور عملاً جواب دیتے ہیں اور زخم ان کے لئے مانع نہیں ہوتے۔ اس تعلق میں کتاب المغازی، باب ۲۵ بھی ملاحظہ ہو۔

بَاب ١٣

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ (آل عمران:١٧٤) الْآيَةَ

(یہ) وہ (لوگ ہیں) جنہیں دشمنوں نے کہا تھا کہ لوگوں نے تمہارے خلاف (لشکر) جمع کیا ہے

٤٥٦٣: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ أُرَاهُ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران:١٧٤) قَالَهَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَام حِينَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَقَالَهَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَالُوا اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ.

(آل عمران:١٧٤)

طرفہ: ٤٥٦٤۔

۴۵٦٣: احمد بن یونس نے ہم سے بیان کیا۔ میں سمجھتا ہوں انہوں نے یہ کہا کہ ابوبکر (بن عیاش) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابوحصین (عثمان بن عاصم) سے، انہوں نے ابوالضحٰی سے، ابوالضحٰی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ ''اللہ ہی ہمارے لیے کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔'' یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا جس وقت وہ آگ میں ڈالے گئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی کہا تھا جس وقت لوگوں نے کہا: ان لوگوں نے تمہارے لئے بڑی تیاری کی ہے اس لئے ان سے ڈرو۔ تو اس بات نے ان کو ایمان میں اور بڑھا دیا اور انہوں نے کہا: اللہ ہی ہمارے لیے کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔

٤٥٦٤: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ آخِرَ قَوْلِ إِبْرَاهِيمَ حِينَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.

طرفہ: ٤٥٦٣۔

۴۵٦۴: مالک بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا کہ اسرائیل نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابوحصین سے، ابوحصین نے ابوالضحٰی سے، ابوالضحٰی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت ابراہیمؑ کی آخری بات جب وہ آگ میں ڈالے گئے یہ تھی: اللہ ہی مجھے بس ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔

تشریح: اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ: یہ مذکورہ بالا آیت کے معاً بعد ہے اور پوری آیت یہ ہے: اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ○ (آل عمران:۱۷۴) یعنی (یہ) وہ (لوگ ہیں) جنہیں دشمنوں نے کہا تھا کہ لوگوں نے تمہارے خلاف (لشکر) جمع کیا ہے۔ اس لئے تم ان سے ڈرو۔ تو اس (بات) نے ان کے ایمان کو اور بھی بڑھادیا اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے اللہ (کی ذات) کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ اس تعلق میں دیکھئے کتاب المغازی، تشریح باب ۲۹

حِينَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ: قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کے خلاف قتل یا جلانے کی تدبیر کی تھی جو قدیم زمانہ میں مرتد کی سزا تھی۔ یورپی قوموں میں جلانا تھا اور مشرقی اقوام میں قتل یا سنگساری۔ فرماتا ہے: فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ (العنکبوت:۲۵) [1] سورۃ الانبیاء میں بھی ہے: وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ○ (الانبیاء:۷۱) اور انہوں نے اس کی نسبت تدبیر کی اور ہم نے انہیں ناکام کر دیا۔ آیا مخالفت کی آگ مراد ہے یا چتا تیار کی گئی، جیسا کہ ہندوؤں میں بھی رواج تھا، جسے لارڈ ہیٹنگ نے حکماً منسوخ کیا۔ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ آگ اس کے حکم سے ٹھنڈی ہو جائے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے اور وہی کارساز ہوتا ہے۔ ان کے دل و دماغ پر حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ کا کلمہ عالم بالا سے نازل ہوتا ہے اور ان کا رُواں رواں اس کے ورد میں خود بخود مشغول رہتا ہے۔ قدرت الٰہی کا یہ مشاہدہ ہمارا اپنا بھی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تاویلات رقیقہ کے وساوس کو دور کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ اگر آپؑ کے دشمن آپؑ کو سچ مچ چتا میں ڈالیں تو اللہ تعالیٰ آپؑ کو بھی نجات دے گا اور آپؑ کو اس بارہ میں ان الفاظ میں وحی ہوئی:

”آگ سے ہمیں مت ڈرا۔ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔“

(تذکرہ صفحہ ۳۲۴)

بَاب ١٤

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (آل عمران: ۱۸۱) الْآيَةَ

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور جو لوگ اس (مال کے دینے) میں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے بخل کرتے ہیں وہ یہ ہرگز نہ سمجھیں...

سَيُطَوَّقُوْنَ (آل عمران: ۱۸۱) كَقَوْلِكَ سَيُطَوَّقُوْنَ (یقیناً انہیں طوق پہنایا جائے گا)

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”پس اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا اسے قتل کر دو یا جلا دو پس اللہ نے اسے آگ سے نجات بخشی۔“

طَوَّقْتُهُ بِطَوْقٍ.

تیرے قول طَوَّقْتُهُ بِطَوْقٍ کہنے کی طرح ہے یعنی میں نے اس کو طوق پہنایا۔

٤٥٦٥: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ سَمِعَ أَبَا النَّضْرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ يَقُولُ أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ إِلَى آخِرِ الآيَةِ.

(آل عمران: ۱۸۱)

أطرافه: ١٤٠٣، ٤٦٥٩، ٦٩٥٧۔

۴۵۶۵: عبداللہ بن منیر نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے ابونضر (ہاشم بن قاسم) سے سنا کہ عبدالرحمٰن نے جو کہ عبداللہ بن دینار کے بیٹے ہیں ہمیں بتایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے ابوصالح سے، ابوصالح نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ نے مال دیا ہو اور پھر وہ اس کی زکوٰۃ نہ دے تو اس کا مال اس کے سامنے قیامت کے دن گنجے سانپ کی شکل میں پیش کیا جائے گا۔ جس کی آنکھوں پر دو کالے نقطے ہوں گے۔ وہ اپنی دونوں باچھوں سے پکڑ کر کہے گا: میں تمہارا مال ہوں، میں تمہارا خزانہ ہوں۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: اور جو لوگ اس (مال کے دینے) میں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے بخل کرتے ہیں۔ وہ اپنے لئے (اس کو) ہرگز اچھا نہ سمجھیں (اچھا نہیں) بلکہ وہ ان کے لئے بُرا ہے جن مالوں میں وہ بخل سے کام لیتے ہیں قیامت کے دن یقیناً ان کا طوق بنایا جائے گا (اور ان کے گلوں میں ڈالا جائے گا) اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے اور جو (کچھ) تم کرتے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے۔

تشریح: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ...: اور جو لوگ اس (مال کے دینے) میں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے بخل کرتے ہیں۔ وہ اپنے لئے (اس کو) ہرگز اچھا نہ سمجھیں (اچھا نہیں) بلکہ وہ ان کے لئے بُرا ہے جن مالوں میں وہ بخل سے کام لیتے ہیں قیامت کے دن یقیناً ان کا طوق بنایا جائے گا (اور ان کے گلوں میں ڈالا جائے گا) اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے اور جو (کچھ) تم کرتے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے۔ اس آیت سے متعلق علماء میں دو طرح کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ طوق معنوی ہے یا حسی۔ ابو عبیدہؒ کی شرح کا حوالہ دیا گیا ہے کہ طوق کا استعمال مجازی ہے اور اس کا مفہوم يُلْزَمُوْنَ ہے کہ بخل کے نتائج لازماً بھگتیں گے۔[1] دوسرا اختلاف یہ ہے کہ کن کے متعلق یہ انذار ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ زکوٰۃ وصدقات نہ دینے والوں سے متعلق۔ مفسرین کا اسی امر پر اتفاق ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ جہاد کے موقع پر نہ خرچ کرنے والوں کے متعلق اور ابن جریج اور زجاج نے کہا کہ یہودیوں کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو اوصاف بیان ہوئے ہیں وہ یہود چھپاتے تھے اور بخل سے کام لیتے تھے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۸۹، ۲۹۰) ہر قسم کا بخل کرنے والوں پر یہ آیت چسپاں ہو سکتی ہے۔ روایت زیر باب سے ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک اس کے مصداق زکوٰۃ نہ دینے والے ہیں، جو ارکان اسلام سے ہے۔

بَاب ۱۵: وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا (آل عمران:۱۸۷)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور تم ضرور ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان سے (بھی) جو مشرک ہیں بہت دکھ (دینے والا کلام) سنو گے

٤٥٦٦: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ عَلَى حِمَارٍ عَلَى قَطِيفَةٍ فَدَكِيَّةٍ وَأَرْدَفَ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَرَاءَهُ يَعُودُ سَعْدَ بْنَ

۴۵۶۶: ابوالیمان نے ہم سے بیان کیا۔ شعیب نے ہمیں بتایا کہ زہری سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: عروہ بن زبیر نے مجھے بتایا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گدھے پر سوار ہوئے جس پر فدک کی بنی ہوئی کملی ڈالی ہوئی تھی اور آپؐ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کو جارہے

[1] (مجاز القرآن لابی عبیدۃ، تفسیر سورۃ آل عمران، آیت وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ، جزء اول صفحہ ۱۱۰)

عُبَادَةَ فِي بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ قَبْلَ وَقْعَةِ بَدْرٍ قَالَ حَتَّى مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ وَذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ فَإِذَا فِي الْمَجْلِسِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودِ وَالْمُسْلِمِينَ وَفِي الْمَجْلِسِ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَلَمَّا غَشِيَتِ الْمَجْلِسَ عَجَاجَةُ الدَّابَّةِ خَمَّرَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ أَنْفَهُ بِرِدَائِهِ ثُمَّ قَالَ لَا تُغَبِّرُوا عَلَيْنَا فَسَلَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثُمَّ وَقَفَ فَنَزَلَ فَدَعَاهُمْ إِلَى اللهِ وَقَرَأَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ أَيُّهَا الْمَرْءُ إِنَّهُ لَا أَحْسَنَ مِمَّا تَقُولُ إِنْ كَانَ حَقًّا فَلَا تُؤْذِنَا بِهِ فِي مَجْلِسِنَا ارْجِعْ إِلَى رَحْلِكَ فَمَنْ جَاءَكَ فَاقْصُصْ عَلَيْهِ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ فَاغْشَنَا بِهِ فِي مَجَالِسِنَا فَإِنَّا نُحِبُّ ذَلِكَ فَاسْتَبَّ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ حَتَّى كَادُوا يَتَثَاوَرُونَ فَلَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تھے جو بنو حارث بن خزرج کے محلہ میں تھے۔ یہ واقعہ غزوہ بدر سے پہلے کا ہے۔ حضرت اسامہؓ کہتے تھے: چلتے چلتے آپؐ ایک ایسی مجلس کے پاس سے گزرے جس میں عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول تھا اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن اُبَیّ ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اس مجلس میں کچھ مشرک یعنی بت پرست اور کچھ یہودی اور کچھ مسلمان ملے جلے لوگ تھے، اور مجلس میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی تھے۔ جب اس جانور کی گرد مجلس پر پڑی تو عبداللہ بن اُبَیّ نے اپنی چادر سے اپنی ناک ڈھانکی اور کہنے لگا: ہم پر گرد نہ اڑاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو السلام علیکم کہا اور ٹھہر گئے اور گدھے سے اترے۔ آپؐ نے ان کو اللہ کی طرف بلایا اور انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول نے کہا: اے مرد! بات جو تم کہتے ہو اس سے اچھی کوئی اور بات نہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو ہماری مجلس میں آکر اس سے تکلیف نہ دیا کرو۔ اپنے ٹھکانے پر ہی واپس جاؤ۔ پھر جو تمہارے پاس آئے اس سے یہ بیان کیا کرو۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے یہ سن کر کہا: نہیں، یارسول اللہ۔ ہماری ان مجلسوں ہی میں آکر ہمیں آپؐ پڑھ کر سنایا کریں۔ ہمیں تو یہ بات پسند ہے۔ اس پر مسلمان، مشرک اور یہودی ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ کرتے، مگر نبی ﷺ جوش

يُخَفِّضُهُمْ حَتَّى سَكَنُوا ثُمَّ رَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَابَّتَهُ فَسَارَ حَتَّى دَخَلَ عَلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا سَعْدُ أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالَ أَبُو حُبَابٍ يُرِيدُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ قَالَ كَذَا وَكَذَا قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ يَا رَسُولَ اللهِ اعْفُ عَنْهُ وَاصْفَحْ عَنْهُ فَوَالَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ لَقَدْ جَاءَ اللهُ بِالْحَقِّ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ وَلَقَدْ اصْطَلَحَ أَهْلُ هَذِهِ الْبُحَيْرَةِ عَلَى أَنْ يُتَوِّجُوهُ فَيُعَصِّبُونَهُ بِالْعِصَابَةِ فَلَمَّا أَبَى اللهُ ذَلِكَ بِالْحَقِّ الَّذِي أَعْطَاكَ اللهُ شَرِقَ بِذَلِكَ فَذَلِكَ فَعَلَ بِهِ مَا رَأَيْتَ فَعَفَا عَنْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ يَعْفُونَ عَنِ الْمُشْرِكِينَ وَأَهْلِ الْكِتَابِ كَمَا أَمَرَهُمُ اللهُ وَيَصْطَبِرُونَ عَلَى الْأَذَى قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا (آل عمران:۱۸۷) الْآيَةَ، وَقَالَ اللهُ وَدَّ

دباتے رہے۔ آخر وہ رک گئے۔ پھر اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانور پر سوار ہو کر چلے گئے یہاں تک کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کے پاس آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: سعد! کیا تم نے نہیں سنا جو ابو حباب نے کہا؟ آپؐ کی مراد عبداللہ بن اُبَیّ سے تھی۔ آپؐ نے فرمایا: اس نے (مجھے) یوں یوں کہا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا: یارسول اللہ! آپؐ اس کو معاف کر دیں اور اس سے در گزر کیجئے۔ اس ذات کی قسم ہے جس نے آپؐ پر کتاب نازل فرمائی ہے، اللہ اب وہ حق یہاں لے آیا ہے جس کو اس نے آپؐ پر نازل کیا۔ اس بستی والوں نے تو یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس (عبداللہ بن اُبَیّ) کو سرداری کا تاج پہنا کر عمامہ اس کے سر پر باندھیں۔ جب اللہ نے اس حق کی وجہ سے جو اللہ نے آپؐ کو عطا کیا ہے یہ منظور نہ کیا۔ تو وہ حسد کی آگ میں جل گیا۔ اس لئے اس نے وہ کچھ کیا جو آپؐ نے دیکھا۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے در گزر کیا اور نبی ﷺ اور آپؐ کے صحابہ مشرکوں اور اہل کتاب سے جیسا کہ اللہ نے انہیں حکم دیا درگزر کیا کرتے تھے اور ان کی ایذا ہی پر صبر کیا کرتے تھے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: اور تم ضرور ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان سے (بھی) جو مشرک ہیں بہت دکھ (دینے والا کلام) سنو گے۔ اور اللہ نے فرمایا: اہل کتاب

كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ (البقرة:١١٠) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَأَوَّلُ الْعَفْوَ مَا أَمَرَهُ اللهُ بِهِ حَتَّى أَذِنَ اللهُ فِيهِمْ فَلَمَّا غَزَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدْرًا فَقَتَلَ اللهُ بِهِ صَنَادِيدَ كُفَّارِ قُرَيْشٍ قَالَ ابْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ وَمَنْ مَّعَهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَعَبَدَةِ الْأَوْثَانِ هَذَا أَمْرٌ قَدْ تَوَجَّهَ فَبَايَعُوا الرَّسُولَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَأَسْلَمُوا.

میں سے بہت سے لوگ بعد اس کے کہ حق ان پر خوب کھل چکا ہے اس حسد کی وجہ سے جو ان کی اپنی ہی جانوں سے (پیدا ہوا) ہے چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لے آنے کے بعد تمہیں پھر کافر بنا دیں۔ پس تم اس وقت تک کہ اللہ اپنے حکم کو نازل فرمائے انہیں معاف کرو اور (ان سے) درگزر کرو۔ اللہ یقیناً ہر ایک امر پر پورا (پورا) قادر ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم عفو کو ہی مناسب سمجھتے تھے، جیسا کہ اللہ نے آپؐ کو حکم دیا تھا۔ آخر اللہ نے ان کو اجازت دے دی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقام پر (ان کا) مقابلہ کیا اور اللہ نے اس لڑائی میں کفار قریش کے بڑے بڑے سرغنے مار ڈالے تو (عبداللہ) بن اُبَیّ بن سلول اور جو اس کے ساتھ مشرک اور بت پرست تھے کہنے لگے: اب تو یہ سلسلہ شاندار ہوگیا ہے۔ انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام پر قائم رہنے کی بیعت کر لی اور وہ مسلمان ہو گئے۔

أطرافه: ٢٩٨٧، ٥٦٦٣، ٥٩٦٤، ٦٢٠٧-

تشریح: وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا: یہ آیت یوں شروع ہوتی ہے: لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ... یعنی ضرور تم اپنے اموال اور اپنی جانوں کے معاملے میں آزمائے جاؤ گے اور تم ضرور ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا، بہت تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یقیناً یہ ایک بڑا باہمت کام ہے۔

روایت زیر باب میں دونوں باتیں بیان ہیں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کا صبر اور اس صبر کا اہم نتیجہ۔ کعب بن اشرف آنحضرت ﷺ اور صحابہ وصحابیات کی افحش ترین ہجو کیا کرتا تھا۔ (کتاب المغازی، تشریح باب ۱۵)

دوسری آیت جس کا حوالہ روایت کے آخر میں ہے سورۂ بقرہ کی ہے۔ اس میں بھی یہی حکم ہے کہ اہل کتاب تمہیں مرتد کرنے کی آرزو کریں گے۔ فَاعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرة:۱۱۰) تم عفو و در گزر سے کام لیتے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم صادر کر دے۔ یقیناً اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ شَيْءٌ کے معنی وہ بات جو وہ چاہتا ہے۔ شَاءَ يَشَاءُ سے اسم مشتق ہے۔ شَيْءٌ مَا أُرِيْدَ۔ یعنی جس کا ارادہ کیا جائے اسے شَيْءٌ کہتے ہیں۔

بَاب ١٦ : لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا (آل عمران:۱۸۹)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تو ان لوگوں کے متعلق جو اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں ہرگز گمان نہ کر

٤٥٦٧ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُنَافِقِينَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْغَزْوِ تَخَلَّفُوا عَنْهُ وَفَرِحُوا بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَذَرُوا إِلَيْهِ وَحَلَفُوا وَأَحَبُّوا أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَنَزَلَتْ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ (آل عمران:۱۸۹) الْآيَةَ.

۴۵۶۷: سعید بن ابی مریم نے ہم سے بیان کیا کہ محمد بن جعفر نے ہمیں خبر دی، کہا: زید بن اسلم نے مجھے بتایا۔ انہوں نے عطاء بن یسار سے، عطاء نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقوں میں سے کچھ آدمی ایسے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہم کے وقت نکلتے تو وہ آپؐ سے پیچھے رہ جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے بیٹھ رہنے پر خوش ہوتے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (واپس) آتے تو وہ آپؐ سے معذرتیں کرتے اور قسمیں کھاتے اور یہ چاہتے کہ جو کام انہوں نے کیا نہیں اس پر ان کی تعریف کی جائے۔ اس لئے یہ آیت نازل ہوئی: تو ان لوگوں کے متعلق جو اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں ہرگز گمان نہ کر۔

٤٥٦٨ : حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ

۴۵۶۸: ابراہیم بن موسیٰ نے مجھ سے بیان کیا کہ ہشام نے ہمیں خبر دی۔ ابن جریج نے ان کو

عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ مَرْوَانَ قَالَ لِبَوَّابِهِ اذْهَبْ يَا رَافِعُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْ لَئِنْ كَانَ كُلُّ امْرِئٍ فَرِحَ بِمَا أُوتِيَ وَأَحَبَّ أَنْ يُحْمَدَ بِمَا لَمْ يَعْمَلْ مُعَذَّبًا لَنُعَذَّبَنَّ أَجْمَعُونَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَا لَكُمْ وَلِهَذِهِ إِنَّمَا دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهُودَ فَسَأَلَهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَكَتَمُوهُ إِيَّاهُ وَأَخْبَرُوهُ بِغَيْرِهِ فَأَرَوْهُ أَنْ قَدِ اسْتَحْمَدُوا إِلَيْهِ بِمَا أَخْبَرُوهُ عَنْهُ فِيمَا سَأَلَهُمْ وَفَرِحُوا بِمَا أَتَوْا مِنْ كِتْمَانِهِمْ ثُمَّ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (آل عمران:۱۸۸) كَذَلِكَ حَتَّى قَوْلِهِ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا.

(آل عمران:۱۸۹)

بتایا کہ ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ علقمہ بن وقاص نے ان سے بیان کیا کہ مروان نے اپنے دربان سے کہا: رافع! حضرت ابن عباسؓ کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو: اگر تو ہر اُس شخص کو سزا دی جائے گی جو عطا کردہ نعمتوں پر اترایا اور چاہا کہ جو اس نے نہیں کیا اس پر اس کی تعریف کی جائے تو یقیناً ہم سبھی کو سزا دی جائے گی۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ سن کر کہا: اس آیت سے تمہارا کیا تعلق۔ واقعہ تو صرف یہ ہوا تھا کہ نبی ﷺ نے یہود کو بلایا اور ان سے کسی بات کا مطلب پوچھا، جو انہوں نے آپؐ سے چھپایا اور انہوں نے آپؐ کو کوئی اور بات بتائی۔ پھر یہ سمجھنے لگے کہ اب وہ آپؐ کے نزدیک قابل تعریف ہوگئے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے آپؐ کو وہ بات بتادی جو آپؐ نے ان سے پوچھی تھی اور جو حکم انہیں دیا گیا تھا اسے چھپا کر وہ خوش ہوگئے۔ پھر (یہ واقعہ بیان کرکے) حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت پڑھی: اور (اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ نے ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے عہد لیا تھا کہ تم ضرور لوگوں کے پاس اس (کتاب) کو ظاہر کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں مگر باوجود اس کے انہوں نے اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اسے چھوڑ کر تھوڑی (سی) قیمت لے لی، جو کچھ وہ لیتے ہیں وہ کیا ہی بُرا ہے۔ تُو ان لوگوں کو جو اپنے کیے پر اتراتے ہیں اور جو (کام) انہوں نے نہیں کیا اس کی بابت (بھی) چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے...۔

تَابَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ.

(ہشام بن یوسف کی طرح) عبدالرزاق نے بھی ابن جریج سے یہی روایت بیان کی۔

حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ مَرْوَانَ بِهَذَا.

(محمد) ابن مقاتل نے ہم سے بیان کیا کہ حجاج (بن محمد) نے ہمیں بتایا۔ ابن جریج سے روایت ہے کہ ابن ابی ملیکہ نے مجھے بتایا۔ حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ انہوں نے مروان کا یہ واقعہ بیان کیا۔

تشریح: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا: پوری آیت یہ ہے: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (آل عمران:۱۸۹) تو ان لوگوں کو جو اپنے کئے پر اتراتے ہیں اور جو (کام) انہوں نے نہیں کیا اس کی بابت (بھی) چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے۔ بالکل نہ سمجھ کہ وہ عذاب سے محفوظ ہیں (وہ پکڑے جائیں گے) اور ان کے لئے دردناک عذاب (مقدر) ہے۔

اَتَوْا کی ایک قرأت اُوْتُوْا بھی ہے۔ (مِنَ الْعِلْمِ یعنی اہل کتاب جو علم دیئے گئے ہیں۔ مگر مشہور قراءت وہی ہے جو عنوان باب میں دی گئی ہے) اَتَوْا بمعنی فَعَلُوْا: انہوں نے کیا۔[1] یعنی غزوہ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ باب کی پہلی روایت میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے آیت کی تطبیق انہی معنوں میں کی ہے۔ باب کی دوسری روایت حضرت ابن عباسؓ کی ہے۔ جس میں تطبیق آیت اہل کتاب سے متعلق کی ہے کہ صحف انبیاء سابقین کی پیشگوئیوں میں صراحت ہے کہ عہد کا نبی جو عرب میں سے پیدا ہوگا اس کے ساتھ جنگ کی جائے گی لیکن یہ جنگ کرنے والے پچھڑیں گے۔ اس تعلق میں دیکھئے یسعیاہ نبی کی پیشگوئی (یسعیاہ باب ۲۱: ۱۳تا۱۷) حضرت ابن عباسؓ نے اپنی مذکورہ بالا تطبیق کی صحت کے بارے میں سیاق کلام کو بطور دلیل پیش کیا ہے جو درست ہے۔ یعنی ماقبل آیت وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ (آل عمران:۱۸۸) اور (اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ نے ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے عہد لیا تھا کہ تم ضرور لوگوں کے پاس اس (کتاب) کو ظاہر کروگے اور اسے چھپاؤ گے نہیں۔

مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام تطبیق آیات میں آزاد تھے۔ ایک نے منافقین میں

---

[1] (الکشاف للزمخشری، تفسیر سورۃ آل عمران، آیت يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا، جزءاول صفحہ ۴۵۱، ۴۵۲)

مذکورہ بالا علامتیں دیکھیں تو انہیں آیت کریمہ کا مصداق سمجھا۔ دوسرے نے سیاق کلام دیکھا اور یہود میں حق بات چھپانے کی بیماری دیکھی تو ان پر آیت کو چسپاں کر دیا۔ امام ابن حجرؒ نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ دوسری روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے کیا دریافت کیا تھا۔ اس بارہ میں ایک قول کا حوالہ دیا ہے کہ آپؐ نے ان سے اپنی ان صفات کے بارے میں دریافت کیا تھا جو تورات میں بیان ہوئی ہیں۔ یہودیوں نے مجملاً جواب دیا اور وہ وضاحت سے بیان نہیں کیں۔ عہد کے نبی سے متعلق واضح طور پر پیشگوئی ہے کہ وہ (۱) عرب میں پیدا ہوگا۔ (۲) اس کی قوم اسے دکھ دے گی۔ (۳) وہ ہجرت کرے گا۔ (۴) اس کا تعاقب ہوگا اور اس پر قیدار (قریش) حملہ کریں گے۔ (۵) اسے فتح حاصل ہوگی۔ دیکھئے کتاب یسعیاہ باب ۲۱: ۱۳ تا ۱۷۔

یسعیاہ نبی کا زمانہ ۷۱۶ قبل مسیح ہے۔ اسی طرح جبل فاران، شعیر اور سینا سے خداوند کے طلوع ہونے کی مشہور پیشگوئی ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوگا۔ اس میں لکھا ہے کہ اس کے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت ہوگی۔[۱] یعنی گناہوں کو جلانے والی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد وہی صاحب شریعت ہوگا۔ (استثناء باب ۱۸: ۱۸ تا ۲۰) اس کے علاوہ اور بھی پیشگوئیاں ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد ۲۰ صفحہ ۱۱۵ تا ۱۷۴۔

باب کی تیسری روایت سے مروان کی سند حمید بن عبد الرحمٰن کی روایت سے مضبوط کی گئی ہے۔

بَاب ۱۷ : اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران: ۱۹۱) الآية

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) ان بلندیوں اور اس زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں عقلمندوں کے لئے کئی ایک نشان ہیں

٤٥٦٩ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ أَخْبَرَنِي شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَتَحَدَّثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَهْلِهِ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ

۴۵۶۹: سعید بن ابی مریم نے ہم سے بیان کیا کہ محمد بن جعفر نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے کہا: شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر نے مجھے بتایا۔ انہوں نے کریب سے، کریب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس ایک رات رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ

[۱] (کتاب مقدس مطبوعہ ۱۸۷۰ء، استثناء باب ۳۳: ۲)

فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ قَعَدَ فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (آل عمران: ۱۹۱) ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ وَاسْتَنَّ فَصَلَّى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ.

سے کچھ دیر باتیں کیں۔ پھر سو گئے۔ جب رات کی آخری تہائی ہوئی آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے اور آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیت پڑھی: ان بلندیوں اور اس زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں عقلمندوں کے لئے کئی ایک نشان ہیں۔ پھر آپؐ کھڑے ہو گئے اور آپؐ نے وضو کیا اور مسواک کی۔ پھر گیارہ رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ نے اذان دی اور آپؐ دو رکعتیں پڑھ کر باہر چلے گئے اور جا کر صبح کی نماز پڑھائی۔

أطرافهُ: ١١٧، ١٣٨، ١٨٣، ٦٩٧، ٦٩٨، ٦٩٩، ٧٢٦، ٧٢٨، ٨٥٩، ٩٩٢، ١١٣٨، ١١٩٨، ٤٥٧٠، ٤٥٧١، ٤٥٧٢، ٥٩١٩، ٦٢١٥، ٦٣١٦، ٧٤٥٢-

تشریح: اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ...: سورۂ آلِ عمران کا آخری رکوع اس آیت سے شروع ہوتا ہے کہ ان بلندیوں اور اس زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں عقلمندوں کے لئے کئی ایک نشان ہیں جنہیں دیکھ کر وہ بے اختیار اقرار کرتے ہیں: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا یعنی اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ یونہی بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ اس آیت سے پہلے قَالُوْا لفظ حذف ہے۔ آیت نمبر ۱۹۱ میں اُولُوا الْاَلْبَاب (عقلمندوں) کی یہ علامت بیان کی گئی ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے اور کروٹوں کے بل آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (اور پھر بے اختیار اقرار کرتے ہیں:) رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (آل عمران: ۱۹۲) یعنی اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ یونہی بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ تو ہر نقص سے بے عیب ہے جبکہ ہر شے اپنے بے عیب وجود سے اپنے بے عیب خالق کی شہادت دیتی ہے۔ پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا (اور ہماری زندگی کو بے مقصد بننے سے بچا لے۔) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس آیت کو حضرت باری تعالیٰ کی ہستی پر دلیل ٹھہراتے ہیں اور آپؑ نے عَذَابَ النَّارِ سے خالق معبود سے دوری کی تلخی مراد لی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰، صفحہ ۴۳۳، ۴۳۴۔

بَاب ١٨ : اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (آل عمران: ١٩٢) الآية

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) وہ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں کے بل اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور ان بلندیوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں

٤٥٧٠ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مَّالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ مَّخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَقُلْتُ لَأَنْظُرَنَّ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطُرِحَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِسَادَةٌ فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طُولِهَا فَجَعَلَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَّجْهِهِ فَقَرَأَ الْآيَاتِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ آلِ عِمْرَانَ حَتَّى خَتَمَ ثُمَّ أَتَى سِقَاءً مُعَلَّقًا فَأَخَذَهُ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى رَأْسِي ثُمَّ أَخَذَ بِأُذُنِي فَجَعَلَ يَفْتِلُهَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى

۴۵۷۰: علی بن عبداللہ (مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے مالک بن انس سے، مالک نے مخرمہ بن سلیمان سے، مخرمہ نے کریب سے، کریب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس ایک رات رہا۔ میں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ضرور دیکھوں گا (کیونکر پڑھتے ہیں۔) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک توشک بچھایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی لمبان میں سو گئے۔ (پھر جب آدھی رات گزری تو آپؐ جاگے۔) اپنے چہرہ پر ہاتھ پھیر کر نیند کا اثر دور کرنے لگے۔ پھر آپؐ نے سورۂ آلِ عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں۔ جب ختم کیں، اس کے بعد ایک بڑے مشکیزہ سے جو پاس لٹک رہا تھا آپؐ نے اس سے پانی لیا اور وضو کیا۔ پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ میں بھی اٹھا اور جس طرح آپؐ نے کیا تھا میں نے بھی کیا اور پھر آکر آپؐ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور پھر میرا کان پکڑ کر ملنے لگے۔ آپؐ

رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَوْتَرَ.

نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر وتر پڑھا۔

أطرافه: ١١٧، ١٣٨، ١٨٣، ٦٩٧، ٦٩٨، ٦٩٩، ٧٢٦، ٧٢٨، ٨٥٩، ٩٩٢، ١١٣٨، ١١٩٨، ٤٥٦٩، ٤٥٧١، ٤٥٧٢، ٥٩١٩، ٦٢١٥، ٦٣١٦، ٧٤٥٢۔

تشریح: الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ...: سابقہ باب میں تشریح گزر چکی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان آیات کا تفسیری ترجمہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے اختلاف میں دانشمندوں کے لئے صانع عالم کی ہستی اور قدرت پر کئی نشان ہیں۔ دانشمند وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جو خدا کو بیٹھے، کھڑے اور پہلو پر پڑے ہونے کی حالت میں یاد کرتے رہتے ہیں اور زمین اور آسمان اور دوسری مخلوقات کی پیدائش میں تفکر اور تدبر کرتے رہتے ہیں اور اُن کے دل اور زبان پر یہ مناجات جاری رہتی ہے کہ اے ہمارے خداوند تونے اِن چیزوں میں سے کسی چیز کو عبث اور بیہودہ طور پر پیدا نہیں کیا بلکہ ہر یک چیز تیری مخلوقات میں سے عجائبات قدرت اور حکمت سے بھری ہوئی ہے کہ جو تیری ذات بابرکات پر دلالت کرتی ہے۔“

(براہین احمدیہ حصہ سوم، روحانی خزائن جلد اول صفحہ ۳۰۵، ۳۰۶)

بَاب ۱۹ : رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (آل عمران:۱۹۳)

اے ہمارے ربّ! تو نے جسے آگ میں داخل کر دیا تو یقیناً تو نے اس کو رسوا کر دیا اور ایسے ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں

٤٥٧١ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى عَنْ مَّالِكٍ عَنْ مَّخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ

۴۵۷۱: علی بن عبد اللہ (مدینی) نے ہمیں بتایا۔ معن بن عیسیٰ نے ہم سے بیان کیا۔ مالک سے روایت ہے۔ انہوں نے مخرمہ بن سلیمان سے، مخرمہ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام کریب سے روایت کی کہ حضرت عبد اللہ

زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهْيَ خَالَتُهُ قَالَ فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَمْسَحُ النَّوْمَ مِنْ وَّجْهِهِ بِيَدَيْهِ ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى يَفْتِلُهَا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ.

بن عباسؓ نے ان سے بیان کیا: وہ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت میمونہؓ کے پاس ایک رات رہے اور وہ ان کی خالہ تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے: میں توشک کی چوڑائی میں لیٹ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی زوجہؓ اس کی لمبان میں لیٹ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔ جب رات آدھی ہوئی، اس سے کچھ پہلے یا اس سے کچھ بعد کا وقت ہوگا، تو رسول اللہ ﷺ جاگے اور اپنے چہرہ پر ہاتھ پھیر کر نیند کا اثر دور کرنے لگے۔ پھر آپؐ نے سورۂ آلِ عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں اور اٹھ کر ایک پرانے مشکیزہ کی طرف گئے جو لٹک رہا تھا۔ آپؐ نے اس سے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا۔ پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ (یہ دیکھ کر) میں نے بھی ویسے ہی کیا جو آپؐ نے کیا تھا۔ پھر جا کر آپؐ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرے دائیں کان کو ملنے لگے۔ پھر آپؐ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر اس کے بعد وتر پڑھا، پھر لیٹ گئے۔ یہاں تک کہ مؤذن آپؐ کے پاس آیا۔ آپؐ اٹھے اور آپؐ نے دو ہلکی سی رکعتیں پڑھیں۔ پھر باہر گئے اور جا کر صبح کی نماز پڑھائی۔

أطرافهُ: ۱۱۷، ۱۳۸، ۱۸۳، ٦۹۷، ٦۹۸، ٦۹۹، ۷۲٦، ۷۲۸، ۸۵۹، ۹۹۲، ۱۱۳۸، ۱۱۹۸، ٤٥٦۹، ٤٥۷۰، ٤٥۷۲، ٥۹۱۹، ٦۲۱٥، ٦۳۱٦، ۷٤٥۲۔

تشریح: آیت رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ سے باب الگ قائم کرکے سابقہ روایت حضرت ابن عباسؓ ایک اور سند سے دہرائی گئی ہے۔ اس کا سیاق روایت نمبر ۴۵۷۰ کی نسبت زیادہ مکمل ہے۔ روایت ۴۵۷۱ میں اصیلی کے مطابق وَأَخَذَ بِيَدِي الْيُمْنَى کے الفاظ ہیں یعنی آپؐ نے میرا دایاں ہاتھ پکڑا۔ یہ الفاظ راوی سے یہاں سہواً بیان ہوئے ہیں۔ باقی تمام ناقلین کے نزدیک اس جگہ أَخَذَ بِأُذُنِي یعنی کان سے پکڑنے کا ذکر ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۲۹۸) رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ سے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”تجھ سے انکار کرنا عین دوزخ ہے۔ اور تمام آرام اور راحت تجھ میں اور تیری شناخت میں ہے۔ جو شخص کہ تیری سچی شناخت سے محروم رہا وہ در حقیقت اسی دنیا میں آگ میں ہے۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۴۳۴)

بَاب ۲۰

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ (آل عمران: ۱۹۴) الْآيَةَ

اے ہمارے ربّ! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا
جو ایمان کے لئے بلا رہا تھا

۴۵۷۲: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَّالِكٍ عَنْ مَّخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ خَالَتُهُ قَالَ فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا

۴۵۷۲: قتیبہ بن سعید نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے مالک سے، مالک نے مخرمہ بن سلیمان سے، مخرمہ نے حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام کریب سے روایت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں بتایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت میمونہؓ کے پاس ایک رات رہے اور وہ ان کی خالہ تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے: میں توشک کی چوڑائی میں لیٹ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی زوجہؓ اس کی لمبان میں لیٹ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔

انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ[1] يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَّجْهِهِ بِيَدِهِ ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى يَفْتِلُهَا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ.

جب رات آدھی ہوئی یا اس سے کچھ پہلے یا اس کے کچھ بعد کا وقت ہو گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگے اور بیٹھ گئے۔ چہرے پر ہاتھ پھیر کر نیند کو دور کرنے لگے۔ پھر آپؐ نے سورۂ آلِ عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں۔ پھر اٹھ کر ایک مشکیزے کی طرف گئے جو لٹک رہا تھا اور آپؐ نے اس سے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا۔ پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے: میں بھی کھڑا ہو گیا اور میں نے وہی کیا جو آپؐ نے کیا۔ پھر اس کے بعد جا کر آپؐ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا دایاں کان پکڑ کر ملنے لگے اور آپؐ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر وتر پڑھا۔ اس کے بعد آپؐ لیٹ گئے۔ یہاں تک کہ مؤذن آپؐ کے پاس آیا۔ پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور آپؐ نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں۔ پھر باہر گئے اور صبح کی نماز پڑھائی۔

أطرافهُ: ۱۱۷، ۱۳۸، ۱۸۳، ٦۹۷، ٦۹۸، ٦۹۹، ۷۲٦، ۷۲۸، ۸٥۹، ۱۱۹۸، ٤٥٦۹، ٤٥۷۰، ٤٥۷۱، ٥۹۱۹، ٦۲۱٥، ٦۳۱٦، ۷٤٥۲۔

☆☆☆

[1] صحیح بخاری کے نسخۂ یونینیہ کے مطابق اس جگہ "فَجَلَسَ" ہے۔ ترجمہ اس کے مطابق ہے۔
(الجامع الصحيح للبخاری، مطبوعہ دار طوق النجاۃ، جزء۶ صفحہ ۴۲)

٤ـ سُورَةُ النِّسَاء

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَسْتَنْكِفُ يَسْتَكْبِرُ، قِوَامًا قِوَامُكُمْ مِنْ مَّعَايِشِكُمْ، لَهُنَّ سَبِيْلًا (النساء:١٦) يَعْنِي الرَّجْمَ لِلثَّيِّبِ وَالْجَلْدَ لِلْبِكْرِ وَقَالَ غَيْرُهُ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (النساء:٤) يَعْنِي اثْنَتَيْنِ وَثَلَاثًا وَأَرْبَعًا وَلَا تُجَاوِزُ الْعَرَبُ رُبَاعَ.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: يَسْتَنْكِفُ کے معنی ہیں وہ تکبر کرتا ہے۔ قِوَامًا کے معنی ہیں تمہاری زندگی کا سامان مہیا کرنے والے۔ لَهُنَّ سَبِيْلًا سے مراد رجم کی سزا ہے، جو بیاہی عورت کو دی جاتی ہے اور کوڑے کی سزا ہے، جو باکرہ کو دی جاتی ہے (زنا کرنے پر۔) اور (حضرت ابن عباسؓ کے سوا) اوروں نے کہا: مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ کے معنی ہیں: دو دو اور تین تین اور چار چار۔ عرب لوگ چار سے آگے نہیں بڑھتے۔

تشریح: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَسْتَنْكِفُ: يَسْتَنْكِفُ کے معنی ہیں وہ تکبر کرتا ہے، ناک چڑھاتا ہے، نفرت کرتا ہے۔ جس آیت میں یہ لفظ آیا ہے اس میں يَسْتَكْبِرُ بھی ہے۔ اس لئے امام ابن حجرؒ نے ان معنوں پر تعجب کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے: ممکن ہے اس سے مراد تاکید ہو۔ مگر طبریؒ نے يَأْنِفُ کے معنی کئے ہیں- یعنی وہ ناک چڑھاتا ہے، نفرت کرتا ہے۔[1] (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۹۹) عیسائی قومیں اپنے تکبر میں اس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نفرت کرتی ہیں بلکہ اسے مذاق سمجھا ہوا ہے اور مسلمان تعلیم یافتہ طبقے کا بھی یہی حال ہے۔ رسمی طور پر عیسائی گرجوں اور مذہبی تہواروں میں شامل ہوتے ہیں تا کہ قومی وضعداری قائم رہے۔ آج کل مسلمان تعلیم یافتہ لوگوں میں بالعموم اس وضع داری کا احساس بھی نہیں۔ زمین پر خالق ارض و سماء کے حضور سر بسجود ہونا ذلت سمجھا جاتا ہے، پتلون میں شکن پڑ جانے کا اندیشہ دامن گیر ہو جاتا ہے۔ جس آیت میں یہ لفظ بصیغہ مضارع و ماضی آیا ہے وہ یہ ہے، فرماتا ہے: لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَ مَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ○ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ○ (النساء:۱۷۳، ۱۷۴) یعنی مسیح ہرگز اس (امر) کو بُرا نہیں منائے گا کہ وہ اللہ کا ایک بندہ متصور ہو اور نہ (ہی) مقرب فرشتے (اسے بُرا منائیں گے) اور جو (لوگ) اس کی عبادت سے بُرا منائیں اور تکبر کریں وہ (یعنی خدا تعالیٰ) ضرور ان سب کو اپنے حضور میں اکٹھا کرے گا۔ پھر جو لوگ مومن تھے اور انہوں نے نیک (اور ایمان کے مناسب حال) عمل کئے تھے انہیں وہ ان کے پورے پورے بدلے دے گا اور اپنے فضل سے انہیں (اور بھی)

[1] (جامع البیان للطبری، تفسیر سورۃ النساء، آیت لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ، جزء۷ صفحہ ۷۰۷)

زیادہ دے گا اور جن لوگوں نے بُرا منایا تھا اور تکبر کیا تھا انہیں وہ دردناک عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوا نہ (کسی کو) اپنا دوست پائیں گے اور نہ مددگار۔

قِوَامًا کے معانی ہیں تمہاری زندگی کا سامان مہیا کرنے والے۔ یہ معنی حضرت ابن عباسؓ سے بواسطہ ابن ابی حاتمؒ موصولاً مروی ہیں اور طبریؒ سے بھی۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۲۹۹)

لَهُنَّ سَبِيْلًا: سنگساری کی سزا زانیہ کے لئے موسوی شریعت کے مطابق عربوں میں جاری تھی۔ آیت کا یہ مفہوم کہ شادی شدہ یا باکرہ تمہاری اطاعت نہ کریں تو ثیبہ کو سنگسار کرو اور باکرہ کو کوڑے لگاؤ، حضرت ابن عباسؓ ہی سے بواسطہ عبد بن حمید بیان ہوا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی ایک روایت مسلم اور اصحاب السنن نے نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي، قَدْ جَعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ۔ (یعنی مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لئے راہ مقرر کردی ہے۔ غیر شادی شدہ کی غیر شادی شدہ کے ساتھ (سزا) سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔) وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ، وَالرَّجْمُ۔[1] (اور شادی شدہ کی شادی شدہ کے ساتھ (سزا) سو کوڑے اور رجم ہے۔) اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب سورۂ نساء نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا حَبْسَ بَعْدَ سُورَةِ النِّسَاءِ۔[2] یعنی سورۂ نساء نازل ہونے کے بعد قید کی سزا منسوخ ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۰۰)

لیکن الفاظ لَهُنَّ سَبِيْلًا سورۃ النساء کی جس آیت کریمہ میں آئے ہیں اس میں بے حیائی جیسے ناپسندیدہ افعال کا ذکر ہے، زنا کے جرم کا ذکر نہیں۔ اُس کا ذکر سورۃ النور آیت نمبر ۳ میں ہے۔ چونکہ رجم یا کوڑوں کی سزا کا تعلق زنا کے جرم سے ہے، لہٰذا سورۃ النساء کی اس آیت کو سورۃ النور کی آیت نمبر ۳ سے منسوخ سمجھنا ایک غلطی ہے۔[3]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے سورۂ نساء کے مشکل الفاظ کا مستند روایات کی بناپر حل پیش کرنے سے قبل یہ تمہید کیوں قائم کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاشرہ بشریہ کے دو رکنوں کے باہمی تعلقات و حقوق و واجبات کے بارے میں سورۂ نساء کی وہ آیت منتخب کی ہے جو اصولی ہے۔ قِوَامًا کے سات معانی ہیں: (۱) اپنی ذات میں قائم۔ (۲) اکتسابی طور پر دوسروں کو قائم رکھنے والا۔ (۳) ضرورتوں کا علم رکھنے والا۔ (۴) ضرورتیں پوری

---

[1] (مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنی) (ترمذی، ابواب الحدود، باب ماجاء فی الرجم علی الثیب) (ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب حد الزنا)

[2] (المعجم الکبیر للطبرانی، وَمَا أَسْنَدَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ ﷺ، عکرمة عن ابن عباس، جزء ۱۱ صفحہ ۳۶۵)

[3] حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اللہ ان کے لئے راستہ نکال دے" سے دو باتیں مراد ہو سکتی ہیں۔ اول یہ کہ خاوند پہلے فوت ہو جائے اور بیوی آزاد ہو جائے اور دوسرا یہ کہ خاوند اُسے طلاق دیدے تا کہ وہ کسی اور مرد سے شادی کرلے۔"

(قرآن کریم اُردو ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، سورۃ النساء، حاشیہ آیت ۱۶، صفحہ ۱۲۹)

کرنے والا۔ (۵) مربی۔ (۶) محافظ و نگران۔ (۷) اعتدال کی حالت قائم رکھنے والا۔ یہ ساتوں معنی خود قرآن مجید میں آئے ہیں اور اس کے تعلق میں بعض صحابہ کرام کی طرف سے محولہ آیات کا وہ مفہوم پیش کیا گیا ہے جو سورۂ نور کے نازل ہونے سے قبل موسوی شریعت کے دستور کے مطابق سمجھا جاتا تھا۔ سورۂ نساء غزوہ اُحد کے بعد نازل ہوئی ہے جو ۳ھ میں واقع ہوئی اور اس کا نزول ۳ اور ۴ھ سے تجاوز نہیں کرتا۔ جبکہ سورۂ نور کا نزول یقینی طور پر غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر ایک مدت بعد ہوا، اور یہ غزوہ ۵ھ میں تھا۔ ان دونوں سورتوں کے نزول میں تقریباً دو سال کا فاصلہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ روایات جن میں رجم کا ذکر ہے ان کا تعلق سابقہ دستور سے ہے۔ آنحضرت ﷺ سابقہ شریعت پر عمل فرماتے تھے تاوقتیکہ کوئی سابقہ حکم وحی الٰہی سے منسوخ نہ ہو جائے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ: اس آیت کے تعلق میں بعض نے کہا کہ اس میں اجازت صرف چار تک نہیں بلکہ اس سے زیادہ شادیاں کی جاسکتی ہیں اگر استطاعت ہو اور انصاف برتا جائے۔ وَلَا تُجَاوِزُ الْعَرَبُ رُبَاعَ۔ ابوعبیدہؒ کے حوالہ سے اس خیال کا رڈ کیا گیا ہے کہ عرب لوگ چار سے زیادہ تجاوز نہیں کرتے تھے۔ مسئلہ تعداد نکاح کا تعلق بھی حقوق نسواں کے مسائل میں سے ہے، اس لئے وہ نمایاں کر کے بیان کیا گیا ہے۔ محولہ بالا آیات مع ترجمہ و مفہوم حسب ذیل ہیں:

۱۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ○ (النساء:۳۵) یعنی مرد عورتوں پر اس فضیلت کے سبب سے جو اللہ نے ان میں سے بعض کو دوسروں پر دی ہے اور اس سبب سے کہ وہ اپنے مالوں میں سے (عورتوں پر) خرچ کر چکے ہیں نگران (قرار دیئے گئے) ہیں۔ پس نیک عورتیں فرمانبردار اور اللہ کی مدد سے پوشیدہ امور کی محافظ ہوتی ہیں اور جن کی نافرمانی کا تمہیں خوف ہو (تم) انہیں نصیحت کرو اور انہیں خواب گاہوں میں اکیلا چھوڑ دو اور انہیں مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو ان کے خلاف کوئی بہانہ نہ تلاش کرو۔ اللہ یقیناً بہت بلند (اور) بڑا ہے۔

یہ آیت مردوزن کی حیثیت جو معاشرہ اسلامیہ میں ہے معین کرتی ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے لفظ قَوَّام کا مفہوم جو قرآن مجید اور حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے وہ سمجھ لینا چاہیے۔ اسی طرح جملہ فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کا مفہوم بھی۔ لفظ قَامَ علاوہ کھڑے ہونے کے کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قَامَ بِهٖ: اسے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ قَامَ عَلَيْهِ: اس کی حفاظت کی، اس کی ضرورتیں پوری کیں۔ قَائِم کے معنی مربی، نگران اور حالت اعتدال قائم رکھنے والا۔ فرماتا ہے: اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (الرعد:۳۴) کیا وہ ذات جو ہر نفس کے اعمال کی نگران ہے اس سے نہیں پوچھے گی کہ اس نے کیا کچھ کمایا اور فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ (النساء:۱۳۶) یعنی اے ایماندارو! عدل و انصاف قائم کرنے والے بنو، اللہ تعالیٰ

کے لئے شہادت دینے والے خواہ شہادت اپنے نفسوں کے خلاف ہی ہو۔ قَوَّام صیغہ مبالغہ ہے جو قَامَ سے مشتق ہے اور انسانوں کے لئے بطور وصف استعمال ہوتا ہے اور اسی سے لفظ قَيُّوم ہے جو اللہ تعالیٰ کا وصف ہے۔ دونوں صیغوں میں فرق یہ ہے کہ قَيُّوم کی صفت ذاتی اور مستقل ہے اور قَوَّام کی اکتسابی اور عارضی۔ آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کی صفت قیومیت کا ذکر مخلوق کی پرورش، حاجت براری، نگرانی، حفاظت، قیام نوازی اور تدبیر مملکت کے معنوں میں وارد ہوا ہے اور مرد بحیثیت قَوَّام صفت قیومیت کے مظہر ہیں، اگر وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور ادا کریں۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ کا مفہوم مذکورہ بالا شرح سے واضح ہے کہ مرد عورتوں کی معاشی ضروریات مہیا کرنے والے، ان کے مربی اور ان کے محافظ و نگران ہیں اور یہ فرائض خادمانہ حیثیت کے ہیں اور اس آیت میں دونوں کی حیثیت اور ان کے فرائض متعین ہوتے ہیں، کیونکہ جو قَوّٰمُوْنَ کی وجہ بیان فرمائی ہے وہ دونوں پر مشتمل ہے۔ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (النساء:۳۵) اس لئے کہ اس نے مردوں اور عورتوں دونوں کو ایک دوسرے پر (ان کے مخصوص فرض منصبی کی بنا پر) فضیلت دی ہے۔ عورت کو سلسلہ پیدائش کے لئے مخصوص فرمایا ہے اور اس کے سپرد تربیت اولاد اور امور خانہ داری کا نظم ونسق ہے۔ اس وجہ سے اسے اپنے دائرہ ذمہ داری میں مرد پر فوقیت ہے اور مرد کو اپنی ذمہ داریوں کے اعتبار سے عورتوں پر فضیلت ہے۔ جب مردوں اور عورتوں کا ذکر اکٹھا ہو تو ان کے لئے ضمیر مذکر ہوتی ہے، فرماتا ہے: فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ (آل عمران:۱۹۶) چنانچہ اُن کے ربّ نے (یہ کہتے ہوئے) اُن کی (دعا) سُن لی کہ تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو خواہ مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کروں گا۔ تم ایک دوسرے سے (تعلق رکھنے والے) ہو۔ یہاں ضمیر هُمْ اور كُمْ مذکر ہے اور دونوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں بھی۔

۲۔ دوسری آیت جس کا بطور تمہید حوالہ دیا گیا ہے، یہ ہے: وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا (النساء:۴) ترجمہ: اور اگر تمہیں (یہ) خوف ہو کہ تم یتیموں (کے بارہ) میں انصاف نہ کر سکو گے۔ تو جو (صورت) تمہیں پسند ہو (کرلو، یعنی غیر یتیم) عورتوں میں سے دو دو (سے) اور تین تین (سے) اور چار چار سے نکاح کرلو۔ لیکن اگر تمہیں (یہ) خوف ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی (عورت) سے یا ان (لونڈیوں) سے جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں نکاح کرو۔ یہ (طریق اس بات کے) بہت قریب ہے کہ تم ظالم نہ ہو جاؤ۔

بَاب ۱: وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى (النساء: ٤)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اگر تم ڈرو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے

٤٥٧٣: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ ۴۵۷۳: ابراہیم بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام (بن یوسف) نے ہمیں بتایا کہ ابن جریج

أَخْبَرَنِي هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ رَجُلًا كَانَتْ لَهُ يَتِيمَةٌ فَنَكَحَهَا وَكَانَ لَهَا عَذْقٌ وَكَانَ يُمْسِكُهَا عَلَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهَا مِنْ نَّفْسِهِ شَيْءٌ فَنَزَلَتْ فِيهِ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى (النساء: ٤) أَحْسِبُهُ قَالَ كَانَتْ شَرِيكَتَهُ فِي ذَلِكَ الْعَذْقِ وَفِي مَالِهِ.

سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتایا۔ ان کے باپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ ایک شخص کے پاس یتیم لڑکی تھی۔ پھر اس نے اس سے نکاح کر لیا اور اس لڑکی کے کھجور کے درخت تھے، اس شخص نے اس لڑکی کو اپنے پاس اسی وجہ سے رکھا تھا حالانکہ اس کا نفس اس کی طرف کچھ بھی مائل نہ تھا، تو اس شخص کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: اگر تم ڈرو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے۔ (ہشام بن یوسف کہتے تھے) میں سمجھتا ہوں (ابن جریج نے یوں) کہا کہ وہ لڑکی کھجور کے اُن درختوں میں اور اُس کے مال میں اُس کی شریک تھی۔

أطرافهُ: ٢٤٩٤، ٢٧٦٣، ٤٥٧٤، ٤٦٠٠، ٥٠٦٤، ٥٠٩٢، ٥٠٩٨، ٥١٢٨، ٥١٣١، ٥١٤٠، ٦٩٦٥۔

٤٥٧٤: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى (النساء: ٤) فَقَالَتْ يَا ابْنَ أُخْتِي هَذِهِ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا تَشْرَكُهُ فِي مَالِهِ وَيُعْجِبُهُ مَالُهَا وَجَمَالُهَا فَيُرِيدُ وَلِيُّهَا أَنْ يَّتَزَوَّجَهَا بِغَيْرِ أَنْ يُّقْسِطَ فِي صَدَاقِهَا فَيُعْطِيَهَا

۴۵۷۴: عبدالعزیز بن عبداللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ابراہیم بن سعد نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے صالح بن کیسان سے، صالح نے ابن شہاب سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: عروہ بن زبیر نے مجھے بتایا کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی نسبت پوچھا: اگر تم ڈرو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے۔ انہوں نے فرمایا: میرے بھانجے! یہ وہ یتیم لڑکی ہے جو اپنے سرپرست کی پرورش میں ہو اور اس کے مال میں حصہ دار ہو اور اس شخص کو اس کی جائیداد اور اس کی خوبصورتی پسند ہو اور اس کا سرپرست

مِثْلَ مَا يُعْطِيهَا غَيْرُهُ فَنُهُوا عَنْ أَنْ يَّنْكِحُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يُّقْسِطُوا لَهُنَّ وَ يَبْلُغُوا لَهُنَّ أَعْلَى سُنَّتِهِنَّ فِي الصَّدَاقِ فَأُمِرُوا أَنْ يَّنْكِحُوا مَا طَابَ لَهُمْ مِنَ النِّسَاءِ سِوَاهُنَّ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ وَإِنَّ النَّاسَ اسْتَفْتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ هَذِهِ الْآيَةِ فَأَنْزَلَ اللهُ وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ(النساء:١٢٨) قَالَتْ عَائِشَةُ وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى فِي آيَةٍ أُخْرَى وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ(النساء:١٢٨) رَغْبَةُ أَحَدِكُمْ عَنْ يَّتِيمَتِهِ حِينَ تَكُونُ قَلِيلَةَ الْمَالِ وَالْجَمَالِ قَالَتْ فَنُهُوا أَنْ يَّنْكِحُوا عَنْ مَنْ رَّغِبُوا فِي مَالِهِ وَجَمَالِهِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ إِلَّا بِالْقِسْطِ مِنْ أَجْلِ رَغْبَتِهِمْ عَنْهُنَّ إِذَا كُنَّ قَلِيلَاتِ الْمَالِ وَالْجَمَالِ.

چاہے کہ وہ اس سے شادی کرلے بغیر اس کے کہ اس کے حق مہر میں انصاف کرے اور اس کو اتنا ہی دے جتنا اس کو اس کے علاوہ دوسرے لوگ دیتے ہوں، اس لئے ان کو ایسی یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے روک دیا گیا ہے سوائے اس کے کہ وہ ان سے انصاف کریں اور یہ کہ مہر میں جو اعلیٰ سے اعلیٰ طریقہ ان کو دینے کا ہے اس کے مطابق دیں۔ اس لئے ان کو حکم دیا گیا کہ ان کے سوا عورتیں جو اُن کو پسند ہوں ان سے نکاح کریں۔ عروہ نے کہا: حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ لوگوں نے اس آیت کے بعد رسول اللہ ﷺ سے (اس بارے میں) مسئلہ دریافت کیا تو اللہ نے یہ آیت نازل کی: وہ تجھ سے عورتوں کی بابت پوچھتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں: اور اللہ تعالیٰ کا دوسری آیت میں یہ فرمانا: تم ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ تم میں سے کوئی یتیم لڑکی سے اس لئے بے رغبت ہوتا ہے کہ وہ تھوڑی جائیداد اور تھوڑی خوبصورتی رکھتی ہے۔ فرماتی تھیں: اس لئے وہ سوائے اس کے کہ انصاف کرنے والے ہوں ان یتیم عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے بھی روک دیئے گئے جن کی جائیداد اور خوبصورتی کی وجہ سے وہ ان سے نکاح کی خواہش کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان کی خواہش نہیں رکھتے جب وہ جائیداد اور خوبصورتی تھوڑی رکھتی ہوں۔

أطرافهُ: ٢٤٩٤، ٢٧٦٣، ٤٥٧٣، ٤٦٠٠، ٥٠٦٤، ٥٠٩٢، ٥٠٩٨، ٥١٢٨، ٥١٣١، ٥١٤٠، ٦٩٦٥۔

تشریح: وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی: زیر باب وہی آیت ہے جس کا ترجمہ مع تشریح گذشتہ باب کی تشریح میں گزر چکا ہے۔ اس کے تحت دو روایتیں جو نقل کی گئی ہیں۔ وہ مذکورہ بالا شرح آیت کی تائید کرتی ہیں۔ دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کردہ مفہوم کی تائید ایک اور آیت سے کی ہے جو یہ ہے: وَ یَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِیْهِنَّ ۙ وَ مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِیْمًا ○ (النساء:۱۲۸) ترجمہ: اور لوگ تجھ سے (ایک سے زیادہ) عورتوں (سے نکاح) کے متعلق (احکام) دریافت کرتے ہیں۔ تو (ان سے) کہہ کہ اللہ تمہیں ان کے متعلق اجازت دے چکا ہے اور جو (حکم اس) کتاب میں (دوسری جگہ) تمہیں پڑھ کر سنایا گیا ہے وہ ان یتیم عورتوں کے متعلق ہے۔ جنہیں تم ان کے مقرر کردہ حق ادا نہیں کرتے۔ مگر ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو اور (نیز) کمزور بچیوں کے متعلق ہے اور (تمہیں یہ حکم دیا گیا تھا) کہ یتیموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرتے رہو اور جو نیک کام بھی تم کرو (یاد رکھو کہ) اللہ اسے یقیناً خوب جانتا ہے۔

اس آیت میں بھی صراحت ہے کہ تم یتیم لڑکیوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھتے ہو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آیت وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ (النساء:۱۲۸) سے استدلال لطیف ہے کہ اگر یتیم لڑکی مال دار ہو تو تم اس سے نکاح کی خواہش رکھتے ہو۔ اس سے ضمناً پایا جاتا ہے کہ اگر وہ مال دار نہ ہو تو کوئی بھی اس سے نکاح کی خواہش نہیں کرے گا۔ یہی مفہوم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس فقرے کا ہے: رَغْبَةُ أَحَدِكُمْ عَنْ يَّتِيمَتِهِ حِينَ تَكُونُ قَلِيلَةَ الْمَالِ۔ یعنی تم میں سے کوئی یتیم لڑکی سے اس لئے بے رغبت نہ ہو کہ وہ تھوڑی جائیداد اور تھوڑی خوبصورتی رکھتی ہے۔ رَغِبَ عَنْهَا کے معنی ہیں بے رغبت ہوا، اور رَغِبَ إِلَيْهَا: اس کی طرف راغب ہوا۔ فَنُهُوْا: اس بے انصافی کی وجہ سے وہ روک دیئے گئے کہ مال دار یتیم لڑکیوں سے مال کی وجہ سے نکاح نہ کریں۔ اسلام عدل و انصاف چاہتا ہے۔

بَاب ۲

وَ مَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ (النساء:۷) الْآیَةَ

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور جو فقیر ہو چاہیے کہ وہ دستور کے مطابق کھائے
اور جب تم ان کو ان کے مال سپرد کر دو تو تم ان کے سامنے گواہ ٹھہرا لو

وَ بِدَارًا (النساء:۷) مُبَادَرَةً، اَعْتَدْنَا (اس آیت میں جو) بِدَارًا (کا لفظ ہے وہ) مُبَادَرَةً

(النساء:۱۹) أَعْدَدْنَا أَفْعَلْنَا مِنَ الْعَتَادِ.

کے معنوں میں ہے، یعنی جلدی جلدی۔ أَعْتَدْنَا کے معنی أَعْدَدْنَا۔ أَفْعَلْنَا کے وزن پر یہ الْعَتَاد سے ہے، اس کے معنی ہیں ہم نے تیار کر رکھا ہے۔

٤٥٧٥: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:٧) أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي مَالِ الْيَتِيمِ إِذَا كَانَ فَقِيرًا أَنَّهُ يَأْكُلُ مِنْهُ مَكَانَ قِيَامِهِ عَلَيْهِ بِمَعْرُوفٍ.

۴۵۷۵: اسحاق (بن راہویہ) نے مجھے بتایا کہ عبداللہ بن نمیر نے ہمیں خبر دی کہ ہشام (بن عروہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے متعلق روایت کی۔ یعنی جو غنی ہو وہ پرہیز کرے اور جو فقیر ہو وہ دستور کے مطابق کھائے۔ یہ آیت یتیم کی جائیداد کی بابت نازل ہوئی۔ جب سرپرست محتاج ہو تو وہ دستور کے مطابق اپنی خوراک اس سے لے۔ کیونکہ اس نے اس مال کی نگرانی کی ہے۔

أطرافه: ٢٢١٢، ٢٧٦٥۔

تشریح: وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ...: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لیکن جو نادار ہو وہ مناسب طور پر (اس مال میں سے) کھائے۔ پھر جب تم انہیں ان کے مال واپس دو تو ان (یتامیٰ) کے روبرو گواہ مقرر کر لو اور اللہ حساب لینے کے لحاظ سے (اکیلا) کافی ہے۔ یہ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۷ کا حصہ ہے جس کا تعلق یتامیٰ کی تربیت اور ان کے اموال کی حفاظت سے ہے۔ اگر متولی یتیم غنی ہو تو اس کے لئے زیبا نہیں کہ وہ حق تولیت کے عوض میں یتیم کے اموال سے کچھ لے۔ اور جو محتاج ہو وہ دستور کے مطابق مال سے اپنی خوراک وغیرہ کے لئے صرف کر سکتا ہے، اور اس میں اسراف کی صورت نہ ہو اور نہ یہ طریق اختیار کیا جائے کہ یتیم کا رأس المال بلوغت سے قبل ہی ختم کر دیا جائے۔ آیت کا یہ مفہوم واضح ہے اور اَلْاِسْرَاف کے معنی اَلْاِفْرَاط ابوعبیدہؒ سے مروی ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۰۴) اور بِدَارًا کے معنی اِسْرَاعًا یعنی جلدی سے ہیں۔

بَاب ۳

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ (النساء:۹) الْآيَةَ

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جب تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آجائیں

٤٥٧٦: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ الْأَشْجَعِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ (النساء:۹) قَالَ هِيَ مُحْكَمَةٌ وَلَيْسَتْ بِمَنْسُوخَةٍ.

۴۵۷۶: احمد بن حمید (قرشی کوفی) نے ہم سے بیان کیا کہ عبید اللہ اشجعی نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے سفیان (ثوری) سے، سفیان نے (ابو اسحاق) شیبانی سے، شیبانی نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ آیت وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ[1] جو ہے، انہوں نے کہا: یہ محکم ہے اور منسوخ نہیں۔

تَابَعَهُ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

(عکرمہ کی طرح) سعید بن جبیر نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے یہی روایت بیان کی۔

طرفهُ: ۲۷۵۹۔

تشریح: وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ: اور جب (ترکہ کی) تقسیم کے وقت (دوسرے) قرابت دار اور یتیم اور مسکین (بھی) آجائیں تو اس میں سے کچھ انہیں (بھی) دے دو اور انہیں مناسب (اور عمدہ) باتیں کہو۔ روایت زیر باب کے راوی احمد بن حمید قرشی کوفی ثقہ راوی ہیں۔ عبید اللہ بن موسیٰ کے داماد تھے۔ سفاح خلیفہ عباسی کی بیوی ام سلمہ کے پڑوسی تھے۔ علماء اہل کوفہ میں ان کا شمار تھا۔ ۲۲۰ھ میں فوت ہوئے۔ اس روایت کے سوا صحیح بخاری میں ان کی اور کوئی روایت نہیں۔

(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۰۵)

تَابَعَهُ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: سعید بن جبیر نے وصایا کے ضمن میں (زیر روایت نمبر ۲۷۵۹) حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ مواریث (حصص وراثت) سے متعلق آیات کے نزول کے بعد یہ آیت منسوخ ہے۔ مگر بخدا یہ منسوخ نہیں محکم ہے۔ لوگوں نے اس آیت پر عمل میں غفلت سے کام لیا

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور جب (ترکہ کی) تقسیم پر (ایسے) اقرباء (جن کو قواعد کے مطابق حصہ نہیں پہنچتا) اور یتیم اور مسکین بھی آجائیں۔“

ہے۔ یتیموں کے ولی دو قسم کے ہیں: (وَالٍ یَرِثُ) ایک ولی جو وارث ہوتا ہے۔ یعنی متوفی کے ترکہ میں حصہ دیا جاتا ہے اور دوسرا (وَالٍ لَا یَرِثُ) ولی جو وارث نہیں ہوتا۔ اس کے لئے اجازت ہے کہ یتیم کے اموال سے حق حفاظت ونگرانی کے عوض میں دستور کے مطابق لے اگر وہ محتاج ہو اور گزارہ کی صورت نہیں رکھتا۔ مذکورہ بالا دونوں روایتوں کی سند مضبوط ہے۔ نسخ کے بارے میں روایتیں بھی حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہیں، جو ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ کے نزدیک کمزور ہیں، لیکن سعید بن مسیبؒ سے مروی روایت سنداً صحیح ہے اور ائمہ اربعہ نے بھی اس کی صحت تسلیم کی ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۰۵) مگر یہ نسخ ایک اضافی امر ہے، جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ آیت مواریث میں جن کے حصے مقرر کر دیئے گئے ہیں، اگر ان میں سے یتیم کا ولی ہو مثلاً بڑا بھائی اپنے نابالغ بھائی کا، تو اس کے لئے یہ آیت قابل تعمیل ہے۔ چنانچہ مسند عبد الرزاق میں قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر نے اپنے باپ عبد الرحمٰن کی وفات پر ترکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں تقسیم کیا تو انہوں نے اولوالقربیٰ میں سے کسی قرابت دار اور مسکین کو نہیں چھوڑا، ترکے سے دیا۔ قاسم کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: مَا أَصَابَ لَيْسَ ذَلِكَ لَهُ۔ إِنَّمَا ذَلِكَ إِلَى الْوَصِيِّ وَإِنَّمَا ذَلِكَ فِي الْعَصَبَةِ أَيْ نُدِبَ لِلْمَيِّتِ أَنْ يُوصِيَ لَهُمْ: یعنی آیت کی تطبیق میں غلطی کھائی ہے۔ یہ مالک اموال کے لئے ایک مندوب امر ہے کہ فوت ہونے سے پہلے ۱/۳ میں سے وصیت کرے کہ فلاں فلاں مسکین یا رشتہ دار کو بھی دیا جائے۔ ولی کا حق نہیں کہ وہ ایسا کرے۔ یہ حوالے دینے کے بعد امام ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا قول باب ۳ کی محولہ روایت اور اس کے موضوع کے منافی نہیں۔ آیت مذکورہ بالا بہر حال محکم ہے منسوخ نہیں۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ تقسیم میراث کے وقت جب غیر وارث رشتے دار، یتامیٰ اور مساکین آئیں تو ترکہ کی مقدار کافی ہو تو انہیں بھی بطور حسن سلوک اس میں سے دیا جاسکتا ہے۔ اختلاف صرف امر میں ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے یا مستحب ہے۔ مجاہدؒ اور بعض علماء اس کی تعمیل واجب سمجھتے ہیں اور یہی رائے امام ابن حزم کی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ مستحب ہے واجب نہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۰۵، ۳۰۶) غرض دونوں فریق کے نزدیک آیت منسوخ نہیں۔ حالات کا تقاضا مد نظر رہنا چاہیے اور اس تعلق میں یہ امر بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اجتہاد کا دروازہ جس طرح ائمہ اربعہ کے لئے کھلا تھا دیگر ائمہ ابن حزم، ابن تیمیہ اور امام بخاریؒ وغیرہ کے لئے بھی کھلا ہے۔ صرف دیکھنا چاہیئے کہ سیاق کلام اور زبان عربی اس کی متحمل ہے یا نہیں اور قرآن مجید کی وسعت وعظمت اور اس کی شان کس امر میں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن مجید کے جن حقائق سے متعلق نقاب کشائی فرمائی ہے ان میں ایک امر یہ بھی ہے کہ اس کا نزول زبان عربی میں ہوا ہے جو اُمُّ الْاَلْسِنَة ہے اور اس کے الفاظ ومعانی، کلام اور اسالیب بیان میں بہت بڑی وسعت ہے۔

بَاب ٤ : يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ (النساء:١٢)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے حق میں وصیت کرتا ہے

٤٥٧٧ : حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ عَادَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ فِي بَنِي سَلِمَةَ مَاشِيَيْنِ فَوَجَدَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَعْقِلُ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ ثُمَّ رَشَّ عَلَيَّ فَأَفَقْتُ فَقُلْتُ مَا تَأْمُرُنِي أَنْ أَصْنَعَ فِي مَالِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَنَزَلَتْ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ. (النساء:١٢)

۴۵۷۷: ابراہیم بن موسیٰ نے مجھ سے بیان کیا کہ ہشام (بن یوسف) نے ہمیں بتایا کہ ابن جریج نے ان سے بیان کیا، کہا: (محمد) بن منکدر نے مجھے بتایا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ بنی سلمہ کے محلہ میں میری بیمار پرسی کے لئے پیدل چل کر آئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ مجھے کوئی ہوش نہیں۔ آپؐ نے پانی منگوایا اور اس سے وضو کیا۔ پھر آپؐ نے مجھ پر پانی چھڑکا اور میں ہوش میں آ گیا۔ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپؐ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں کہ میں اپنی جائیداد کو کیا کروں؟ تو یہ وحی نازل ہوئی: اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے حق میں وصیت کرتا ہے۔

أطرافهُ: ١٩٤، ٥٦٥١، ٥٦٦٤، ٥٦٧٦، ٦٧٢٣، ٦٧٤٣، ٧٣٠٩۔

تشریح: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ: پوری آیت یہ ہے: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ (النساء:۱۲) اللہ تمہاری اولاد کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے (کہ ایک) مرد کا (حصہ) دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے اور اگر (اولاد) عورتیں (ہی عورتیں) ہوں جو دو سے اوپر ہوں تو ان کے لئے (بھی) جو کچھ اس (مرنے والے) نے چھوڑا ہو (اس کا) دو تہائی مقرر ہے اور اگر ایک (ہی عورت) ہو تو اس کے لئے (ترکہ کا) آدھا ہے اور اگر اس (مرنے والے) کے اولاد ہو تو اس کے ماں باپ کے لئے (یعنی) ان میں سے ہر ایک کے لئے اس کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ (مقرر) ہے اور اگر اس کے اولاد

نہ ہو اور اس کے ماں باپ (ہی) اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا تیسرا حصہ (مقرر) ہے، لیکن اگر اس کے بھائی (بہن موجود) ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ (مقرر) ہے۔ (یہ سب حصے) اس کی وصیت اور (اس کے) قرض (کی ادائیگی) کے بعد (ادا ہوں گے) تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ (دادوں) اور تمہارے بیٹوں میں سے کون تمہارے لئے زیادہ نفع رساں ہے، (یہ) اللہ کی طرف سے فرض مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ یقیناً بہت جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔

روایت زیر باب میں فَنَزَلَتْ کا مفہوم یہ ہے: مذکورہ آیت مواریث کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ترکہ سے متعلق نازل ہوئی اور اس کے مطابق عمل درآمد ہوا تھا۔ خود اس آیت کے الفاظ مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَآ اَوۡ دَيۡنٍ میں گنجائش موجود ہے کہ سابقہ باب کی آیت کے مطابق بھی عمل ہو۔ دونوں آیتیں ایک دوسرے کی نقیض نہیں کہ ان میں سے کسی کو منسوخ سمجھا جائے۔ ان میں عموم و خصوص کا فرق ہے۔ ایک میں حکم عام ہے اور دوسری میں خاص۔ آیت مواریث سورۂ نساء کی ہے جس کے نزول کی تاریخ ۴، ۵ھ ہے۔ جنگ احد کے بعد صحابہ کرام کی شہادت کے بعد ترکہ کا سوال پیچیدہ ہوا۔

مذکورہ بالا باب قائم کرنے کے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ حضرت جابرؓ کلالہ کی حالت میں فوت ہوئے تھے۔ اس لئے اس آیت کے نزول کا ان کے واقعہ سے تعلق نہیں بلکہ آیت يَسۡتَفۡتُوۡنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِى الۡكَلٰلَةِ (النساء:۱۷۷)[1] سے تعلق ہے۔ جیسا کہ امام مسلمؒ کی روایت میں جو بسند شیبہ بن منکدر مروی ہے۔ [2] اس آیت کی مزید شرح سورۂ نساء کے آخر میں دیکھی جائے۔ مختصر الفاظ میں مواریث سے متعلق اصول بیان کر دیئے گئے ہیں۔ جنہیں مدنظر رکھنے کی فقہا اور ائمہ اسلام نے مبسوط کتابیں لکھ کر حکام وقت کی راہنمائی کی ہے اور یہ اسلوب ایجاز زبان عربی ہی کا خاصہ ہے۔

بَاب ۵: وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ (النساء:۱۳)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) تمہارے لئے اُس (ترکہ) کا نصف ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں

۴۵۷۸: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ وَرْقَاءَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ وَكَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ فَنَسَخَ اللهُ مِنْ ذَلِكَ

۴۵۷۸: محمد بن یوسف نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ورقاء (بن عمر یشکری) سے، ورقاء نے ابن ابی نجیح سے، انہوں نے عطاء سے، عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ساری جائیداد اولاد کی ہوا کرتی تھی

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "وہ تجھ سے فتویٰ مانگتے ہیں۔ کہہ دے کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارہ میں فتویٰ دیتا ہے۔"

[2] (مسلم، کتاب الفرائض، باب میراث الکلالۃ)

مَا أَحَبَّ فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ (النساء: ١٢) وَ جَعَلَ لِلْأَبَوَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسَ وَالثُّلُثَ وَجَعَلَ لِلْمَرْأَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ.

اور ماں باپ کو وہ ملتا تھا جو مرنے والا وصیت کر جاتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس دستور سے جو پسند کیا منسوخ فرما دیا اور مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر مقرر کیا اور والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ اور ایک تہائی مقرر کیا اور بیوی کے لئے آٹھواں اور چوتھائی حصہ مقرر کیا اور خاوند کے لئے آدھا اور چوتھا حصہ۔

أطرافه: ٢٧٤٧، ٦٧٣٩۔

تشریح: **وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ:** یہ آیت بھی باب کی محولہ بالا آیت ہی کا حصہ ہے۔ جس میں یہ حکم ہے کہ اگر بیویاں بے اولاد ہونے کی حالت میں فوت ہو جائیں تو خاوندوں کو ان کے ترکہ سے نصف ملے گا۔ زیر باب روایت میں جس نسخ کا ذکر ہے اس کا تعلق سابقہ دستور کی منسوخی سے ہے نہ کسی آیت سے۔ جیسا کہ امام ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے۔ علامہ طبریؒ نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباسؓ ہی کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب آیات میراث نازل ہوئیں تو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا ہم کم سن لڑکی کو ترکے سے دیں۔ جبکہ وہ گھوڑے پر سواری نہیں کر سکتی اور نہ دشمن سے مدافعت کر سکتی ہے؟ وَكَانُوا......فِي الْجَاهِلِيَّةِ لَا يُعْطُونَ الْمِيرَاثَ إِلَّا مَنْ قَاتَلَ الْقَوْمَ۔[1] (یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ میراث نہیں دیتے تھے مگر اُسے ہی جو کسی قوم سے جنگ میں شامل ہوتا) پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں سے جو مناسب نہیں سمجھا اسے منسوخ کر دیا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ آیات میراث نازل ہونے سے قبل سابقہ شریعت اور دستور ملک کے مطابق عمل ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے جو پسند کیا اسلام میں قائم رکھا اور جو مناسب نہیں سمجھا اسے منسوخ کر دیا۔ علامہ ابو مسلم اصبہانی کے نزدیک قرآن مجید میں کوئی آیت دوسری آیت کی ناسخ نہیں اور یہ لفظ تخصیص کے لئے استعمال ہوا ہے، نسخ کے لئے نہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۰۸، ۳۰۹) اور یہی عقیدہ جماعت احمدیہ کا ہے۔

سابقہ باب کی شرح میں واضح کیا جا چکا ہے احکام میں عموم و خصوص کی صورت قطعاً ناسخ منسوخ نہیں کہلاتی اور اس مفہوم میں قرآن مجید کی آیات میں کوئی آیت دوسری آیت سے منسوخ نہیں۔ ائمہ اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شریعت اسلامیہ سابقہ شریعتوں کی ناسخ ہے اور اسی مفہوم میں آیت مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا (البقرۃ:۱۰۷) آئی ہے۔

لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ وَالثُّلُثُ: مراد یہ ہے کہ ماں باپ دونوں کو چھٹا یا تہائی اور خاوند و بیوی کو نصف یا چوتھائی یا آٹھواں مختلف صورت حالات میں دیا جائے گا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۰۹)

[1] (جامع البیان للطبری، تفسیر سورۃ النساء، آیت يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ، جزء۶ صفحہ ۴۵۸)

بَاب ٦ : لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ (النساء: ٢٠) الْآيَةَ

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تمہارے لئے (یہ) جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور تم انہیں اس غرض سے تنگ نہ کرو کہ جو (کچھ) تم نے انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ (چھین کر) لے جاؤ

وَيُذْكَرُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ (النساء: ٢٠) لَا تَقْهَرُوهُنَّ. حُوْبًا (النساء: ٣) إِثْمًا. تَعُوْلُوْا (النساء: ٤) تَمِيْلُوْا. نِحْلَةً (النساء: ٥) النِّحْلَةُ الْمَهْرُ.

اور حضرت ابن عباسؓ سے بیان کیا جاتا ہے: لَا تَعْضُلُوْهُنَّ کے معنی ہیں: ان پر جبر نہ کرو۔ حُوْبًا کا معنی ہے گناہ۔ تَعُوْلُوْا کے معنی ہیں جھک جاؤ۔ نِحْلَة کے معنی ہیں مہر۔

٤٥٧٩ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ الشَّيْبَانِيُّ وَذَكَرَهُ أَبُو الْحَسَنِ السُّوَائِيُّ وَلَا أَظُنُّهُ ذَكَرَهُ إِلَّا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ (النساء: ٢٠) قَالَ كَانُوا إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ كَانَ أَوْلِيَاؤُهُ أَحَقَّ بِامْرَأَتِهِ إِنْ شَاءَ بَعْضُهُمْ تَزَوَّجَهَا وَإِنْ شَاءُوا زَوَّجُوهَا وَإِنْ شَاءُوا لَمْ يُزَوِّجُوهَا وَهُمْ أَحَقُّ بِهَا مِنْ أَهْلِهَا

۴۵۷۹: محمد بن مقاتل نے ہمیں بتایا کہ اسباط بن محمد نے ہم سے بیان کیا کہ (ابواسحاق) شیبانی نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ شیبانی نے یہ بھی کہا کہ ابوالحسن سوائی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ ہی سے روایت کرتے ہوئے اس حدیث کا ذکر کیا۔ (حضرت ابن عباسؓ نے کہا:) اے ایماندارو! تمہارے لئے (یہ) جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور تم انہیں اس غرض سے تنگ نہ کرو کہ جو (کچھ) تم نے انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ (چھین کر) لے جاؤ۔ کہتے تھے: عرب لوگ جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کے وارث اس کی بیوی کے زیادہ حق دار ہوتے۔ اگر ان میں سے کسی نے چاہا اس سے

فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي ذَلِكَ.

شادی کرلی اور اگر چاہا تو کسی اور سے شادی کرائی اور اگر انہوں نے چاہا تو اس کو نہ بیاہا۔ غرض وہ اس عورت کے اس کے اپنے رشتہ داروں سے زیادہ حق دار ہوتے۔ اس لئے یہ آیت اس کے متعلق نازل ہوئی۔

طرفہُ: ٦٩٤٨۔

تشریح: لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا: پوری آیت یہ ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا○ (النساء:۲۰) یعنی اے ایماندارو! تمہارے لئے (یہ) جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور تم انہیں اس غرض سے تنگ نہ کرو کہ جو (کچھ) تم نے انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ (چھین کر) لے جاؤ۔ ہاں اگر وہ کسی کھلی (کھلی) بدی کی مرتکب ہوں (تو اس کا حکم اوپر گزر چکا ہے) اور ان سے اچھا سلوک کرو اور اگر تم انہیں ناپسند کرو تو (یاد رکھو کہ یہ) بالکل ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت (سا) بہتری (کا سامان) پیدا کر دے۔

حضرت ابن عباسؓ سے فقرہ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ کے معنی جبر اور سختی کرنا علامہ طبریؒ اور ابن ابی حاتم نے بسند علی بن ابی طلحہؒ نقل کئے ہیں کہ خاوند بیوی پر جسے وہ ناپسند کرتا ہو سختی کرے تا وہ خلع لینے پر مجبور ہو اور اس طرح تحقیر و جبر سے اسے اپنے حق مہر سے محروم کرے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۰۹) آیت کا یہ مفہوم سیاق وسباق سے بھی واضح ہے۔

حُوْبًا کے معنی ہیں گناہ۔ یہ لفظ سورۂ نساء کی تیسری آیت میں آیا ہے، فرماتا ہے: وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا○ اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور پاک (مال) کے بدلہ میں ناپاک (مال) نہ لو اور ان کے مال اپنے مالوں سے (ملا کر) نہ کھاؤ۔ یہ یقیناً بڑا گناہ ہے۔

مذکورہ بالا معنی بھی ابن ابی حاتم نے ہی بسند عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے جو صحیح سند ہے نقل کئے ہیں اور اسی طرح ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا (النساء:۴)[۱] کی شرح طبریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ مذکورہ ہدایت مدنظر رکھنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم حق سے ادھر ادھر نہ ہوگے۔ اَلَّا تَعُوْلُوْا یعنی اَلَّا تَمِيْلُوْا اور ان سے یہی معنی سعید بن منصورؒ نے بھی صحیح سند سے بسند سعید بن جبیر روایت کئے ہیں۔ اور نِحْلَةً کے معنی ہیں مہر، جو ابن ابی حاتم اور طبریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کئے ہیں۔ لفظ نِحْلَةً آیت وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء:۵) میں آیا

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "یہ (طریق) قریب تر ہے کہ تم ناانصافی سے بچو۔"

ہے۔ یعنی عورتوں کو ان کے واجبات بطور مہر دو۔ نِحْلَةً کے معانی فَرِيضَةً بھی قتادہ سے مروی ہیں۔ اس آیت میں عورتوں کے ولی مخاطب ہیں۔ عورت کا حق مہر لینے اور حسب خواہش صرف کرنے سے انہیں روکا گیا ہے۔ نِحْلَةً کے معانی کلام عرب میں واجب کے ہیں۔ جیسا کہ طبریؒ نے بیان کیا ہے۔ امام بخاریؒ کو اس شرح کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ بعض نے نِحْلَةً کے معنی عطیہ کئے ہیں۔ یعنی بخشش۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۱۰) جس کا دینا یا نہ دینا اختیاری امر ہے۔ اس غلط مفہوم کا ردّ مقصود ہے۔ یہ حق جسے صدقات کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، بطور فرض کے واجب ہوگا۔ صدقہ کا مفہوم بتایا جا چکا ہے کہ وہ عمل جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے اور ہر نقص سے خالی ہو۔ خود لفظ صدقہ کے معنوں میں وجوب کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جس طرح اسلام میں صلوٰۃ وصوم وحج وغیرہ عبادات میں بعض فرض اور بعض نفل ہیں۔ اسی طرح بیوی کو بوقت نکاح مہر دئے جانے کا حکم خاوند کو ہے۔ وہ بھی دو قسم کا ہے۔ ایک مہر جو فرض واجب ہے اور اس کے علاوہ بطور تحفہ وہدیہ۔ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ میں صدقات کا معنی مہر اسی مفہوم میں آیا ہے اور لفظ نِحْلَةً سے وضاحت کی گئی ہے کہ اس کی ادائیگی فرض واجب ہے نہ کہ اختیاری امر۔

بَاب ۷

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝ (النساء: ۳۴) الْآيَةَ

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور ہر ایک (شخص) کے لئے ہم نے اس کے ترکہ کے متعلق وارث مقرر کر دئے ہیں (وہ وارث) ماں باپ اور قریبی رشتہ دار (ہیں) اور وہ (بھی) جن کے ساتھ تم نے پکے عہد وپیمان کئے ہیں (یعنی بیویاں یا خاوند) سو اُن کو بھی ان کا مقررہ حصّہ دو۔ اور اللہ ہر ایک امر پر یقیناً نگران ہے۔

وَقَالَ مَعْمَرٌ مَوَالِيَ (النساء: ۳۴) أَوْلِيَاءُ وَرَثَةٌ، عَاقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ هُوَ مَوْلَى الْيَمِينِ وَهْوَ الْحَلِيفُ، وَالْمَوْلَى أَيْضًا ابْنُ الْعَمِّ وَالْمَوْلَى الْمُنْعِمُ الْمُعْتِقُ وَالْمَوْلَى الْمُعْتَقُ وَالْمَوْلَى الْمَلِيكُ وَالْمَوْلَى مَوْلًى فِي الدِّينِ.

اور معمر نے کہا: مَوَالِيَ کے معنی والی یعنی وارث۔ عَاقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ سے مراد ہیں وہ وارث جن کے ساتھ پکے عہد وپیمان ہیں۔ نیز مَوْلیٰ چچا کے بیٹے کو بھی کہتے ہیں اور وہ آقا بھی جو احسان کر کے غلام کو آزاد کر دے اور مَوْلیٰ اس غلام کو بھی کہتے ہیں جو آزاد کر دیا جائے اور مَوْلیٰ بمعنی مَلِيك یعنی بادشاہ بھی ہے۔ ایسا ہی دینی پیشوا بھی مَوْلیٰ کہلاتا ہے۔

۴۵۸۰: حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ إِدْرِيسَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ (النساء:۳۴) قَالَ وَرَثَةً، وَالَّذِيْنَ عَاقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ كَانَ الْمُهَاجِرُونَ لَمَّا قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَرِثُ الْمُهَاجِرُ الْأَنْصَارِيَّ دُونَ ذَوِي رَحِمِهِ لِلْأُخُوَّةِ الَّتِي آخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ (النساء:۳۴) نُسِخَتْ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْنَ عَاقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنَ النَّصْرِ وَالرِّفَادَةِ وَالنَّصِيحَةِ وَقَدْ ذَهَبَ الْمِيرَاثُ وَيُوصِي لَهُ. سَمِعَ أَبُو أُسَامَةَ إِدْرِيسَ وَسَمِعَ إِدْرِيسُ طَلْحَةَ.

۴۵۸۰: صلت بن محمد نے ہم سے بیان کیا کہ ابواسامہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ادریس سے، ادریس نے طلحہ بن مصرف سے، طلحہ نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی: آیت وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ[۱] میں (جو مَوَالِيَ کا لفظ ہے) انہوں نے کہا: (اس کے معنی ہیں) وارث۔ اور وَالَّذِيْنَ عَاقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ سے مراد مہاجر ہیں۔ جب وہ مدینہ میں آئے تو مہاجر بھی انصاری کا وارث ہوتا، اس کے اپنے رشتہ داروں کے علاوہ اس اخوت کی وجہ سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان قائم کی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی: اور ہر ایک (شخص) کے لئے ہم نے اس کے ترکہ کے متعلق وارث مقرر کر دئے ہیں، تو (مہاجرین کی وہ وراثت) منسوخ ہوگئی۔ پھر اس کے بعد فرمایا: وہ لوگ جن سے عہد و پیمان ہو چکے ہیں، یعنی ان کی مدد و اعانت اور خیر خواہی کرنے کے، وراثت کا تو ان کا حق نہ رہا، مگر وصیت کی جاسکتی ہے۔ (اس کی ایک سند میں یوں ہے:) ابواسامہ نے ادریس سے سنا اور ادریس نے طلحہ سے سنا۔

أطرافه: ۲۲۹۲، ۶۷۴۷۔

تشریح: وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ: پوری آیت یہ ہے: وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ط وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝ (النساء:۳۴) اور ہر ایک (شخص) کے لئے ہم نے اس کے ترکہ کے متعلق وارث مقرر کر دئے ہیں (وہ وارث) ماں باپ اور قریبی رشتہ دار (ہیں) اور وہ (بھی) جن کے ساتھ تم نے پکے عہد و پیمان کئے ہیں۔ (یعنی بیویاں یا خاوند) سو ان کو بھی ان کا مقررہ حصّہ دو۔ اور اللہ ہر ایک امر پر یقیناً نگران ہے۔

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور ہم نے ہر ایک کے لئے وارث بنائے ہیں۔“

مَوَالِی کے متعدد معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے جو عقد عہد کی رو سے وارث ہیں سب سے پہلے خاوند و بیوی ہیں۔ اسی طرح دیگر افراد جو حلفاء کی فہرست میں شمار کئے گئے ہیں۔ اور ان کا حق علی حسب حالات ہو گا جن کی وضاحت قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں موجود ہے۔

روایت زیر باب ۷ میں جو صورت وراثت بیان کی گئی ہے وہ حالات ہجرت کی وجہ سے تھی اور ایک عارضی اور اختیاری عملدرآمد ہوا جو آیات مواریث سے کالعدم ہو گیا اور یہ آیات بدستور قائم اور واجب العمل ہیں۔ بعض مفسرین نے آیت وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ کو منسوخ سمجھا ہے جو درست نہیں۔ مذکورہ بالا روایت سے ظاہر ہے کہ سابقہ تعامل منسوخ ہوا نہ کہ مذکورہ بالا آیت۔ اس روایت سے جو غلط فہمی پیدا ہوئی اسے دور کرنے کے لئے امام بخاریؒ نے مَوَالِی کے متعدد معانی بیان کر کے اس طرف توجہ منعطف کی ہے کہ مذکورہ بالا اشخاص بھی حالات کے تقاضا سے از روئے آیت وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ وارث ہو سکتے ہیں اور ان کے حصوں کا تعین قرآن مجید اور حدیث نبوی میں موجود ہے، جیسا کہ لفظ نَصِيْبٌ بھی دلالت کرتا ہے کہ ایسے مَوَالِی کا بھی حصہ مقرر کیا گیا ہے جس کا دینا ضروری ہے۔ محولہ آیت کے دونوں حصے قائم ہیں اور قابل عمل۔ صرف دیکھنا یہ ہے کہ اولوالارحام کے ماسوا کن حالات میں وارث ہوں گے اور ان کا کیا حصہ ہے۔ یعنی خاوند و بیوی جو رحمی رشتہ کی وجہ سے قرابت دار نہیں اور آیت عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ کی رو سے عہد و پیمان کرنے والوں میں شامل ہیں۔ اسی طرح آقا و غلام جن کے درمیان معاہدہ آزادی ہوا یا کسی دوسرے نے آقا کو رقم دے کر کسی غلام کی آزادی حاصل کی۔ اگر غلام لاوارث فوت ہو جاتا ہے تو آزاد کرانے والا اس کا وارث ہو گا نہ کہ اس کا اصل آقا جو معاوضہ لے کر اپنے حق ملکیت سے دستبردار ہو چکا ہے۔ اس تعلق میں دیکھئے بریرہؓ کے ورثے کا واقعہ کتاب العتق، باب ۱۰، روایت نمبر ۲۵۳۶۔

عنوان باب میں مَوَالِی کے متعدد معانی بلاوجہ نہیں دیئے گئے۔ آیت وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ میں جن عہد و پیمان کرنے والوں کا ذکر ہے وہ بھی مَوَالِی کے وسیع مفہوم میں شامل کئے گئے ہیں۔ آیت کے دونوں حصے متضاد نہیں کہ ایک ناسخ اور دوسری منسوخ سمجھی جائے۔ اگر دوسری منسوخ ہوتی تو فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ یہ نہ کہا جاتا کہ ان کا مقرر حصہ انہیں دو۔ قرآن مجید کی آیت وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا (الاحزاب:۷) اور رحمی رشتہ داروں میں سے اللہ کی کتاب کے مطابق بعض بعض سے زیادہ قریبی ہیں بہ نسبت (غیر رشتہ دار) مومنوں اور مہاجروں کے۔ ہاں تمہارا اپنے دوستوں سے نیک سلوک کرنا (جائز ہے) یہ بات قرآن میں لکھی جا چکی ہے۔ نیز سورۂ انفال کی آیت نمبر ۷۳ تا ۷۶ میں اولیاء کی تعریف کی گئی ہے اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی ہدایت الگ ہے اور اس کے لئے ایک تہائی وصیت میں سے دیئے جانے کا راستہ کھلا ہے۔ اس لئے ان آیات کے ناسخ یا منسوخ ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ عقیدہ نسخ آیات محض ایک خیالی ہے اور نہایت بودہ ہے اور اس کی کمزوری اس امر سے ظاہر ہے کہ کسی نے منسوخ آیات کی تعداد ۵۰۰ بتائی ہے اور کسی نے صرف پانچ اور کسی کے نزدیک کوئی آیت منسوخ نہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا خیال کا اصل باعث فہم آیات کی کمزوری ہے۔

روایت نمبر ۴۵۸۰ کے آخر میں سَمِعَ أَبُو أُسَامَةَ إِدْرِيسَ وَسَمِعَ إِدْرِيسُ طَلْحَةَ سے اس روایت کے سماعی ہونے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ چنانچہ مذکورہ روایت سے بھی ظاہر ہے کہ وہ معنعن ہے اور اعلیٰ پایہ کی روایت نہیں کہ اس سے کوئی آیت جو نص صریح اور قابل عمل ہو منسوخ قرار دی جائے۔

بَاب ۸ : إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (النساء: ٤١)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اللہ ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا

يَعْنِي زِنَةَ ذَرَّةٍ.

یعنی ذرہ کے وزن کے برابر بھی (ظلم نہیں کرتا)۔

٤٥٨١ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَرَ حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ أُنَاسًا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ بِالظَّهِيرَةِ ضَوْءٌ لَيْسَ فِيهِ سَحَابٌ قَالُوا لَا قَالَ وَهَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ ضَوْءٌ لَيْسَ فِيهِ سَحَابٌ قَالُوا لَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا كَمَا تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ أَحَدِهِمَا إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

۴۵۸۱: محمد بن عبد العزیز نے ہم سے بیان کیا کہ ابو عمر حفص بن میسرہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے زید بن اسلم سے، زید نے عطاء بن یسار سے، عطاء نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنے ربّ کو قیامت کے روز دیکھیں گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ کیا دوپہر کے وقت تمہیں سورج دیکھنے میں کچھ مشکل ہوتی ہے جبکہ اس کی روشنی صاف ہو اس میں کوئی اَبر نہ ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: اور کیا تمہیں چودھویں رات کے چاند کے دیکھنے میں کچھ مشکل ہوتی ہے جبکہ اس کی روشنی صاف ہو، اس میں کوئی بادل نہ ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز تم کو اللہ عزوجل کے دیکھنے میں بھی کوئی دقت نہ ہوگی۔ اگر ہوئی بھی تو اتنی، جتنی کہ سورج وچاند میں سے کسی کے دیکھنے میں۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک اعلان کرنے والا اعلان

أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ تَتْبَعُ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ فَلَا يَبْقَى مَنْ كَانَ يَعْبُدُ غَيْرَ اللهِ مِنَ الْأَصْنَامِ وَالْأَنْصَابِ إِلَّا يَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ بَرٌّ أَوْ فَاجِرٌ وَغُبَّرَاتُ أَهْلِ الْكِتَابِ فَيُدْعَى الْيَهُودُ فَيُقَالُ لَهُمْ مَنْ كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ قَالُوا كُنَّا نَعْبُدُ عُزَيْرَ ابْنَ اللهِ فَيُقَالُ لَهُمْ كَذَبْتُمْ مَا اتَّخَذَ اللهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَّلَا وَلَدٍ فَمَاذَا تَبْغُونَ فَقَالُوا عَطِشْنَا رَبَّنَا فَاسْقِنَا فَيُشَارُ أَلَا تَرِدُونَ فَيُحْشَرُونَ إِلَى النَّارِ كَأَنَّهَا سَرَابٌ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ ثُمَّ يُدْعَى النَّصَارَى فَيُقَالُ لَهُمْ مَنْ كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ قَالُوا كُنَّا نَعْبُدُ الْمَسِيحَ ابْنَ اللهِ فَيُقَالُ لَهُمْ كَذَبْتُمْ مَا اتَّخَذَ اللهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَّلَا وَلَدٍ فَيُقَالُ لَهُمْ مَاذَا تَبْغُونَ فَكَذَلِكَ مِثْلُ الْأَوَّلِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ مِنْ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ أَتَاهُمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ فِي أَدْنَى صُورَةٍ مِنَ الَّتِي رَأَوْهُ فِيهَا فَيُقَالُ مَاذَا تَنْتَظِرُونَ تَتْبَعُ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ قَالُوا فَارَقْنَا النَّاسَ فِي الدُّنْيَا

کرے گا: ہر ایک امت اسی کے پیچھے ہو گی جس کی پوجا کرتی تھی۔ پھر جو لوگ اللہ کے سوا بتوں اور مجسموں کی پوجا کرتے تھے ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا۔ مگر وہ سب آگ میں یکے بعد دیگرے گرتے چلے جائیں گے۔ جب صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ نیک ہوں یا برے اور اہل کتاب میں سے کچھ باقی ماندہ لوگ تو یہود لائے جائیں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا: تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: ہم عزیر ابن اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ ان سے کہا جائے گا: تم جھوٹ کہتے ہو، اللہ نے نہ کسی کو اپنی بیوی بنایا اور نہ بیٹا۔ پس تم اب کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے ربّ! ہم پیاسے ہیں ہمیں پانی پلاؤ۔ ان کو اشارہ کرکے بتایا جائے گا وہاں جا کر تم پانی پیو گے۔ تو وہ ایک ایسی آگ کی طرف ہانکے جائیں گے گویا کہ وہ سراب ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے کو کچل رہا ہے۔ تو وہ بھی یکے بعد دیگرے آگ میں گرتے چلے جائیں گے۔ پھر اس کے بعد عیسائی بلائے جائیں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا: تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: مسیح اللہ کے بیٹے کی ہم عبادت کرتے تھے۔ ان سے کہا جائے گا: تم جھوٹ بولتے ہو، اللہ نے تو کسی کو نہ بیوی بنایا نہ اپنا بیٹا۔ ان سے پوچھا جائے گا: اب تم

عَلَى أَفْقَرِ مَا كُنَّا إِلَيْهِمْ وَلَمْ نُصَاحِبْهُمْ وَنَحْنُ نَنْتَظِرُ رَبَّنَا الَّذِي كُنَّا نَعْبُدُ فَيَقُولُ أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ لَا نُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا.

کیا چاہتے ہو؟ ان کا بھی پہلوں کی طرح حال ہو گا۔ جب ان لوگوں کے سوا کوئی باقی نہ رہے گا جو اللہ کی عبادت کرتے تھے خواہ نیک ہوں یا برے، تو ربّ العالمین ان کے پاس ایسے جلوے میں آئے گا جو اس جلوے کے قریب ہو گا جس میں کہ انہوں نے اس کو پہلے دیکھا۔ ان سے پوچھا جائے گا: تم کس کا انتظار کر رہے ہو؟ ہر ایک امت اس کے پیچھے چلی گئی ہے جس کی وہ عبادت کرتی تھی۔ وہ کہیں گے کہ ہم دنیا میں لوگوں سے ایسی حالت میں الگ ہوئے جبکہ ہم ان کے بہت ہی محتاج تھے۔ اور ہم نے ان کا ساتھ نہ دیا اور ہم اپنے اس ربّ کا انتظار کر رہے ہیں جس کی عبادت کرتے تھے۔ وہ کہے گا: میں تمہارا ربّ ہوں۔ وہ دو یا تین بار کہیں گے: ہم کسی چیز کو بھی اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے۔

أطرافه: ۲۲، ۴۹۱۹، ۶۵۶۰، ۶۵۷۴، ۷۴۳۸، ۷۴۳۹۔

تشریح: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ: زِنَةَ ذَرَّةٍ یعنی ذرہ کے وزن کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ الذَّرُّ کے معنی ہیں چھوٹی چیونٹیاں اور مٹی کے ذرات۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۱۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ○ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ○ (النساء: ۴۱ تا ۴۳) یعنی اللہ ہر گز ایک ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرے گا اور اگر (کسی کی) کوئی نیکی ہو گی تو اسے بڑھائے گا اور اپنے پاس سے (بھی) بہت بڑا اجر دے گا۔ اور ان کا کیا حال ہو گا جب ہم ہر ایک جماعت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان لوگوں کے متعلق (بطور) گواہ لائیں گے۔ اس دن جنہوں نے کفر کیا ہے اور (اس) رسول کی نافرمانی کی ہے خواہش کریں گے کہ (کاش) ان کو زمین میں دفن کر دیا جاتا اور وہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔

سورۂ نساء کی محولہ بالا آیت سے اس حدیث کا صرف اس قدر تعلق معلوم ہوتا ہے کہ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ کی شرح

اس سے ہوتی ہے۔ آیت سے ظاہر ہے کہ نیکی کا بدلہ بڑھ چڑھ کر دیا جائے گا اور اس بدلے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید اجر عظیم کا وعدہ ہے۔ ایک عابد کے لئے دیدارِ معبود سے بڑھ کر اور کیا اَجر ہو سکتا ہے۔

فِي أَدْنَى صُورَةٍ: ربّ العالمین کی صفات جس صورت میں اب متجلی ہیں، اُخروی تجلی بھی اس کے قریب قریب لیکن اپنی شان میں بہت بڑھ کر ہوگی۔ ورنہ جہاں تک اس دنیاوی زندگی کے حالات کا تقاضا ہے ربوبیت کما حقہ کارفرما ہے وہ ناقص نہیں۔

بَاب ۹

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا ○ (النساء:۴۲)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر ایک جماعت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان لوگوں کے متعلق (بطور) گواہ لائیں گے

الْمُخْتَالُ وَالْخَتَّالُ وَاحِدٌ. نَطْمِسَ وُجُوهًا (النساء:۴۸) نُسَوِّيَهَا حَتَّى تَعُودَ كَأَقْفَائِهِمْ، طَمَسَ الْكِتَابَ مَحَاهُ. جَهَنَّمَ سَعِيرًا (النساء:۵۶) وُقُودًا.

اَلْمُخْتَالُ اور اَلْخَتَّالُ کے ایک ہی معنی ہیں (یعنی اکڑ کر چلنے والا۔) نَطْمِسَ وُجُوهًا کے معنی ہیں ہم ان کے بڑے بڑے لوگوں کو مٹا ڈالیں گے یہاں تک کہ وہ ایسے کالعدم ہو جائیں گے جیسے پہلے تھے۔ طَمَسَ الْكِتَابَ: یعنی لکھ کر مٹا دیا۔ سَعِيرًا کے معنی ہیں ایندھن۔

۴۵۸۲: حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ يَحْيَى بَعْضُ الْحَدِيثِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ

۴۵۸۲: صدقہ (بن فضل) نے ہم سے بیان کیا کہ یحيٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے سفیان (ثوری) سے، سفیان (ثوری) نے سلیمان (اعمش) سے، سلیمان نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے عبیدہ (بن عمرو سلمانی) سے، عبیدہ نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ یحيٰ نے کہا: اس حدیث کا ایک حصہ عمرو بن مرہ سے مروی ہے۔ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے) کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

سُورَةَ النِّسَاءِ حَتَّى بَلَغْتُ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ○(النساء:٤٢) قَالَ أَمْسِكْ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ.

فرمایا: مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ میں نے کہا: میں آپؐ کو قرآن پڑھ کر سناؤں حالانکہ آپؐ پر نازل کیا گیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: میں دوسرے سے اس کو سننا پسند کرتا ہوں۔ پھر میں نے آپؐ کو سورۂ نساء پڑھ کر سنائی۔ جب یہاں پہنچا: اور ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر ایک جماعت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان لوگوں کے متعلق (بطور) گواہ لائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: بس کرو۔ میں کیا دیکھتا ہوں، آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

أطرافه: ٥٠٤٩، ٥٠٥٠، ٥٠٥٥، ٥٠٥٦۔

تشریح: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ: معنونہ آیت سابقہ باب کی آیت کے معاً بعد ہے۔ فرماتا ہے: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ○ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ○(النساء:۴۲،۴۳) ترجمہ: اور ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر ایک جماعت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان لوگوں کے متعلق (بطور) گواہ لائیں گے۔ اس دن جنہوں نے کفر کیا ہے اور (اس) رسول کی نافرمانی کی ہے خواہش کریں گے کہ (کاش) ان کو زمین میں دفن کر دیا جاتا اور وہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔ آیت کا مفہوم واضح ہے کہ جزا سزا دینے سے قبل ہر امت پر اس کے رسول کی شہادت سے اتمام حجت کی جائے گی اور اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ہوگی۔ جو تمام قوموں کو تبلیغ حق کرنے کی غرض سے مبعوث ہوئے ہیں، تا محاسبہ ہر پہلو سے مکمل ہو اور کسی قوم کو کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ان کے ساتھ مجازاۃ میں عدل و رحم کا سلوک نہیں ہوا۔

عنوان باب میں الفاظ الْمُخْتَالُ، نَطْمِسَ وُجُوْهًا، جَهَنَّمَ سَعِيْرًا سے مندرجہ ذیل آیات کی طرف اشارہ ہے:

۱) مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○ (الحدید:۲۳،۲۴) یعنی زمین میں کوئی مصیبت نہیں آتی اور نہ تمہاری جانوں پر کوئی مصیبت آتی ہے لیکن اس کے ظہور سے بھی پہلے ہم نے اسے مقرر کر دیا ہوتا ہے۔ یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے تا کہ اپنی کوتاہی پر تم کو کوئی افسوس نہ ہو اور نہ اس پر تم خوش ہو جو اللہ تم کو دے۔ اور اللہ ہر شیخی خورے اکڑباز کو پسند نہیں کرتا۔ ہر مصیبت اور تکلیف میں تقدیر و قانون کارفرما ہوتا ہے۔ الٰہی مؤاخذہ اندھا دھند نہیں۔ مُخْتَال اور خَتَّال کے معنی شیخی خور، اکڑباز۔

۲) يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ○(النساء:۴۸) اے لوگو! جنہیں کتاب (الٰہی) دی گئی تھی اس (کتاب) پر جسے ہم نے (اَب) اتارا ہے۔ جو اس (کلام الٰہی) کو پورا کرنے والی ہے۔ جو تمہارے پاس (پہلے سے موجود) ہے۔ اس سے پیشتر ایمان لے آؤ کہ ہم تم میں سے بڑے آدمیوں کو ہلاک کر دیں اور ان کو ان کی پیٹھوں کے بل پھرا دیں یا جس طرح ہم نے سبت والوں پر لعنت کی تھی اسی طرح ان پر (بھی) لعنت کریں اور اللہ کی بات (ضرور پوری) ہو کر رہے گی۔

۳) اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ○ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ○ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ○(النساء:۵۴ تا ۵۶) یعنی کیا ان کا حکومت میں کوئی حصہ ہے؟ تب تو وہ لوگوں کو کھجور کی گٹھلی کے سوراخ کے برابر بھی نہ دیں گے۔ یا جو (کچھ) اللہ نے اپنے فضل سے لوگوں کو دیا ہے (کیا) وہ اس کی بنا پر ان سے حسد کرتے ہیں؟ (اگر یہ بات ہے) تو ہم نے ابراہیم کی اولاد کو (بھی) کتاب اور حکمت دی تھی اور (نیز) ہم نے ان کو بڑی حکومت دی تھی۔ پھر ان میں سے بعض تو اس (نئی کتاب) پر ایمان لے آئے اور بعض ان میں سے اس سے رُک رہے۔ اور جہنم تمازت میں بہت زیادہ ہے۔

مذکورہ تینوں آیات اور آیت محولہ باب اور زیر باب حدیث سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مملکت میں ہر شے ضابطہ الٰہی سے منضبط ہے۔ مجازاۃ میں نہ کسی سے بخل ہے نہ کسی پر تعدی۔ انسان کو اخلاق باری تعالیٰ میں اپنے نفس پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا پر آب دیدہ ہوگئے۔ اس سے آپؐ کے احساس ذمہ داری کی شدت ظاہر ہے۔ بہت ہیں جو ان آیات سے گزرتے ہیں۔ سوائے خوش الحانی کے نہ آیات کا مفہوم ذہن میں ہوتا ہے نہ وہ دل میں اثر پیدا کرتی ہیں۔

بَاب ۱۰

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ (النساء:۴۴)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو (اور تم جنبی ہو تو تیمّم کر لیا کرو) یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آیا ہو

صَعِيْدًا (النساء:۴۴) وَجْهَ الْأَرْضِ. وَقَالَ جَابِرٌ كَانَتِ الطَّوَاغِيتُ الَّتِي يَتَحَاكَمُونَ إِلَيْهَا فِي جُهَيْنَةَ وَاحِدٌ وَفِي أَسْلَمَ وَاحِدٌ وَفِي كُلِّ حَيٍّ وَاحِدٌ.

صَعِيْدًا کے معنی ہیں سطح زمین۔ اور حضرت جابرؓ نے کہا: طاغوت وہ لوگ تھے جن کے پاس عرب لوگ اپنے مقدمے فیصلہ کے لئے لے جاتے تھے۔ جہینہ قبیلہ میں بھی ایک طاغوت تھا اور اسلم

كُهَّانٌ يَنْزِلُ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ. وَقَالَ عُمَرُ الْجِبْتُ السِّحْرُ، وَالطَّاغُوتُ الشَّيْطَانُ. وَقَالَ عِكْرِمَةُ الْجِبْتُ بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ شَيْطَانٌ، وَالطَّاغُوتُ الْكَاهِنُ.

میں بھی ایک تھا اور ہر قبیلہ میں ایک طاغوت ہوتا۔ یہ وہ کاہن تھے جن پر شیطان اترا کرتا تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے کہا: جِبْت سحر کو کہتے ہیں اور طَاغُوْت شیطان کو۔ اور عکرمہ نے کہا: جِبْت حبشی زبان میں شیطان کو کہتے ہیں اور طَاغُوْت کاہن کو۔

٤٥٨٣: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ هَلَكَتْ قِلَادَةٌ لِأَسْمَاءَ فَبَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَلَبِهَا رِجَالًا فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسُوا عَلَى وُضُوءٍ وَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَصَلَّوْا وَهُمْ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ فَأَنْزَلَ اللهُ يَعْنِي آيَةَ التَّيَمُّمِ.

۴۵۸۳: محمد (بن سلام بیکندی) نے ہم سے بیان کیا کہ عبدہ (بن سلیمان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ہشام (بن عروہ) سے، ہشام نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ فرماتی تھیں: اسماءؓ کا ایک ہار گم ہو گیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاش میں کچھ لوگوں کو بھیجا اور نماز کا وقت آ پہنچا اور لوگ باوضو نہیں تھے اور انہوں نے پانی بھی نہ پایا۔ انہوں نے نماز پڑھ لی اور وہ بغیر وضو تھے۔ تو پھر اللہ نے یہ وحی نازل کی۔ یعنی تیمم کی آیت۔

أطرافه: ٣٣٤، ٣٣٦، ٣٦٧٢، ٣٧٧٣، ٤٦٠٧، ٤٦٠٨، ٥١٦٤، ٥٢٥٠، ٥٨٨٢، ٦٨٤٤، ٦٨٤٥-

تشریح: وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ: پوری آیت یہ ہے: وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ○ (النساء: ۴۴) اور اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو (اور تم جنبی ہو تو تیمم کر لیا کرو) یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آیا ہو (اور تم کو پانی نہ ملے) اور تم عورتوں سے ہم صحبت بھی ہو چکے ہو (یعنی جنبی ہو) اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو (یعنی تیمم کرو) پھر (تم ان مٹی والے ہاتھوں کو) اپنے مونہوں اور ہاتھوں پر ملو۔ اللہ یقیناً بہت معاف کرنے والا (اور) بہت بخشنے والا ہے۔

آیت محولہ بالا میں لفظ صَعِيْدًا کے معنی ہیں سطح زمین، جس پر پانی نہ ملنے کی حالت میں تیمم کیا جا سکتا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب التیمم۔ روایت نمبر ۴۵۸۳ سے ظاہر ہے کہ حالات کے تقاضا سے احکام شریعت نازل ہوئے۔

وَقَالَ جَابِرٌ كَانَتِ الطَّوَاغِيتُ الَّتِي يَتَحَاكَمُونَ إِلَيْهَا: ابن ابی حاتمؒ نے وہب بن منبہ سے موصولاً نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت جابرؓ سے طاغوت کی نسبت پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ کاہن و پنڈت ہی کا نام ہے۔ (فتح الباری جزء٨ صفحہ ٣١٨) طَوَاغِيت جمع ہے۔ طَوَاغِيتُ الْعَرَب مشرکین کے مذہبی سرداروں کا نام تھا۔ ان کا فیصلہ قول ناطق سمجھا جاتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ قبیلہ جہینہ و قبیلہ اسلم اور اسی طرح ہر قبیلہ میں کاہن ہوتے، جن کے پاس تنازعات اور مشکل امور حل کرنے کے لئے پیش کئے جاتے تھے۔ قدیم الایام سے ان لوگوں کا تسلط عوام الناس پر عجیب و غریب طریق اور ہیبت ناک صورت و شکل میں چلا آتا ہے۔ ان کے وضع قطع سے، لباس کی طرز اور بود و باش میں علیحدگی لوگوں کو ان سے مرعوب رکھنے میں مدد دیتی ہے۔ سورۂ نساء میں ان کا ذکر بایں الفاظ ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ○ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ○ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا (النساء: ٥٠ تا ٥٢) کیا تجھے ان لوگوں کا حال معلوم نہیں جو اپنے آپ کو پاک قرار دیتے ہیں۔ (ان کا یہ حق نہیں) بلکہ اللہ جسے پسند کرتا ہے اس کو پاک قرار دیتا ہے اور (ان پر) کھجور کی گٹھلی کی لکیر کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ دیکھو وہ کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور یہ (بات) کافی (طور پر) کھلا (کھلا) گناہ ہے۔ کیا تجھے ان لوگوں کا حال معلوم نہیں جنہیں کتاب (الٰہی) میں سے کچھ حصہ دیا گیا تھا (کہ) وہ بے فائدہ (باتوں) اور حد سے بڑھنے والوں پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں کی نسبت زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اسی آیت کا حوالہ لفظ الْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْت سے عنوانِ باب میں دیا گیا ہے۔

وَقَالَ عُمَرُ الْجِبْتُ السِّحْرُ وَالطَّاغُوتُ الشَّيْطَانُ: جِبْت کا معنی سحر اور طَاغُوْت کا مترادف شیطان حضرت عمرؓ سے مروی ہیں اور روایت کی سند عبد بن حمید نے موصولاً نقل کی ہے جو مضبوط ہے۔ (فتح الباری جزء٨ صفحہ ٣١٨) یہ امر کہ جِبْت حبشی زبان کا لفظ ہے تحقیق طلب ہے۔ یہ زبان بھی سامی الاصل زبانوں میں سے ہے اور بعید نہیں کہ کثرت استعمال کی وجہ سے حبشی زبان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔ کیونکہ سحر کاری کا عقیدہ احباش اور افریقہ کی باقی اقوام میں اکثر رائج تھا اور اب تک بھی ہے اور ہر ملک میں اس عقیدہ کا ذہنوں پر تسلط رہا ہے۔ کیا ہندوستان و جاوا، سماٹرا اور مشرق بعید کے جزائر میں، کیا امریکہ شمالی و جنوبی کی قدیم آبادیوں خاص کر میکسیکو میں جہاں یہ نہایت مہیب اور سفاکانہ صورت و شکل رکھتا تھا۔ جِبْت جادوگری کی فریب کاری سے مخصوص تھا اور شیطان و طاغوت مترادف نام تھے جو کاہنوں پر اطلاق پاتے تھے۔ طبریؒ نے بھی حضرت عمرؓ کے قول کی طرح ایک قول نقل کیا ہے اس میں یہ الفاظ زائد ہیں: وَالطَّاغُوتُ الشَّيْطَانُ فِي صُورَةِ إِنْسَانٍ يَتَحَاكَمُونَ إِلَيْهِ۔[1] طاغوت یعنی انسانی صورت میں شیطان، جس کے پاس لوگ اپنے مقدمے فیصلہ کے لئے لے جائیں۔ (فتح الباری جزء٨ صفحہ ٣١٨)

---

[1] (جامع البیان للطبری، تفسیر سورۃ النساء، آیت اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا، جزء٧ صفحہ ١٣٦)

دراصل لفظ طاغوت اور شیطان ہم معنی ہیں۔ طَاغُوت طَغَا سے مبالغہ کا صیغہ ہے، حد سے بڑھنے والا۔ اور شیطان شَاطَ سے ہے۔ بَعُدَ: دور تک نکل گیا یا بھڑک اٹھا، آگ بگولہ ہو گیا۔ یہ سب نام عربوں میں متعارف تھے۔ جن کے معانی اور مصداق بعد میں جہالت کی وجہ سے بھلائے جا چکے ہیں۔ اللہ بھلا کرے حضرت امام بخاریؒ اور دیگر محدثین حضرات کا کہ انہوں نے بڑی محنت سے آیات کا صحیح مفہوم ہمارے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ مذکورہ بالا تبصرہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شیطان کا معنوی وجود ہی نہیں۔ نفس ناطقہ بشریہ میں بھی اس کا وجود متحقق ہے۔ جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ خون کے ساتھ انسان کے رگ و پے میں سرایت کرتا ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے۔ دیکھئے کتاب بدء الخلق، باب ۱۱ روایت نمبر ۳۲۸۱

بَاب ۱۱: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ۶۰)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے فرمانرواؤں کی بھی اطاعت کرو

ذَوِي الْأَمْرِ. فرمانروا۔

٤٥٨٤: حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ يَعْلَى بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ۶۰) قَالَ نَزَلَتْ فِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ بْنِ قَيْسِ بْنِ عَدِيٍّ إِذْ بَعَثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ.

۴۵۸۴: صدقہ بن فضل نے ہم سے بیان کیا کہ حجاج بن محمد نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابن جریج سے، ابن جریج نے یعلیٰ بن مسلم سے، یعلیٰ نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: آیت اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔[1] عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدیؓ کی بابت اتری، جب نبی ﷺ نے ان کو جنگ میں (ایک فوج کا سردار بنا کر) بھیجا۔

تشریح: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ: پوری آیت یہ ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (النساء: ۶۰) یعنی اے ایماندارو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے فرمانرواؤں کی بھی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم (حکام سے) کسی امر میں اختلاف

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے حکام کی بھی۔"

کرو تو اگر تم اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو (اور ان کے حکم کی روشنی میں معاملہ طے کرو) یہ (بات) بہتر اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھی ہے۔

اس آیت سے متعلق اختلاف ہے کہ آیا جب حکومت غیر اسلامی ہو تو حکام اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ میں شامل ہیں یا نہیں۔ روایت نمبر ۴۵۸۴ سے ظاہر ہے کہ اس آیت کا نزول مسلمانوں سے مختص ہے اور آیت میں مومن مخاطب ہیں جن پر اللہ اور رسول اور اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ واجب الاطاعت قرار دئے گئے ہیں۔ اور اس سے ما قبل آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ حکومت کے لئے جو ایک قومی امانت ہے اہلیت رکھنے والے قابل حکام کا انتخاب کرو۔ ان کے انتخاب میں رعایت اور جانب داری سے کام نہ لو اور منتخب حکام کو ارشاد ہے کہ عدل و انصاف مدنظر رہے۔ ایسے ہی حکام درحقیقت اُولِي الْاَمْرِ کے مصداق ہو سکتے ہیں۔ سیاق وسباق کلام واضح ہے اور حدیث مندرجہ بالا اس کی مؤید ہے۔ قوم کا غائیہ کمال اور مقصود اعلیٰ یہی ہے کہ وہ آزاد اور اپنے آپ کی خود حکمران ہو نہ کہ محکوم۔ اسی نقطہ نظر کے پیش نظر بیّن ارشاد ہے اور جب کوئی قوم محکوم ہو اور حاکم غیر قوم تو اس کے لئے الگ احکام ہیں۔ مذکورہ بالا حکم جو مثبت ہے، اس سے عدل و انصاف پسند غیر مسلم حکام کے بارے میں نفی اطاعت لازم نہیں آتی۔ جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے عیسائی حاکم نجاشی کی طرف ہجرت کی اور اس کی ماتحتی قبول کی۔ علاوہ ازیں جو روایت زیر باب منقول ہے اس کا تعلق سریہ حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیسؓ سے ہے۔ اس تعلق میں دیکھئے کتاب المغازی، باب ۵۹ روایت نمبر ۴۳۴۰۔

واقعہ مذکور سے ظاہر ہے کہ اطاعت فی المعروف ہے اور اگر اولوالامر کے حکم سے متعلق اختلاف ہو تو جائز ناجائز کا فیصلہ کرنے میں احکام الٰہیہ و ارشادات نبویہ کی طرف رجوع کرنے کا ارشاد ہے۔ آیت فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ میں امراء اور ان کے ماتحت دونوں مخاطب ہیں۔ لفظ نَزَلَتْ سے تطبیق آیت مراد ہے۔ چنانچہ طبریؒ کی ایک روایت میں اس کا نزول حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے واقعہ سے متعلق بتایا گیا ہے۔ اول الذکر نے ایک شخص کو پناہ دی اور ثانی الذکر نے جو امیر تھے ان کا پناہ دینا جائز نہیں سمجھا۔[1]

اس تعلق میں اولوالامر کے مفہوم کی نسبت اختلاف ہوا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ اس سے مراد امراء ہیں۔ یہ روایت طبریؒ نے صحیح سند سے نقل کی ہے اور حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ اس سے صالح علماء مراد ہیں۔ مجاہدؒ وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے اور ایک اور زیادہ مضبوط سند سے ان کا یہ قول بھی مروی ہے کہ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ سے مراد صحابہ کرام ہیں۔ امام شافعیؒ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے: وَاخْتَارَ الطَّبَرِيُّ حَمْلَهَا عَلَى الْعُمُومِ وَإِنْ نَزَلَتْ فِي سَبَبٍ خَاصٍّ۔ طبریؒ نے اولوالامر سے عام امراء مراد لئے ہیں۔ خواہ اس کا نزول کسی خاص واقعہ کی وجہ سے ہوا ہو۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۲۰)

[1] (جامع البیان للطبری، سورۃ النساء، آیت يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ، جزء ۷ صفحہ ۱۷۸)

بَاب ۱۲ : فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء:٦٦)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تیرے ربّ کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ تجھے حکم نہ مان لیں ان امور میں جو ان کے درمیان اختلافی صورت اختیار کر لیتے ہیں

٤٥٨٥ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ قَالَ خَاصَمَ الزُّبَيْرُ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ فِي شَرِيجٍ مِّنَ الْحَرَّةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ يَا رَسُولَ اللهِ أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ وَاسْتَوْعَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ حَقَّهُ فِي صَرِيحِ الْحُكْمِ حِينَ أَحْفَظَهُ الْأَنْصَارِيُّ وَكَانَ أَشَارَ عَلَيْهِمَا بِأَمْرٍ لَهُمَا فِيهِ سَعَةٌ قَالَ الزُّبَيْرُ فَمَا أَحْسِبُ هَذِهِ الْآيَاتِ إِلَّا نَزَلَتْ فِي ذَلِكَ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ . (النساء:٦٦)

أطرافهُ: ٢٣٦٠، ٢٣٦١، ٢٣٦٢، ٢٧٠٨-

۴۵۸۵: علی بن عبداللہ (مدینی) نے ہمیں بتایا کہ محمد بن جعفر نے ہم سے بیان کیا۔ معمر نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے زہری سے، زہری نے عروہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت زبیرؓ نے ایک انصاری شخص سے حَرَّہ کی ایک نالی سے متعلق جھگڑا کیا۔ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: زبیرؓ پانی لگاؤ اور اس کے بعد ہمسائے کے لئے پانی جانے دو۔ یہ سن کر انصاری نے کہا: یارسول اللہ! اس لئے کہ آپؐ کی پھوپھی کا بیٹا ہے؟ اس سے آپؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا، پھر آپؐ نے فرمایا: زبیرؓ پانی لگاؤ اور پانی روکے رکھو تاوقتیکہ وہ منڈیروں تک بھر جائے۔ پھر اپنے پڑوسی کے لئے پانی جانے دو۔ جب اس انصاری نے آپؐ کو حقوق محفوظ رکھنے کی وجہ سے طعنہ دے کر غصہ دلایا تو آپؐ نے حضرت زبیرؓ کو صریح فیصلہ کے مطابق اس کا پورا حق دلایا۔ آپؐ نے ان کو پہلے ایسا مشورہ دیا تھا جس میں دونوں کے لئے گنجائش تھی۔ حضرت زبیرؓ نے کہا: میں ان آیات کی نسبت یہی سمجھتا ہوں کہ وہ اس واقعہ سے متعلق اتریں: یعنی تیرے ربّ کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ تجھے حکم نہ مان لیں ان امور میں جو ان کے درمیان اختلافی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

تشریح: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ: پوری آیت یہ ہے: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○ (النساء:٦٦) ترجمہ: پس تیرے ربّ کی قسم ہے کہ جب تک وہ (ہر) اس بات میں جس کے متعلق ان میں جھگڑا ہو جائے تجھے حکم نہ بنائیں (اور) پھر جو فیصلہ تو کرے اس سے اپنے نفوس میں کسی قسم کی تنگی نہ پائیں اور پورے طور پر فرمانبردار (نہ) ہو جائیں ہر گز ایمان دار نہ ہوں گے۔ واقعہ مذکورۃ الصدر سے بھی تطبیق آیت مراد ہے جیسا کہ الفاظ فَمَا أَحْسِبُ دلالت کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے پہلے فیصلہ میں وسعت و رعایت تھی جس سے انصاری نے فائدہ نہ اٹھایا اور حضرت زبیرؓ کو ان کا پورا حق دیا گیا۔

بَاب ۱۳: فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ (النساء: ۷۰)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) یعنی وہ لوگ انہی کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی نبیوں کے ساتھ

٤٥٨٦: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ نَّبِيٍّ يَمْرَضُ إِلَّا خُيِّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَكَانَ فِي شَكْوَاهُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ أَخَذَتْهُ بُحَّةٌ شَدِيدَةٌ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء: ۷۰) فَعَلِمْتُ أَنَّهُ خُيِّرَ.

۴۵۸۶: محمد بن عبد اللہ بن حوشب نے ہم سے بیان کیا کہ ابراہیم بن سعد نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اپنے باپ (سعد بن ابراہیم) سے، انہوں نے عروہ سے، عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ وہ فرماتی تھیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: جو نبی بیمار ہوتا ہے تو اس کو دنیا اور آخرت کے بارے میں اختیار دیا جاتا ہے اور آپؐ کو اس بیماری میں جس میں آپؐ اٹھائے گئے تھے۔ آپؐ کا گلا سخت بیٹھ گیا تھا۔ میں نے آپؐ کو سنا، فرماتے تھے: وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین (میں)، تو میں اس سے سمجھ گئی کہ آپؐ کو اختیار دیا گیا ہے۔

أطرافهُ: ٤٤٣٥، ٤٤٣٦، ٤٤٣٧، ٤٤٦٣، ٦٣٤٨، ٦٥٠٩-

تشریح: وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ: پوری آیت یہ ہے: وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ○ (النساء:۷۰) اور جو (لوگ بھی) اللہ اور اس رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین (میں) اور یہ لوگ (بہت ہی) اچھے رفیق ہیں۔

روایت زیر باب سے ظاہر ہے کہ آیت میں اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والے جس معیت و رفاقت انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین کی بشارت دیئے گئے ہیں، وہ معیت حقیقی ہے نہ خالی رفاقت بمعنی مصاحبت، جیسا کہ جملہ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا بھی اعلیٰ درجہ کی رفاقت پر دلالت کرتا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس امر کی طرف توجہ مبذول کرانے کی غرض سے آیت کا حصہ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ[1] کو نمایاں کیا ہے۔

بَاب ۱۴: قَوْلُهُ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اِلَى الظَّالِمِ اَهْلُهَا (النساء:۷۶)

اللہ تعالیٰ کا فرمانا: اور تمہیں کیا (ہو گیا) ہے کہ تم اللہ کی (راہ میں) اور اُن کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کی راہ میں جنگ نہیں کرتے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں اس بستی سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال

٤٥٨٧: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ أَنَا وَأُمِّي مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ.

أطرافهُ: ١٣٥٧، ٤٥٨٨، ٤٥٩٧۔

۴۵۸۷: عبد اللہ بن محمد نے مجھ سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ عبید اللہ (بن ابی یزید مکی) سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے: میں اور میری ماں ان لوگوں میں سے تھے جنہیں کمزور سمجھا جاتا تھا۔

٤٥٨٨: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ تَلَا اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ

۴۵۸۸: سلیمان بن حرب نے ہم سے بیان کیا کہ حماد بن زید نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ایوب (سختیانی) سے، ایوب نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے (یعنی) نبیوں میں سے۔''

وَالْوِلْدَانِ(النساء:۹۹) قَالَ كُنْتُ أَنَا وَأُمِّي مِمَّنْ عَذَرَ اللهُ.

نے یہ آیت پڑھی: ان مردوں اور عورتوں اور بچوں کے سوا جنہیں کمزور سمجھا جاتا ہو۔ انہوں نے کہا: میں اور میری ماں بھی انہی لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ نے معذور رکھا۔

أطرافه: ۱۳۵۷، ۴۵۸۷، ۴۵۹۷۔

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَصِرَتْ (النساء:۹۱) ضَاقَتْ، تَلْوُوا أَلْسِنَتَكُمْ بِالشَّهَادَةِ. وَقَالَ غَيْرُهُ الْمُرَاغَمُ الْمُهَاجَرُ، رَاغَمْتُ هَاجَرْتُ قَوْمِي، مَوْقُوتًا مُوَقَّتًا وَقَّتَهُ عَلَيْهِمْ.

اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے: حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ کے معنی ہیں ان کے سینے تنگ ہو گئے۔ تَلْوُوا أَلْسِنَتَكُمْ سے یہ مراد ہے کہ شہادت دیتے وقت وہ اپنی زبانیں ہیر پھیر کر بات کرتے ہیں اور (حضرت ابن عباسؓ کے سوا) ایک اور شخص نے کہا: الْمُرَاغَمُ کے معنی ہیں وہ جگہ جہاں ہجرت کی جائے۔ رَاغَمْتُ قَوْمِي: میں اپنے لوگوں کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلا گیا۔ مَوْقُوتًا کے معنی ہیں مقررہ وقت پر۔ وَقَّتَهُ عَلَيْهِمْ۔ یعنی اللہ نے ان کے لئے اس (نماز) کو خاص وقت پر ادا کرنے کے لئے مقرر کیا۔

تشریح: وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: پوری آیت یہ ہے: وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ (النساء:۷۶) اور تمہیں کیا (ہو گیا) ہے کہ تم اللہ کی (راہ میں) اور اُن کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کی راہ میں جنگ نہیں کرتے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی دوست بنا (کر بھیج) اور اپنے حضور سے (کسی کو) ہمارا مددگار بنا (کر کھڑا کر)۔ اس باب سے لفظ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ کی تشریح کے علاوہ بعض روایات کی تصحیح مقصود معلوم ہوتی ہے۔

كُنْتُ أَنَا وَأُمِّي مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ: سفیان بن عیینہ سے روایت نمبر ۱۳۵۷ بایں الفاظ مروی ہے: كُنْتُ أَنَا وَأُمِّي مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ أَنَا مِنَ الْوِلْدَانِ وَأُمِّي مِنَ النِّسَاءِ۔ میں اور میری ماں ان لوگوں میں سے تھے جنہیں کمزور سمجھا جاتا تھا، میں بوجہ بچہ اور میری ماں بوجہ عورت ہونے کے۔ اور ایک سند میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ الفاظ مروی ہیں: كُنْتُ أَنَا وَأُمِّي مِمَّنْ عَذَرَ اللهُ (روایت نمبر ۴۵۸۸) میں اور میری ماں ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اللہ نے معذور ٹھہرایا ہے۔

امام ابن حجرؒ نے ان کی والدہ کا نام حضرت ام فضل لبابہؓ بنت الحارث الھلالیہ بتایا ہے، جو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۲۲) روایات کے بعد بعض آیات کے حوالے دے کر الْمُسْتَضْعَفِيْنَ کے مفہوم کی وسعت اور ظلم سے نجات پانے کی صورتیں بیان کی ہیں۔

پہلا حوالہ حضرت ابن عباسؓ کی شرح حَصِرَتْ کا ہے جو ابن ابی حاتمؒ نے نقل کی ہے۔ پوری آیت یہ ہے: اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ (النساء:۹۱) مگر (ان لوگوں سے تعرض نہ ہو) جو کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں جن کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو اور وہ تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ ان کے سینے تنگی محسوس کرتے ہوں کہ تم سے یا اپنی قوم سے لڑیں۔ معاہدہ نے ان کے اور تمہارے ہاتھ باندھ دیئے ہیں کہ کسی کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکتے۔

دوسرا حوالہ اس آیت کا ہے جس میں عدل و انصاف سے شہادت دینے کا ارشاد ہے۔ فرماتا ہے: فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○ (النساء:۱۳۶) ترجمہ: اس لئے تم (کسی ذلیل) خواہش کی پیروی نہ کیا کرو تا عدل کرسکو اور اگر تم (کسی شہادت کو) چھپاؤ گے یا (اظہار حق سے) پہلو تہی کرو گے تو (یاد رکھو کہ) جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے یقیناً آگاہ ہے۔ شہادت سے پہلو تہی کرنا یا ایسے الفاظ میں دینا جن سے شہادت کی غرض باطل ہو جائے جائز نہیں۔ اس ارشاد باری تعالیٰ سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ مُسْتَضْعَفِيْنَ کے لئے یہ جائز نہیں کہ کلمہ شہادت میں نفاق یا انکار سے کام لیں۔

تیسرا حوالہ اس آیت کا ہے: وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَ قَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (النساء:۱۰۱) اور جو (شخص بھی) اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ ملک میں حفاظت کی بہت سی جگہیں اور فراخی (کے سامان) پائے گا اور جو (شخص) اللہ اور اس کے رسول کی طرف اپنے گھر سے ہجرت کر کے نکلے پھر اسے موت آجائے تو (سمجھو کہ) اس کا اجر اللہ کے ذمے ہو چکا اور اللہ بہت (ہی) بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ مُسْتَضْعَفِيْنَ کے تعلق ہی میں مذکورہ بالا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اگر ظلم جبر کی صورت اختیار کرلے تو پھر ہجرت کی جائے۔ خواہ موت ہی کا خوف ہو۔ مُرٰغَمًا کے معنی ہیں وہ جگہیں جہاں ظلم سے تنگ آکر ہجرت کی جائے۔ یہ شرح ابوعبیدہؒ کی ہے۔ جعدی شاعر کا قول ہے: عَزِيْزُ الْمُرَاغَمِ وَالْمَهْرَبِ: وہ اپنی ہجرت گاہ اور جائے قرار میں بھی معزز ہے۔[۱] (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۲۳)

چوتھا حوالہ اس آیت کا ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○ (النساء:۱۰۴) یعنی نماز مومنین پر ایسی فرض ہے جو پابندئ وقت کے ساتھ باجماعت ادا ہو۔ اور تاوقتیکہ حالت اطمینان اور جماعت میسر نہ ہو، یہ فرض ادا نہیں ہوسکتا۔ اس آیت کی تشریح کے لئے دیکھئے کتاب مواقیت الصلوۃ، باب ۱ روایت نمبر ۵۲۱۔

---

[۱] (مجاز القرآن لابی عبیدۃ، تفسیر سورۃ النساء، آیت وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، جزء اول صفحہ ۱۳۸)

بَاب ۱۵ : فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ (النساء:۸۹)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تمہیں کیا ہے کہ منافقوں کے متعلق دو گروہ ہو گئے ہو
حالانکہ اللہ نے ان کو پراگندہ کر دیا ہے

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَدَّدَهُمْ، فِئَةٌ جَمَاعَةٌ.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: (اَرْكَسَهُمْ کے معنی ہیں) ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ فِئَةٌ کے معنی جماعت۔

۴۵۸۹: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ (النساء:۸۹) رَجَعَ نَاسٌ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أُحُدٍ وَكَانَ النَّاسُ فِيهِمْ فِرْقَتَيْنِ فَرِيقٌ يَقُولُ اقْتُلْهُمْ وَفَرِيقٌ يَقُولُ لَا فَنَزَلَتْ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَقَالَ إِنَّهَا طَيْبَةُ تَنْفِي الْخَبَثَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْفِضَّةِ.

۴۵۸۹: محمد بن بشار نے مجھے بتایا کہ ہم سے غندر اور عبدالرحمٰن نے بیان کیا۔ ان دونوں نے کہا: شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عدی (بن ثابت) سے، عدی نے عبداللہ بن یزید (خطمی) سے، عبداللہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آیت فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ[1] سے متعلق واقعہ یوں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگ اُحد سے لوٹ گئے تھے اور لوگ ان کی نسبت دو گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ کہتا تھا: ان کو مار ڈالیں اور ایک گروہ کہتا تھا کہ نہیں۔ تو پھر یہ آیت نازل ہوئی: یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے ہو۔ آپؐ نے اس وقت فرمایا: مدینہ طیبہ ہے۔ میل کچیل کو اس طرح نکال پھینکتا ہے جس طرح کہ آگ چاندی کی میل کچیل۔

أطرافه: ۱۸۸۴، ۴۰۵۰۔

تشریح. فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ: پوری آیت یہ ہے: فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”پس تمہیں کیا ہوا ہے کہ منافقوں کے بارہ میں دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہو۔“

تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ○ (النساء:۸۹) اور تمہیں کیا (ہو گیا) ہے (کہ تم) منافقوں کے متعلق دو گروہ (ہو رہے) ہو۔ حالانکہ جو کچھ انہوں نے کمایا ہے اس کے سبب سے اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ہے۔ کیا جسے اللہ نے ہلاک کر دیا ہے تم اسے راہ پر لاؤ گے؟ اور جسے اللہ ہلاک کرے تو اس کے لئے ہرگز کوئی رستہ نہ پائے گا۔

اَرْكَسَهُمْ کے معنی ہیں بَدَّدَهُمْ۔ یعنی ان میں اختلاف و تفرقہ ڈال دیا، انہیں منتشر کر دیا۔ یہ شرح جو عنوان باب میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی بتائی گئی ہے، علامہ طبریؒ نے بسند ابن جریج موصولاً نقل کی ہے اور ان سے أَوْقَعَهُمْ بھی مروی ہیں۔ یعنی انہیں فتنہ و ابتلاء میں ڈال دیا۔ اور بسند قتادہؒ ان سے أَهْلَكَهُمْ بھی منقول ہیں۔ یہ تفسیر از روئے لغت نہیں۔ رَكَسَ کا لغوی معنی تو رجوع ہے۔ اَرْكَسَهُمْ - أَرْجَعَهُمْ۔ یعنی انہیں ان کے پہلے فیصلہ کی طرف لوٹا دیا۔ بلکہ مذکورہ تشریح بطور دلالت لزومی ہے۔ یعنی رائے کے اختلاف اور تفرقے کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۲۳) أَرْكَسَ کے لغوی معنی اوندھا کیا بھی ہیں۔ (اقرب الموارد - رکس) فِئَةٌ کے معنی ہیں جماعت، گروہ۔ یہ شرح بھی حضرت ابن عباسؓ سے ہی مروی ہے۔

وَقَالَ إِنَّهَا طَيْبَةُ: یہ مضمون ایک اور روایت میں بھی ہے۔ دیکھئے کتاب فضائل المدینہ، باب ۳ روایت نمبر ۱۸۷۲۔

{بَاب: وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ [1]} اَذَاعُوْا بِهٖ (النساء:٨٤)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو وہ اس کو مشہور کر دیتے ہیں

أَيْ أَفْشَوْهُ. يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ (النساء:٨٤) يَسْتَخْرِجُونَهُ. حَسِيْبًا (النساء:٨٧) كَافِيًا. اِلَّآ اِنٰثًا (النساء:١١٨) يَعْنِي الْمَوَاتَ حَجَرًا أَوْ مَدَرًا وَمَا أَشْبَهَهُ. مَرِيْدًا (النساء:١١٨) مُتَمَرِّدًا. فَلَيُبَتِّكُنَّ (النساء:١٢٠) بَتَّكَهُ قَطَّعَهُ. قِيْلًا (النساء:١٢٣) وَقَوْلًا وَاحِدٌ. طُبِعَ (التوبة:٨٧) خُتِمَ.

(اَذَاعُوْا بِهٖ کے) معنی ہیں اس کو پھیلا دیتے ہیں۔ (اس آیت میں جو) يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ (ہے، اس) کے معنی ہیں وہ اسے نکال لیتے ہیں۔ حَسِيْبًا کے معنی ہیں کافی اور إِلَّا إِنَاثًا کے معنی ہیں بے جان چیزیں، جیسے پتھر، مٹی اور ان جیسی دوسری چیزیں۔ مَرِيْدًا کے معنی ہیں سرکش۔ اور فَلَيُبَتِّكُنَّ جو فرمایا، تو یہ بَتَّكَهُ سے ہے، یعنی اس کو کاٹ ڈالا۔ قِيْلًا اور قَوْلًا کے ایک ہی معنی ہیں۔ طُبِعَ کے معنی ہیں مہر کر دی گئی۔

---

[1] یہ عنوانِ باب فتح الباری مطبوعہ بولاق کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء۸ حاشیہ صفحہ ۳۲۳)

تشریح. وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ: اَذَاعُوْا کے معنی أَفْشَوْهُ یعنی افشا کیا، پھیلا دیا، شائع کیا۔ اَذَاعُوْا کے یہ معنی ابن منذرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کئے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۲۴)

اس باب کے تحت کوئی واقعہ مروی نہیں جس پر آیت کی تطبیق ہو۔ مفہوم واضح ہے۔ سنی سنائی خبر کی اشاعت بحالت سلم و امن یا بحالت حرب بعض وقت خطرناک نتائج پیدا کرتی ہے جس سے روکا گیا ہے۔ آج کل دشمن اقوام پروپیگنڈا کے ذریعہ سے ایک دوسرے کے خلاف خوب کام لیتی ہے اور یہ کسی قوم کی ذہنیت معطل اور معنویات برباد کرنے میں زبردست ہتھیار ہے اور اس کے ذریعہ قوموں کے اخلاق تباہ کردئے گئے ہیں۔ اسلام نے جھوٹ کی اشاعت تو الگ ایک سچی بات کی اشاعت میں بھی احتیاط سے کام لینے کا ارشاد فرمایا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (النساء:۸۴) اور جب (بھی) ان کے پاس امن (کی) یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو وہ اسے مشہور کردیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول کی طرف اور اپنے حکام کی طرف لے جاتے تو ان میں سے جو (لوگ) اس (یعنی مقررہ بات کی اصلیت) کو معلوم کرلیا کرتے ہیں۔ اس (کی حقیقت) کو پالیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو سوائے چند ایک کے (باقی لوگ) شیطان کے پیچھے چل پڑتے۔

يَسْتَنْبِطُوْنَهَا: يَسْتَخْرِجُوْنَهَا۔ یعنی واقعات یا قرائن و شواہد سے صحیح امر کا استنباط کرتے۔

عنوان باب میں بعض آیات کا حوالہ دیا گیا ہے تا آیت کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملے اور وہ یہ ہیں:

۱) وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ○ (النساء:۸۷) اور جب تمہیں کوئی دعا دی جائے تو تم اس سے اچھی دعا دو یا (کم سے کم) اسی کو لوٹا دو۔ اللہ یقیناً ہر ایک امر کا حساب لینے والا ہے۔

امام بخاریؒ اسلام کی اس اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں جس سے باہمی تعلقات استوار ہوں اور ان کے درمیان خوش گواری کی صورت پیدا ہو، تا تعلقات نہ بگڑیں۔ بلکہ اسلام کا یہ ارشاد ہے کہ دوسروں کے لئے نیک خواہشات کا اظہار ہوتا رہے۔ تَحِيَّةٌ کے معنی دعا بھی کئے گئے ہیں اور یہ لفظ تحائف و ہدایا کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور بوقت ملاقات دعائیہ کلمات (السلام علیکم) پر بھی اطلاق پاتا ہے۔ اَوْ رُدُّوْهَا کے یہ معنی نہیں کہ اگر بہتر ہدیہ نہ دے تو جو ہدیہ دیا گیا ہے وہ واپس کردو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر بکری کا پایہ (کھر) بھی بطور ہدیہ آئے تو وہ بھی بخوشی قبول کیا جائے۔ حقیر سمجھ کر رد نہ کرو۔ بلکہ رُدُّوْهَا کے معنی ہیں اگر بہتر ہدیہ نہ دے سکو تو کم از کم ویسا تو بھیجو تا عمدہ تعلقات قائم ہوں۔ اس تعلق میں قرآن مجید سے تو یہاں تک ارشاد ہے کہ ردّی شے کا قبول کرنا اخلاق فاضلہ میں سے ہے۔ فرماتا ہے کہ خرچ کرکے احسان نہ جتایا کرو۔ اس سے ایک اچھا عمل

ضائع ہو جائے گا۔ اسی سیاق کلام میں یہ ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ وَ مِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ۪ وَ لَا تَیَمَّمُوا الۡخَبِیۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَ لَسۡتُمۡ بِاٰخِذِیۡهِ اِلَّاۤ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِیۡهِ ؕ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ○ (البقرۃ:۲۶۸) یعنی اے ایماندارو! جو کچھ تم نے کمایا ہے اس میں سے پاکیزہ چیزیں اور (نیز) اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں حسب توفیق) خرچ کرو اور ناکارہ چیز (کو) اور جس میں سے تم خرچ (تو) کرتے ہو مگر تم خود سوائے اس کے (کہ) اس (کے قبول کرنے) میں چشم پوشی سے کام لو۔ اسے ہرگز قبول نہیں کرتے۔ (صدقہ کے لئے) بالارادہ نہ چنا کرو اور جان لو کہ اللہ (بالکل) بے نیاز (اور) بہت ہی حمد کا مستحق ہے۔ آیت وَ لَسۡتُمۡ بِاٰخِذِیۡهِ اِلَّاۤ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِیۡهِ۔ ردّی شے دینے کا ارادہ تک بھی نہ کرو کیونکہ تم ردی شے ہرگز نہیں لینے والے۔ سوااِس کے کہ اس کے قبول کرنے میں (حیا کی وجہ سے) چشم پوشی سے کام لو۔ جس حالت میں اخلاق فاضلہ کے بارے میں قرآن مجید کی یہ اعلیٰ تعلیم اور آنحضرت ﷺ کا واضح ارشاد و وصیت ہو تو رُدُّوۡهَا کے وہ معنی درست ہوں گے جو ان کے مطابق ہوں۔

۲) اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا مَّرِیۡدًا ○ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا (النساء:۱۱۸، ۱۱۹) یعنی وہ اللہ کو چھوڑ کر بے جان چیزوں کے سوا (کسی کو) نہیں پکارتے، بلکہ وہ سرکش شیطان کے سوا (اور کسی کو) نہیں پکارتے۔ (اس شیطان کو) جسے اللہ نے (اپنی جناب سے) دور کر دیا ہے اور (جس نے یہ) کہا تھا کہ میں تیرے بندوں سے ضرور ہی ایک مقررہ حصہ لوں گا۔ اِنٰثًا سے مراد اَلموات (مردہ اشیاء) ہیں، جنہیں معبود بنایا گیا ہے۔ ان آیات کا سیاق شرک باللہ کی مذمت و ممانعت ہے اور ان کے حوالہ سے توجہ مبذول کروائی ہے کہ باہمی اور بین الاقوامی تعلقات کی استواری میں رضائے الٰہی مقصود ہو نہ کہ ریاکاری۔

۳) وَ لَاُضِلَّنَّهُمۡ وَ لَاُمَنِّیَنَّهُمۡ وَ لَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَّخِذِ الشَّیۡطٰنَ وَلِیًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِیۡنًا ○ یَعِدُهُمۡ وَ یُمَنِّیۡهِمۡ ؕ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ○ اُولٰٓئِكَ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ۫ وَ لَا یَجِدُوۡنَ عَنۡهَا مَحِیۡصًا ○ (النساء:۱۲۰ تا ۱۲۲) ترجمہ: اور انہیں لازماً گمراہ کروں گا اور یقیناً (بڑی بڑی) امیدیں بھی دلاؤں گا اور ان سے باصرار یہ خواہش کروں گا کہ وہ چوپاؤں کے کان کاٹیں۔ اسی طرح خواہش کروں گا کہ وہ مخلوق خدا میں تبدیلی کریں اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے تو (سمجھو کہ) وہ (کھلے) کھلے نقصان میں پڑ گیا۔ وہ (شیطان) انہیں وعدے دیتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے اور شیطان اُن سے بجز ظاہر فریب باتوں کے (کسی امر کا) وعدہ نہیں کرتا۔ ان لوگوں کا ٹھکانہ تو جہنم ہے اور وہ اس سے بھاگنے کی جگہ کہیں نہیں پائیں گے۔ ان سے شیطان کی اتباع میں جو انجام کار خسارہ عظیمہ ہوتا ہے اس کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے۔

۴) قِیۡلًا سے آیت وَ مَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیۡلًا کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اللہ سے بڑھ کر اور کون راست گفتار ہو گا۔

پوری آیت یہ ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ○ (النساء:۱۲۳) اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک کام کئے ہیں ہم انہیں ضرور ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (اور وہ) ان میں ہمیشہ رہتے چلے جائیں گے۔ (یہ) اللہ کا سچا وعدہ (ہے) اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہوسکتی ہے۔

۵) طُبِعَ سے آیت وَ طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ (التوبة:۸۷)[۱] کی طرف اشارہ ہے۔ یہی لفظ سورۂ نساء میں بھی آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (النساء:۱۵۶) یعنی اللہ نے ان کے کفر کے سبب سے ان (کے دلوں) پر مہر کر دی ہے۔ اس لئے وہ بالکل ایمان نہیں لاتے۔ طَبَعَ اللّٰهُ کے وہی معنی ہیں جو خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرة:۸)[۲] کے محولہ آیت میں۔ اہل کتاب کی عہد شکنی، ان کے انکارِ حق اور تمرد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ مسلمان ان کے انجامِ بد سے عبرت حاصل کریں اور احکام الٰہی کا پاس رکھیں۔

امام ابن حجرؒ نے یہ باب بلا روایت قائم کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ امام مسلمؒ نے آیت معنونہ کے نزول کا سبب یہ نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار دیا اور ان سے ایک بالا خانہ میں الگ سکونت اختیار کرنے لگے تو لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ آپؐ نے انہیں طلاق دے دی ہے اور چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ حضرت عمرؓ نے آپؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے انہیں نفی میں جواب دیا، تو اس تعلق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ امام بخاریؒ نے بھی واقعۂ خفا سے متعلق روایت (نمبر ۲۴۶۸) نقل کی ہے، مگر اس میں یہ حصہ نہیں کہ محولہ بالا آیت اس وجہ سے نازل ہوئی۔ اس لئے امام موصوف نے زیر باب وہ روایت عمداً نقل نہیں کی۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۲۵)

بَاب ١٦ : وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ (النساء:٩٤)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جو مومن کو عمداً مار ڈالے گا اس کی سزا جہنم ہو گی

٤٥٩٠ : حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ قَالَ آيَةٌ اخْتَلَفَ فِيهَا أَهْلُ الْكُوفَةِ فَرَحَلْتُ فِيهَا إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْهَا فَقَالَ

۴۵۹۰: آدم بن ابی ایاس نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ مغیرہ بن نعمان نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے سعید بن جبیر سے سنا۔ وہ کہتے تھے: کوفہ والوں نے ایک آیت کے بارے میں اختلاف کیا تو میں اس آیت سے متعلق

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور ان کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی ہے پس وہ سمجھ نہیں سکتے۔“
[۲] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔“

نَزَلَتْ هَـذِهِ الْآيَـةُ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ (النســـاء:٩٤) هِيَ آخِرُ مَا نَزَلَ وَمَا نَسَخَهَا شَيْءٌ.

حضرت ابن عباسؓ کے پاس (پوچھنے) گیا اور میں نے ان سے اس کی بابت پوچھا۔ انہوں نے کہا: یہ آیت وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ [1] ان آخری آیتوں میں سے ہے جو نازل ہوئیں اور اس کو کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا۔

أطرافهُ: ٣٨٥٥، ٤٧٦٢، ٤٧٦٣، ٤٧٦٤، ٤٧٦٥، ٤٧٦٦۔

تشریح: وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ: معنونہ آیت کی نسبت علماء کوفہ کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ ان میں سے بعض نے اسے منسوخ سمجھا ہے کہ ان کے نزدیک دیت کے بارے میں احکام بعد میں نازل ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت زیر باب میں بایں الفاظ صراحت ہے: وَمَا نَسَخَهَا شَيْءٌ۔ کسی شے نے اسے منسوخ نہیں کیا۔ هِيَ آخِرُ مَا نَزَلَ سے مراد یہ ہے کہ دیت کے بارے میں یہ آخری حکم ہے جو نازل ہوا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○(النساء:۹۴) اور جو (شخص) کسی مومن کو دانستہ قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہوگی۔ وہ اس میں دیر تک رہتا چلا جائے گا اور اللہ اس سے ناراض ہوگا اور اسے (اپنی جناب سے) دور کر دے گا اور اس کے لئے (بہت) بڑا عذاب تیار کرے گا۔ اس آیت سے ماقبل آیت ۹۳ میں احکام جرم قتل دیت و کفارہ گناہ کا ذکر ہے۔ جہنم کی سزا اُخروی پاداش ہے جو دنیوی سزا کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہ سزا جزوی ہے۔

مذکورہ بالا آیت کے شان نزول کی نسبت ابن ابی حاتمؒ نے سعید بن جبیر کی ایک روایت نقل کی ہے جو امام بخاریؒ کی معیاری شرائط صحت کے مطابق نہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۲۵)

بَاب ۱۷

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ○(النساء:٩٥)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) یعنی جو تمہیں سلام کہے تم اس کو مت کہو کہ تم مومن نہیں۔

السَّلَمُ، وَالسَّلَامُ، وَالسِّلْمُ وَاحِدٌ.

السَّلَمُ، السَّلَامُ اور السِّلْمُ ایک ہی معنی میں ہیں۔ یعنی صلح اور سلامتی۔

٤٥٩١: حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ

۴۵۹۱: علی بن عبداللہ (مدینی) نے مجھ سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اور جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے تو اس کی جزا جہنّم ہے۔"

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا○(النساء:۹۵) قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَانَ رَجُلٌ فِي غُنَيْمَةٍ لَهُ فَلَحِقَهُ الْمُسْلِمُونَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَتَلُوهُ وَأَخَذُوا غُنَيْمَتَهُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ فِي ذَلِكَ إِلَى قَوْلِهِ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا(النساء:۹۵) تِلْكَ الْغُنَيْمَةُ. قَالَ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ السَّلٰمَ. (النساء:۹۵)

نے عمرو (بن دینار) سے، عمرو نے عطاء سے، عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ آیت وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا[1] (کے متعلق عطاء) کہتے تھے: حضرت ابن عباسؓ نے کہا: ایک شخص اپنی تھوڑی سی بکریوں میں تھا۔ مسلمانوں نے اس کا پیچھا کیا۔ اس نے کہا: السلام علیکم۔ مگر انہوں نے اس کو مار ڈالا اور اس کی بکریاں لے لیں۔ پھر اللہ نے اس کے متعلق یہ آیتیں نازل کیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اس قول تک کہ اس ادنیٰ زندگی کا عارضی سامان لینا چاہتے ہو، یعنی وہ بکریاں (عطاء نے) کہا: حضرت ابن عباسؓ نے السَّلَامَ ہی پڑھا ہے۔

تشریح: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا: معنونہ آیت کی قراءت کے بارے میں اختلاف ہوا۔ آیا لفظ السَّلَامُ ہے یا السَّلَمُ یا السِّلْمُ۔ صحیفہ قرآن مجید کے موجودہ نسخہ میں السَّلَامَ ہے۔ عنوان باب میں لفظ السَّلَامُ کو نمایاں کر کے اسی اختلاف کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور اس تعلق میں حضرت ابن عباسؓ کی قراءت السَّلَامَ سے متعلق روایت ۴۵۹۱ نقل کی ہے اور عنوان باب میں بتایا ہے کہ السَّلَمُ، السَّلَامُ اور السِّلْمُ مفہوم کے لحاظ سے ایک ہی ہے، لیکن معانی اور محل استعمال کے اعتبار سے ان میں فرق ہے۔ السَّلَامُ سلامتی عام معنوں میں ہے اور السَّلَمُ اور السِّلْمُ جنگ و قتال سے مخصوص ہے۔ سَلَم کے معنی سپرد کر دینا اور سِلْم صلح کے معنوں میں بھی ہے۔ (اقرب الموارد- سلم) بلحاظ اشتقاق ان کا مفہوم ایک ہی ہے کہ عداوت ختم اور تعلقات سلامتی و امن کے رہیں گے۔

امام ابن حجرؒ نے متعدد روایتیں نقل کی ہیں جن میں مختلف واقعات قتل کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کی نسبت آیت محولہ بالا نازل ہوئی تھی۔ انہیں نقل کر کے لکھا ہے: لَا مَانِعَ أَنْ تَنْزِلَ الْآيَةُ فِي الْأَمْرَيْنِ مَعًا۔ لفظ نزول کا تعلق تطبیق سے ہے۔ اس لئے کوئی روک نہیں کہ وہ مذکورہ دونوں واقعات سے متعلق ہو۔

(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۲۷)

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "جو تم پر سلام بھیجے اس سے یہ نہ کہا کرو کہ تُو مومن نہیں ہے۔"

بَاب ۱۸ : لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (النساء:۹۶)

یعنی مومنوں میں سے ایسے بیٹھ رہنے والے جو ضرر رسیدہ نہیں ہیں اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں (ہو سکتے)

٤٥٩٢ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ السَّاعِدِيُّ أَنَّهُ رَأَى مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ فِي الْمَسْجِدِ فَأَقْبَلْتُ حَتَّى جَلَسْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَأَخْبَرَنَا أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْلَى عَلَيْهِ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَجَاءَهُ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ وَهْوَ يُمِلُّهَا عَلَيَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ لَوْ أَسْتَطِيعُ الْجِهَادَ لَجَاهَدْتُ وَكَانَ أَعْمَى فَأَنْزَلَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَخِذُهُ عَلَى فَخِذِي فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتَّى خِفْتُ أَنْ تَرُضَّ فَخِذِي ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَأَنْزَلَ اللهُ:

۴۵۹۲: اسماعیل بن عبد اللہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابراہیم بن سعد نے مجھے بتایا۔ انہوں نے صالح بن کیسان سے، صالح نے ابن شہاب سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے مروان بن حکم کو مسجد میں دیکھا۔ (کہتے تھے) میں ان کے پاس آیا اور ان کے پاس آکر بیٹھ گیا تو انہوں نے ہمیں بتایا کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ آیت یوں لکھائی: مومنوں میں سے بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں (ہو سکتے)۔ اتنے میں حضرت ابن اُم مکتومؓ آپؐ کے پاس آئے اور آپؐ مجھے یہ آیت لکھا رہے تھے۔ حضرت ابن اُم مکتومؓ نے کہا: یارسول اللہ! اللہ کی قسم اگر میں جہاد کی طاقت رکھتا تو میں بھی ضرور جہاد کرتا، اور وہ نابینا تھے۔ تو اس وقت اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی۔ اور آپؐ کی ران میری ران پر تھی، مجھے اتنی بوجھل معلوم ہوئی کہ میں ڈر گیا کہ کہیں آپؐ کی ران میری ران کو توڑ نہ دے۔ پھر اس کے بعد آپؐ سے وحی کی

غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ. (النساء:٩٦)

حالت جاتی رہی اور اللہ نے یہ الفاظ نازل کئے: یعنی سوائے ان کے جو معذور ہوں۔

طرفهُ: ٢٨٣٢۔

٤٥٩٣: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء:٩٦) دَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا فَكَتَبَهَا فَجَاءَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَشَكَا ضَرَارَتَهُ فَأَنْزَلَ اللهُ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ. (النساء:٩٦)

٤٥٩٣: حفص بن عمر نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابواسحاق سے، ابواسحاق نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: جب آیت یعنی مومنوں میں سے بیٹھ رہنے والے برابر نہیں (ہو سکتے) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو بلایا۔ انہوں نے یہ آیت لکھی اتنے میں حضرت ابن ام مکتومؓ آئے اور انہوں نے اپنی نابینائی کا شکوہ کیا۔ پھر اللہ نے یہ الفاظ نازل کئے: یعنی سوائے ان کے جو معذور ہوں۔

أطرافهُ: ٢٨٣١، ٤٥٩٤، ٤٩٩٠۔

٤٥٩٤: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء:٩٦) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْعُوا فُلَانًا فَجَاءَهُ وَمَعَهُ الدَّوَاةُ وَاللَّوْحُ أَوِ الْكَتِفُ فَقَالَ اكْتُبْ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ (النساء:٩٦) وَخَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَا

٤٥٩٤: محمد بن یوسف (فریابی) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اسرائیل (بن یونس) سے، اسرائیل نے ابواسحاق سے، ابواسحاق نے حضرت براءؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: جب آیت لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ نازل ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلاں کو بلاؤ۔ وہ آپؐ کے پاس آیا۔ اس کے ساتھ دوات اور تختی یا شانے کی ہڈی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ لکھو: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ...یعنی مومنوں میں سے بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں (ہو سکتے)۔ اور اس وقت نبی ﷺ کے پیچھے حضرت ابن ام مکتومؓ بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا:

ضَرِيرٌ فَنَزَلَتْ مَكَانَهَا لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (النساء:٩٦)

یا رسول اللہ! میں معذور ہوں تو اس کی جگہ یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی مومنوں میں سے ایسے بیٹھ رہنے والے جو ضرر رسیدہ نہیں ہیں اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں (ہو سکتے)۔

أطرافهُ: ٢٨٣١، ٤٥٩٣، ٤٩٩٠۔

٤٥٩٥: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ ح.

۴۵۹۵: ابراہیم بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام نے ان کو بتایا کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی۔

وَ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْكَرِيمِ أَنَّ مِقْسَمًا مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ أَخْبَرَهُ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء:٩٦) عَنْ بَدْرٍ وَالْخَارِجُونَ إِلَى بَدْرٍ.

اور اسحاق (بن منصور) نے مجھ سے بیان کیا کہ عبدالرزاق نے ہمیں بتایا کہ ابن جریج نے ہمیں خبر دی۔ (انہوں نے کہا) عبدالکریم (جزری) نے مجھے بتایا کہ عبداللہ بن حارث کے غلام مقسم نے ان کو خبر دی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو بتایا: مومنوں میں سے بیٹھ رہنے والے برابر نہیں (ہو سکتے) سے وہ لوگ مراد ہیں جو غزوہ بدر سے رہ گئے تھے اور وہ جو بدر کے لئے نکلے تھے۔

طرفهُ: ٣٩٥٤۔

تشریح: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: اس باب کے تحت چار روایتیں ہیں۔ ایک حضرت زید بن ثابتؓ کی، دو حضرت براء بن عازبؓ اور ایک حضرت ابن عباسؓ کی۔ پہلی روایت جو حضرت سہل بن سعدؓ نے مروان سے سنی ہے، اس کے متعلق ترمذی کی طرف سے یہ اعتراض ہے کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور مروان تابعی، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے۔ لیکن نہ انہیں صحبت نبوی نصیب ہوئی اور نہ سماع کا موقع ملا۔ قبیصہ سے بھی اسی کے ہم معنی ایک روایت حضرت زید بن ثابتؓ ہی سے اور دوسری حضرت زید بن ثابتؓ کے بیٹے خارجہؒ سے مروی ہے۔ پہلی میں ہے: كُنْتُ أَكْتُبُ لِرَسُولِ اللهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ [1] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (وحی) لکھا کرتا تھا اور دوسری میں ہے: إِنِّي قَاعِدٌ إِلَى جَنْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا إِذْ أُوحِيَ إِلَيْهِ...... وَغَشِيَتْهُ السَّكِينَةُ وَوَقَعَ فَخِذُهُ عَلَى فَخِذِي... قَالَ زَيْدٌ فَلَا وَاللّٰهِ مَا وَجَدْتُّ شَيْئًا قَطُّ أَثْقَلَ مِنْ فَخِذِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ [2] (یعنی میں ایک دن نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا جب آپؐ کی طرف وحی کی گئی۔ آپؐ پر سکینت طاری ہوگئی۔ آپؐ کی ران میری ران پر تھی۔ حضرت زیدؓ کہتے تھے کہ بخدا میں نے نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ران سے بوجھل کبھی کوئی چیز نہیں پائی) حضرت براء بن عازبؓ کی دونوں روایتوں میں ہے کہ آیت نازل ہونے پر آپؐ نے (حضرت زید بن ثابتؓ کو) بلایا اور لکھنے کے لئے فرمایا تو اس وقت آپؐ کے پیچھے حضرت عاتکہؓ کے بیٹے حضرت عمرو ابن اُم مکتومؓ تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ میں نابینا ہوں تو لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی مومنوں میں سے بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں (ہوسکتے) کی جگہ یہ آیت نازل ہوئی: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (النساء:۹۶) یعنی مومنوں میں سے ایسے بیٹھ رہنے والے جو ضرر رسیدہ نہیں ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں (ہوسکتے)۔ مزید براں حضرت براء بن عازبؓ سے دونوں روایتیں معنعن ہیں جو سرسری نظر ڈالنے سے دیکھی جاسکتی ہیں۔ مذکورہ بالا تین روایتیں نقل کرنے کے بعد دو سندوں سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے جس میں صراحت ہے کہ آیت لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غزوہ بدر میں شریک نہ ہونے والوں اور اس میں شریک ہونے والوں کی نسبت نازل ہوئی تھی۔ مروان اور حضرت براء بن عازبؓ کی روایت میں جو ذکر ہے کہ حضرت ابن ام مکتومؓ کے عذر کرنے پر ایک اضافہ اسی وقت ہوگیا، یہ بالبداہت درست نہیں۔ علاوہ ازیں حضرت سہل بن سعدؓ سے مروان والی روایت (نمبر ۴۵۹۲) ترمذی کے نزدیک مجروح ہے۔ صحابی کا ایک ایسے شخص سے جسے صحبت نصیب نہیں ہدایت قبول کرنا معقول نہیں۔ خود امام بخاریؒ نے تصریح کی ہے کہ مروان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا نصیب نہیں اور خود مروان سے ثابت ہے کہ جب خلافت کے لئے حضرت ابن عمرؓ کا نام لیا گیا تو انہوں نے کہا: لَيْسَ ابْنُ عُمَرَ بِأَفْقَهَ مِنِّي وَلَكِنَّهُ أَسَنُّ مِنِّي وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ۔ یعنی ابن عمرؓ مجھ سے زیادہ سمجھ دار نہیں۔ ہاں عمر میں بڑے ہیں اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۲۸، ۳۲۹)

ان روایتوں پر مجموعی طور پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا شان نزول جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی بتایا گیا ہے وہ بطور تطبیق ہے۔ کیونکہ غزوہ بدر ۲ھ میں ہوا اور سورۂ نساء جس میں مجاہدین کی فضیلت کے بارے میں آیات نازل ہوئیں غزوہ اُحد کے بعد ۴ھ میں نازل ہوئی۔

علاوہ ازیں قٰعِدِيْنَ میں بھی ایسے لوگ ہوسکتے ہیں جو جہاد میں شریک نہ ہوسکنے کے باوجود شریک جہاد ہوں،

[1] (مسند احمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث زید بن ثابت، جزء۵ صفحہ ۱۸۴)

[2] (مسند احمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث زید بن ثابت، جزء۵ صفحہ ۱۹۰)

اپنی دعاؤں کے ذریعہ سے اور مجاہدین کے اہل بیت اور شہر کی حفاظت و غور و پرداخت وغیرہ خدمت کر کے۔ جیسا کہ اسی آیت میں فرمایا ہے: وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء:۹۶،۹۷) اور سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں پر (بہت) بڑے اجر کا وعدہ کر کے (ضرور) فضیلت دی ہے۔ (اس فضیلت کے معنی) اس (خدا) کی طرف سے بہت سے درجات اور مغفرت کا ملنا ہے۔ اسی طرح حصول رحمت ہے اور اللہ بہت ہی بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

فقرہ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ صرف مستثنیٰ نہیں بلکہ بدل بھی ہے الْقَاعِدُوْنَ کا، اور بطور وصف اس کے یہ معنی ہیں کہ جہاد میں نہ شریک ہونے والے ایسے لوگ جو بیماری وغیرہ کی وجہ سے معذور نہیں وہ مجاہدین کے برابر نہیں ہو سکتے۔ تینوں طرح کی قرأت مروی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۲۸) غَيْرُ بدل الْقَاعِدُوْنَ کا اور الْمُؤْمِنِيْنَ کی صفت اور غَيْرَ نصب کے ساتھ بطور استثناء، جیسے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں ہو سکتا ہے۔ اس قرأت سے ظاہر ہے کہ شریک جہاد نہ ہونے والوں میں بعض ایسے ہیں جو ثواب جہاد میں مجاہدین کے ساتھ شریک ہیں۔ چنانچہ ابن جریج راوی حدیث جو بڑے پایہ کے عالم ہیں انہوں نے اس آیت کی ان الفاظ میں تفسیر بیان کی ہے: أَنَّ الْمُفَضَّلَ عَلَيْهِ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَأَمَّا أُولُو الضَّرَرِ فَمُلْحَقُوْنَ فِي الْفَضْلِ بِأَهْلِ الْجِهَادِ۔ جن قاعدین پر مجاہدین کو فضیلت دی گئی وہ معذوروں کے علاوہ ہیں جو باوجود قدرت جہاد رکھنے کے عمداً شریک جہاد نہیں ہوئے اور معذور لوگ تو ثواب میں مجاہدین کے ساتھ شریک قرار دیئے گئے ہیں۔ إِذَا صَدَقَتْ نِيَّاتُهُمْ۔ بشرطیکہ وہ اپنی نیتوں میں صادق ہوں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۳۱) کتاب المغازی (باب ۸۱ روایت نمبر ۴۴۲۳) میں حضرت انسؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بیان کیا جا چکا ہے: إِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ لَأَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مَّسِيْرًا وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا إِلَّا كَانُوْا مَعَكُمْ...حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ۔ مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم جو بھی سفر کرتے ہو اور جس وادی کو عبور کرتے ہو تو وہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! وہ مدینہ میں ہی رہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: وہ مدینہ میں رہتے ہیں، عذر نے ان کو روک رکھا ہے۔ اس تعلق میں کتاب الجہاد والسیر، باب ۳۵ روایت نمبر ۲۸۳۹ بھی دیکھئے۔

مذکورہ بالا تبصرے سے ظاہر ہے کہ آیت کا شان نزول بالکل علیحدہ امر ہے اور جہاد سے متعلق آیات کا سیاق اپنی ذات میں واضح اور مکمل ہے اور حضرت ابن اُم مکتومؓ وغیرہ کی خواہش کا اظہار الگ واقعہ ہے۔ بعض وقت راوی دو باتوں کو کسی معنوی تعلق کی وجہ سے اپنی روایت میں اکٹھا بیان کر دیتے ہیں۔ ایسی مثالیں پہلے بھی گزر چکی ہیں۔

اس تعلق میں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ سورۂ نساء ۴، ۵ھ میں غزوہ اُحد کے بعد نازل ہوئی تھی۔ جب ستر صحابہ شہید ہونے کی وجہ سے بیواؤں اور یتامیٰ کے حقوق وغیرہ کا سوال پیدا ہوا۔ یہ امر حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا روایت کے خلاف نہیں جس میں غزوہ بدر کا ذکر ہے۔ کیونکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ شان نزول سے مراد تطبیق آیات ہے، اس لئے معنونہ آیت ہر قاعد پر چسپاں ہو سکتی ہے، جو کسی غزوہ میں عمداً اور بلا عذر شریک جہاد نہ ہو۔ غزوہ اُحد

والے قاعدین پر بھی اور غزوہ بدر والے قاعدین پر بھی۔ جیسا کہ ابن التینؒ نے جو پایہ کے عالم ہیں بایں الفاظ صراحت کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت نمبر ۴۵۹۵ حضرت سہل بن سعدؓ اور حضرت براء بن عازبؓ کی روایتوں کے مخالف نہیں۔ اَلْقُرْآنُ يَنْزِلُ فِي الشَّيْءِ وَيَشْتَمِلُ عَلَى مَا فِي مَعْنَاهُ۔ قرآن مجید ایک خاص بات کے بارے میں نازل ہوتا ہے اور وہ ہر اس امر پر شامل ہوتا ہے، جو نوعیت میں اس جیسا ہو۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۳۰)

باب ۱۸ کی آخری روایت نمبر ۴۵۹۵ سے یہی امر ذہن نشین کرانا مقصود معلوم ہوتا ہے کہ شانِ نزول کے بارے میں مروان وغیرہ کی روایت پر اعتماد کرنا اور اسے ایک خاص واقعہ سے مخصوص رکھنا درست نہیں۔ یہ امر کہ امام بخاریؒ نے مروان والی روایت قبول کیوں کی۔ باعتبار سند جو اس میں خامی ہے وہ متعدد سندوں سے مروی ہونے کی وجہ سے قابل ردّ نہیں ہو سکتی۔ اور یہ امر بھی متعدد سندوں سے ثابت شدہ ہے کہ الفاظ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وحی الٰہی کی تجلی سے ظاہر ہوئے تھے۔ عنوان باب میں امام موصوف نے مختصر حوالہ سے سارا سیاق کلام مکمل آیت قرار دیا ہے۔ ایسی روایتوں سے متعلق جو بظاہر نص صریح کے خلاف ہوں اور وہ کسی توجیہہ و تاویل کی متحمل نہ ہو سکیں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فتویٰ ہے کہ وہ قابل التفات نہیں۔ آپؑ تذکرۃ الشہادتین میں فرماتے ہیں:

> ''اے میری عزیز جماعت! یقیناً سمجھو کہ زمانہ اپنے آخر کو پہنچ گیا ہے اور ایک صریح انقلاب نمودار ہو گیا ہے۔ سو اپنی جانوں کو دھوکہ مت دو اور بہت جلد راستبازی میں کامل ہو جاؤ۔ قرآن کریم کو اپنا پیشوا پکڑو اور ہر ایک بات میں اس سے روشنی حاصل کرو اور حدیثوں کو بھی ردّی کی طرح مت پھینکو کہ وہ بڑی کام کی ہیں اور بڑی محنت سے اُن کا ذخیرہ طیار ہوا ہے۔ لیکن جب قرآن کے قصوں سے حدیث کا کوئی قصہ مخالف ہو تو ایسی حدیث کو چھوڑ دو تا گمراہی میں نہ پڑو۔''

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۶۴)

بَاب ۱۹: إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ ۖ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا (النساء: ۹۸) الْآيَةَ

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) ملائکہ نے جن کو ایسی حالت میں وفات دی کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ انہوں نے کہا: تم کس حالت میں تھے؟ انہوں نے جواب دیا: زمین میں ہم کمزور سمجھے جاتے تھے۔ ملائکہ نے کہا: کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟

۴۵۹۶: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ ۴۵۹۶: عبداللہ بن یزید مقریٔ نے ہم سے بیان کیا

الْمُقْرِئُ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ وَغَيْرُهُ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَبُو الْأَسْوَدِ قَالَ قُطِعَ عَلَى أَهْلِ الْمَدِينَةِ بَعْثٌ فَاكْتُتِبْتُ فِيهِ فَلَقِيتُ عِكْرِمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَأَخْبَرْتُهُ فَنَهَانِي عَنْ ذَلِكَ أَشَدَّ النَّهْيِ ثُمَّ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ نَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا مَعَ الْمُشْرِكِينَ يُكَثِّرُونَ سَوَادَ الْمُشْرِكِينَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي السَّهْمُ يُرْمَى بِهِ فَيُصِيبُ أَحَدَهُمْ فَيَقْتُلُهُ أَوْ يُضْرَبُ فَيُقْتَلُ فَأَنْزَلَ اللهُ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (النساء:٩٨) الْآيَةَ. رَوَاهُ اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ.

کہ حیوہ (بن شریح) اور ان کے علاوہ ایک اور شخص نے ہمیں بتایا۔ ان دونوں نے کہا: محمد بن عبدالرحمٰن ابوالاسود (اسدی) نے ہم سے بیان کیا، کہا: مدینہ والوں کے متعلق بھی (اہل شام کے مقابل) ایک فوج بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس فوج میں میرا نام بھی لکھا گیا۔ میں حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے ملا اور میں نے ان کو بتایا۔ انہوں نے مجھے سختی سے روکا کہ اس میں شامل نہ ہوں۔ پھر انہوں نے کہا: حضرت ابن عباسؓ نے مجھے بتایا کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ مشرکوں کے ساتھ ہو جاتے تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف مشرکوں کی تعداد بڑھاتے تھے۔ لڑائی میں تیر جو مارا جاتا وہ آتا اور ان میں سے کسی کو لگتا اور اس کو مار ڈالتا یا تلوار ماری جاتی اور وہ اس سے قتل ہو جاتا۔ اس لئے اللہ نے یہ آیت نازل کی: ملائکہ نے جن کو ایسی حالت میں وفات دی کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے تھے...۔ لیث نے یہ بات ابوالاسود سے روایت کی۔

طرفهُ: ٧٠٨٥۔

تشریح: **اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ:** روایت زیر باب کا تعلق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت سے ہے۔ جب ان کی اور یزید بن معاویہ کی ٹھن گئی تھی تو مدینہ سے بھی اہل شام کے مقابلہ کی غرض سے فوج تیار کرنے کا حکم ہوا۔ یہ واقعہ ۶۴، ۶۵ ھ کا ہے اور تاریخ اسلام میں مشہور ہے۔ اس روایت کے راوی عروہ بن زبیر کے زیر کفالت یتیم تھے۔ ان کا نام فوج کی بھرتی میں لکھا گیا تو عکرمہ، حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام نے انہیں جنگ میں شریک ہونے سے روکا اور مذکورہ بالا آیت کا حوالہ دیا۔ جس کا مفہوم واضح ہے کہ اگر کسی جگہ ظلم و جبر ہو اور ان کا رد نہ ہو سکے تو وہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہو جاتا ہے جو بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی ہو یا ظالم کا شریک کار بنے اور ناحق خون ریزی میں شامل

ہو۔ اس حکم میں بھی آیت اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ سے بے بس لوگوں کی استثناء کی گئی ہے۔ اس سے اگلی آیت یہ ہے: اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ○(النساء:۹۹) ہاں وہ لوگ جو مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے فی الواقع کمزور تھے (اور) وہ کسی تدبیر کی طاقت نہ رکھتے تھے اور نہ کوئی راہ انہیں نظر آتی تھی۔

بَاب ۲۰: اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ○(النساء:۹۹)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) ہاں وہ لوگ جو مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے فی الواقع کمزور تھے (اور) وہ کسی تدبیر کی طاقت نہ رکھتے تھے اور نہ کوئی راہ انہیں نظر آتی تھی

٤٥٩٧: حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ(النساء:۹۹) قَالَ كَانَتْ أُمِّي مِمَّنْ عَذَرَ اللهُ.

۴۵۹۷: ابونعمان نے ہم سے بیان کیا کہ حماد (بن زید) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ایوب (سختیانی) سے، ایوب نے ابن ابی ملیکہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ انہوں نے آیت اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ پڑھ کر کہا: میری ماں بھی ان لوگوں میں سے تھی جن کو اللہ نے معذور قرار دیا۔

أطرافه: ١٣٥٧، ٤٥٨٧، ٤٥٨٨۔

تشریح: اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ: اس آیت سے ظاہر ہے کہ کمزور لوگ بحالت معذوری ہجرت سے مستثنیٰ کئے اور قابل رحم و عفو ٹھہرائے گئے، جیسا کہ سابقہ باب کی آیات میں جہاد میں نہ شریک ہوسکنے والے معذور لوگ۔ اس تعلق میں باب نمبر ۱۴ کی تشریح بھی دیکھئے، جہاں حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے اسی آیت کا ذکر ہے۔ ایسے بے بس اور معذور لوگوں سے مدافعت اور ان کی حمایت کا بھی حکم ہے۔ ان کا اُن منافقین سے کچھ بھی تعلق نہیں جن کا ذکر سورۃ آل عمران میں ان الفاظ میں ملتا ہے: وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۖ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ۖ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۖ وَاللهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ○(آل عمران:۱۶۸) یعنی اور اُن (منافقوں) سے کہا گیا تھا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور (دشمن کے حملہ کو) روکو (جس پر) انہوں نے کہا کہ اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ وہ (لوگ) اس دن ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے مونہوں سے وہ کچھ کہتے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اللہ اسے سب سے زیادہ جانتا ہے۔ اس تعلق میں سورۃ الحج آیات ۳۹ تا ۴۱ بھی دیکھئے۔

بَاب ۲۱

فَأُولَٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ○ (النساء: ۱۰۰)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) ہو سکتا ہے کہ اللہ ان سے در گزر کرے اور اللہ بڑا ہی در گزر کرنے والا ہے اور پردہ پوشی کرنے والا ہے

٤٥٩٨: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ[1] رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعِشَاءَ إِذْ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ قَالَ قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَ اللَّهُمَّ نَجِّ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ اللَّهُمَّ نَجِّ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ اللَّهُمَّ نَجِّ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ اللَّهُمَّ نَجِّ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ.

۴۵۹۸: ابو نعیم نے ہم سے بیان کیا کہ شیبان نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے یحیٰ (بن ابی کثیر) سے، یحیٰ نے ابو سلمہ سے، ابو سلمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے کہ آپؐ نے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہا۔ پھر سجدہ کرنے سے پہلے یوں دعا کی: اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے۔ اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے۔ اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے۔ اے اللہ! مومنوں میں سے جو کمزور سمجھے جاتے ہیں ان کو نجات دے۔ اے اللہ! مضر کو سختی سے لتاڑ۔ اے اللہ! ان کے سالوں کو ویسے ہی کر دے جیسے یوسف کے سال۔

أطرافه: ۷۹۷، ۸۰۴، ۱۰۰۶، ۲۹۳۲، ۳۳۸۶، ۴۵۶۰، ۶۲۰۰، ۶۳۹۳، ۶۹۴۰-

تشریح: فَأُولَٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ: صحیح بخاری کے اس باب میں بعض نسخوں کی اصلاح مد نظر ہے۔ جن میں اس طرح مذکور ہے: فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ، وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا، جو درست نہیں۔ کیونکہ محولہ آیت میں یہ الفاظ ہیں: فَأُولَٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ○ (النساء: ۱۰۰)[2] امام ابن حجرؒ نے مذکورہ بالا تنقیح نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ انہیں اس قراءت کے متعلق کوئی روایت نہیں ملی۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۳۳)

[1] نسخہ یونینیہ میں الفاظ "عن أبي هريرة" ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۳۳) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "پس یہی وہ لوگ ہیں، بعید نہیں کہ اللہ ان سے در گزر کرے اور اللہ بہت در گزر کرنے والا (اور) بہت بخشنے والا ہے۔"

روایت زیر باب میں مُسْتَضْعَفِيْنَ سے دفاع وحمایت کی ایک صورت آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے بتائی گئی ہے کہ آپؐ نے بذریعہ دعا انہیں نجات دلائی اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ اس واقعہ سے آیت عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ کی تشریح بھی واضح ہو جاتی ہے اور اس سے عفو الٰہی کی ایک نوعیت کا علم ہوتا ہے کہ وہ کس طرح دعائیں قبول فرما کر عاجزوں کی نجات کے لئے غیب سے غیر معمولی سامان پیدا کر دیتا ہے۔

بَاب ۲۲ : وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ (النساء:۱۰۳)

اور اگر بارش کی وجہ سے تمہیں تکلیف ہو یا تم مریض ہو
تو اپنے ہتھیار اُتار دینے پر تمہیں کوئی گناہ نہ ہوگا

۴۵۹۹ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يَعْلَى عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى (النساء:۱۰۳) قَالَ: عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَكَانَ جَرِيحًا.

۴۵۹۹: ابوالحسن محمد بن مقاتل نے ہم سے بیان کیا کہ حجاج (بن محمد اعور) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابن جریج سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ مجھے یعلیٰ نے بتایا۔ انہوں نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى[1] سے متعلق روایت کی۔ انہوں نے کہا: یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے، جو زخمی تھے۔

تشریح: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ: اس آیت میں مجاہدین کو حکم ہے کہ میدان جنگ میں بحالت نماز ہتھیار بند رہیں اور اس حکم میں بھی ایک استثناء کا ذکر ہے کہ بوجہ بارش یا بیماری تکلیف محسوس ہو تو احتیاطی تدبیر اختیار کرتے ہوئے ہتھیار اُتارا جا سکتا ہے۔ امام بخاریؒ ان ابواب سے یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ احکام کے ساتھ ساتھ استثنائی صورتوں سے متعلق وحی ہوتی رہی۔ قطع نظر اس سے کہ ان کے لئے کوئی محرک ہوا ہو۔ اور زیر باب روایت سے یہ مثال بھی پیش کی گئی ہے کہ راوی اپنی روایت میں اختصار ملحوظ رکھتے تھے اور کسی تعلق میں دوسرے صحابی کے قول کا بھی حوالہ دے دیا جاتا تھا۔ اس روایت میں غایت درجہ اختصار ہے۔ یہاں تک کہ شارحین کو جملہ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَكَانَ جَرِيحًا کے سمجھنے میں مشکل پیش

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اگر تمہیں بارش کی وجہ سے کوئی مشکل ہو یا تم بیمار ہو۔“

آئی ہے اور امام ابن حجرؒ نے یہ مشکل حل کی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت تو ثابت نہیں ہوتی۔ البتہ ابونعیم نے مستخرج کتاب میں حجاج بن محمد سے روایت نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: قَالَ كَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ جَرِيحًا۔ (انہوں نے کہا: حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے، جو زخمی تھے۔) اس سے ظاہر ہے کہ قَالَ کا فاعل حضرت ابن عباسؓ ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۳۴)

غرض مذکورہ بالا حوالہ سے بتایا کہ مجروح بھی (مَرْضٰی) بیماروں میں ہی شمار ہے اور وہ بھی اسلحہ اُتار سکتا ہے۔ اس حوالہ سے باب ۱۸ کی روایتوں سے جو مشکل پیش آئی ہے وہ بھی بآسانی حل ہو جاتی ہے کہ آیت کا مفہوم واضح کرنے کی غرض سے روایت میں ایک دوسرے واقعہ کا ذکر بھی ضمناً کر دیا جاتا ہے۔

بَاب ۲۳: وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ (النساء:۱۲۸)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور لوگ تجھ سے (ایک سے زیادہ) عورتوں (سے نکاح) کے متعلق (احکام) دریافت کرتے ہیں۔ تُو (ان سے) کہہ کہ اللہ تمہیں ان کے متعلق اجازت دے چکا ہے اور جو (حکم اس) کتاب میں (دوسری جگہ) تمہیں پڑھ کر سنایا گیا ہے وہ اُن یتیم عورتوں کے متعلق ہے

۴۶۰۰: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ إِلَى قَوْلِهِ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ (النساء:۱۲۸) قَالَتْ عَائِشَةُ هُوَ الرَّجُلُ تَكُونُ عِنْدَهُ الْيَتِيمَةُ هُوَ وَلِيُّهَا وَوَارِثُهَا فَأَشْرَكَتْهُ فِي مَالِهِ حَتَّى فِي الْعَذْقِ فَيَرْغَبُ أَنْ يَنْكِحَهَا وَيَكْرَهُ أَنْ يُزَوِّجَهَا رَجُلًا فَيَشْرَكُهُ فِي

۴۶۰۰: عبید بن اسماعیل نے ہمیں بتایا کہ ابواسامہ (حماد بن اسامہ) نے ہم سے بیان کیا، کہا: ہشام بن عروہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ یہ جو آیت ہے: اور لوگ تجھ سے (ایک سے زیادہ) عورتوں (سے نکاح) کے متعلق (احکام) دریافت کرتے ہیں۔ تُو (ان سے) کہہ کہ اللہ تمہیں ان کے متعلق اجازت دے چکا ہے اور جو (حکم اس) کتاب میں (دوسری جگہ) تمہیں پڑھ کر سنایا گیا ہے وہ اُن یتیم عورتوں کے متعلق ہے جنہیں تم ان کے مقرر کردہ حق ادا

مَالِهِ بِمَا شَرِكَتْهُ فَيَعْضُلُهَا فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ.

نہیں کرتے مگر ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں: اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس یتیم لڑکی ہو، وہ اس کا سرپرست بھی ہو اور اس کا وارث بھی ہو۔ یعنی وہ اس کی جائیداد میں اس کی شریک ہو۔ یہاں تک کہ کھجور کے ایک درخت میں بھی (وہ اس کی شریک ہو) اس وجہ سے وہ اس سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتا ہو اور ناپسند کرتا ہو کہ وہ اس کو کسی دوسرے شخص سے بیاہ دے۔ مبادا وہ شخص اس کی جائیداد میں شریک ہو جائے۔ کیونکہ وہ اس کی شریک تھی اور اس خیال سے وہ اس کو نکاح کرنے سے روک رکھے تو یہ آیت اس کے متعلق نازل ہوئی۔

أطرافه: ۲٤۹٤، ۲۷٦۳، ٤۵۷۳، ٤۵۷٤، ۵۰٦٤، ۵۰۹۲، ۵۰۹۸، ۵۱۲۸، ۵۱۳۱، ۵۱٤۰، ٦۹٦۵۔

تشریح: وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ: ابن ابی حاتمؒ نے بسند سدیؒ نقل کیا ہے کہ حضرت جابرؓ کی چچازاد بہن تھی جو خوش شکل نہ تھی اور اسے باپ سے ورثہ ملا۔ حضرت جابرؓ کو نہ خود اس سے نکاح کرنا پسند تھا اور نہ کسی اور سے، مبادا وہ خاوند اس کا مال خرد برد کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فتویٰ دریافت کرنے پر اس آیت کی طرف توجہ دلائی۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۳۵)
اسی قسم کے واقعات کے انسداد سے متعلق آیت محولہ بالا کا شان نزول ہے۔

بَاب ۲٤: وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا (النساء:۱۲۹)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی طرف سے نفرت یا رُوگردانی کا خوف کرے

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ شِقَاقٌ تَفَاسُدٌ. وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ (النساء:۱۲۹) قَالَ هَوَاهُ فِي الشَّيْءِ يَحْرِصُ عَلَيْهِ. كَالْمُعَلَّقَةِ (النساء:۱۳۰) لَا هِيَ أَيِّمٌ

حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ (یہ آیت جو ہے: وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا۔ یعنی اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان ناچاقی کا خوف ہو تو... یہاں) شِقَاقٌ سے مراد باہمی بگاڑ ہے، اور اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ

وَلَا ذَاتُ زَوْجٍ. نُشُوْزًا (النساء:۱۲۹) بُغْضًا.

الشُّحَّ سے متعلق فرمایا کہ الشُّحَّ سے مراد کسی چیز کی حرص جو کرتا ہے، اس کا لالچ کرتا ہے۔ كَالْمُعَلَّقَةِ جو فرمایا تو اس سے یہ مراد ہے کہ نہ وہ بیوہ ہے نہ خاوند والی۔ نُشُوْز کے معنی ہیں بغض۔

٤٦٠١: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا(النساء:۱۲۹) قَالَتْ الرَّجُلُ تَكُونُ عِنْدَهُ الْمَرْأَةُ لَيْسَ بِمُسْتَكْثِرٍ مِنْهَا يُرِيدُ أَنْ يُفَارِقَهَا فَتَقُولُ أَجْعَلُكَ مِنْ شَأْنِي فِي حِلٍّ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي ذَلِكَ.

أطرافهُ: ۲٤٥٠، ۲٦۹٤، ٥۲۰٦۔

۴۶۰۱: محمد بن مقاتل نے ہم سے بیان کیا کہ عبداللہ (بن مبارک) نے ہمیں خبر دی کہ ہشام بن عروہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ آیت وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ...یعنی اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی طرف سے نفرت یا رُوگردانی کا خوف کرے۔ فرماتی تھیں: کسی شخص کے پاس کوئی عورت ہو جس سے وہ بہت میل جول نہ رکھتا ہو، چاہتا ہو کہ اس کو چھوڑ دے اور وہ عورت کہے کہ میں تم کو اپنے حق سے آزاد کرتی ہوں تو یہ آیت اس کے بارے میں نازل ہوئی۔

تشریح: وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا: صحیح بخاری کے تمام ناسخین کے نزدیک اس آیت کا تعلق سابقہ باب کے ساتھ ہی ہے اور بغیر باب کے ہے۔ سورۂ نساء میں باب ۲۳، ۲۴ کی دونوں آیتیں مسلسل ہیں۔ پوری آیت یہ ہے: وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (النساء:۱۲۹) اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے بد معاملگی یا عدم توجہی کا اندیشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ کسی طریق پر آپس میں صلح کر لیں اور صلح (سب سے) بہتر ہے اور (لوگوں کے) نفسوں میں بخل (کا خیال) پیدا کر دیا گیا ہے اور اگر تم نیک کام کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو (یاد رکھو کہ) جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ یقیناً آگاہ ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ شِقَاقٌ تَفَاسُدٌ...: شِقَاقٌ (پھوٹ) کے معنی تَفَاسُدٌ (بگاڑ) ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کئے ہیں۔ اسی طرح وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ: بمعنی طمع و حرص اور نُشُوْز بمعنی بغض بھی انہی سے مروی ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۳۵)

كَالْمُعَلَّقَةِ: اگلی آیت میں آیا ہے، پوری آیت یہ ہے: وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (النساء: ۱۳۰) ترجمہ: اور خواہ تم (عدل کرنے کی کتنی بھی) خواہش کرو (تو بھی) تم عورتوں کے درمیان عدل نہیں کرسکتے۔ پس تم بالکل (ایک ہی کی طرف) نہ جھک جاؤ۔ (جس کا نتیجہ یہ ہو) کہ اس (دوسری) کو (درمیان میں) لٹکتی ہوئی (چیز) کی مانند چھوڑ دو اور اگر تم (آپس میں) موافقت پیدا کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو (یاد رکھو کہ) اللہ یقیناً بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ روایت نمبر ۴۶۰۱ کے لئے دیکھئے روایت نمبر ۴۵۷۳ زیر باب ۱۔ روایت کے الفاظ میں فرق ہے، گو مفہوم ایک ہی ہے۔ محمد بن مقاتل نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت انہی معنوں میں نقل کی ہے۔ دیکھئے روایت نمبر ۴۵۷۹ زیر باب ۶۔

بَاب ۲۵ : اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ {مِنَ النَّارِ}[1] (النساء: ۱۴۶)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) یعنی منافق آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَسْفَلَ النَّارِ نَفَقًا سَرَبًا.

اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: آگ کے نیچے ایک لمبی سرنگ ہے۔

۴۶۰۲: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ كُنَّا فِي حَلْقَةِ عَبْدِ اللهِ فَجَاءَ حُذَيْفَةُ حَتَّى قَامَ عَلَيْنَا فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ أُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلَى قَوْمٍ خَيْرٍ مِّنْكُمْ قَالَ الْأَسْوَدُ سُبْحَانَ اللهِ إِنَّ اللهَ يَقُولُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء: ۱۴۶) فَتَبَسَّمَ عَبْدُ اللهِ وَجَلَسَ حُذَيْفَةُ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَقَامَ عَبْدُ اللهِ فَتَفَرَّقَ أَصْحَابُهُ فَرَمَانِي

۴۶۰۲: عمر بن حفص نے ہمیں بتایا کہ میرے باپ (حفص بن غیاث) نے بیان کیا کہ اعمش نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: ابراہیم (نخعی) نے مجھے بتایا کہ اسود (بن یزید) سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: ہم حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) کی مجلس میں تھے کہ اتنے میں حضرت حذیفہؓ (بن یمان) ہمارے پاس آکر کھڑے ہوئے اور ہمیں السلام علیکم کہا۔ پھر کہنے لگے: نفاق کا وبال تو ایسے لوگوں پر بھی پڑا جو تم سے بہتر تھے۔ اسود نے کہا: سبحان اللہ۔ اللہ تو فرماتا ہے کہ منافق آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) مسکرائے، اور حضرت حذیفہؓ

[1] یہ الفاظ ابوذر کے نسخہ کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۳۶)

بِالْحَصَا فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ عَجِبْتُ مِنْ ضَحِكِهِ وَقَدْ عَرَفَ مَا قُلْتُ لَقَدْ أُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلَى قَوْمٍ كَانُوا خَيْرًا مِّنْكُمْ ثُمَّ تَابُوا فَتَابَ اللهُ عَلَيْهِمْ.

مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ حضرت عبداللہؓ کھڑے ہو گئے اور ان کے ساتھی اِدھر اُدھر چلے گئے۔ حضرت حذیفہؓ نے میری طرف کنکری پھینک کر مجھے بلایا۔ میں ان کے پاس آیا۔ حضرت حذیفہؓ کہنے لگے: مجھے ان کی ہنسی سے تعجب ہوا حالانکہ وہ خوب سمجھ گئے (انہیں) جو میں نے کہا ہے کہ نفاق کا وبال تو ایسے لوگوں پر بھی پڑا جو تم سے بہتر تھے۔ پھر انہوں نے توبہ کی اور اللہ نے بھی رحم کیا۔

تشریح: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ: عنوان باب میں حضرت ابن عباسؓ کے جس قول کا حوالہ دیا گیا ہے کہ دوزخ کے سب سے نچلے حصہ میں ایک سرنگ ہے جو منافقین کے لئے مخصوص ہے۔ یہ ابن ابی حاتم نے ہی ان سے بواسطہ ابن جریج بسند عطاء نقل کیا ہے۔ نَفَقًا کا لفظ سورۂ انعام کی آیت ۳۶ میں آیا ہے۔ فرماتا ہے: وَ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ○ ترجمہ: اور اگر ان (یعنی کافروں) کی روگردانی تجھ پر گراں گزرتی ہے تو اگر تجھ میں طاقت ہے کہ زمین میں کسی سرنگ کی یا آسمان کی طرف کسی سیڑھی کی تلاش کر سکے (اور) پھر اُن کے لئے کوئی نشان لا سکے۔ (تو بے شک ایسا کر) اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو ضرور ہدایت پر جمع کر دیتا۔ پس تو ناواقفوں میں سے ہرگز نہ بن۔

علماء کا کہنا ہے کہ منافق کو کافر سے بھی زیادہ سخت سزا ملے گی کیونکہ وہ دین سے متعلق استہزا کرتا ہے۔ اور لفظ نَفَقًا سے نفاق اور منافق کے اشتقاق کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے النافقاء بھی اسم آتا ہے جس کے معنی گوہ یا چھچھوندر کے بل کے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۳۶) منافق بھی درحقیقت عقائد دینیہ کا چھپا دشمن ہے۔ دین و ایمان کی بنیادیں کھوکھلی کر دیتا ہے۔ اس لئے سزا بھی اس کے عمل سے ہم مثل ہوگی۔

لَقَدْ أُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلَى قَوْمٍ أَيِ ابْتُلُوْا بِهٖ: یعنی تم سے اچھے لوگ بھی مرض نفاق میں مبتلا ہوئے تھے اور جب توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے ان کی باتیں سن کر کہا کہ نفس سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اس سے بچنا کارے دارد ہے۔ شیطان باریک راہوں سے آتا اور انسان کو اپنے نفس سے متعلق فریب دیتا ہے جس سے وہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ بڑا پارسا ہے۔ اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔ نفس میں انقلاب آتے دیر نہیں لگتی۔ حضرت حذیفہؓ کا اشارہ بعض صحابہ کی طرف تھا، جنہیں آخر اللہ تعالیٰ نے توبۃ النصوح کی توفیق دی۔

فَرَمَانِي بِالْحَصَا: مجلس برخواست ہونے کے بعد حضرت حذیفہؓ نے اسود کو اپنے پاس بلایا اور ان سے ان کے مسکرانے کی وجہ دریافت کی اور انہیں سمجھایا۔

ثُمَّ تَابُوا فَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ: انہوں نے اپنی غلطی سے رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر رحم فرمایا۔ جیسا کہ آیت اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَ سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ (النساء: ۱۴۷) ترجمہ: سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اور اللہ کے ذریعے سے (اپنی) حفاظت چاہی اور اپنی عبادت کو اللہ کے لئے خالص کر دیا۔ سو یہ لوگ مومنوں میں شامل ہیں اور اللہ مومنوں کو عنقریب بڑا اَجر دے گا۔

امام ابن حجرؒ وغیرہ علماء نے مذکورہ بالا آیت سے زندیق کی توبہ قبول ہونے کی نسبت استدلال کیا ہے اور یہ استدلال درست ہے۔ کیونکہ چار کڑی شرطیں ہیں۔ اگر وہ پوری ہو جائیں تو زندیق مومنوں کی صف میں شامل ہو جائے گا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۳۷) اور اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ گناہ ایک عارضی شے ہے جیسے بیماری۔ اور صحت اصل شئے ہے جو لازمۂ خلقت ہے۔ گناہ کے بارے میں یہ نظریہ درست نہیں کہ وہ فطرت کا خاصہ ہے جو زائل نہیں ہو سکتا۔ ضعف و ناتوانی لغزش و کوتاہی اور نسیان یہ نسبتی عوارض ہیں جن سے ترقی پذیر مخلوق کے لئے چارہ نہیں۔ ان کمزوریوں کے تدارک کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت اصل شے ہے، جو مستقل و دائم و قائم اور ہر وقت کار فرما ہے۔ انسان کا اپنے ضعف کی وجہ سے ٹھوکر کھانا طبعی امر ہے جس کے مقابل پر رحمت ربانیہ کا ظہور پذیر ہونا لازمی ہے۔ اگر ضعف نہ ہو تو صفت رحمت معطل ہے اور صفات الٰہیہ جو الوہیت کے مستقل اور دائمی خواص میں سے ہیں ان میں تعطل ممکن نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قانون تقدیر الٰہی کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

> ”ایک آسمانی فرشتوں کے لئے قضاء و قدر کا قانون ہے کہ وہ بدی کر ہی نہیں سکتے اور ایک زمین پر انسانوں کے لئے خدا کے قضاء و قدر کے متعلق ہے اور وہ یہ کہ آسمان سے اُن کو بدی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے مگر جب خدا سے طاقت طلب کریں یعنی استغفار کریں تو روح القدس کی تائید سے ان کی کمزوری دور ہو سکتی ہے اور وہ گناہ کے ارتکاب سے بچ سکتے ہیں جیسا کہ خدا کے نبی اور رسول بچتے ہیں اور اگر ایسے لوگ ہیں کہ گنہگار ہو چکے ہیں تو استغفار اُن کو یہ فائدہ پہنچاتا ہے کہ گناہ کے نتائج سے یعنی عذاب سے بچائے جاتے ہیں کیونکہ نور کے آنے سے ظلمت باقی نہیں رہ سکتی۔ اور جرائم پیشہ جو استغفار نہیں کرتے یعنی خدا سے طاقت نہیں مانگتے وہ اپنے جرائم کی سزا پاتے رہتے ہیں۔“ (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۳۴)

نیز آپؑ نے فرمایا:

"غرض قانون دو(۲) ہیں۔ ایک وہ قانون جو فرشتوں کے متعلق ہے۔ یعنی یہ کہ وہ محض اطاعت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ان کی اطاعت محض فطرت روشن کا ایک خاصہ ہے وہ گناہ نہیں کر سکتے مگر نیکی میں ترقی بھی نہیں کر سکتے (۲) دوسرا قانون وہ ہے جو انسانوں کے متعلق ہے یعنی یہ کہ انسانوں کی فطرت میں یہ رکھا گیا ہے کہ وہ گناہ کر سکتے ہیں مگر نیکی میں ترقی بھی کر سکتے ہیں یہ دونوں فطرتی قانون غیر متبدل ہیں اور جیسا کہ فرشتہ انسان نہیں بن سکتا ہے ایسا ہی انسان بھی فرشتہ نہیں ہو سکتا ہے یہ دونوں قانون بدل نہیں سکتے ازلی اور اٹل ہیں اس لئے آسمان کا قانون زمین پر نہیں آسکتا اور نہ زمین کا قانون فرشتوں کے متعلق ہو سکتا ہے۔ انسانی خطاکاریاں اگر توبہ کے ساتھ ختم ہوں تو وہ انسان کو فرشتوں سے بہت اچھا بنا سکتی ہیں کیونکہ فرشتوں میں ترقی کا مادہ نہیں انسان کے گناہ توبہ سے بخشے جاتے ہیں اور حکمت الٰہی نے بعض افراد میں سلسلہ خطاکاریوں کا باقی رکھا ہے تا وہ گناہ کر کے اپنی کمزوری پر اطلاع پاویں اور پھر توبہ کر کے بخشے جاویں یہی قانون ہے جو انسان کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور اسی کو انسانوں کی فطرت چاہتی ہے سہوونسیان انسانی فطرت کا خاصہ ہے فرشتہ کا خاصہ نہیں پھر وہ قانون جو فرشتوں کے متعلق ہے انسانوں میں کیونکر نافذ ہو سکے۔ یہ خطا کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف کمزوری منسوب کی جاوے صرف قانون کے نتائج ہیں جو زمین پر جاری ہو رہے ہیں۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۳۶)

مذکورہ بالا سیدھے سادھے الفاظ میں مسئلہ قضاو قدر کس عمدگی سے بیان کیا گیا ہے جو آج کل ایسے غلط مفہوم میں سمجھا جاتا ہے کہ اس سے ایک خطاکار بے باک ہو کر کہہ دیتا ہے کہ اس کا مقدر ہی ایسا تھا یا یہ کہ کفارہ پر ایمان اس کے لئے کافی ہو گا یا یہ کہ وہ آخر میں توبہ کر لے گا۔ توبہ جب تک کڑی شرائط کے ساتھ نہ ہو بے کار محض ہے۔

بَاب ٢٦

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ إِلَى قَوْلِهِ وَيُونُسَ وَهٰرُونَ وَسُلَيْمٰنَ (النساء:١٦٤)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جس طرح ہم نے نوح اور اس کے بعد (دوسرے) تمام انبیاء پر وحی (نازل) کی تھی، یقیناً تجھ پر (بھی) ہم نے وحی (نازل) کی ہے اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور (اس کی) اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان پر (بھی) وحی (نازل) کی تھی

٤٦٠٣: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَقُولَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى.

۴۶۰۳: مسدد نے ہم سے بیان کیا کہ یحيٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا کہ سفیان (ثوری) سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: اعمش نے مجھے بتایا۔ انہوں نے ابووائل سے، ابووائل نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے، حضرت عبداللہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: کسی کو نہ چاہیے کہ وہ کہے کہ میں یونس بن متّٰی سے افضل ہوں۔

أطرافهُ: ٣٤١٢، ٤٨٠٤۔

٤٦٠٤: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ حَدَّثَنَا هِلَالٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى فَقَدْ كَذَبَ.

۴۶۰۴: محمد بن سنان نے ہمیں بتایا کہ فلیح (بن سلیمان) نے ہم سے بیان کیا کہ ہلال نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عطاء بن یسار سے، عطاء نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: جس نے کہا کہ میں یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں، اس نے جھوٹ کہا۔

أطرافهُ: ٣٤١٥، ٣٤١٦، ٤٦٣١، ٤٨٠٥۔

تشریح: اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ... وَيُوْنُسَ: اس اسلوب خطاب کا تعلق بھی اس کلام الٰہی سے ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح سرفراز فرمائے گئے۔ چنانچہ یہ آیت یوں شروع ہوتی ہے: اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۗ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ (النساء:۱۶۴، ۱۶۵) جس طرح ہم نے نوح اور اس کے بعد (دوسرے) تمام انبیاء پر وحی (نازل) کی تھی یقیناً تجھ پر (بھی) ہم نے وحی (نازل) کی ہے اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور (اس کی) اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان پر (بھی) وحی (نازل) کی تھی اور ہم نے داؤد کو (بھی) ایک کتاب دی تھی اور کئی ایسے رسول ہیں جن کی خبر ہم (اس سے) پہلے تجھے دے چکے ہیں اور کئی ایسے رسول ہیں جن کا ذکر ہم نے تجھ سے نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے خوب اچھی طرح کلام کیا تھا۔

اس آیت کا حوالہ بھی امام بخاریؒ کے اسی نقطۂ نظر کی تائید میں ہے کہ انبیاء کے ذکر سے دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی مقصود بالذات ہیں۔

زیر باب روایات میں آنحضرت ﷺ نے جو حضرت یونس بن متّٰی سے فضیلت کے بیان کی نفی کی ہے یہ درحقیقت انکسار اور تذلل کا اظہار ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس حدیث سے یہی مراد لی ہے۔ آپؑ نے ایک موقع پر فرمایا:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (آل عمران:۳۲) فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ (آل عمران:۲۱) وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المومن:۶۷) یعنی ان کو کہدے کہ میری نماز اور میری پرستش میں جدوجہد اور میری قربانیاں اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے اور اس کی راہ میں ہے۔ وہی خدا جو تمام عالموں کا ربّ ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں اوّل المسلمین ہوں یعنی دنیا کی ابتداء سے اس کے اخیر تک میرے جیسا اور کوئی کامل انسان نہیں جو ایسا اعلیٰ درجہ کا فنا فی اللہ ہو جو خدا تعالیٰ کی ساری امانتیں اس کو واپس دینے والا ہو۔ اس آیت میں ان نادان موحدوں کا ردّ ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں

جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسرے انبیاء پر فضیلت کلی ثابت نہیں اور ضعیف حدیثوں کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مجھ کو یونس بن متّٰی سے بھی زیادہ فضیلت دی جائے۔ یہ نادان نہیں سمجھتے کہ اگر وہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی وہ بطور انکسار اور تذلل ہے جو ہمیشہ ہمارے سیّد صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی ہر ایک بات کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے اگر کوئی صالح اپنے خط میں احقر عباد اللہ لکھے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ شخص در حقیقت تمام دنیا یہاں تک کہ بت پرستوں اور تمام فاسقوں سے بدتر ہے اور خود اقرار کرتا ہے کہ وہ احقر عباد اللہ ہے کس قدر نادانی اور شرارت نفس ہے۔"

"غور سے دیکھنا چاہیئے کہ جس حالت میں اللہ جلّ شانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اول المسلمین رکھتا ہے اور تمام مطیعوں اور فرمانبرداروں کا سردار ٹھہراتا ہے اور سب سے پہلے امانت کو واپس دینے والا آنحضرت صلعم کو قرار دیتا ہے تو پھر کیا بعد اس کے کسی قرآن کریم کے ماننے والے کو گنجائش ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اعلیٰ میں کسی طرح کا جرح کر سکے۔ خدا تعالیٰ نے آیت موصوفہ بالا میں اسلام کے لئے کئی مراتب رکھ کر سب مدارج سے اعلیٰ درجہ وہی ٹھہرایا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کو عنایت فرمایا۔ سبحان الله ما اعظم شانك يارسول الله۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد ۵، صفحہ ١٦٢- ١٦٤)

بَاب ۲۷

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ (النساء:۱۷۷)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) یعنی تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔ تو کہہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو جو کچھ اس نے چھوڑا ہے اس کا آدھا اس کی بہن کا ہو گا اور وہ شخص اپنی بہن کا وارث ہو گا، اگر اس بہن کی کوئی اولاد نہیں۔

وَالْكَلَالَةُ مَنْ لَّمْ يَرِثْهُ أَبٌ أَوِ ابْنٌ، وَهُوَ مَصْدَرٌ مِنْ تَكَلَّلَهُ النَّسَبُ.

کلالہ وہ شخص ہے جس کا نہ باپ وارث ہو نہ بیٹا۔ اور یہ مصدر ہے۔ اس قول سے مشتق ہے: تَكَلَّلَهُ النَّسَبُ۔ یعنی نسب اس کے کناروں پر ہی ختم ہو گیا۔

٤٦٠٥: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ آخِرُ سُورَةٍ نَزَلَتْ بَرَاءَةَ وَآخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ يَسْتَفْتُوْنَكَ. (النساء:۱۷۷)

۴۶۰۵: سلیمان بن حرب نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ ابواسحاق سے روایت ہے۔ (انہوں نے کہا کہ) میں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سنا۔ انہوں نے کہا: سب سے آخری سورۃ جو نازل ہوئی وہ برأت ہے اور آخری آیت جو نازل ہوئی وہ يَسْتَفْتُوْنَكَ ...ہے۔ یعنی تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔

أطرافهُ: ٤٣٦٤، ٤٦٥٤، ٦٧٤٤۔

تشریح: يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ: کلالہ کی مذکورہ بالا شرح حضرت ابو بکرؓ کی ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا اشتقاق كَلَّ، يَكِلُّ كِلَالَةً وَالْكَلَالَةِ ہے۔ کہتے ہیں: كَلَّتِ الرَّحِمُ: رحمی تعلقات دور ہو گئے۔ مَنْ لَّمْ يَرِثْهُ أَبٌ أَوِ ابْنٌ: جس کا نہ باپ وارث ہو، نہ بیٹا۔ کلالہ کا یہ وہ مفہوم ہے جو بروایت ابن ابی شیبہ حضرت ابو بکرؓ اور جمہور صلحائے صحابہ سے مروی ہے۔[1] پوری آیت یہ ہے: يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ

[1] (مصنف ابن ابی شیبة، کتاب الفرائض، باب فی الکلالة من هم، جزء۶ صفحہ ۲۹۸)

اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَ اِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ (النساء:۱۷۶) ترجمہ: وہ تجھ سے (ایک قسم کے کلالہ کے متعلق) فتویٰ پوچھتے ہیں۔ تو کہہ دے اللہ تمہیں (ایسے) کلالہ کے متعلق حکم سناتا ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے کہ اس کے اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو جو کچھ اس نے چھوڑا ہو اس کا نصف اس (بہن) کا ہو گا اور اگر (وہ بہن مر جائے اور) اس کے اولاد نہ ہو تو وہ (یعنی اس کا بھائی) اس (کے سب ترکہ) کا وارث ہو گا اور اگر دو بہنیں ہوں تو جو کچھ اس (بھائی) نے چھوڑا ہو اس کا دو تہائی ان کا ہو گا اور اگر وہ (وارث) بھائی بہنیں ہوں۔ مرد (بھی) اور عورتیں (بھی) تو ان (میں سے) مرد کا (حصہ) دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہو گا۔ اللہ تمہارے لئے (یہ باتیں) تمہارے گمراہ ہو جانے (کے خدشہ) کی بنا پر بیان کرتا ہے اور اللہ ہر ایک امر کو خوب جانتا ہے۔

☆☆☆

۵- الْمَائِدَۃ

سورۃ المائدۃ کا بیشتر حصہ ۵ھ اور ۷ھ کے درمیان نازل ہوا اور ترتیب نزول میں سورۃ النساء کے بعد ہے۔ آیت ۴ کے ایک حصہ کی نسبت مستند روایات میں ہے کہ ۱۰ھ میں عرفات کے مقام پر ۹ ذوالحج کو نازل ہوا تھا۔[1] یعنی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدۃ:۴)[2] اس تعلق میں دیکھئے باب ۲ روایت نمبر ۴۶۰۶۔

بتایا جاچکا ہے کہ موجودہ ترتیب سوَر جبرائیلی قرأت کی روشنی میں قائم ہوئی ہے۔ دسویں ہجری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کا آخری سال ہے اور اس میں جبرائیل کے ساتھ آپؐ کو قرآنِ مجید کا دَور بجائے ایک کے دو دفعہ کرنے کا موقع ملا[3] اور آخری دَور جس ترتیب سے پڑھا گیا، وہی ترتیب علی حالہٖ قائم ہے۔

لفظ مائدۃ فاعل بمعنی مفعول ہے، مِيْدَ بِهَا صَاحِبُهَا یعنی سامان خوراک جو زندگی کا سہارا ہو۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۳۹) سورۃ کی ابتداء احکامِ حلت و حرمت طعام سے ہوئی ہے اور اس کا خاتمہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (المائدۃ:۱۱۵) سے ہے۔ یعنی اے ہمارے ربّ! آسمانی مائدہ ہم پر نازل فرما۔ صحت افزا زندگی دونوں قسم کا مائدہ میسر آنے سے نصیب ہوتی ہے اور اس سورۃ میں دونوں کا ذکر ہے۔ اس لیے اس سورۃ کو المائدۃ کا نام دیا گیا ہے۔

بَاب ۱

حُرُمٌ (المائدۃ:۲) **وَاحِدُهَا حَرَامٌ. فَبِمَا نَقْضِهِمْ** (المائدۃ:۱۴) **بِنَقْضِهِمْ. الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ**(المائدۃ:۲۲) **جَعَلَ اللّٰهُ. تَبُوْٓاَ** (المائدۃ:۳۰) **تَحْمِلَ. دَآئِرَةٌ** (المائدۃ:۵۳) **دَوْلَةٌ. وَقَالَ غَيْرُهُ الْإِغْرَاءُ التَّسْلِيطُ. أُجُوْرَهُنَّ** (المائدۃ:۶) **مُهُورَهُنَّ. الْمُهَيْمِنُ** (الحشر:۲۴) **الْأَمِينُ،**

حُرُمٌ کا مفرد حرام ہے، یعنی احرام باندھے ہوئے۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ سے مراد ہے کہ اُن کے توڑنے کی وجہ سے۔ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ کے معنی ہیں اللہ نے مقرر کیا۔ تَبُوْٓاَ کے معنی ہیں کہ تو (میرا گناہ) اُٹھالے گا۔ دَآئِرَةٌ کے معنی زمانے کی گردش۔ دوسرے لوگوں نے کہا: الْإِغْرَاءُ کے معنی ہیں ایک دوسرے پر مسلط کر دینا۔

[1] (التحریر والتنویر للتونسی، تفسیر سورۃ المائدۃ، آیت: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا إِذَا قُمْتُمْ، جزء۶ صفحہ ۱۲۶)

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر میں نے اپنی نعمت تمام کر دی ہے۔“

[3] (صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب۷، روایت نمبر ۴۹۹۸)

الْقُرْآنُ أَمِينٌ عَلَى كُلِّ كِتَابٍ قَبْلَهُ.

اُجُوْرَهُنَّ سے اُن کے مہر مراد ہیں۔ الْمُهَيْمِنُ بمعنی امین ہے، یعنی قرآن محافظ ہے ہر اُس کتاب کا جو اس سے پہلے تھی۔

{[1] قَالَ سُفْيَانُ مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَشَدُّ عَلَيَّ مِنْ: لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (المائدۃ:۶۹) مَخْمَصَةٍ (المائدۃ:۴) مَجَاعَةٍ. مَنْ اَحْيَاهَا (المائدۃ:۳۳) يَعْنِي مَنْ حَرَّمَ قَتْلَهَا إِلَّا بِحَقٍّ حَيِيَ النَّاسُ مِنْهُ جَمِيعًا. شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدۃ:۴۹) سَبِيلًا وَسُنَّةً. فَاِنْ عُثِرَ (المائدۃ:۱۰۸) ظُهِرَ. الْاَوْلَيٰنِ (المائدۃ:۱۰۸) وَاحِدُهُمَا أَوْلَى}.

سفیان (ثوری) نے کہا: سارے قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں جو مجھ پر اس آیت سے زیادہ گراں ہو، یعنی اس وقت تک تم کسی بات پر بھی نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل پر عمل نہ کرو اور اس پر جو تم پر تمہارے ربّ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ مَخْمَصَةٍ کے معنی ہیں بھوک۔ مَنْ اَحْيَاهَا کے معنی ہیں جس نے اس نفس کا قتل حرام قرار دیا، مگر یہ کہ جائز طور سے، یعنی ایسے طریق پر جس سے تمام لوگ زندہ رہیں۔ شِرْعَةً کے معنی ہیں راستہ اور مِنْهَاجًا کے معنی ہیں طریقہ۔ فَاِنْ عُثِرَ کے معنی ہیں پھر اگر ظاہر ہو گیا۔ الْاَوْلَيٰنِ سے مراد ہے کہ دونوں (فریقوں) میں سے ایک جو حق دار ہے۔

تشریح: باب نمبر ۱ میں بعض الفاظ اور فقروں کی شرح سے ضمناً ایسی آیات کا حوالہ دیا گیا ہے جن سے اس سورۃ کے احکام کی نوعیت کا علم ہو سکتا ہے۔ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ سے آیت يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ○ (المائدۃ:۲۲) کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: اے میری قوم! (یعنی قوم موسیٰؑ) تم اس پاک کی ہوئی زمین میں داخل ہو جاؤ، جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھی ہے اور اپنی پیٹھوں کے رُخ نہ لَوٹ جانا، ورنہ تم نقصان اُٹھا کر لوٹو گے۔

اس آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ مشیئتِ صالحہ کے لئے پہلی ضرورت اچھی زمین کا مہیا ہونا ہے، جس سے انسان آزادی کے ساتھ دونوں قسم کے مائدہ کی ضروریات حاصل کر سکے۔ اس آیت کا حوالہ بطور تمہید ہے، بلاوجہ نہیں۔

[1] یہ عبارت فتح الباری مطبوعہ بولاق کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ حاشیہ صفحہ ۳۳۹)

تَبُوْٓاَ سے اُس آیت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، جس میں نفوسِ بشریہ کی سلامتی اور حفاظت کا ذکر ہے اور یہ دوسری اہم معاشرتی ضرورت ہے۔ جب تک کوئی ملک حکومت کے عادلانہ نظام ضبط و ربط سے بہرہ اندوز نہ ہو اس کے باشندے امن وامان کی زندگی بسر نہیں کرتے۔ لفظ تَبُوْٓاَ سے سورۂ مائدہ کی اس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے: اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ○ (المائدۃ:۳۰) ترجمہ: میں یقیناً چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ (بھی) اور اپنا گناہ (بھی) ہمیشہ کے لئے اُٹھالے، جس کا نتیجہ یہ ہو کہ تو دوزخیوں میں سے ہو جائے اور یہ ظالموں کا بدلہ ہے۔ اس آیت کا سیاق وسباق مذکورہ بالا ضرورت سے متعلق ہے۔

دَآئِرَةٌ کے معنی ہیں: دَوْلَةٌ (دَالَ یَدُوْلُ دَوْلَةٌ) یعنی انقلاب۔ وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ (آل عمران:۱۴۱) یعنی یہ (غلبہ کے) دن ایسے ہیں کہ ہم اُنہیں لوگوں کے درمیان نوبت بہ نوبت پھراتے رہتے ہیں۔ لفظ دَآئِرَةٌ سے اِس آیت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے: فَتَرَى الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ اَنْفُسِهِمْ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰی مَآ اَسَرُّوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ ○ (المائدۃ:۵۳) ترجمہ: اور تو اُن لوگوں کو جن کے دل میں بیماری ہے دیکھے گا کہ وہ یہ کہتے ہوئے اُن (کفار) کی طرف دوڑ (دوڑ) کر جاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم (اس بات سے) ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی مصیبت (نہ) آجائے۔ پس قریب ہے کہ اللہ (تمہاری) فتح (کے سامان) یا اپنے پاس سے کوئی (اور) امر (ظہور میں) لائے۔ جس سے وہ اس بات پر کہ جسے انہوں نے اپنے دلوں میں چھپایا ہوا ہے نادِم ہو جائیں۔

سیاقِ کلام میں یہود و نصاریٰ و منافقین کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ انگیزی سے آگاہ کیا گیا ہے۔ باشندگانِ وطن کے امن و سلامتی کے لئے اندرونی فتنوں اور بیرونی حملوں کا انسداد ضروری ہے۔ اس حوالہ سے تیسری معاشرتی ضرورت کی طرف توجہ منعطف کروائی گئی ہے اور لفظ اَلْاِغْرَآءُ سے سورۂ مائدہ کی پندرھویں آیت کے سیاق کی طرف توجہ مبذول کروائی گئی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کتاب اللہ بھول گئے اور نتیجہ یہ ہے کہ بغض وعداوت نے اُنہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔ مسلمانوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے، تا وہ بھی المائدہ کی برکات سے محروم نہ ہو جائیں۔ اَلْاِغْرَآءُ کے معنی ہیں التَّسْلِیْطُ یعنی ایک دوسرے پر مسلط کر دینا۔

اُجُوْرَهُنَّ: مسائل حِلّت و حرمت کے ضمن میں اہل کتاب کے ساتھ معاشی و ازدواجی رابطہ کا مسئلہ اس اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے کہ خورد و نوش اور صلہ رحمی بھی تعلقات معاشرہ کی استواری میں بڑی مدد دیتی ہے۔ اسلام نے ان کی اجازت دی ہے۔ پوری آیت یہ ہے: اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَ لَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ۧ (المائدۃ:۶) ترجمہ: آج تمہارے لئے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور تمہارے لئے ان لوگوں کا (پکا ہوا) کھانا جنہیں کتاب دی گئی تھی حلال ہے اور تمہارا (پکا ہوا) کھانا اُن کے لئے حلال ہے اور پاک دامن

مومن عورتیں اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان میں سے پاک دامن عورتیں جبکہ تم اُنہیں نکاح میں لاکر نہ بدکاری کے مرتکب ہو کر اور نہ (ہی) پوشیدہ دوست بنا کر، ان کے مہر اُنہیں دے دو (تمہارے لئے جائز ہیں) اور جو شخص ایمان رکھتے ہوئے کفر (اختیار) کرتا ہے تو (سمجھو کہ) اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں گھاٹا پانے والوں میں سے ہوگا۔

اَلْمُهَيْمِنُ: الأَمِينُ۔ اس وصف سے قرآنِ مجید متصف ہے کہ اس نے تمام سابقہ شریعتوں کی تعلیم کو محفوظ کرلیا ہے۔ وہ جامع شرائع سماویہ ہے۔ پوری آیت یہ ہے: وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ (المائدۃ:۴۹) ترجمہ: اور ہم نے تجھ پر اس کتاب کو حق پر مشتمل اُتارا ہے، وہ اپنے سے پہلی کتاب (کی باتوں) کو پورا کرنے والی ہے اور اس پر محافظ ہے۔ پس تو اس (کتاب) کے مطابق جو اللہ نے (تجھ پر) اُتاری ہے ان کے درمیان فیصلہ کر اور جو حق تیری طرف آیا ہے، اسے چھوڑ کر اُن کی خواہشوں کی پیروی نہ کر۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے (اپنی اپنی استعداد کے مطابق الہامی) پانی تک پہنچنے کے لئے ایک چھوٹا یا بڑا راستہ بنایا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم (سب) کو ایک ہی جماعت بنا دیتا۔ مگر (اس کلام کے متعلق) تمہارا امتحان لینے کے لیے جو اُس نے تم پر اُتارا تھا (ایسا نہیں کیا) پس تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کے لیے مقابلہ کرو کیونکہ اللہ ہی کی طرف تم سب نے لَوٹ کر جانا ہے جبکہ وہ تم کو اُن تمام امور میں جن میں تم اختلاف رکھتے تھے حقیقت سے واقف کرے گا۔

جسمانی و روحانی مائدہ سے متمتع ہونے کے لئے شریعت حقّہ کی ضرورت ہے۔ اس اعتبار سے بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لئے ایک کامل شریعت عطا کی گئی ہے، جو قرآنِ مجید میں محفوظ ہے اور وہ اس شریعت کا امین اور محافظ ہے۔ دونوں قسم کے مائدے سے فائدہ اُٹھانے کے لئے آخری اور اصل ضرورت یہ ہے کہ شریعت الٰہیہ پر عمل کیا جائے۔ اگر عمل نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اس کے لئے سفیان ثوریؒ کے قول کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اُنہوں نے جس آیت کا حوالہ دیا ہے، وہ یہ ہے: قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ○ (المائدۃ:۶۹) ترجمہ: تو کہہ دے (کہ) اے اہل کتاب! جب تک تم تورات اور انجیل (کو) اور جو کچھ تمہارے ربّ کی طرف سے تم پر اُتارا گیا ہے، اس کو ظاہر نہیں کرو گے۔ (اس وقت تک) تم کسی (اچھی) بات پر (قائم) نہیں اور جو کچھ تجھ پر تیرے ربّ کی طرف سے اُتارا گیا ہے، وہ ان میں سے بہتوں کو سرکشی اور کفر میں ضرور ہی بڑھا دے گا۔ پس تو اس کافر قوم پر افسوس نہ کر۔ اس آیت سے پہلے فرماتا ہے: وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَ كَثِیْرٌ

مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدۃ:٦٦) ترجمہ: اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو (کچھ) ان کے ربّ کی طرف سے (اب) اُن پر اُتارا گیا ہے۔ اس کو ظاہر کرتے رہتے تو وہ ضرور اپنے اوپر کی طرف سے بھی کھاتے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے بھی (کھاتے۔) (بے شک) ان میں سے ایک جماعت میانہ رَو ہے۔ لیکن بہت سے ان میں سے ایسے ہیں کہ جو (کام) وہ کرتے ہیں وہ بہت بُرا ہے۔

مذکورہ بالا آخری حوالہ سے ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ کے پیش نظر دراصل مائدہ جسمانی اور مائدہ روحانی کی نشاندہی کرنا مقصود ہے۔ گویا آئندہ ابواب و روایات کے لئے مذکورہ بالا حوالے بطور رؤوس الأقلام ہیں۔ سابقہ سورتوں کے باب شروع کرنے سے پہلے بھی اُنہوں نے یہی طریق اختیار کیا تھا۔ دیکھئے تمہید سورۃ النساء۔ سورۂ آل عمران میں غزوۂ بدر و غزوۂ اُحد کا ذکر ہے، اس کی تمہید میں بھی اس کے اہم سیاقِ کلام کی طرف متعلقہ مفردات کی شرح سے توجہ دلائی گئی ہے۔

مَخْمَصَةٌ کے معنی مَجَاعَةٌ یعنی بھوک ہیں۔ اس سے استثنائی حالت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ آیت فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (المائدۃ:٤) یعنی جو شخص بھوک (کی حالت) میں مجبور ہو جائے اور وہ گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو (اور حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے) تو (یاد رکھو کہ) اللہ یقیناً (مجبوری کی غلطیوں کو) بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ شریعت اسلامیہ ہر جہت سے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جس میں جزئیات بھی ملحوظ رکھی گئی ہیں۔

الفاظ مَنْ اَحْيَاهَا کی شرح سے اس غرض کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو سورۃ المائدۃ کا اصل موضوع ہے۔ پوری آیت یہ ہے: مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ (المائدۃ:٣٣) ترجمہ: اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر فرض کر دیا تھا کہ (وہ خیال رکھیں کہ) جو کسی شخص کو بغیر اس کے کہ اس نے قتل کیا ہو یا ملک میں فساد پھیلایا ہو، قتل کر دے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو اسے زندہ کرے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کر دیا اور ہمارے رسول ان کے پاس یقیناً کھلے نشان لے کر آئے تھے۔ پھر بھی ان میں سے بہت سے (لوگ) ملک میں زیادتیاں کرتے جا رہے ہیں۔

الفاظ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا سے منبع قانون اور دستور العمل کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ پوری آیت یہ ہے: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ (المائدۃ:٤٩، ٥٠) ترجمہ: ہم نے تم میں سے ہر

ایک کے لئے (اپنی اپنی استعداد کے مطابق الہامی) پانی تک پہنچنے کے لئے ایک چھوٹا یا بڑا راستہ بنایا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم (سب) کو ایک ہی جماعت بنا دیتا۔ مگر (اس کلام کے متعلق) تمہارا امتحان لینے کے لئے جو اُس نے تم پر اُتارا تھا (ایسا نہیں کیا) پس تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کے لئے مقابلہ کرو۔ کیونکہ اللہ ہی کی طرف تم سب نے لَوٹ کر جانا ہے۔ جبکہ وہ تم کو اُن تمام امور میں جن میں تم اختلاف رکھتے تھے حقیقت سے واقف کرے گا۔ اور اے رسول! تو اِن کے درمیان اس کلام کے ذریعہ سے فیصلہ کر جو اللہ نے (تجھ پر) اُتارا ہے اور تو ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر اور اُن سے ہوشیار رہ کہ وہ تجھے فتنہ میں ڈال کر اللہ کے اُتارے ہوئے کلام سے دور نہ لے جائیں۔ پھر اگر وہ پھر جائیں تو جان لے کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے سزا دے اور لوگوں میں سے بہت لوگ عہد شکن ہیں۔

شِرْعَةً کے معنی ہیں گھاٹ، جس سے پانی پیا اور پلایا جاتا ہے۔ اسی سے شریعت کا لفظ ہے۔ قوانین بشریہ کا اصل مصدر و منبع وحی الٰہی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسان کو اپنے خالق کی مشیئت کا علم ہوتا ہے کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں کرنا چاہیئے۔

مِنْهَاجًا کے معنی ہیں طریق کار، دستور العمل، حکم۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ کہ تمام نیکیوں میں دوسروں سے آگے نکل جائیں تو كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ کا مصداق بن سکیں گے۔ خالی ضابطہ حیات کے اعلیٰ ہونے پر فخر کرنا بے سود ہے اگر اس کے مطابق عمل نہیں۔

فَاِنْ عُثِرَ سے قانون شہادت میں ایک استثنائی صورت بطور مثال دے کر لفظ مِنْهَاجًا کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ اس کے معنی (سَبِيْل اور سُنَّة) بتائے گئے ہیں یعنی راہ، جو منزلِ مقصود تک پہنچائے اور سنت، طریق کار۔ شہادت موجود نہ ہو تو تنازعات کے فیصلہ میں کیا طریق کار اختیار کیا جائے؟ سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۱۰۸ میں ایک مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ شہادت نہ ملے تو قسم سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ اس مثال سے مِنْهَاج کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَ مَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (المائدۃ:۱۰۸)

ترجمہ: پھر اگر (بعد میں) یہ کھل گیا کہ ان دونوں نے (اپنے ذمے) گناہ واجب کر لیا ہے تو دو اور شخص (ان وارثوں یعنی میت کے رشتہ داروں میں سے) جن کے خلاف پہلے دو نے حق قائم کیا تھا (شہادت کے لیے) کھڑے ہوں اور وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی (ان) پہلے دو گواہوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے اور ہم نے (اپنی گواہی میں) کوئی زیادتی نہیں کی۔ اگر ہم نے ایسا کیا ہو تو ہم کو ظالموں میں سے شمار کرنا چاہیئے۔

مذکورہ بالا آیت سے ماقبل اور مابعد کی دو آیتیں بھی دیکھئے۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں احکام شریعت کے ساتھ ہر چھوٹے بڑے حکم سے متعلق طریق عمل بھی واضح فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا شرح الفاظ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ، تَبُوْٓءَ، اُجُوْرَهُنَّ، شِرْعَةً اور مِنْهَاجًا ابوعبیدہؒ سے اور شرح الفاظ مَخْمَصَةٍ اور اَحْيَاهَا حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۴۰، ۳۴۱)

بَاب ۲ : اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ (المائدۃ: ٤)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَخْمَصَةٍ (المائدة: ٤) مَجَاعَةٍ.

اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: مَخْمَصَةٍ کے معنی ہیں بھوک۔

٤٦٠٦ : حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ قَيْسٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَتِ الْيَهُودُ لِعُمَرَ إِنَّكُمْ تَقْرَءُونَ آيَةً لَوْ نَزَلَتْ فِينَا لَاتَّخَذْنَاهَا عِيدًا فَقَالَ عُمَرُ إِنِّي لَأَعْلَمُ حَيْثُ أُنْزِلَتْ وَأَيْنَ أُنْزِلَتْ وَأَيْنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أُنْزِلَتْ يَوْمَ عَرَفَةَ وَإِنَّا وَاللهِ بِعَرَفَةَ قَالَ سُفْيَانُ وَأَشُكُّ كَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمْ لَا. اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ.(المائدۃ: ٤)

۴۶۰۶: محمد بن بشار نے مجھے بتایا کہ عبدالرحمٰن (بن مہدی) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (ثوریؒ) نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے قیس (بن مسلم) سے، قیس نے حضرت طارق بن شہابؓ سے روایت کی کہ یہود حضرت عمرؓ سے کہنے لگے: آپ لوگ ایک آیت پڑھتے ہیں، اگر وہ ہم میں نازل ہوتی تو ہم اس دن عید مناتے۔ حضرت عمرؓ نے (یہ سن کر) فرمایا: میں خوب جانتا ہوں کہ وہ کب نازل کی گئی اور کہاں نازل کی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کہاں تھے، جب وہ نازل ہوئی۔ عرفات کے دن اور ہم بھی اللہ کی قسم اس دن عرفات ہی میں تھے۔ سفیان نے کہا: مجھے شک ہے (حضرت عمرؓ نے کہا:) اس دن جمعہ تھا یا نہیں۔ (کہا: وہ آیت یہ ہے:) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔

أطرافهُ: ٤٥، ٤٤٠٧، ٧٢٦٨۔

تشریح: اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ: پوری آیت یہ ہے: اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ فَمَنِ اضۡطُرَّ فِیۡ مَخۡمَصَۃٍ غَیۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ○ (المائدۃ:۴) ترجمہ: آج میں نے تمہارے (فائدہ کے) لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنے احسان کو پورا کر دیا ہے اور تمہارے لیے دین کے طور پر اسلام کو پسند کیا ہے۔ لیکن جو شخص بھوک (کی حالت) میں مجبور ہو جائے اور وہ گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو (اور حرام چیزوں میں سے کچھ کھا لے) تو (یاد رکھو کہ) اللہ یقیناً (مجبوری کی غلطیوں کو) بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

دین کا کمال اسی صورت میں متحقق ہو سکتا ہے جب اس کے ثمرات بھی کاملاً حاصل ہونے کی اُمید ہو۔ چنانچہ فرمایا: وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النساء:۷۰) یعنی اور جو (لوگ بھی) اللہ اور اس رسول کی اطاعت کریں گے وہ اُن لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین (میں) اور یہ لوگ (بہت ہی) اچھے رفیق ہیں۔

دین کامل پر چلتے ہوئے اعلیٰ نمونے دکھانے والوں کی نسبت فرماتا ہے: بَلٰى ۗ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (البقرۃ:۱۱۳) ترجمہ: (اور بتاؤ کہ دوسرے لوگ) کیوں نہیں (داخل ہوں گے) جو بھی اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے اور وہ نیک کام کرنے والا (بھی) ہو تو اس کے ربّ کے ہاں اس کے لیے بدلہ (مقرر) ہے اور ان (لوگوں) کو نہ (آئندہ کے متعلق) کسی قسم کا خوف ہو گا اور نہ وہ (کسی سابق نقصان پر) غمگین ہوں گے۔

اس آیت کی تشریح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اب آیات ممدوحہ بالا پر ایک نظر غور ڈالنے سے ہر یک سلیم العقل سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کی حقیقت تب کسی میں متحقق ہو سکتی ہے کہ جب اس کا وجود مع اپنے تمام باطنی و ظاہری قویٰ کے محض خدا تعالیٰ کے لئے اور اس کی راہ میں وقف ہو جاوے اور جو امانتیں اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملی ہیں پھر اسی معطی حقیقی کو واپس دی جائیں اور نہ صرف اعتقادی طور پر بلکہ عمل کے آئینہ میں بھی اپنے اسلام اور اس کی حقیقت کاملہ کی ساری شکل دکھلائی جاوے۔ یعنی شخص مدعی اسلام یہ بات ثابت کر دیوے کہ اس کے ہاتھ اور پیر اور دل اور دماغ اور اُس کی عقل اور اُس کا فہم اور اُس کا غضب اور اُس کا رحم اور اُس کا حِلم اور اُس کا علم اور اس کی تمام روحانی اور جسمانی قوتیں اور اس کی عزت اور اس کا مال اور اس کا آرام اور سُرور اور جو کچھ اس کا سر کے بالوں سے پیروں کے ناخنوں تک باعتبار ظاہر و باطن کے ہے۔ یہاں تک کہ اس کی نیّات اور اس کے دل کے خطرات اور اس کے نفس کے جذبات سب خدا تعالیٰ کے ایسے تابع ہو گئے ہیں کہ جیسے ایک شخص کے اعضاء اس شخص کے تابع ہوتے ہیں۔ غرض یہ ثابت ہو جائے کہ صدقِ قدم اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ جو کچھ اس کا ہے وہ اس کا نہیں بلکہ

خدا تعالیٰ کا ہو گیا ہے اور تمام اعضاء اور قویٰ الٰہی خدمت میں ایسے لگ گئے ہیں
کہ گویا وہ جوارح الحق ہیں۔“
(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۹، ۶۰)

مذکورہ بالا بیان سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اہم اور عظیم الشان حقیقت دین ایجاز بلیغ سے چند الفاظ میں سموئی گئی ہے۔ عربی زبان ہی اس ایجاز کی متحمل ہو سکتی ہے۔ وجہ یہ کہ لفظ اَسْلَمَ کے معانی میں جہاں کامل اطاعت کا مفہوم پایا جاتا ہے، وہاں ودیعت امانت اور بلا کم و کاست سپردگی کا مفہوم بھی ہے۔ اسی طرح لفظ مُحْسِنٌ کا مفہوم بھی وسعت رکھتا ہے۔ یعنی ایسی کامل اطاعت ہو کہ اعمال میں صفاتِ الٰہی کا حسن جلوہ گر ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مفہوم کو ”آئینہ کمالاتِ اسلام“ میں واضح فرمایا ہے اور دین اسلام پر عمل کرنے سے جو اعلیٰ ثمرات صادر ہوتے ہیں ان کا مفصل ذکر کیا ہے۔ ثمرات و برکات اسلام کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۶۰ تا ۱۷۷۔

روایت زیر باب سے ظاہر ہے کہ یہودِ عرب نے بھی مذکورہ بالا آیت کے نازل ہونے پر تمنا کی کہ کاش وہ ان کے لئے نازل ہوتی اور وہ عید مناتے۔ یہ شہادت معمولی شہادت نہیں۔ اس تعلق میں کتاب الإیمان، باب ۳۳ بھی دیکھئے۔

بَاب ۳: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (المائدۃ: ۷)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاکیزہ مٹی کا قصد کرو

تَيَمَّمُوا تَعَمَّدُوا. آٰمِّيْنَ (المائدة: ٣) عَامِدِينَ، أَمَّمْتُ وَتَيَمَّمْتُ وَاحِدٌ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَمَسْتُمُ[1] (النساء: ٤٤) وَ تَمَسُّوْهُنَّ (البقرة: ٢٣٧) وَ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ (النساء: ٢٤) وَالْإِفْضَاءُ النِّكَاحُ.

تَيَمَّمُوْا کے معنی قصد کرو۔ (آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ میں) آٰمِّيْنَ کے معنی ہیں قصد کرنے والے۔ أَمَّمْتُ اور تَيَمَّمْتُ کے ایک ہی معنی ہیں۔ (یعنی میں نے قصد کیا۔) حضرت ابن عباسؓ نے کہا: لَمَسْتُمُ اور تَمَسُّوْهُنَّ اور الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ اور الْإِفْضَاءُ، ان سب کے معانی نکاح کے ہیں۔

٤٦٠٧: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ

۴۶۰۷: اسماعیل (بن ابی اویس) نے ہم سے بیان کیا، کہا: مالک نے مجھے بتایا۔ اُنہوں نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے، عبدالرحمٰن نے اپنے

[1] لفظ لَمَسْتُمُ صحیح البخاری مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض کے مطابق ہے۔
(صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ المائدۃ، باب ۳ صفحہ ۶۳۱)

اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِي فَأَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْتِمَاسِهِ وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَأَتَى النَّاسُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ فَقَالُوا أَلَا تَرَى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ أَقَامَتْ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِالنَّاسِ وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلَى فَخِذِي قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ قَالَتْ عَائِشَةُ فَعَاتَبَنِي أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُولَ وَجَعَلَ يَطْعُنُنِي بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي وَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

باپ (قاسم بن محمد) سے، اُنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، وہ فرماتی تھیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے کسی سفر میں نکلے۔ جب ہم بیداء یا ذات الجیش مقام پر پہنچے، میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ڈھونڈنے کے لئے ٹھہر گئے اور لوگ بھی آپؐ کے ساتھ ٹھہر گئے اور وہ پانی کے قریب نہ تھے، نہ اُن کے ساتھ پانی تھا۔ (یہ دیکھ کر) لوگ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے: عائشہؓ نے یہ کیا کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو ٹھہرا رکھا ہے بحالیکہ وہ پانی کے قریب نہیں اور نہ پانی ان کے ساتھ ہے۔ (یہ سن کر) حضرت ابو بکرؓ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر میری ران پر رکھا ہوا تھا، آپؐ سو گئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کہنے لگے: تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور لوگوں کو روکے رکھا ہے اور وہ کسی پانی کے قریب نہیں اور نہ پانی اُن کے ساتھ ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں: حضرت ابو بکرؓ نے مجھ پر ناراضگی کا اظہار کیا اور جو اللہ نے کہلانا چاہا انہوں نے کہا اور میرے پہلو میں اپنے ہاتھ سے کونچ مارنے لگے اور مجھے ہلنے جلنے سے صرف یہی بات روکتی تھی

وَسَلَّمَ عَلَى فَخِذِي فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ أَصْبَحَ عَلَى غَيْرِ مَاءٍ فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ فَبَعَثْنَا الْبَعِيرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ فَإِذَا الْعِقْدُ تَحْتَهُ.

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر (سر رکھے ہوئے) تھے۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے، وہ کسی پانی کے پاس نہیں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل کی۔ حضرت اُسَید بن حضیرؓ بولے: اے ابو بکرؓ کے خاندان! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔ فرماتی تھیں: ہم نے اس اونٹ کو جو اُٹھایا جس پر میں تھی، کیا دیکھتے ہیں کہ ہار اس کے نیچے ہے۔

اطرافه: ٣٣٤، ٣٣٦، ٣٦٧٢، ٣٧٧٣، ٤٥٨٣، ٤٦٠٨، ٥١٦٤، ٥٢٥٠، ٥٨٨٢، ٦٨٤٤، ٦٨٤٥۔

٤٦٠٨: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا سَقَطَتْ قِلَادَةٌ لِي بِالْبَيْدَاءِ وَنَحْنُ دَاخِلُونَ الْمَدِينَةَ فَأَنَاخَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَزَلَ فَثَنَى رَأْسَهُ فِي حَجْرِي رَاقِدًا أَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ فَلَكَزَنِي لَكْزَةً شَدِيدَةً وَقَالَ حَبَسْتِ النَّاسَ فِي قِلَادَةٍ فَبِي الْمَوْتُ لِمَكَانِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أَوْجَعَنِي ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَيْقَظَ وَحَضَرَتِ الصُّبْحُ فَالْتُمِسَ الْمَاءُ فَلَمْ يُوجَدْ فَنَزَلَتْ

۴۶۰۸: یحییٰ بن سلیمان نے ہم سے بیان کیا، اُنہوں نے کہا: (عبداللہ) بن وہب نے مجھے بتایا، کہا: عمرو (بن حارث) نے مجھے خبر دی کہ عبدالرحمٰن بن قاسم نے اُن سے بیان کیا: اُنہوں نے اپنے باپ سے، اُن کے باپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی (اُنہوں نے کہا) کہ بیداء مقام میں میرا ایک ہار گر گیا اور ہم اس وقت مدینہ کو آرہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ بٹھایا اور اُتر پڑے۔ نیند کی وجہ سے میری گود میں اپنا سر رکھ دیا۔ حضرت ابو بکرؓ آئے، اُنہوں نے مجھے زور سے گھونسہ مارا اور کہنے لگے: ایک ہار کے لئے تمام لوگوں کو تو نے روک رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کی وجہ سے (میں نہ ہلی۔) گویا مجھ پر موت وارد تھی۔ اور مجھے اُن کے مارنے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ (المائدۃ:۷) اَلآیَۃ، فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ لَقَدْ بَارَكَ اللهُ لِلنَّاسِ فِيكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَرَكَةٌ لَهُمْ.

سے بہت درد ہوا۔ پھر اِس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم جاگے اور صبح کا وقت ہوگیا۔ پانی کی تلاش کی گئی نہ ملا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی: اے ایماندارو! جب تم نماز کے لیے اٹھو۔ حضرت اُسید بن حضیرؓ بولے: اے ابو بکرؓ کے خاندان! اللہ نے تمہاری وجہ سے لوگوں کو بہت برکت دی ہے۔ تم تو اِن کے لئے سراسر برکت ہی ہو۔

اطرافه: ۳۳٤، ۳۳٦، ۳٦۷۲، ۳۷۷۳، ٤٥۸۳، ٤٦۰۷، ٥١٦٤، ٥٢٥٠، ٥۸۸۲، ٦۸٤٤، ٦۸٤٥۔

تشریح: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ...: تَيَمَّمُوا کے معنی تَعَمَّدُوا ابوعبیدہؒ سے مروی ہیں۔[1] یعنی پاکیزہ زمین کا قصد کرو۔ آٰمِّيْنَ کے معنی عَامِدِينَ (قصد کرنے والے) بھی انہی کے ہیں۔[2] اس سے آیت وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ مقصود ہے۔ پوری آیت یہ ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (المائدۃ:۳) ترجمہ: اے ایمان دارو! اللہ کے (مقرر کردہ) نشانوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ (حرم کی طرف لے جائی جانے والی) قربانی کی اور نہ (ایسی قربانیوں کی) جن کے گلے میں حرم کے ذبیحہ کے نشان کے طور پر ہار پہنائے گئے ہوں اور نہ بیت الحرام کی طرف جانے والے لوگوں کی جو اپنے ربّ کے فضل اور اس کی رضا کی تلاش میں ہیں اور جب تم احرام کھول دو تو (بے شک) شکار کرو اور ایک قوم کی (تمہارے ساتھ یہ) عداوت کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا، تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم زیادتی کرو اور تم نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں باہم (ایک دوسرے کی) مدد کرو اور گناہ اور زیادتی (کی باتوں) میں (ایک دوسرے کی) مدد نہ کیا کرو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ کی سزا یقیناً سخت (ہوتی) ہے۔

أَمَّمْتُ وَتَيَمَّمْتُ وَاحِدٌ: دونوں الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں: تَعَمَّدْتُ یہ قول بھی ابوعبیدہؒ ہی کا ہے۔ اِنہی معنوں میں ایک شاعر کہتا ہے:

إِنِّي كَذَاكَ إِذَا مَاسَاءَنِي بَلَدٌ   يَمَّمْتُ صَدْرَ بَعِيرِي غَيْرَهُ بَلَدَا

(فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۴۴)

یعنی جب کوئی بستی مجھ سے ناگوار سلوک کرے تو میں بھی اسی طرح اپنے اونٹ کے سینے کا رُخ اس کے

[1] (مجاز القرآن، سورۃ المائدۃ، آیت فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا، جزء اول صفحہ ۱۵۵)

[2] (مجاز القرآن، سورۃ المائدۃ، آیت وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ، جزء اول صفحہ ۱۴۶)

سوا کسی اور بستی کی طرف کر دیتا ہوں۔

قراءت وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ جمہور کی ہے۔ اَلْبَيْتَ منصوب ہے بوجہ آٰمِّيْنَ (صیغہ اسم فاعل مذکر جمع) کا مفعول ہونے کے۔ اعمش نے نون حذف کر کے اسے مضاف پڑھا ہے۔ یعنی وَلَآ آمِّي الْبَيْتِ أَيْ عَامِدِي الْبَيْتِ۔ عنوانِ باب میں قراءت کی تصحیح مد نظر ہے۔ اسی طرح قراءت لَمَسْتُمُ کی۔ علماء کوفہ نے لَمَسْتُمُ پڑھا ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۴۴، ۳۴۵) حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک الفاظ اَلْمُلَامَسَه وَ الْمَسّ وَالدُّخُول وَ الإفْضَاءُ بطور کنایہ نکاح کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل آیات کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

۱) وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ (المائدۃ: ۷) ترجمہ: اور اگر تم بیمار (ہو) یا سفر (کی حالت) میں ہو (اور تم جنبی ہو) یا تم میں سے کوئی (شخص) جائے ضرور سے آئے اور تم نے عورتوں سے مباشرت بھی کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اس سے (کچھ مٹی لے کر) اپنے مونہوں اور اپنے ہاتھوں کو ملو۔ مذکورہ بالا لفظ سورۃ النساء آیت نمبر ۴۴ میں بھی آیا ہے۔

۲) لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○ (البقرۃ: ۲۳۷) ترجمہ: تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو اس وقت بھی طلاق دے دو جبکہ تم نے ان کو چھوا تک نہ ہو یا مہر نہ مقرر کیا ہو اور (چاہیے کہ اس صورت میں) تم انہیں مناسب طور پر کچھ سامان دے دو۔ (یہ امر) دولت مند پر اس کی طاقت کے مطابق (لازم ہے) اور نادار پر اس کی طاقت کے مطابق۔ (ہم نے ایسا کرنا) نیکوکاروں پر واجب (کر دیا) ہے۔

۳) وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ (النساء: ۲۴) ترجمہ: اور تمہاری (رضاعی) مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری ساسیں اور تمہاری وہ سوتیلی لڑکیاں جو تمہاری اُن بیویوں سے ہوں جن سے تم خلوت کر چکے ہو اور وہ تمہارے گھروں میں پلتی ہوں تم پر حرام کی گئی ہیں لیکن اگر تم نے اُن (بیویوں) سے خلوت نہ کی ہو تو (اُن کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں۔

۴) وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ○ (النساء: ۲۲) ترجمہ: اور تم اُس (مال) کو کس طرح لے سکتے ہو جبکہ تم آپس میں مل چکے ہو اور وہ (بیویاں) تم سے ایک مضبوط عہد لے چکی ہیں۔

اسماعیل قاضیؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا شرح الفاظ بسند مجاہدؒ و عکرمہؒ نقل کی ہے۔ نیز عبد بن حمید نے حضرت ابن عباسؓ سے الفاظ اَلْغَشَيَانُ، اَلرَّفَثُ، اور اَلْجِمَاعُ کے معانی بھی نکاح بیان کیے

ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا(الاعراف:۱۹۰)[1] اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ (البقرۃ:۱۸۸)[2] (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۴۴، ۳۴۵)

بَاب ٤ : فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدۃ: ٢٥)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تو اور تیرا ربّ جاؤ، دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں

٤٦٠٩: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ مُّخَارِقٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ شَهِدْتُ مِنَ الْمِقْدَادِ ح.

۴۶۰۹: ابونعیم نے ہم سے بیان کیا کہ اسرائیل نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے مخارق سے، مخارق نے حضرت طارق بن شہابؓ سے روایت کی کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا۔ اُنہوں نے کہا: میں اس وقت موجود تھا جب حضرت مقدادؓ (بن اسود) نے...

وَ حَدَّثَنِي حَمْدَانُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا الْأَشْجَعِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُّخَارِقٍ عَنْ طَارِقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ الْمِقْدَادُ يَوْمَ بَدْرٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا لَا نَقُولُ لَكَ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسَى فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدۃ: ٢٥) وَلَكِنِ امْضِ وَنَحْنُ مَعَكَ فَكَأَنَّهُ سُرِّيَ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُّخَارِقٍ عَنْ طَارِقٍ

اور حمدان بن عمر نے مجھے بتایا کہ ابونضر (ہاشم بن قاسم) نے ہم سے بیان کیا، (کہا: عبیداللہ بن عبیدالرحمٰن) اشجعی نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے سفیان (ثوری) سے، سفیان نے مخارق (بن خلیفہ بن جابر) سے، مخارق نے حضرت طارق (بن شہابؓ) سے، حضرت طارقؓ نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی، اُنہوں نے کہا: مقدادؓ (بن اسود) نے جنگ بدر کے دن کہا: یارسول اللہ! ہم آپؐ سے نہیں کہیں گے جیسا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ جا تُو اور تیرا ربّ دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ آپؐ چلیے اور ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ یہ سنتے ہی

[1] ترجمہ از تفسیر صغیر: "پس جب وہ اُسے ڈھانپ لیتا ہے تو وہ خفیف سا بوجھ اُٹھا لیتی ہے۔"
[2] ترجمہ از تفسیر صغیر: "تمہیں روزہ رکھنے کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانے کی اجازت ہے۔"

أَنَّ الْمِقْدَادَ قَالَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ایسا معلوم ہوا کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا غم جاتا رہا۔ اس حدیث کو وکیع نے بھی بیان کیا۔ اُنہوں نے سفیان (ثوری) سے، سفیان نے مخارق سے، مخارق نے حضرت طارقؓ سے روایت کی کہ حضرت مقدادؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا۔

طرفہ: ۳۹۵۲۔

تشریح: فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ...: اس آیت میں بنی اسرائیل کے واقعہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جس کا ذکر تورات کی کتاب گنتی باب ۱۳ اور باب ۱۴ میں ملاحظہ ہو۔ لکھا ہے:

"وہ کہنے لگے کہ ہم اس لائق نہیں ہیں کہ اُن لوگوں پر حملہ کریں۔ کیونکہ وہ ہم سے زیادہ زورآور ہیں۔..... اور یہ کہا کہ وہ..... ایک ایسا ملک ہے جو اپنے باشندوں کو کھا جاتا ہے اور وہاں جتنے آدمی ہم نے دیکھے وہ سب بڑے قد آور ہیں اور ہم نے وہاں بنی عناق (عمالقہ) کو بھی دیکھا جو جبار ہیں اور جباروں کی نسل سے ہیں اور ہم تو اپنی ہی نگاہ میں ایسے تھے جیسے ٹڈے ہوتے ہیں اور ایسے ہی اُن کی نگاہ میں تھے۔ تب ساری جماعت زور زور سے چیخنے لگی اور وہ لوگ اس رات روتے ہی رہے اور کُل بنی اسرائیل موسیٰ اور ہارون کی شکایت کرنے لگے اور ساری جماعت ان سے کہنے لگی: ہائے کاش ہم مصر ہی میں مر جاتے، یا کاش اس بیابان ہی میں مرتے۔ خداوند کیوں ہم کو اس ملک (کنعان) میں لے جا کر تلوار سے قتل کرانا چاہتا ہے۔" (گنتی باب ۱۳: ۳۱ تا ۳۳، باب ۱۴: ۱ تا ۳)

معنونہ آیت پوری یہ ہے: قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ (المائدۃ: ۲۵) ترجمہ: اُنہوں نے کہا (کہ) اے موسیٰ! جب تک وہ (لوگ) اس میں ہیں ہم اس زمین میں کبھی بھی داخل نہ ہوں گے۔ اس لیے تو اور تیرا ربّ (دونوں) جاؤ اور (اُن سے) جنگ کرو۔ ہم تو بہرحال اِسی جگہ بیٹھے رہیں گے۔ اس سے ماقبل آیت میں ہے: قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ (المائدۃ: ۲۳) ترجمہ: اُنہوں نے (جواب میں) کہا کہ اے موسیٰ

اس (ملک) میں یقیناً ایک سرکش قوم (رہتی) ہے اور جب تک وہ (لوگ) اس میں سے نہ نکل جائیں ہم اس میں ہرگز ہرگز داخل نہ ہوں گے۔ ہاں اگر وہ اس میں سے نکل جائیں تو ہم یقیناً داخل ہو جائیں گے۔

بنی اسرائیل کے مذکورہ بالا رویہ کے بالمقابل صحابہ کرامؓ کا وہ رویہ ملاحظہ ہو۔ جس کی ترجمانی حضرت مقداد بن اسودؓ نے کی۔ رضوان اللّٰہ علیھم اجمعین۔ کفار کی طرف سے جنگ میں جوں جوں شدت بڑھتی گئی توں توں صحابہ کرام کی قوتِ مقابلہ اور جانفشانی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ صحابہ کی یہ فدائیت کتاب المغازی کے مطالعہ سے عیاں ہے۔ روایت نمبر ۴۶۰۹ کے آخر میں وکیع کی سند کا حوالہ اس لئے دیا ہے کہ اشجعی کی سند میں مرسل ہونے کا شائبہ ہے۔ امام احمد بن حنبل[۱] اور اسحاق نے وکیع کی روایت اپنی مسندوں میں موصولاً نقل کی ہے۔
(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۴۶)

بَاب ۵: إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا إِلَى قَوْلِهِ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (المائدة: ٣٤)

جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں فساد کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں ان کی سزا تو یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا صلیب دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا اُنہیں ملک سے نکال دیا جائے

الْمُحَارَبَةُ لِلّٰهِ الْكُفْرُ بِهِ.

اللہ سے جنگ کرنے سے مراد اُس کا انکار کرنا ہے۔

٤٦١٠: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ قَالَ حَدَّثَنِي سَلْمَانُ أَبُو رَجَاءٍ مَوْلَى أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا خَلْفَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَذَكَرُوا وَذَكَرُوا فَقَالُوا وَقَالُوا قَدْ أَقَادَتْ بِهَا الْخُلَفَاءُ فَالْتَفَتَ إِلَى أَبِي قِلَابَةَ وَهُوَ خَلْفَ ظَهْرِهِ

۴۶۱۰: علی بن عبد اللہ (مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ محمد بن عبد اللہ انصاری نے ہمیں بتایا: (عبد اللہ) بن عون نے ہم سے بیان کیا، کہا: ابو قلابہ کے آزاد کردہ غلام سلمان ابو رجاء نے مجھے بتایا کہ ابو قلابہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے پیچھے بیٹھے تھے۔ لوگوں نے (قسامۃ کا) ذکر کیا اور اُنہوں نے کچھ کہا۔ پھر اُنہوں نے کچھ کہا اور وہ بولے: خلفاء نے بھی قسامۃ میں قصاص لیا ہے۔ حضرت عمر بن

[۱] (مسند أحمد بن حنبل، مسند الكوفيين، حديث طارق بن شهاب رضي الله عنه، جزء۴ صفحہ ۳۱۴)

فَقَالَ مَا تَقُولُ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ أَوْ قَالَ مَا تَقُولُ يَا أَبَا قِلَابَةَ قُلْتُ مَا عَلِمْتُ نَفْسًا حَلَّ قَتْلُهَا فِي الْإِسْلَامِ إِلَّا رَجُلٌ زَنَى بَعْدَ إِحْصَانٍ أَوْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ حَارَبَ اللهَ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا أَنَسٌ بِكَذَا وَكَذَا قُلْتُ إِيَّايَ حَدَّثَ أَنَسٌ قَالَ قَدِمَ قَوْمٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمُوهُ فَقَالُوا قَدْ اسْتَوْخَمْنَا هَذِهِ الْأَرْضَ فَقَالَ هَذِهِ نَعَمٌ لَنَا تَخْرُجُ لِتَرْعَى فَاخْرُجُوا فِيهَا فَاشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا فَخَرَجُوا فِيهَا فَشَرِبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا وَاسْتَصَحُّوا وَمَالُوا عَلَى الرَّاعِي فَقَتَلُوهُ وَاطَّرَدُوا النَّعَمَ فَمَا يُسْتَبْطَأُ مِنْ هَؤُلَاءِ قَتَلُوا النَّفْسَ وَحَارَبُوا اللهَ وَرَسُولَهُ وَخَوَّفُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ فَقُلْتُ تَتَّهِمُنِي قَالَ حَدَّثَنَا بِهَذَا أَنَسٌ قَالَ وَقَالَ يَا أَهْلَ كَذَا إِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوا بِخَيْرٍ مَا

عبد العزیزؒ نے ابو قلابہ کو مڑ کر دیکھا اور وہ ان کی پیٹھ کے پیچھے تھے، کہنے لگے: عبد اللہ بن زید آپ کیا کہتے ہیں؟ یا کہا: ابو قلابہ آپ کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: مجھے کسی ایسے نفس کی نسبت علم نہیں جس کا مار ڈالنا اسلام میں جائز ہوا ہو۔ سوائے اس شخص کے جو شادی کرنے کے بعد زنا کرے یا ناحق کسی نفس کو مار ڈالے، یا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرے۔ عنبسہ (بن سعید) نے یہ سن کر کہا: حضرت انسؓ نے ہم سے ایسا ایسا بیان کیا ہے۔ میں نے کہا: مجھ سے بھی حضرت انسؓ نے ایسا ہی بیان کیا۔ اُنہوں نے کہا: کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اُنہوں نے آپؐ سے گفتگو کی اور کہنے لگے: ہم نے اس زمین کی آب وہوا ناموافق پائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ ہمارے اونٹ ہیں جو چرنے کے لیے باہر جارہے ہیں تم بھی ان کے ساتھ جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ چلے گئے۔ اُن کا پیشاب اور دودھ پیا اور تندرست ہو گئے۔ پھر وہ چرواہے پر پل پڑے اور اسے مار ڈالا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ تو ایسے لوگوں کی سزا میں کیا تأمل ہو سکتا ہے جنہوں نے ایک جان کا خون کیا اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف زدہ کرنا چاہا۔ عنبسہ نے یہ سن کر کہا: سبحان اللہ۔ میں نے کہا: تم مجھے

أُبْقِيَ هَذَا فِيكُمْ وَ مِثْلُ هَذَا.

جھوٹا سمجھتے ہو؟ اُنہوں نے کہا: حضرت انسؓ نے ہم سے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ کہتے تھے: پھر عنبسہ کہنے لگے: اے شام والو! تم ہمیشہ ہی اچھے رہو گے، جب تک کہ یہ اور اس جیسے تم میں باقی رہیں گے۔

اطرافه: ۲۳۳، ۱۵۰۱، ۳۰۱۸، ۴۱۹۲، ۴۱۹۳، ۵۶۸۵، ۵۶۸۶، ۵۷۲۷، ۶۸۰۲، ۶۸۰۳، ۶۸۰۴، ۶۸۰۵، ۶۸۹۹۔

تشریح: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ . . . : لفظ يُحَارِبُوْنَ مُحَارَبَةٌ سے ہے یعنی ایک دوسرے سے جنگ کرنا۔ عنوان باب میں مُحَارَبَةٌ سے انکار کا مفہوم سعید بن جبیرؒ اور حسن بصریؒ سے مروی ہے اور جمہور نے الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ سے قطاع الطریق، لٹیرے، قاتل اور فتنہ وفساد برپا کرنے والے مراد لئے ہیں۔ قسامہ جس کا ذکر روایت میں وارد ہوا ہے ایسے مقتول کی دیت کو کہتے ہیں جس کے قاتل کا پتہ نہ چلے اور جائے وقوع سے تعلق رکھنے والے افراد پر مشترکہ طور پر ڈالی جاتی ہے۔ اس تعلق میں کتاب الدیات، باب القسامۃ بھی دیکھئے۔ روایت ۴۶۱۰ میں مندرجہ واقعہ نے آیت کا مفہوم واضح کر دیا اور ابو قلابہ کا جواب بھی واضح ہے کہ اسلام میں اختلافِ دین کی وجہ سے قتل جائز نہیں۔ معنونہ آیت پوری یہ ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (المائدۃ: ۳۴) ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور فساد کی غرض سے ملک میں (جنگ کی آگ بھڑکانے کے لئے) دوڑتے (پھرتے) ہیں ان کی مناسب سزا یہی ہے کہ ان میں سے ایک ایک کو قتل کیا جائے یا صلیب پر لٹکا کر مارا جائے یا ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مخالفت کی وجہ سے کاٹ دیئے جائیں یا اُنہیں ملک سے نکال دیا جائے۔ (اگر) یہ (سزا ملتی تو) اُن کے لئے دنیا میں رسوائی (کا موجب) ہوتی اور آخرت میں بھی اُن کے لئے (بہت بڑا) عذاب (مقدر) ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے درگزر سے کام لیا ہے اور اپنے رسول کو قطعی حکم نہیں دیا کہ فوراً اِس حکم پر عمل کرنا شروع کر دے۔

بَاب ٦: وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (المائدۃ: ٤٦)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) یعنی زخموں کا بدلہ لیا جائے

٤٦١١: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَسَرَتِ الرُّبَيِّعُ

۴۶۱۱: محمد بن سلام نے مجھ سے بیان کیا کہ (مروان بن معاویہ) فزاری نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے حمید (طویل) سے، حمید نے حضرت

وَهْيَ عَمَّةُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَطَلَبَ الْقَوْمُ الْقِصَاصَ فَأَتَوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ عَمُّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ لَا وَاللهِ لَا تُكْسَرُ سِنُّهَا يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَنَسُ كِتَابُ اللهِ الْقِصَاصُ فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَقَبِلُوا الْأَرْشَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ مَنْ لَّوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ.

انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اُنہوں نے کہا: ربیعؓ نے جو کہ حضرت انس بن مالکؓ کی پھوپھی تھیں ایک انصاری لڑکی کا دانت توڑ ڈالا۔ لڑکی والوں نے قصاص کا مطالبہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم دیا۔ حضرت انس بن نضرؓ نے جو حضرت انس بن مالکؓ کے چچا تھے کہا: یارسول اللہ! ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انس! اللہ کی کتاب تو قصاص ہی کا حکم دیتی ہے۔ پھر وہ لوگ راضی ہوگئے اور انہوں نے دیت قبول کرلی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اگر اللہ پر (توکل کرکے) قسم کھالیں تو وہ (ان کی) وہ قسم ضرور پوری کردے۔

اطرافہ: ۲۷۰۳، ۲۸۰۶، ۴۴۹۹، ۴۵۰۰، ۶۸۹۴۔

تشریح: وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ۔ ۔ ۔: پوری آیت یہ ہے: وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (المائدۃ:۴۶) ترجمہ: اور ہم نے اس (تورات) میں ان پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلہ میں جان اور آنکھ کے بدلہ میں آنکھ اور ناک کے بدلہ میں ناک اور کان کے بدلہ میں کان اور دانت کے بدلہ میں دانت اور نیز (زخموں کے بدلہ میں) زخم برابر کا بدلہ ہیں۔ مگر جو شخص (اپنے) اس (حق) کو چھوڑ دے تو (اس کا یہ فعل) اس کے لیے گناہ کی معافی کا ذریعہ ہو جائے گا اور جو (لوگ) اس (کلام) کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی (حقیقی) ظالم ہیں۔

روایت زیرِ باب سے آیت کا مفہوم واضح کیا گیا ہے کہ زخموں کا قصاص بصورت معاوضہ طرفین کی رضامندی ہی سے جائز ہوسکتا ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں جس حکم قصاص کا ذکر کیا گیا ہے وہ کتاب خروج باب ۲۱: ۲۳ تا ۲۵

میں مذکور ہے۔ اس باب میں دیت و معاوضہ سے متعلق بھی احکام ہیں وہ دیکھے جائیں۔ کتاب احبار میں ہے:

"...الغرض جو کوئی کسی چوپائے کو مارڈالے وہ اس کا معاوضہ دے۔ پر انسان کا قاتل جان سے مارا جائے۔ تم ایک ہی طرح کا قانون دیسی اور پردیسی دونوں کے لئے رکھنا۔"
(احبار، باب ۲۴: ۲۱، ۲۲)

بَاب ٧: يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدة: ٦٨)

اے رسول! تیرے ربّ کی طرف سے جو (کلام بھی) تجھ پر اُتارا گیا ہے اُسے (لوگوں تک) پہنچا

٤٦١٢: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ شَيْئًا مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَقَدْ كَذَبَ وَاللّٰهُ يَقُولُ يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (المائدة: ٦٨) الْآيَةَ.

۴۶۱۲: محمد بن یوسف (فریابی) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (ثوری) نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے اسماعیل (بن ابی خالد) سے، اسماعیل نے (عامر) شعبی سے، شعبی نے مسروق سے، مسروق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی اُنہوں نے فرمایا: جو تم سے یہ بیان کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کلام سے جو آپؐ پر نازل کیا گیا کچھ چھپایا تھا تو یقیناً اُس نے جھوٹ کہا، اور اللہ فرماتا ہے: اے رسول! تیرے ربّ کی طرف سے جو (کلام بھی) تجھ پر اُتارا گیا ہے اُسے (لوگوں تک) پہنچا۔

أطرافه: ٣٢٣٤، ٣٢٣٥، ٤٨٥٥، ٧٣٨٠، ٧٥٣١-

تشریح: يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ . . . : زیر باب روایت کتاب التفسیر، سورۃ النجم روایت نمبر ۴۸۵۵ میں پوری درج ہے۔ یہاں اس کا ایک حصہ معنونہ آیت کے تعلق میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضِ رسالت کی ادائیگی میں اخفاء سے کام نہیں لیا اور آپؐ اس آیت میں مخاطب و مامور ہیں کہ تبلیغ حق سے متعلقہ کوتاہی ہوئی تو پیغام رسانی کا جو حق ہے وہ ادا نہ ہوگا۔ پوری آیت یہ ہے: يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۖ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۖ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (المائدۃ:۶۸) ترجمہ: اے رسول! تیرے ربّ کی طرف سے جو (کلام بھی) تجھ پر اُتارا گیا ہے اُسے (لوگوں تک) پہنچا اور اگر تو نے (ایسا) نہ کیا تو (گویا) تو نے اس کا پیغام (بالکل) نہیں پہنچایا اور اللہ تجھے لوگوں (کے حملوں) سے محفوظ رکھے گا۔ اللہ کافر لوگوں کو ہرگز (کامیابی کی) راہ نہیں دکھائے گا۔

بَاب٨: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ (المائدۃ: ٩٠)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اللہ تمہاری قسموں میں جو لغو ہے اس پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرتا

٤٦١٣: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ سُعَيْرٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ (المائدۃ: ٩٠) فِي قَوْلِ الرَّجُلِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلَى وَاللّٰهِ.

طرفه: ٦٦٦٣۔

۴۶۱۳: علی بن سلمہ نے ہمیں بتایا کہ مالک بن سُعَیر نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام (بن عروہ) نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ آیت لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ یعنی ''اللہ تمہاری قسموں میں جو لغو ہے اس پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرتا'' آدمی کے تکیہ کلام سے متعلق نازل کی گئی ہے (جو یہ کہتا ہے:) اللہ کی قسم نہیں۔ اللہ کی قسم ہر گز نہیں۔

٤٦١٤: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ أَبَاهَا كَانَ لَا يَحْنَثُ فِي يَمِينٍ حَتَّى أَنْزَلَ اللّٰهُ كَفَّارَةَ الْيَمِينِ قَالَ أَبُو بَكْرٍ لَا أَرَى يَمِينًا أُرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا قَبِلْتُ رُخْصَةَ اللّٰهِ وَفَعَلْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ.

طرفه: ٦٦٢١۔

۴۶۱۴: احمد بن ابی رجاء نے ہم سے بیان کیا کہ نضر (بن شُمیل) نے ہمیں بتایا، ہشام (بن عروہ) سے روایت ہے کہ اُنہوں نے کہا: میرے باپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ اُن کے والد (حضرت ابو بکرؓ) اپنی کوئی قسم نہیں توڑتے تھے، آخر جب اللہ نے قسم کے کفارے کی بابت حکم نازل کیا تو حضرت ابو بکرؓ فرمانے لگے: میں جب بھی کوئی ایسی قسم دیکھوں کہ اس کے سوا (دوسری قسم) میری سمجھ میں اس سے بہتر ہو تو ضرور اللہ کی اجازت کو قبول کرتا ہوں اور وہی بات کرتا ہوں جو بہتر ہوتی ہے۔

تشریح: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ ...: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اَللَّغْو کا مفہوم واضح فرمادیا ہے کہ بلا ضرورت اور بے محل بات لغو ہے۔

لَا أَرَی یَمِینًا أُرَی غَیْرَهَا خَیْرًا مِنْهَا: لَا أَرَی کے معنی ہیں لَا أَعْتَقِدُ جبکہ أُرَی کے معنی ہیں أَظُنُّ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۴۹) الفاظ کا یہی فرق ملحوظ رکھ کر ترجمہ کیا گیا ہے۔ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَ لٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ۚ فَکَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِکَ کَفَّارَةُ اَیْمَانِکُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَ احْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ○ (المائدۃ: ۹۰) ترجمہ: تمہاری قسموں میں سے لغو (قسموں) پر اللہ تمہیں سزا نہیں دے گا۔ بلکہ تمہارے پکی قسمیں کھانے (اور پھر توڑ دینے) پر تمہیں سزا دے گا۔ پس اس (کے توڑنے) کا کفارہ دس مسکینوں کو متوسط (درجہ کا) کھانا کھلانا ہے۔ (ایسا کھانا) جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔ یا ان کا لباس یا ایک (غلام کی) گردن کا آزاد کرنا۔ پھر جسے (یہ بھی) میسر نہ ہو تو (اس پر) تین دن کے روزے (واجب) ہیں۔ جب تم قسمیں کھاؤ (اور پھر انہیں توڑ دو) تو یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے اور تم اپنی قسموں کی حفاظت (کیا) کرو۔ اللہ اپنی آیتوں کو تمہارے لئے اسی طرح بیان کرتا ہے تا کہ تم شکر گزار بنو۔

بَاب ۹: لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ (المائدۃ: ۸۸)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اُن پاکیزہ چیزوں کو حرام مت قرار دو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں

۴۶۱۵: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نَغْزُو مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا أَلَا نَخْتَصِي فَنَهَانَا عَنْ ذَلِكَ فَرَخَّصَ لَنَا بَعْدَ ذَلِكَ أَنْ نَتَزَوَّجَ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ ثُمَّ قَرَأَ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ (المائدۃ: ۸۸)۔

اطرافہ: ۵۰۷۱، ۵۰۷۵۔

۴۶۱۵: عمرو بن عون نے ہم سے بیان کیا کہ خالد (بن عبد اللہ الطحان) نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے اسماعیل (بن ابی خالد) سے، اسماعیل نے قیس (بن ابی حازم) سے، قیس نے حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کی، اُنہوں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ میں نکلا کرتے تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہ ہوتیں۔ ہم نے کہا: کیا ہم اپنے تئیں خصّی نہ کرڈالیں، تو آپؐ نے ہمیں اس سے روکا۔ پھر اس کے بعد آپؐ نے ہم کو اجازت دی کہ ہم کپڑا دے کر کسی عورت سے شادی کر لیں اور یہ آیت پڑھی: اے ایماندارو! جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے اُس میں سے پاکیزہ (چیزوں) کو حرام نہ ٹھہراؤ۔

تشریح: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ . . . : شانِ نزول سے مراد کسی آیت کا کسی واقعہ پر چسپاں کرنا یا اطلاق کرنا ہے اور یہ آیت متعدد واقعات پر چسپاں کی گئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے کہا: گوشت کھانے پر مجھے شہوت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے میں نے اپنے آپ پر گوشت حرام کر دیا ہے تو آپؐ نے یہ آیت پڑھی اور اسے منع فرمایا [1] اور ابن ابی حاتم نے انہی سے روایت کی ہے کہ مذکورہ بالا آیت کا شانِ نزول ایسے لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے عرض کیا: نَتْرُكُ شَهَوَاتِ الدُّنْيَا وَ نَسِيحُ فِي الْاَرْضِ۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم دنیوی خواہشات ترک کر دیں اور تبلیغ کے لئے زمین میں چکر لگائیں [2] (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۴۹، ۳۵۰) پوری آیت یہ ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ (المائدۃ: ۸۸) ترجمہ: اے ایماندارو! جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے حلال قرار دیا ہے اس میں سے پاکیزہ (چیزوں) کو حرام نہ ٹھہراؤ اور (مقررہ) حدود سے آگے نہ نکلو۔ اللہ (مقررہ) حدود سے آگے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس سے اسلام کے فلسفہ حیات پر نہایت لطیف روشنی ڈالی گئی ہے کہ اسلام انسانی وجود میں ودیعت کی گئی تمام طاقتوں اور استعدادوں کے برمحل استعمال کی تعلیم دیتا ہے نیز انعامات کی ناقدری سے روکتا ہے۔

بَاب ۱۰

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ (المائدۃ: ۹۱)

شراب اور جوا اور استھان اور پانسے کے تیر گندی باتیں ہیں جو شیطان کے کام ہیں

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: الْاَزْلَامُ (المائدۃ: ۹۱) الْقِدَاحُ يَقْتَسِمُونَ بِهَا فِي الْأُمُورِ، وَالنُّصُبُ أَنْصَابٌ يَذْبَحُونَ عَلَيْهَا. وَقَالَ غَيْرُهُ: الزَّلَمُ الْقِدْحُ لَا رِيشَ لَهُ وَهُوَ وَاحِدُ الْأَزْلَامِ وَالِاسْتِقْسَامُ أَنْ يُجِيلَ الْقِدَاحَ فَإِنْ نَهَتْهُ انْتَهَى وَإِنْ أَمَرَتْهُ فَعَلَ مَا

اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: اَزْلَام وہ تیر ہیں جن کے ذریعہ وہ معاملات میں قسمت کا حال دریافت کرتے تھے۔ اور نُصُب سے مراد بتوں کے استھان ہیں جن پر وہ قربانیاں کرتے تھے۔ اور ان کے سوا دوسرے لوگوں نے کہا: الزَّلَمُ کے معنی ہیں ایسا تیر جس پر کوئی پر نہ ہو، اور یہ اَزْلَام کا مفرد ہے اور اَلِاسْتِقْسَام کے معنی ہیں تیروں کا پھرانا۔ اگر وہ (تیر) اس کو روکتے تو

[1] (ترمذی ابواب تفسیر القرآن، باب و من سورۃ المائدۃ)

[2] (تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم، سورۃ المائدۃ آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ)

تَأْمُرُهُ {[1] يُجِيلُ يُدِيرُ} وَقَدْ أَعْلَمُوا الْقِدَاحَ أَعْلَامًا بِضُرُوبٍ يَسْتَقْسِمُونَ بِهَا وَفَعَلْتُ مِنْهُ قَسَمْتُ وَالْقُسُومُ الْمَصْدَرُ.

وہ رُک جاتا، اگر اس کو کام کرنے کے لئے کہتے تو وہ کام کرتا جس کے کرنے کی وہ اجازت دیتے۔ يُجِيْلُ کے معنی ہیں وہ اسے گھماتا ہے۔ اور اُنہوں نے تیروں پر کئی قسم کے نشان لگائے ہوئے تھے، جن کے ذریعہ سے قسمت کا حال دریافت کرتے تھے اور یہ لفظ فَعَلْتُ مِنْهُ کے وزن پر قَسَمْتُ (استعمال ہوتا) ہے یعنی میں نے (تیروں سے) قسمت معلوم کی اور (اس کا) مصدر قسوم ہے۔

٤٦١٦: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ وَإِنَّ فِي الْمَدِينَةِ يَوْمَئِذٍ لَخَمْسَةَ أَشْرِبَةٍ مَا فِيهَا شَرَابُ الْعِنَبِ.

طرفه: ٥٥٧٩۔

۴۶۱۶: اسحاق بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا کہ محمد بن بِشر نے ہمیں خبر دی کہ عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز نے ہم سے بیان کیا، اُنہوں نے کہا: نافع نے مجھے بتایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ اُنہوں نے کہا: جب شراب کی حرمت کے بارے میں حکم نازل ہوا تو مدینہ میں اس وقت پانچ قسم کی شرابیں تھیں، ان میں انگور کی شراب نہ تھی۔

٤٦١٧: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَا كَانَ لَنَا خَمْرٌ غَيْرُ فَضِيخِكُمْ هَذَا الَّذِي تُسَمُّونَهُ

۴۶۱۷: یعقوب بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا کہ ابن عُلَیَّہ (اسماعیل بن ابراہیم) نے ہمیں بتایا کہ عبدالعزیز بن صہیب نے ہم سے بیان کیا، اُنہوں نے کہا: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ہمارے پاس کوئی شراب نہ ہوتی تھی

[1] یہ الفاظ فتح الباری مطبوعہ بولاق کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ حاشیہ صفحہ ۳۵۰)

الْفَضِيخَ فَإِنِّي لَقَائِمٌ أَسْقِي أَبَا طَلْحَةَ وَفُلَانًا وَفُلَانًا إِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ وَهَلْ بَلَغَكُمُ الْخَبَرُ فَقَالُوا وَمَا ذَاكَ قَالَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ قَالُوا أَهْرِقْ هَذِهِ الْقِلَالَ يَا أَنَسُ قَالَ فَمَا سَأَلُوا عَنْهَا وَلَا رَاجَعُوهَا بَعْدَ خَبَرِ الرَّجُلِ.

سوائے اس تمہاری فضیخ (کھجور کی شراب) کے، یہی شراب جس کو تم فضیخ کہتے ہو، میں ایک دفعہ کھڑا ابوطلحہؓ اور فلاں فلاں کو شراب پلا رہا تھا، اتنے میں ایک شخص آیا اور اُس نے کہا: کیا تمہیں خبر پہنچی ہے؟ وہ کہنے لگے، کیا خبر؟ اس نے کہا: شراب حرام کی گئی ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے: انسؓ! یہ مٹکے اُنڈیل دو۔ کہتے تھے: پھر اُنہوں نے اُس شخص کے خبر دینے کے بعد نہ اُس شراب سے متعلق پوچھا اور نہ اُس کو دوبارہ پیا۔

اطرافهُ: ٢٤٦٤، ٤٦٢٠، ٥٥٨٠، ٥٥٨٢، ٥٥٨٣، ٥٥٨٤، ٥٦٠٠، ٥٦٢٢، ٧٢٥٣۔

٤٦١٨: حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ قَالَ صَبَّحَ أُنَاسٌ غَدَاةَ أُحُدٍ الْخَمْرَ فَقُتِلُوا مِنْ يَوْمِهِمْ جَمِيعًا شُهَدَاءَ وَذَلِكَ قَبْلَ تَحْرِيمِهَا.

۴۶۱۸: صدقہ بن فضل نے ہم سے بیان کیا کہ (سفیان) بن عیینہ نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے عمرو (بن دینار) سے، عمرو نے حضرت جابرؓ سے روایت کی، اُنہوں نے کہا: جنگ اُحد کے دن کچھ لوگوں نے صبح شراب پی اور اس دن وہ سب کے سب شہید ہو کر مارے گئے اور یہ واقعہ شراب کی حرمت سے پہلے کا ہے۔

اطرافه: ٢٨١٥، ٤٠٤٤۔

٤٦١٩: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا عِيسَى وَابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ أَبِي حَيَّانَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى مِنْبَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ وَهْيَ خَمْسَةٌ مِنَ

۴۶۱۹: اسحاق بن ابراہیم حنظلی نے ہم سے بیان کیا کہ عیسیٰ اور (عبداللہ) بن ادریس نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے ابوحیان سے، ابوحیان نے (عامر) شعبی سے، شعبی نے (حضرت عبداللہ) بن عمرؓ سے روایت کی کہ اُنہوں نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس وقت سنا، جبکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر تھے۔ آپؓ فرما

الْعِنَبِ وَالتَّمْرِ وَالْعَسَلِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ.

رہے تھے: اَمَّا بعد، اے لوگو! دیکھو شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا اور وہ پانچ چیزوں کی ہوتی ہے۔ انگور کی، کھجور کی، شہد کی، گندم کی اور جَو کی اور شراب وہ ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔

أطرافهُ: ۵۵۸۱، ۵۵۸۸، ۵۵۸۹، ۷۳۳۷۔

تشریح: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ . . . : سورۂ مائدہ کے موضوع سے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ اس میں دونوں قسم کے مائدہ کی نسبت احکام مذکور ہیں۔ محولہ بالا آیت میں شراب، جوا، مشرکوں کی قربان گاہیں اور پانسے کے تیروں سے جو فالیں وغیرہ نکالی جاتی ہیں، یہ سب اشیاء مفاسد ومخرب الاخلاق اور حرام قرار دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○ (المائدۃ:۹۱،۹۲) ترجمہ: اے ایماندارو! شراب اور جوا اور بُت اور قرعہ اندازی کے تیر محض ناپاک (اور) شیطانی کام ہیں۔ اس لیے تم اُن (میں) سے (ہر اِک سے) بچو۔ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعہ سے عداوت اور کینہ ڈال دے اور اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے۔ اب کیا تم (ان باتوں سے) رُک سکتے ہو۔

عنوانِ باب میں الفاظ الْاَزْلَامُ وغیرہ کی جو شرح حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے کی گئی ہے، ابن ابی حاتم سے منقول ہے۔ زمانہ جاہلیت میں کام شروع کرنے سے پہلے تیروں سے فال لیتے تھے۔ ایک پر اِفْعَلْ (کر) اور دوسرے پر لَا تَفْعَلْ (نہ کر) لکھا ہوتا اور تیسرا تیر خالی ہوتا۔ بعض وقت سفید کنکریاں بھی اس غرض کے لئے مستعمل ہوتیں اور اُن پر بھی لفظ الْاَزْلَامُ (جمع زَلَمٌ) اطلاق پاتا تھا۔ کنکری پر کرنے یا نہ کرنے کی نشاندہی ہوتی۔ خالی تیر یا کنکری نکلے تو دوبارہ فال لیتے تھے۔ یہ ازلام تین قسم کے تھے۔ ایک قسم تین تیروں یا کنکریوں والی، جس سے ہر شخص بطور خود فال نکال سکتا تھا۔ دوسری قسم فیصلہ جات کے لئے جو کاہن یا حاکم کے پاس ہوتے اور تعداد میں سات تیر تھے۔ ان میں سے ایک پر لفظ مِنْكُمْ (تم سے) اور دوسرے پر مُلْصَقٌ (ملا ہوا) اور اسی طرح دیت وغیرہ سے متعلق احکام کی نشاندہی ہوتی اور تیسری قسم جوئے بازی کے تیر، جو دس عدد تھے۔ سات پر لکیروں کے نشان ہوتے اور تین تیر خالی اور اس طریق قمار بازی میں شطرنج تاش وغیرہ کی چالیں اور پتے بازی چلی جاتی تھیں۔
(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۵۱)

اَلْاَنْصَابُ سے مراد قربان گاہیں، استھان اور بتوں کی جگہیں ہیں، جہاں ناپاک کاموں کا ارتکاب ہوتا تھا۔ بنی اسرائیل میں بھی ایسے ناپاک کاموں کا ذکر ملتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ۲ سلاطین باب ۱۷: ۱۶ اَور باب ۲۱: ۱تا۷۔ ان ابواب میں ذکر ہے کہ ان جگہوں میں الٰہی احکام کی خلاف ورزی، نفرتی کاموں کا ارتکاب، آسمانی فوج کی پرستش، بعل کی پوجا، فال گیری، افسون گری، شگون لینا، جنات کے یاروں، جادوگروں کی پیروی اور کھودی ہوئی مورتوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ اس قسم کے ناپاک کام رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ سے تعبیر کئے گئے ہیں۔ ہمارے زمانے میں قرعہ اندازی اور قمار بازی کے بیسیوں طریقے ایجاد ہو چکے ہیں۔ اسلام میں قسمت آزمائی کے ایسے تمام کھیل ممنوع ہیں کہ ان سے علاوہ نقصان مال اور ضیاع وقت کے اخلاق بھی متاثر ہوتے ہیں۔ شراب نوشی اور خنزیر خوری وغیرہ کے نتائج کا اندازہ مقصود ہو تو یورپ و امریکہ کے اعداد و شمار اور کوائف پر ایک نظر ڈالنا کافی ہے۔ صرف فرانس میں (Alcoholism) مے نوشی سے سالانہ بائیس ہزار اموات، سڑکوں کے حادثات ۴۰ فیصد، جرائم کی وارداتیں ۵۰ فیصد، تیمارستانوں میں زیر علاج مجنون افراد کی آدھی تعداد وہ ہے جو شراب خوری کی وجہ سے ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں۔ اس کے علاوہ فحاشی، ہم جنسیت اور عصمت فروشی کی کثرت کے اہم اسباب میں سے منشیات کا استعمال ہے اور جریدہ نوائے وقت نے اپنی دیروزہ اشاعت مؤرخہ ۲۵ جولائی ۱۹۶۱ء میں جو تازہ کوائف وفاقی ادارہ کے ڈائریکٹر ایڈ گرھوواکی سالانہ رپورٹ سے نقل کیے ہیں وہ نہایت بھیانک ہیں۔ اس شائع شدہ رپورٹ کی رو سے صرف امریکہ میں ہر ۳۴ منٹ کے بعد جبری عصمت دری اور ہر ۵۸ منٹ کے بعد قتل اور ہر ۳۹ سیکنڈ کے بعد ڈاکہ اور ہر دو منٹ کے بعد کار چرانے کی وارداتیں ہوئیں۔ اس سے جرائم کی رفتار اور کثرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اُن تمام عیسائی ممالک میں کم و بیش یہی حال ہے جن میں اسلامی محرمات سے پرہیز نہیں کیا جاتا۔ تورات و انجیل میں بھی دراصل یہ امور حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ مگر موجودہ عیسائیت کے دجل نے شریعت اور اصول حلال و حرام کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور نہ صرف اپنے لیے جہنم بھڑکائی ہے بلکہ سب بنی نوع انسان اس کی لپیٹ میں ہیں۔ یہاں تک کہ وہ مسلمان بھی جن کا ذکر اسی کتاب التفسیر، سورۃ المائدۃ کے آخری باب (۱۵) روایت ۴۶۲۶ میں ہے۔ چاہیئے کہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور وہ قابل رشک پاک نمونہ اطاعت شعاری اپنے سامنے رکھیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دکھایا، جس کا ذکر روایت نمبر ۴۶۱۷ میں ہے۔ یہ سنتے ہی کہ شراب حرام کی گئی ہے شراب کے مٹکے گلی کوچوں میں انڈیلے گئے اور تحقیق کی بات نہیں کی گئی۔ کتنا بڑا اعجاز ہے آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی تاثیر قدسی کا۔ عرب ذہنیت کی کایا ہی پلٹ دی گئی۔ آج کل کے لوگوں کو باور ہو یا نہ ہو۔ مگر واقعہ میں ایسا ہی ہوا۔ حرمت کے اعلان کے دن مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔ (روایت نمبر ۴۶۲۰)

بَاب ١١

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا إِلَى قَوْلِهِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (المائدۃ: ٩٤)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جو لوگ ایمان لائے ہیں اور (نیز) اُنہوں نے نیک کام کئے ہیں جب وہ تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں پھر تقویٰ (میں اور ترقی) کریں اور ایمان لائیں۔ پھر تقویٰ (میں مزید ترقی) کریں اور احسان کریں تو جو کچھ (بھی) وہ کھائیں۔ اس پر انہیں کوئی گناہ نہیں (ہوگا) اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

٤٦٢٠: حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ الْخَمْرَ الَّتِي أُهْرِيقَتِ الْفَضِيخُ. وَزَادَنِي مُحَمَّدٌ الْبِيكَنْدِيُّ عَنْ أَبِي النُّعْمَانِ قَالَ كُنْتُ سَاقِيَ الْقَوْمِ فِي مَنْزِلِ أَبِي طَلْحَةَ فَنَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ فَأَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ اخْرُجْ فَانْظُرْ مَا هَذَا الصَّوْتُ قَالَ فَخَرَجْتُ فَقُلْتُ هَذَا مُنَادٍ يُنَادِي أَلَا إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ فَقَالَ لِي اذْهَبْ فَأَهْرِقْهَا قَالَ فَجَرَتْ فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ قَالَ وَكَانَتْ خَمْرُهُمْ يَوْمَئِذٍ الْفَضِيخَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ قُتِلَ قَوْمٌ وَهْيَ فِي بُطُونِهِمْ قَالَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ

۴۶۲۰: ابو نعمان (محمد بن فضل) نے ہمیں بتایا کہ حماد بن زید نے ہم سے بیان کیا کہ ثابت نے ہمیں بتایا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ شراب جو انڈیلی گئی تھی، فضیخ تھی۔ اور محمد (بن سلام) بیکندی نے ابو نعمان سے روایت کرتے ہوئے مجھے یہ زائد بات بتائی، (حضرت انسؓ نے) کہا: میں ابو طلحہؓ کے گھر میں لوگوں کا ساقی تھا۔ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو آپؐ نے ایک منادی سے فرمایا جس نے منادی کی۔ ابو طلحہؓ نے سن کر کہا، باہر جاؤ اور دیکھو کہ یہ کیا آواز ہے؟ انسؓ کہتے تھے: میں نکلا اور میں نے کہا: یہ منادی ہے، جو پکار رہا ہے۔ سنو شراب حرام کی گئی ہے۔ ابو طلحہؓ نے مجھ سے کہا: جاؤ اور اس شراب کو اُنڈیل دو، کہتے تھے: شراب مدینہ کی گلیوں میں بہنے لگی۔ کہتے تھے: اُن کی شراب اُن دنوں فضیخ تھی۔ بعض لوگوں نے کہا: کچھ لوگ

فِيْمَا طَعِمُوْٓا (المائدة: ٩٤).

شہید ہوئے جبکہ یہ (شراب) اُن کے پیٹوں میں تھی، کہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: جو لوگ ایمان لائے ہیں اور (نیز) اُنہوں نے نیک کام کیے ہیں تو جو کچھ (بھی) وہ کھائیں اُس پر اُنہیں کوئی گناہ نہیں (ہوگا۔)

أطرافه: ٢٤٦٤، ٤٦١٧، ٥٥٨٠، ٥٥٨٢، ٥٥٨٣، ٥٥٨٤، ٥٦٠٠، ٥٦٢٢، ٧٢٥٣۔

تشریح: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا . . . : اسلامی تعلیم کی رو سے گناہ عارضی حالت ہے جو اصلاح پذیر ہے اور نیکی فطرت بشریہ کا طبعی تقاضا ہے۔ جسے عمدہ تربیت کے ذریعہ ترقی دی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ آیت زیر باب میں صراحت ہے۔ پوری آیت یہ ہے: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ۭ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (المائدۃ: ۹۴) ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہیں اور (نیز) اُنہوں نے نیک کام کئے ہیں جب وہ تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں پھر تقویٰ (میں اور ترقی) کریں اور ایمان لائیں۔ پھر تقویٰ (میں مزید ترقی) کریں اور احسان کریں۔ تو جو کچھ (بھی) وہ کھائیں۔ اس پر اُنہیں کوئی گناہ نہیں (ہوگا) اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ روحانی ارتقاء کا آخری معراج احسان ہے۔ جس میں انسانی جوہر فطرت اپنے کمال کو پہنچ کر حُسنِ یزدانی کی آب و تاب دکھاتا ہے۔ اس سے پہلے جتنے مراحل ہیں وہ تقویٰ کے تحت ہیں۔ پہلے مرحلے کا تعلق نفس امارہ کی حیوانی شہوات و میلانات سوء سے ہے۔ دوسرے مرحلے کا تعلق نفس لوامہ کی جدوجہد سے ہے۔ تیسرے مرحلے کا تعلق نفس مطمئنہ سے ہے، جس کا آخری نتیجہ روح القدس کے ذریعہ نشوونما پانے اور احسان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۶ تا ۳۲۲۔ مذکورہ بالا آیت سے واضح ہوتا ہے کہ مؤاخذہ سے بچنے کی کڑی شرطیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو عفو، غفور اور رحیم ہے، انسان کی ترقی کا دروازہ کھولا ہے۔ اور اسی صفات عفو، غفوریت و رحیمیت پر اسلامی تعلیم مبنی ہے۔

بَاب ١٢ : لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (المائدة: ١٠٢)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تم ایسی باتوں کی بابت نہ پوچھو
جو اگر تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں، تمہیں تکلیف دیں

٤٦٢١ : حَدَّثَنَا مُنْذِرُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْجَارُودِيُّ حَدَّثَنَا

۴۶۲۱: منذر بن ولید بن عبد الرحمٰن جارودی نے ہمیں بتایا کہ میرے باپ نے ہم سے بیان کیا کہ

أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُوسَى بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ خَطَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَةً مَا سَمِعْتُ مِثْلَهَا قَطُّ قَالَ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا قَالَ فَغَطَّى أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُجُوهَهُمْ لَهُمْ حَنِينٌ فَقَالَ رَجُلٌ مَنْ أَبِي قَالَ أَبُوكَ فُلَانٌ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (المائدة: ۱۰۲). رَوَاهُ النَّضْرُ وَرَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ عَنْ شُعْبَةَ.

شعبہ (بن حجاج) نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے موسیٰ بن انس سے، موسیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی، اُنہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا خطاب فرمایا کہ میں نے ویسا خطاب کبھی نہیں سنا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم جانتے جو میں جانتا ہوں، تم ہنستے تھوڑا اور روتے بہت۔ اُنہوں نے کہا: یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا۔ اُن کے رونے کی آواز سنائی دی۔ ایک شخص نے کہا: میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تمہارا باپ فلاں ہے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی: اے مومنو! (اُن) باتوں کے متعلق سوال نہ (کیا) کرو (جو) اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہارے لیے تکلیف کا موجب بن جائیں۔ نضر (بن شمیل) اور روح بن عبادہ نے بھی شعبہ سے یہ روایت نقل کی۔

أطرافهُ: ۹۳، ۵٤۰، ۷٤۹، ٦۳٦۲، ٦٤٦۸، ٦٤۸٦، ۷۰۸۹، ۷۰۹۰، ۷۰۹۱، ۷۲۹٤، ۷۲۹۵۔

٤٦٢٢: حَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ حَدَّثَنَا أَبُو الْجُوَيْرِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ قَوْمٌ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتِهْزَاءً فَيَقُولُ الرَّجُلُ مَنْ أَبِي وَيَقُولُ الرَّجُلُ تَضِلُّ نَاقَتُهُ أَيْنَ نَاقَتِي فَأَنْزَلَ اللهُ فِيهِمْ هَذِهِ الْآيَةَ

۴۶۲۲: فضل بن سہل (بغدادی) نے مجھ سے بیان کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ ابو نضر نے ہمیں بتایا کہ ابو خیثمہ نے ہم سے بیان کیا کہ ابو الجویریہ نے ہمیں بتایا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اُنہوں نے کہا: کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض باتیں استہزاء کے طور پر پوچھا کرتے تھے۔ کوئی شخص کہتا: میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی شخص جس کی

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ (المائدۃ: ۱۰۲) حَتَّى فَرَغَ مِنَ الْآيَةِ كُلِّهَا.

اونٹنی گم ہوئی ہوتی، کہتا: میری اونٹنی کہاں ہے؟ تب اللہ نے اُن کے متعلق یہ آیت نازل کی: اے مومنو! (ان) باتوں کے متعلق سوال نہ (کیا) کرو (جو) اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہارے لیے تکلیف کا موجب بن جائیں۔ یہاں تک کہ آپؐ نے پوری آیت تلاوت کی۔

تشریح: لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ...: اس آیت میں یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ بلاضرورت سوال در سوال کر کے اپنے لئے عملی مشکلات پیدا نہ کی جائیں۔ ورنہ تمہارا پہلی قوموں کا سا حال ہوگا کہ مسائل کا انبار جمع کر دیا گیا اور عمل نہ کر سکیں۔ مذکورہ بالا آیت کا یہی سیاق کلام ہے۔ آیت وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ (المائدۃ:۱۰۲) یعنی اور اگر تم ان کے متعلق اس عرصہ میں سوال کرو گے جبکہ قرآن اُتارا جا رہا ہے تو تم پر (وہ) ظاہر کر دی جائیں گی۔ حکم کا یہ مفہوم ہے کہ بوقت ضرورت آیات کی تطبیق خود بخود واضح ہوتی رہے گی۔ تنزیل بھی عین تطبیق ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ جب وحی ہو رہی ہو تو اس وقت پوچھ لیا کرو۔ اس کا یہ مفہوم لینا خلافِ عقل ہے۔ روایات زیر باب سے جس قسم کے لغو سوالات کی ممانعت کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے ان کے علاوہ امام ترمذیؒ اور امام احمد بن حنبل نے بھی بعض روایات نقل کی ہیں کہ جب آیت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ (آل عمران:۹۸) نازل ہوئی یعنی اور اللہ نے لوگوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اس گھر کا حج کریں تو صحابہ نے پوچھا کہ ہر سال حج کیا جائے؟ آپؐ خاموش رہے، پھر پوچھا گیا، آپؐ نے فرمایا: نہیں، اگر میں ہاں کہوں تو تم پر واجب ہو جائے گا۔[1] سعید بن منصور[2] اور علامہ طبریؒ[3] نے بھی اسی قسم کی ممانعت کے تعلق میں بعض سوالات نقل کئے ہیں۔ جن میں بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کی حلت و حرمت کا سوال بھی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۵۶، ۳۵۷) مذکورہ بالا آیت کے معاً بعد ان اشیاء کی حرمت کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔ سوالات کی نوعیت سے متعلق دیکھئے کتاب العلم، باب ۲۸۔ محولہ آیات یہ ہیں: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝ (المائدۃ:۱۰۲، ۱۰۳) اے وے جو مومن ہو!

[1] (سنن الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ المائدۃ)
(مسند احمد بن حنبل، مسند المکثرین، مسند ابی ہریرۃؓ، جزء۲ صفحہ ۵۰۸)
[2] (التفسیر من سنن سعید بن منصور، سورۃ المائدۃ آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ)
[3] (جامع البیان للطبری، سورۃ المائدۃ، آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ، جزء۹ صفحہ ۲۲)

ایسی باتوں کی نسبت نہ پوچھا کرو جو اگر تمہارے لئے ظاہر کردی جائیں تو تم پر ناگوار ہوں اور اگر بوقت تنزیل قرآن ان کی نسبت پوچھو گے تو وہ تمہارے لئے ظاہر کردی جائیں گی۔ اللہ نے خود وہ باتیں نظر انداز کی ہیں اور اللہ غفور و حلیم ہے۔ تم سے پہلے ایک قوم ایسی باتوں کی نسبت سوال کر چکی ہے۔ پھر اُنہوں نے اس پر عمل کرنے سے انکار کردیا۔ اس جملہ سے توجہ دلائی گئی ہے کہ سوالات سے اپنے لئے مشکلات نہ پیدا کی جائیں۔ روایت نمبر ۴۶۲۲ میں لفظ اِسْتِهْزَاء جو وارد ہوا ہے یہ صورت ابتدا میں تھی لیکن تربیت بہتر ہونے پر صحابہ کرام جس مقام ادب پر کھڑے ہوئے وہ بے نظیر ہے۔

بَاب ۱۳

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ (المائدۃ: ۱۰۴)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اللہ نے نہ (کسی جانور کو) بحیرہ بنایا نہ سائبہ نہ وصیلہ اور نہ حام

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ (المائدۃ:۱۱۷) يَقُولُ قَالَ اللهُ وَ إِذْ هَا هُنَا صِلَةٌ. الْمَائِدَةُ أَصْلُهَا مَفْعُولَةٌ كَ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ (القارعة:۸) وَتَطْلِيقَةٍ بَائِنَةٍ، وَالْمَعْنَى مِيدَ بِهَا صَاحِبُهَا مِنْ خَيْرٍ، مَادَنِي يَمِيدُنِي.

(اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:) وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ ... تو اس میں قَالَ (جو ماضی کا لفظ ہے اس) کے معنی يَقُوْلُ ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کہے گا اور اِذْ یہاں صلہ ہے۔ اَلْمَائِدَةُ اصل میں مَفْعُوْلَةٌ کے وزن پر ہے (یعنی مَمِيْدَةٌ) جیسے عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ میں (رَاضِيَة-مَرْضِيَّة کے معنی میں ہے یعنی پسندیدہ۔) اور تَطْلِيقَةٍ بَائِنَةٍ (سے مراد ایسی طلاق ہے جس میں بغیر نکاح رجوع نہیں۔) اور (مائدہ کے) معنی ہیں کہ اس میں ہر قسم کی بھلائی رکھی گئی ہے۔ (کہتے ہیں:) مَادَنِي يَمِيدُنِي- یعنی اس نے مجھ پر احسان کیا اور مجھے کھانے کا سامان دیا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مُتَوَفِّيْكَ (آل عمران: ۵۶) مُمِيتُكَ.

اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: مُتَوَفِّيْكَ کے معنی ہیں: میں تجھے مارنے والا ہوں۔

٤٦٢٣: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ الْبَحِيرَةُ الَّتِي يُمْنَعُ دَرُّهَا لِلطَّوَاغِيتِ فَلَا يَحْلُبُهَا أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ وَالسَّائِبَةُ كَانُوا يُسَيِّبُونَهَا لِآلِهَتِهِمْ فَلَا يُحْمَلُ عَلَيْهَا شَيْءٌ قَالَ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ كَانَ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ، وَالْوَصِيلَةُ النَّاقَةُ الْبِكْرُ تُبَكِّرُ فِي أَوَّلِ نِتَاجِ الْإِبِلِ بِأُنْثَى ثُمَّ تُثَنِّي بَعْدُ بِأُنْثَى وَكَانُوا يُسَيِّبُونَهُمْ لِطَوَاغِيتِهِمْ إِنْ وَصَلَتْ إِحْدَاهُمَا بِالْأُخْرَى لَيْسَ بَيْنَهُمَا ذَكَرٌ، وَالْحَامُ فَحْلُ الْإِبِلِ يَضْرِبُ الضِّرَابَ الْمَعْدُودَ فَإِذَا قَضَى ضِرَابَهُ وَدَعُوهُ لِلطَّوَاغِيتِ وَأَعْفَوْهُ مِنَ الْحَمْلِ فَلَمْ يُحْمَلْ عَلَيْهِ شَيْءٌ وَسَمَّوْهُ الْحَامِيَ. وَ قَالَ لِي أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ سَمِعْتُ سَعِيدًا يُخْبِرُهُ بِهَذَا قَالَ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ

۴۶۲۳: موسیٰ بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا کہ ابراہیم بن سعد نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے صالح بن کیسان سے، صالح نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے سعید بن مسیب سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: بحیرہ وہ (دودھیل جانور) ہے جس کا دودھ معبودانِ باطلہ کے لئے روک لیا جائے اور لوگوں میں سے کوئی بھی اس کو نہ دوہے اور سائبہ وہ جانور ہے جس کو مشرک اپنے معبودوں کی خاطر چھوڑ دیا کرتے تھے۔ اس پر کچھ نہ لادا جاتا۔ سعید کہتے تھے: اور حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ آگ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا ہے۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے سائبہ جانور چھوڑے تھے اور وصیلہ وہ باکرہ اونٹنی ہے جو پہلا مادہ بچہ جنے پھر اس کے بعد دوبارہ مادہ جنے اور وہ ایسی اونٹنیاں بھی اپنے معبودانِ باطلہ کے لئے چھوڑ دیا کرتے تھے، جب وہ یکے بعد دیگرے دو مادہ بچے جنے جن کے درمیان کوئی نر نہ ہو اور حام وہ نر اونٹ ہے جو مادہ پر چند گنتی کی جستیں کرتا۔ جب وہ اپنی جستیں کر چکتا تو اس کو معبودانِ باطلہ کے لئے چھوڑ دیتے اور اس کو باربرداری سے مستثنیٰ کر دیتے۔ پھر اس پر کچھ نہ لادا جاتا اور اس کا نام حام رکھا جاتا۔ اور ابوالیمان نے مجھ سے کہا: شعیب نے زُہری سے روایت

النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ. وَرَوَاهُ ابْنُ الْهَادِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

طرفه: ۳۵۲۱۔

کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ میں نے سعید (بن مسیب) سے سنا، وہ ان سے یہی بات بیان کرتے تھے۔ سعید نے کہا: اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا۔ (یعنی عمرو بن عامر کا واقعہ) اور (یزید بن عبداللہ) بن الہاد نے بھی اِسے روایت کیا ہے۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے سعید سے، سعید نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے یہ نقل کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

٤٦٢٤: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْكَرْمَانِيُّ حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا وَرَأَيْتُ عَمْرًا يَجُرُّ قُصْبَهُ وَهْوَ أَوَّلُ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ.

۴۶۲۴: محمد بن ابی یعقوب ابوعبداللہ کرمانی نے مجھے بتایا کہ حسان بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا کہ یونس نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے زُہری سے، زہری نے عروہ سے روایت کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو بھسم کر رہا تھا اور میں نے عمرو (بن عامر) کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا اور وہ پہلا شخص ہے جس نے سائبہ بنانے کی رسم جاری کی۔

أطرافه: ۱۰٤٤، ۱۰٤٦، ۱۰٤٧، ۱۰٥۰، ۱۰٥٦، ۱۰٥٨، ۱۰٦٤، ۱۰٦٥، ۱۰٦٦، ۱۲۱۲، ۳۲۰۳، ٥۲۲۱، ٦٦۳۱۔

تشریح: مَا جَعَلَ اللهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ . . . : مَا جَعَلَ کے معنی ہیں مَا حَرَّمَ۔ یعنی اللہ نے مذکورہ بالا جانور حرام نہیں کیے ہیں۔ جَعَلَ بمعنی خَلَقَ نہیں۔ کیونکہ اللہ نے یہ جانور بھی پیدا کیے ہیں۔ مَا جَعَلَ سے مراد یہ ہے کہ اُن جانوروں سے متعلق مزعومہ

حرمت شرعی نہیں ہے بلکہ مشرکوں کی خود ساختہ ہے۔ بحیرہ وہ جانور (یعنی بکری یا اونٹنی) جس کے کان پھاڑ دیئے گئے ہوں۔ بحَرَ سے اَلْبَحِيْرَة اسم مفعول ہے بُحِرَتْ أُذُنُهَا کے معنی ہی ہیں اس کا کان چیرا گیا۔ زمانہ جاہلیت میں جو اونٹنی دس بچے جنتی، اُس کا کان چھید کر اسے کھلا چھوڑ دیتے۔ اس سے سواری وغیرہ کا کام لینا حرام سمجھا جاتا تھا۔[1] سائبة: دس مادہ بچے جننے کے بعد آزاد کردہ اونٹنی جسے گھاٹ اور چراگاہ سے روکنا ممنوع تھا۔[2] وصیلة وہ بکری جو نر و مادہ بچے اکٹھا جنے تو اس کا بچہ ذبح نہ کیا جاتا۔ مبادا ایک کے ذبح کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہو۔[3] امام ابن حجرؒ نے ابوعبیدہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ سائبة کی نذر بتوں کے لئے مانی جاتی کہ مثلاً بیماری سے شفا ہوگی یا کوئی اور غرض پوری ہونے پر فلاں بت کے نام کے لئے جانور آزاد کر دے گا۔ جانور کی تخصیص نہ تھی۔ حام جس سے دس بچے حاصل کر لئے جائیں تو اس کو بھی آزاد کر دیا جاتا تھا۔ یہ جانور بتوں کی نذر سمجھے جاتے تھے۔(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۵۹، ۳۶۰) ہندوؤں میں بھی سانڈ آزاد کرنے کی رسم اب تک ہے۔ یہ مشرکانہ رسمیں تھیں جو قدیم مشرک اقوام میں بھی پائی جاتی تھیں، جن کی اصلاح اسلام نے کی۔

امام ابن حجرؒ نے بحیرہ وغیرہ آزاد کردہ جانوروں سے متعلق ابوعبیدہؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اُن کا دودھ پینا گوشت کھانا اور اُن پر سواری کرنا عورتوں کے لئے حرام ہوتا اور مردوں کے لئے جائز (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۵۹) جیسا کہ اس کا ذکر سورۃ الأنعام آیت نمبر ۱۴۰ میں بھی ہے۔

اس باب کے تحت بحیرہ وسائبہ وغیرہ کے ضمن میں دو روایتیں منقول ہیں۔ پہلی روایت کو دو حوالے نقل کر کے مرفوع ثابت کیا گیا ہے۔ دوسری روایت میں عمرو بن عامر لحيّ سے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس نے ابتدا کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکور مکاشفہ سے متعلق حضرت عائشہؓ کی روایت کے لئے دیکھئے کتاب العمل فی الصلاۃ، باب ۱۱ روایت نمبر ۱۲۱۲۔

بَاب ١٤: وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ

اور میں ان کا نگران تھا جب تک کہ میں ان میں رہا

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ (المائدۃ:۱۱۸)

جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی اُن کا دیکھنے بھالنے والا تھا اور تو ہر ایک چیز پر خود ہی نگران ہے۔

٤٦٢٥: حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ النُّعْمَانِ

۴۶۲۵: ابوالولید نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا کہ مغیرہ بن نعمان نے ہمیں خبر دی،

[1] (المفردات فی غریب القرآن للراغب - بحر)
[2] (المفردات فی غریب القرآن للراغب - سیب)
[3] (المفردات فی غریب القرآن للراغب - وصل)

قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ خَطَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ إِلَى اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ثُمَّ قَالَ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○(الانبیاء:۱۰۵) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ ثُمَّ قَالَ أَلَا وَإِنَّ أَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ، أَلَا وَإِنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أُصَيْحَابِي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ(المائدۃ:۱۱۸) فَيُقَالُ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ.

اُنہوں نے کہا: میں نے سعید بن جبیر سے سنا، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے تھے۔ اُنہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے مخاطب ہوئے اور آپؐ نے فرمایا: اے لوگو! تم اللہ کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے ننگے پاؤں، ننگے بدن، بے ختنہ۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: جیسے ہم نے پہلی پیدائش کو شروع کیا اسی طرح ہم اس کو دوبارہ پیدا کریں گے۔ ہمارے ذمہ یہ ایک وعدہ ہے۔ ہم ضرور ایسا کرنے والے ہیں۔ یہ آیت پڑھ کر آپؐ نے فرمایا: سنو! تمام مخلوقات میں سے قیامت کے دن جس کو پہلے پہل لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیمؑ ہیں۔ سنو! اور میری امت میں سے کچھ آدمی لائے جائیں گے، پھر انہیں بائیں جانب لے جائیں گے۔ اس وقت میں کہوں گا: اے میرے ربّ! یہ تو میرے ساتھی ہیں، (یہ تو میرے ساتھی ہیں۔) جواب دیا جائے گا: تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کیا نئی باتیں کیں، تو میں اسی طرح کہوں گا جس طرح اس نیک بندے نے کہا تھا: اور میں ان کا نگران تھا جب تک کہ میں ان میں رہا جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی ان کا دیکھنے بھالنے والا تھا۔ اِس پر جواب دیا جائے گا: یہ لوگ تو جب سے تُو ان سے جدا ہوا، اپنی ایڑیوں کے بل پھرے رہے۔

أطرافهُ: ۳۳۴۹، ۳۴۴۷، ۴۶۲۶، ۴۷۴۰، ۶۵۲۴، ۶۵۲۵، ۶۵۲۶۔

بَاب ١٥

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝

اگر تو اُن کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہی ہیں اور اگر تو اُن کے گناہوں پر پردہ پوشی فرماتے ہوئے اُن سے درگزر کرے تو تُو یقیناً ہر خوبی میں برتر اور بات کی تہ تک کا علم رکھنے والا ہے (المائدۃ:۱۱۹)

٤٦٢٦: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ وَإِنَّ نَاسًا يُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: وَكُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ إِلَى قَوْلِهِ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝(المائدۃ:۱۱۸-۱۱۹)

۴۶۲۶: محمد بن کثیر نے ہم سے بیان کیا، سفیان نے ہمیں بتایا کہ مغیرہ بن نعمان نے ہم سے بیان کیا کہا: سعید بن جبیر نے مجھے بتایا: اُنہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے، حضرت ابن عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، آپؐ نے فرمایا: تم اکٹھے کئے جاؤ گے اور بعض لوگوں کو پکڑ کر بائیں جانب لے جائیں گے اور میں اسی طرح کہوں گا جس طرح اُس نیک بندے نے کہا تھا: اور جب تک میں ان میں (موجود) رہا، میں ان کا نگران رہا، مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی اُن پر نگران تھا (میں نہ تھا) اور تو ہر چیز پر نگران ہے۔ اگر تو اُنہیں عذاب دینا چاہے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو اُنہیں بخشنا چاہے تو تُو بہت غالب (اور) بڑی حکمتوں والا (خدا) ہے۔

أطرافهُ: ٣٣٤٩، ٣٤٤٧، ٤٦٢٥، ٤٧٤٠، ٦٥٢٤، ٦٥٢٥، ٦٥٢٦۔

تشریح: اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ: پہلی روایت نمبر (۴۶۲۵) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جس قول کا حوالہ نقل کیا ہے وہ یہ ہے: وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِيۡ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِيۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا

لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ○ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ○ (المائدۃ:۱۱۷، ۱۱۸) ترجمہ: اور جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو۔ تو اس نے جواب دیا کہ (ہم) تجھے (تمام عیبوں سے) پاک قرار دیتے ہیں۔ میری شان کے شایاں نہ تھا کہ میں (وہ بات) کہتا جس کا مجھے حق نہ تھا اور اگر میں نے ایسا کہا تھا تو تجھے ضرور اس کا علم ہوگا۔ جو کچھ میرے جی میں ہے تو جانتا ہے اور جو کچھ تیرے جی میں ہے میں نہیں جانتا۔ تو یقیناً (سب) غیب کی باتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ میں نے ان سے صرف وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اللہ کی عبادت کرو، جو میرا (بھی) ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے اور جب تک میں ان میں (موجود) رہا، میں اُن کا نگران رہا۔ مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی ان پر نگران تھا (میں نہ تھا) اور تو ہر چیز پر نگران ہے۔

مذکورہ بالا آیتیں عقیدہ حیات مسیح اور ان کے مزعومہ نزول ثانی کے بارے میں فیصلہ کن ہیں اور اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تَوَفَّيْتَنِي کا مفہوم بیان فرمادیا ہے کہ اس سے مراد وفات ہے نہ کہ رفع جسمانی اور روایت نمبر ۴۶۲۵ میں الفاظ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ سے ان کی وفات اسی قسم کی مفارقت قرار دی گئی ہے، جیسی آپؐ کی مفارقت تھی۔

۱) علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ کا تعلق تنزیہہ باری تعالیٰ سے اور دوسرے حصے کا اپنی برأت سے ہے۔ کلمہ سُبْحٰنَكَ میں اللہ تعالیٰ کی سبوحیت کا ذکر ہے کہ ذات واحدانیت کی شان سے بعید ہے کہ اپنے کسی رسول کو حکم دے کہ لوگ معبود حقیقی کو چھوڑ کر اس کی عبادت کریں۔ ان کی بعثت سے مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ شرک کی بیخ کنی کی جائے۔

۲) مَا يَكُونُ لِيَ أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ: میرے لئے یہ بھی مناسب نہیں کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں۔ میں محض پیغامبر تھا جو پیغام پہنچانے کا مجھے حکم دیا گیا تھا وہی پہنچا سکا تھا۔ اس کے سوا پیغام کا مجھے اختیار نہیں تھا۔ ان الفاظ سے اپنی برأت کا اظہار ہے۔

۳) إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ: ان الفاظ سے اپنی برأت میں راست باز ہونے پر خود اللہ تعالیٰ ہی کو شاہد ٹھہرایا ہے جو علیم ہے۔

۴) تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ: ان الفاظ میں بتایا ہے کہ میرے نفس میں بھی اپنی عبادت کی نسبت کوئی خواہش نہ تھی۔ نہ زبان سے میں نے کسی کو کہا کہ میری یا میری ماں کی عبادت کرو اور ہمیں خدا سمجھو اور نہ اس کی مجھے خواہش ہوئی۔

۵) إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ: کوئی راز تجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ ان الفاظ سے اپنی برأت کا انتہائی اظہار ہے۔

۶) مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ: سابقہ بیان سلبی پیرایہ میں ہے اور ان الفاظ میں ایجابی پیرایہ ہو سکتا ہے کہ پیغام پہنچانے میں کوئی ابہام یا استعارہ و مجاز ہو۔ فرماتے ہیں: میں نے وہی کیا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا اور جو تعلیم میں نے دی وہ واضح غیر مبہم الفاظ میں تھی کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا ربّ ہے اور تمہارا ربّ ہے۔

۷) وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ: ہو سکتا ہے کہ تعلیم واضح دی ہو، مگر نگرانی و تربیت میں کوتاہی کی ہو۔ اِس کا جواب دیا کہ مجھ سے اِس امر میں بھی کوتاہی نہیں ہوئی۔ جب تک میں اُن کے درمیان موجود رہا میں اُن کے سامنے توحید کی شہادت دیتا رہا اور دیکھتا رہا کہ وہ توحید کے بارے میں کوئی غلطی نہ کریں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ میری زندگی میں توحید پر ہی قائم تھے۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (المائدۃ:۱۱۸) مگر جب تو نے مجھے وفات دی تو تُو ہی ان کا نگران تھا اور تو ہی دیکھتا تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

مذکورہ بالا بیان کا ہر حلقہ دوسرے حلقے کے ساتھ صحیح منطقی تسلسل میں متصل ہے اور نمونہ کمال فصاحت و بلاغت ہے۔ جس سے قرآن مجید کا دعویٰ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ واضح ہوتا ہے کہ اس کی آیات کے اندر پختگی ہے اور اس بیان سے یہ امر بھی عیاں ہے کہ عیسائیوں کا ارتداد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوا، اور حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ زمین پر نازل نہیں ہوں گے۔ ورنہ انکا کہنا کہ مجھے ان کے مرتد ہونے کی نسبت علم نہیں، تجھے ہی علم ہے درست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ غلط بیانی کے مترادف ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ جب وہ دوبارہ نازل ہو کر عیسائیوں کی اصلاح کریں گے یا سزا دیں گے۔ ایسی صورت میں تو ان کا جواب یہ ہونا چاہیے تھا کہ بے شک وہ مرتد ہو گئے تھے اور مجھے اس کا علم ہے اور آسمان سے نازل ہو کر میں انہیں راہ راست پر لایا ہوں۔ کوئی دور کی تاویل بھی تو مذکورہ بالا جواب سے مسیح کی عدم وفات اور نزول کا قصہ ثابت نہیں کرتی۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے اگر کوئی بات ثابت ہوئی ہے تو یہ ہوئی ہے کہ عیسائی قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد مرتد ہوئی۔ اسی طرح لائق جہنم مسلمانوں کا ارتداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وقوع میں آیا۔

☆☆☆

٦- سُورَةُ الْأَنْعَامِ

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ (الأنعام:٢٤) مَعْذِرَتُهُمْ. مَعْرُوشٰتٍ (الأنعام:١٤٢) مَا يُعْرَشُ مِنَ الْكَرْمِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ. حَمُولَةً (الأنعام:١٤٣) مَا يُحْمَلُ عَلَيْهَا. وَلَلَبَسْنَا (الأنعام:١٠) لَشَبَّهْنَا. لِأُنْذِرَكُمْ بِهٖ (الأنعام:٢٠) أَهْلَ مَكَّةَ. يَنْـَٔوْنَ (الأنعام:٢٧) يَتَبَاعَدُونَ. تُبْسَلَ (الأنعام:٧١) تُفْضَحَ.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: (ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ میں) فِتْنَتُهُمْ کے معنی ہیں: اُن کا عذر۔ مَعْرُوشٰتٍ: سہارے جو انگور وغیرہ (کی بیلوں) کے لیے ہوتے ہیں۔ حَمُولَةً سے مراد وہ جانور ہیں جن پر بوجھ لادا جاتا ہے۔ (وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ میں) لَبَسْنَا کے معنی ہیں ہم ضرور شبہ ڈال دیں گے۔ لِأُنْذِرَكُمْ بِهٖ کے معنی ہیں تاکہ اہلِ مکہ کو اس (قرآن) کے ذریعہ ہوشیار کروں۔ يَنْـَٔوْنَ کے معنی ہیں دور ہوئے ہیں۔

أُبْسِلُوْا (الأنعام:٧١) أُفْضِحُوا. بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ (الأنعام:٩٤) الْبَسْطُ الضَّرْبُ. اسْتَكْثَرْتُمْ (الأنعام:١٢٩) أَضْلَلْتُمْ كَثِيرًا.

تُبْسَلَ کے معنی ہیں کہ رسوا کیا جائے۔ أُبْسِلُوْا کے معنی ہیں اُن کی فضیحت کی گئی۔ (بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ) میں بَسْطٌ کے معنی ہیں مارنا۔ اسْتَكْثَرْتُمْ کے معنی ہیں تم نے بہتوں کو گمراہ کیا۔

مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ (الأنعام:١٣٧) جَعَلُوا لِلّٰهِ مِنْ ثَمَرَاتِهِمْ وَمَالِهِمْ نَصِيْبًا، وَلِلشَّيْطَانِ وَالْأَوْثَانِ نَصِيْبُهَا.[1] اَكِنَّةً (الأنعام:٢٦) وَاحِدُهَا كِنَانٌ. اَمَّا اشْتَمَلَتْ (الأنعام:١٤٤) يَعْنِي هَلْ تَشْتَمِلُ إِلَّا عَلَى ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى فَلِمَ تُحَرِّمُوْنَ بَعْضًا وَتُحِلُّوْنَ بَعْضًا.

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ کے معنی ہیں کہ اُنہوں نے اللہ کے لیے اپنے پھلوں اور مالوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہے، اور اِسی طرح شیطان اور بتوں کے لیے اُس کا ایک حصہ ٹھہرایا ہے۔ اَكِنَّةً کا مفرد كِنَانٌ ہے، (یعنی پردہ۔) (اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ میں) اشْتَمَلَتْ کے معنی ہیں کیا اُن کے رحم اپنے اندر مادہ

[1] فتح الباری مطبوعہ بولاق میں "نَصِيباً" ہے۔ (فتح الباری جزء٨ صفحہ ٣٦٢) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

مَّسْفُوْحًا (الأنعام: ١٤٦) مُهْرَاقًا. صَدَفَ (الأنعام: ١٥٨) أَعْرَضَ. أُبْلِسُوْا أُوْيِسُوْا، أُبْسِلُوْا (الأنعام: ٧١) أُسْلِمُوْا. سَرْمَدًا (القصص: ٧٢) دَائِمًا. اسْتَهْوَتْهُ (الأنعام: ٧٢) أَضَلَّتْهُ. يَمْتَرُوْنَ (الحجر: ٦٤) (مريم: ٣٥) يَشُكُّونَ[۱]. وَقْرًا (الأنعام: ٢٦) صَمَمٌ وَأَمَّا الْوِقْرُ فَهُوَ الْحِمْلُ. أَسَاطِيْرُ (الأنعام: ٢٦) وَاحِدُهَا أُسْطُورَةٌ وَإِسْطَارَةٌ وَهِيَ التُّرَّهَاتُ. الْبَأْسَاءِ (الأنعام: ٤٣) مِنَ الْبَأْسِ وَيَكُونُ مِنَ الْبُؤْسِ. جَهْرَةً (الأنعام: ٤٨) مُعَايَنَةً. الصُّوَرُ جَمَاعَةُ صُورَةٍ كَقَوْلِهِ سُورَةٌ وَسُوَرٌ. مَلَكُوْت (الأنعام: ٧٦) وَ مُلْكٌ مِثْلُ رَهَبُوتٌ خَيْرٌ مِّنْ رَّحَمُوتٍ وَّيَقُولُ تُرْهَبُ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تُرْحَمَ.

یا نر کے سوا اور کچھ رکھتے ہیں۔ پھر تم کیوں کسی کو حرام اور کسی کو حلال قرار دیتے ہو۔ مَسْفُوْحًا کے معنی ہیں جس کا خون بہایا جائے۔ صَدَفَ کے معنی ہیں اس نے اعراض کیا، منہ پھیرا۔ أُبْلِسُوْ کے معنی ہیں نااُمید ہوگئے۔ (اور أُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ أُبْسِلُوْا میں) أُبْسِلُوْا کے معنی ہیں ہلاکت کے سپرد کر دیئے گئے۔ سَرْمَدًا کے معنی ہیں ہمیشہ۔ اسْتَهْوَتْهُ: اس کو گمراہ کر دیا۔ تَمْتَرُوْنَ (الأنعام: ٣) کے معنی ہیں تم شک کرتے ہو۔ وَقْرًا کے معنی ہیں بہرہ پن اور وِقْرٌ جو لفظ ہے اس کے معنی ہیں بوجھ جو جانور پر لادا جاتا ہے۔ أَسَاطِيْرُ کی مفرد أُسْطُوْرَةٌ اور إِسْطَارَةٌ ہے اس سے مراد ہے: لغو باتیں، جھوٹی کہاوتیں۔ الْبَأْسَاءِ: یہ الْبَأْسِ سے ہے (یعنی سختی) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ الْبُؤْسِ سے مشتق ہو۔ (جس کے معنی ہیں محتاجی اور تکلیف۔) جَهْرَةً کے معنی کھلم کھلا، آمنے سامنے دیکھنا۔ الصُّوَرُ جمع ہے صُوْرَةٍ کی، جیسا کہ (اللہ تعالیٰ) کے قول میں سُوْرَةٌ اور سُوَرٌ ہے۔ مَلَكُوْت اور مُلْكٌ (کے معنی ہیں بادشاہت۔ یہ الفاظ) ایسے ہی ہیں جیسے رَهَبُوت رَحَمُوْت۔ ضرب المثل ہے: رَهَبُوتٌ خَيْرٌ مِّنْ رَّحَمُوْتٍ یعنی ڈرایا جانا رحم کی اُمید رکھنے سے بہتر ہے۔ اور کہتے ہیں کہ تجھے ڈرایا جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ تو رحم کی اُمید رکھے۔

---

[۱] فتح الباری مطبوعہ بولاق میں تَمْتَرُوْنَ تَشُكُّونَ ہے (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۶۲) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

جَنَّ (الأنعام: ۷۷) أَظْلَمَ. تَعٰلٰی (الأنعام: ۱۰۱) عَلَا. وَاِنْ تَعْدِلْ (الأنعام: ۷۱) تُقْسِطْ لَا يُقْبَلْ مِنْهَا فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ.

جَنَّ کے معنی اندھیرا چھا گیا۔ تَعٰلٰی کے معنی ہیں وہ بلند و بالا ہوا۔ وَاِنْ تَعْدِلْ کے معنی ہیں اگر وہ برابر کا بدلہ بھی دے تو اس دن اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔

يُقَالُ عَلَى اللهِ حُسْبَانُهُ أَيْ حِسَابُهُ. وَيُقَالُ حُسْبَانًا(الكهف: ٤١) مَرَامِيَ وَ رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ. (الملك: ٦)

کہا جاتا ہے کہ اللہ کے ذمے اس کا حُسْبَان یعنی حساب ہے۔ اور حُسْبَانًا چھوٹے تیروں کو بھی کہتے ہیں اور ایسا ہی اس کے معنی شیطان پر پھینکنے کے حربے کے بھی ہیں۔

مُسْتَقَرٌّ (الأنعام: ۹۹) فِي الصُّلْبِ. وَ مُسْتَوْدَعٌ (الأنعام: ۹۹) فِي الرَّحِمِ.

مُسْتَقَرٌّ کے معنی ہیں باپ کی پشت میں اور مُسْتَوْدَعٌ کے معنی ہیں رحم مادر میں۔

الْقِنْوُ الْعِذْقُ وَالِاثْنَانِ قِنْوَانِ وَالْجَمَاعَةُ أَيْضًا قِنْوَانٌ(الأنعام: ۱۰۰) مِثْلُ صِنْوٍ وَ صِنْوَانٍ.

قِنْوٌ کے معنی ہیں خوشہ، اس کی تثنیہ قِنْوَانِ اور اسی طرح جمع قِنْوَانٌ ہے۔ جیسے صِنْوٍ اور صِنْوَانٍ (جڑ میں ملے ہوئے درخت۔)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے فِتْنَةٌ کے معنی عذر و معذرت جو مروی ہیں یہ ابن ابی حاتمؒ نے بسند ابن جریج عطاء سے موصولاً نقل کیے ہیں۔معمر نے قتادہ سے اس کے معنی مَقَالَتَهُمْ (ان کا قول) روایت کیے ہیں۔ لیکن عبد الرزاق وغیرہ نے ان سے بھی عذر ہی کے معنی روایت کیے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۶۳) پوری آیت یہ ہے: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الأنعام:۲۴) پھر اس کے جواب میں وہ صرف یہ کہیں گے کہ اللہ کی قسم جو ہمارا (سچا) ربّ ہے۔ ہم (تو) مشرک تھے (ہی) نہیں۔ اس سے پہلے مشرکین کے زعم باطل کا ذکر ہے کہ ان سے روزِ محشر جواب طلبی ہوگی اور وہ معذرت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے۔ ہمارا مقصود و مطلوب دراصل تیری ہی ذات تھی۔

مَّعْرُوْشٰتٍ سے مراد انگور وغیرہ بیل دار پودے ہیں جو زمین پر پھیل جاتے ہیں اور جنہیں سہارا دے کر کھڑا کیا جاتا ہے اور غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ سے وہ پودے مراد ہیں جو کسی سہارے کے محتاج نہیں اپنے تنوں کے بل کھڑے ہوتے ہیں۔ الفاظ کی یہ شرح بسند ابن جریج، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۶۳) پوری آیت جس میں ان کا ذکر ہے یہ ہے: وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ

وَ لَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○ (الأنعام: ۱۴۲) یعنی وہ (خدا) ہی ہے جس نے لکڑیوں کے سہارے پر کھڑے ہونے والے باغات اور بغیر سہارے کھڑے ہونے والے باغات اور کھجوریں اور کھیتیاں جن کے مزے مختلف ہیں اور زیتون اور انار کو اِس صورت میں کہ وہ (آپس میں) مشابہ (بھی) ہیں اور (بعض صورتوں میں) نہیں (بھی،) پیدا کیا ہے۔ تم جب اُن درختوں کو پھل لگے تو اُن کے پھل کو کھاؤ اور اس کے کاٹنے کے دن اُس (خدا) کا حق ادا کرو اور اسراف سے کام نہ لو۔ کیونکہ وہ اسراف سے کام لینے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس کے بعد کی آیت میں حَمُوْلَةً آیا ہے۔ جس کے معنی ہیں باربرداری کے جانور اور فَرْشًا کے معنی پست قد جانور جو باربرداری کے قابل نہیں۔ جیسے بھیڑ بکری یا اونٹ اور گائے بیل کے بچے۔ ابن ابی حاتم ہی نے یہ معنی حضرت ابن عباسؓ سے بواسطہ علی بن ابی طلحہ نقل کیے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۶۳) پوری آیت یہ ہے: وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (الأنعام: ۱۴۳) اور چارپایوں میں سے لادو جانور بھی ہیں اور چھوٹے بھی ہیں۔ اللہ نے جو کچھ تمہیں دیا ہے تم اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ وہ یقیناً تمہارا کھلا (کھلا) دشمن ہے۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں کے آخر میں اسراف یعنی بے جا اور زائد از ضرورت کھانے پینے سے روکا گیا ہے کہ حدود سے بڑھنا محبت الٰہی سے محرومی ہے۔ جو مفہوم لَا تُسْرِفُوْا کا ہے، وہی مفہوم لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ کا ہے۔ بتایا جاچکا ہے کہ لفظ شیطان کے اشتقاق میں حدود سے تجاوز کرنا اور ہلاکت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ صفت رحمانیت و رحیمیت کے طفیل طرح طرح کے اسباب معیشت پیدا کیے گئے اور سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں اور انسان پر عدم اسراف کی پابندی عائد کرکے اس کے لیے موقع پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اطاعت شعاری اور شکر گزاری سے اپنے خالق کی رضا و محبت کا جویاں ہو اور اگر وہ اطاعت نہیں کرتا اور حدود سے تجاوز کرتا ہے تو اس کا باغی نفس اسی کا دشمن ہے اور اس بغاوت میں اس کی اپنی ہلاکت کا سامان ہے۔ دونوں آیتوں میں مثبت اور منفی پہلوؤں سے انسان کو الٰہی نعمتوں کا قدردان ہونے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ آیت مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الأنعام: ۲۴) کے تعلق میں ان دونوں آیتوں کا حوالہ برمحل ہے اور بتایا گیا ہے کہ شرک صرف بتوں کو خدا سمجھنے اور اس کی پرستش ہی کا نام نہیں بلکہ ہوا و ہوس کی پیروی اور احکام الٰہی سے سرکشی بھی شرک ہے۔

لَلَبَسْنَا کے معنی لَشَبَّهْنَا ہیں۔ ہم ضرور مشتبہ کردیتے یہ معنی بھی مذکورہ بالا سند ہی سے مروی ہیں۔ اس سے یہ آیتیں مراد ہیں: وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ○ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○ (الأنعام: ۹،۱۰) ترجمہ: اور (مخالف) کہتے ہیں، اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ اُتارتے تو فیصلہ ہی ہو جاتا۔ پھر ان کو ڈھیل نہ دی جاتی اور (یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ) اگر ہم اس (پیامبر) کو فرشتوں میں سے تجویز کرتے تب بھی ہم اسے مرد کی شکل ہی دیتے اور ان کے اوپر پھر بھی وہ بات مشتبہ کردیتے جسے اب وہ مشتبہ سمجھ رہے ہیں۔

آیت کا مفہوم واضح ہے کہ مشرک باطل پرستی اور نفس پروری میں ایسے مستحکم ہیں کہ اگر فرشتہ بھی آسمان سے شریعت کی کتاب کے ساتھ اُترے تب بھی وہ نہیں مانیں گے اور کئی قسم کے بہانے بنا کر اُسے ٹال دیں گے۔ چونکہ معصیت اُن کی سرشت کا جزو بن چکی ہے۔ اس لیے اس کے مقابل میں اللہ تعالیٰ کا فعل بھی بطور سزا مماثل اور مشابہہ شکل میں صادر ہوتا ہے۔ یہ مفہوم آیت لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ کا ہے۔

لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ سے مراد یہ ہے کہ تا میں اس کے ذریعہ سے تمہیں اور جن کو یہ قرآن پہنچے اُنہیں خطرے سے آگاہ کر دوں۔ پوری آیت یہ ہے: قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۚ وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ (الأنعام: ۲۰) تو کہہ سب سے زیادہ (سچی) گواہی دینے والی کونسی ہستی ہے۔ پھر (خود ہی جواب میں) کہہ دے کہ اللہ، وہ تمہارے اور میرے درمیان گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تا کہ میں تمہیں اس کے ذریعے سے (آنے والے عذاب سے) ہوشیار کروں اور اُن (سب) کو بھی جن تک یہ پہنچے کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہیں (اور پھر اپنی طرف سے) کہہ دے کہ (تم ایسی جھوٹی گواہیاں دیتے پھرو) میں تو یہ گواہی نہیں دیتا (پھر اُن سے) کہہ دے کہ وہ (خدا) تو اپنی ذات میں صرف اکیلا خدا ہے اور میں تو اُن چیزوں سے جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو، بیزار ہوں۔ اس آیت میں بھی مشرکین پر اتمام حجت کا ذکر ہے۔

وَ يَنْـَٔوْنَ سے اس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وَ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ○ (الأنعام: ۲۷) اور وہ اس سے (اوروں کو بھی) روکتے ہیں اور (خود بھی) اس سے دور رہتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے آپ کے سوا کسی کو ہلاک نہیں کرتے، مگر وہ سمجھتے نہیں۔ يَنْـَٔوْنَ کے معنی يَتَبَاعَدُوْنَ بھی حضرت ابن عباسؓ سے بسند ابن جریج مروی ہیں۔ یعنی دور ہوتے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ ہدایت نہیں پاسکتے۔ اس سے ماقبل آیت میں مشرکین کی ہدایت سے محرومی کی چھ سات وجوہات کا ذکر ہے۔ فرماتا ہے: وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ (الأنعام: ۲۶) اور اُن میں سے بعض (لوگ) ایسے ہیں جو تیری (باتوں کی) طرف کان رکھتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ اسے (نہ) سمجھیں اور اُن کے کانوں میں بہرا پن (پیدا کر دیا) ہے اور گو وہ ہر ایک (قسم کا) نشان دیکھ لیں۔ وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ (ان کی حالت) یہاں تک (پہنچی ہوئی ہے) کہ جب وہ تیرے پاس آتے ہیں تو تجھ سے جھگڑتے ہیں۔ کافر کہتے ہیں یہ (قرآن) صرف پہلوں کی کہانیاں ہیں۔

مذکورہ بالا وجوہات کا ذکر آیت لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ کے تسلسل میں ہی وارد ہوا ہے۔ اَنْ تُبْسَلَ کے معنی ہیں اَنْ تُفْضَحَ۔ یعنی مبادا مصیبت میں پڑ کر اس کی فضیحت ہو اور اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا کے معنی ہیں اپنی کرتوتوں کی

وجہ سے مصیبت میں ڈالے گئے۔ ان دونوں لفظوں سے اس آیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے: وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ○ (الأنعام:۷۱) ترجمہ: اور تو اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو مشغلہ اور کھیل بنالیا ہے اور ورلی زندگی نے اُنہیں دھوکا میں ڈالا ہوا ہے، چھوڑ دے اور اس (کلام الٰہی) کے ذریعہ سے نصیحت کر۔ تا (ایسا نہ ہو) کہ کسی جان کو اس کے کمائے ہوئے کے سبب سے اس طرح ہلاکت میں ڈال دیا جائے کہ خدا کے سوا اُس کا نہ کوئی مددگار ہو اور نہ شفیع ہو، اور اگر وہ ہر اِک (قسم) کا بدلہ بھی دیں تو اُن سے قبول نہ کیا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اُن کی کمائی کے سبب سے ہلاکت میں ڈال دیا جائے گا۔ اُنہیں اُن کے کفر کے سبب سے پینے کو گرم پانی (ملے گا) اور دردناک عذاب ہوگا۔

تُبْسَلَ اور اُبْسِلُوْا کے مذکورہ بالا معنی بھی ابن ابی حاتم نے بسند علی بن ابی طلحہ تُفْضَحَ وَ اُفْضِحُوا حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیے ہیں اور عبد بن حمید نے مجاہد کے حوالہ سے (اَنْ تُبْسَلَ کے معنی) اَنْ تُسْلَمَ اور بحوالہ قتادہ اَنْ تُحْبَسَ کیے ہیں۔ یعنی سپرد کیے اور روکے جائیں گے اور بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ میں بَسْطٌ کے معنی ضَرْبٌ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۶۴) اس سے مقصود سورۃ الأنعام کی آیت ۹۴ ہے۔ یہ شرح اس آیت کی ہے: وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (الأنعام:۹۴) اور اگر تو دیکھے کہ جب ظالم موت کی تکالیف میں ہوں گے اور ملائکہ ہاتھ مارتے ہوئے کہیں گے کہ اپنی جانیں نکالو۔ آیت کا یہ مفہوم حضرت ابن عباسؓ ہی سے مروی ہے۔

اسی سورۃ کی آیت ۱۲۹ میں جو فرمایا ہے: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ (الأنعام:۱۲۹) کے معنی ہیں اے جنوں کی جماعت تم نے انسانوں کو بہت گمراہ کیا ہے۔ یہ مفہوم بھی ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ ہی سے نقل کیا ہے۔ اور انہی سے آیت وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ (الأنعام:۱۳۷) کا یہ مفہوم مروی ہے کہ مشرکین نے کھیتی باڑی اور باغات کی پیداوار اور مال مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے اور ایک حصہ شیطان اور بتوں کا مقرر کر دیا ہے۔

لفظ اَكِنَّةً جو جمع کِنَان ہے، اس آیت میں وارد ہوا ہے: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۗ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۗ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ (الأنعام:۲۶) ترجمہ: اور اُن میں سے بعض (لوگ) ایسے ہیں جو تیری (باتوں کی) طرف کان رکھتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ اسے (نہ) سمجھیں اور ان کے کانوں میں بہرا پن (پیدا کر دیا) ہے اور گو وہ ہر ایک (قسم کا) نشان دیکھ لیں وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ (ان کی حالت) یہاں تک (پہنچی ہوئی ہے) کہ جب وہ تیرے پاس آتے ہیں تو تجھ سے جھگڑتے ہیں۔ کافر کہتے ہیں یہ (قرآن) صرف پہلوں کی کہانیاں ہیں۔

اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْہِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ : یہ انعام آیت ۱۴۴، ۱۴۵ کا حصہ ہے، جن میں آٹھ جوڑے جانوروں کی حِلّت کا ذکر ہے۔ مشرکین عرب میں حلت و حرمت کے قواعد معین نہ تھے۔ کاہنوں اور پروہتوں کی مرضی پر منحصر تھا۔ آیات متذکرہ بالا میں اس کی اصلاح کی گئی ہے۔

مَّسْفُوْحًا سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے: قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُہٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَۃً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّہٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُہِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (الأنعام:۱۴۶) ترجمہ: تو اُن سے کہہ کہ جو کچھ میری طرف نازل کیا گیا ہے میں تو اس میں اس شخص پر جو کسی چیز کو کھانا چاہے، سوائے مردہ یا بہتے ہوئے خون یا سؤر کے گوشت کے کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ (سؤر کا گوشت) اس لیے کہ وہ نجس ہے یا فسق کو (حرام پاتا ہوں) یعنی اس چیز کو جس پر خدا کے سوا کسی اور چیز کا نام لیا گیا ہو۔ لیکن جو شخص (اس کے کھانے پر) مجبور ہو جائے بغیر اس کے کہ وہ (شریعت کا) مقابلہ کرنے والا ہو یا حد سے نکلنے والا ہو تو (وہ یاد رکھے کہ) تیرا ربّ یقیناً بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

صَدَفَ سے یہ آیت مراد ہے: اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْکِتٰبُ لَکُنَّآ اَہْدٰی مِنْہُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ ہُدًی وَّ رَحْمَۃٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ صَدَفَ عَنْہَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ○ (الأنعام: ۱۵۸) ترجمہ: یا (یوں نہ) کہو کہ اگر ہم پر کتاب اُتاری جاتی تو ہم یقیناً اُن سے زیادہ ہدایت پاتے۔ سو تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے پاس کھلی دلیل اور ہدایت اور رحمت آگئی ہے۔ پس (یاد رکھو کہ) جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اُن (پر ایمان لانے) سے رک رہا، اُس سے زیادہ ظالم کون ہو گا۔ ہم ضرور اُنہیں جو ہماری آیتوں (پر ایمان لانے) سے رُک رہتے ہیں، ان کے رُک رہنے کی وجہ سے تکلیف دِہ عذاب کی سزا دیں گے۔

اس آیت کا سیاق کلام اس آیت سے دو آیتیں قبل شروع ہوتا ہے: وَ ہٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْہُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (الأنعام:۱۵۶) یہ وہ کتاب ہے جو جامع ہے اور اصلاح حال ترقی کی کفیل ہے۔ ہم نے اِسے اُتارا ہے سو اِس کی پیروی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تا تم پر رحم کیا جائے۔

اُبْلِسُوْا سے اِس آیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْا بِہٖ فَتَحْنَا عَلَیْہِمْ اَبْوَابَ کُلِّ شَیْءٍ ؕ حَتّٰٓی اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰہُمْ بَغْتَۃً فَاِذَا ہُمْ مُّبْلِسُوْنَ (الأنعام: ۴۵) یعنی اور پھر جب وہ اُس (امر) کو بھول گئے جو اُنہیں یاد دلایا جاتا تھا تو ہم نے اُن پر ہر اِک چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جب وہ اُس پر خوش ہو گئے جو اُنہیں دیا گیا تھا تو ہم نے اُنہیں اچانک عذاب میں مبتلا کر دیا جس پر وہ یکدم نااُمید ہو گئے۔ سابقہ آیات کی مناسبت سے اس آیت کا حوالہ بطورِ عبرت دیا گیا ہے۔ مبادا اِس مبارک کتاب کے احکام ترک کرنے یا بھولنے سے تمہارا سابقہ اُمتوں کا سا انجام ہو۔ اَبْلَسَ کے معنی قطعی طور پر مایوس ہو گیا۔ جیسا کہ فرماتا ہے: حَتّٰٓی اِذَا فَتَحْنَا عَلَیْہِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِیْدٍ اِذَا ہُمْ فِیْہِ مُبْلِسُوْنَ ○ (المومنون :۷۸) یعنی یہاں تک کہ جب ہم اُن پر ایک سخت عذاب کا

دروازہ کھول دیں گے تو وہ مایوس ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ یعنی اس سے بچنے کی راہیں بند دیکھ کر بالکل مایوس ہو جائیں گے۔

سَرْمَدًا سے سورۃ القصص کی آیت ۷۲، ۷۳ کی طرف ضمناً توجہ دلائی گئی ہے۔ فرماتا ہے: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ○ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ ترجمہ: تو (اُن سے) کہہ، مجھے بتاؤ تو سہی اگر اللہ تمہارے لیے قیامت کے دن تک رات کو لمبا کر دے تو اللہ کے سوا اور کون ہے جو تمہارے پاس روشنی لائے گا کیا تم سنتے نہیں؟ تو کہہ دے مجھے بتاؤ تو سہی کہ اگر اللہ دن کو قیامت کے دن تک تمہارے لیے لمبا کر دے تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہارے پاس رات کو لے آئے۔ جس میں تم سکون پاؤ۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟

اسْتَهْوَتْهُ سے مراد تین آیات ہیں: وَ ذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ ۚ وَ اِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ○ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۪ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ وَ هُوَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ (الأنعام: ۷۱، ۷۲، ۷۳) اور تو اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو مشغلہ اور کھیل بنا لیا ہے اور ورلی زندگی نے اُنہیں دھوکہ میں ڈالا ہوا ہے چھوڑ دے اور اس (کلام الٰہی) کے ذریعہ سے نصیحت کر۔ تا (ایسا نہ ہو) کہ کسی جان کو اس کے کمائے ہوئے کے سبب سے اس طرح ہلاکت میں ڈال دیا جائے کہ خدا کے سوا اس کا نہ کوئی مددگار ہو اور نہ شفیع ہو، اور اگر وہ ہر اک (قسم) کا بدلہ بھی دیں تو اُن سے قبول نہ کیا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اُن کی کمائی کے سبب سے ہلاکت میں ڈال دیا جائے گا۔ اُنہیں ان کے کفر کے سبب سے پینے کو گرم پانی (ملے گا) اور دردناک عذاب ہو گا۔ تو (اُن سے) کہہ دے: کیا ہم اللہ کے سوا اُسے پکاریں جو نہ ہمیں (کوئی) نفع دیتا ہے اور نہ ضرر دیتا ہے اور کیا اللہ کے ہدایت (دے) دینے کے بعد ہم اس (شخص) کی طرح اپنی ایڑیوں کے بل لوٹائے جائیں جسے سرکش (لوگ) زمین میں بہکا کر لے گئے ہوں۔ (اور وہ) حیران (وپریشان) ہو رہا ہو۔ اس کے (کچھ) ساتھی تو ایسے ہیں جو اسے (یہ کہتے ہوئے) پکارتے ہیں کہ ہمارے پاس آ، تا ہدایت پائے۔ تو (اُن کافروں سے) کہہ دے کہ یقیناً اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سب جہانوں کے ربّ کی فرمانبرداری کریں اور یہ (بھی ہدایت دی گئی ہے) کہ نمازوں کو باشرائط ادا کرو اور اُس (یعنی خدا) کو اپنی ڈھال بناؤ اور وہی ہے جس کی طرف تم اکٹھے کر کے لے جائے جاؤ گے۔

تَمْتَرُوْنَ سے اس آیت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ○ (الأنعام: ۳) وہ خدا ہی ہے جس نے تم کو گیلی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ پھر

(زمانہ حیات کے لیے) ایک میعاد تجویز کی اور ایک اور میعاد بھی ہے۔ جس کا علم صرف اسی کو ہے۔ پھر بھی تم شبہ کرتے ہو۔ سورۃ الأنعام کی آیت ۲۶ کا حوالہ نقل کیا جا چکا ہے، جس میں الفاظ وَقْرًا اور اَسَاطِيْرُ وارد ہوئے ہیں۔

اَلْبَاْسَآءُ سے مقصود ہے آیت وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ○ (الأنعام: ۴۳) یعنی اور ہم تجھ سے پہلی قوموں کی طرف (رسول) بھیج چکے ہیں اور (اُن رسولوں کے آنے کے بعد) ہم نے اُنہیں (یعنی منکرین کو) اس لئے مالی اور جسمانی تکلیفوں میں گرفتار کیا تھا کہ وہ عجز اختیار کریں اور اَلْبَاْسُ سے یہ آیت مراد ہے: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ○ (الأنعام: ۶۶) یعنی تو (اُن سے) کہہ دے وہ اس (بات) پر بھی قادر ہے کہ تمہارے اوپر کی طرف سے عذاب نازل کرے یا تمہارے پاؤں کے نیچے کی طرف سے یا تمہیں (ایک دوسرے کے خلاف) آپس میں مختلف گروہوں کی صورت میں ملا دے اور تم میں سے بعض کی طرف سے بعض کو تکلیف پہنچائے۔ دیکھ ہم دلیلوں کو کس طرح بار بار بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سمجھیں۔ الفاظ اَلْبَاْسَاءُ، اَلْبَاْسُ اور اَلْبُؤْسُ کا اشتقاق ایک ہی ہے۔ اَلْبَاْسُ کے معنی جنگ کے ہیں۔ سورۃ النحل آیت ۸۲ میں فرماتا ہے: وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ۔ یعنی اور اُس نے تمہارے لیے کئی قسم کی قمیصیں بنائی ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور بعض قمیصیں (یعنی زرہیں) ایسی ہیں جو تمہیں تمہاری (آپس کی) جنگ (کی سختی) سے بچاتی ہیں۔ لفظ اَبْتَئِسْ کا بھی اشتقاق ایک ہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور سے واپسی پر اپنی قوم سے اُن کی گوسالہ پرستی پر افسوس کا اظہار کرتے اور فرماتے ہیں بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ (الأعراف: ۱۵۱) ترجمہ: کیا ہی بُری جانشینی ہے جو تم نے میرے بعد کی ہے۔ لفظ اَلْبُؤْسُ کے معنی بُری حالت، اقتصادی فقر و فاقہ۔ لفظ اَلْبَاْسَآءُ مذکورہ بالا عام معانی کا متحمل ہے۔

جَهْرَةً سے آیت قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (الأنعام: ۴۸) کی طرف اشارہ ہے یعنی تو کہہ دے کہ بتاؤ تو سہی کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر اچانک (بلا اطلاع) یا ظاہر طور پر آ جائے تو کیا ظالم لوگوں کے سوا (کوئی اور شخص) ہلاک کیا جائے گا۔

اَلصُّوَرُ جمع ہے صُوْرَةٌ کی۔ اور بعض نے اس کی جمع صُوَر بیان کر کے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ڛ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ○ (الأنعام: ۷۴) یعنی وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق (وحکمت) کے ساتھ پیدا کیا ہے اور جس دن وہ کہے گا کہ (میرے منشاء کے مطابق یوں) ہو جائے (اسی طرح) ہو جائے گا، اس کی بات ہو کر رہنے والی ہے اور جس دن صور پھونکا جائے گا، حکومت (صرف) اسی کو (حاصل) ہوگی (وہ) پوشیدہ اور ظاہر (باتوں) کا جاننے والا ہے اور وہ حکمت والا (اور) خبر دار ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۶۵)

مَلَكُوت سے اِس آیت کی طرف اشارہ ہے: وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ

الْمُوْقِنِيْنَ (الأنعام:۷۶) اور ہم ابراہیم کو اس طرح آسمانوں اور زمینوں پر (اپنی) بادشاہت دکھاتے تھے (تا اس کا علم کامل ہو) اور تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ لفظ جَنَّ سے اسی سورۃ (الانعام) کی آیت نمبر ۷۷ مقصود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ یعنی (ایک دن ایسا ہوا کہ) جب رات نے اس پر پردہ ڈال دیا تو اس نے ایک ستارہ دیکھا (اسے دیکھ کر) اس نے کہا کہ کیا یہ میرا ربّ (ہو سکتا) ہے پھر جب وہ ڈوب گیا تو اس نے کہا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

لفظ حُسْبَانَ سے اس آیت کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ (الأنعام: ۹۷) یعنی وہ صبح کو ظاہر کرنے والا ہے اور اس نے رات کو باعث آرام اور سورج اور چاند کو ذریعہ حساب بنایا ہے۔ یہ اندازہ اس کا ہے جو غالب ہے (اور) بہت جاننے والا ہے۔ سیاق کلام میں حُسْبَانَ کا مفہوم وقت کا اندازہ کرنا ہے۔ باقی معنوں کا سورۃ الانعام کے تعلق میں کوئی محل نہیں۔ امام بخاریؒ یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ لفظ کا مطلق لغوی معنی قابل اعتماد نہیں بلکہ معنیٰ مقصود سیاقِ کلام سے متعین ہوتا ہے۔ محولہ آیت یہ موضوع واضح کرنے پر بہت عمدہ مثال ہے۔ تفسیر آیات میں یہ امر ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

مُسْتَقَرٌّ کا لفظ سورۃ الأنعام میں دو جگہ وارد ہوا ہے۔ فرماتا ہے: وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ (الأنعام: ۶۷، ۶۸) ترجمہ: اور تیری قوم نے اس (امر یعنی پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ سچا ہے۔ تو اُن سے کہہ دے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ہر ایک پیشگوئی کی ایک حد مقرر ہوتی ہے اور تم جلد ہی (حقیقت کو) جان لو گے۔ اور دوسری جگہ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ (الأنعام: ۹۹) ترجمہ: اور وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے۔ پھر اس کے بعد اُس نے (تمہارے لیے) ایک عارضی ٹھہرنے کی جگہ اور ایک لمبے عرصے تک رہنے کی جگہ مقرر کی ہے۔ ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لیے نشانات کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔ مُسْتَقَرٌّ سے مراد دنیا کی زندگی ہے جو عارضی قرارگاہ ہے اور مُسْتَوْدَعٌ سے حیات آخرت کا عالم برزخ۔ جہاں انسان کا اعمال نامہ سپرد کر دیا جاتا ہے۔ امام بخاریؒ نے مُسْتَقَرٌّ سے مراد باپ کی پشت اور مُسْتَوْدَعٌ سے رحم مادر جو نقل کیے ہیں یہ ابوعبیدہ سے مروی ہیں۔ لیکن معمر نے قتادہ سے اِس کے بالکل برعکس معنی نقل کئے ہیں۔

(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۶۶)

الْقِنْوُ سے یہ آیت مقصود ہے: وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الأنعام: ۱۰۰) اور کھجور میں سے یعنی اس کے گابھے میں سے جھکے ہوئے پھل (نکالتے) ہیں اور انگوروں اور زیتون اور انار کے ایسے باغات (نکالتے ہیں) جن میں سے بعض آپس میں ملتے جلتے ہیں اور (بعض) مختلف ہیں جب (ان میں سے ہر قسم کے درخت کو) پھل آتا ہے تو اس کے پھل کو اور اس کے پکنے (کی کیفیت) کو دیکھو۔ اس میں ایمان لانے والے لوگوں

کے لیے یقیناً (بہت سے) نشانات ہیں۔ لفظ قِنْوَانٌ کے وزن پر لفظ صِنْوٌ و صِنْوَانٌ کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ سورۃ الرعد کی اس آیت میں ہے: وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ (الرعد:۵) اور زمین میں ایک دوسرے کے پاس پاس کئی (اقسام کے) قطعات ہیں اور کئی طرح کے انگوروں کے باغات اور (کئی قسم کی) کھیتی اور (طرح طرح کے) کھجور کے درخت (جن میں سے بعض) ایک ایک جڑ سے کئی کئی نکلنے والے (ہوتے ہیں) اور (بعض) ایک ایک جڑ سے کئی کئی نکلنے والوں کے خلاف (ایک ہی تنے کے ہوتے) ہیں۔ جنہیں ایک ہی (طرح کے) پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور (باوجود اس کے) پھل کے لحاظ سے ہم ان میں سے بعض (درختوں) کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں۔ اس میں بھی ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں، کئی نشان (موجود) ہیں۔

سورۃ الأنعام کی تفسیر کے تعلق میں بعض الفاظ یا جملوں کے معانی نقل کیے گئے ہیں وہ اکثر آسان ہیں۔ لفظ فِتْنَتُهُمْ بمعنی مَعْذِرَتُهُمْ جو قتادہ سے بھی مروی ہے، تُبْسَلُ بمعنی تُفْضَحُ یا تُسْلَمُ یا تُحْبَسُ ہے۔ اور اُبْسِلُوْا بمعنی اُسْلِمُوْا اور اَلْبَسْطُ بمعنی اَلضَّرْبُ، اِسْتَكْثَرْتُمْ بمعنی اَضْلَلْتُمْ كَثِيْرًا ہے۔ یہ معنی بطور مفہوم سیاق کلام کے ہیں نہ بلحاظ لغت۔ اِن الفاظ کے سوا باقی کا مفہوم نہ از روئے کلام مشکل ہے نہ سیاق کلام۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے سورۃ الأنعام سے متعلق تفسیری ابواب و روایات قائم کرنے سے قبل تمہید میں ان مخصوص الفاظ یا آیات کا انتخاب کس غرض سے کیا ہے۔ اس کا جواب آسان نہیں۔ ہر صاحب علم و ذوق سورۃ الأنعام کے موضوع پر نظر ڈالنے سے ان کا تعلق نفس موضوع سے سمجھ سکتا ہے۔ میرے نزدیک جس طرح سورۃ المائدۃ کی تمہید میں اس کا موضوع بعض الفاظ یا فقروں سے نمایاں کیا گیا تھا۔ وہی طریق سورۃ الأنعام کی تمہید میں اختیار کیا گیا ہے۔ امام بخاریؒ کے نزدیک سورۃ الأنعام مندرجہ ذیل اُمور پر مشتمل ہے۔

اوّل: ایمان بالبعث: یعنی حیاتِ آخرت میں محاسبہ اعمال اور جواب دہی۔ محاسبہ اعمال کا سلسلہ ایک حد تک دنیا کی زندگی میں بھی قائم ہے۔

دُوَم: رسولوں کی بعثت سے اصل غرض عقیدہ و عمل کی اصلاح ہے۔ بنیادی عقیدے تین ہیں: ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور توحید اور رسولوں اور ملائکہ پر ایمان ایک درمیانی حلقہ ہے۔

سِوم: مشرکین عرب کے عقائد کی سخافت (ناپختگی) و نامعقولیت۔

چہارم: ہدایت سے محرومی کے اسباب دو قسم کے ہیں: عارضی اور مستقل اور ان کا ازالہ و علاج۔

پنجم: اللہ تعالیٰ کا مالکانہ تصرف سے غیر معمولی نشانات کا مشاہدہ کرا کر نیک انقلاب پیدا کرنا۔

تمہید میں مذکورہ بالا پانچ باتیں بطور رؤوس الأقلام معلوم ہوتی ہیں۔ اب ذیل میں ابواب معہ متعلقہ روایات کی تشریح ملاحظہ ہو۔

بَاب ۱ : وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (الأنعام: ۶۰)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور اس کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اُنہیں کوئی نہیں جانتا مگر وہی

٤٦٢٧ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (لقمان:۳۵)

أطرافه: ١٠٣٩، ٤٦٩٧، ٤٧٧٨، ٧٣٧٩-

۴۶۲۷: عبدالعزیز بن عبداللہ نے ہم سے بیان کیا کہ ابراہیم بن سعد نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے سالم بن عبداللہ سے، اُنہوں نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیب کی چابیاں پانچ ہیں (اور یہ آیت پڑھی:) قیامت (یا کسی قوم کے آخری فیصلہ) کا علم اللہ ہی کو ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور رحموں میں جو کچھ ہے اسے جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا عمل کرے گا۔ اور نہ کوئی شخص جانتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ اللہ ہی یقیناً جاننے والا (اور) خبر رکھنے والا ہے۔

تشریح: وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ...: معنونہ آیت پوری یہ ہے: قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ○ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (الأنعام:۵۹،۶۰) تو (اُن سے) کہہ دے کہ جس چیز کے متعلق تم جلدی کے خواہاں ہو اگر وہ میرے پاس ہوتی تو میرے اور تمہارے درمیان (اختلافی) امر کا فیصلہ (کبھی کا) ہو جاتا اور اللہ ظالموں کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ (جب چاہے گا فیصلہ کر دے گا) اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ سوائے اُس کے اُن (غیبوں) کو کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے وہ اسے جانتا ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اسے جان لیتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی تر (چیز) ہے اور نہ خشک (چیز) جو (اس کی) کھلی (کھلی) حفاظت میں نہ ہو۔

سیاق کلام کا تعلق کفار مکہ کے محاسبہ اور انجام بد سے ہے اور روایت زیر باب میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورۂ لقمان میں وارد ہوئی ہے اور وہ یہ ہے: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي

الۡاَرۡحَامِ ؕ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّا ذَا تَکۡسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ○(لقمان:۳۵) ترجمہ: قیامت (یا کسی قوم کے آخری فیصلہ) کا علم اللہ ہی کو ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور رحموں میں جو کچھ ہے اسے جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا عمل کرے گا۔ اور نہ کوئی شخص جانتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ اللہ ہی یقیناً جاننے والا (اور) خبر رکھنے والا ہے۔

پہلی آیت کا سیاق واضح طور پر کفار عرب کے انجام بد سے متعلق ہے۔ جس پر آیت قُلۡ لَّوۡ اَنَّ عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِہٖ لَقُضِیَ الۡاَمۡرُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِالظّٰلِمِیۡنَ ○ (الأنعام: ۵۹)[1] دلالت کرتی ہے۔ اسی سیاق سے مابعد کی آیت کا بھی تعلق ہے۔ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ بہت سے امور کو شامل رکھتا ہے۔ جن میں سے ایک تباہی کی گھڑی ہے جو کسی ظالم قوم کے لیے مقدر ہوتی ہے۔ سورۃ الأنعام کی معنونہ آیت کی شرح کے تعلق میں روایت زیر باب کے نقل کرنے سے ظاہر ہے کہ امام موصوف کے نزدیک سورۂ لقمان کی آیت کا تعلق قومی ہلاکت اور اس کے احیاء سے ہے جو اپنے وقت پر الٰہی سنتِ اماتت و احیاء کے مطابق اسی طرح ظہور میں آتے ہیں۔ جس طرح زمین کی روئیدگیاں جو بغیر آسمانی پانی کے ناممکن ہے کہ وجود میں آئیں، مردہ زمین بغیر پانی کے کبھی زندہ نہیں ہو سکتی۔ مشرکین اہل مکہ جو ظالم طبع تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا چکے تھے، وہ بطور اتمام حجت مخاطب کیے گئے ہیں۔ فرماتا ہے: یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ وَ اخۡشَوۡا یَوۡمًا لَّا یَجۡزِیۡ وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِہٖ ۫ وَ لَا مَوۡلُوۡدٌ ہُوَ جَازٍ عَنۡ وَّالِدِہٖ شَیۡئًا ؕ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا ٝ وَ لَا یَغُرَّنَّکُمۡ بِاللّٰہِ الۡغَرُوۡرُ ○(لقمان:۳۴) اے لوگو اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ بھی اپنے بیٹے کے کام نہ آسکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کام آسکے گا۔ اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔ پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ دھوکہ دینے والا شیطان تم کو اللہ کے بارے میں دھوکہ میں ڈالے۔ اسی تعلق میں فرماتا ہے کہ اس گھڑی کا جس میں کوئی نفس کسی نفس کے کام نہ آئے گا اُس کا یقینی علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

وَ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ اس قیامت خیز گھڑی کے قیام پر رحمتِ باراں بھی ہو گی۔ جس میں ایک دنیا جہان کی زندگی ہے اور رحموں میں جو نیک اولاد پیدا ہو گی وہ صالح وابدال اور اولیاء اللہ ہو گی اور قوموں کے لیے ایسے طور سے راہ نما ہو گی کہ لوگوں کو اس کا علم نہیں، اللہ ہی کو اُن کی شان کا علم ہے۔

وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّا ذَا تَکۡسِبُ غَدًا (لقمان:۳۵) کسی نفس کو علم نہیں کہ جو کام وہ اس وقت کر رہا ہے اس کے کل کیا کیا نتائج نکلنے والے ہیں۔ سورۃ الأنعام کا آغاز اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ[2] (الأنعام: ۲) خالق ارض و سماوات و خالق ظلمات و نور کی حمد سے ہے۔ تیسری اور چوتھی آیت میں یہ مضمون ہے کہ وہ زمین و آسمان کا معبودِ حقیقی تمہاری چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ تم کیا کچھ کمار ہے ہو۔ تمہیں عنقریب بہت بڑے

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''تو کہہ دے کہ اگر وہ بات جس کی تم جلدی کرتے ہو میرے ہاتھ میں ہوتی تو (اب تک) ضرور میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔''

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''تمام حمد اللہ ہی کی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔''

بڑے نشان دکھائے جائیں گے۔ نیز فرماتا ہے: اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۖ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ○ (الأنعام: ۷) کیا انہیں معلوم نہیں کہ ان سے پہلے کتنے ہی زمانوں (کے لوگوں) کو جنہیں ہم نے زمین میں اتنی طاقت بخشی تھی جتنی طاقت تمہیں (یعنی اس زمانہ کے لوگوں کو) نہیں بخشی، ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر بادلوں کو موسلا دھار بارش برساتے ہوئے بھیجا تھا اور ان سے ایسی نہریں چلائیں تھیں جو ان کے قبضہ اور تصرف میں چلتی تھیں پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ایک اور نسل پیدا کر دی۔ بیان کردہ سیاق کلام میں آیت کے باقی ماندہ حصے وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ (لقمان: ۳۵) کا مفہوم واضح ہے کہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ کس زمین میں اُس کی موت ہوگی، نیک لوگوں کے ساتھ یا بدوں کے ساتھ۔ اسی مضمون کے تعلق میں سورۃ الأنعام کی معنونہ آیت عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ کی شرح، سورۃ لقمان آیت ۳۴، ۳۵ کے حوالہ سے امام بخاری نے کی ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ امام بخاری کو قرآن مجید کی آیات کا مفہوم سمجھنے میں کتنی بصیرت حاصل ہے۔

بَاب ۲

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ الْآيَة (الأنعام: ٦٦)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تو (اُن سے) کہہ دے وہ اس (بات) پر بھی قادر ہے کہ تمہارے اوپر کی طرف سے عذاب نازل کرے

يَلْبِسَكُمْ (الأنعام: ٦٦) يَخْلِطَكُمْ مِنَ الْاِلْتِبَاسِ. يَلْبِسُوا (الأنعام: ٨٣) يَخْلِطُوا. شِيَعًا (الأنعام: ٦٦) فِرَقًا.

يَلْبِسَكُمْ (جو اس آیت میں آیا ہے) اس کے معنی ہیں تمہیں آپس میں گتھم گتھا کر دے یہ الِالْتِبَاس سے ہے۔ يَلْبِسُوا کے معنی ہیں ملا دیئے۔ شِيَعًا کے معنی ہیں گروہ در گروہ۔

٤٦٢٨: حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ (الأنعام: ٦٦) قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعُوذُ بِوَجْهِكَ قَالَ: اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ (الأنعام: ٦٦)

۴۶۲۸: ابو نعمان نے ہم سے بیان کیا کہ حماد بن زید نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے عمرو بن دینار سے، عمرو نے حضرت جابر (بن عبد اللہ انصاری) رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: جب آیت قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا... نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: میں تیری ذات کی پناہ لیتا ہوں۔ پھر اللہ نے فرمایا: اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ. آپؐ نے کہا: میں تیری ذات کی پناہ

قَالَ أَعُوذُ بِوَجْهِكَ: اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (الأنعام:٦٦) قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا أَهْوَنُ أَوْ هَذَا أَيْسَرُ.

لیتا ہوں۔ (اللہ نے پھر فرمایا:) اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ (اس سے) ہلکا ہے یا فرمایا یہ (اس سے) آسان ہے۔

أطرافه: ٧٣١٣، ٧٤٠٦۔

تشریح: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ: عنوان باب میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں تین قسم کی سزاؤں کا ذکر ہے۔ ایک قسم آسمانی جو ملائکۃ اللہ کے خالص تصرف سے نازل ہوتی ہے اور انسان اس میں بے بس ہوتا ہے۔ اس کی روک تھام کے لیے نہ اسباب اختیار کر سکتا ہے نہ مہلت ملتی ہے کہ ان اسباب کا خیال ہی کر سکے۔ اللہ تعالیٰ سزا سے متعلق اپنی سنت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ جب وہ ترقی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے آباء و اجداد کو بھی دکھ سکھ پہنچ چکے ہیں۔ ہمیں پہنچے تو کیا ہے۔ اس طرح جب وہ نڈر ہو جاتے ہیں فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (الأعراف: ۹۶) تو ہم اُنہیں اچانک گرفت میں لے لیتے ہیں بحالیکہ اُنہیں شعور تک نہیں ہوتا کہ کوئی عذاب آنے والا ہے اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّ هُمْ نَآئِمُوْنَ (الأعراف: ۹۸) ہمارا عذاب اُنہیں رات کو آئے اور وہ سوئے ہوں۔ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّ هُمْ يَلْعَبُوْنَ (الأعراف: ۹۹) اُنہیں دوپہر کو ہمارا عذاب آئے جبکہ وہ کھیل رہے ہوں۔ غرض ایک قسم آسمانی سزا کی ہے جس کو معنونہ آیت میں عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ سے تعبیر کیا گیا ہے

اور دوسری قسم عذاب مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ (الأنعام : ٦٦) کے الفاظ سے بیان فرمائی ہے۔ تمہارے پاؤں کے نیچے سے، جیسے سیلاب و زلازل وغیرہ یا ماتحت لوگوں کے ذریعہ سے، جیسے رعیت کی بغاوت۔ زارِ روس کا حال زار ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور موجودہ زمانے میں آئے دن اس قسم کی سزا کا مشاہدہ بار بار کرایا جا رہا ہے۔ ساری قوم بالاتفاق آگ بگولے کی طرح اٹھتی اور قصر بریں کے اندر آغوشِ عیش و عشرت میں کروٹیں لینے والے متنعّمین کو واصل جہنم کر دیتی ہے۔

تیسری قسم کی سزا کا ذکر الفاظ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (الأنعام:٦٦) سے فرمایا ہے۔ عنوان باب میں يَلْبِسُ کے معنی باب اِفْعَال کے مفہوم میں ہیں یعنی ایک دوسرے کے ساتھ الجھانا، گتھم گتھا کر دینا۔ یہ شرح ابوعبیدہ سے مروی ہے۔[1] شِيَعًا سے مراد ہے کہ فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے پر پل پڑو۔ طبری نے حضرت ابن عباسؓ سے شِيَعًا کا مفہوم اَلْاَهْوَاءُ الْمُخْتَلِفَةُ نقل کیا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۶۹) یعنی مختلف خواہشات نفس میں تمہیں مبتلا کر کے آپس میں گلو گیر کر دے۔ اس سے مراد خانہ جنگی ہے جو بہتوں کی ہلاکت و تباہی کا باعث ہوتی ہے۔ اس باب کے تحت جو روایت (نمبر ۴۶۲۸) نقل کی گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان تین

[1] (مجاز القرآن لابی عبیدۃ، سورۃ الأنعام آیت: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ، جزء اول صفحہ ۱۹۴)

قسم کے عذابوں میں سے آسمانی عذاب اور زمینی عذاب ہولناک ہیں۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے اور تفرقہ و خانہ جنگی کے عذاب کو باقی عذابوں کی نسبت آسان تر بتایا ہے۔ مگر یہ تینوں سزائیں ہی جب شدت اختیار کر لیتی ہیں تو ناقابل برداشت ہو جاتی ہیں۔ امام ابن حجرؒ نے امام مسلمؒ، امام احمد بن حنبلؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، طبریؒ اور ابن ابی حاتمؒ وغیرہ کی متعدد روایتیں معنونہ آیت کے تعلق میں نقل کی ہیں کہ فوقانی عذاب سے بافراط باراں اور رجم آگ بگولے و طوفان اور قحط وغیرہ مراد ہیں اسی طرح اس سے اَئِمَّةُ السُّوْءِ بُرے امام و سردار بھی ہو سکتے ہیں اور تحتانی عذاب سے جس طرح زلزلے وغیرہ مراد ہیں۔ خُدَّامُ السُّوْءِ (یعنی بُرے ملازم) بھی ہو سکتے ہیں اور اس بارہ میں حضرت اُبَیّ بن کعبؓ کی روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ یہ خیال درست نہیں کہ آسمانی قسم کا عذاب رجم وخسف وغیرہ تو امت محمدیہ پر نہیں آئے گا اور تفرقہ و خانہ جنگی وغیرہ کا عذاب آسکتا ہے بلکہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت میں جو امام احمد بن حنبل اور ترمذی نے نقل کی ہے یہاں تک صراحت ہے: (سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ ، قُلْ هُوَ الْقَادِرُ إِلٰى آخِرِهَا فَقَالَ اَمَا اِنَّهَا كَائِنَةٌ وَلَمْ يَأْتِ تَأْوِيْلُهَا بَعْدُ)[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی نسبت پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ سزائیں ضرور واقع ہوں گی مگر ابھی تک ان کی تاویل ظاہر نہیں کہ کب اور کس صورت میں وقوع پذیر ہوں گی۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۶۹ تا ۳۷۱) مشارٌ الیہ روایتیں بعض تو مرفوع ہیں اور بعض مرسل اور وہ امام بخاریؒ کی شرائط صحت کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے نظر انداز کی گئی ہیں۔

مذکورہ بالا روایات میں سے بعض میں یہ صراحت ہے کہ جس طرح پہلی قومیں ہمہ گیر عذاب سے دوچار ہوئیں جس نے ہمیشہ کے لیے اُن کو بیخ و بُن سے اکھیڑ دیا۔ اُمت محمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امت میں سے اہل اللہ کی دعاؤں کے طفیل ایسی ہمہ گیر تباہی سے بچائی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

آنحضرت ﷺ کو مذکورہ بالا عذابوں کے متعلق متعدد مکاشفات کے ذریعہ مطلع کیا گیا ہے اور آپؐ نے انہیں بیان فرمایا ہے جو اپنے موقع پر بیان کیے جائیں گے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ۔ معنونہ آیت پوری یہ ہے: قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ○ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ○ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ○ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ (الأنعام: ۶۵ تا ۶۸) تو (اُن سے) کہہ دے کہ اللہ (ہی) تمہیں اس سے (بھی) اور ہر اِک (دوسری) گھبراہٹ سے (بھی) بچاتا ہے۔ پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو۔ تو (ان سے) کہہ دے وہ اس (بات) پر بھی قادر ہے کہ تمہارے اوپر کی طرف سے عذاب نازل کرے یا تمہارے پاؤں کے نیچے کی طرف سے یا تمہیں (ایک دوسرے کے خلاف) آپس میں مختلف

[1] (ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الانعام)
(مسند احمد بن حنبل، مسند سعد بن ابی وقاص، جزء اول صفحہ ۱۷۰)

گروہوں کی صورت میں ملادے اور تم میں سے بعض کی طرف سے بعض کو تکلیف پہنچائے۔ دیکھ ہم دلیلوں کو کس طرح بار بار بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سمجھیں اور تیری قوم نے اس (امر یعنی پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ سچا ہے۔ تو اُن سے کہہ دے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ہر ایک پیشگوئی کی ایک حد مقرر ہوتی ہے اور تم جلد ہی (حقیقت کو) جان لوگے۔

بَاب ۳: وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الأنعام: ۸۳)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اُنہوں نے اپنے ایمانوں کو کسی قسم کے ظلم سے نہیں ملایا

۴۶۲۹: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الأنعام: ۸۳) قَالَ أَصْحَابُهُ وَأَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ فَنَزَلَتْ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان: ۱۴).

۴۶۲۹: محمد بن بشار نے مجھ سے بیان کیا کہ ابن ابی عدی نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے شعبہ (بن حجاج) سے، شعبہ نے سلیمان (اعمش) سے، سلیمان نے ابراہیم (نخعی) سے، اُنہوں نے علقمہ سے، علقمہ نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: جب آیت وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ نازل ہوئی۔ آپؐ کے صحابہ نے کہا: اور ہم میں سے کون ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو؟ تب یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ شرک بہت بڑا گناہ ہے۔

أطرافه: ۳۲، ۳۳۶۰، ۳۴۲۸، ۳۴۲۹، ۴۷۷۶، ۶۹۱۸، ۶۹۳۷-

تشریح: وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ: اس آیت میں ظلم سے مراد شرک باللہ ہے جیسا کہ روایت زیر باب میں صراحت ہے۔ ظلم کے معنی ہیں: وَضْعُ الشَّيْئِ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعِهٖ۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب المظالم جزء۵ صفحہ ۱۱۸) کسی چیز کو بے محل رکھنا۔ ہر اِک قسم کی بد اخلاقی اور ناجائز باتیں ظلم کے مفہوم میں شامل ہیں۔ عبادت یعنی محبت و اطاعت جو دراصل اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اس میں غیروں کو شریک بنالیا جاتا ہے۔ انسان جو اس کا بندہ تھا اور اس کی مرضی پوری کرنے کے لیے آیا تھا۔ اپنے نفس کا یا اپنے جیسے انسان کا یا ادنیٰ ادنیٰ ہستیوں کا بندہ بن کر اپنے آپ کو اس مقام سے بہت نیچے گرا دیتا ہے، جس پر کھڑا ہونے کے لیے اسے پیدا کیا گیا۔ حقوق العباد میں ناجائز تصرف جس قدر ظلم ہے، حقوق اللہ میں ناجائز تصرف اس سے بدرجہا بڑھ کر ظلم ہے۔ یہ ظلم کا مفہوم ہے جو شرک میں پورے طور پر پایا جاتا ہے۔ شرک دراصل انسان کے غائیہ کمالیہ کو برباد کرنے والا ہے۔ ایمان کامل وہ ہے جو شرک کی ملونی سے بکلی پاک ہو اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (الأنعام: ۸۳)

کامل امن اور ہدایت ایسے ہی لوگوں کا حصہ ہے، جن کے ایمان میں کسی قسم کے شرک اور ظلم کی ملونی نہ ہو۔ ایمان اس وقت تک کامل نہیں، جب تک کہ ایک طرف اعمال صالحہ اس کے ساتھ نہیں اور دوسری طرف وہ ہر قسم کے ظلم سے خالی نہیں۔ کیونکہ شرک اور گناہ اور ہر قسم کا کفر اس کو ناقص کرتا رہتا ہے۔

فَنَزَلَتْ اِنَّ الشِّرْكَ... سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ گویا اسی وقت یہ وحی نازل ہوئی۔ یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۔ سورۂ لقمان کی آیت نمبر ۱۴ ہے جو مکی زندگی کے درمیانی عرصہ میں نازل ہوئی تھی اور اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ۔سورۃ الأنعام کی آیت نمبر ۸۳ ہے جو ہجرت سے ایک سال پہلے نازل ہوئی تھی۔ گویا ان دونوں سورتوں کے درمیان کم ازکم چار پانچ سال کا عرصہ ہے۔ اس لیے الفاظ فَنَزَلَتْ سے سابقہ آیت کا صرف حوالہ دینا اور اس سے استدلال کرنا ہی مراد ہے۔ کسی قرینے (یعنی لفظی یا معنوی مناسبت) سے عرب لوگ بات مختصر بیان کرنے کے عادی تھے اور اس اختصار میں حد درجہ کے غلو تک پہنچے ہوئے تھے۔ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ اَنْزَلَهُ اَبًا۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب ۶ جزء ۱۲ صفحہ ۱۹) اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے (دادا) کو باپ اُتارا۔ لیکن مراد یہ ہے کہ حقوق وراثت میں دادا کو بمنزلہ باپ قرار دے کر اس کو باپ کا حصہ دلایا۔ یہاں بھی اسی قسم کا حذف و اختصار ہے۔ چنانچہ امام علامہ عینیؒ اور دیگر شارحینؒ نے یہ روایت مستند طریق سے یوں بھی نقل کی ہے: فَقَالُوْا اَيُّنَا لَمْ يَلْبِسْ اِيْمَانَهُ بِظُلْمٍ فَقَالَ (رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لَيْسَ بِذٰلِكَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِلٰى قَوْلِ لُقْمَانَ یعنی آپؐ نے فرمایا: یہ مراد نہیں، لقمان کا قول تم نہیں سنا کرتے۔ یعنی اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۔ دوسری روایت میں ہے: لَيْسَ كَمَا تَظُنُّوْنَ ۔[1] جیسا تم سمجھتے ہو وہ نہیں اور ایک تیسری روایت میں ہے۔ اِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ[2] یعنی یہاں ظلم تو بمعنی شرک ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب الایمان، باب ۲۳ جزء اول صفحہ ۱۱۹)
(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الایمان، باب ۲۳ جزء اول صفحہ ۲۱۵)

غرض سورتوں کی تاریخوں سے نیز اِن روایتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد صرف حوالہ دینا اور استدلال کرنا ہے۔ شانِ نزول کے بھی یہی معنی ہیں یعنی آیت کو کسی مضمون یا واقعہ پر چسپاں کرنا، جیسا کہ اس میں اور بھی بہت سی مثالیں آگے آئیں گی۔

اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ: صحابہؓ نے ظلم سے مطلق گناہ مراد لیا ہے مگر آنحضرت ﷺ نے دوسری آیت کے حوالہ سے اس کی تشریح فرمادی کہ ظلم سے مراد شرک ہے۔ (ماخوذ از ترجمہ و شرح صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۷۹، ۸۰)

---

[1] (بخاری، کتاب استتابة المرتدين، باب ما جاء في المتأولين، روایت نمبر ۶۹۳۷)
[2] (بخاری، کتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ، روایت نمبر ۳۴۲۹)

بَاب ٤ : وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الأنعام: ٨٧)

اور یونس اور لوط کو (بھی ہدایت دی تھی) اور اُن سب کو ہم نے تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی

٤٦٣٠ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عَمِّ نَبِيِّكُمْ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَّقُولَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى.

أطرافه: ٣٣٩٥، ٣٤١٣، ٧٥٣٩۔

۴۶۳۰: محمد بن بشار نے ہمیں بتایا۔ (عبدالرحمٰن) بن مہدی نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے قتادہ سے، قتادہ نے ابوالعالیہ سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: تمہارے نبی کے چچازاد بھائی یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے بیان کیا۔ اُنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: کسی بندے کو نہیں چاہیئے کہ وہ یوں کہے کہ میں یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں۔

٤٦٣١ : حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنَا سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ سَمِعْتُ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَّقُولَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى.

أطرافه: ٣٤١٥، ٣٤١٦، ٤٦٠٤، ٤٨٠٥۔

۴۶۳۱: آدم بن ابی ایاس نے ہم سے بیان کیا۔ شعبہ نے ہمیں بتایا کہ سعد بن ابراہیم نے ہم کو خبر دی۔ اُنہوں نے کہا: میں نے حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف سے سنا۔ اُنہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: کسی بندے کو نہیں چاہیئے کہ وہ یوں کہے کہ میں یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں۔

تشریح: وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ: معنونہ آیت پوری یہ ہے: وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ وَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ وَ اجْتَبَيْنٰهُمْ وَ هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (الأنعام: ۸۷،۸۸) اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو (بھی ہدایت دی تھی) اور ان سب کو ہم نے تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی۔ اور ان کے باپ دادوں اور ان کی اولاد اور اُن کے بھائیوں کو (بھی ہم نے ہدایت دی تھی) اور ہم نے اُنہیں چن لیا تھا اور اُنہیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کی تھی۔ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا معطوف ہے، ماسبق آیات پر جن میں ابراہیم و اسحاق و یعقوب، داؤد و سلیمان

وایوب ویوسف اور موسیٰ وہارون اور اُن کے بعد زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام کا ذکر فرمایا اور بتایا ہے کہ تمام مرسلین ربانی اپنے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دیئے گئے تھے اور مذکورہ بالا انبیاء کو مختلف درجات میں عزت بخشی گئی۔

مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى: کتاب احادیث الانبیاء میں بھی یہ مضمون گذر چکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا ممانعت سے یہ نہیں پایا جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یونس بن متّٰی پر عند اللہ اور حقیقت میں فضیلت حاصل نہیں تھی بحالیکہ نص صریح سے ظاہر ہے کہ انبیاء کو بعض باتوں میں ایک دوسرے سے ممتاز کیا گیا ہے۔ بلکہ اس ممانعت سے فضول رقابت و نزاع کا دروازہ بند کرنا مقصود ہے۔ اس تعلق میں مزید تشریح کتاب احادیث الانبیاء باب ۳۱، ۳۲ میں دیکھی جائے۔

بَاب ۵: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (الأنعام: ۹۱)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے راہ راست پر چلایا۔ اس لیے اُنہی کے راستے کی تو بھی پیروی کر

٤٦٣٢: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ الْأَحْوَلُ أَنَّ مُجَاهِدًا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ أَفِي صٓ سَجْدَةٌ فَقَالَ نَعَمْ ثُمَّ تَلَا وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ إِلَى قَوْلِهِ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (الأنعام: ۸۵-۹۱) ثُمَّ قَالَ هُوَ مِنْهُمْ.

۴۶۳۲: ابراہیم بن موسیٰ نے مجھ سے بیان کیا۔ ہشام (بن یوسف) نے ہمیں بتایا کہ ابن جریج نے اُنہیں خبر دی، کہا: سلیمان احول نے مجھ سے بیان کیا کہ مجاہد نے اُن کو بتایا کہ اُنہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا: کیا سورۃ صٓ میں سجدہ ہے؟ اُنہوں نے کہا: ہاں، یہ کہہ کر اُنہوں نے یہ آیت پڑھی: وَ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ ... فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ۔[1] پھر اُنہوں نے کہا: حضرت داؤدؑ بھی اُنہیں میں سے ہیں۔

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اور اس کو ہم نے اسحق اور یعقوب عطا کئے سب کو ہم نے ہدایت دی اور نوح کو ہم نے اس سے پہلے ہدایت دی تھی اور اُس کی ذرّیت میں سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو بھی اور اسی طرح ہم احسان کرنے والوں کو جزا عطا کیا کرتے ہیں۔ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس (کو بھی) یہ سب کے سب صالحین میں سے تھے۔ اور اسماعیل کو اور الیسع کو اور یونس کو اور لوط کو بھی اور ان سب کو ہم نے تمام جہانوں پر فضیلت بخشی۔ اور ان کے آباء و اجداد میں سے اور ان کی نسلوں میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے (بھی بعض کو فضیلت بخشی) اور اُنہیں ہم نے چُن لیا اور صراطِ مستقیم کی طرف اُنہیں ہدایت دی۔ یہ ہے اللہ کی ہدایت جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے راہنمائی کرتا ہے اور اگر وہ شرک کر بیٹھتے تو ان کے وہ اعمال ضائع ہو جاتے جو وہ کرتے رہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی پس اگر یہ لوگ اس کا انکار کر دیں تو ہم یہ (معاملہ) ایک ایسی قوم کے سپرد کر دیں گے جو ہرگز اس کے منکر نہیں ہوں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی پس ان کی (اُس) ہدایت کی پیروی کر (جو اللہ ہی نے عطا کی تھی۔)"

زَادَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ وَسَهْلُ بْنُ يُوسُفَ عَنِ الْعَوَّامِ عَنْ مُّجَاهِدٍ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ أُمِرَ أَنْ يَّقْتَدِيَ بِهِمْ.

یزید بن ہارون، محمد بن عبید اور سہل بن یوسف نے عوام (بن حوشب) سے، عوام نے مجاہد سے روایت کرتے ہوئے یہ زائد بیان کیا۔ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا: تو اُنہوں نے کہا: تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُنہی لوگوں میں سے ہیں جن کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔

أطرافه: ۳۴۲۱، ۴۸۰۶، ۴۸۰۷۔

تشریح: **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ:** یہ آیت سورۃ الأنعام کی آیت نمبر ۹۱ ہے۔ جس میں مذکورہ بالا انبیاء کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنے اپنے وقت پر لوگوں کی ہدایت کے لیے چنا اور صراطِ مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی فرمائی۔ سبھی کا قبلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات تھی۔ اسی ذات سے رابطہ پیدا کرنے کرانے کی اُنہیں ہدایت تھی اور اسی کی اُن انبیاء نے بنی نوع انسان کو دعوت دی۔ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۟ (الأنعام:۹۱) پس تو ان کی ہدایت کی پیروی کر۔ تو اُن سے کہہ دے کہ میں اس پر تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا۔ یہ تو صرف تمام جہانوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔

روایت زیر باب سے ظاہر ہے کہ مجاہد کے استفسار پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سورۃ الأنعام کی آیات وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ... آخر رکوع تک تلاوت کر کے اُنہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمرہ انبیاء میں شامل ہیں جن کی اقتداء کا لوگوں کو حکم دیا گیا ہے۔ الفاظ ثُمَّ قَالَ هُوَ مِنْهُمْ اور الفاظ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ أُمِرَ أَنْ يَّقْتَدِيَ بِهِمْ کا ایک ہی مفہوم ہے اور سورۃ صٓ کا حوالہ بھی استفسار کے جواب کا تتمہ ہے کیونکہ اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و شریعت دیئے جانے کا ذکر ہے۔ جس کی پیروی دنیا کی تمام قوموں پر لازمی قرار دی گئی ہے۔ سورۃ صٓ کو صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۟ (صٓ:۲)[1] کی شہادت کے ساتھ شروع کر کے سورۃ الأنعام والی آیت قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اور اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (صٓ:۸۷،۸۸)[2] پر ختم کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ پیشگوئی ہے وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۟ (صٓ:۸۹) اور کچھ عرصہ کے بعد تمہیں اس عظیم الشان خبر کا ضرور علم ہو جائے گا کہ آپؐ کی دعوت کس طرح سارے جہان میں مقبول اور اثر انداز ہوگی۔

غرض اس سورۃ کے حوالہ سے فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ کا صحیح مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''صَادِقُ الْقَوْلِ: قول کا سچا قسم ہے ذکر والے قرآن کی۔''

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''تو کہہ دے کہ میں تم سے اس (بات) پر کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ ہی میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔ یہ تو تمام جہانوں کے لئے ایک عظیم نصیحت کے سوا کچھ نہیں۔''

اللہُ۔ وہ انبیاء جنہیں اللہ نے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائی ہے ان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں۔
سورۃ صٓ میں بھی سابقہ انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتا اور فرماتا ہے:
قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۚ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ○ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۙ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ○ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○ اِنْ يُّوْحٰى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (صٓ:۶۶ تا ۷۱) تو (اُن سے) کہہ دے کہ میں تو صرف ایک ڈرانے والا ہوں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا (اور) غالب ہے۔ آسمانوں اور زمین کا ربّ ہے اور جو کچھ اِن دونوں کے درمیان ہے اس کا بھی۔ (وہ) غالب ہے (اور اس کے باوجود) بخشنے والا ہے۔ تو کہہ دے کہ یہ ایک بڑی خبر ہے۔ (مگر) تم اس سے منہ پھیر رہے ہو۔ مجھے بلند شان فرشتوں کا کوئی علم نہیں تھا جبکہ وہ (یہ) بحث کر رہے تھے (کہ اس زمانہ میں ہدایت دینے کے لیے کون شخص مناسب ہے) مجھے تو صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ میں کھول کھول کر بیان کرنے والا نذیر (یعنی نبی) ہوں۔

بعثتِ نبوی کے تعلق میں ایک بشر کے پیدا کرنے کا ذکر کر کے فرماتا ہے: فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (صٓ:۷۳ تا ۷۵) پس جب میں اسے مکمل کر لوں اور اس میں اپنا کلام ڈال دوں تو تم لوگ فرمانبرداری کے ساتھ اس کے آگے جھک جاؤ۔ پس سب کے سب ملائکہ نے اس کی فرمانبرداری اختیار کر لی۔ سوائے ابلیس کے جس نے تکبر کیا اور وہ پہلے سے ہی کافر تھا۔ اس سیاق کلام سے واضح ہو جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آپؐ کے زمانے کے لوگوں پر اُسی طرح واجب ہے جس طرح سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اطاعت اُن کے اپنے وقت میں اور اِس سے محرومی مستوجب لعنت و رحمتِ الٰہی سے دوری ہے جس طرح پہلوں کا انکار۔ یہ خلاصہ ہے مجاہدؒ کے استفسار اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جواب کا، نص لطیف اور مدلّل پیرایہ سے غلط فہمی دور کی گئی ہے اور امام بخاریؒ کا معنونہ آیت کے مفہوم کو واضح کرنے کی غرض سے روایت مذکورہ بالا سے استدلال اُن کے وسعت علم اور عمیق نظر پر دلالت کرتا ہے۔

بَاب ٦: وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ الْآيَةَ (الأنعام: ١٤٧)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور جو لوگ یہودی ہیں ہم نے ان پر ہر اِک ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا اور گائے (بیل) اور بھیڑ (بکری) میں سے ہم نے اُن پر ان دونوں کی چربیاں حرام کر دی تھیں

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ (الأنعام: ١٣٧) اَلْبَعِيْرُ وَالنَّعَامَةُ.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ سے مراد اونٹ اور شتر مرغ ہیں۔ اَلْحَوَايَا سے

الْحَوَايَآ (الأنعام:١٣٧) الْمَبْعَرُ. وَقَالَ غَيْرُهُ هَادُوْا (الأنعام:١٣٧) صَارُوا يَهُودًا. وَأَمَّا قَوْلُهُ هُدْنَآ (الأعراف:١٥٧) تُبْنَا. هَائِدٌ تَائِبٌ.

وہ انتڑیاں مراد ہیں جن میں مینگنیاں ہوتی ہیں۔ دوسروں نے کہا: هَادُوْا یعنی وہ یہودی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا جو قول ہے: (هُدْنَآ اِلَيْكَ اس میں) هُدْنَآ کے معنی ہیں ہم نے توبہ کی۔ هَائِدٌ کے معنی ہیں توبہ کرنے والا۔

٤٦٣٣: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ قَالَ عَطَاءٌ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ لَمَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا جَمَلُوهَا ثُمَّ بَاعُوهَا فَأَكَلُوهَا. وَقَالَ أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ كَتَبَ إِلَيَّ عَطَاءٌ سَمِعْتُ جَابِرًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۴۶۳۳: عمرو بن خالد نے ہم سے بیان کیا کہ لیث (بن سعد) نے ہمیں بتایا کہ یزید بن ابی حبیب سے روایت ہے کہ عطاء (بن ابی رباح) نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا۔ (وہ کہتے تھے:) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: آپؐ نے فرمایا: اللہ اِن یہودیوں کو ہلاک کرے جب اللہ نے اُن پر ان جانوروں کی چربیاں حرام کیں تو اُنہوں نے اُن چربیوں کو گلایا اور اُن کو بیچا اور اِس طرح اُن کو کھایا۔ اور ابوعاصم (نبیل) نے اِس سند کو یوں نقل کیا، کہا: عبدالحمید (بن جعفر) نے ہم سے بیان کیا کہ یزید (بن ابی حبیب) نے ہمیں بتایا: عطاء نے مجھ کو یہ لکھا کہ میں نے حضرت جابرؓ سے سنا۔ وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے تھے۔

أطرافه: ٢٢٣٦، ٤٢٩٦۔

تشریح: وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ: یہ آیت حلّت و حرمت سے متعلق آیات کا حصہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں شریعت موسویہ کی مخصوص و وقتی پابندی ملحوظ نہیں رکھی گئی اور حلال و حرام اشیاء میں سے چند ایک حرام قرار دے کر باقی میں آزادی دی گئی ہے۔ مثلاً مردہ یا جسم سے نکلا ہوا خون یا سوٴر کا گوشت یا غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ جانور یا نذرانے یہ سب ہماری شریعت میں

حرام قرار دیے گئے ہیں۔ اِسی طرح مشرکین کی خودساختہ حرام و حلال کی پابندی بھی اسلام نے ملحوظ نہیں رکھی۔

مذکورہ بالا حکم حرمت کے تعلق میں اضطراری صورت کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، بشرطیکہ خواہش نفس نہ ہو اور حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یعنی اتنا کھایا پیا جائے جس سے جان بچ سکتی ہو اور شریعت موسوی میں جس مخصوص و عارضی حرمت کا معنونہ آیت میں حوالہ دیا گیا ہے اس کا ذکر کتاب احبار باب ۳، ۴ میں ملاحظہ ہو۔ ان میں سلامتی اور خطا کی مخصوص قربانیوں کا طریق بیان ہوا ہے کہ گائے بیل وغیرہ جو کُھر دار جانور ہیں ان میں سے کسی کو کاہن بطور سوختنی قربانی کے چڑھائے خواہ وہ نر ہو یا مادہ۔ وہ بے عیب ہونی چاہئیں اور انتڑیوں وغیرہ سے لپٹی ہوئی ان کی چربیاں جدا کر کے جلائی جائیں۔ قربانی کے ناموں سلامتی کی قربانی اور خطا کی قربانی اور احبار باب ۴ : ۲۶ سے ظاہر ہے کہ یہ قربانیاں بطور کفارۂ معصیت و سرکشی ہیں۔ اسی طرف آیت ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ (الأنعام: ۱۴۷)[۱] اشارہ کرتی ہے۔

امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کر کے سابقہ باب کی آیت سے جو غلط مفہوم سمجھا گیا تھا اسے ایک معین مثال سے واضح کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ شریعت اسلامیہ میں احکام کی بنیاد بالکل الگ ہے۔ پوری آیت یہ ہے: وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○ (الأنعام: ۱۴۷) اور جو لوگ یہودی ہیں ہم نے اُن پر ہر اِک ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا اور گائے (بیل) اور بھیڑ (بکری) میں سے ہم نے ان پر اُن دونوں کی چربیاں باستثناء اس (چربی) کے جو اُن کی پیٹھوں یا انتڑیوں پر ہو یا جو ہڈی سے ملی ہوئی ہو حرام کر دی تھیں۔ یہ ہم نے اُنہیں اُن کی نافرمانی کی وجہ سے سزا دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں۔

عنوان باب میں بعض الفاظ کی شرح ہے جو حسب ذیل ہے:

كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ: یعنی کُھر دار جانور، اِن میں اونٹ اور شُتر مرغ بھی شامل ہیں۔

الْحَوَايَآ: یعنی وہ انتڑیاں جن میں مینگنیاں ہوتی ہیں۔

هَادُوْا: کے معنی ہیں یہودی ہوئے اور هُدْنَآ کے معنی ہیں ہم نے رجوع کیا۔ توبہ کے معنوں میں لفظ هُدْنَآ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں آیا ہے: وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ اور تو ہمارے لیے اس دنیا میں بھی نیکی لکھ اور آخری زندگی میں بھی (نیکی لکھ) ہم تو تیری طرف آ گئے ہیں۔ سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۵۶ میں زلزلہ طُور کے واقعہ کا ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈرے کہ کہیں یہ قوم کی گوسالہ پرستی اور معصیتِ حکم کی سزا کا پیش خیمہ نہ ہو اور آپؑ نے جناب الٰہی میں دعا کی اور قبولیت دعا کے تعلق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری رحمت وسیع ہے جو مومن و کافر پر بھی شامل ہوتی ہے لیکن متقیوں اور اعمال صالحہ بجالانے والوں کے لیے تو لازم ہوتی ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”ہم نے انہیں ان کی بغاوت کی یہ جزا دی۔“

اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ ؒ (الأعراف: ۱۵۸) وہ (لوگ) جو ہمارے اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو نبی ہے اور اُمّی ہے جس کا ذکر تورات اور انجیل میں ان کے پاس لکھا ہوا موجود ہے۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم دیتا ہے اور بُری باتوں سے روکتا ہے اور سب پاک چیزیں ان پر حلال کرتا ہے اور سب بُری چیزیں اُن پر حرام کرتا ہے اور اُن کے بوجھ (جو اُن پر لادے ہوئے تھے) اور طوق جو اُن کے گلوں میں ڈالے ہوئے تھے وہ اُن سے دور کرتا ہے۔ پس وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے اور اس کو طاقت پہنچائی اور اس کو مدد دی اور اُس نور کے پیچھے چل پڑے جو اس کے ساتھ اُتارا گیا تھا وہی لوگ بامراد ہوں گے۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تورات اور انجیل کی واضح پیشگوئیوں کے مصداق اور واجب الاتباع رسول قرار دیئے گئے ہیں اور اِسی وجہ سے عنوان باب میں اس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے جس سے اس باب کا سابقہ باب کے مضمون سے ربط واضح ہو جاتا ہے۔ سورۃ الاعراف آیت ۱۵۹ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام بنی نوع انسان کے لیے دعوت عامہ کا ذکر بایں الفاظ ہے: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ○ کہو (کہ) اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ جس کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت حاصل ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ پس اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ جو نبی بھی ہے اور اُمّی بھی ہے (اور) جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اس کے کلمات پر اور اس کی اتباع کرو۔ تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

تورات اور انجیل کی مشارٌ الیہ پیشگوئیوں کے لیے دیکھئے استثناء باب۱۸: ۱۵ تا ۲۰۔ جہاں بنی اسرائیل کے بھائیوں بنی اسماعیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند ایک صاحب شریعت نبی معبوث کیے جانے کی پیشگوئی ہے اور اس پیشگوئی میں یہ بھی مذکور ہے کہ آئندہ خداوند اُن سے ہم کلام نہیں ہو گا کیونکہ اس قوم نے خود ہی کہا ہے کہ مجھ کو نہ تو اپنے خداوند کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ کا نظارہ، تا کہ میں مر نہ جاؤں اور اسی کتاب کے باب۳۳: ۲ میں خداوند کے سیناء اور شعیر سے آنے اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہونے کا ذکر ہے اور لکھا ہے کہ وہ لاکھوں قدوسیوں میں سے آیا۔ اُس کے داہنے ہاتھ پر اُن کے لیے آتشی شریعت ہے اور وہ قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ کوہ فاران سے جلالی شان میں ظہور کی یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے پوری ہوئی اور آپؐ کے سوا اِس پیشگوئی کا اور کوئی مصداق نہیں۔

انجیل میں اس پیشگوئی کے لیے دیکھئے متی باب۱۳: ۳۱، باب۲۱: ۳۳ تا ۴۴، مرقس باب ۱۲: ۱تا۹، لوقا باب ۲۰: ۹تا۱۶۔ جہاں بیٹے کی توہین وبدسلوکی کے بعد مالکِ باغ کے خود آنے اور باغبانوں سے انتقام لینے کا تمثیلاً ذکر ہے۔ اسی طرح یوحنا باب ۱: ۲۱ باب ۱۴: ۱۶، باب۱۶: ۱۳ میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشگوئی ہے۔ یہ حوالے محولہ بالا آیت کی شرح کے لیے کافی ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے علاوہ اور

انبیاء بنی اسرائیل نے بھی آپ کے حق میں پیشگوئیاں فرمائی ہیں جن کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔ ان میں سے ایک مخصوص پیشگوئی یسعیاہ (الیسع) نبی علیہ السلام کی ہے۔ جس کا عنوان ہے "عرب کی بابت بارِ نبوت"۔

"اے ددانیوں کے قافلو تم عرب کے جنگل میں رات کاٹو گے۔ وہ پیاسے کے پاس پانی لائے۔ تیما کی سرزمین کے باشندے روٹی لے کر بھاگنے والے سے ملنے کو نکلے۔ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔ کیونکہ خداوند نے مجھ سے یوں فرمایا کہ مزدور کے برسوں کے مطابق ایک برس کے اندر اندر قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کی تعداد کا بقیہ یعنی بنی قیدار کے بہادر تھوڑے سے ہوں گے۔"

(یسعیاہ باب ۲۱: ۱۳ تا ۱۷)

یہ ہجرت نبوی اور قریش کی شکست فاش کے بارے میں واضح پیشگوئی ہے۔ قرآن مجید نے بھی اس پیشگوئی کا اعادہ فرمایا ہے۔ جہاں مزدور کے ایک برس کی جگہ مِّيْعَادُ يَوْمٍ ہے۔ فرماتا ہے کہ وہ پوچھتے ہیں کہ یہ تباہی کی گھڑی کا وقت کب ہوگا۔ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ (سبأ: ۳۱) تو کہہ دے کہ تمہارے لیے ایک دن کی میعاد مقرر ہے۔ نہ تو تم اس سے ایک گھڑی پیچھے رہ سکو گے، نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکو گے۔ ایک دن کی میعاد سے مراد ایک برس ہے جو ہجرت کے بعد غزوۂ بدر میں پوری ہوئی اور بنو قیدار (قریش) کی ساری حشمت خاک میں مل گئی۔ خلاصہ یہ کہ الفاظ زیر شرح بلحاظ مفہوم مشکل نہیں کہ ان کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے بیان کی جاتی بلکہ امام بخاریؒ کے مدِ نظر وہ اہم مضمون ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے اور جس کی طرف توجہ منعطف کرانا اصل مقصود ہے۔

بَاب ۷

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الأنعام: ۱۵۲)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور بدیوں کے (بالکل) قریب نہ جاؤ، نہ اُن میں سے ظاہر (بدیوں) کے، نہ چھپی (بدیوں) کے

٤٦٣٤: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَا أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ وَلِذَلِكَ حَرَّمَ

۴۶۳۴: حفص بن عمر نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے عمرو (بن مرہ) سے، عمرو نے ابووائل (شقیق بن سلمہ) سے، ابووائل نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ

الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا شَيْءٌ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللهِ وَلِذَلِكَ مَدَحَ نَفْسَهُ قُلْتُ سَمِعْتَهُ مِنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَرَفَعَهُ قَالَ نَعَمْ.

أطرافه: ٤٦٣٧، ٥٢٢٠، ٧٤٠٣-

سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: اللہ سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں ہے۔ اس لیے اس نے تمام بدیاں حرام کر دیں، وہ بھی جو اُن میں ظاہر ہیں اور وہ بھی جو چھپی ہیں اور اللہ کو کوئی چیز بھی اتنی پیاری نہیں جتنی کہ مدح۔ اس لیے اس نے اپنی تعریف آپ کی ہے۔ (عمرو بن مرہ نے کہا:) میں نے (ابووائل سے) پوچھا: کیا آپ نے یہ (حدیث) حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے خود سنی؟ اُنہوں نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: اور کیا حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) نے سند کو آنحضرت ﷺ تک پہنچایا تھا؟ اُنہوں نے کہا: ہاں۔

باب: ٨

وَكِيْلٌ (الأنعام: ١٠٣) حَفِيظٌ وَمُحِيطٌ بِهِ. قُبُلًا (الأنعام: ١١٢) جَمْعُ قَبِيلٍ وَالْمَعْنَى أَنَّهُ ضُرُوبٌ لِلْعَذَابِ كُلُّ ضَرْبٍ مِنْهَا قَبِيلٌ. زُخْرُفَ الْقَوْلِ (الأنعام: ١١٣) كُلُّ شَيْءٍ حَسَّنْتَهُ وَ وَشَّيْتَهُ وَ هُوَ بَاطِلٌ فَهُوَ زُخْرُفٌ. وَحَرْثٌ حِجْرٌ (الأنعام: ١٣٩) حَرَامٌ وَكُلُّ مَمْنُوعٍ فَهُوَ حِجْرٌ مَّحْجُورٌ. وَالْحِجْرُ كُلُّ بِنَاءٍ بَنَيْتَهُ. وَيُقَالُ لِلْأُنْثَى مِنَ الْخَيْلِ حِجْرٌ، وَيُقَالُ لِلْعَقْلِ حِجًا وَحِجْرٌ وَأَمَّا الْحِجْرُ فَمَوْضِعُ ثَمُودَ وَمَا حَجَّرْتَ عَلَيْهِ مِنَ

وَكِيْلٌ کے معنی ہیں نگہبان اور گھیرنے والا۔ قُبُلًا جمع ہے قبیل کی اور اس کے یہ معنی ہیں کہ سزا کی کئی قسمیں ہیں اور ہر ایک قسم کو قَبِيْلٌ کہتے ہیں۔ زُخْرُفَ الْقَوْلِ کے معنی ہیں ہر وہ چیز جس کو تو نے خوبصورت بنایا اور اس کو رنگا رنگ کے نقش و نگار سے آراستہ کیا اور (حقیقت میں) وہ بے کار لغو ہو تو اس کو زُخْرُف کہتے ہیں۔ اور حَرْثٌ حِجْرٌ کے معنی ہیں (وہ کھیتی جو) حرام (قرار دی گئی) اور ہر وہ چیز جس سے روکا جائے تو اس کو حِجْرٌ مَّحْجُوْرٌ کہتے ہیں یعنی ممنوعہ چیز جس سے روکا گیا ہو۔ اور ایسا ہی حِجْرٌ ہر اس عمارت کو کہتے ہیں جو تو بنائے اور گھوڑی کو بھی حِجْرٌ کہتے ہیں اور عقل کو بھی حِجًا اور حِجْرٌ

الْأَرْضِ فَهُوَ حِجْرٌ، وَمِنْهُ سُمِّيَ حَطِيمُ الْبَيْتِ حِجْرًا كَأَنَّه مُشْتَقٌّ مِنْ مَّحْطُومٍ مِثْلُ قَتِيلٍ مِنْ مَّقْتُولٍ، وَأَمَّا حَجْرُ الْيَمَامَةِ فَهُوَ مَنْزِلٌ.

کہتے ہیں۔ اور (اَصْحَابُ الْحِجْر میں) جو اَلْحِجْر ہے تو وہ ثمود کی ایک بستی کا نام ہے۔ اور جس زمین کو توروک دے اس کو بھی حِجْر کہتے ہیں یعنی رَکھ (چراگاہ)۔ اِنہیں معنوں میں بیت اللہ کی حطیم (دیوار) کا نام حِجْر رکھا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حطیم لفظ مَحْطُوم کے معنوں میں ہے۔ جیسے قَتِيل مَقْتُول کے معنوں میں ہے اور حَجْرُ الْيَمَامَه جو ہے تو وہ ایک مقام ہے۔

تشریح: وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ: یہ آیت ۱۵۲ کا حصہ ہے جس میں شرک باللہ کی حرمت کے ساتھ والدین سے حسن سلوک کی ہدایت ہے اور قتل اولاد کی ممانعت ہے۔ اس قسم کے قتل میں وأد البنات (بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے) کی وحشیانہ رسم بھی تھی۔ ان کی پیدائش عار سمجھی جاتی تھی اور معابد کی تعمیر کے موقع پر بیٹوں کو بھی بطور نذر قربان کیا جاتا تھا جیسا کہ عبد المطلب بن ہاشم سے متعلق مشہور ہے کہ جب قریش مکہ چاہ زمزم کی کھدائی میں مزاحم ہوئے تو اُنہوں نے نذر مانی کہ اگر ان کے ہاں دس بیٹے ہو کر جوان ہوئے اور اس مزاحمت کو روکا تو اُن میں سے ایک بیٹا اللہ کے نام پر کعبہ کے پاس ذبح کریں گے۔ چنانچہ ان کے دس بیٹے جوانی کو پہنچے تو انہیں اپنی نذر سے مطلع کیا گیا اور وہ اس نذر کے پورا کرنے پر رضامند تھے۔ قرعہ اندازی کے لیے ہُبل بت کے پجاری کاہن کو بلایا اور قرعہ ان کے بیٹے عبد اللہ (والد رسول اللہ ﷺ) کے نام پر نکلا اور جب انہیں ذبح کرنے کا ارادہ ہوا تو قریش مانع ہوئے اور لوگوں نے اپنے بیٹوں کو پیش کیا اور آخر مشورہ قرار پایا کہ فلاں قیاف (قیافہ شناس) پرُوہَت سے فتویٰ لیا جائے۔ اُس نے اس کے بدلے اونٹوں پر قرعہ اندازی کی تجویز کی اور آخر ایک سو اونٹ کا قرعہ نکلنے پر وہ ذبح کیے گئے۔ اس واقعہ سے کم از کم اُن کے ہاں قتل اولاد کی مشرکانہ رسم کا پتہ چلتا ہے۔ (ادیان العرب فی الجاهلية لمحمد نعمان الجارم، النذر صفحہ ۸۳،۸۲) اس کتاب میں ہے کہ بعض مشرکین بطور نذر بیٹوں کو یہودیوں کے حوالہ کر دیتے تھے۔[۱] یہ بھی ایک قسم کا قتل اولاد ہے۔ اور فقر وفاقہ کے خوف سے بعض بچے پیدا ہوتے ہی قتل کر دیے جاتے تھے۔ مذکورہ بالا آیت میں جہاں یہ قتلِ اولاد حرام کیا گیا ہے وہاں ہر قسم کی ظاہری وباطنی مکروہ باتیں بھی حرام کی گئی ہیں اور اس تعلق میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو سراسر حمد سے متصف ہے اسے خوبیاں پسند ہیں اور برائیاں ناپسند ہیں۔ پوری آیت یہ ہے: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا

[۱] (ادیان العرب فی الجاهلية لمحمد نعمان الجارم، النذر، صفحہ ۸۲)

اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○(الأنعام: ۱۵۲) تو (ان سے) کہہ کہ آؤ جو تمہارے ربّ نے تم پر حرام کیا ہے میں تمہیں پڑھ کر سناؤں (اس کا حکم ہے) کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور والدین سے احسان کرو اور مفلس ہو جانے کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی اور بدیوں کے (بالکل) قریب نہ جاؤ۔ نہ اُن میں سے ظاہر (بدیوں) کے نہ چھپی (بدیوں) کے اور یہ کہ اس نفس کو جسے (قتل کرنا) اللہ نے منع فرمایا ہے۔ (شریعت یا قانون کی) اجازت کے بغیر قتل نہ کرو۔ اللہ اس بات کا تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے تا کہ تم (بدیوں سے) رکو۔

مذکورہ بالا آیت کے علاوہ بعض الفاظ کی شرح نقل کر کے مناسبت معانی کے اعتبار سے دوسری آیات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ وَكِيْلٌ کے معنی حَفِيْظ اور مُحِيْطٌ بِه ہیں۔ اس سے مراد یہ آیت ہے: بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○(الأنعام: ۱۰۲، ۱۰۳) (وہ) آسمانوں اور زمین کو بلانمونہ پیدا کرنے والا ہے، اس کا بیٹا کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ اس کی کوئی بیوی نہ تھی۔ اور اس نے (تو) ہر اِک چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر اِک امر کو جانتا ہے۔ یہ ہے تمہارا اللہ جو تمہارا ربّ (بھی) ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ہر ایک چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ پس اس کی عبادت کرو اور وہ ہر ایک (چیز) پر نگران ہے۔ وَّكِيْلٌ کے معنی بقول ابوعبیدہ نگرانی ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۷۵) آیات کا سیاق وسباق خالص توحید باری تعالیٰ پر مشتمل ہے۔

قُبُلًا سے اس آیت کی طرف توجہ منعطف کرانا مقصود ہے: وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ○(الأنعام: ۱۱۲) اور اگر ہم اُن پر فرشتے نازل کرتے اور مُردے اُن سے کلام کرتے اور ہر اِک چیز کو ہم اُن کے آمنے سامنے کھڑا کر دیتے تو بھی وہ اللہ کی مشیئت کے بغیر ایمان نہ لاتے، بلکہ اُن میں سے بہت سے جاہل ہیں۔

یہ حال تھا مشرکین عرب کی شدت جہالت وتعصب کا اور پھر جو تبدیلی ان کے عقائد واعمال میں واقع ہوئی اور جس طرح کہ وہ معبود حقیقی کے پروانے بنے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر قدسی کا حیرت انگیز اور عدیم النظیر معجزہ احیاء ہے۔ وہ ہر قسم کے شرک سے شدید طور پر بیزار اور منکرات ظاہرہ وباطنہ سے متنفر ہو گئے اور اُنہوں نے محامد ومحاسن کا ایک ایسا خوبصورت پیراہن زیب تن کیا کہ وہ محبوب ازلی کے محبوب بن گئے۔ یہ مفہوم ہے لَا شَيْءَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللّٰهِ کا۔

وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا کا مفہوم بموجب شرح ابوعبیدہ ہر قسم کا عذاب ہے (جو اگر اُن پر وارد کر دیں تب بھی وہ اپنے عقائد پر بضد قائم رہیں) اور بموجب شرح حضرت ابن عباسؓ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیں، اس صورت میں لفظ قِبَلًا یا قُبُلًا ہوگا نیز قرأت قُبُلًا جمع ہے قَبِيْل کی یعنی جماعت در جماعت (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۷۵)

یعنی تقدیر اماتت ان لوگوں پر جاری ہوتی ہے جو پرلے درجے کے سنگ دل ہوتے ہیں اور اُن کی اصلاح کی کوئی اُمید نہیں ہوتی اور اُن کی ہلاکت بہتوں کے لئے دیدۂ عبرت بنتی ہے اور پھر تقدیر احیاء کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

زُخْرُفَ الْقَوْلِ سے اس آیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ ○ (الأنعام:۱۱۳) اور ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے سرکشوں کو اسی طرح ہر اک نبی کا دشمن بنادیا تھا۔ ان میں سے بعض بعض کو دھوکا دینے کے لیے (ان کے دل میں) بُرے خیال ڈالتے ہیں جو محض ملمع کی بات ہوتی ہے اور اگر تیرا ربّ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ پس تو ان کو بھی اور ان کے جھوٹ کو بھی نظر انداز کردے۔

زُخْرُف سے مراد باطل ہے جسے ملمع سازی سے خوبصورت پیرایہ میں پیش کیا جاتا ہے اور اس سے لوگوں کو فریب دیا جاتا ہے۔ آخر جب دونوں قسم کی تقدیر نافذ ہوتی ہے تو اُن کی قلعی کھل جاتی ہے۔ زُخْرُف کی مذکورہ بالا شرح ابوعبیدہ کی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۷۵)

وَ حَرْثٌ حِجْرٌ سے اس آیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے: وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ (الأنعام:۱۳۹) اور وہ اپنے گمان کی بنا پر کہتے ہیں کہ فلاں فلاں جانور اور کھیتی (ایسے ہیں کہ اُن کا کھانا) ممنوع ہے۔ اُنہیں صرف وہی کھا سکتا ہے جس کے متعلق ہم کہیں (کہ وہ کھائے) اور (کہتے ہیں کہ) کچھ جانور ایسے ہیں کہ ان کی پیٹھیں (سواری کے لیے) حرام کر دی گئی ہیں اور کچھ جانور ایسے ہیں کہ وہ اُن پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ (یہ اُن کا قول وفعل) اس (اللہ) پر افتراء کے طور پر (ہوتا) ہے۔ وہ انہیں اس جھوٹ کے سبب سے جو وہ بناتے ہیں ضرور سزا دے گا۔

اس آیت کا سیاق وسباق اُن مسائلِ حلت وحرمت سے متعلق ہے۔ جو بت پرستوں کے کاہنوں نے نذر نذرانوں اور خوردونوش کے متعلق بنائے ہوئے تھے اور اس طرح وہ دیو بے رحم کی طرح ان کی گردنوں پر سوار تھے اور اُن کے اموال سے اپنی تن پروری کا ذریعہ ایسے مشرکانہ مسائل کو بنایا ہوا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسائل کے دیو لعین سے آزادی دلائی اور بت پرستوں کے ہاتھوں پامال انسانیت نے آزادی اور زندگی کا سانس لیا۔

حِجْرٌ کے معنی ہیں ممنوع۔ جیسا کہ سورۂ فرقان آیت نمبر ۵۴ میں یہ لفظ روک کے معنوں میں وارد ہوا ہے۔ فرماتا ہے: وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ○ اور وہی ہے جس نے دو سمندروں کو چلایا ہے۔ جن میں سے ایک تو بہت میٹھا ہے اور دوسرا نمکین (اور) کڑوا ہے اور اس (اللہ) نے ان دونوں کے درمیان ایک روک بنادی ہے اور ایسا سامان بنایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو پرے رکھتے ہیں، ملنے نہیں دیتے۔ لفظ حِجْرٌ کی مزید تشریح کے لیے دیکھئے کتاب احادیث الأنبیاء باب ۱۷ جزء۶ صفحہ ۲۰۶۔

بَاب ٩ : قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ (الأنعام: ١٥١)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تو (اُن سے) کہہ دے کہ اپنے اُن گواہوں کو بلاؤ

لُغَةُ أَهْلِ الْحِجَازِ هَلُمَّ لِلْوَاحِدِ وَالِاثْنَيْنِ وَالْجَمْعِ.

هَلُمَّ اہل حجاز کی زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ مفرد، تثنیہ اور جمع سب کے لیے۔

٤٦٣٥ : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا عُمَارَةُ حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا، فَإِذَا رَآهَا النَّاسُ آمَنَ مَنْ عَلَيْهَا، فَذَلِكَ حِينَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ. (الأنعام: ١٥٩)

٤٦٣٥: موسیٰ بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالواحد (بن زیاد) نے ہمیں بتایا۔ عمارہ (بن قعقاع) نے ہم سے بیان کیا کہ ابوزُرعہ نے ہمیں بتایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک سورج اپنے غروب ہونے کی جگہ سے نہیں طلوع کرے گا اس وقت تک وہ گھڑی برپا نہ ہوگی۔ جب لوگ اس نشان کو دیکھیں گے جو بھی اس زمین پر ہوں گے ایمان لائیں گے۔ پھر یہ وہ وقت ہوگا جب کسی نفس کو اس کا ایمان لانا فائدہ نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو۔

أطرافه: ٨٥، ١٠٣٦، ١٤١٢، ٣٦٠٨، ٣٦٠٩، ٤٦٣٦، ٦٠٣٧، ٦٥٠٦، ٦٩٣٥، ٧٠٦١، ٧١١٥، ٧١٢١-

تشریح: هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ: اہل حجاز لفظ هَلُمَّ بمعنی لاؤ مفرد، تثنیہ، جمع اور مذکر ومؤنث کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اہل نجد بوقت تذکیر وتانیث، مفرد، تثنیہ اور جمع کا فرق ملحوظ رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں: هَلُمَّ، هَلُمِّي، هَلُمَّا، هَلُمُّوا اور هَلْمُمْنَ۔ پوری آیت یہ ہے: قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ○ (الأنعام: ١٥٠، ١٥١) تو کہہ دے (تمہاری بے عقلی کی باتیں بتاتی ہیں) کہ اثر کرنے والی دلیل اللہ ہی کے قبضہ میں ہے اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ تو (اُن سے) کہہ دے کہ اپنے اُن گواہوں کو بلاؤ جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے اس (یعنی فلاں فلاں) چیز کو حرام کیا ہے۔ پھر اگر وہ ایسی گواہی دیں تو اُن کے ساتھ (شامل ہوکر) تو گواہی نہ دے اور اُن لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کر جو ہماری آیتوں کو جھٹلا چکے ہیں اور جو لوگ پیچھے آنے والی (باتوں) پر ایمان نہیں لاتے اور وہ اپنے ربّ کے شریک (بھی) بناتے ہیں۔

اس آیت کے حوالے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اتمام حجت کے بعد تقدیر الٰہی نافذ ہوتی ہے اور ہر معقول اور منقول طریق سے نشانات دکھلانے اور دلائل واضح کرنے کے بعد معاندین پر حجت پوری کی جاتی ہے اور اُن پر فردِ جرم عائد کرنے کے بعد انہیں پکڑا اور کیفرِ کردار تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس تعلق میں آخری باب کا یہی مضمون ہے۔

بَاب ۱۰: لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا (الأنعام: ۱۵۹)

کسی نفس کو اُس کا ایمان نفع نہ دے گا

٤٦٣٦: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا، فَإِذَا طَلَعَتْ وَرَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ، وَذَلِكَ حِينَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا (الأنعام: ۱۵۹) ثُمَّ قَرَأَ الْآيَةَ.

۴۶۳۶: اسحاق نے مجھ سے بیان کیا کہ عبد الرزاق نے ہمیں خبر دی کہ معمر نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے ہمام سے، ہمام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک وہ گھڑی برپا نہیں ہوگی جب تک کہ سورج اپنے ڈوبنے کی جگہ سے نہ چڑھے۔ جب سورج (مغرب سے) نکلے گا اور لوگ اس کو دیکھ لیں گے تو سب کے سب ایمان لائیں گے اور یہ وہ وقت ہوگا جب کسی نفس کو اس کا ایمان لانا فائدہ نہ دے گا۔ پھر اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت پڑھی (لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ۔)

أطرافه: ۸۵، ۱۰۳۶، ۱٤۱۲، ۳٦۰۸، ۳٦۰۹، ٤٦۳۵، ٦۰۳۷، ٦۵۰٦، ٦۹۳۵، ۷۰٦۱، ۷۱۱۵، ۷۱۲۱-

تشریح: لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا: معنونہ آیت یہ ہے: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ○ (الأنعام: ۱۵۹) وہ صرف اس امر کی انتظار کر رہے ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے آئیں یا تیرا ربّ آئے یا تیرے ربّ کے بعض نشانات آئیں۔ جس دن تیرے ربّ کے بعض نشانات ظاہر ہوں گے (اس دن) کسی نفس کو جو اِس سے پہلے ایمان نہ لا چکا ہو گا یا اپنے ایمان کی وجہ سے خیر نہ حاصل کر چکا ہو گا، اس کا ایمان لانا نفع نہ دے گا۔ تو کہہ کہ تم انتظار کرو ہم بھی یقیناً انتظار کر رہے ہیں۔

☆☆☆

۷- سُورَةُ الْأَعْرَاف

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَرِيْشًا (الأعراف:٢٧) اَلْمَالُ. اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (الأعراف:٥٦) فِي الدُّعَاءِ وَفِي غَيْرِهِ. عَفَوْا (الأعراف:٩٦) كَثُرُوا وَكَثُرَتْ أَمْوَالُهُمْ. الْفَتَّاحُ (السبأ:٢٧) الْقَاضِي. افْتَحْ بَيْنَنَا (الأعراف:٩٠) اقْضِ بَيْنَنَا. نَتَقْنَا الْجَبَلَ (الأعراف:١٧٢) رَفَعْنَا. اِنْبَجَسَتْ: اِنْفَجَرَتْ. مُتَبَّرٌ (الأعراف:١٤٠) خُسْرَانٌ. اٰسٰى (الأعراف:٩٤) أَحْزَنُ، تَاْسَ (المائدة:٢٧) تَحْزَنْ. وَقَالَ غَيْرُهُ: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ (الأعراف:١٣) يَقُولُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ. يَخْصِفٰنِ (الأعراف:٢٣) أَخَذَ الْخِصَافَ مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ، يُؤَلِّفَانِ الْوَرَقَ يَخْصِفَانِ الْوَرَقَ بَعْضَهُ إِلَى بَعْضٍ. سَوْاٰتُهُمَا (الأعراف:٢٣) كِنَايَةٌ عَنْ فَرْجَيْهِمَا. وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (الأعراف:٢٥) هُوَ هَا هُنَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَالْحِينُ عِنْدَ الْعَرَبِ مِنْ سَاعَةٍ إِلَى مَا لَا يُحْصَى عَدَدُهَا. اَلرِّيَاشُ وَالرِّيشُ وَاحِدٌ، وَهُوَ مَا ظَهَرَ مِنَ اللِّبَاسِ. قَبِيْلُهٗ (الأعراف:٢٨) جِيلُهُ الَّذِي هُوَ

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: (يُوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا میں) رِيْشًا کے معنی ہیں مال۔(لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ میں) مُعْتَدِيْن سے مراد وہ لوگ ہیں جو دعا وغیرہ میں حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ عَفَوْا کے معنی ہیں وہ بہت ہوگئے، اور ان کے مال بڑھ گئے۔ فَتَّاحُ کے معنی ہیں فیصلہ کرنے والا۔ افْتَحْ بَيْنَنَا کے معنی ہیں ہمارے درمیان فیصلہ کر۔ نَتَقْنَا کے معنی ہیں ہم نے اٹھایا۔ اِنْبَجَسَتْ سے مراد ہے پھوٹ نکلے۔ مُتَبَّرٌ کے معنی ہیں گھاٹا پانے والا۔ اٰسٰى کے معنی ہیں میں غم کھاتا ہوں۔ تَاْسَ کے معنی ہیں غم کھا۔اور (حضرت ابن عباسؓ کے ماسوا) اوروں نے کہا: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ سے مراد یہ ہے کہ سجدہ کرنے سے تم کو کس بات نے روکا۔ يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے باغ کے پتوں کو لے کر ایک پتے کو دوسرے پر رکھ کر (اپنے اوپر) جوڑا۔ سَوْاٰتُهُمَا میں اشارہ ہے ان کی شرم گاہوں کی طرف۔ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (میں اِلٰى حِيْنٍ) سے اس جگہ قیامت کے دن تک مراد ہے اور حِيْن عربوں کے نزدیک ایک گھڑی سے لے کر بے شمار گھڑیاں ہیں۔ اَلرِّيَاشُ وَالرِّيشُ ایک ہی ہیں اور یہ وہ لباس ہے جو ظاہر ہو۔ قَبِيْلُهٗ

مِـــنْــهُمْ. ادَّارَكُوْا (الأعـراف: ٣٩) اِجْتَمَعُوا. وَمَشَاقُّ الْإِنْسَانِ وَالدَّابَّةِ كُلِّهَا يُسَمَّى سُمُومًا وَاحِدُهَا سَمٌّ، وَهِيَ عَيْنَاهُ وَمَنْخِرَاهُ وَفَمُهُ وَأُذُنَاهُ وَدُبُرُهُ وَ إِحْلِيلُهُ. غَوَاشٍ (الأعراف: ٤٢) مَا غُشُّوا بِهِ. نُشُرًا مُتَفَرِّقَةً. نَكِدًا (الأعراف: ٥٩) قَلِيلًا يَغْنَوْا (الأعراف: ٩٣) يَعِيشُوا. حَقِيْقٌ (الأعراف: ١٠٦) حَقٌّ. اسْتَرْهَبُوْهُمْ (الأعراف: ١١٧) مِنَ الرَّهْبَةِ. تَلْقَفُ (الأعـراف: ١١٨) تَلْقَمُ. طٰٓئِرُهُمْ (الأعراف: ١٣٢) حَظُّهُمْ. طُوفَانٌ مِّنَ السَّيْلِ، وَيُقَالُ لِلْمَوْتِ الْكَثِيرِ الطُّوفَانُ. الْقُمَّلُ (الأعراف: ١٣٤) الْحُمْنَانُ، يُشْبِهُ صِغَارَ الْحَلَمِ. عُرُوشٌ وَّعَرِيشٌ بِنَاءٌ. سُقِطَ (الأعراف: ١٥٠) كُلُّ مَنْ نَّدِمَ فَقَدْ سُقِطَ فِي يَدِهِ. اَلْأَسْبَاطُ قَبَائِلُ بَنِي إِسْرَائِيلَ. يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ (الأعـراف: ١٦٤) يَتَعَدَّوْنَ لَهُ يُجَاوِزُونَ. تَعْدُ (الكهف: ٢٩) تُجَاوِزُ. شُرَّعًا (الأعراف: ١٦٤) شَوَارِعَ. بَئِيس (الأعراف: ١٦٦) شَدِيدٍ. اَخْلَدَ (الأعراف: ١٧٧) قَعَدَ وَتَقَاعَسَ. سَنَسْتَدْرِجُهُمْ (الأعـراف: ١٨٣) نَأْتِيهِمْ مِّنْ مَّأْمَنِهِمْ، كَقَوْلِهِ تَعَالَى

کے معنی ہیں اس کے ہم جنس اس کا خاندان جن میں سے وہ ہے۔ ادَّارَكُوْا کے معنی ہیں اکٹھے ہوں گے۔ اور انسان و حیوان کے تمام سوراخوں کو سُمُوم کہتے ہیں (یعنی مسام) اس کی مفرد سَمٌّ ہے اور یہ سوراخ اس کی آنکھیں اور نتھنے اور منہ اور کان اور مقعد اور پیشاب گاہ ہیں۔ غَوَاشٍ کے معنی ہیں (پردے) جن سے وہ ڈھانپے جائیں گے۔ نُشُرًا کے معنی ہیں پراگندہ۔ نَكِدًا کے معنی ہیں تھوڑا۔ يَغْنَوْا سے مراد ہے وہ زندہ رہے۔ حَقِيْقٌ کے معنی ہیں حق واجب۔ اسْتَرْهَبُوْهُمْ (سے مراد ہے اُن کو اپنے اثر کے ماتحت ڈرایا) رَهْبَة سے ہے۔ تَلْقَفُ کے معنی ہیں وہ نگل جاتا ہے۔ طَائِرُهُمْ کے معنی ہیں اُن کا نصیب۔ طُوفَانٌ کے معنی ہیں سیلاب، اور موت کی کثرت کو بھی طوفان کہتے ہیں۔ الْقُمَّلُ وہ چچڑیاں ہیں جو چھوٹی جوں کی مانند ہوتی ہیں۔ عُرُوشٌ اور عَرِيشٌ کے معنی ہیں عمارت۔ سُقِطَ سے مراد ہے ہر وہ جو شرمندہ ہوا تو اسی سے کہتے ہیں: سُقِطَ فِي يَدِهِ۔ اَلْأَسْبَاطُ کے معنی ہیں بنی اسرائیل کے قبیلے۔ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ کے معنی ہیں سبت کے روز اس کی مقررہ حدود سے بڑھ جاتے ہیں۔ تَعْدُ کے معنی ہیں تو تجاوز کر جاتا ہے۔ شُرَّعًا کے معنی ہیں تیرتے ہوئے۔ بَئِيس کے معنی ہیں سخت۔ اَخْلَدَ کے

فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا (الحشر:۳) . مِنْ جِنَّةٍ (الأعراف:۱۸۵) مِنْ جُنُونٍ. اَيَّانَ مُرْسٰهَا (الأعراف:۱۸۸) مَتٰى خُرُوجُهَا. فَمَرَّتْ بِهٖ (الأعراف:۱۹۰) اِسْتَمَرَّ بِهَا الْحَمْلُ فَأَتَمَّتْهُ. يَنْزَغَنَّكَ (الأعراف:۲۰۱) يَسْتَخِفَّنَّكَ. طَيْفٌ مُلِمٌّ بِهِ لَمَمٌ، وَيُقَالُ طَآئِفٌ (الأعراف:۲۰۲) وَهُوَ وَاحِدٌ. يَمُدُّوْنَهُمْ (الأعراف:۲۰۳) يُزَيِّنُونَ. وَخِيْفَةً (الأعراف:۲۰۶) خَوْفًا، وَخُفْيَةً (الأعراف:۵۶) مِنَ الْإِخْفَاءِ. وَالْآصَالُ وَاحِدُهَا أَصِيلٌ وَهُوَ مَا بَيْنَ الْعَصْرِ إِلَى الْمَغْرِبِ، كَقَوْلِهِ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا (الأحزاب:۴۳).

معنی ہیں بیٹھ رہا اور پیچھے ہٹ گیا۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ کے معنی ہیں ہم ان کے پاس اس طرف سے آئیں گے جہاں سے وہ امن میں ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا۔ اللہ اُن کے پاس وہاں سے آیا جہاں سے وہ گمان نہ کرتے تھے۔ مِنْ جِنَّةٍ کے معنی ہیں بوجہ دیوانگی۔ اَيَّانَ مُرْسٰهَا کے معنی ہیں اس کا ظہور کب ہو گا۔ فَمَرَّتْ بِهٖ کے معنی ہیں اسے حمل رہا یہاں تک کہ وہ مدت اس نے پوری کی۔ يَنْزَغَنَّكَ کے معنی ہیں وہ تجھے اُبھارے۔ طَيْفٌ سے مراد ہے وہ خیال جس میں بدی کی تحریک ہو اور اِسے طَآئِفٌ بھی کہتے ہیں اور یہ مفرد ہے۔ يَمُدُّوْنَهُمْ کے معنی ہیں اُن کو اچھا کر کے دکھلایا۔ اور خِيْفَةً خوف سے ہے، (یعنی ڈر کر،) اور خُفْيَةً اِخْفَا سے ہے۔ (یعنی چپکے سے) اور آصَالٌ کی مفرد اَصِيْلٌ ہے۔ اور یہ وہ وقت ہے جو عصر اور مغرب کے درمیان ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا یعنی صبح و شام۔

تشریح: امام ابن حجرؒ نے اس سورۃ کے نام الأعراف کی نسبت بعض روایتیں نقل کی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اصحاب الأعراف ملائکۃ اللہ ہیں، جو نفخ صُور پر مقرر ہیں اور اس کے ذریعہ سے وہ مومن اور کافر کے درمیان تمیز کریں گے اور اس پر یہ اعتراض اٹھایا گیا ہے کہ اُنہیں عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ (الأعراف: ۴۷) یعنی مرد کہا گیا ہے اور ملائکہ رجولیت یا انثیت کے وصف سے پاک ہیں۔ اس قسم کی توجیہہ کا ذکر کرنے کے بعد امام موصوف نے یہ رائے قائم کی ہے: وَلَيْسَ بِوَاضِحٍ کہ یہ وجہ تسمیہ واضح نہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۷۷) امام بخاریؒ نے تسمیۃ الأعراف کے بارے میں کسی رائے کا اظہار نہیں کیا ہے۔ البتہ

چالیس کے قریب الفاظ کی شرح بطور تمہید نقل کی ہے، جس سے سورۃ الأعراف کے موضوع کا علم ہوتا ہے۔ اس کے بیشتر حصے کا تعلق حضرت آدمؑ اور ان کی رفیقہ حیات، شیطان کی آزمائش اور بنی اسرائیل کے کردار سے ہے۔ ذیل میں پہلے مذکورہ الفاظ کی شرح پورے بسط کے ساتھ نقل کی جاتی ہے۔

۱- وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ - وَ رِيْشًا اَلْمَالُ: رِيْشٌ اور رِيَاشٌ کے معنی میں جہاں ان سے مال منقول ہیں، وہاں عیش و نعیم بھی مروی ہیں۔ ابو عبیدہؒ نے رِيَاشٌ کے معنی اَلْخِصْبُ فِي الْمَعَاشِ کیے ہیں۔ یعنی فراوانی و آسودگی معاش، تروتازگی معیشت، بہت مال و دولت (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۷۷) لفظ رِيْشٌ وَ رِيَاشٌ ان سب معانی پر مشتمل ہے۔ پرندے کے بال و پر بھی ریش اس لئے کہلاتے ہیں کہ وہ اس کی خوبصورتی و رونق کا باعث ہوتے ہیں۔

۲ - اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ: حد سے گزرنے والوں سے وہ محبت نہیں رکھتا۔ دعا میں آیت کا یہ مفہوم حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ لیکن امام احمد بن حنبلؒ اور ابو داؤدؒ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث میں اسے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ اُنہوں نے اپنے ایک بیٹے کو (بلند آواز سے) دعا کرتے سنا تو اُنہوں نے اس سے کہا: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّهُ سَيَكُونُ قَوْمٌ يَعْتَدُونَ فِي الدُّعَاءِ وَقَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ يعني اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔[1] یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ ایک ایسی قوم ہوگی جو دعا کرنے میں حد سے تجاوز کرے گی۔ اور اُنہوں نے یہ آیت پڑھی کہ یقیناً وہ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ابن ماجہؒ نے بھی حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ سے اسی مفہوم کی روایت نقل کی ہے۔ غرض دعا میں اِعْتِدَا (حد سے بڑھنا) یہی ہے کہ بلند آواز سے کی جائے یا ضرورت سے زیادہ یا ناممکن مطالبات کئے جائیں۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ نے اپنے بیٹے کو یہ دعا کرتے سنا: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسَأَلُكَ الْقَصْرَ الْأَبْيَضَ عَنْ يَمِينِ الْجَنَّةِ۔ یعنی اے اللہ میں جنت کی دائیں جانب سپید محل تجھ سے مانگتا ہوں تو اُنہوں نے اِس سے روکا اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دعا کرنے کو ناپسند فرمایا ہے[2] (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۷۸) محولہ بالا آیت یہ ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۚ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (الأعراف: ۵۶، ۵۷) ترجمہ: تم اپنے ربّ کو گڑگڑا کر بھی اور چپکے چپکے بھی پکارو۔ یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو اور اس (خدا) کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارو۔ اللہ کی رحمت یقیناً محسنوں کے قریب ہے۔

اسلام نے میانہ روی ملحوظ رکھنے کی تعلیم دی ہے۔ حتّٰی کہ عبادت و دعا وغیرہ جیسے نیک اعمال میں بھی مجلسیں و محفلیں قائم کر کے اونچی اونچی آواز سے جو دعائیں تسجیع الفاظ میں پڑھی جاتی ہیں، یا سر دُھننے کے ساتھ ذکر اذکار کیا جاتا ہے، یہ سب بدعات ہیں اور منشاءِ شریعت کے خلاف بھی۔ دعا تو درحقیقت وہ ہے جو رقّتِ قلب اور

---

[1] (مسند احمد بن حنبل، مسند سعد بن ابی وقاص، جزء اول صفحہ ۱۷۲)
(سنن ابی داؤد، ابواب الوتر، باب الدعا)

[2] (سنن ابن ماجہ، کتاب الدعا، باب کراھیۃ الاعتداء فی الدعا)

جذبات خشوع وخضوع کے ساتھ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: تم سمیع و قریب کو سنا رہے ہوتے ہو کسی بہرے سے مخاطب نہیں ہوتے کہ اس کے لئے آوازیں بلند کی جائیں۔[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رازداری کی کیفیت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے: لِي مَعَ اللهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِي فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ (فیض القدیر[2]) مجھے خدا کے حضور ایک ایسی گھڑی نصیب ہے، جس تک کسی مقرب فرشتے یا مرسل نبی کو رسائی نہیں۔

۳- عَفَوْا کے معنی ہیں کَثُرُوا یعنی بڑھ گئے تعداد میں اور مال و دولت اور آسائش میں۔ پوری آیت یہ ہے: ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ (الأعراف: ۹۶) ترجمہ: پھر ہم نے تکلیف کی جگہ سہولت کو بدل دیا۔ یہاں تک کہ جب وہ ترقی کر گئے اور کہنے لگے کہ تکلیفیں اور سکھ تو ہمارے باپ دادوں کو بھی آیا کرتے تھے۔ (اگر ہمیں آئے تو کوئی نئی بات نہیں) پس ہم نے ان کو اچانک (عذاب سے) پکڑ لیا اور وہ سمجھتے نہ تھے (کہ ایسا کیوں ہوا۔) اس آیت کا سیاق کلام یہ ہے کہ آرام و راحت کے سامان میسر آنے اور ترقی پانے پر انسان اپنے ربّ سے غافل ہو جاتا اور حدود سے تجاوز کرتا ہے اور سنت الٰہی کے مطابق اس سے مؤاخذہ ہوتا ہے۔ اس بار بار کے مشاہدہ سے ظاہر ہے کہ انسان مطلق العنان نہیں۔ بلکہ اپنے خالق کے سامنے جواب دہ ہے۔ ہمارے زمانے کے حالات بھی اسی سنت الٰہی کے متقاضی ہیں۔ جیسا کہ نذیر ربانی نے کھلے الفاظ میں غفلت میں پڑے لوگوں کو بار بار تنبیہ کر کے تبلیغ وانذار کا حق ادا کر دیا ہے۔

۴- اَلْفَتَّاحُ کے معنی ہیں اَلْقَاضِي یعنی فیصلہ کرنے والا۔ فیصلہ کرنے کے معنوں میں دعا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ (الأعراف: ۹۰) ہے۔ اس آیت کا سیاق یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کو جب قوم کی طرف سے دھمکی دی گئی کہ تم ہمارے مذہب کی طرف لوٹ آؤ۔ ورنہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے تو انہوں نے جواب میں مطالبہ کرنے والوں کو مایوس کیا اور کہا: عَلَى اللهِ تَوَكَّلْنَا ط رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ (الأعراف: ۹۰) ترجمہ: ہم اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے ربّ! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان سچ کے مطابق فیصلہ کر دے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔ اِفْتَحْ کے معنی ہیں اُحْكُمْ (فیصلہ کر)۔

ابو عبیدہؒ سے مروی ہے کہ اس کی تائید میں شاعر کے اس قول کا حوالہ دیا گیا ہے:

أَلَا أَبْلِغْ بَنِي عَصْمٍ رَسُولًا فَإِنِّي عَنْ فِتَاحَتِكُمْ غَنِيٌّ

غور سے سنو! بنی عصم کی طرف میرا پیغام پہنچا دو کہ میں تمہارے فیصلے سے بے پرواہوں۔

حضرت ابن عباسؓ سے بھی افْتَحْ کے معنی اقْضِ منقول ہیں۔ ان سے روایت ہے کہ مجھے افْتَحْ بَيْنَنَا کا مفہوم سمجھ نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کہ ذی یزن کی بیٹی کو اپنے خاوند سے یہ کہتے سنا: اِنْطَلِقْ أُفَاتِحْكَ چلو میں تم سے فیصلہ کروں۔ یعنی بذریعہ قاضی۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۷۹)

[1] (بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر، روایت نمبر ۴۲۰۵)

[2] (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، حرف الراء، شرح روایت: رأیت ربی عزوجلّ جزء۴ صفحہ ۶)

٥- نَتَقْنَا الْجَبَلَ کے معنی ہیں رَفَعْنَا یعنی ہم نے پہاڑ کو بلند کیا۔ پوری آیت یہ ہے: وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (الأعراف:١٧٢) ترجمہ: اور جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اٹھایا، گویا کہ وہ ایک سائبان تھا اور اُنہوں نے خیال کیا کہ وہ ان کے اوپر گرنے ہی والا ہے (اور ہم نے کہا) جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اسے قوت سے پکڑ لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

نَتَقَ الشَّيْئَ کے معنی ہیں زَعْزَعَهٗ یعنی چیز ہلائی، اسے حرکت دی۔ نَتَقَ اللّٰهُ الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ کے معنی ہیں رَفَعَهٗ (اقرب الموارد- نتق) یعنی اللہ نے پہاڑ کو اُن کے اوپر بلند کیا۔ یہاں رفعتِ معنوی مراد ہے۔ یعنی قوم موسیٰ اس کے دامن میں تھی اور وہ سائبان کی طرح اُن پر بلند تھا۔ پہاڑوں کے سیاح اس کا بآسانی تصور کر سکتے ہیں۔ اس تعلق میں دیکھئے خروج باب ١٩: ١٧ تا ٢١۔ سورہ البقرۃ آیت ٦٤ میں وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ کی جگہ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ہے۔

٦- اِنْۢبَجَسَتْ کے معنی ہیں اِنْفَجَرَتْ یعنی پھوٹ پڑی۔ پوری آیت یہ ہے: وَ قَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ (الأعراف: ١٦١) اور ہم نے ان کو بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔ (جو اَب ترقی کر کے قومیں بن گئے ہیں) اور ہم نے موسیٰ کی طرف جب اس سے اس کی قوم نے پانی مانگا، وحی کی کہ (جا اور) اپنا سونٹا (فلاں) پتھر پر مار۔ (جب اس نے ایسا کیا) تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر قوم نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا اور ہم نے ان کے لئے ترنجبین اور بٹیر پیدا کئے (اور کہا) کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے (اس میں سے) طیّب چیزیں کھاؤ اور اُنہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔

مذکورہ دونوں آیتیں (الأعراف: ١٦١، الأعراف: ١٧٢) کتاب أحادیث الأنبیاء باب ٢٥ میں بھی دہرائی گئی ہیں۔ اس تعلق میں خروج باب ١٥: ٢٧ بھی دیکھئے جہاں ایلیم میں بارہ چشموں کا ذکر ہے۔ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ (الأعراف: ١٦١) کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑی علاقے میں سفر کر۔ سفر کے اثناء میں بنی اسرائیل کے بار بار پانی و خوراک طلب کرنے کا ذکر خروج باب ١٦، ١٧ میں بھی ہے۔ قرآن مجید میں ان کے مطالبے کا ذکر سورۃ البقرۃ ٥٩، ٦٢ میں بھی کیا گیا ہے اور کھانے پینے کی اشیاء حاصل کرنے کے لئے جس شہر میں داخل ہونے کا اُن سے کہا گیا ہے اس کا ذکر گنتی باب ٣٣: ٥١ تا ٥٥ میں دیکھئے۔

٧- مُتَبَّرٌ: فرماتا ہے اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الأعراف: ١٤٠) ترجمہ: جس کام میں وہ لگے ہوئے ہیں وہ یقیناً تباہ ہونے والا ہے اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں سب بے کار جائے گا۔ لفظ مُتَبَّرٌ اسم مفعول ہے تَتْبِيْر مصدر سے، یعنی تباہ و خستہ حال کر دینا۔ یہ لفظ قرآن مجید میں ان معنوں میں کئی جگہ وارد ہوا ہے۔ دیکھئے فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَ لِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا

تَتْبِيْرًا ○ (بنی اسرائیل:۸) ترجمہ: پھر جب دوسری بار والا وعدہ (پورا ہونے کا وقت) آگیا تا کہ وہ (یعنی تمہارے دشمن) تمہارے معزز لوگوں سے ناپسندیدہ معاملہ کریں اور (اُسی طرح) مسجد میں داخل ہوں جس طرح وہ اس میں پہلی بار داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے بالکل تباہ (اور برباد) کر کے رکھ دیں۔ (تو یہ بات بھی پوری ہوگئی) اور دیکھئے: وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاْ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ○ وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ○ (الفرقان:۳۹،۴۰) ترجمہ: اور عاد کو بھی اور ثمود کو بھی اور کنوئیں والے لوگوں کو بھی اور ان کے درمیان اور بہت سی قوموں کو بھی (ہم نے تباہ کر دیا) اور ان میں سے ہر قوم کے لئے ہم نے حقیقت بیان کر دی اور (جب نہ سمجھے تو) سب کو ہلاک کر دیا۔

صحیح بخاری میں اس کے معنی خسارہ کئے گئے ہیں۔ سورۃ الأعراف کی محولہ بالا آیت کا مفہوم یہی ہے کہ ان کا ساختہ پرداختہ تباہ ہوگا، کیا کرایا اکارت جائے گا۔ جس واقعہ کا ذکر محولہ بالا آیت سے ماقبل آیت میں ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے لئے بھی ایسے معبود تجویز کریں جیسے ان لوگوں کے ہیں۔ (الأعراف:۱۳۹) یہ شامی و فلسطینی بت پرست قومیں تھیں۔ اس کا ذکر کتاب خروج باب ۳۲:۱ میں بھی ہے، وہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے بت بنانے کا ذکر ہے، جس سے قرآن مجید نے ان کی بریت فرمائی ہے اور سامری کو ملزم قرار دیا ہے۔ اس کا ذکر تفصیل سے سورۃ الأعراف کی آیات ۱۳۹ تا ۱۵۴ میں ہے۔

۸- اٰسٰی: کے معنی ہیں أَحْزَنُ یعنی میں غمگین ہوں، مجھے افسوس ہے۔ یہ أَسًی سے ہے یعنی تکلیف دہ بات، برائی۔ لفظ اٰسٰی سورۃ الأعراف میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ○ (الأعراف:۹۴) ترجمہ: اس پر وہ (شعیب) ان سے پیٹھ پھیر کر چل دیے اور کہتے گئے: اے میری قوم! میں نے اپنے ربّ کے پیغام تم کو پہنچا دئے تھے اور تم کو نصیحت کر دی تھی۔ پس اب میں منکر قوم پر کس طرح افسوس کروں۔

لَا تَأْسَ: لَا تَحْزَنْ تو غمگین نہ ہو، افسوس نہ کر، سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۲۷ میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے: فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۔ پس تو باغی قوم پر افسوس نہ کر اور اسی سورۃ کی آیت نمبر ۶۹ میں فرماتا ہے: اے اہل کتاب! تم کچھ بھی نہیں تاوقتیکہ تم تورات وانجیل پر راستی سے قائم نہیں ہوتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے: یہ سرکشی اور کفر میں بڑھیں گے۔ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔ پس تو اس کافر قوم پر افسوس نہ کر۔ ان کے ایمان باللہ اور ایمان بالرسل کے دعوے سب باطل اور بے سود ہیں۔ مذکورہ بالا حوالوں سے سورۃ الأعراف کا مضمون نمایاں کیا گیا ہے۔

۹- مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ: یہ خطاب شیطان سے ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے: مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ کہ تجھے سجدے سے کس بات نے روکا ہے۔ دو نفی جمع ہوں تو مفہوم مثبت ہوتا ہے۔ لفظی ترجمہ یہ ہے: کس بات نے تجھے روکا ہے کہ تو سجدہ نہ کرے۔ پوری آیت مع سیاق یہ ہے: وَ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ

مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ (الأعراف: ۱۲، ۱۳) اور ہم نے تمہیں (پہلے مبہم شکل میں) پیدا کیا تھا۔ جس کے بعد تم کو (تمہارے مناسبِ حال) صورتیں بخشی تھیں۔ پھر ملائکہ سے کہا تھا کہ آدم کی اطاعت کرو۔ اس پر فرشتوں نے تو (آدم کی) اطاعت کی مگر ابلیس (نے نہ کی۔) وہ اطاعت گزاروں میں سے نہیں بنا۔ (اس پر خدا نے اس سے) کہا کہ میرے حکم کے باوجود تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو اس (آدم) سے بہتر ہوں۔ تو نے میری فطرت میں آگ رکھی ہے اور اس کی فطرت میں گیلی مٹی کی صفت رکھی ہے۔ سورۃ الأعراف کی مذکورہ بالا آیت میں مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ ہے اور یہی مضمون دوسری جگہ اَنْ تَسْجُدَ کے الفاظ میں بغیر لام سے بیان کیا گیا ہے: قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ○ (ص: ۷۶) ترجمہ: (اللہ نے) فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس نے اس بات سے روکا کہ جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا اس کی فرمانبرداری کرتا۔ کیا تو نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا، یا تو واقعہ میں میرے حکم ماننے سے بالا ہے۔ اسی آیت کے حوالے سے سورۃ الأعراف والی آیت کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔

۱۰- طَفِقَا يَخْصِفٰنِ: اُن دونوں نے باغ کے پتوں کو لیا اور ایک دوسرے سے مل کر اُن سے اپنا ننگ ڈھانپنے لگے۔ پوری آیت یہ ہے: فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (الأعراف: ۲۳) ترجمہ: پھر ان دونوں کو دھوکہ دے کر اپنے مقام سے ہٹا دیا پھر جب ان دونوں نے اس (ممنوعہ) درخت سے (کچھ) چکھ لیا۔ تو ان کے ننگ اُن پر ظاہر ہو گئے اور وہ لگے جنت کی زینت کے سامانوں کو اپنے اوپر چمٹانے اور ان دونوں کو اُن کے ربّ نے بلایا (اور کہا) کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا کھلا دشمن ہے۔

کتاب پیدائش باب ۲: ۸ تا ۲۵ اور باب ۳ میں آدم و حوا کی پیدائش سے متعلق ایک طویل قصہ بیان کیا گیا ہے جو استعارات و مجاز کے پیرایہ میں معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں وہ نظر انداز ہے اور بدی و نیکی کا وہ ممنوعہ درخت جو مابہ النزاع ہے، اللہ تعالیٰ اس کے متعلق فرماتا ہے: وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (الأعراف: ۲۰) اس مخصوص درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ ظالم کی اصطلاح سے علی الاطلاق قرآن مجید میں مشرک مراد ہیں۔ الفاظ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ (الأعراف: ۲۱) اور فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ (الأعراف: ۲۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے وسوسہ اندازی سے (جیسا کہ حکم عدولی پر آمادہ کرنے میں اس کا عام طریق ہے) اُنہیں پھل کھانے کی ترغیب دی۔ کیونکہ قریب نہ جانے کا حکم اس کے پھل نہ کھانے کو مستلزم نہیں۔

لیکن شریعت ایک اچھی بات سے بعض حالات میں روک دیتی ہے تا شرک وغیرہ کی طرف قوم عود نہ کرے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع آفتاب کے وقت نماز سے روک دیا ہے۔ مبادا اس راہ سے سورج پرستی کا سابقہ میلان اُبھر آئے۔ قدیم ترین زمانے میں آفتاب و مہتاب اور عناصر پرستی کے علاوہ شجر پرستی کا عام رواج تھا۔

جبکہ آدمی کی غذا وغیرہ کا دارومدار درختوں کے پھلوں پر تھا اور انہی کی شاخوں پتوں اور اس کے گھنے سایوں میں اس کا بسیرا اور اس کی بود و باش اور انہی سے اس کی زیست کے سامان مہیا ہوتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام شرک کے قلع قمع اور توحید کی دعوت کے لئے مامور تھے اور جہاں اور احکام اُنہیں ملے، اُنہیں (لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ) ایک معین درخت کے نزدیک جانے سے منع کر دیا گیا فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کے فقرے سے متعین ہو جاتا ہے کہ یہ خاص درخت وہ تھا جسے مشرکین نے اپنا ربّ (معبود) سمجھا ہوا تھا۔ شیطان نے وسوسہ اندازی کی کہ اس کے قریب جانے کی ممانعت ہے، پھل کھانے کی ممانعت نہیں۔ کتاب پیدائش میں شیطان کو سانپ و دشمن کے نام سے مجازاً و تشبیہاً تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے متعلق یہی ذکر ہے کہ اس نے اس کے پھل کھانے کی تحریص دلائی۔ شیطانی وسوسہ اندازی سے ہم خود کئی دفعہ احکام شریعت کا اصلی مقصود نظر انداز کر دیتے ہیں۔ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۱۱۶ میں حضرت آدم علیہ السلام کی بریت کی گئی ہے کہ اُنہوں نے عمداً حکم عدولی نہیں کی، بلکہ منشاء الٰہی بھول گئے۔ وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا○ اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک بات کا ذمہ دار قرار دیا تھا تو وہ بھول گئے اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ حکم عدولی کا ارادہ نہیں تھا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو صرف ایک ہی حکم دیا گیا تھا تو وہ بھول کیسے گئے۔ ایک حکم کے ذکر سے ضروری نہیں کہ اور احکام نہ دیئے گئے ہوں۔ ظالم و مشرک قوم سے جو اُن کا شدید مقابلہ تھا اس کے حالات کا بھی ہمیں علم نہیں۔ علاوہ ازیں ان کے توبہ کرنے سے نتیجہ نکالنا کہ ان کا گناہ اسی قسم کا سنگین گناہ تھا جیسے عامۃُ الناس کا ہوتا ہے، یہ غلط قیاس ہے۔ کیونکہ گناہ کی نوعیت ازدیادِ علم و عرفان سے بدل جاتی ہے اور اس کے متعلق احساس بھی لطیف سے لطیف تر ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ عام لوگوں کی نظر میں بعض وقت ایک بات جو نیک سمجھی جاتی ہے وہ عارف کی نظر میں گناہ ہوتا ہے۔ اموال پر حسب نصاب زکوٰۃ نکالنا نیکی ہے لیکن عارف کے نزدیک بمقدارِ نصاب اموال جمع کر رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنا گناہ متصور ہوتا ہے۔ پس حکم عدولی کا خیال نہ ہونا اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کا نادِم ہونا اور توبہ و استغفار کرنا تو ان کے ترقی پذیر و بلند عرفان پر دلالت کرتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح حال کے لئے وہ ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے اور ان کی ذمہ واری اور جوابدہی اتنی بڑی تھی کہ ان سے انتہائی احتیاط کی متقاضی تھی۔

مذکورہ بالا استدلال تاریخی واقعات عالم کی بناء پر ہے اور شجر پرستی کے آثار ہر ملک میں اب تک پائے جاتے ہیں۔ صحفِ عہدِ قدیم کے بیانات اس بارے میں ناقابل فہم ہیں، سوا اس کے کہ استعارات و مجاز پر محمول کرکے تأویل سے کام لیا جائے۔ قرآن کے بیان میں اختصار ہے اور حضرت آدمؑ کی ابتدائی حالت اور ان کے وقت میں دیگر مشرکین کا پایا جانا اور حضرت آدمؑ کی دعوت توحید پر ان کا بگڑنا اور مخالفت پر آمادہ ہونا حتیٰ کہ ان کی ہجرت بھی، ایک طبعی معقول امر ہے۔ جس کا مشاہدہ ہم ہر زمانہ میں کرتے چلے آئے ہیں۔ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (الأعراف:۲۵) یہ حکم ہجرت سے متعلق ہے اور اس حکم سے ظاہر ہے کہ آدم کے سوا اور لوگ بھی تھے جو اُن کے دشمن تھے، جن سے کنارہ کشی کا حکم ہوا۔ قرآن مجید نے عہد قدیم کا قصہ بابت حوا بھی بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ بجز يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (الأعراف:۲۳) کے، جو ترقی یافتہ شعور پر دلالت کرتا ہے۔ امام بخاری نے سورۃ الأعراف کی تفسیر

میں ایسی ہی آیات کو نمایاں کیا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے مناسب اور غیر مناسب کے درمیان تمیز سے متعلق ہیں۔

۱۱- سَوْاٰتُهُمَا: اس میں اشارہ ہے ان کی شرم گاہوں کی طرف، یہ لفظ سورۃ الأعراف آیت نمبر ۲۳ میں آیا ہے اور اس سے شیطانی وجود اور اس کی وسوسہ اندازی کی علت غائی کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے: فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا (الأعراف:۲۱) شیطان نے ان کے دل میں وسوسے ڈالے تا جو بدی ان دونوں سے پنہاں ہے وہ ان پر ظاہر ہو جائے۔ امام بخاریؒ نے لفظ سَوْاٰةٌ کو ننگ بدن سے مخصوص کیا ہے۔ کیونکہ اس سورۃ کی آیت ۲۷ میں اللہ تعالیٰ بنی آدم کو مخاطب کرتا اور فرماتا ہے: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ (الأعراف:۲۷) اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لئے ایک ایسا لباس پیدا کیا ہے جو تمہاری چھپانے والی جگہوں کو چھپاتا ہے اور زینت (کا موجب) بھی ہے اور تقویٰ کا لباس (تو) سب سے بہتر لباس ہے۔ یہ (لباس کا حکم) اللہ کے احکام سے ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

آیت نمبر ۲۳ میں ہے کہ اُنہوں نے ممنوعہ درخت کا پھل مزے سے کھایا۔ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (الأعراف:۲۳)[1] اس آیت کی تشریح ابھی گزر چکی ہے اور اس کا سیاق امام موصوف کے معنی کی تائید کرتا ہے ورنہ لفظ سَوْاٰةٌ لغت عربی میں ہر اس عیب پر اطلاق پاتا ہے، جس کی ستر پوشی کے لئے لباس التقویٰ نازل کیا گیا ہے۔ نزول کے لفظ سے غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ آسمان سے ستر پوشی اور زینت کا سامان نازل ہوا ہے جو بظاہر خلاف واقعہ ہے۔ بلکہ ہر نعمت الٰہی بوجہ القاء ربانی و الہام لفظ نزول سے تعبیر کی گئی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید:۲۶) اور ہم نے لوہا بھی اُتارا جس میں سخت جنگ کا سامان ہے اور لوگوں کے لیے کئی فوائد ہیں۔ لوہے سے جس قدر سخت سے سخت اور اعلیٰ سے اعلیٰ فائدہ اٹھانے میں جتنی ترقی ہوئی ہے وہ سب الہام سے ہوئی ہے۔ عمدہ خیال کا سوچنا اور سوچ و بچار سے کسی اچھی تجویز و تدبیر کا ذہن میں آنا بھی الہام ہی کہلاتا ہے۔ سیب کے گرنے سے نیوٹن کو اچانک کشش ثقل کا خیال پیدا ہوا جو آخر ایک بڑے علم اور فنون کی بنیاد ثابت ہوا ہے۔ اسی طرح لباس کے ابتدائی خیال سے جو حضرت آدم علیہ السلام کے ذہن میں پیدا ہوا اور ننگ ڈھانپنے کی ضرورت محسوس ہوئی، یہی شعور آخر اعلیٰ سے اعلیٰ پوشاک کا باعث بنا۔ اس نعمت ربانی کو لفظ اَنْزَلْنَا سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ انہی معنوں میں یہ آیت بھی ہے: قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ○ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ (الطلاق: ۱۱،۱۲) یقیناً اللہ نے نصیحت و یاد دہانی کی غرض سے تمہاری طرف ایک رسول نازل کیا ہے جو تم کو اللہ تعالیٰ کی ایسی آیات سناتا ہے جو (نیکی و بدی کو) کھول کر بیان کرنے والی ہیں۔

۱۲- مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ: حِيْنٌ کے معنی مطلق وقت کے ہیں لیکن عنوان باب میں بتایا گیا ہے کہ مشارٌ الیہا

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اُن کی کمزوریاں اُن پر ظاہر ہو گئیں اور وہ دونوں جنت کے پتوں میں سے کچھ اپنے اوپر اوڑھنے لگے۔"

آیت میں اس سے مراد يَوْمُ الْقِيَامَة ہے۔ پوری آیت یہ ہے: قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ (الأعراف: ۲۵) ترجمہ: (تب اللہ نے) فرمایا: تم سب کے سب یہاں سے چلے جاؤ۔ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لئے اسی زمین میں ٹھکانا ہوگا اور کچھ مدت تک فائدہ اُٹھانا (مقدر) ہوگا۔

بموجب تشریح مذکور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت تک تمہیں اسی زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہوگا۔ چنانچہ امر واقعہ بھی یہی ہے کہ عداوتوں کی باہمی کشمکش ہی میں زمین میں ہمارا قیام ہے اور ہم کائنات ارضی سے وسیع پیمانہ پر استفادہ کرتے چلے آئے ہیں۔ خوراک میں، پوشاک میں اور انواع واقسام کے سامان آسائش وزیبائش میں۔ رِيَاش اور رِيْش کے معنی ایک ہی ہے۔ یعنی ظاہری زیب وزینت۔

۱۳- قَبِيْلُهٗ کے معنی ہیں جِيْلُهُ الَّذِي هُوَ مِنْهُمْ یعنی اس کے ہم جنس، اس کا خاندان جن میں سے وہ ہے یہ شرح ابوعبیدہؒ کی ہے اور ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ جن وشیطان ایک ہی جنس ہیں۔[۱] کتاب بدء الخلق میں بھی یہ مضمون تفصیل سے گذر چکا ہے۔ (دیکھئے کتاب بدء الخلق باب ۱۱) اللہ تعالیٰ سورۃ الأعراف آیت نمبر ۲۸ میں فرماتا ہے: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ ترجمہ: اے آدم کے بیٹو! شیطان تم کو (اللہ کی راہ سے) بہکا نہ دے۔ جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکالا تھا۔ ان دونوں سے ان کا لباس اس نے چھین لیا تھا۔ تاکہ ان پر ان کی چھپانے والی چیزیں ظاہر کر دے۔ وہ اور اس کا قبیلہ تم کو وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔ ہم نے شیطانوں کو کافروں کا دوست بنایا ہے۔ قَبِيْلُهٗ... مِنْهُمْ یعنی شیطان کا قبیلہ خود بنی نوع آدم ہی میں سے ہوتا ہے۔ آیت کا آخری حصہ بھی اسی مفہوم کی تائید کرتا ہے۔

۱۴- ادَّارَكُوْا کے معنی ہیں اِجْتَمَعُوا یعنی اکٹھے ہو گئے۔ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ○ (الأعراف: ۳۹) یعنی (تب اللہ اُن سے) کہے گا: جاؤ جاکر آگ میں ان امتوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ جو تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزر چکی ہیں۔ جب کوئی قوم (آگ میں) داخل ہوگی تو (اپنے سے پہلی) بہن (یعنی قوم) کو لعنت کرے گی، یہاں تک کہ جب سب اس (آگ) میں داخل ہو چکیں گے تو ان میں سے آخری (داخل ہونے والی جماعت) اپنے سے پہلی کے متعلق کہے گی۔ اے ہمارے ربّ! ان لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا۔ پس تو ان کو دوزخ میں کئی گنا زیادہ عذاب دے۔ (اس پر وہ) فرمائے گا: سب کو ہی زیادہ عذاب مل رہا ہے لیکن تم جانتے نہیں۔

۱۵- سَمٌّ کے معنی ہیں سوراخ، اس کی جمع سُمُوْم ہے۔ یہ لفظ انسان وحیوان کے سوراخوں پر بھی اطلاق

---

[۱] (جامع البیان للطبری تفسیر سورۃ الأعراف آیت اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ، جزء ۱۰ صفحہ ۱۳۶)

پاتا ہے۔ جیسے آنکھ، کان، نتھنے اور منہ وغیرہ اور اسی سے مسامات جسم کا لفظ ہے۔ یعنی وہ سوراخ جہاں سے پسینہ نکلتا ہے۔ سَمِّ الْخِيَاطِ کے معنی ہیں سوئی کا ناکہ۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الأعراف آیت نمبر ۴۱ میں فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ○ ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے اور تکبر کر کے ان سے اعراض کیا ہے، اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو اور ہم مجرموں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔

۱۶- غَوَاشٍ جمع ہے غَاشِيَةٌ کی یعنی اوڑھنا۔ اگلی آیت میں فرماتا ہے: لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ○ (الأعراف: ۴۲) ترجمہ: ان کے لئے بچھونا بھی جہنم ہی سے ہو گا اور ان کے اوپر بھی اوڑھنے اس (جہنم) ہی میں سے ہوں گے اور اسی طرح ہم ظالموں کو جزا دیتے ہیں۔ ابوعبیدہؒ سے غَوَاشٌ کے مذکورہ بالا معنی مروی ہیں اور محمد بن کعبؒ سے مِهَادٌ کے معنی بچھونا اور غَوَاشٌ کے معنی لحاف منقول ہیں۔
(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۷۹)

۱۷- نُشُرًا کے معنی ہیں مُتَفَرِّقَةً، يُنَشِّرُ رَحْمَتَهُ یعنی وہ اپنی رحمت چاروں اطراف عالم میں پھیلاتا ہے۔

۱۸- نَكِدًا کے معنی ہیں قَلِيلًا یعنی تھوڑا۔ فرماتا ہے: وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ○ (الأعراف: ۵۹) ترجمہ: اور اچھا ملک (جس کی مٹی عمدہ ہو) اس کی روئیدگی اپنے ربّ کے حکم سے نکلتی ہے اور وہ (ملک) جس کی مٹی خراب ہو اس کی پیداوار ردّی ہی نکلتی ہے۔ اس طرح ہم شکر گزار قوم کے لئے (اپنے) نشانات کو کھول کر بیان کرتے ہیں۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

لَا تُنْجِزِ الْوَعْدَ إِنْ وَعَدْتَ وَإِنْ   أَعْطَيْتَ أَعْطَيْتَ تَافِهًا نَّكِدًا

تو وعدہ پورا نہیں کرتا، اگر وعدہ کرے اور اگر دے تو بہت معمولی شے تھوڑی سی دیتا ہے۔

نَكِدًا کے معنی ہیں ایسی تھوڑی شے جو کسی کام کی نہ ہو، ناکارہ۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۷۹) يَغْنَوْا کے معنی ہیں يَعِيْشُوْا یعنی وہ زندہ رہے۔ فرماتا ہے: الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الأعراف: ۹۳) وہ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا (ایسے تباہ ہوئے کہ) گویا وہ کبھی اپنے ملک میں بسے ہی نہیں تھے، وہ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا وہ گھاٹا پانے والوں میں سے ہو گئے۔

۱۹- حَقِيْقٌ کے معنی ہیں حَقٌّ یعنی واجب ہے۔ فرماتا ہے: حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ○ (الأعراف: ۱۰۶) ترجمہ: اور اس بات کا حق دار ہوں کہ اللہ کے متعلق سوائے سچی بات کے کچھ نہ کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک کھلا نشان لے کر آیا ہوں۔ پس میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔

۲۰- طَائِرُهُمْ کے معنی ہیں حَظُّهُمْ وَ نَصِيْبُهُمْ یعنی ان کا حصہ اور ان کا نصیب۔ طَائِرٌ کے یہ معنی ابوعبیدہؒ سے منقول ہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۷۹) فرماتا ہے: فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ (الأعراف: ۱۳۲) پس جب ان پر خوشحالی کا زمانہ آتا تو وہ کہتے یہ تو ہمارا حق ہے اور اگر ان پر مصیبت کا زمانہ آتا تو موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست کا نتیجہ سمجھتے۔ خبردار ان کی نحوست (کا سامان) اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں۔

۲۱- اَلطُّوْفَانُ کے معنی ہیں سیلاب، کثرت موت کو بھی طوفان کہتے ہیں۔ ابوعبیدہؒ نے دونوں مفہوم بیان کئے ہیں (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۷۹) فرماتا ہے: فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ۝ (الأعراف: ۱۳۴) تب ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا۔ (یہ) الگ الگ نشان (تھے) تب بھی اُنہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم بن گئے۔ مذکورہ بالا الٰہی سزاؤں کا ذکر خروج باب ۷: ۲۱، باب ۸: ۶، باب ۹: ۱۷، باب ۱۰: ۱۳، باب ۱۱: ۴ تا ۷ میں دیکھئے۔

۲۲- اَلْقُمَّلُ کے معنوں میں اختلاف ہوا ہے۔ کسی نے جوئیں کسی نے کھٹمل اور کسی نے سُرسُری (سُسری) کئے ہیں۔ جو گندم کا گو دا کھا جاتی ہے بعض نے ٹَڈی دَل جو فصلوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ خروج باب ۱۰: ۱۲ تا ۱۵ میں ٹڈی ہی مذکور ہے۔

۲۳- عُرُوْشٌ جمع ہے عَرْشٌ کی، بمعنی بِنَاءٌ یعنی عمارت۔ ابوعبیدہؒ نے سورۃ الأعراف کی آیت وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ کے معنی وَ مَا كَانُوا يَبْنُوْنَ کئے ہیں۔ یعنی جو عمارتیں وہ بناتے تھے۔ فرماتا ہے: وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ (الأعراف: ۱۳۸) اور فرعون اور اس کی قوم جو کچھ بنا رہے تھے اور جو بلند عمارتیں کھڑی کر رہے تھے اُن سب کو ہم نے توڑ دیا۔

۲۴- سُقِطَ کے معنی ہیں پشیمان ہوا۔ کہا جاتا ہے: سُقِطَ فِيْ يَدِهٖ۔ ابوعبیدہؒ کے نزدیک یہ محاورہ نہ صرف بہت ندامت و پشیمانی کے مفہوم میں ہے بلکہ کسی کام سے عاجز آنے پر بھی دلالت کرتا ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۸۰) اللہ تعالیٰ سورۃ الأعراف آیت نمبر ۱۵۰ میں فرماتا ہے: وَ لَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ يَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ اور جب وہ شرمندہ ہو گئے اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ وہ گمراہی میں پڑ گئے تھے تو اُنہوں نے کہا: اگر ہمارا ربّ ہم پر رحم نہ کرے گا اور ہمیں معاف نہ کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ خروج باب ۳۲ میں قوم موسیٰ کی گمراہی اور آپ کی ہدایات کی پابندی نہ کرنے کا ذکر ہے۔ لیکن اس میں حضرت ہارون علیہ السلام کو مطعون کیا ہے۔ قرآن مجید نے ان کی برأت کا اظہار فرمایا ہے۔ خروج باب ۳۳، ۳۴ میں بنی اسرائیل کے رجوع بحق اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے استغفار و دعا کا ذکر کسی قدر پایا جاتا ہے۔ کتاب احادیث الانبیاء باب ۲۹ میں بھی یہ بیان گزر چکا ہے۔

۲۵- مُتَبَّرٌ کے معنی ہیں خُسْرَانٌ یعنی گھاٹا پانے والا۔ اس کا ذکر کتاب احادیث الانبیاء باب ۲۹ میں بھی گذر چکا ہے۔

۲۶- اٰسٰی کے معنی ہیں اَحْزَنُ یعنی میں غمگین ہوں۔ مجھے افسوس ہے تَأْسَ تَحْزَنُ تو غمگین ہے۔ پہلا لفظ سورۃ الأعراف آیت نمبر ۹۴ میں وارد ہوا ہے۔ فرماتا ہے: فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ○ اس پر وہ (شعیب) ان سے پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور کہتے گئے: اے میری قوم! میں نے اپنے ربّ کے پیغام تم کو پہنچا دیئے تھے اور تم کو نصیحت کر دی تھی۔ پس اب میں منکر قوم پر کس طرح افسوس کروں۔ اور دوسرا لفظ سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۲۷ میں ہے، فرماتا ہے: قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○ ترجمہ: (اللہ نے) فرمایا: (اگر تیری یہی خواہش ہے) تو انہیں اس (ملک) سے چالیس سال (تک) کے لئے یقینی طور پر محروم کر دیا جاتا ہے، وہ زمین میں سرگردان (ہو کر) پھرتے رہیں گے۔ پس تو باغی لوگوں پر افسوس نہ کر۔

سورۃ المائدۃ میں مذکورہ بالا اظہار افسوس یہود سے متعلق ہے۔ اسی سورۃ (المائدہ) کی آیت ۶۹ میں اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کو مخاطب کیا گیا ہے، فرماتا ہے: قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ ترجمہ: تو کہہ دے (کہ) اے اہل کتاب جب تک تم تورات اور انجیل (کو) اور جو کچھ تمہارے ربّ کی طرف سے تم پر اُتارا گیا ہے اس کو ظاہر نہیں کرو گے (اس وقت تک) تم کسی (اچھی) بات پر (قائم) نہیں اور جو کچھ تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے وہ ان میں سے بہتوں کو سرکشی اور کفر میں ضرور ہی بڑھا دے گا۔ پس تو اس کافر قوم پر افسوس نہ کر۔

۲۷- اسْتَرْهَبُوْهُمْ ابوعبیدہؒ کے نزدیک اِسْتَرْهَبُوْهُمْ، رَهْبَةً (خوف) سے مشتق ہے، یعنی خَوَّفُوْهُمْ اُنہیں خوف زدہ کر دیا۔ فرماتا ہے: قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ○ (الأعراف: ۱۱۷) موسیٰ نے کہا، تم (پہلے) پھینکو۔ پھر جب انہوں نے (اپنی لاٹھیاں اور رسیاں) پھینک دیں تو لوگوں کی آنکھوں پر فریب کر دیا اور اُنہیں ڈرا دیا اور ایک بہت بڑا فریب (لوگوں کے سامنے) اُنہوں نے پیش کیا۔

۲۸- تَلْقَفُ کے معنی ہیں تَلْقَمُ یعنی وہ نگل جاتا ہے۔ فرماتا ہے: وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ○ (الأعراف: ۱۱۸) ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ تو اپنا سونٹا ڈال دے۔ (جب اس نے ایسا کیا) تو اچانک (یوں معلوم ہوا کہ) وہ جادوگروں کے فریب کو نگلتا جا رہا ہے۔

۲۹- اَلْاَسْبَاطُ کے معنی ہیں قَبَائِلُ اس کی واحد سِبْطٌ ہے۔ بمعنی قبیلہ و جنس۔ کہتے ہیں: مِنْ اَيِّ سِبْطٍ اَنْتَ یعنی آپ کس قبیلے سے ہیں؟ سَبْطٌ کے لغوی معنی تسلسل اور تتابع کے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ دراصل السَّبَط ہے۔ جس کے معنی شاخدار درخت کے ہیں۔ بیٹی کا بیٹا بھی سِبْطٌ کہلاتا ہے۔ جیسے امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما

سِبۡطُ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ کہلاتے ہیں۔ اَسۡبَاطٌ کا لفظ عرف عام میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذریت اور لفظ قَبَائِلُ ذریت اسماعیلؑ کے لئے مستعمل ہوا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۸۱) اور قرآن مجید میں لفظ اَسۡبَاطٌ جہاں کہیں آیا ہے، بنی اسرائیل اور حضرت یعقوب علیہ السلام ہی کے ذکر میں بیان ہوا ہے۔ سورۃ الأعراف آیت ۱۶۰، ۱۶۱ میں فرماتا ہے: وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰۤى اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ وَبِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ○ وَقَطَّعۡنٰهُمُ اثۡنَتَىۡ عَشۡرَةَ اَسۡبَاطًا اُمَمًا۔ اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے ذریعہ سے ہدایت پا رہے ہیں اور اسی کے ذریعہ سے (دنیا میں) انصاف کر رہے ہیں۔ اور ہم نے ان کو بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا (جو اَب ترقی کر کے قومیں بن گئے ہیں)

سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۳۷، آل عمران آیت نمبر ۸۵ اور سورۃ النساء آیت نمبر ۱۶۴ میں (وَ يَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ) حضرت یعقوبؑ کی ذریت کے ساتھ یہ لفظ مذکور ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۴۱ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ يَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى سے ظاہر ہے کہ اچھے معنوں میں لفظ اسباط استعمال ہوتا ہے۔ یعنی اچھی ذریت جو امتیازات کا تسلسل قائم رکھنے والی ہو۔ ترجمہ: (اے اہل کتاب) کیا تم (یہ) کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور (اس کی) اولاد یہودی یا مسیحی تھے۔

۳۰- يَعۡدُوۡنَ فِى السَّبۡتِ یعنی احکام سبت کے بارے میں حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ سَبۡتٌ کے معنی ہیں آرام کرنا، کام کاج بند کرنا۔ لغوی معنی قطع و انقطاع کے ہیں (اقرب الموارد- سبت) اس کی شرح کتاب احادیث الأنبیاء باب ۳۶ میں گذر چکی ہے۔

۳۱- شُرَّعًا: ابوعبیدہؒ نے شُرَّعًا کے معنی شَوَارِع کئے ہیں جو شَارِعٌ کی جمع ہے یعنی سطح آب پر آنے والیاں اور حضرت ابن عباسؓ سے اس کے معنی موٹی تازی چمکیلے بدن والیاں جو سر بلند کئے قلابازیاں لگاتی ہوئیں سطح آب پر نمودار ہوں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۸۱)

موسوی شریعت میں ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک دن عبادت کے لئے مخصوص کیا گیا تھا اور اس دن دنیاوی کام کاج کرنا حرام تھا۔ اسلام میں ان معنوں میں ایسا کوئی دن مخصوص نہیں۔ تمام ایام ہی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم ہے۔ تورات میں سَبۡتٌ کا لفظ ایک معین دن کے لئے بھی ہے اور مطلق احکام الٰہی کے مفہوم میں بھی بیان ہوا ہے۔ بائبل میں ہے:

> ”تم اپنے لئے بت نہ بنانا اور نہ کوئی تراشی ہوئی مورت یا لاٹ اپنے لئے کھڑی کرنا اور نہ اپنے ملک میں کوئی شبیہہ دار پتھر رکھنا کہ اسے سجدہ کرو اس لئے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔ تم میرے سبتوں کو ماننا اور میرے مَقۡدِس کی تعظیم کرنا۔ میں خداوند ہوں۔“ (احبار باب ۲۶: ۱، ۲)

خاص دن سے متعلق حکم کے لئے دیکھئے خروج باب ۲۰ : ۸ تا ۱۱ اور اسی باب میں دیگر احکام کا بھی ذکر ہے۔ خروج باب ۳۱ میں بھی سبت کے متعلق تعلیم بیان کی گئی ہے۔ يَعۡدُوۡنَ فِى السَّبۡتِ سے مراد احکام الٰہی کی نافرمانی ہے۔ جس کی پاداش کا مفصل ذکر احبار ۲۶: ۱۴ تا ۴۶ میں مذکور ہے۔ ان کی اس نافرمانی کا ذکر سورۃ الأعراف

آیت نمبر ۱۶۴ میں ہے۔ فرماتا ہے: وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ يَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○
ترجمہ: اور (اے رسول) ان (بنی اسرائیل) سے اس بستی کے متعلق پوچھ جو سمندر کے کنارہ پر تھی۔ جبکہ وہ (یہود) سبت کے حکم میں زیادتی سے کام لیتے تھے۔ جبکہ ان کی مچھلیاں ان کے سبت کے دن گروہ در گروہ آتی تھیں اور جس دن وہ سبت نہیں کرتے تھے نہیں آتی تھیں۔ اسی طرح ہم ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کا امتحان لیتے تھے۔

اس آیت میں جس بستی کو حَاضِرَةَ الْبَحْرِ (سمندر کے کنارے آباد مرکزی شہر) بتایا گیا ہے۔ وہ بعض کے نزدیک اسکندریہ ہے۔ وہاں یہود نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا تھا اور ان کی اخلاقی حالت رومی سلطنت کے تحت بہت پست ہو چکی تھی۔ وہ رومیوں کے طور وطریق اور تمدن کے نقال تھے۔[1] كَذٰلِكَ الگ ہے اور واقعہ مذکورہ سے بطور استدلال ایک اہم نتیجہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ احکام سبت ملحوظ رکھنے کے وقت مچھلیاں سطح سمندر پر سر اُٹھائے ہوئے پوری آزادی سے تیرتی تھیں۔ بادبان بھی شِرَاعٌ کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہ بلند ہوتا ہے۔ اسی طرح جب قوم احکام الٰہی کی نگہداشت رکھتی ہے تو وہ آزادی کا سانس لیتی ہے اور قوموں میں ان کا سر بلند ہوتا ہے اور جب وہ انہیں نظر انداز کرتی ہیں اپنی آزادی کھو بیٹھتی ہیں اور پستی میں چلی جاتی ہیں نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۔ ہم انہیں بدعہدی کی وجہ سے مبتلائے آلام و مصائب کر دیتے ہیں۔ لفظ شُرَّعًا اور جملہ معترضہ كَذٰلِكَ سے اسی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ كَذٰلِكَ دراصل پورا جملہ ہے۔ یعنی یہی حال اس قوم کا ہوتا ہے جو احکام شریعت کی حرمت مدنظر نہیں رکھتی۔

۳۲- بَئِيْسٌ کے معنی ہیں شَدِيْدٌ یعنی نہایت تکلیف دہ عذاب۔ فرماتا ہے: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ (الأعراف: ۱۶۶) پس جب ان لوگوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے اُن لوگوں کو جو بُری باتوں سے روکتے تھے نجات دے دی اور جو لوگ ظالم تھے انہیں ایک نہایت تکلیف دہ عذاب میں مبتلا کر دیا۔ کیونکہ وہ اطاعت سے نکل رہے تھے۔

۳۳- اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ کے معنی ہیں قَعَدَ وَتَقَاعَسَ یعنی بیٹھ گیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ فرماتا ہے: وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (الأعراف: ۱۷۷) اور اگر ہم چاہتے تو اسے ان (نشانوں) کے ذریعہ سے اونچا کر دیتے۔ لیکن وہ زمین کی طرف جا گرا اور اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑا۔ پس اس کی حالت اس کتے کی حالت کی طرح ہے جسے مارنے کے لئے تو کوئی چیز اٹھائے تو بھی وہ ہانپتا رہتا ہے اور اگر تو اسے چھوڑ دے تو بھی وہ ہانپتا رہتا ہے۔ یہی حال اس قوم کا ہے جو ہمارے نشانوں کو جھٹلاتے ہیں۔ پس تو یہ حالات ان کو سنا، تا کہ وہ کچھ سوچیں۔

---

[1] (تاريخ ابن خلدون، الباب الرابع من الكتاب الأول في البلدان، الفصل السادس في المساجد، جزء اول صفحہ ۴۳۵)

اس سے پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص شخص کے واقعہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے مگر آیت ۱۷۷ سے ظاہر ہے کہ واقعہ مشارٌ الیہ بطور مثال بیان ہوا ہے جو کوئی بھی ایسا کرے گا اس کا مصداق ہوگا۔ قتادہؒ سے یہی مروی ہے۔ قرآن مجید میں بالعموم اشخاص کا نام مذکور نہیں ہوتا۔ سوائے فرعون، ھامان، قارون کے جو تاریخِ عالم میں شہرت یافتہ ہیں۔ بعض مفسرین نے بلعم بعور مراد لی ہے۔ جس کا ذکر عہد قدیم کی کتاب گنتی باب ۲۲ تا ۲۴ میں ہے۔ مگر قرآن مجید میں اس شخص کا کہیں نام نہیں اور مذکورہ مثال ہر مذکورۃ الصفات شخص پر چسپاں ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں ابوجہل وعبداللہ بن اُبیّ کا نام بھی نہیں لیا گیا۔

۳۴- سَنَسْتَدْرِجُهُمْ کے معنی ہیں نَأْتِيهِمْ مِنْ مَّأْمَنِهِمْ یعنی ان کی امن گاہ میں آکر انہیں وہاں سے رفتہ رفتہ نکال دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس قول کے مفہوم میں ہے: فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا (الحشر:۳) اللہ اُن کے پاس ادھر سے آیا جدھر سے اُن کو گمان تک نہ تھا۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ کا بھی یہی مفہوم ہے۔ فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (الأعراف:۱۸۳) اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے راستوں سے جن کو وہ جانتے نہیں (ہلاکت کی طرف) کھینچتے لائیں گے۔ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ○ (الأعراف: ۱۸۴) اور میں انہیں (سر دست) ڈھیل دے رہا ہوں، میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

۳۵- مِّنْ جِنَّةٍ: کے معنی ہیں جنون۔ آیت ۱۸۵ میں فرماتا ہے: اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ٚ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (الأعراف: ۱۸۵) کیا اُنہوں نے سوچا نہیں کہ اُن کے ساتھی (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو عارضہ جنون قطعاً نہیں۔ وہ تو صرف کھلے طور پر خطرے سے آگاہ کرنے والا ہے۔

۳۶- اَيَّانَ مُرْسٰهَا: اس کا ظہور کب ہوگا؟ مُرْسٰهَا (الاعراف آیت نمبر ۱۸۸) کا معنی خُرُوجُهَا ابو عبیدہؒ سے منقول ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے مُنْتَهَاهَا اور قتادہؒ سے قِيَامُهَا مروی ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۸۱) مؤخر الذکر دونوں معنی صحت کے زیادہ قریب ہیں۔ یعنی اس گھڑی کا انجام یا قیام کب ہوگا؟

۳۷- فَمَرَّتْ بِهٖ: اس فقرہ میں بہ کی ضمیر حمل کی طرف ہے اور اس کا مفہوم اسْتَمَرَّ بِهَا الْحَمْلُ فَأَتَمَّتْهُ ہے یعنی حمل کی حالت (کچھ مدت) اسی طرح رہی کہ حاملہ نے چلتے پھرتے اس کی مدت پوری کی۔ سیاق کلام اللہ کے لئے دیکھئے سورۃ الأعراف: ۱۹۰ تا ۱۹۷۔ اِن آیات میں مشرکین مخاطب ہیں نہ کہ آدم و حوّا علیہما السلام، سورۃ الأعراف میں جن کا مفصل ذکر کرنے کے بعد متعدد انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے کہ اُن میں سے ہر نبی نے يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (الأعراف:۲۰) [۱] کے الفاظ سے مخاطب فرمایا اور یاد رکھنا چاہیے کہ انہی لوگوں کو یہ خطاب ہے جن کو پہلے خطاب تھا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ آخری الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر اُن تمام مشرکین عرب کا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب ہیں نہ کسی ایسے دو اشخاص کا جن کے ساتھ کوئی تیسرا انسان نہ تھا۔ یعنی (آدم و حوّا) جس کی وجہ سے جمع کا صیغہ يُشْرِكُوْنَ کی ضرورت پڑی۔

۳۸- يَنْزَغَنَّكَ کے معنی ہیں يَسْتَخِفَّنَّكَ یعنی تجھے طیش میں لانا چاہے۔ ابو عبیدہؒ سے یہ مفہوم مروی ہے اور انہی سے نَزَغَ الشَّيْطَانُ کے معنی اَفْسَدَ بَيْنَهُمْ منقول ہیں۔ یعنی اگر شیطان تمہارے درمیان فساد ڈالنا

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔“

چاہے تو اللہ کی پناہ لو۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۸۲) پوری آیت یہ ہے: وَ اِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ○ (الأعراف: ۲۰۱) اور اگر شیطان کی طرف سے تجھ کو کوئی صدمہ پہنچے تو تو اللہ سے پناہ مانگ جو بہت سننے والا (اور) بہت جاننے والا ہے۔

۳۹- طَیۡفٌ مُلِمٌّ بِهٖ لَمَمٌ یعنی کوئی خیال محسوس ہو۔ طَائِفٌ بھی اسی مفہوم میں ہے جو ابوعبیدہؒ سے منقول ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۸۲) فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ○ (الأعراف: ۲۰۲) یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اس وقت تقویٰ اختیار کیا جب اُن کو شیطان کی طرف سے آنے والا کوئی خیال محسوس ہوا اور وہ ہوشیار ہوگئے اور ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ (وہ ہدایت پا جاتے ہیں۔)

۴۰- یَمُدُّوۡنَهُمۡ: اگلی آیت میں فرماتا ہے: وَ اِخۡوَانُهُمۡ یَمُدُّوۡنَهُمۡ فِی الۡغَیِّ (الأعراف: ۲۰۳) اور کافروں کے بھائی انہیں گمراہی کی طرف کھینچتے ہیں۔ ابوعبیدہؒ نے اس کی شرح یہ بیان کی ہے کہ کفر و کج رَوِی کو اُن کے لئے خوبصورت کرتے اور سرکشی و بغاوت پر دلیر کرتے ہیں (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۸۲) یہاں بھائی سے مراد ہے گمراہ کن ساتھی

۴۱- خِیۡفَةً یعنی خوف سے، اور یہ لفظ اِخۡفَاءٌ سے بھی ہے۔ یعنی پوشیدگی میں اور آصَالٌ کی مفرد أَصِیۡلٌ ہے۔ یعنی وہ اوقات جو عصر سے مغرب کے درمیان ہیں۔

غُدُوّ اوقاتِ صبح بُکۡرَةً بھی انہی معنوں میں ہے۔ یہ شرح بھی ابوعبیدہؒ ہی سے منقول ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۸۲) مذکورہ بالا الفاظ سورۃ الأعراف کی آخری آیات میں آئے ہیں۔ فرماتا ہے: وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ فِیۡ نَفۡسِکَ تَضَرُّعًا وَّ خِیۡفَةً وَّ دُوۡنَ الۡجَهۡرِ مِنَ الۡقَوۡلِ بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ وَ لَا تَکُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ○ اِنَّ الَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّکَ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَ یُسَبِّحُوۡنَهٗ وَ لَهٗ یَسۡجُدُوۡنَ ○ (آیت ۲۰۶، ۲۰۷) اور (اے نبی) تو اپنے نفس میں اپنے ربّ کو عجز اور خوف کے ساتھ یاد کرتے رہا کر اور دھیمی آواز سے صبح بھی اور شام بھی (ایسا کیا کر) اور کبھی غفلت کرنے والوں میں شامل نہ ہو۔ جو لوگ تیرے ربّ کے پاس ہیں یقیناً اپنے ربّ کی عبادت سے اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھتے اور اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس کے سامنے سجدے کرتے رہتے ہیں۔

مذکورہ بالا الفاظ کی شرح نقل کرنے کے بعد چار ابواب قائم کئے گئے ہیں، جو حسب ذیل ہیں اور یہ حوالے سورۃ الأعراف کے مضمون پر مشتمل ہیں۔

بَاب ۱ : اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ (الأعراف: ٣٤)

میرے ربّ نے صرف بدیاں ہی حرام کی ہیں وہ جو اُن میں سے ظاہر ہوں اور وہ بھی جو اُن میں سے پوشیدہ ہوں

٤٦٣٧ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ

۴۶۳۷: سلیمان بن حرب نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا، انہوں نے عمرو بن مرہ سے،

أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ أَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ نَعَمْ وَرَفَعَهُ قَالَ لَا أَحَدٌ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ فَلِذَلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا أَحَدٌ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللهِ فَلِذَلِكَ مَدَحَ نَفْسَهُ.

عمرو نے ابووائل سے، ابووائل نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ (عمرو بن مرہ) نے کہا: میں نے (ابووائل سے) پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے سنی ہے؟ اُنہوں نے کہا: ہاں۔ اور (کہا:) اُنہوں نے اس سند کو مرفوعاً بیان کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں اس لئے اس نے تمام بدیوں کو حرام کر دیا وہ بھی جو اُن میں سے ظاہر ہوں اور وہ بھی جو پوشیدہ ہوں اور اللہ سے بڑھ کر کسی کو مدح زیادہ پسند نہیں اسی لئے اس نے خود اپنی تعریف کی۔

أطرافه: ٤٦٣٤، ٥٢٢٠، ٧٤٠٣۔

تشریح: قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ: یہ آیت نمبر ۳۴ سورۃ الأعراف کی ہے۔ لفظ الْفَوَاحِشَ کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ جس کی وجہ سے الگ عنوان قائم کر کے ایک مستند روایت سے جو مرفوع ہے اسے واضح کیا گیا ہے۔ بعض نے ہر مکروہ وناپسندیدہ بات فاحشہ شمار کی ہے۔ لفظ فَحش نمایاں ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ فُحش ایسی بات کو کہتے ہیں جس کی برائی سننے، دیکھنے والوں کے لئے تکلیف دہ ہو اور اس کے مقابل میں (مَا بَطَنَ) پوشیدہ برائی ہے۔ جس میں زنا سے لے کر ہر عیب و نقص شامل ہے۔ بعض نے حضرت ابن عباسؓ کے ایک قول کی بناء پر الْفَوَاحِشَ کو زنا پر محمول کیا ہے۔ ان سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں زنا اگر اعلانیہ کیا جاتا تو برا مانا جاتا تھا اور اگر پوشیدگی میں ہوتا تو برا نہ مانتے تھے۔ اس لئے آیت میں زنا دونوں طریق پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہ روایت کمزور ہے اور پہلا مفہوم ہی درست ہے، جس کی تائید روایت زیر باب سے ہوتی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۸۳) پوری آیت یہ ہے: قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (الأعراف:۳۴) تو کہہ دے میرے ربّ نے صرف برے اعمال کو خواہ وہ ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے اور گناہ کو اور بغیر حق کے سرکشی کو حرام کیا ہے اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسے وجود کو جس کے لئے اس (اللہ) نے کوئی دلیل نہیں اتاری شریک قرار دو، اور اس بات کو بھی (حرام قرار دیا ہے) کہ تم اللہ پر ایسے جھوٹے الزام لگاؤ، جن کو تم جانتے نہیں۔

یاد رہے کہ قرآن مجید میں صرف اجمالی تعلیم ہی نہیں بلکہ اس کی تفصیلات بھی بیان ہوئی ہیں۔ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ یعنی کھلی کھلی بدیاں اور دقیق سے دقیق بھی۔ مثلاً فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ

وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ (النحل:۹۱)[1] اس آیت کی تشریح کے لئے دیکھئے اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۳، زیر عنوان ایصال خیر کے اقسام۔ مذکورہ بالا آیت کے علاوہ بیسیوں آیتیں ہیں جن میں فواحش کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ جس میں بڑی وسعت ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ ہی کی رائے درست ہے جسے ایک مستند روایت سے تائید حاصل ہے۔ اسلامی تعلیم میں زنا مطلق حرام ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں وہ صورت حال پیدا نہیں ہوئی جو عیسائی متمدن ممالک میں ہے۔ زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں موجودہ ناگفتہ بہ حالت ہمارے ملک میں، غیر اسلامی اور عیسائی تمدن کی آزادی اور بے راہ روی کا نتیجہ ہے۔ جس سے اسلامی معاشرہ جس قدر پاک وصاف ہونا چاہیے اسی قدر اس کے احیاء ثانی کی امید ہے اور یہ فرض سرپرستانِ حکومت وحساس علماء وباشعور طبقہ پر عائد ہوتا ہے۔ مدارس کی بنیاد بھی قابل اصلاح وتوجہ ہے۔

بَاب ۲ : وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ موقع پر آیا

وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الأعراف: ١٤٤)

اور اس کے ربّ نے اس سے کلام کیا۔ تو اس نے کہا: اے میرے ربّ! مجھے دکھلا کہ میں تجھے دیکھوں۔ (اس کے ربّ نے) کہا: تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا۔ مگر اس پہاڑ کو دیکھ اگر یہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو پھر تو مجھے بھی عنقریب دیکھ لے گا۔ جب اس کے ربّ نے پہاڑ پر تجلّی کی تو اس جلوہ نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب اُنہوں نے ہوش سنبھالی تو اُنہوں نے کہا: پاک ذات ہے تو۔ میں نے تیری طرف رجوع کیا۔ ایمان لانے والوں میں سے میں پہلے ماننے والا ہوں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اَرِنِيْٓ : أَعْطِنِي.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: اَرِنِيْٓ کے معنی ہیں مجھے وہ قابلیت دے (کہ میں تجھے دیکھ سکوں۔)

٤٦٣٨ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ

۴۶۳۸: محمد بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفہ المسیح الرابعؒ: "یقیناً اللہ عدل کا اور احسان کا اور اقرباء پر کی جانے والی عطا کی طرح عطا کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور ناپسندیدہ باتوں اور بغاوت سے منع کرتا ہے۔"

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ لُطِمَ وَجْهُهُ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ رَجُلًا مِّنْ أَصْحَابِكَ مِنَ الْأَنْصَارِ لَطَمَ وَجْهِي قَالَ ادْعُوهُ فَدَعَوْهُ قَالَ لِمَ لَطَمْتَ وَجْهَهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي مَرَرْتُ بِالْيَهُودِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْبَشَرِ فَقُلْتُ وَعَلَى مُحَمَّدٍ وَأَخَذَتْنِي غَضْبَةٌ فَلَطَمْتُهُ قَالَ لَا تُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُّفِيقُ فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِّنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَفَاقَ قَبْلِي أَمْ جُزِيَ بِصَعْقَةِ الطُّورِ.

سفیان نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے عمرو بن یحیٰ مازنی سے، عمرو نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: یہود میں سے ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، جس کے منہ پر تھپڑ مارا گیا تھا وہ کہنے لگا: یا محمدؐ! آپ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے جو انصار میں سے ہے میرے منہ پر تھپڑ مارا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اس کو بلاؤ۔ چنانچہ اس کو بلالائے۔ آپؐ نے پوچھا: تم نے اس کے منہ پر کیوں طمانچہ مارا ہے؟ اس نے کہا: یارسول اللہؐ! میں یہودیوں کے پاس سے گزرا تو میں نے اس شخص کو کہتے سنا: اس ذات کی قسم ہے جس نے موسیٰ کو تمام بشر سے بہتر سمجھ کر چُن لیا۔ میں نے کہا: کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اور مجھے غصہ آیا تو میں نے اس کو طمانچہ مارا۔ آپؐ نے فرمایا: انبیاء میں سے مجھے سب سے بہتر نہ کہو۔ کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں پہلا ہوں گا جو ہوش میں آئے گا۔ میں کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ ہیں جو عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ تھامے ہوئے ہیں۔ میں نہیں جانتا آیا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا طور کی بے ہوشی ہی ان کے لئے کافی سمجھی گئی۔

أطرافه: ۲۴۱۲، ۳۳۹۸، ۶۹۱۶، ۶۹۱۷، ۷۴۲۷

تشریح: وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ....: اس آیت میں اَرِنِیْٓ کے معنی أَعْطِنِي حضرت ابن عباسؓ سے ابن جریرؒ نے نقل کئے ہیں۔ ان معنوں میں بظاہر تکلف ہے اور بسند سدی

مروی ہے کہ رؤیت کی خواہش کلامِ الٰہی کو سن کر پیدا ہوئی۔ جس کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ کلام سننے پر کلام کرنے والے کو دیکھنے کی خواہش ایک طبعی امر ہے جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اظہار کیا ہے اور جس قسم کے دیدار کی خواہش کی گئی ہے اس کا جواب لَنْ تَرٰىنِىْ سے ظاہر ہے۔ وہ اس دنیا میں ان جسمانی آنکھوں سے ممکن نہیں، لیکن آخرت میں وہاں کی بصیرت سے ممکن ہے۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے کتاب التوحید میں اس امکان کو بحوالہ آیت وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ (القیامۃ:۲۳، ۲۴) سے ثابت کیا ہے۔ اس دن بعض چہرے تروتازہ ہشاش بشاش ہوں گے۔ اپنے ربّ کو دیکھ رہے ہوں گے۔ معتزلہ نے حرف لَا اور لَن کی بحث اٹھا کر رؤیت کے عدم امکان کا عقیدہ بنالیا ہے، جو اہل سنت کو تسلیم نہیں۔ کیونکہ رؤیت کی نوعیت بدلتی رہتی ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۳۸۳، ۳۸۴) یہی مشہور اختلاف مدنظر رکھتے ہوئے سورۃ الأعراف کی آیت ۱۴۴ سے الگ عنوان قائم کیا ہے اور اس تعلق میں صرف ایک روایت نقل کی ہے۔ جس میں طوری تجلی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غشی کا ذکر ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ الٰہی تجلی ہمارے قوائے جسمانیہ کے لئے اس دنیا میں ناقابل برداشت ہے۔ لیکن باوجود اس امر واقعہ کے اس امر میں اختلاف نہیں ہو سکتا کہ رؤیتِ عین اور رؤیتِ قلب اور رؤیتِ عقل میں فرق ہے اور ان کے علاوہ رؤیتِ خواب، رؤیتِ مکاشفہ وہیچو دیگر اور بھی رؤیتیں ہیں۔ صرف ایک ہی قسم کی رؤیت کا سوال اٹھا کر فضول بحثوں میں پڑنا مناسب نہیں۔

لَا تُخَيِّرُوْنِيْ مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ: روایت نمبر ۴۶۳۸ میں ایک مسلم اور یہودی کے مذہبی تعصب کے جھگڑے کا بیان ہے جس کی بناء پر ایک دوسرے سے گالی گلوچ ہوئی۔ اوّل الذکر نے طیش میں آکر دوسرے کو طمانچہ مارا۔ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی فضیلت ایک دوسرے پر ایسے طور پر نہ کرو کہ اُن میں سے کسی کی ہتک کا شبہ ہو اور ماننے والوں کے جذبات کو ٹھیس لگے۔ اہلِ مذاہب کی بڑی بیماری اُن کا یہی مذہبی تعصب ہے جس نے اُن کو ایک دوسرے کا گریباں گیر ہی نہیں بلکہ گلو گیر بنا رکھا ہے۔ اسلام نے تمام ادیان کے ہادیوں اور مذہبی پیشواؤں کا ادب و احترام لازمی قرار دے کر بہت سے جھگڑوں کی جڑ پر تبر رکھ دیا ہے۔ شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث مذکورہ بالا میں یہی سبق متبعین کو سکھایا ہے۔

اَلْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (الأعراف: ۱۶۱)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) من اور سلویٰ

٤٦٣٩: حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ

۴۶۳۹: مسلم (بن ابراہیم) نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا، انہوں نے عبدالملک (بن عمیر) سے، عبدالملک نے حضرت عمرو بن حریثؓ سے،

اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءُ الْعَيْنِ.

حضرت عمروؓ نے حضرت سعید بن زیدؓ سے، حضرت سعیدؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: کھمبی مَنّ ہی کی ایک قسم ہے اور اس کا پانی آشوب چشم کا علاج ہے۔

أطرافه: ٤٤٧٨، ٥٧٠٨۔

تشریح: **اَلْمَنَّ وَ السَّلْوٰى:** بغیر باب قائم کئے روایت نمبر ۴۶۳۹ نقل کی گئی ہے۔ اَلْمَنَّ وَ السَّلْوٰى کی وضاحت تفسیر سورۃ البقرۃ، باب ۴ کے تحت گذر چکی ہے۔ شفاء العین یعنی آنکھ کی تکلیف کا علاج ہے۔ محذوف کو مد نظر رکھ کر آشوب چشم ترجمہ کیا گیا ہے۔ کتاب الطب میں بھی اس کا ذکر ہے۔

بَاب ۳: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۟ ا۟لَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) کہو (کہ) اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ وہ جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین میں ہے، کوئی معبود نہیں مگر وہی۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس لئے تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، جو نبی ہے اُمّی ہے جو اللہ اور اس کے کلام پر ایمان لاتا ہے اور تم اس کی پیروی کرو تا تم ہدایت پاؤ۔ (الأعراف: ۱۵۹)

٤٦٤٠: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَمُوسَى بْنُ هَارُونَ قَالَا حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ زَبْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي بُسْرُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُولُ كَانَتْ بَيْنَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ مُحَاوَرَةٌ فَأَغْضَبَ أَبُو بَكْرٍ عُمَرَ فَانْصَرَفَ عَنْهُ عُمَرُ

۴۶۴۰: عبد اللہ (بن حماد آملی) نے مجھ سے بیان کیا کہ سلیمان بن عبد الرحمٰن (دمشقی) اور موسیٰ بن ہارون نے ہمیں بتایا، ان دونوں نے کہا: ولید بن مسلم نے ہم سے بیان کیا، کہ عبد اللہ بن علاء بن زبر نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے کہا: بُسر بن عبید اللہ نے مجھ سے بیان کیا کہا: ابو ادریس خولانی نے مجھ سے بیان کیا، کہا کہ میں نے حضرت ابو درداءؓ سے سنا وہ کہتے تھے: حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان کوئی بات چیت ہوئی۔ جس سے حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو ناراض کر دیا۔

مُغْضَبًا فَاتَّبَعَهُ أَبُو بَكْرٍ يَسْأَلُهُ أَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَهُ فَلَمْ يَفْعَلْ حَتَّى أَغْلَقَ بَابَهُ فِي وَجْهِهِ فَأَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا صَاحِبُكُمْ هَذَا فَقَدْ غَامَرَ قَالَ وَنَدِمَ عُمَرُ عَلَى مَا كَانَ مِنْهُ فَأَقْبَلَ حَتَّى سَلَّمَ وَجَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَصَّ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَبَرَ قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعَلَ أَبُوبَكْرٍ يَقُولُ وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ لَأَنَا كُنْتُ أَظْلَمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي صَاحِبِي هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي صَاحِبِي إِنِّي قُلْتُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقْتَ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ غَامَرَ سَبَقَ بِالْخَيْرِ.

طرفه: ۳٦٦١۔

حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ حضرت ابو بکرؓ ان کے پیچھے گئے تا ان سے کہیں کہ ان کے لئے استغفار کریں۔ حضرت عمرؓ نے نہ مانا اور دروازہ بند کر لیا کہ اندر نہ آئیں۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ حضرت ابو درداءؓ کہتے تھے اور اس وقت ہم آپؐ کے پاس تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت ابو بکرؓ کو دیکھ کر) فرمایا کہ یہ جو تمہارے ساتھی ہیں (یعنی ابو بکرؓ) یہ بھلائی میں تم سب سے سبقت لے گئے ہیں۔ (حضرت ابو درداءؓ) کہتے تھے اور حضرت عمرؓ بھی اپنے اس فعل پر شرمندہ ہوئے جو اُن سے ہوا، وہ بھی آگئے السلام علیکم کہا اور نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابو درداءؓ کہتے تھے: رسول اللہ ﷺ ناراض ہو گئے اور حضرت ابو بکرؓ کہنے لگے: یا رسولؐ اللہ! اللہ کی قسم میں ہی زیادتی کرنے والا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میرا رفیق (غار) میرے لئے رہنے دو گے؟ کیا تم میرا رفیق میرے لئے رہنے دو گے؟ میں نے کہا: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ تم نے کہا: تو کاذب ہے اور ابوبکر نے کہا: تو صادق ہے۔ ابو عبد اللہ (امام بخاری) نے کہا: غَامَرَ کا لفظ جو اس حدیث میں آیا ہے اس کے معنی ہیں وہ بھلائی میں جو سبقت لے گیا۔

تشریح: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا...: آیت مذکورہ بالا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت عامۃ الناس کے بارے میں صراحت ہے۔ صرف عرب ہی اس دعوت کے مخاطب نہ تھے اور حدیث زیر باب میں جہاں اس امر کی تائید ہوتی ہے وہاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مقامِ عرفان کا علم ہوتا ہے۔ شروع ہی سے آپ کی نظر ثاقب نے حقیقت کو دیکھ لیا جبکہ تائید الٰہی کی شہادتوں میں سے ایک بھی شہادت نہ تھی اس کا ذکر کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب ۵ میں گذر چکا ہے۔

بَاب ٤ : وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ (الأعراف:١٦٢)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تم یہ دعا کرنا کہ ہمارے گناہ معاف ہوں

٤٦٤١ : حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيلَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ (البقرة:٥٩) فَبَدَّلُوا فَدَخَلُوا يَزْحَفُونَ عَلَى أَسْتَاهِهِمْ وَقَالُوا حَبَّةٌ فِي شَعَرَةٍ.

أطرافه: ٣٤٠٣، ٤٤٧٩۔

۴۶۴۱: اسحٰق (بن ابراہیم حنظلی ابن راہویہ) نے مجھ سے بیان کیا کہ عبدالرزاق نے ہمیں خبر دی۔ معمر نے ہمیں بتایا: ہمام بن منبہ سے روایت ہے۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ دروازے سے فرمانبردار ہو کر داخل ہونا اور یہ دعا کرتے رہنا، ہمارے گناہ معاف ہوں، ہم تمہاری غلطیوں پر پردہ پوشی کرکے تم سے درگزر کریں گے، تو انہوں نے (اس حکم کو) بدل ڈالا اور اپنے کولہوں کے بل گھسٹتے اور رینگتے ہوئے داخل ہوئے اور اُنہوں نے (بجائے حِطَّةٌ کے) حَبَّةٌ فِي شَعَرَةٍ کہا۔ یعنی بالی میں دانے ہمیں ملیں۔

تشریح: قُوْلُوْا حِطَّةٌ...: سورۃ البقرہ آیت نمبر ۵۹ میں گناہوں کی معافی مانگنے کا ذکر ہے اور سورۃ الأعراف میں بھی اس کا ذکر ان الفاظ میں ہے: وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (الأعراف:۱۶۲) اور (یاد کرو) جب ان (یعنی بنی اسرائیل) سے کہا گیا کہ اس علاقہ میں رہو اور اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ اور

(منہ سے) کہتے جاؤ (کہ ہم) بوجھ ہلکا کرنے کی التجا (کرتے ہیں) اور اس (سامنے والے شہر کے) دروازہ میں فرمانبرداری کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ تب ہم تمہاری خطائیں تم کو معاف کر دیں گے اور پوری طرح فرمانبرداری کرنے والوں کو اور بھی انعام دیں گے۔

روایت زیر باب سے مراد یہ نہیں کہ اُنہوں نے فی الواقعہ حِطَّةٌ کی جگہ حِنْطَةٌ حِنْطَةٌ کہنا شروع کر دیا۔ بلکہ اس کا یہ مفہوم ہے کہ اُنہوں نے احکام الٰہی کو مذاق بنا دیا اور فرمانبرداری ملحوظ نہیں رکھی۔ اس نافرمانی اور بدعہدی کی وجہ سے جس کا ذکر آیت فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ (البقرة:۶۰)[1] میں ہے۔ وہ طاعون کے عذاب میں مبتلا ہوئے جس کا ذکر گنتی باب۲۵ : ۸، ۹ میں ہے کہ چوبیس ہزار اسرائیلی وبا سے مرے۔ اس باب میں علاقہ موآب اور شِطّیم شہر کا ذکر ہے۔

بَاب ۵

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الأعراف: ۲۰۰)

جو ضرورت سے بڑھ کر ہو وہ لے اور بھلائی کا حکم کر اور جاہلوں سے اعراض کر

اَلْعُرْفُ: الْمَعْرُوفُ.

عُرْف کے معنی ہیں معروف یعنی بھلائی۔

٤٦٤٢: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنِ بْنِ حُذَيْفَةَ فَنَزَلَ عَلَى ابْنِ أَخِيهِ الْحُرِّ بْنِ قَيْسٍ وَكَانَ مِنَ النَّفَرِ الَّذِينَ يُدْنِيهِمْ عُمَرُ وَكَانَ الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَجَالِسِ عُمَرَ وَمُشَاوَرَتِهِ كُهُولًا كَانُوا أَوْ شُبَّانًا فَقَالَ

۴۶۴۲: ابوالیمان نے ہم سے بیان کیا کہ شعیب نے ہمیں بتایا کہ زہری سے روایت ہے۔ اُنہوں نے کہا: عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے مجھے خبر دی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عیینہ بن حصن بن حذیفہ (مدینہ میں) آئے اور اپنے بھتیجے حرؓ بن قیس کے پاس اترے اور حُرؓ بن قیس ان لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمرؓ اپنے قریب بٹھایا کرتے تھے اور قاری (قرآن کے عالم) ہی حضرت عمرؓ کی مجلس میں بیٹھنے والے

[1] ترجمہ حضرت خلیفہ المسیح الرابعؒ: ”پس ہم نے ظلم کرنے والوں پر آسمان سے ایک عذاب نازل کیا بسبب اُس کے جو وہ نافرمانی کرتے تھے۔“

عُيَيْنَةُ لِابْنِ أَخِيهِ يَا ابْنَ أَخِي لَكَ وَجْهٌ عِنْدَ هَذَا الْأَمِيرِ فَاسْتَأْذِنْ لِي عَلَيْهِ قَالَ سَأَسْتَأْذِنُ لَكَ عَلَيْهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاسْتَأْذَنَ الْحُرُّ لِعُيَيْنَةَ فَأَذِنَ لَهُ عُمَرُ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ هِيْ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ فَوَاللهِ مَا تُعْطِينَا الْجَزْلَ وَلَا تَحْكُمُ بَيْنَنَا بِالْعَدْلِ فَغَضِبَ عُمَرُ حَتَّى هَمَّ بِهِ فَقَالَ لَهُ الْحُرُّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذِ الْعَفْوَ وَ أْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الأعراف: ۲۰۰) وَإِنَّ هَذَا مِنَ الْجَاهِلِينَ وَاللهِ مَا جَاوَزَهَا عُمَرُ حِينَ تَلَاهَا عَلَيْهِ وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللهِ.

طرفه: ۷۲۸۶۔

اور ان کو مشورہ دینے والے ہوتے تھے، ادھیڑ عمر کے ہوں یا جوان۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: اے بھتیجے! اس امیر کے پاس تمہاری وجاہت ہے، اس لئے میرے لئے ان کے پاس آنے کی اجازت مانگو۔ حُرؓ بن قیس نے کہا: میں تمہارے لئے ان کے پاس آنے کی اجازت لے لوں گا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے، چنانچہ حُرؓ نے عیینہ کے لئے اجازت مانگی اور حضرت عمرؓ نے ان کو اجازت دی۔ جب عیینہ ان کے پاس آیا تو اُس نے کہا: خطاب کے بیٹے! یہ کیا بات ہے، اللہ کی قسم نہ تو آپؓ ہم کو بہت (مال) دیتے ہیں اور نہ ہمارے درمیان (اور ہمارے مال کے درمیان) انصاف سے فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ ناراض ہوگئے۔ یہاں تک کہ اس کو کچھ کہنے کو ہی تھے کہ حُرؓ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا: امیر المومنینؓ! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے: (اے نبی! ہمیشہ) درگزر سے کام لے اور مطابق فطرت باتوں کا حکم دیتا رہ اور جاہل لوگوں سے منہ پھیر لے۔ اور یہ عیینہ جاہلوں ہی میں سے ہے۔ اللہ کی قسم جب حُرؓ نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی تو حضرت عمرؓ وہیں رک گئے اور کچھ نہیں کہا اور حضرت عمرؓ کتاب اللہ کو سن کر رک جاتے تھے۔

٤٦٤٣: حَدَّثَنِي يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ خُذِ الْعَفْوَ وَ أْمُرْ بِالْعُرْفِ (الأعراف:٢٠٠) قَالَ مَا أَنْزَلَ اللهُ إِلَّا فِي أَخْلَاقِ النَّاسِ.

طرفُه: ٤٦٤٤۔

۴۶۴۳: یحییٰ (بن موسیٰ) نے مجھ سے بیان کیا کہ وکیع نے ہمیں بتایا: انہوں نے ہشام (بن عروہ) سے، ہشام نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت کی، انہوں نے کہا: آیت خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ جو ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ صرف لوگوں کی اخلاقی اصلاح کے لئے ہی اتاری ہے۔

٤٦٤٤: وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ بَرَّادٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ أَمَرَ اللهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّأْخُذَ الْعَفْوَ مِنْ أَخْلَاقِ النَّاسِ أَوْ كَمَا قَالَ.

طرفُه: ٤٦٤٣۔

۴۶۴۴: اور عبداللہ بن برّاد نے کہا کہ ابواسامہ نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام (بن عروہ) نے بتایا، انہوں اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت کی، انہوں نے کہا: اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے سلوک پر عفو سے کام لیں یا کچھ ایسے ہی الفاظ کہے۔

تشریح: خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ: اَلْعُرْفُ کے معنی معروف عروہ بن زبیر سے بسند عبدالرزاق مروی ہیں۔ طبریؒ نے بھی بحوالہ سدیؒ و قتادہؒ نقل کئے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۸۷) معنونہ آیت نمبر ۲۰۰ سورۃ الاعراف کی ہے۔ ترجمہ: (اے نبی! ہمیشہ) درگزر سے کام لے اور مطابق فطرت باتوں کا حکم دیتا رہ اور جاہل لوگوں سے منہ پھیر لے۔ لفظ اَلْعَفْوُ کے دو معنی مروی ہیں۔ ایک درگزر، جو عروہ بن زبیر سے مروی ہیں اور جسے مد نظر رکھ کر محولہ بالا آیت کا ترجمہ کیا گیا ہے اور جس کی تائید روایت زیر باب سے ظاہر ہے اور امام بخاریؒ نے اسی تعلق میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت میں عَفْوٌ من جملہ اخلاق وارد ہوا ہے۔ مجاہد کے نزدیک بھی یہی مفہوم ہے۔ جبکہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ جو مال ضروریات زندگی سے زائد ہو وہ لوگوں سے لو۔ خُذْ مَا عَفَا لَكَ مِنْ أَمْوَالِهِمْ۔ سیاق کلام سے ان معنوں کی تائید نہیں ہوتی۔ انفاق فی سبیل اللہ سے متعلق بیسیوں جگہ احکام وارد ہیں۔ آیت متعلقہ کا سیاق و سباق اخلاق فاضلہ کا مقتضی ہے۔ تاویل آیات کی صحت و سقم کے جانچنے کا اصل معیار سیاق کلام ہی ہے۔ ابن جریرؒ نے

اَلْعَفْوُ کو خُلق اور درگزر پر ہی محمول کیا ہے اور دوسرے معنوں پر اسے ترجیح دی ہے۔اس تعلق میں حضرت جعفر صادقؒ کا پُر معرفت قول بھی مروی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس سے بڑھ کر مکارم اخلاق کی جامع آیت اور کوئی نہیں۔ اس ضمن میں اخلاق فاضلہ کی بلحاظ قوائے انسانیہ تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ قوائے عقلیہ، قوائے شہوانیہ اور قوائے غضبیہ۔ جن سے زندگی کے بقاو قیام میں دفاع کا کام لیا جاتا ہے۔ اس آیت میں خُذِ الْعَفْوَ کا تعلق عقل سے ہے۔ جو موقع و محل کی شناخت کرتی اور درگزر کا مشورہ دیتی ہے اور امر بالمعروف کا تعلق بھی عقل و حکمت سے ہے اور عفو کا تعلق عفت سے ہے اور یہ خُلق قوائے شہوانیہ کو ضبط اور حدود کے اندر رکھتی ہے اور قوتِ غضبیہ شجاعت کی متقاضی ہے اور اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ کا تعلق بھی اسی خُلق سے ہے۔ (فتح الباری جزء٨ صفحہ ٣٨٨) حضرت جعفر صادقؒ کا یہ بصیرت افروز قول دراصل سیاق کلام ہی پر مبنی ہے۔ محولہ بالا آیت کے بعد کی تین آیات (٢٠١ تا ٢٠٣) بھی مکارم اخلاق ہی پر مشتمل ہیں، ان سے پہلے اور بعد کسی جگہ انفاق اموال کا ذکر نہیں۔ مذکورہ بالا اختلافِ روایات ہی کی وجہ سے امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا باب قائم کیا ہے۔

☆☆☆

٨- سُورَةُ الْأَنْفَالِ

بَاب ١ : قَوْلُهُ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ .(الأنفال: ٢)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) وہ تجھ سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں تو کہہ انفال اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔ تم اللہ کو اپنا سپر بناؤ اور اپنی حالت کی اصلاح کرو۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: الْاَنْفَالُ (الأنفال: ٢) الْمَغَانِمُ. قَالَ قَتَادَةُ رِيْحُكُمْ (الأنفال: ٤٧) الْحَرْبُ. يُقَالُ نَافِلَةٌ عَطِيَّةٌ.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: الْأَنْفَالُ سے وہ مال مراد ہیں جو بغیر لڑائی یا محنت و مشقت حاصل ہوں۔ قتادہؒ نے کہا: (تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ میں) رِيْحُكُمْ سے مراد لڑائی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نَافِلَةٌ کے معنی ہیں بخشش۔

٤٦٤٥: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا سُورَةُ الْأَنْفَالِ قَالَ نَزَلَتْ فِي بَدْرٍ. الشَّوْكَةُ الْحَدُّ. مُرْدِفِيْنَ (الأنفال: ١٠) فَوْجًا بَعْدَ فَوْجٍ. رَدَفَنِي وَ أَرْدَفَنِي جَاءَ بَعْدِي. ذُوقُوا بَاشِرُوا وَجَرِّبُوا وَلَيْسَ هَذَا مِنْ ذَوْقِ الْفَمِ. فَيَرْكُمَهٗ (الأنفال: ٣٨) يَجْمَعَهُ. شَرِّدْ فَرِّقْ. وَ اِنْ جَنَحُوْا (الأنفال: ٦٢) طَلَبُوا. السِّلْمُ وَالسَّلْمُ وَالسَّلَامُ وَاحِدٌ. يُثْخِنَ (الأنفال: ٦٨) يَغْلِبَ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ مُكَآءً (الأنفال: ٣٦) إِدْخَالُ أَصَابِعِهِمْ

۴۶۴۵: محمد بن عبد الرحیم نے مجھے بتایا کہ سعید بن سلیمان نے ہم سے بیان کیا کہ ہشیم (بن بشیر) نے ہمیں خبر دی ابو بشر نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الأنفال کی بابت پوچھا (کہ کب نازل ہوئی) تو اُنہوں نے کہا: غزوہ بدر میں نازل ہوئی۔ الشَّوْكَةُ کے معنی ہیں دھار دار۔ مُرْدِفِيْنَ کے معنی ہیں فوج در فوج۔ رَدَفَنِي اور أَرْدَفَنِي کے معنی ہیں میرے پیچھے آئے۔ ذُوْقُوْا کے معنی ہیں براہ راست اس کا تجربہ کرو اور اس سے مراد منہ کا چکھنا نہیں۔ فَيَرْكُمَهٗ کے معنی ہیں: وہ اسے اکٹھا کرتا ہے۔ شَرِّدْ کے معنی ہیں پراگندہ کر دے۔ وَاِنْ جَنَحُوْا کے معنی ہیں طلب کریں۔

فِي أَفْوَاهِهِمْ. وَتَصْدِيَةً (الأنفال: ٣٦) الصَّفِيرُ. لِيُثْبِتُوكَ (الأنفال:٣١) لِيَحْبِسُوكَ.

السِّلْمُ، السَّلْمُ اور السَّلَامُ کے ایک ہی معنی ہیں۔ يُثْخِنَ کے معنی ہیں: وہ غالب ہوتا ہے اور مجاہدؒ نے کہا: مُكَآءً کے معنی ہیں اپنی انگلیوں کو اپنے منہ میں رکھنا اور تَصْدِيَةً کے معنی ہیں سیٹی بجانا اور لِيُثْبِتُوكَ کے معنی ہیں تا تجھ کو قید کریں۔

أطرافه: ٤٠٢٩، ٤٨٨٢، ٤٨٨٣۔

تشریح: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ ....: اس باب کے تحت ایک ہی روایت ہے جس کا تعلق سورۃ الأنفال کے نزول کی تاریخ سے ہے۔ غزوہ بدر سے قبل، اس کے دوران اور ایک حصہ اس کے بعد نازل ہوا۔ جیسا کہ اس سورۃ کی آیت سے واضح ہوتا ہے۔ غزوہ بدر ۲ھ میں ہوا اور موجودہ ترتیب جبرائیلی تجلی سے قائم ہوئی ہے۔ سابقہ سورۃ میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے دشمنوں کے ساتھ سنت اللہ کا بیان ہے اور اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ کے ساتھ اسی قدیم سنت کے ظہور کا ذکر ہے۔ روایت نمبر ۴۶۴۵ میں حضرت ابن عباسؓ کی سند سے الشَّوْكَةُ، مُرْدِفِيْنَ، ذُوْقُوْا، يَرْكُمُ اور شَرِّدْ کی تشریح اس سورۃ کے لئے بطور دیباچہ بیان ہوئی ہے۔ الفاظ محولہ سے الٰہی نصرت اور دشمن کے انجام کی طرف توجہ منعطف کروائی گئی ہے اور وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ (الأنفال:٦٢)[1] سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارمِ اخلاق کا علم ہوتا ہے کہ آپؐ دنیا دار حاکموں کے انتقام سے پاک تھے اور اس میں یہ پیشگوئی بھی مضمر ہے کہ وہ وقت آئے گا جب کفار مکہ مصالحت کی طرف جھکیں گے۔ لفظ يُثْخِنَ کی تشریح سے آپؐ کے غلبہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً کے معنی ہیں منہ میں انگلیاں ڈال کر سیٹی بجانا۔ فرماتا ہے: وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (الأنفال:٣٦) اور خانہ کعبہ کے پاس ان کی نماز سوائے سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے اور ہے کیا۔ پس (اے بے دینو) اپنے کفر کی وجہ سے عذاب کو چکھو۔

لِيُثْبِتُوْكَ کے معنی ہیں لِيَحْبِسُوكَ یعنی تا کہ تجھے قید کریں۔ فرماتا ہے: وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ (الأنفال:٣١) اور (اے رسول اس وقت کو یاد کر) جبکہ کفار تیرے متعلق تدبیریں کر رہے تھے تا کہ تجھے (ایک جگہ) محصور کر دیں یا تجھ کو قتل کر دیں یا تجھ کو نکال دیں اور وہ بھی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سے سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ اس آیت میں کفار کے اس منصوبے کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا باعث ہوا اور جس سے آپؐ کی غایت درجہ بے بسی اور کفار کے انتہائی ظلم پر آمادگی کا پتہ چلتا ہے اور اسی نسبت سے الٰہی نصرت کی عظمت ہویدا ہے۔

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور اگر وہ صلح کے لئے جھک جائیں۔“

بَاب

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ○(الأنفال: ۲۳)

بدترین جاندار اللہ کے نزدیک وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

٤٦٤٦: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (الأنفال:۲۳) قَالَ هُمْ نَفَرٌ مِّنْ بَنِي عَبْدِ الدَّارِ.

۴۶۴۶: محمد بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ ورقاء(بن عمر) نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے (عبد اللہ) بن ابی نجیح سے، اُنہوں نے مجاہد سے، مجاہد نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی، اُنہوں نے کہا: اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ [1] سے بنو عبد الدار کے کچھ لوگ مراد ہیں۔

تشریح: اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ . . . : زیر باب حدیث سے عنوان کی تشریح ظاہر ہے۔

بَاب ۲

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی بات سنو، جبکہ وہ تمہیں زندہ کرنے کے لیے پکارے اور جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل میں حائل ہے اور یہ کہ تم اسی کی طرف زندہ کر کے لوٹائے جاؤ گے (الأنفال: ۲۵)

اسْتَجِيْبُوْا (الأنفال: ۲۵): أَجِيبُوا. لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الأنفال: ۲۵) لِمَا يُصْلِحُكُمْ.

اسْتَجِيْبُوْا کے معنی ہیں قبول کرو۔ لِمَا يُحْيِيْكُمْ کے معنی ہیں اس بات کی طرف جو تمہاری اصلاح کرے

٤٦٤٧: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ قَالَ أَخْبَرَنَا

۴۶۴۷: اسحاق نے مجھ سے بیان کیا: کہا، روح

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”یقیناً خدا کے نزدیک تمام جانداروں میں بدترین وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل نہیں کرتے۔“

رَوْحٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ سَمِعْتُ حَفْصَ بْنَ عَاصِمٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى رضي الله عنه قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي فَمَرَّ بِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَانِي فَلَمْ آتِهِ حَتَّى صَلَّيْتُ ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَ؟ أَلَمْ يَقُلِ اللهُ: يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ (الأنفال:٢٥) ثُمَّ قَالَ لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ. فَذَهَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَخْرُجَ فَذَكَرْتُ لَهُ. وَقَالَ مُعَاذٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ سَمِعَ حَفْصًا سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا وَقَالَ هِيَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الفاتحة: ٢) السَّبْعُ الْمَثَانِي.

أطرافه: ٤٤٧٤، ٤٧٠٣، ٥٠٠٦-

(بن عبادہ) نے ہمیں خبر دی کہ شعبہ نے ہمیں بتایا، خبیب بن عبد الرحمٰن سے روایت ہے۔ (اُنہوں نے کہا:) میں نے حفص بن عاصم سے سنا۔ وہ حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے تھے۔ اُنہوں نے کہا: میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے مجھے بلایا۔ میں آپ کے پاس نہ گیا۔ جب میں نے نماز پڑھ لی تو پھر آپؐ کے پاس آیا۔ تو آپؐ نے پوچھا: تم کو آنے سے کس بات نے روکا؟ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا: اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی بات سنو، جبکہ وہ تمہیں (زندہ کرنے کے لیے) پکارے پھر آپؐ نے فرمایا: میں تمہیں پیشتر اس کے کہ یہاں سے باہر نکلوں ایک ایسی سورۃ کا علم دوں گا جو قرآن میں سب سے بڑھ کر ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ باہر جانے لگے تو میں نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا اور معاذ (بن ابی معاذ عنبری) نے یہ حدیث یوں نقل کی۔ شعبہ نے ہمیں بتایا کہ خبیب بن عبد الرحمٰن سے روایت ہے، اُنہوں نے حفص سے سنا، حفص نے حضرت ابوسعیدؓ سے، جو نبی ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص تھے یہ واقعہ سنا۔ آپ نے فرمایا: وہ سورۃ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے۔ یعنی وہ سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں۔

تشریح: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ . . . :
اِس آیت میں لِمَا يُحْيِيْكُمْ کے معنی ہیں: اس بات کی طرف جو تمہاری اصلاح کرے۔ احیاء بمعنی اصلاح ہے۔ اللہ اور رسول کی بات مانو کیونکہ وہ ان باتوں کی راہنمائی کرتے ہیں جن سے تمہاری اصلاح ہو گی۔ تفسیر سورۃ آل عمران باب ۱۲ میں بھی یہ مضمون بیان ہوا ہے۔

بَاب: ۳

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الأنفال: ۳۳)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور جب اُنہوں نے کہا اے اللہ اگر یہی تیری طرف سے حق ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر برسا، یا کوئی نہایت دردناک عذاب ہم پر لے آ۔

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ مَا سَمَّى اللّٰهُ مَطَرًا فِي الْقُرْآنِ إِلَّا عَذَابًا، وَتُسَمِّيهِ الْعَرَبُ الْغَيْثَ، وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى: وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا (شورى: ۲۹)

ابن عیینہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جہاں مَطَرًا کا نام لیا ہے تو اس سے مراد عذاب ہی ہے اور عرب لوگ بارش کو غَیْثٌ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا: اور وہی ہے جو مایوسی کے بعد بارش اُتارتا ہے۔

٤٦٤٨: حَدَّثَنِي أَحْمَدُ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ هُوَ ابْنُ كُرْدِيدٍ صَاحِبُ الزِّيَادِيِّ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَبُو جَهْلٍ اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الأنفال: ۳۳) فَنَزَلَتْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ

۴۶۴۸: احمد (بن نضر بن عبد الوہاب) نے مجھ سے بیان کیا کہ عبید اللہ بن معاذ نے ہمیں بتایا، میرے باپ نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے زیادی کے دوست عبد الحمید سے جو کہ کُردِید کے بیٹے ہیں روایت کی۔ اُنہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ابوجہل نے کہا: اے اللہ اگر یہی تیری طرف سے حق ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر برسا، یا کوئی نہایت دردناک عذاب ہم پر لے آ۔ تب یہ آیت نازل

فِيهِمْ ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الآية(الأنفال: ۳۴،۳۵).

ہوئی: لیکن اللہ انہیں اس حالت میں عذاب نہیں دے سکتا تھا جبکہ تو ان میں تھا اور نہ اللہ ان کو ایسی حالت میں عذاب دے سکتا تھا جبکہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔ اور ان کو کیا (مقام حاصل) ہے جس کی وجہ سے باوجود اسکے کہ وہ عزت والی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) سے (لوگوں کو) روکتے ہیں۔ اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا۔ اور وہ درحقیقت اس کے متولی نہیں اس کے (حقیقی) متولی تو صرف متقی ہیں لیکن ان (کفار) میں سے اکثر اس بات کو جانتے نہیں۔

طرفه: ۴۶۴۹۔

تشریح: وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ . . . :اس آیت کے تعلق میں سفیان بن عیینہؒ کی تفسیر کا حوالہ دے کر مَطَرٌ اور غَيْثٌ کا جو فرق منقول ہے اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ مَطَرٌ عام بارش کے معنوں میں بھی وارد ہوا ہے جیسا کہ آیت اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ (النساء : ۱۰۳)[1] میں، اَذًى (تکلیف) سے بھیگنا مراد ہے نہ کہ عذاب۔ ابوعبیدہؒ سے منقول ہے کہ اُمْطِرَتْ بمعنی عذاب اور مُطِرَتْ بمعنی برسات ہے۔ یہ قول بھی امام ابن حجرؒ کے نزدیک کمزور ہے۔(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۹۱) مذکورہ اختلاف مدنظر رکھتے ہوئے باب کے تحت جو حدیث نقل کی گئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں ابوجہل کا قول مذکور ہے کہ اگر محمد سچے ہیں تو ہم پر پتھر برسا۔ جس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس راستباز انسان کے تمہارے درمیان موجود ہونے کی وجہ سے تمہیں سزا نہیں ہوگی۔ عذاب یا عام سزا کے لئے الگ قانون ہے۔ اس رسولؐ کی بعثت تو اَمرِ رحمت ہے نہ بطور سزا۔ سزا کا تعلق تو تمہاری بدعملی و سرکشی سے ہے، جس کا ظہور سنت اللہ کے مطابق اپنے وقت پر ہوگا۔ الفاظ مَطَرٌ، اِمْطَارٌ اور غَيْثٌ کی موشگافی میں پڑنے کا موقع نہیں۔ بلکہ آیت کا مفہوم سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دیکھئے سورۃ الأنفال آیات ۳۴، ۳۵۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے: لیکن اللہ اُنہیں اس حالت میں عذاب نہیں دے سکتا تھا جب کہ تو اُن میں تھا اور نہ اللہ ان کو ایسی حالت میں عذاب دے سکتا تھا جب کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔ اور ان کو کیا (مقام حاصل) ہے جس کی وجہ سے باوجود اس کے کہ وہ عزت والی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) سے (لوگوں کو) روکتے ہیں اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا اور وہ درحقیقت اس کے متولی نہیں اس کے (حقیقی) متولی تو صرف متقی ہیں، لیکن ان (کفار) میں سے اکثر اس بات کو جانتے نہیں۔

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''اگر تمہیں بارش کی وجہ سے کوئی مشکل ہو''

اللہ تعالیٰ ابو جہل وغیرہ کی بد دعا کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شفقت ورحمتِ تاب و قلب رقیق اور آپ کی غرض بعثت کے پیش نظر فرماتا ہے کہ اس کی شان سے بعید ہے کہ وہ اُنہیں نظر انداز کر کے لوگوں کی احمقانہ دعاؤں پر اپنی مخلوق کو عذاب میں مبتلا کر دے۔ بستی یا قوم پر عذاب نازل کرتے وقت ان کمزور صحابہ کا بھی خیال نہ رکھے جو شب و روز استغفار میں مشغول ہیں۔ خدا غضب میں دھیما ہے اور بینا۔ اس کے مؤاخذہ میں دیر تو ہو سکتی ہے اندھیر نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات اندوہ گیں اور قلبِ رقیق کا ذکر کئی جگہ وارد ہوا ہے۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ (آل عمران: ۱۶۰)[1] فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○ (الكهف: ۷)[2] قوم کی تباہی سے جو صدمہ آپ کو ہو سکتا تھا اس کا تصور ہمارے لئے ناممکن ہے اور جو غم آپ کو صحابہ کرام کے لئے تھا اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہمہ گیر عذاب الٰہی کے وقت تو کس و ناکس متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور سنت اللہ قدیم سے یہی ہے کہ بعثت کی اصل غرض یعنی اصلاح اور انبیاء کے جذبات شفقت و رأفت اور ان کے کمزور ساتھیوں کا خیال دشمنوں کے احمقانہ مطالبہ پورا کرنے پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ تورات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بار بار استغفار پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو جواب دیا گیا تھا وہ اس راز پنہاں کو بخوبی آشکار کرتا ہے۔ شاید وہاں (سدوم میں) دس (نیک) ملیں۔ اس نے کہا کہ میں دس کی خاطر بھی اسے نیست نہیں کروں گا۔ (دیکھئے پیدائش باب ۱۸: ۲۳ تا ۳۳) محولہ آیات میں بھی اسی سنت الٰہی کا ذکر ہے۔

بَاب ٤ : وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (الأنفال: ٣٤)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) لیکن اللہ انہیں اس حالت میں عذاب نہیں دے سکتا تھا جبکہ تو ان میں تھا اور نہ اللہ ان کو ایسی حالت میں عذاب دے سکتا تھا جبکہ وہ استغفار کر رہے ہوں

٤٦٤٩ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ النَّضْرِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ صَاحِبِ الزِّيَادِيِّ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ أَبُو جَهْلٍ اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ

۴۶۴۹: محمد بن نضر نے ہمیں بتایا کہ عبید اللہ بن معاذ نے ہم سے بیان کیا (کہا:) میرے باپ نے ہم سے بیان کیا، (کہا) کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ زیادی کے دوست عبد الحمید سے مروی ہے۔ اُنہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے سنا، (کہتے

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”پس اللہ کی خاص رحمت کی وجہ سے تُو ان کے لئے نرم ہو گیا۔“

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”پس کیا تُو شدتِ غم کے باعث اُن کے پیچھے اپنی جان کو ہلاک کر دے گا اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں۔“

الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الأنفال: ۳۲) فَنَزَلَتْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الأنفال: ۳٤، ۳۵) الْآيَةَ.

تھے) کہ ابوجہل نے کہا: اے اللہ اگر یہی تیری طرف سے حق ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر برسا، یا کوئی نہایت دردناک عذاب ہم پر لے آ۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: لیکن اللہ انہیں اس حالت میں عذاب نہیں دے سکتا تھا جبکہ تو ان میں تھا اور نہ اللہ ان کو ایسی حالت میں عذاب دے سکتا تھا جبکہ وہ استغفار کر رہے ہوں اور ان کو کیا (مقام حاصل) ہے جس کی وجہ سے باوجود اس کے کہ وہ عزت والی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) سے (لوگوں کو) روکتے ہیں۔ اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا۔ اور وہ درحقیقت اس کے متولی نہیں اس کے (حقیقی) متولی تو صرف متقی ہیں لیکن ان (کفار) میں سے اکثر اس بات کو جانتے نہیں۔

طرفه: ٤٦٤٨۔

تشریح: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ۭ . . . : اس باب میں آیت کے تکرار سے سیاق کلام کے دوسرے حصے کی طرف توجہ دلانا مقصود معلوم ہوتا ہے کہ کفار مکہ سزائے الٰہی کے مستوجب ہو چکے ہیں اور وہ سزا پائیں گے مگر اپنے وقت پر جیسا کہ سورۃ الأنفال آیت ۳۵ میں صراحت ہے۔

بَاب ۵

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الأنفال: ٤٠)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور تم اُن سے اس وقت تک لڑتے رہو کہ فتنہ نہ رہے اور دین سب کا سب اللہ ہی کے لیے ہو جائے

٤٦٥٠: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا حَيْوَةُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا

۴۶۵۰: حسن بن عبد العزیز نے ہمیں بتایا کہ عبد اللہ بن یحییٰ نے ہم سے بیان کیا کہ حیوہ نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے بکر بن عمرو سے، بکر نے بُکیر سے، بُکیر نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ایک شخص اُن کے

أَنَّ رَجُلًا جَاءَهُ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَلَا تَسْمَعُ مَا ذَكَرَ اللهُ فِي كِتَابِهِ وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا إِلَى آخِرِ الْآيَةِ (الحجرات: ١٠) فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ لَا تُقَاتِلَ كَمَا ذَكَرَ اللهُ فِي كِتَابِهِ؟ فَقَالَ يَا ابْنَ أَخِي أُعَيَّرُ[1] بِهَذِهِ الْآيَةِ وَلَا أُقَاتِلُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُعَيَّرَ[1] بِهَذِهِ الْآيَةِ الَّتِي يَقُولُ اللهُ تَعَالَى وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا إِلَى آخِرِهَا (النساء: ٩٤) قَالَ فَإِنَّ اللهَ يَقُولُ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (الأنفال: ٤٠) قَالَ ابْنُ عُمَرَ قَدْ فَعَلْنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ كَانَ الْإِسْلَامُ قَلِيلًا فَكَانَ الرَّجُلُ يُفْتَنُ فِي دِينِهِ إِمَّا يَقْتُلُوهُ وَإِمَّا يُوثِقُوهُ حَتَّى كَثُرَ الْإِسْلَامُ فَلَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ فَلَمَّا رَأَى أَنَّهُ لَا يُوَافِقُهُ فِيمَا يُرِيدُ قَالَ فَمَا قَوْلُكَ فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ مَا قَوْلِي فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ أَمَّا عُثْمَانُ فَكَانَ اللهُ قَدْ عَفَا عَنْهُ

پاس آیا، کہنے لگا: ابوعبدالرحمٰن! کیا آپؓ سنتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے؟ اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں میں صلح کرادو۔ پھر اگر صلح ہو جانے کے بعد اُن میں سے کوئی ایک دوسرے پر چڑھائی کرے، تو سب مل کر اس چڑھائی کرنے والے کے خلاف جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پھر اگر وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے تو عدل کے ساتھ ان (دونوں لڑنے والوں) میں صلح کرادو اور انصاف کو مدنظر رکھو۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (کہا:) پھر آپؓ کو کیا رکاوٹ ہے کہ آپؓ نہیں لڑتے جیسا کہ اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ اُنہوں نے یہ سن کر کہا: اے میرے بھتیجے! اس آیت کے معنی سمجھنے میں مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی اور میں نہ لڑوں یہ بات مجھے پسند ہے بہ نسبت اس بات کے کہ میں اس آیت کو سمجھ کر مغالطہ میں رہوں جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یعنی جو (شخص) کسی مومن کو دانستہ قتل کر دے گا تو اس کی سزا جہنم ہوگی۔ وہ اس میں دیر تک رہتا چلا جائے گا اور اللہ اس سے ناراض ہوگا اور اسے (اپنی جناب سے) دور کر دے گا اور اس کے لیے (بہت) بڑا عذاب تیار کرے گا۔ وہ شخص کہنے لگا: اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: اور اُن (کفار) سے لڑتے جاؤ یہاں تک کہ جبر کا نام و نشان باقی نہ رہے۔

[1] فتح الباری مطبوعہ انصاریہ کے مطابق اس جگہ لفظ "أُغْتَرّ" ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ حاشیہ صفحہ ۳۹۳)

فَكَرِهْتُمْ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُ وَأَمَّا عَلِيٌّ فَابْنُ عَمِّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَتَنُهُ وَأَشَارَ بِيَدِهِ وَهَذِهِ ابْنَتُهُ أَوْ بِنْتُهُ حَيْثُ تَرَوْنَ.

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس پر عمل کیا جب کہ مسلمان بہت تھوڑے تھے اور اس وقت آدمی کو اس کے دین کی وجہ سے ابتلاء میں ڈال دیا جاتا تھا یا اسے قتل کر ڈالتے یا اسے جکڑ دیتے، آخر یہ زمانہ ہوا کہ مسلمان بہت ہو گئے اور وہ فتنہ نہ رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو بات وہ چاہتا ہے اس میں اس کے ساتھ متفق نہیں ہوتے تو اس نے پوچھا: پھر آپؓ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کی نسبت کیا کہتے ہیں؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کی نسبت میں کیا کہتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ جو ہیں تو اللہ نے اُنہیں معاف کر دیا اور تم نے بُرا منایا کہ وہ اُنہیں معاف کر دے اور حضرت علیؓ جو ہیں تو وہ تو رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے اور داماد ہیں اور ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا یہ ان کی بیٹی وہاں ہے جہاں تم دیکھ رہے ہو۔ راوی نے ابْنَتُهُ کہا یا بِنْتُهُ کہا۔

أطرافه: ۳۱۳۰، ۳۶۹۸، ۳۷۰٤، ٤٠٦٦، ٤٥١٣، ٤٥١٤، ٤٥١٥، ٤٦٥١، ۷۰۹٥-

٤٦٥١: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا بَيَانٌ أَنَّ وَبَرَةَ حَدَّثَهُ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا أَوْ إِلَيْنَا ابْنُ عُمَرَ فَقَالَ رَجُلٌ كَيْفَ تَرَى فِي قِتَالِ الْفِتْنَةِ فَقَالَ وَهَلْ تَدْرِي مَا الْفِتْنَةُ كَانَ مُحَمَّدٌ ﷺ يُقَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ

۴۶۵۱: احمد بن یونس نے ہم سے بیان کیا کہ زُہیر (بن معاویہ) نے ہمیں بتایا کہ بیان (بن بشر) نے ہم سے بیان کیا کہ وبرہ (بن عبدالرحمٰن) نے اُن کو بتایا، کہا: سعید بن جبیر نے مجھ سے بیان کیا، کہا: حضرت ابن عمرؓ ہمارے پاس یا کہا: ہماری طرف باہر آئے تو ایک شخص نے کہا: آپ اس فتنہ میں لڑنے کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں؟ اُنہوں نے کہا: اور کیا تمہیں پتہ بھی ہے کہ

وَكَانَ الدُّخُولُ عَلَيْهِمْ فِتْنَةً وَلَيْسَ كَقِتَالِكُمْ عَلَى الْمُلْكِ.

فتنہ کیا ہوتا ہے؟ محمد ﷺ مشرکوں سے لڑائی کیا کرتے تھے اور مشرکوں کے پاس جانا بھی ایک فتنہ ہوتا تھا اور (آپؐ کی لڑائی) تمہاری اس لڑائی کی طرح نہ تھی جو ملک کی خاطر ہے۔

أطرافُهُ: ٣١٣٠، ٣٦٩٨، ٣٧٠٤، ٤٠٦٦، ٤٥١٣، ٤٥١٤، ٤٥١٥، ٤٦٥٠، ٧٠٩٥۔

تشریح: وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ: مذکورہ بالا یہ حکم سورۃ الأنفال آیت نمبر ۴۰ میں موجود ہے جس سے ظاہر ہے کہ موعودہ سزا کا نفاذ خود مظلومین کے ہاتھوں سے ہوگا اور اس سزا کی غرض یہ ہے کہ افرادِ معاشرہ کو اپنی آزادی حاصل ہو۔ ہر شخص اللہ ہی کے لئے دین اختیار کرنے والا ہو، نہ کسی غیر اللہ کے خوف سے، جیسا کہ اس بارے میں دوسری جگہ ان الفاظ میں صراحت ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرة: ٢٥٧) دین کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر (جائز) نہیں۔ روایت زیر باب میں حضرت ابن عمرؓ کی سند سے فتنہ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے یہی بات ذہن نشین کروائی گئی ہے۔ اُن سے دریافت کرنے والا خوارج سے تھا۔ یہی روایت مناقب حضرت عثمانؓ میں بھی گزر چکی ہے (دیکھئے روایت نمبر ۳۶۹۸) امام ابن حجرؒ کا خیال ہے کہ اس قسم کے اعتراض کرنے والے کئی تھے۔ خارجی بھی اور رافضی بھی۔ خارجی تو دونوں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو زیر الزام سمجھتے تھے اور رافضی صرف اول الذکر کو۔ جہاں صرف حضرت عثمانؓ کے خلاف اعتراض کا ذکر ہے تو وہاں معترض رافضی معلوم ہوتا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۹۴) باب کی دوسری روایت میں دینی جنگ اور سیاسی جنگ میں فرق نمایاں کیا گیا ہے۔ حضرت معاویہؓ کی جنگ سیاسی نوعیت کی تھی۔

بَاب ٦: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ (الأنفال: ٦٦)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اے نبی! مومنوں کو (کافروں سے) لڑنے کی بار بار زور سے تحریک کرتا رہ۔ اگر تم میں سے بیس ثابت قدم رہنے والے (مومن) ہوں گے تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آجائیں گے اور اگر سو (ثابت قدم رہنے والے مومن) ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے کیونکہ وہ ایسی قوم ہیں جو سمجھتے نہیں (جبکہ مومن سمجھ بوجھ کر اپنے ایمان پر قائم ہیں) ان لوگوں پر جو کافر ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے۔

٤٦٥٢: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ

۴۶۵۲: علی بن عبد اللہ (مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَمَّا نَزَلَتْ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ (الأنفال: ٦٦) فَكُتِبَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا يَفِرَّ وَاحِدٌ مِنْ عَشَرَةٍ فَقَالَ سُفْيَانُ غَيْرَ مَرَّةٍ أَنْ لَا يَفِرَّ عِشْرُونَ مِنْ مِائَتَيْنِ ثُمَّ نَزَلَتْ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ (الأنفال: ٦٧) الْآيَةَ فَكَتَبَ أَنْ لَا يَفِرَّ مِائَةٌ مِنْ مِائَتَيْنِ وَزَادَ سُفْيَانُ مَرَّةً نَزَلَتْ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ (الأنفال: ٦٦). قَالَ سُفْيَانُ وَقَالَ ابْنُ شُبْرُمَةَ وَأُرَى الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ مِثْلَ هٰذَا.

طرفه: ٤٦٥٣۔

نے عمرو (بن دینار) سے، عمرو نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی: اگر تم میں سے بیس ثابت قدم رہنے والے (مومن) ہوں گے تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آجائیں گے۔ تو اس وقت مسلمانوں پر فرض کیا گیا کہ اُن میں سے ایک دس کے مقابلہ سے نہ بھاگے۔ سفیان نے کئی بار یوں بھی کہا: بیس دو سو کے مقابل نہ بھاگیں۔ پھر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی یعنی اب اللہ نے تم سے تخفیف کی ہے تو اُن پر یہ فرض کیا کہ سو دو سو کے مقابلہ سے نہ بھاگیں۔ ایک بار سفیان نے اس روایت میں یہ مزید بیان کیا کہ یہ آیت اُتری یعنی مومنوں کو (کافروں سے) لڑنے کی بار بار زور سے تحریک کرتا رہ۔ اگر تم میں سے بیس ثابت قدم رہنے والے (مومن) ہوں گے۔ سفیان نے کہا: اور (عبداللہ) بن شبرمہ (قاضی کوفہ) کہتے تھے: میں سمجھتا ہوں امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں بھی یہی حکم ہے۔

بَاب: ٧ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا الْآيَةَ إِلَى قَوْلِهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (الأنفال: ٦٧)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) ابھی اللہ نے تم سے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے۔ اور جان لیا ہے کہ تم میں (ابھی) کچھ کمزوری ہے۔ (یعنی سب مومن انتہائی درجہ کے مومن نہیں ہو چکے) پس چاہیئے کہ اگر تم میں سے سو ثابت قدم رہنے والے (مومن) ہوں تو دو سو (کافروں) پر غالب آجائیں اور اگر تم میں سے ہزار ثابت قدم رہنے والے مومن ہوں تو دو ہزار (کافروں) پر اللہ کے حکم سے غالب آجائیں اور اللہ ثابت قدم رہنے والے لوگوں کے ساتھ ہے۔

٤٦٥٣: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ

۴۶۵۳: یحيٰ بن عبداللہ سلمی نے ہم سے بیان کیا

السُّلَمِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ أَخْبَرَنِي الزُّبَيْرُ بْنُ الْخِرِّيتِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ (الأنفال:٦٦) شَقَّ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ حِينَ فُرِضَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا يَفِرَّ وَاحِدٌ مِنْ عَشَرَةٍ فَجَاءَ التَّخْفِيفُ فَقَالَ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ (الأنفال:٦٧) قَالَ فَلَمَّا خَفَّفَ اللهُ عَنْهُمْ مِنَ الْعِدَّةِ نَقَصَ مِنَ الصَّبْرِ بِقَدْرِ مَا خُفِّفَ عَنْهُمْ.

طرفه: ٤٦٥٢-

کہ عبداللہ بن مبارک نے ہمیں بتایا کہ جریر بن حازم نے ہمیں خبر دی۔ اُنہوں نے کہا: زبیر بن خریت نے مجھے بتایا۔ اُنہوں نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: اگر تم میں سے بیس ثابت قدم رہنے والے (مومن) ہوں گے تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آ جائیں گے۔ مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا کہ اُن میں سے ایک دس کے مقابلہ سے نہ بھاگے تو مسلمانوں کے لئے یہ مشکل ہوا۔ پھر تخفیف کا حکم آیا اور فرمایا: ابھی اللہ نے تم سے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے۔ اور جان لیا ہے کہ تم میں (ابھی) کچھ کمزوری ہے۔ (یعنی سب مومن انتہائی درجہ کے مومن نہیں ہو چکے) پس چاہیئے کہ اگر تم میں سے سو ثابت قدم رہنے والے (مومن) ہوں تو دو سو (کافروں) پر غالب آ جائیں اور اگر تم میں سے ہزار ثابت قدم رہنے والے مومن ہوں تو دو ہزار (کافروں) پر اللہ کے حکم سے غالب آ جائیں اور اللہ ثابت قدم رہنے والے لوگوں کے ساتھ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: جب اللہ نے ان سے تعداد میں تخفیف کر دی اتنا ہی اندازہ صبر کا بھی نظر انداز کر دیا جتنا کہ تعداد میں اُن سے تخفیف کی گئی۔

تشریح: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ . . . : علامہ عبداللہ بن شبرمہ قاضی کوفہ کی وسعت تاویل سے ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا تصرف کا جواز قتال ہی سے مخصوص نہیں۔ بلکہ دیگر اوامر ونواہی میں بھی حالات کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۹۶) باب نمبر ۷ میں دوسری آیت کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں یہ تصریح ہے: عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا (الأنفال:٦٧) یعنی اسے معلوم ہے کہ تم

میں ابھی کمزوری ہے۔ جس کی وجہ سے تخفیف کا حکم دیا گیا ہے کہ ایک مسلمان دو کا مقابلہ کریں۔ باب ۷ کی روایت میں یہ وجہ نمایاں کی گئی ہے۔ سورۃ الأنفال کی محولہ آیات سے ظاہر ہے کہ احکام الٰہیہ کے نفاذ میں مخاطبین کے مخصوص حالاتِ ضعف و قوت کو ملحوظ رکھنا حکیمانہ طریق ہے۔ مبلغین اسلام بھی اصلاح حال میں یہی اصل مد نظر رکھیں۔ سفیان بن عیینہؒ اور ابن شبرمہؒ کے قول کا حوالہ جو ضمناً دیا گیا ہے۔ اِس سے یہی امر ذہن نشین کرانا مقصود ہے۔ ابو نعیم نے اپنی مستخرج میں مذکورہ بالا حوالہ نقل کیا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۹۵) لیکن مذکورہ بالا اجازت کے یہ معنی نہیں کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال یا کوئی حکم منسوخ یا کم و بیش کر دیا جائے۔ مثلاً پانچ نمازوں کی جگہ دو نمازیں کہ قطبین میں پانچ معروف اوقات کی وہ صورت نہیں جو ایشیا وغیرہ ممالک میں ہے۔ جہاں رات یا دن مثلاً چھ چھ ماہ کے ہیں وہاں کے لئے شارع اسلام نے فَاقْدُرُوا لَهُ فرما کر اندازہ کرنے کی اجازت دی ہے۔[1] ایسی جگہوں میں کاروبار و آرام و استراحت کے اوقات ملحوظ رکھ کر پانچ نمازوں کا اندازہ کرنا ہوگا۔ خود قرآن مجید کے حکم اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ (بنی اسرائیل:۷۹)[2] میں بھی اندازہ کی گنجائش موجود ہے۔ اسی طرح روزوں کے لئے ماہ رمضان کے ایام ہی میں سحری و افطاری کے وقت کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے اور یہ جائز نہیں کہ وہاں کے لئے روزے منسوخ سمجھے جائیں۔ ارکان اسلام از قبیل حالات ہیں، جو تزکیہ نفس و حصول قرب الٰہی کے لیے ضروری ہیں۔ اگر ایک جگہ اُن کی پابندی کے بغیر یہ غرض حاصل ہو سکتی ہو تو پھر دوسری جگہوں میں اُن کی کیا ضرورت ہے۔ عالمی معاشرہ اسلامیہ کی یگانگت و یک جہتی کی صورت کا قائم رکھنا ناممکن نہیں، اگر عقل و فکر اور جذباتِ ایمان کو روحِ اخلاص اور عزمِ صمیم سے بروئے کار لایا جائے۔ حج و جہاد ہر ذی استطاعت پر واجب ہے اور بعض حالات میں ان کا بدل تجویز کیا گیا ہے۔ یعنی حج بدل اور بدل نقدی۔ روزے میں بھی فدیہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (البقرۃ: ۱۸۵)[3] کا ارشاد ہے۔ غرض نہ ارکان میں سے کوئی رکن ساقط ہوتا ہے اور نہ حلال و حرام میں تصرف جائز ہے۔

☆☆☆

[1] (سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب فتنة الرجال وخروج عيسیٰ ابن مريم)

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "سورج کے ڈھلنے سے شروع ہو کر رات کے چھا جانے تک نماز کو قائم کر۔"

[3] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "چاہئے کہ وہ اتنی مدت کے روزے دوسرے ایام میں پورے کرے۔"

۹- سُورَةُ بَرَاءَةَ

مَرْصَدٍ (التوبة:۵) طَرِيقٍ. إِلًّا (التوبة:۸) الْإِلُّ الْقَرَابَةُ وَالذِّمَّةُ وَالْعَهْدُ. وَلِيْجَةً (التوبة: ۱۶) كُلُّ شَيْءٍ أَدْخَلْتَهُ فِي شَيْءٍ. الشُّقَّةُ (التوبة: ۴۲) السَّفَرُ. الْخَبَالُ الْفَسَادُ، وَالْخَبَالُ الْمَوْتُ. وَلَا تَفْتِنِّيْ (التوبة: ۴۹) لَا تُوَبِّخْنِي. كَرْهًا (التوبة: ۵۳) وَ كُرْهًا وَاحِدٌ. مُدَّخَلًا (التوبة: ۵۷) يُدْخَلُونَ فِيهِ. يَجْمَحُوْنَ (التوبة: ۵۷) يُسْرِعُونَ. وَالْمُؤْتَفِكٰتِ (التوبة: ۷۰) ائْتَفَكَتْ انْقَلَبَتْ بِهَا الْأَرْضُ. أَهْوَى أَلْقَاهُ فِي هُوَّةٍ. عَدْنٍ (التوبة: ۷۲) خُلْدٍ، عَدَنْتُ بِأَرْضٍ أَيْ أَقَمْتُ، وَمِنْهُ مَعْدِنٌ وَيُقَالُ فِي مَعْدِنِ صِدْقٍ فِي مَنْبَتِ صِدْقٍ. الْخَوَالِف (التوبة:۸۷) الْخَالِفُ الَّذِي خَلَفَنِي فَقَعَدَ بَعْدِي وَمِنْهُ يَخْلُفُهُ فِي الْغَابِرِينَ وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ النِّسَاءُ مِنَ الْخَالِفَةِ، وَإِنْ كَانَ جَمْعَ الذُّكُورِ فَإِنَّهُ لَمْ يُوجَدْ عَلَى تَقْدِيرِ جَمْعِهِ إِلَّا حَرْفَانِ فَارِسٌ وَفَوَارِسُ، وَهَالِكٌ وَهَوَالِكُ. الْخَيْرٰتُ (التوبة:۸۸)

مَرْصَدٍ کے معنی ہیں راستہ۔ اِلًّا کے معنی ہیں رشتہ داری اور عہد و پیمان۔ وَلِيْجَةً ہر وہ شے ہے جس کو تو کسی دوسری شے میں داخل کرے۔ الشُّقَّةُ کے معنی ہیں سفر۔ الْخَبَالُ کے معنی ہیں فساد اور خبال کے معنی موت بھی ہیں۔ وَلَا تَفْتِنِّيْ کے معنی ہیں مجھے مت جھڑک۔ كَرْهًا اور كُرْهًا کے ایک ہی معنی ہیں۔ مُدَّخَلًا وہ جگہ ہے جس میں وہ داخل کیے جاتے ہیں۔ يَجْمَحُوْنَ کے معنی ہیں منہ اٹھائے ایک طرف کو جلدی سے چل دیں گے۔ (لفظ جموح میں سرتابی اور منہ زوری کا مفہوم پایا جاتا ہے) الْمُؤْتَفِكٰتِ ائْتَفَكَتْ سے مشتق ہے۔ یعنی زمین اس کے سمیت اُلٹ گئی۔ أَهْوَى کے معنی ہیں اُس کو گڑھے میں ڈال دیا۔ عَدْن کے معنی ہیں ہمیشگی، کہتے ہیں عَدَنْتُ بِأَرْضٍ یعنی میں اس زمین میں رہ پڑا اور اس سے مَعْدِن کا لفظ ہے اور کہتے ہیں: فِي مَعْدِنِ صِدْقٍ یعنی وہ ایسی جگہ ہے جہاں سے سچائی اُگتی ہے۔ الْخَوَالِف، خَالِفٌ کی جمع ہے یعنی جو مجھ کو چھوڑ کر میرے پیچھے بیٹھ رہا اور اس سے یہ قول ہے يَخْلُفُهُ فِي الْغَابِرِينَ یعنی وہ اس کو چھوڑ کر پیچھے رہنے والوں میں رہ گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خَوَالِف کے معنی وہ عورتیں ہوں جو پیچھے رہ جائیں۔ جس کا

وَاحِدُهَا خَيْرَةٌ وَهِيَ الْفَوَاضِلُ. مُرْجَوْنَ (التوبة:١٠٦) مُؤَخَّرُونَ. الشَّفَا الشَّفِيرُ وَهُوَ حَدُّهُ. وَالْجُرُفُ مَا تَجَرَّفَ مِنَ السُّيُولِ وَالْأَوْدِيَةِ. هَارٍ (التوبة:١٠٩) هَائِرٍ. {يُقَالُ تَهَوَّرَتِ الْبِئْرُ إِذَا انْهَدَمَتْ وَانْهَارَتْ مِثْلُهُ [1]} لَأَوَّاهٌ شَفَقًا وَفَرَقًا. وَقَالَ [2]

مفرد خَالِفَةٌ ہے۔ اگر خَوَالِف مذکر یعنی خَالِفٌ کی جمع ہے تو اس وزن پر جمع کے دو ہی لفظ پائے گئے ہیں۔ ایک فَارِسٌ جس کی جمع فَوَارِسُ ہے ایک هَالِكٌ جس کی جمع هَوَالِكُ ہے۔ اَلْخَيْرٰتُ جس کا مفرد خَيْرَةٌ ہے۔ اس کے معنی ہیں اعلیٰ درجہ کی نیکیاں۔ مُرْجَوْنَ کے معنی ہیں وہ لوگ جن کا معاملہ ملتوی رکھا گیا۔ شَفَا کے معنی ہیں کسی چیز کا کنارہ اور جُرُفٌ وہ زمین ہے جو سیلابوں اور ندیوں کے بہنے سے نیچے سے کھوکھلی ہو جاتی ہے۔ هَارٍ کے معنی ہیں گرنے والا۔ کہتے ہیں تَهَوَّرَتِ الْبِئْرُ جب کنواں گر جائے۔ انْهَارَتْ بھی اسی طرح ہے۔ لَأَوَّاهٌ کے معنی ہیں ڈر کی وجہ سے آہ و زاری کرنے والا۔ اور ایک شاعر نے کہا ہے:

إِذَا مَا قُمْتُ أَرْحَلُهَا بِلَيْلٍ
تَأَوَّهُ آهَةَ الرَّجُلِ الْحَزِينِ

جب میں رات کو اٹھ کر اونٹنی پر کجاوہ رکھتا ہوں
تو وہ غم زدہ آدمی کی طرح آہیں بھرتی ہے۔

تشریح: یہ سورۃ "التوبہ" کے نام سے مشہور ہے اور بغیر تسمیہ ہے، جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ بیزاری کے اعلان پر مشتمل ہے۔ جس میں ظالم مشرکین کو اُن کے مغلوب ہونے کے بعد مہلت دی گئی ہے کہ وہ اسلام قبول کریں یا حرم گاہ سے نکل جائیں۔ حرمِ مکہ جو اَمن اور توحید کا گھر ہے وہ ظالم کو پناہ نہیں دیتا (دیکھئے روایت نمبر ۱۰۴) ان ظالموں کے اپنے نظریہ جبر و اکراہ کی یہی پاداش تھی۔ چونکہ تسمیہ میں امن و پناہ کا مفہوم مضمر ہے اس لئے سورۃ براءۃ کے موضوع کا تقاضا ہے کہ اس کا آغاز بسم اللہ سے نہ ہو۔ اعلان براءۃ اور تسمیہ کے مفہوم میں منافات و تضاد معانی ہے۔ اس لئے اس سورۃ سے پہلے بسم اللہ نہیں۔ امام ابن حجرؒ نے ایک یہ وجہ

[1] یہ عبارت فتح الباری مطبوعہ انصاریہ کے مطابق متن میں ہے۔ (فتح الباری جزء۸ حاشیہ صفحہ ۳۹۸)

[2] فتح الباری مطبوعہ بولاق میں الفاظ وَقَالَ الشَّاعِرُ ہیں (فتح الباری جزء۸ حاشیہ صفحہ ۳۹۸) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

بھی نقل کی ہے کہ سورۃ الأنفال کے تسلسل میں ہی سورۃالتوبہ نازل ہوئی ہے اس لئے حضرت عثمانؓ نے اسے بوقتِ کتابتِ مصحف تسمیہ کے ذریعہ اسے الگ نہیں رکھا۔ اس بارہ میں امام احمد بن حنبلؒ، حاکمؒ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ان کے نزدیک یہ قول قابل اعتماد سمجھا گیا ہے۔(فتح الباری جلد۸ صفحہ ۳۹۸) لیکن پہلا قول صحت سے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ دوسری صورت میں ماننا پڑے گا کہ کسی کی رائے سے کلام اللہ کی ترتیب وغیرہ قائم کرنے میں معمولی تصرف کیا جاسکتا ہے جو صحیح نہیں۔ فرماتا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ○(الحجر:۱۰) یہ ذکر یعنی قرآن ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں اور فرماتا ہے: لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ○(حٰمٓ السجدة:۴۳) باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ بڑی حکمتوں والے اور بڑی تعریفوں والے خدا کی طرف سے وہ اُتارا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآن حکیم کی لفظی صحت وضبط اور اس میں عدم تصرف کے متعلق فرماتے ہیں:

> ”قرآن کریم وہ یقینی اور قطعی کلام الٰہی ہے جس میں انسان کا ایک نقطہ یا ایک شعشہ تک دخل نہیں اور وہ اپنے الفاظ اور معانی کے ساتھ خدائے تعالیٰ کا ہی کلام ہے اور کسی فرقہ اسلام کو اس کے ماننے سے چارہ نہیں۔ اس کی ایک ایک آیت اعلیٰ درجہ کا تواتر اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ وہ وحی متلو ہے جس کے حرف حرف گنے ہوئے ہیں۔ وہ بباعث اپنے اعجاز کے بھی تبدیل اور تحریف سے محفوظ ہے۔“

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن، جلد۳ صفحہ ۳۸۴)

اور آپؑ اپنی تصنیف تحفہ بغداد میں بزبان عربی فرماتے ہیں:

> ”والقرآن مخصوص بالقطعية التامة وله مرتبة فوق مرتبة كل كتاب و كل وحي، ما مسه ايدى الناس.“

(تحفہ بغداد، روحانی خزائن، جلد۷ صفحہ ۳۱)

ترجمہ: اور قرآن پوری قطعیات سے مخصوص ہے اور ہر کتاب اور ہر وحی کے مرتبہ پر اس کے مرتبہ کو فوقیت حاصل ہے۔ لوگوں کے ہاتھوں نے اسے چھوا تک نہیں۔

اب سورۃالتوبہ کے محولہ بالا الفاظ کی شرح درج ذیل ہے:

۱) مَرْصَد کے معنی ہیں طریق۔ اس کی جمع مَرَاصِدُ ہے۔ مَرْصَدٌ کے معنی ہیں رصدگاہ، گھات کی جگہ جہاں سے دشمن کی نقل و حرکت کا علم حاصل ہو۔ اس حوالہ میں یہ آیت مراد ہے: وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ(التوبة:۵) اور ہر طریق سے اور ہر گھات کی جگہ سے (اُن کی نقل و حرکت دیکھنے کے لئے بیٹھ جاؤ)۔ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التوبة:۵) پس اگر وہ توبہ کریں اور باجماعت نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو اُن کا راستہ کھول دو۔ اللہ یقیناً بڑا بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲) اِلًّا کے معنی ہیں قرابت اور ذِمَّةً کے معنی ہیں اقرار و پیمان۔ اس سے یہ آیت مراد ہے: كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ (التوبة:۸) ایسے مشرکوں کو کیونکر کوئی رعایت دی جاسکتی ہے جو اگر تم پر غالب آجائیں تو تمہاری کسی رشتہ داری یا معاہدہ کی پرواہ نہ کریں۔ وہ اپنے منہ کی باتوں سے تمہیں خوش رکھتے ہیں۔ بحالیکہ ان کے دل انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر عہد و پیمان کو توڑنے والے ہیں۔

۳) وَلِيْجَةً سے یہ آیت مراد ہے: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (التوبة: ۱۶) کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔ حالانکہ اب تک اللہ نے اُن لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے۔ (اُن کے مقابلہ میں جنہوں نے جہاد نہیں کیا) ظاہر نہیں کیا۔ جو خدا اور اس کے رسول اور مومنوں کے مقابلہ میں کفار سے خفیہ جوڑ توڑ نہیں رکھتے اور اللہ تمہارے اعمال سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس آیت کے حوالہ سے توجہ دلائی گئی ہے کہ اعلان براءة کی غرض یہ تھی کہ دشمنانِ دین کو معاشرۂ اسلامیہ میں گھس کر ریشہ دوانی کا موقع نہ ملے اور مخلصین و ابرار اَور ان کے مقابل مفسدہ پردازوں کے درمیان نکھار ہو جائے۔

۴) الشُّقَّةُ کے معنی سفر ابو عبیدہ سے مروی ہیں (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۹۹) اس سے آیت لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ (التوبة :۴۲) کی طرف توجہ منعطف کرائی گئی ہے۔ یعنی اگر قریب میں ملنے والا فائدہ ہوتا یا چھوٹا سفر تو وہ ضرور تیرے پیچھے چل پڑتے۔ لیکن اُنہیں مسافت دور معلوم ہوئی۔ معاشرۂ اسلامیہ کا صحت مند حصہ دراصل وہی ہے جو اس کے دکھ سکھ میں شریک حال رہے۔ نہ ایسے لوگ جو پنجابی ضرب المثل کا مصداق ہوں ''مٹھا مٹھا ہڑپ کوڑا کوڑا تھو۔'' لفظ شُقَّةٌ شَقٌّ سے ہے۔ اس کا مصدر مُشَقَّةٌ ہے اور شَاقٌّ اسم فاعل ہے یعنی تکلیف دہ سفر۔

۵) الْخَبَالُ کے معنی ہیں فساد۔ اس لفظ کی یہ شرح ابو عبیدہؒ سے مروی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۹۹) الْخَبَالُ سے اس آیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے: لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○ (التوبة: ۴۷) اگر وہ تمہارے ساتھ مل کر نکلتے تو خرابی پیدا کرنے کے سوا تمہاری کچھ مدد نہ کرتے اور وہ تمہارے درمیان (فساد کرنے کے لیے) خوب گھوڑے دوڑاتے پھرتے (اور) تمہارے اندر فتنہ پیدا کرنے کی خواہش کرتے اور تم میں (بھی) کچھ ایسے (لوگ پائے جاتے) ہیں جو اُن تک پہنچانے کے لئے باتیں سنتے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ غرض مذکورۃ الصفات افراد معاشرۂ اسلامیہ کا جزء بننے کے اہل نہیں ہیں۔

۶) لَا تَفْتِنِّيْ کے معنی ہیں مجھے نہ جھڑکیں، ردّ نہ کریں۔ جرجانی نے اس کے معنی تُوَهِّنِّي اور ابن سکن نے

تُؤَثِّمْنِي کیے ہیں۔ یعنی کسی مشقت آمیز امر میں مجھے ڈال کر میری کمزوری ظاہر نہ کریں یا مجھے گناہ گار نہ ٹھہرائیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۹۹) اس حوالہ سے یہ آیت مراد ہے: وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ○ (التوبة: ۴۹) اور اُن میں سے بعض (منافق) ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمیں (پیچھے رہنے کی) اجازت دیجئے اور ہم کو (جنگ پر) جانے کی آزمائش میں نہ ڈالیئے۔ سن رکھو یہ لوگ فتنے میں پہلے ہی سے پڑ چکے ہیں اور جہنم کافروں کو یقیناً تباہ کرنے والی ہے۔ اس کے بعد آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جن سے بیزاری کا اعلان کیا گیا ہے اُن کا حال یہ ہے کہ وہ نہ صرف معاشرۂ اسلامیہ کے دکھ سکھ میں شریک نہیں ہوتے بلکہ اس کے دکھ پر خوش ہوتے ہیں اور اُن کی حالت یہ ہے کہ اس کا سکھ ہی اُنہیں ناگوار ہوتا ہے۔

۷) كَرْهًا وَكُرْهًا معنوں کے لحاظ سے ایک ہی ہیں یعنی ناپسندیدگی۔ اس سے سورۂ توبہ آیت ۳۲، ۳۳ کی طرف اشارہ ہے جس میں آنحضرت صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بعثت کی غرض وغایت کا ذکر ہے۔ یعنی یہ لوگ نہ صرف آپ کے نصب العین ہی سے متفق نہیں بلکہ اسے ناپسند بھی کرتے ہیں۔ فرماتا ہے: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ (کی پھونکوں) سے بجھادیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے کے سوا دوسری ہر بات سے انکار کرتا ہے۔ خواہ کفار کو کتنا ہی بُرا لگے۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ (باقی) تمام دینوں پر اُسے غالب کردے، گو مشرکوں کو یہ بات بہت ہی بُری لگے۔

۸) مُدَّخَلًا: يُدْخَلُوْنَ فِيهِ: یہ معنی ابوعبیدہ سے مروی ہیں۔ یعنی وہ جگہ جس میں وہ داخل کیے جاتے ہیں (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۳۹۹) پوری آیت یہ ہے: لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَ هُمْ يَجْمَحُوْنَ (التوبة: ۵۷) اگر وہ کوئی پناہ کی جگہ یا چھپ رہنے کے لیے غار یا بیٹھ رہنے کے لیے کوئی ٹھکانہ پائیں تو وہ پیٹھ پھیر کر دوڑتے ہوئے اُدھر چلے جائیں گے۔ يَجْمَحُوْنَ کے معنی يُسْرِعُوْنَ ہیں یعنی جلدی سے چلتے ہیں۔ جَمَحَ کا معنی ہے سر اُٹھائے بے تحاشہ دوڑنا۔

۹) الْمُؤْتَفِكٰتِ: ائْتَفَكَتْ سے اسم مفعول جمع مونث ہے یعنی الٹائی ہوئی بستیاں۔ فرماتا ہے: اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۙ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ (التوبة: ۷۰) کیا اُن کے پاس اُن لوگوں کی خبریں نہیں آئیں جو اُن سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یعنی نوح اور عاد اور ثمود کی قوم کی اور ابراہیم کی قوم اور مدین والوں کی اور اُلٹائی گئی بستیوں کے لوگوں کی۔ اُن کے پاس اُن کے رسول کھلے نشان لے کر آئے (مگر اُنہوں نے انکار کیا اور سزا پائی) اللہ تعالیٰ تو ایسا نہیں کہ اُن پر ظلم کرتا بلکہ وہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

۱۰) اَهْوٰى کے معنی ہیں گڑھے میں گرادیا۔ هُوَّةٍ کے معنی ہیں گڑھا۔ الْمُؤْتَفِكٰتِ سے مراد قوم لوط کی

بستیاں ہیں۔ سورۃ النجم آیت نمبر ۵۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ○ (النجم:۵۴) یہاں اسی آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یعنی الٹائی ہوئی بستیاں جنہیں گڑھے میں ڈال دیا۔

۱۱) عَدْنٌ کے معنی ہیں خُلْدٌ یعنی ہمیشہ رہنا۔ کہتے ہیں عَدَنْتُ بِأَرْضٍ۔ میں نے زمین میں قیام کیا۔ زمین سے مراد علاقہ ہے۔ اسی لفظ عَدْن سے مَعْدِن مشتق ہے۔ کہتے ہیں: هو فِي مَعْدِنِ صِدْقٍ: فِي مَنْبَتِ صِدْقٍ۔ یعنی عمدہ گھرانے میں تربیت یافتہ۔ فرماتا ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (التوبۃ:۷۲) اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسی جنات کے وعدے کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں پاک رہائش گاہوں کا بھی وعدہ کیا ہے اور مزید براں اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑا انعام ہے (جو اُنہیں ملے گا) اور اس کا ملنا بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔

۱۲) الْخَوَالِفُ جمع خَالِفٌ کی ہے۔ اس کے معنی ہیں جانشین۔ خَالِفَةٌ اس کی مؤنث ہے۔ دونوں کی جمع خَوَالِفُ ہے۔ یعنی پیچھے بیٹھے رہنے والے مرد یا عورتیں دونوں مراد ہیں۔ انہی معنوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ (سبا:۴۰) اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو، وہ اس کا نتیجہ ضرور نکالے گا۔ اور سورۃ الشعراء میں فِي الْغٰبِرِيْنَ (الشعراء:۱۷۲) انہی معنوں میں آیا ہوا ہے۔ یعنی ہم نے لوط اور اس کے سب اہل کو نجات دی۔ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والی تھی۔ فقرہ فِي الْغٰبِرِيْنَ سے اس طرف اشارہ ہے کہ خَوَالِفُ سے بھی مراد نہ شامل ہونے والے لوگ ہیں۔ لفظ خَوَالِفُ سورۂ توبہ کی آیت ۸۷ اور ۹۳ میں آیا ہے۔ جہاں شریک جہاد نہ ہونے والوں کی نسبت دو دفعہ فرمایا: رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَ طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ (التوبۃ:۸۷) وہ اس بات پر خوش ہیں کہ پیچھے بیٹھے رہنے والوں میں شامل ہو جائیں اور اُن کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے۔ پس وہ (اپنے بداعمال کی وجہ سے) نہیں سمجھتے اور فرماتا ہے: اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (التوبۃ:۹۳) الزام صرف اُن لوگوں پر ہے جو اِس حالت میں تجھ سے اجازت مانگتے ہیں کہ وہ مال دار ہیں۔ وہ پیچھے بیٹھ رہنے والے لوگوں کے ساتھ بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے اور اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر کر دی ہے مگر وہ نہیں جانتے۔

زیر تشریح لفظ الْخَوَالِفُ جمع کے صیغے میں ہی استعمال ہوتا ہے، جیسے فَارِس کی جمع فَوَارِس (اَسپ سوار) هَالِكٌ کی جمع هَوَالِكُ (ہلاک شدگان)، شَاهِقٌ کی شَوَاهِقُ (بلند چوٹیاں)، نَاكِسٌ کی جمع نَوَاكِسُ (سرنگوں) دَاجِنٌ کی دَوَاجِنُ (گھریلو جانور)۔ مفرد کے آخر میں ۃ زائد کرنے سے یہ صیغہ مبالغہ ہو گا جیسے خَالِفَةٌ۔ کہتے ہیں: رَجُلٌ خَالِفَةٌ لَا خَيْرَ فِيهِ۔ ایسا شخص جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ جیسے خَيْرٌ سے خَيْرَاتٌ ہے بمعنی فَوَاضِلُ یعنی ممتاز اور چنیدہ لوگ۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۰۰)

۱۳) مُرْجَوْنَ کے معنی ہیں مُؤَخَّرُونَ یعنی وہ لوگ جن کا فیصلہ ملتوی کیا گیا ہے۔ فرماتا ہے: وَاٰخَرُوْنَ

مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (التوبة: ١٠٦) اور کچھ اور لوگ ہیں جو اللہ کے حکم کے انتظار میں مہلت دیئے گئے ہیں (اسے اختیار ہے کہ) خواہ اُن کو سزا دے یا اُن کی توبہ قبول فرمائے اور اللہ بہت ہی علم رکھنے والا پختہ کار ہے۔

١٤) شَفَا شَفِيْرٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کنارہ۔ جُرُفٌ یعنی گرنے والا جسے سیلاب بہالے جائے۔ هَارٍ بمعنی هَائِرٍ ہے۔ فرماتا ہے: اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (التوبة: ١٠٩) کیا وہ شخص جو اپنے (اعمال کی) عمارت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے تقویٰ اور رضامندی پر رکھتا ہے زیادہ اچھا ہے یا وہ جو اپنی بنیاد ایک پھسلنے والے کنارہ پر رکھتا ہے جو بودا اور گرنے والا ہے۔ سو یہ کنارہ اعمال سمیت جہنم کی آگ میں گر گیا اور اللہ ظالم قوم کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

١٥) لَاَوَّاهٌ: اس لفظ سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○ (التوبة: ١١٤) اور ابراہیم کا استغفار اپنے باپ کے لئے صرف اس وجہ سے تھا کہ اس نے اس سے ایک وعدہ کیا تھا۔ مگر جب اس پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس وعدے سے پوری طرح دستبردار ہو گیا۔ ابراہیم بہت ہی نرم دل اور عقلمند تھا۔ یہ مذکورہ بالا تشریح سورۂ توبہ کا دیباچہ ہے اور اب ذیل میں باب وار تشریح ملاحظہ ہو۔

باب ١

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (التوبة: ١)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے (ان آیات میں) ان مشرکوں (کے الزام) سے براءت کا اعلان کیا جاتا ہے جن سے تم نے شرط باندھی تھی۔ (کہ تمہاری فتح ہو گی اور ان کی شکست)

اَذَانٌ (التوبة: ٣) إِعْلَامٌ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أُذُنٌ (التوبة: ٦١) يُصَدِّقُ. تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ (التوبة: ١٠٣) بِهَا وَنَحْوُهَا كَثِيرٌ. وَالزَّكَاةُ الطَّاعَةُ وَالْإِخْلَاصُ، لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (حٰم السجدة: ٨) لَا يَشْهَدُونَ أَنْ لَا إِلَهَ

أَذَانٌ کے معنی ہیں اعلان۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اُذُنٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو (ہر بات کو) سچا سمجھ لیتا ہے۔ تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ یعنی تاکہ تو اس کے ذریعے انہیں پاک کرے اور ان کا تزکیہ کرے۔ اور اس قسم کی عبارتیں (قرآن میں) بہت ہیں۔ الزَّكٰوة

إِلَّا اللّٰهُ. يُضَاهُوْنَ يُشَبِّهُوْنَ.

کے معنی ہیں فرمانبرداری اور اخلاص۔ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ کے معنی ہیں کہ وہ اقرار نہیں کرتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ يُضَاهُوْنَ کے معنی ہیں وہ مشابہت اختیار کرتے ہیں

٤٦٥٤: حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ آخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ (النساء:۱۷۷) وَآخِرُ سُورَةٍ نَزَلَتْ بَرَاءَةٌ.

۴۶۵۴: ابوالولید (ہشام بن عبدالملک) نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے ابواسحاق سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: میں نے حضرت براءؓ سے سنا، کہتے تھے: آخری آیت جو نازل ہوئی وہ یہ ہے: وہ تجھ سے (ایک قسم کے کلالہ کے متعلق) فتویٰ پوچھتے ہیں تو کہہ دے اللہ تمہیں (ایسے) کلالہ کے متعلق حکم سناتا ہے اور آخری سورۃ جو نازل ہوئی وہ براءۃ ہے۔

أطرافه: ٤٣٦٤، ٤٦٠٥، ٦٧٤٤۔

تشریح: بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ ...: بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (التوبة:۱) معلوم ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکوں سے براءت کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اُن مشرکوں سے جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا تھا (اور اُنہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی)۔ ابوعبیدہ نے اٰذَنْتُهُمْ کے معنی أَعْلَمْتُهُمْ کئے ہیں۔ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ میں اَذَانٌ کے معنی ہیں إِعْلَامٌ یعنی علم دینا، اعلان کرنا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: هُوَ أُذُنٌ سے مراد یہ ہے کہ وہ سنی سنائی بات سچی سمجھ لیتا ہے۔ فرماتا ہے: وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ (محمدؐ) کان ہے۔ یعنی کان کا کچا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (التوبة:۶۱) اور اُن میں سے بعض ایسے (منافق) بھی ہیں جو نبی کو دکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو (کان ہی) کان ہے۔ تو کہہ دے کہ وہ تمہارے لئے بھلائی سننے کے کان رکھتا ہے۔ وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے اور جو تم میں سے مومن ہوں اُن (کے وعدوں) پر (بھی) یقین رکھتا ہے اور مومنوں کے لئے رحمت کا موجب ہے اور وہ لوگ جو اللہ کے رسول کو دکھ پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ مخالفین کا الزام نقل کرنے کے بعد یہ جو فرمایا: قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ اس کی تشریح جو حضرت ابن عباسؓ نے لفظ يُصَدِّقُ سے کی ہے، اس سے مراد تصدیق باللہ ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۰۱)

تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَنَحْوُهَا كَثِيرٌ: یعنی ہم معنی الفاظ سے تشریح کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ مثلاً الفاظ تزکیہ اور زکوٰۃ، اطاعت اور اخلاص کے مفہوم میں بھی آئے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا تفسیر بسند علی بن ابی طلحہ نقل کی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۰۲) اُن کے نزدیک لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ سے مراد یہ ہے کہ وہ کلمہ شہادت کا اقرار نہیں کرتے۔ جیسے فرمایا: وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ○ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○ (حٰمٓ السجدۃ: ۷،۸) یعنی مشرکوں کے لیے عذاب (مقدر) ہے۔ وہ مشرک جو نہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور نہ آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ لَا إِلٰهَ کا اقرار نہیں کرتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔ يُضَاهِـُٔوْنَ بمعنی يُشَبِّهُوْنَ ہے یعنی وہ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ ابوعبیدہؒ نے اَلْمُضَاهَاةُ کے معنی تشبیہ کئے ہیں۔ فرماتا ہے: ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (التوبۃ: ۳۰) یہ بات (عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور مسیح بھی اللہ کا بیٹا ہے) صرف ان کے منہ کی لاف ہے۔ وہ صرف اپنے سے پہلے کفار کی باتوں کے نقال ہیں۔ اللہ اُن کو ہلاک کرے وہ حقیقت سے کیسے اُلٹے پھرائے جارہے ہیں۔

روایت زیرباب میں حضرت براء بن عازبؓ کے قول سے مراد یہ ہے کہ سورۃ براءۃ آخری سورۃ اس لحاظ سے ہے کہ اس کا اکثر حصہ غزوۂ تبوک کے وقت نازل ہوا تھا جو غزوات نبویہ میں سے آخری غزوہ ہے۔ ورنہ اس میں بعض ایسی آیات بھی موجود ہیں جو معنوی تعلق کی وجہ سے اس میں شامل کی گئی ہیں اور یہ آیات آنحضرت ﷺ کی وفات سے کچھ دیر قبل نازل ہوئی تھیں۔ اس لئے ازروئے تحقیق امام ابن حجرؒ وغیرہ، سورۃ براءۃ کا ابتدائی حصہ تو فتح مکہ کے بعد اس وقت نازل ہوا تھا جب حضرت ابوبکرؓ ۹ھ میں بغرض اعلان عام حج کے موقع پر بھیجے گئے تھے اور آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدۃ: ۴)[1] حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی جو ۱۰ھ میں ہوا تھا اور یہ آیت سورۃ المائدۃ میں شامل کی گئی ہے۔ اور آخری آیت جس کے نزول کی نسبت مستند شہادتیں ہیں یہ ہے: وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ: ۲۸۲)[2] اور سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۷۷ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ[3] سے متعلق حضرت براء بن عازبؓ کی ہی روایت ہے کہ وہ آخری آیت ہے جو نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کتاب التفسیر سورۂ بقرہ (نمبر ۴۵۴۴) میں گزر چکی ہے کہ الرِّبٰوا کی آیت (البقرۃ: ۲۷۷) بلحاظ شان نزول کے آخری ہے۔

امام ابن حجرؒ نے روایات کا یہ اختلاف یوں حل کیا ہے کہ راوی نے اپنے علم کے مطابق روایت کی ہے اور اخرویت نزول آیت ایک نسبتی امر ہے اور آخری آیت بلحاظِ نزول راوی کے علم ہی سے مخصوص ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۰۲)

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر میں نے اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور میں نے اسلام کو تمہارے لئے دین کے طور پر پسند کر لیا ہے۔''

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر جان کو جو اُس نے کمایا پورا پورا دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے۔''

[3] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''وہ تجھ سے فتویٰ مانگتے ہیں کہہ دے کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارہ میں فتویٰ دیتا ہے۔''

بَاب ٢

فَسِيۡحُوۡا فِى الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ‌ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخۡزِى الۡكٰفِرِيۡنَ ○ (التوبة: ٢)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) چنانچہ ملک عرب میں چار مہینے پھر کر دیکھ لو اور جان لو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور یہ (بھی جان لو) کہ اللہ کفار کو رُسوا کر کے چھوڑے گا

فَسِيۡحُوۡا (التوبة: ٢) سِيرُوا.

فَسِيۡحُوۡا کے معنی ہیں چلو پھرو۔

٤٦٥٥: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ فِي تِلْكَ الْحَجَّةِ فِي مُؤَذِّنِينَ بَعَثَهُمْ يَوْمَ النَّحْرِ يُؤَذِّنُونَ بِمِنًى أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ. قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ثُمَّ أَرْدَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِبَرَاءَةَ. قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ يَوْمَ النَّحْرِ فِي أَهْلِ مِنًى بِبَرَاءَةَ، وَأَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.

أطرافه: ٣٦٩، ١٦٢٢، ٣١٧٧، ٤٣٦٣، ٤٦٥٦، ٤٦٥٧-

۴۶۵۵: سعید بن عفیر نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے کہا: لیث (بن سعد) نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے عقیل سے، عقیل نے ابن شہاب سے روایت کی اور مجھے حمید بن عبد الرحمٰن (بن عوف) نے بتایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت ابوبکرؓ نے مجھے اس حج میں اعلان کرنے والوں کے ساتھ بھیجا، جنہیں اُنہوں نے قربانی کے دن اس لئے بھیجا کہ وہ منیٰ میں اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرے۔ حمید بن عبد الرحمٰن نے کہا: پھر اُن کے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو بھیجا اور اُن سے فرمایا کہ وہ سورۃ براءۃ کا اعلان کر دیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ حضرت علیؓ نے بھی ہمارے ساتھ قربانی کے دن منیٰ والوں میں براءۃ کا اعلان کیا اور یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرے۔

تشریح: فَسِيحُوا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ . . . : سِیحُوا کے معنی ہیں چلو پھرو، چکر لگاؤ۔ یہ مفہوم ابوعبیدہؒ سے مروی ہے۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں: سِيرُوا وَأَقْبِلُوا وَأَدْبِرُوا: اِدھر اُدھر گھومو، جہاں چاہو آؤ جاؤ۔ تا حق کی مخالفت میں اپنی کوششوں کا انجام اچھی طرح دیکھ سکو۔
(فتح الباری جزء۸ صفحہ ٤٠٣)

روایت زیر باب محتاج شرح نہیں طواف برہنہ سے متعلق دیکھئے کتاب الحج زیر باب ٦٧۔ اس تعلق میں بے حیائی حد سے متجاوز تھی۔ تاریخ میں عامر بن صعصعہ کی بیٹی ضباعہ سے متعلق مذکور ہے کہ وہ بیت اللہ کے برہنہ طواف کے دوران یہ شعر پڑھتی تھی:

الیومَ یَبْدُوا بَعْضُهُ أَوْ كُلُّهُ ... وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا أُحِلُّهُ

آج میرا بدن سارا برہنہ دکھائی دے یا جو کچھ حصہ بھی برہنہ دکھائی دے، میں اسے کسی کے لئے جائز نہیں قرار دوں گی۔ یعنی حج کا ادب ملحوظ رکھوں گی۔ یہ حال تھا مشہور معزز خاندان بنی سلمہ بن قشیر کا۔ باقی عورتیں بھی بوقت طواف کپڑے اُتار دیتی تھیں۔ سوائے قمیض کے جو سامنے سے کھلی ہوتی۔[1]

بَاب ٣

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ (التوبة:٣)

(اللہ تعالیٰ کا قول:) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں میں حج اکبر کے دن یہ اعلان (کیا جاتا) ہے کہ اللہ اور (اسی طرح) اس کا رسول بھی مشرکوں (کے سب الزاموں) سے بری ہو چکے ہیں (اور مکہ فتح ہو چکا ہے) سو اگر (اس نشان کو دیکھ کر) تم توبہ کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر تم پیٹھ پھیر لو تو جان کہ تم ہرگز اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور تو کفار کو خبر دے دے کہ ان کے لیے (ایک) دردناک عذاب (مقدر) ہے

آذَنَهُمْ: أَعْلَمَهُمْ. — آذَنَهُمْ کے معنی ہیں اُس نے اُنہیں آگاہ کیا۔

٤٦٥٦: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ قَالَ

٤٦٥٦: عبداللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ لیث (بن سعد) نے ہمیں بتایا، کہا: عقیل نے مجھ

[1] (ادیان العرب فی الجاهلیة، لمحمد نعمان الجارم، الحج، الطواف بالبیت صفحہ ٥٥)
(أنساب الأشراف للبلاذری، ذکر ضباعة بنت عامر بنت قرط بن سلمة جزء١ صفحہ ٤٦٠)

ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي تِلْكَ الْحَجَّةِ فِي الْمُؤَذِّنِينَ بَعَثَهُمْ يَوْمَ النَّحْرِ يُؤَذِّنُونَ بِمِنًى أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ. قَالَ حُمَيْدٌ ثُمَّ أَرْدَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِبَرَاءَةَ. قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِي أَهْلِ مِنًى يَوْمَ النَّحْرِ بِبَرَاءَةَ، وَأَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.

سے بیان کیا کہ ابن شہاب نے کہا: حمید بن عبدالرحمٰن نے مجھے بتایا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے حج میں اعلان کرنے والوں کے ساتھ بھیجا۔ اُنہوں نے اُن اعلان کرنے والوں کو قربانی کے دن روانہ کیا کہ وہ منیٰ میں اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرے۔ حمید نے کہا: (پھر حضرت ابوبکرؓ کے) پیچھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو بھیجا اور اُنہیں حکم دیا کہ وہ براءت کا اعلان کریں۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے تھے: حضرت علیؓ نے بھی ہمارے ساتھ منیٰ والوں میں قربانی کے دن براءت کا اعلان کیا اور یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرے۔

أطرافه: ٣٦٩، ١٦٢٢، ٣١٧٧، ٤٣٦٣، ٤٦٥٥، ٤٦٥٧۔

تشریح: وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ ...: معنونہ آیت یہ ہے وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (التوبۃ:۳) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں میں حج اکبر کے دن یہ اعلان (کیا جاتا) ہے کہ اللہ اور (اسی طرح) اس کا رسول بھی مشرکوں (کے سب الزاموں) سے بری ہو چکے ہیں (اور مکہ فتح ہو چکا ہے) سو اگر (اس نشان کو دیکھ کر) تم توبہ کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا اور اگر تم پیٹھ پھیر لو تو جان کہ تم ہرگز اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور تو کفار کو خبر دے دے کہ ان کے لیے (ایک) دردناک عذاب (مقدر) ہے۔ سابقہ باب کی روایت سعید بن عفیرؒ کی ہے اور اس باب کی روایت عبداللہ بن یوسفؒ کی، سند کا اختلاف صحت روایت کو تقویت دیتا ہے۔ دونوں روایتوں کا مضمون ایک ہی ہے۔ مذکورہ بالا اعلان میں الفاظ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ سے ظالموں کو توبہ کا موقع بھی دیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس سے انتقام نہیں بلکہ اصلاح مقصود ہے۔

بَاب ٤ : اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ (التوبة: ٤)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) سوائے اُن مشرکوں کے جن کے ساتھ تم نے عہد کیا

٤٦٥٧: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَعَثَهُ فِي الْحَجَّةِ الَّتِي أَمَّرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فِي رَهْطٍ يُؤَذِّنُ فِي النَّاسِ أَنْ لَا يَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ فَكَانَ حُمَيْدٌ يَقُولُ يَوْمُ النَّحْرِ يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ مِنْ أَجْلِ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ.

٤٦٥٧: اسحاق (بن منصور) نے مجھے بتایا کہ یعقوب بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا کہ میرے باپ نے ہمیں بتایا کہ اُنہوں نے صالح (بن کیسان) سے، صالح نے ابن شہاب سے روایت کی کہ حمید بن عبد الرحمٰن نے اُن کو خبر دی کہ حضرت ابوہریرہؓ نے ان سے بیان کیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اُنہیں ایک جماعت کے ساتھ اس حج کے لئے بھیجا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو امیر مقرر کیا تھا، وہ جو حجۃ الوداع سے پہلے تھا وہ لوگوں میں یہ اعلان کر رہے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک قطعاً حج کو نہ آئے اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرے۔ حمید حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کی وجہ سے یہ کہا کرتے تھے کہ یوم النحر (قربانی کا دن) حج اکبر کا دن ہے۔

أطرافه: ٣٦٩، ١٦٢٢، ٣١٧٧، ٤٣٦٣، ٤٦٥٥، ٤٦٥٦-

تشریح: اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ . . . : معنونہ آیت یہ ہے اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (التوبة:۴) مگر مشرکوں میں سے جن سے تم نے عہد کیا ہے پھر اُنہوں نے تم سے عہد شکنی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی کی مدد بھی نہیں کی، تم اُن کے عہد مقررہ مدت تک نبھاؤ۔ اللہ یقیناً متقیوں سے محبت رکھتا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا اعلان براءت کی اصل وجہ اختلاف عقیدہ نہ تھی۔ بلکہ ظالموں کے جرم کی سزا تھی۔ کیونکہ ایفائے عہد کرنے والے مشرک اِس اعلان سے آزاد رکھے گئے ہیں اور مسلمانوں کو الفاظ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ کے ذریعے اپنے سلوک میں تقوی اللہ مد نظر رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ روایت نمبر ۴۶۵۷

اسحاق بن منصور کی سند سے ہے اس میں قدرے مزید وضاحت ہے۔ ورنہ اس کا وہی مضمون ہے جو سابقۃ الذکر روایات کا ہے یہ مزید وضاحت روایت ۴۶۵۷ میں حمید بن عبد الرحمٰن کی ہے، جس کا بطور ادراج اضافہ کیا گیا ہے اور اُنہوں نے آیت وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ (التوبۃ:۳)[۱] سے استنباط کیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابو بکرؓ کے ارشاد سے بھی جو اُنہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو فرمایا کہ یوم النحر (قربانی کے دن) مقام منیٰ میں براءت کا اعلان کیا جائے۔ اس اعلان میں مشرکوں کو بیت اللہ کا حج کرنے اور برہنہ طواف سے روکا گیا ہے اور اس کے علاوہ یہ بھی اعلان کیا گیا کہ معاہد مشرکین کے ساتھ معاہدہ کی مدت معینہ تک پابندی کی جائے گی۔ علماء نے اس تعلق میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے تھے اور عربوں میں دستور تھا کہ معاہدہ کرنے والا خود یا اس کے خاندان کا قابل اعتماد فرد ہی ایفاء یا نقض معاہدہ کے بارہ میں اعلان کرنے کا مجاز سمجھا جاتا تھا، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بھی اس غرض سے حج کے موقع پر بھیجا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۰۷)

بَاب ۵: فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ (التوبۃ:۱۲)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تم کفر کے سرغنوں سے لڑو، اُن کا کوئی عہد و پیمان نہیں۔

۴۶۵۸: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ حُذَيْفَةَ فَقَالَ مَا بَقِيَ مِنْ أَصْحَابِ هَذِهِ الْآيَةِ إِلَّا ثَلَاثَةٌ وَلَا مِنَ الْمُنَافِقِينَ إِلَّا أَرْبَعَةٌ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ إِنَّكُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ (ﷺ) تُخْبِرُونَنَا فَلَا نَدْرِي، فَمَا بَالُ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَبْقُرُونَ[۲] بُيُوتَنَا وَيَسْرِقُونَ أَعْلَاقَنَا؟ قَالَ أُولَئِكَ الْفُسَّاقُ أَجَلْ لَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ إِلَّا أَرْبَعَةٌ

۴۶۵۸: محمد بن مثنیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ یحییٰ (بن سعید) نے ہمیں بتایا کہ اسماعیل (بن ابی خالد) نے ہم سے بیان کیا کہ زید بن وہب نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے کہا: ہم حضرت حذیفہ (بن یمانؓ) کے پاس تھے۔ اُنہوں نے کہا: آیت (فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ) میں مذکور لوگوں میں سے سوائے تین شخصوں کے کوئی باقی نہیں رہا اور نہ منافقوں میں سے کوئی باقی رہا سوائے چار شخصوں کے۔ ایک اعرابی نے کہا: تم تو محمد (ﷺ) کے صحابہ ہو ہمیں بتاؤ ہم نہیں جانتے ان لوگوں کی کیا حالت ہے جو ہمارے گھروں میں نقب لگاتے ہیں اور

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اور حجِ اکبر کے دن سب لوگوں کے سامنے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ عام کیا جاتا ہے۔"

[۲] فتح الباری مطبوعہ انصاریہ کے مطابق اس جگہ لفظ "يَنْقُرُوْنَ" ہے۔ (فتح الباری جزء۸ حاشیہ صفحہ ۴۰۹)

أَحَدُهُمْ شَيْخٌ كَبِيرٌ لَوْ شَرِبَ الْمَاءَ الْبَارِدَ لَمَا وَجَدَ بَرْدَهُ.

ہمارے چیدہ چیدہ مال چُرا لے جاتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا: یہی لوگ احکام الٰہی کی نافرمانی کرنے والے ہیں۔ ہاں ان میں سے سوائے چار شخصوں کے کوئی باقی نہیں رہا۔ اُن میں سے ایک بہت بوڑھا شخص ہے جو اگر ٹھنڈا پانی پیئے تو اس کی ٹھنڈک محسوس نہ کرے۔

أطرافه: ۱۴۰۳، ۴۵۶۵، ۶۹۵۷۔

تشریح: فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ: جمہور کی قراءت اَیْمَان سے ہے، جو یمین کی مفرد ہے، یعنی عہد۔ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ کفر کے سرغنوں کا کوئی عہد نہیں۔ یعنی وہ اپنے عہدوں کو پورا نہیں کرتے۔ شاذ قراءت اِیْمَان بھی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۰۹) مگر جمہور کی روایت ہی درست ہے۔ کیونکہ کفار سے ایمان کی نفی بلا ضرورت ہے۔

روایت زیر باب میں اعرابی (بدوی) کے استفسار سے ظاہر ہے کہ معاہدہ کے ہوتے ہوئے کفار قتل و غارت سے باز نہیں آتے تھے جس سے معنونہ آیت کے مضمون کی تصدیق ہوتی ہے۔ امام ابن حجرؒ نے بدوی سائل اور چار باقی ماندہ منافقوں کے ناموں سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے اور بتایا ہے کہ آئمۃ الکفر میں سے ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ تو بدر کے موقع پر مارے گئے تھے اور ابوسفیان اور سہیل بن عمرو نے آخر میں اسلام قبول کر لیا تھا (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۱۰)

إِنَّكُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ: اصحاب، منادیٰ یا بَدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ تم جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہو یا اے محمدؐ کے ساتھیو!

أَحَدُهُمْ شَيْخٌ كَبِيرٌ...: یعنی ان میں سے ایک پیر فرتوت ہے مگر ڈاکہ زنی سے باز نہیں آتا۔ یہ حال تھا اُن سرغنوں کا۔ اس بوڑھے کے متعلق بتایا گیا ہے کہ کھانے پینے کے ذائقہ کی وہ حس ہی نہیں رکھتا تھا۔ ٹھنڈک محسوس نہ ہونے کا یہی مفہوم ہے۔ اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۱۰)

بَاب ۶: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبة: ۳۴)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور وہ لوگ جو کہ سونا اور چاندی اکٹھا کر کے محفوظ رکھتے ہیں اور اُن کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُنہیں دردناک سزا کی بشارت دے

۴۶۵۹: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ

۴۶۵۹: حکم بن نافع نے ہم سے بیان کیا کہ شعیب

أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَكُونُ كَنْزُ أَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ.

اطرافہ: ۱٤۰۳، ٤٥٦٥، ٦٩٥٧۔

نے ہمیں بتایا کہ ابوالزناد نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالرحمٰن اعرج نے اُنہیں بتایا، اُنہوں نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا۔ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: تم میں سے ایک کا خزانہ قیامت کے دن گنجا سانپ بن جائے گا۔

٤٦٦٠: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ مَرَرْتُ عَلَى أَبِي ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ فَقُلْتُ مَا أَنْزَلَكَ بِهَذِهِ الْأَرْضِ؟ قَالَ كُنَّا بِالشَّأْمِ فَقَرَأْتُ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبة: ٣٤) قَالَ مُعَاوِيَةُ مَا هَذِهِ فِينَا مَا هَذِهِ إِلَّا فِي أَهْلِ الْكِتَابِ. قَالَ قُلْتُ إِنَّهَا لَفِينَا وَفِيهِمْ.

طرفہ: ١٤٠٦۔

۴۶۶۰: قتیبہ بن سعید نے ہم سے بیان کیا۔ جریر نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے حصین (بن عبدالرحمٰن) سے، حصین نے زید بن وہب سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: میں ربذہ میں حضرت ابوذرؓ کے پاس سے گزرا۔ میں نے پوچھا: آپ کو کس بات نے اس زمین میں ٹھہرا رکھا ہے؟ کہنے لگے: ہم شام میں تھے میں نے یہ آیت پڑھی: اور وہ لوگ (بھی) جو سونے اور چاندی کو جمع رکھتے ہیں اور اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دے۔ معاویہؓ نے کہا: یہ آیت ہمارے متعلق نہیں۔ یہ تو صرف اہلِ کتاب کے متعلق ہے۔ کہتے تھے: میں نے کہا: یہ آیت یقیناً ہمارے متعلق بھی ہے اور اُن کے متعلق بھی۔

تشریح: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ ...: ذخیرہ اندوزی کی سزا کا ذکر کتاب الزکوۃ باب ۳، ۴ میں گزر چکا ہے۔ جس میں تمثیلاً علاوہ دیگر سزا کے مذکورہ بالا روایت بھی منقول ہے۔ اس باب کی دوسری روایت میں حضرت معاویہؓ کا استدلال اس امر سے ہے کہ محولہ بالا آیت میں احبار یہود اور مسیحی

رہبانوں کا ذکر بصراحت ہے۔ اس لئے اس میں اُن کی ذخیرہ اندوزی کا ذکر ہے۔ لیکن جہاں اُن کی بات درست ہے وہاں حضرت ابوذرؓ کا قول بھی درست ہے۔ کیونکہ خالی مسلمان کہلانے سے تو سزا سے نجات نہیں ملتی جب تک عقیدہ و کردار درست نہ ہوں۔ قرآن مجید میں (الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) ایمان و اعمال صالح دونوں کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اس لئے دونوں صحابی اپنے اپنے استدلال میں سچے ہیں۔

بَاب ٧

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○ (التوبة: ٣٥)

(اللہ عزوجل کا فرمانا:) جس دن جہنم کی آگ ان پر خوب گرم کی جائے گی اور ان کی پیشانیاں، ان کے پہلو، ان کی پیٹھیں ان سے داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ جس کو تم نے اپنی جانوں کے لئے جمع رکھ چھوڑا تھا۔ سو اب چکھو جس کو تم جمع کرتے تھے۔

٤٦٦١ :وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ فَقَالَ هَذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللهُ طُهْرًا لِلْأَمْوَالِ.

۴۶۶۱: اور احمد بن شبیب بن سعید نے کہا کہ میرے باپ نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے یونس سے، یونس نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے خالد بن اسلم سے روایت کی کہا: ہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ نکلے۔ انہوں نے کہا: یہ آیت (وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ یعنی اور جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کرتے ہیں) زکوۃ کے حکم سے پہلے نازل کی گئی۔ جب زکوۃ کا حکم نازل ہوا تو اللہ نے اس کو مالوں کے پاک کرنے کا ذریعہ بنایا۔

طرفه: ١٤٠٤۔

بَاب۸: اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ (التوبة: ۳٦)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) یقیناً مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے (ہی) ہوتی ہے یہ اللہ کا قانون ہے۔ اُس دن سے کہ آسمانوں اور زمین کو اُس نے پیدا کیا ہے ان (مہینوں) میں سے چار عزت کے مہینے (کہلاتے) ہیں۔ یہ مضبوط دین ہے پس (چاہیئے کہ) ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کیا کرو۔

الْقَيِّمُ (التوبة: ۳٦) هُوَ الْقَائِمُ.

الْقَيِّمُ کے معنی ہیں وہ دائمی ہے۔

٤٦٦٢: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ.

۴۶۶۲: عبد اللہ بن عبد الوہاب نے ہم سے بیان کیا کہ حماد بن زید نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ایوب (سختیانی) سے، ایوب نے محمد (بن سیرین) سے، اُنہوں نے (عبد الرحمٰن) بن ابی بکرہ سے، عبد الرحمٰن نے حضرت ابو بکرہؓ سے، حضرت ابو بکرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: زمانہ پھر چکر کھا کر ہو بہو ویسے ہی ہو گیا جیسا کہ وہ اس وقت تھا، جب اللہ نے یہ آسمان اور زمین پیدا کئے۔ سال بارہ مہینہ کا ہی ہوتا ہے۔ ان میں چار مہینے قابل حرمت ہیں، تین لگاتار ذوالقعدہ، ذوالحج اور محرم اور چوتھا مضر کا رجب، جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔

أطرافه: ٦٧، ١٠٥، ١٧٤١، ٣١٩٧، ٤٤٠٦، ٥٥٥٠، ٧٠٧٨، ٧٤٤٧۔

تشریح: اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ . . . : اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ یعنی یقیناً مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہی ہیں۔ یہ اللہ کی تقدیر ہے اُس دن سے جب سے اس نے آسمان اور زمین پیدا کئے

ہیں۔ اُن (مہینوں) میں سے چار عزت والے مہینے ہیں۔ یہی مضبوط قائم رہنے والا طریق ہے۔ سو اِن (مہینوں) میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کیا کرو اور تمام مشرکوں سے جنگ کرو۔ اسی طرح جس طرح کہ وہ سب کے سب مل کر تم سے لڑتے رہے ہیں اور یاد رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

الدِّيْنُ الْقَيِّمُ کے معنی ہمیشہ قائم رہنے والا طریق ہیں۔ روایت زیر باب میں زمانے کے چکر لگانے اور اپنی اصلی صورت میں عود کرنے سے مراد یہ ہے کہ طریقہ نسئی اب باطل ہے اور حرمت والے مہینوں کو اپنی دنیاوی نفسانی اغراض کی وجہ سے آگے پیچھے یا حلال حرام نہیں کیا جائے گا۔ اس تعلق میں دیکھئے کتاب الحج تشریح باب ۳۳۔

بَاب ٩: ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جبکہ وہ دونوں غار میں تھے اور جبکہ وہ اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا کہ کسی گذشتہ بھول چوک پر غم نہ کرو اللہ یقیناً ہمارے ساتھ ہے (التوبة:۴۰)

مَعَنَا (التوبة: ٤٠) نَاصِرُنَا. السَّكِينَةُ فَعِيلَةٌ مِنَ السُّكُونِ.

مَعَنَا کے معنی ہیں ہمارا مددگار ہے۔ سَكِينَةٌ فَعِيلَةٌ کے وزن پر سکون سے مشتق ہے۔

٤٦٦٣: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ حَدَّثَنَا أَنَسٌ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ رضي الله عنه قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الْغَارِ فَرَأَيْتُ آثَارَ الْمُشْرِكِينَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ رَفَعَ قَدَمَهُ رَآنَا قَالَ مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللهُ ثَالِثُهُمَا.

طرفاه: ٣٦٥٣، ٣٩٢٢-

۴۶۶۳: عبداللہ بن محمد نے ہم سے بیان کیا کہ حبان (بن ہلال باہلی) نے ہمیں بتایا کہ ہمام (بن یحییٰ) نے ہم سے بیان کیا کہ ثابت نے ہمیں بتایا کہ حضرت انسؓ نے ہم سے بیان کیا، کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا اُنہوں نے کہا: میں غار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ اتنے میں مَیں نے مشرکوں کے پاؤں دیکھے۔ میں نے کہا: یارسول اللہؐ! اگر ان میں سے کوئی اپنا پاؤں اٹھائے تو ہمیں دیکھ لے۔ آپؐ نے فرمایا: تمہارا ایسے دو شخصوں کی نسبت کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہو۔

٤٦٦٤: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ

۴۶۶۴: عبداللہ بن محمد (جعفی) نے ہم سے بیان کیا۔ (سفیان) بن عیینہ نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے

ابْـنِ أَبِـي مُلَيْكَـةَ عَـنِ ابْـنِ عَبَّـاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ حِينَ وَقَعَ بَيْنَـهُ وَبَـيْنَ ابْـنِ الزُّبَيْـرِ قُلْـتُ أَبُـوهُ الزُّبَيْـرُ وَأُمُّـهُ أَسْـمَاءُ وَخَالَتُـهُ عَائِشَـةُ وَجَدُّهُ أَبُو بَكْرٍ وَجَدَّتُهُ صَفِيَّةُ. فَقُلْتُ لِسُـفْيَانَ إِسْـنَادُهُ ؟ فَقَـالَ حَـدَّثَنَا. فَشَغَلَهُ إِنْسَانٌ وَلَمْ يَقُلْ ابْنُ جُرَيْجٍ.

ابن جریج سے، ابن جریج نے (عبد اللہ) بن ابی ملیکہ سے، اُنہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: جب اُن کے اور (حضرت عبد اللہ) بن زبیرؓ کے درمیان تنازعہ ہوا، میں نے کہا: اُن کے باپ حضرت زبیرؓ ہیں، ان کی ماں حضرت اسماءؓ، ان کی خالہ حضرت عائشہؓ ہیں، ان کے نانا حضرت ابو بکرؓ، ان کی دادی حضرت صفیہؓ ہیں۔ (عبد اللہ بن محمد کہتے تھے:) میں نے سفیان (بن عیینہ) سے کہا: اس حدیث کی سند کیا ہے، اُنہوں نے کہا: ہم سے بیان کیا۔ (کہتے تھے کہ) اتنے میں کسی آدمی نے ان کو دوسری باتوں میں لگالیا اور ابھی یہ نہیں کہا تھا کہ ابن جریج نے۔

طرفاه: ٤٦٦٥، ٤٦٦٦۔

٤٦٦٥: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ وَكَانَ بَيْنَهُمَا شَيْءٌ فَغَدَوْتُ عَلَى ابْـنِ عَبَّـاسٍ فَقُلْـتُ أَتُرِيـدُ أَنْ تُقَاتِلَ ابْنَ الزُّبَيْرِ فَتُحِلَّ مَا حَرَّمَ اللهُ؟ فَقَالَ مَعَاذَ اللهِ. إِنَّ اللهَ كَتَبَ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَبَنِـي أُمَيَّـةَ مُحِـلِّينَ، وَإِنِّـي وَاللهِ لَا أُحِلُّـهُ أَبَـدًا. قَـالَ قَـالَ النَّـاسُ بَـايِعْ لِابْنِ الزُّبَيْرِ، فَقُلْتُ وَأَيْنَ بِهَذَا الْأَمْرِ عَنْهُ، أَمَّا أَبُوهُ فَحَوَارِيُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ الزُّبَيْرَ وَأَمَّا جَدُّهُ

۴۶۶۵: عبد اللہ بن محمد (جعفی) نے مجھ سے بیان کیا، کہا: یحيٰ بن معین نے مجھے بتایا کہ حجاج نے ہم سے بیان کیا۔ ابن جریج نے کہا: (عبد اللہ) بن ابی ملیکہ کہتے تھے: ان دونوں (حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ) کے درمیان کچھ اختلاف تھا تو میں (حضرت عبد اللہ) بن عباسؓ کے پاس صبح کو گیا۔ میں نے پوچھا: کیا آپ حضرت ابن زبیرؓ سے لڑنا چاہتے ہیں؟ اور اللہ کے حرم کو جائز قرار دیں گے؟ انہوں نے کہا: معاذ اللہ۔ اللہ نے یہ بات ابن زبیرؓ اور بنی اُمیہ کے لیے مقدر کی ہے کہ وہ حرم کے اندر لڑائی کو جائز رکھیں اور میں اللہ کی قسم اس میں لڑنا کبھی روا نہ رکھوں گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: لوگ کہتے ہیں:

فَصَاحِبُ الْغَارِ يُرِيدُ أَبَا بَكْرٍ وَأَمَّا أُمُّهُ فَذَاتُ النِّطَاقِ يُرِيدُ أَسْمَاءَ. وَأَمَّا خَالَتُهُ فَأُمُّ الْمُؤْمِنِينَ يُرِيدُ عَائِشَةَ. وَأَمَّا عَمَّتُهُ فَزَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ خَدِيجَةَ. وَأَمَّا عَمَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَدَّتُهُ يُرِيدُ صَفِيَّةَ ثُمَّ عَفِيفٌ فِي الْإِسْلَامِ قَارِئٌ لِلْقُرْآنِ. وَاللهِ إِنْ وَصَلُونِي وَصَلُونِي مِنْ قَرِيبٍ وَإِنْ رَبُّونِي رَبُّونِي أَكْفَاءٌ كِرَامٌ. فَآثَرَ عَلَيَّ التُّوَيْتَاتِ وَالْأُسَامَاتِ وَالْحُمَيْدَاتِ يُرِيدُ أَبْطُنًا مِنْ بَنِي أَسَدٍ بَنِي تُوَيْتٍ وَبَنِي أُسَامَةَ وَ مِنْ أَسَدٍ إِنَّ ابْنَ أَبِي الْعَاصِ بَرَزَ يَمْشِي الْقُدَمِيَّةَ يَعْنِي عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ وَإِنَّهُ لَوَّى ذَنَبَهُ يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ.

طرفاه: ٤٦٦٤، ٤٦٦٦-

ابن زبیرؓ کی بیعت کر لو۔ میں نے کہا: یہ امر (خلافت) عبداللہ بن زبیرؓ سے کچھ دور نہیں۔ اُن کے باپ جو ہیں تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری ہیں۔ اس سے ان کی مراد حضرت زبیرؓ تھی اور ان کے نانا غار والے ساتھی ہیں۔ اُن کی مراد حضرت ابوبکرؓ سے تھی۔ ان کی ماں جو ہیں وہ ذات النطاق یعنی کمر بند والی ہیں۔ ان کی مراد حضرت اسماءؓ سے تھی، ان کی جو خالہ ہیں تو وہ اُم المومنین ہیں، ان کی مراد حضرت عائشہؓ سے تھی۔ اُن کی پھوپھی جو ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں ان کی مراد حضرت خدیجہؓ سے تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ان کی دادی ہیں ان کی مراد حضرت صفیہؓ سے تھی۔ پھر وہ اسلام میں پاک دامن رہے۔ قرآن کے قاری ہیں۔ اللہ کی قسم اگر انہوں نے مجھ سے اچھا سلوک کیا تو اُنہوں نے ایک قریبی رشتہ دار سے صلہ رحمی کا حق ادا کیا۔ اگر وہ مجھ پر حکومت کریں تو شریف ہمسر، رشتہ داروں نے مجھ پر حکومت کی۔ لیکن (حضرت عبداللہ بن زبیرؓ) نے تویتات اور اسامات اور حمیدات کو مجھ پر مقدم کیا ہے۔ اس سے ان کی مراد بنو اسد، بنو تویت اور بنو اسامہ کے گھرانے تھے۔ دیکھو ابوالعاصؓ کا بیٹا یعنی عبدالملک بن مروان سبقت لئے جا رہا ہے اور یہ تو ایک جگہ کھڑے ہو گئے ہیں یعنی ابن زبیرؓ۔

٤٦٦٦: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ

۴۶۶۶: محمد بن عبید بن میمون نے ہم سے بیان

مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ دَخَلْنَا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ أَلَا تَعْجَبُونَ لِابْنِ الزُّبَيْرِ قَامَ فِي أَمْرِهِ هَذَا فَقُلْتُ لَأُحَاسِبَنَّ نَفْسِي لَهُ مَا حَاسَبْتُهَا لِأَبِي بَكْرٍ وَلَا لِعُمَرَ وَلَهُمَا كَانَا أَوْلَى بِكُلِّ خَيْرٍ مِنْهُ وَقُلْتُ ابْنُ عَمَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ أَبِي بَكْرٍ وَابْنُ أَخِي خَدِيجَةَ وَابْنُ أُخْتِ عَائِشَةَ فَإِذَا هُوَ يَتَعَلَّى عَنِّي وَلَا يُرِيدُ ذَلِكَ فَقُلْتُ مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنِّي أَعْرِضُ هَذَا مِنْ نَفْسِي فَيَدَعُهُ وَمَا أُرَاهُ يُرِيدُ خَيْرًا وَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ لَأَنْ يَرُبَّنِي بَنُو عَمِّي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَرُبَّنِي غَيْرُهُمْ.

کیا۔ عیسیٰ بن یونس نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے عمر بن سعید سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا۔ ابن ابی ملیکہ نے مجھے خبر دی کہ ہم حضرت ابن عباسؓ کے پاس گئے تو اُنہوں نے کہا: ابن زبیرؓ پر تمہیں حیرت نہیں ہوتی وہ اس معاملے میں کھڑے ہو گئے ہیں، تو میں نے کہا: میں ان کی خاطر اپنے نفس سے وہ کچھ کام لوں گا جو میں نے نہ حضرت ابو بکرؓ کے لئے اور نہ حضرت عمرؓ کے لئے اس سے لیا۔ حالانکہ وہ دونوں تو ہر خوبی میں اُن سے بڑھ کر تھے اور میں نے کہا: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے پوتے اور حضرت زبیرؓ کے بیٹے اور حضرت ابو بکرؓ کے نواسے اور حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور حضرت عائشہؓ کے بھانجے ہیں۔ مگر میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مجھ سے ہی تنتناتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ میں ان کے لئے کچھ کروں۔ پھر میں نے کہا: میں گمان نہیں کرتا تھا کہ میں اپنی طرف سے یہ خدمت پیش کروں گا اور وہ اس کو چھوڑ دیں گے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ بھلے ارادے رکھتے ہیں۔ اور اگر چارو ناچار یہی ہوا کہ میرے چچا کے بیٹے مجھ پر حکومت کریں تو یہ بات مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس بات کے کہ ان کے علاوہ کوئی اور مجھ پر حکومت کرے۔

أطرافه: ٤٦٦٤، ٤٦٦٥۔

تشریح: ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ . . . : اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی معیت سے مراد بقول ابو عبیدہؒ نصرت و حفاظت الٰہی ہے اور اَلسَّكِيْنَةُ جو سکون سے فعیل کے وزن پر ہے اس کے معنی سکینت و طمانیت ہیں۔ پوری آیت یہ ہے: اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ

هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَ اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ○ (التوبۃ: ۴۰) اگر تم اس (رسول) کی مدد نہ کرو تو یقیناً اللہ اس وقت بھی اس کی مدد کر چکا ہے جب کہ کافروں نے اسے ایسی حالت میں نکال دیا تھا کہ وہ صرف دو ہی تھے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب یہ دوسرا اپنے ساتھی (ابوبکرؓ) سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر۔ کیونکہ یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ سو اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور اس کی ایسے لشکروں سے مدد کی کہ جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے اور اُن لوگوں کی بات پست کر دی جنہوں نے کفر کیا تھا اور اللہ کا ہی بول بالا ہے اور اللہ عزیز (اور) حکیم ہے۔

اس باب کی روایات کا تعلق واقعہ حرہ سے ہے جو تاریخ اسلام میں مشہور ہے۔ اس بارہ میں کچھ ذکر تو حسب مناسب موضوع کتاب العلم باب ۳۷ روایت ۱۰۴ میں گزر چکا ہے۔ حرہ کی جنگ سے متعلق واقعات کا تعلق ۶۴، ۶۵ ہجری سے ہے۔ جب یزید بن معاویہ کی بیعت سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے انکار کر دیا کہ اس کی خلافت اُن کے نزدیک اصول اسلام کے خلاف تھی۔ یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو فوج کی سرکردگی میں مدینہ بھیجا اور مدینہ کے پتھریلے میدان حرہ میں پہلی جنگ ہوئی اور مدینہ سے اس کی فوج نے مکے کی طرف کوچ کیا۔ اسی دوران مسلم بن عقبہ سپہ سالار فوت ہو گئے اور حصین بن نمیر شامی فوج کا سالار مقرر ہوا تو اس نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا جو مکہ مکرمہ میں تھے محاصرہ کیا اور کعبہ پر منجنیق سے حملہ کیا۔ جس سے کعبہ کا کچھ حصہ جل گیا تھا۔ اتنے میں یزید کی اچانک موت سے متعلق اطلاع پہنچی اور اس کی فوج کو شام واپس جانا پڑا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خانہ کعبہ کی مرمت سے فارغ ہو کر اپنی خلافت کی بیعت لوگوں سے لی۔ اہل حجاز، مصر، عراق اور کثیر حصہ شام میں اُن کی اطاعت قبول کی گئی۔ یزید کی جگہ مروان نے خلافت سنبھالی اور مرج راھط کے مقام پر شامی فوج اور حضرت ابن زبیرؓ کی فوج کا مقابلہ ہوا۔ جس میں مؤخر الذکر فوج کے سپہ سالار ضحاک بن قیسؓ شہید ہوئے اور یہاں سے مروان مصر گیا جہاں اسے کامیابی کی اُمید تھی۔ چنانچہ مصریوں نے اس کا ساتھ دیا جس سے وہ حضرت ابن زبیرؓ کی فوج پر غالب آیا۔ کعبہ کی تعمیر ۶۵ھ میں مکمل ہوئی اسی سال مروان فوت ہوا جس پر اس کا بیٹا عبدالملک تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ اسی دوران مختار بن ابی عبید نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ جہاں حضرت ابن زبیرؓ کی طرف سے عبداللہ بن مطیع بطور امیر متعین تھے۔ یہ تاب مقاومت نہ لا سکے اور وہاں سے بھاگ گئے۔

محمد بن علی بن طالب اور حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) ان دنوں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد مکہ میں مقیم تھے۔ جنہیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی بیعت کی جب دعوت دی تو اُنہوں نے تا وقتیکہ لوگ کسی ایک شخص کی خلافت سے متفق نہ ہو جائیں، اُن کی بیعت خلافت سے معذوری کا اظہار کیا۔ (محمد بن علی وہی ہیں جو ابن حنفیہ کی کنیت سے مشہور ہیں۔) مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت بھی انہی کی رائے سے متفق تھی۔ حضرت ابن زبیرؓ نے ان کے خلاف سختی سے کام لینا چاہا اور ایک دستہ فوج بھیج کر اُن کا محاصرہ کیا۔ مختار بن ابی عبید کو جب اس کا

علم ہوا تو ایک کمک اُن دونوں کی مدد کے لئے بھیج کر اُنہیں مکہ سے بحفاظت نکالا اور اُن دونوں سے حضرت ابن زبیرؓ کا مقابلہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ مگر اُنہوں نے اجازت نہیں دی اور دونوں طائف میں چلے آئے اور یہاں اقامت اختیار کی۔ بہ نسبت دوسری جگہوں کے یہاں امن تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ تو ۶۸ھ میں فوت ہو گئے اور محمد بن علیؒ طائف سے رضویٰ (جبل ینبع) میں کنارہ کش ہو گئے اور پھر یہاں سے شام میں جانا چاہا۔ لیکن ایلہ جو بحیرہ احمر کی بندرگاہ ہے کا رخ کیا اور وہاں مقیم ہو گئے اور یہیں ۷۳ھ کے آخر یا ۷۴ھ کے اوائل میں وہ فوت ہوئے۔ اس وقت حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ شہید ہو چکے تھے۔ کیسانی فرقہ محمد بن علیؒ المعروف ابن حنفیہ کی نسبت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اب تک زندہ ہیں اور وہی مہدی موعود ہیں جو کسی غار میں پوشیدہ ہیں اور جب تک وہ ساری دنیا کو فتح نہ کریں گے فوت نہ ہوں گے۔ یہ قصہ بھی مثل ہمچو دیگر خرافات سے ہے۔ کیسانیہ فرقہ کیسان ابو عمرہ کوفی کے پیرو ہیں اور شیعہ کی ایک شاخ ہے۔ ۶۸۶ء میں ان کا ظہور ہوا۔ یزید بن معاویہ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی جنگ سے متعلق یہ خلاصہ ہے ان بیانات کا جو طبقات ابن سعد اور طبری میں مذکور ہیں۔ امام ابن حجرؒ نے محولہ بالا روایت ابن جریج کا پس منظر بیان کرنے کی غرض سے یہ خلاصہ نقل کیا ہے (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۱۵) تا اس روایت کا غایت درجہ اختصار واضح ہو۔

باب کی دوسری روایت میں جو ابہام ہے وہ تیسری روایت سے دور کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کے راوی ابن جریج ہی ہیں۔ ان کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کے جواب إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَبَنِي أُمَيَّةَ مُحِلِّينَ، وَإِنِّي وَاللّٰهِ لَا أُحِلُّهُ أَبَدًا میں كَتَبَ بمعنی قَدَّرَ ہے۔ یعنی اللہ نے اُن دونوں کے لئے مقدر کیا ہے کہ وہ بیت اللہ کی حرمت کا پاس نہ رکھیں۔ لیکن میں تو اس میں لڑائی جائز نہیں سمجھتا۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہی مذہب تھا کہ اس میں کسی شخص کے لئے بھی قتال جائز نہیں۔ خواہ حملہ کرنے والا ہی ابتداء کرنے والا ہو اور خواہ وہ حسب و نسب اور قرابت نبوی اور شائستگی نفسی کی ساری خوبیاں رکھتا ہو اور اُن کے خاندان کا پروردہ ہی کیوں نہ ہو۔ أَكْفَاءُ جمع ہے كُفُوٌ کی اور كِرَامٌ کریم کی یعنی محارب فریقین ہم پلہ اور شریف لوگ ہیں۔ اس سے حضرت ابن عباسؓ کی مراد بنو اسد ہے جو ابن زبیر کا خاندان تھا اور بنو امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ان کا چچیرہ خاندان۔ کیونکہ بنو عبد المطلب بن ہاشم بھی عبد مناف کے بیٹے تھے جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے جد امجد ہیں۔ ہاشم و عبد شمس دونوں سگے بھائی تھے۔

وَاللّٰهِ إِنْ وَصَلُونِي وَصَلُونِي مِنْ قَرِيبٍ: اگر بنو امیہ نے میرے ساتھ نیک سلوک کیا تو یہ سلوک صلہ رحمی کی وجہ سے ہوگا ورنہ (فَآثَرَ عَلَيَّ التُّوَيْتَاتِ وَالْأُسَامَاتِ وَالْحُمَيْدَاتِ) ابن زبیر نے بنو اسد کے خاندان بنو تویت و بنو اُسامہ اور بنو حمید کے تعلقات کو ترجیح دی ہے۔ یہ سب عبد العزیٰ کی نسل سے تھے۔ باب کی تیسری روایت کے آخر میں الفاظ بَرَزَ يَمْشِي الْقُدَمِيَّةَ کا مفہوم یہ ہے کہ عبد الملک بن مروان بلند مراتب کے حصول میں دوسروں پر سبقت لے گیا ہے اور فقرہ لَوَّى ذَنَبَهُ کنایہ ہے۔ جس کے معنی تَأَخَّرَ کے ہیں۔ یعنی ابن زبیرؓ اس کے مقابل پر پیچھے ہو گئے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۱۷)

بَاب ١٠ : وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ (التوبة: ٦٠)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور جن کی تالیفِ قلب کی جارہی ہو اور گردنوں کو آزاد کرانے کے لیے

قَالَ مُجَاهِدٌ: يَتَأَلَّفُهُمْ بِالْعَطِيَّةِ.

مجاہد نے کہا: یعنی کچھ دے کر اُن کو مانوس کرے اُن کے دلوں کو مائل کرے۔

٤٦٦٧: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي نُعْمٍ[١] عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بُعِثَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِشَيْءٍ فَقَسَمَهُ بَيْنَ أَرْبَعَةٍ وَقَالَ أَتَأَلَّفُهُمْ فَقَالَ رَجُلٌ مَا عَدَلْتَ فَقَالَ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا قَوْمٌ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ.

۴۶۶۷: محمد بن کثیر نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (ثوری) نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے اپنے باپ (سعید بن مسروق) سے، اُنہوں نے (عبدالرحمٰن بن) ابی نعم سے، اُنہوں نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ مال بھیجا گیا تو آپؐ نے چار آدمیوں کے درمیان وہ بانٹ دیا اور فرمایا: میں اِن کی تالیف قلب کرتا ہوں۔ ایک شخص نے کہا: آپ نے انصاف نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا: کہ اس شخص کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دین سے تیر کی طرح نکل جائیں گے۔

أطرافه: ٣٣٤٤، ٣٦١٠، ٤٣٥١، ٥٠٥٨، ٦١٦٣، ٦٩٣١، ٦٩٣٣، ٧٤٣٢، ٧٥٦٢۔

تشریح: وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ: معنونہ آیت پوری یہ ہے اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبة:٦٠) یعنی صدقات تو صرف محتاجوں اور مسکینوں کے لئے ہیں اور ان کارکنوں کے لئے جو تحصیل صدقات کے لئے مقرر ہوں اور ان کے لئے بھی جن کی تالیف قلب مقصود ہو اور گردنوں کی آزادی اور قرض خواہوں کی سبکدوشی اور اللہ کی راہ یعنی جہاد اور مسافروں کی امداد کے لئے۔ یہ فرض اللہ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے اور اللہ علیم وحکیم ہے۔

روایت زیر باب میں مذکورہ واقعہ کے لئے دیکھئے کتاب المغازی باب نمبر٦١ روایت نمبر ۴۳۵۱۔ مذکورہ بالا روایت نئی سند سے دوبارہ لائی گئی ہے جس سے اس کی تقویت ثابت ہے۔

---

[١] عمدۃ القاری میں اس جگہ الفاظ "عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ ہیں" (عمدۃ القاری جزء١٨ صفحہ ٢٧٠) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

بَاب ۱۱: اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) یہ (منافق ہی) ہیں جو مومنوں میں سے خوشی سے بڑھ بڑھ کر صدقے دینے والوں پر طنز کرتے ہیں (التوبة: ۷۹)

يَلْمِزُوْنَ (التوبة: ۷۹) يَعِيبُونَ. وَ جُهْدُهُمْ وَجَهْدُهُمْ طَاقَتُهُمْ.

يَلْمِزُوْنَ کے معنی ہیں وہ طعنہ زنی کرتے ہیں۔ جُهْدُهُمْ اور جَهْدُهُمْ کے معنی ہیں اپنی طاقت کے مطابق۔

٤٦٦٨: حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَبُو مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ لَمَّا أُمِرْنَا بِالصَّدَقَةِ كُنَّا نَتَحَامَلُ فَجَاءَ أَبُو عَقِيلٍ بِنِصْفِ صَاعٍ وَجَاءَ إِنْسَانٌ بِأَكْثَرَ مِنْهُ فَقَالَ الْمُنَافِقُونَ إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنْ صَدَقَةِ هَذَا وَمَا فَعَلَ هَذَا الْآخَرُ إِلَّا رِئَاءً فَنَزَلَتْ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ (التوبة:۷۹) الْآيَةَ.

أطرافه: ١٤١٥، ١٤١٦، ٢٢٧٣، ٤٦٦٩-

۴۶۶۸: بشر بن خالد ابو محمد نے مجھ سے بیان کیا کہ محمد بن جعفر نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے سلیمان سے، سلیمان نے ابووائل سے، ابووائل نے حضرت ابومسعود (انصاریؓ) سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا، انہوں نے کہا: جب ہمیں صدقہ کا حکم ہوا تو ہم اس وقت (مزدوری پر) بوجھ اٹھایا کرتے تھے۔ حضرت ابوعقیل (حبحابؓ) آدھا صاع کھجور (مزدوری کے پیسوں میں سے) لے کر آئے اور ایک اور شخص ان سے زیادہ لایا تو اس پر منافق کہنے لگے کہ اللہ تو اس شخص کے صدقہ سے بے نیاز ہے اور اس دوسرے شخص نے جو کیا تو محض دکھاوے کے لئے ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی یہ (منافق ہی) ہیں جو مومنوں میں سے خوشی سے بڑھ بڑھ کر صدقے دینے والوں پر طنز کرتے ہیں اور ان پر بھی جو کہ سوائے اپنی (محنت کی) کمائی کے (کوئی) طاقت نہیں رکھتے سو (باوجود اس قربانی کے) یہ (منافق) ان پر ہنسی کرتے ہیں اللہ اُن (میں سے اشد مخالفوں) کو ہنسی کی سزا دے گا اور اُن کو دردناک عذاب پہنچے گا۔

٤٦٦٩ : حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ أَحَدَّثَكُمْ زَائِدَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْمُرُ بِالصَّدَقَةِ فَيَحْتَالُ أَحَدُنَا حَتَّى يَجِيءَ بِالْمُدِّ وَإِنَّ لِأَحَدِهِمُ الْيَوْمَ مِائَةَ أَلْفٍ كَأَنَّهُ يُعَرِّضُ بِنَفْسِهِ.

أطرافه: ١٤١٥، ١٤١٦، ٢٢٧٣، ٤٦٦٨-

۴۶۶۹: اسحاق بن ابراہیم نے مجھ سے بیان کیا۔ کہتے تھے: میں نے ابواسامہ سے پوچھا۔ کیا زائدہ (بن قدامہ) نے تمہیں بتایا کہ سلیمان (اعمش) سے مروی ہے۔ اُنہوں نے شقیق (بن سلمہ) سے، شقیق نے حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت کی کہ وہ کہتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقے کا حکم دیتے تو ہم میں سے ایک محنت کر کے مُدلاتا اور آج اُن میں سے ایک کے پاس لاکھ درہم ہیں۔ گویا ان کا اشارہ اپنی طرف تھا۔

تشریح: اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ . . . : يَلْمِزُوْنَ کے معنی ہیں یعیبون یعنی نقطہ چینی کرتے ہیں اور جُهْدُهُمْ وَجَهْدُهُمْ کے معنی ہیں حسب طاقت۔ پوری آیت یہ ہے: اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (التوبة: ۷۹) جو لوگ مومنوں میں سے خوشی سے بڑھ چڑھ کر صدقہ دینے والوں پر طنز کرتے ہیں اور ان پر بھی جو اپنی محنت کی کمائی کے سوا کوئی طاقت نہیں رکھتے اُن سے بھی وہ ہنسی کرتے ہیں۔ اللہ اُن کی ہنسی اڑائے گا اور اُنہیں دردناک سزا ہو گی۔

كُنَّا نَتَحَامَلُ کے معنی ہیں ہم باربرداری کرتے تا صدقات میں حصہ لے سکیں۔

بَاب ١٢ : اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (التوبة: ٨٠)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تو ان کے لئے استغفار کرے یا نہ کرے، اگر تو ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کرے تب بھی اللہ ہرگز اُنہیں معاف نہیں کرے گا

٤٦٧٠ : حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ

۴۶۷۰: عبید بن اسماعیل نے مجھے بتایا۔ انہوں نے ابواسامہ سے، ابواسامہ نے عبیداللہ (بن عمر) سے، عبیداللہ نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ اُنہوں نے

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ أَنْ يُعْطِيَهُ قَمِيصَهُ يُكَفِّنُ فِيهِ أَبَاهُ فَأَعْطَاهُ ثُمَّ سَأَلَهُ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَامَ عُمَرُ فَأَخَذَ بِثَوْبِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتُصَلِّي عَلَيْهِ وَقَدْ نَهَاكَ رَبُّكَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا خَيَّرَنِي اللّٰهُ فَقَالَ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (التوبة: ٨٠) وَسَأَزِيدُهُ عَلَى السَّبْعِينَ قَالَ إِنَّهُ مُنَافِقٌ قَالَ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (التوبة: ٨٤).

کہا: جب عبداللہ بن اُبَیّ (بن سلول) مر گیا تو اس کا بیٹا عبداللہؓ بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپؐ سے درخواست کی کہ اپنی قمیص اسے دے دیں جس میں وہ اپنے باپ کو کفنائے۔ آپؐ نے اس کو قمیص دی۔ پھر اس نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ اس کا جنازہ پڑھائیں۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے تا کہ اس کا جنازہ پڑھائیں۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کا کپڑا پکڑ لیا اور کہا: یارسول اللہ! کیا آپؐ اس کا جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ آپؐ کے ربّ نے آپؐ کو اس کا جنازہ پڑھنے سے روکا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے تو مجھے صرف اختیار دیا اور فرمایا ہے: تُو اُن کے لئے مغفرت طلب کر یا اُن کے لئے مغفرت نہ طلب کر، اگر تُو اُن کے لئے ستر مرتبہ بھی مغفرت مانگے...۔ اور میں ستر بار سے زیادہ مغفرت کی دعا کرلوں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: وہ تو منافق تھا۔ (حضرت ابن عمرؓ) کہتے ہیں: خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ پڑھایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ یعنی تو اُن میں سے کسی کے لئے جو مر جائے کبھی دعائے مغفرت نہ کر اور نہ اس کی قبر پر کبھی کھڑا ہو۔

أطرافه: ١٢٦٩، ٤٦٧٢، ٥٧٩٦۔

٤٦٧١: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ

۴۶۷۱: یحيٰ بن بکیر نے ہم سے بیان کیا کہ لیث

حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، و قَالَ غَيْرُهُ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ لَمَّا مَاتَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ دُعِيَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَبْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَتُصَلِّي عَلَى ابْنِ أُبَيٍّ وَقَدْ قَالَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا قَالَ أُعَدِّدُ عَلَيْهِ قَوْلَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ أَخِّرْ عَنِّي يَا عُمَرُ فَلَمَّا أَكْثَرْتُ عَلَيْهِ قَالَ إِنِّي خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ لَوْ أَعْلَمُ أَنِّي إِنْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِينَ يُغْفَرْ لَهُ لَزِدْتُ بِهَا قَالَ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَلَمْ يَمْكُثْ إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَتَانِ مِنْ بَرَاءَةَ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا إِلَى قَوْلِهِ وَهُمْ فٰسِقُوْنَ (التوبة: ٨٤) قَالَ فَعَجِبْتُ بَعْدُ مِنْ جُرْأَتِي عَلَى رَسُولِ اللهِ

(بن سعد) نے ہمیں بتایا کہ عقیل سے مروی ہے اور یحییٰ کے سوا دوسرے شخص نے یوں کہا: لیث نے مجھ سے بیان کیا کہ عقیل نے مجھے بتایا کہ ابن شہاب سے روایت ہے۔ اُنہوں نے کہا: عبید اللہ بن عبد اللہ نے مجھے بتایا۔ اُنہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے، حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: جب عبد اللہ بن اُبَیّ بن سلول مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کے لئے بلایا گیا تاکہ آپؐ اس کا جنازہ پڑھیں۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو میں آپؐ کی طرف جلدی سے گیا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپؐ اُبَیّ کے بیٹے کا جنازہ پڑھیں گے؟ حالانکہ اس نے تو فلاں دن ایسا ایسا کہا تھا۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ میں آپ کے سامنے اس کی باتیں گننے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سن کر) مسکرائے اور فرمایا: عمرؓ ہٹ جائیں۔ جب میں نے بہت اصرار کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا: مجھے اختیار دیا گیا ہے اس لئے میں نے یہ اختیار کیا۔ اگر میں جانتا کہ میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کروں اور اس کو بخش دیا جائے گا تو میں ضرور اس سے زیادہ ہی اس کے لئے استغفار کرتا۔ وہ کہتے تھے: چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر آپؐ لوٹ گئے۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ سورۃ براءۃ کی یہ دو آیتیں نازل ہوئیں: اوران میں سے اگر کوئی

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ.

طرفه: ١٣٦٦۔

مر جائے تو اس پر نماز (جنازہ) نہ پڑھا کر اور نہ اس کی قبر پر (دعا کے لئے) کھڑا ہوا کر کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور ایسی حالت میں مرے ہیں جبکہ وہ اطاعت سے خارج ہو رہے تھے۔ کہتے تھے: مجھے بعد میں اپنی جرأت پر تعجب ہوا جو میں نے رسول ﷺ پر کی۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

تشریح: اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ...: مذکورہ بالا آیت سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۸۰ ہے۔ جو فقہاء کا موضوع بحث بن گئی ہے اور شارحین بخاری کے لئے بڑی ذہنی کاوش کا باعث رہی ہے۔ جہاں تک نماز جنازہ کے بارہ میں استنباط مسائل کا تعلق ہے وہ کتاب الجنائز میں دیکھے جائیں۔ یہاں تفسیر آیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عبد اللہ بن اُبَیّ سردار بنی خزرج کا جنازہ پڑھنے کا سوال مقصودِ بحث ہے۔ مفسرین اور شارحین نے اس ضمن میں تعجب کا اظہار کیا ہے کہ باوجود تصریح باری تعالیٰ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَهُمْ (التوبة:۸۰) کی موجودگی میں آپؐ نے عبد اللہ بن اُبَیّ جو رئیس المنافقین کے نام سے مشہور تھا اس کی نماز جنازہ کیوں پڑھی۔ بحالیکہ حضرت عمرؓ نے بھی بوقت جنازہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف توجہ دلائی۔ صاحب تفسیر کشاف[1] نے بھی لکھا ہے کہ آیت اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (التوبة:۸۰) میں ستر بار بھی استغفار کرنے کا اسلوب بیان مبالغہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا باوجود اس صراحت کے آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی جو اُن کے نزدیک بہت بڑے تعجب کی بات ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ آیت کے سیاق و سباق میں منافقین بھی زمرۂ کفار میں شمار کئے گئے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب جو شدید ترین مخالفت کے ہوتے ہوئے مرتے دم تک آپؐ کی مدافعت و مدد کرتے رہے۔[2] چونکہ وہ بحالت شرک فوت ہوئے تھے اور بظاہر حکم لا الٰہ کا اقرار نہیں تھا بلکہ اپنے قومی دین پر ہی فوت ہونے کو ترجیح دی

---

[1] (الکشاف للزمخشری، تفسیر سورة التوبة، آیت اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ، جزء۲ صفحہ ۲۹۵)

[2] بعض لوگ جو کہ غیر مذاہب میں برائے نام ہوتے ہیں مگر خلوصِ دل سے وہ اسلام کے مداح ہوتے ہیں ان کے ذکر پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا: "ابو طالب کی بھی ایسی ہی حالت تھی خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں ہے کہ ایک خبیث اور شریر کو ایک ادب اور لحاظ کرنے والے کے برابر کر دیوے اگر اس نے بظاہر تو مذہب قبول نہیں کیا مگر بزرگ سالی کی رعونت اس میں نہ تھی۔ احادیث میں بھی اس قدر تحقیقات کہیں نہیں ہوئی ہے ممکن ہے کہ اس نے کبھی کلمہ پڑھ دیا ہو بجز اعتقاد کے محبت نہیں ہوا کرتی اول عظمت دل میں بیٹھتی ہے پھر محبت ہوتی ہے۔" (ملفوظات جلد ۳ صفحہ ۲۰۰)

تھی اور قرآن مجید میں مشرکین کے بارہ میں بایں الفاظ صراحت ہے کہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○ (التوبة: ۱۱۳، ۱۱۴) نبی اور مومنوں کے لئے شایاں نہیں کہ مشرکوں کے لئے استغفار کریں خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ اُن پر ظاہر ہو گیا کہ وہ دوزخ کے مستحق ہیں۔ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے استغفار صرف اس وجہ سے تھا کہ اس نے اس سے وعدہ کیا تھا مگر جب اس پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس وعدے سے پوری طرح دستبردار ہو گیا۔ ابراہیم یقیناً بہت ہی نرم دل بردبار اور عقلمند تھا۔ اپنے خیر خواہ، مددگار اور مربی چچا کے مقابل ایسے منافق کا نماز جنازہ پڑھنا جس کی نسبت احادیث و تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ درپردہ آپؐ کے خلاف ریشہ دوانی میں مشغول رہا۔ آپ کے یہ دونوں عمل بظاہر متضاد ہیں۔ ایک عمل سے تو ظاہر ہے کہ آپ نے اپنے جذبات نفس پر اللہ تعالیٰ کے صحیح ارشاد کی پابندی کو ترجیح دی اور دوسرے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک صریح تاکیدی حکم کی پابندی میں نعوذ باللہ تساہل سے کام لیا ہے۔ شارحین نے اس کی کئی ایک وجوہات بیان کی ہیں جو تکلف سے خالی نہیں اور نہ یہاں اُن کے اعادہ کی ضرورت ہے۔

امام بخاریؒ نے محولہ بالا آیت سے عنوان باب قائم کرنے میں حسب عادت ایک تصرف کر کے مذکورہ بالا اعتراض کا لطیف جواب دیا ہے۔ آیت کو فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ [1] پر ختم کیا ہے۔ جس سے اس طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ مذکورہ بالا ممانعت جنازہ و استغفار کا تعلق سیاق کلام میں مذکورۃ الصفات گروہ سے ہے۔ جس میں ایسے کفار و منافقین شامل ہیں جن کی نسبت اِن الفاظ میں صراحت ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبة: ۸۰) یہ اس لئے کہ اُنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ اس کے علاوہ اس آیت کے سیاق و سباق میں اس گروہ کی اور بھی صفات بیان ہوئی ہیں۔ امام بخاریؒ کے نزدیک اس مخصوص گروہ کے لئے بطور عام قانون کے مذکورہ بالا ارشاد ہے اور یہ معلوم ہی ہے کہ ہر ایسے عام قانون میں استثنائی صورتیں بھی ہوتی ہیں۔ جن سے متعلق انبیاء اور ائمہ وقت کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ استثنائی حالات کے بارہ میں خاص فیصلہ کریں۔ اسی قاعدہ کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بوقت نماز جنازہ مختصر جواب دیا جس پر وہ نہ صرف خاموش ہو گئے اور نماز جنازہ میں شریک ہوئے بلکہ جیسا کہ باب ۱۲ کی آخری روایت سے ظاہر ہے اُنہیں بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جرأت کرنے پر تعجب ہوا اور اِن الفاظ میں اللّٰهُ اَعْلَمُ وَرَسُوْلُهٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و معرفت کا اقرار کرنا پڑا۔ امام ابن حجر کو بھی امام بخاریؒ کا مذکورہ بالا تصرف کھٹکا ہے اور لکھا ہے: وَلَعَلَّ هَذَا هُوَ السِّرُّ فِي اقْتِصَارِ الْبُخَارِيِّ فِي التَّرْجَمَةِ مِنْ هَذِهِ الْآيَةِ عَلَى هَذَا الْقَدرِ إِلَى قَوْلِهِ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۳۰)

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”تب بھی اللہ ہرگز انہیں معاف نہیں کرے گا۔“

یعنی امام بخاری کا عنوانِ باب میں اختصار سے اس آیت کو اس قدر بیان کرنے میں شاید یہی سِر ہو لیکن اُنہوں نے اس کی مختلف توجیہہ کی ہے۔ البتہ اس تعلق میں بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ شرک کی حالت میں فوت ہونے والے کی صورت اس شخص سے بالکل مختلف ہے جو اسلام کا اظہار کرتے ہوئے فوت ہوا ہو۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۳۰) اُن کے نزدیک عبد اللہ بن اُبَیّ ظاہر میں کلمۂ توحید کا مقرّ رہا ہے اور اپنی آخری بیماری میں اسے یہ خواہش ہوئی کہ وہ آنحضرت ﷺ کی قمیص میں دفنایا جائے اور آپ کا اس کے بیٹے کو اپنی قمیص دینا اور اسے اس میں دفنانا اور نماز جنازہ پڑھنا بتاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بصیرت افروز نظر اور نور فراست اس کی قلبی تبدیلی کو محسوس کرتی تھی۔ غرض قرآن مجید کا مذکورہ بالا حکم عام قانون شریعت سے متعلق ہے اور عبد اللہ بن اُبَیّ کے ساتھ آپ کا سلوک استثنائی حالات سے متعلق ہے۔ دونوں میں قطعاً تضاد نہیں جیسا کہ سمجھا گیا ہے۔ بعض شارحین کی یہ رائے ہے کہ اس کے مخلص بیٹے اور اس کی قوم کی دلجوئی و تالیفِ قلب آپؐ کے مد نظر تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبد اللہ بن اُبَیّ کی قوم کے اکثر افراد نے اسلام قبول کیا۔ یہ محض ایک ضمنی بات ہے۔ آنحضرت ﷺ کی طرف اس غرض کو منسوب کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ارشاد باری تعالیٰ مصلحتاً خاطر جوئی کی وجہ سے نظر انداز کیا جاسکتا ہے جو قطعاً درست نہیں اور نہ شارحین کا یہ استدلال جواز کے لئے صحیح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک باپ کے لئے استغفار کیا تھا جس کی وجہ سے قرآن مجید میں اُنہیں بصراحت کہا گیا ہے: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (التوبة:۱۱۴) کہ ابراہیم درد مند دل رکھنے والے اور بردبار تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے بھی نماز جنازہ جو پڑھی شفقت و رحم دلی کی وجہ سے تھی۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ اس بارہ میں یہ کہیں ثابت نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشرک باپ کے لئے دعائے مغفرت و رحمت سے روکا گیا تھا اور پھر باوجود اِس ممانعت کے اُن کی طرف سے بوجہ رقیق القلب ہونے کے خلاف ورزیٔ حکم ہوئی۔ غرض آنحضرت ﷺ کے فعل کو اُن کی مثال پر قیاس کرنا درست نہیں۔ بے شک آپ غایت درجہ حلیم و رحم دل و شفیق تھے لیکن اس حکم کی خلاف ورزی کا جواز مستنبط نہیں ہو سکتا۔ بلکہ امر واقعہ یہی ہے کہ آپ نے عبد اللہ بن اُبَیّ کو محولہ بالا آیت کے منطوق سے اس کے حالات کی بناء پر مستثنیٰ سمجھا ہے اور حضرت عمرؓ کو مسکراتے ہوئے جو جواب دیا ہے اس میں آپؐ نے اپنے استثنائی اختیار کی صراحت فرمائی ہے۔

بَاب ۱۳ : وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور تُو اُن میں سے کسی مرنے والے پر کبھی (جنازہ کی) نماز نہ پڑھ اور کبھی اُس کی قبر پر (دعا کے لئے) کھڑا نہ ہو (التوبة: ۸٤)

٤٦٧٢ : حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا

۴۶۷۲: ابراہیم بن منذر نے مجھ سے بیان کیا کہ انس بن عیاض نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے عبید اللہ (بن عمر بن حفص) سے، انہوں نے نافع سے، نافع

أَنَّهُ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُ قَمِيصَهُ وَأَمَرَهُ أَنْ يُكَفِّنَهُ فِيهِ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي عَلَيْهِ فَأَخَذَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِثَوْبِهِ فَقَالَ تُصَلِّي عَلَيْهِ وَهُوَ مُنَافِقٌ وَقَدْ نَهَاكَ اللهُ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُمْ قَالَ إِنَّمَا خَيَّرَنِي اللهُ أَوْ أَخْبَرَنِي اللهُ فَقَالَ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (التوبة: ٨٠) فَقَالَ سَأَزِيدُهُ عَلَى سَبْعِينَ قَالَ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ ثُمَّ أَنْزَلَ اللهُ عَلَيْهِ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ (التوبة: ٨٤).

أطرافه: ١٢٦٩، ٤٦٧٠، ٥٧٩٦-

نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: جب عبداللہ بن اُبَیّ مر گیا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپؐ نے اس کو اپنی قمیص عطا کی اور اس سے فرمایا کہ اس کو اس میں کفنا دے۔ پھر آپؐ اس کا جنازہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے تو حضرت عمر بن خطابؓ نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور کہا: آپؐ اس پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ وہ منافق تھا اور اللہ نے بھی آپؐ کو اُن منافقوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے روکا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے تو صرف اللہ نے اختیار دیا ہے یا فرمایا: خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ تو اُن کے لئے استغفار کرے یا نہ کرے اگر تو اُن کے لئے ستر بار بھی استغفار کرے تو بھی اللہ اُن کو بخشنے کا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: میں ستر سے بھی زیادہ دعائے مغفرت کروں گا۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے: چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی۔ پھر اِس کے بعد اللہ نے آپؐ پر یہ وحی نازل کی۔ اوران میں سے اگر کوئی مر جائے تو اس پر نماز (جنازہ) نہ پڑھا کر اور نہ اس کی قبر پر (دعا کے لئے) کھڑا ہوا کر کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور ایسی حالت میں مرے ہیں جبکہ وہ اطاعت سے خارج ہو رہے تھے۔

تشریح: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ.... : یہ باب بھی سابقہ باب کے ہی تسلسل میں ہے۔ معنونہ آیت کو الگ نمایاں کر کے بتایا ہے کہ صریح ممانعت کے باوجود، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعید تھا کہ دلجوئی کی خاطر نعوذ باللہ اس کی خلاف ورزی کرتے۔ اس آیت کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبَیّ کو اُس زُمرہ میں شمار نہیں سمجھا، جن کی موت کفر و فسق کی حالت میں واقع ہوئی ہو۔ چنانچہ پوری آیت یہ ہے: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ○(التوبة:۸۴) اور اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو اس پر نماز جنازہ نہ پڑھ اور نہ اس کی قبر پر (دعا کے لئے) کھڑا ہو۔ کیونکہ اُنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور وہ ایسی حالت میں مرے ہیں کہ وہ فاسق (نافرمان، بدکردار) تھے۔

سابقہ باب کی آخری روایت اور اِس باب کی روایت میں بھی ہے کہ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا کا حکم عبداللہ بن اُبَیّ کی وفات والے واقعہ کے بعد نازل ہوا تھا۔ اس سے بعض شارحین کی یہ رائے ہے کہ گویا اِس حکم کی عدم موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل یعنی نماز جنازہ پڑھنا قابل اعتراض نہیں۔ اُن کی یہ رائے وقیع نہیں، کیونکہ سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۳، ۱۱۴ سے جس کا ابھی حوالہ دیا جا چکا ہے آپ بے خبر نہ تھے۔ یہ حکم پہلے نازل ہو چکا تھا۔ اس لئے حکم لَا تُصَلِّ نہ بھی نازل ہوتا تو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے بالکل بعید تھا کہ سابقہ حکم کو ملحوظ نہ رکھتے۔ لہٰذا شارحین کا مذکورہ بالا عذر قابل التفات نہیں اور اصل بات وہی ہے جو حضرت عمرؓ نے فرمائی اور نادِم ہوئے کہ آپ اعلم الناس تھے، صاحبِ بصیرت تھے۔ آپ نے عبداللہ بن اُبَیّ کا نماز جنازہ پڑھا اور اپنے اس فعل میں آپ نے اس کے ظاہری اقرار اسلام اور اس کے اندر نیک تبدیلی کو ملحوظ رکھا۔ علاوہ ازیں حالات کا موازنہ کرتے ہوئے آپ نے اپنے مفوضہ اختیار کو برمحل اختیار کیا۔

ایک وقت تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے معتقدین پر تکفیر و زندقہ وغیرہ کے بدترین فتاویٰ مولوی صاحبان کی طرف سے عائد کئے گئے۔ یہاں تک کہ اُنہیں اپنے پیچھے نماز نہ پڑھنے دی جاتی اور حالت یہ تھی کہ اگر کوئی احمدی اُن کی مسجد میں نماز پڑھتا تو وہ پیٹا اور مسجد سے نکال دیا جاتا کہ اس کے نماز پڑھنے سے اُن کی مسجد نجس ہو جاتی ہے۔ خیر الدین کی مشہور مسجد جو شہر امرتسر کے ہال بازار میں واقع ہے حضرت میر قاسم علی صاحب جو جماعت احمدیہ کے مشہور مبلغ اور معزز ترین افراد میں سے تھے اُنہیں اسی مسجد میں گالیاں دی گئیں اور یہاں تک ذلیل و رسوا کیا گیا کہ جب تک اُن سے زمین پر لکیریں کھنچوا کر اُن کا ناک خاک آلودنہ کر لیا گیا وہ چھوڑے نہیں گئے اور اُن سے اقرار لیا کہ آئندہ وہ کسی مولوی کی مسجد میں داخل نہیں ہوں گے۔ اِن شر انگیں اور تکلیف دہ حالات میں اِمام وقت نے فتویٰ صادر فرمایا کہ ایسے ائمہ کفر و تکفیر کے پیچھے جو حدیث شَرٌّ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ[1] (آسمان کے تحت بدترین مخلوق) کے مصداق ہیں نماز نہ پڑھی جائے۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا چلا گیا اور مسلمان احباب کو

[1] (شعب الإيمان، الثامن عشر: باب في نشر العلم، جزء ۳ صفحہ ۳۱۸)
(مشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثالث، روایت نمبر ۲۷۶)

آپ کی صداقت اور آپ کی جماعت کی قدر و قیمت محسوس ہونے لگی تو اُن میں سے شریف طبقہ لوگوں کے رویے میں تبدیلی ہونے لگی اور اُنہوں نے باوجود جماعت میں نہ داخل ہونے کے احمدیوں کے ساتھ نیک برتاؤ رکھا۔ اندریں تبدیل شدہ حالات میں موجودہ امامِ جماعت (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ) نے اپنے فتویٰ میں نرمی اختیار کی ہے اور اجازت دی ہے کہ ایسے لوگوں کا جنازہ اپنے اِمام کے پیچھے پڑھا جا سکتا ہے۔ غرض اِمامِ وقت کو استثنائی حالات عام قانون کی موجودگی میں ملحوظ رکھنے کا اختیار ہے۔ ایسے استثنائی حالات میں فیصلہ کرنا اِمامِ وقت کا اختیار ہے نہ کسی اور کا۔

بَاب ١٤

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۖ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۖ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (التوبة: ٩٥)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جب تم اُن کی طرف لوٹو گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تا تم اُن سے درگزر کرو۔ سو اُن سے درگزر ہی کرو کیونکہ وہ ناپاک ہیں اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے، جو اُن کے کیے کا بدلہ ہے۔

٤٦٧٣: حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ تَبُوكَ وَاللهِ مَا أَنْعَمَ اللهُ عَلَيَّ مِنْ نِعْمَةٍ بَعْدَ إِذْ هَدَانِي أَعْظَمَ مِنْ صِدْقِي رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا أَكُونَ كَذَبْتُهُ فَأَهْلِكَ كَمَا هَلَكَ الَّذِينَ كَذَبُوا حِينَ أُنْزِلَ الْوَحْيُ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ

۴۶۷۳: یحییٰ (بن عبداللہ بن بکیر) نے ہم سے بیان کیا کہ لیث (بن سعد) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عقیل سے، عقیل نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ سے روایت کی کہ عبداللہ بن کعب (بن مالک) کہتے تھے کہ میں نے حضرت کعب بن مالکؓ سے جبکہ وہ جنگ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، سنا: اللہ کی قسم! اللہ نے مجھے ہدایت دینے کے بعد کوئی نعمت اس سے بڑھ کر مجھ پر نہیں کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ سچ بیان کر دیا۔ آپ سے جھوٹ نہیں بولا۔ ورنہ میں بھی اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح کہ وہ ہلاک ہوئے جنہوں نے جھوٹ بولا کیونکہ یہ وحی

اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ اِلَى الْفٰسِقِيْنَ. (التوبة: ٩٥، ٩٦)

نازل ہوئی: جب تم ان کی طرف لوٹو گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تا تم اُن سے در گذر کرو (سو ہم بھی تم سے کہتے ہیں کہ) ان سے در گذر ہی کرو کیونکہ وہ گندے ہیں اور ان کا ٹھکانہ ان کے اعمال کے بدلہ میں پہلے ہی سے جہنم مقرر ہو چکا ہے وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ پس اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ اطاعت سے نکل جانے والے لوگوں سے راضی نہیں ہو گا۔

أطرافهُ: ٢٧٥٧، ٢٩٤٧، ٢٩٤٨، ٢٩٤٩، ٢٩٥٠، ٣٠٨٨، ٣٥٥٦، ٣٨٨٩، ٣٩٥١، ٤٤١٨، ٤٦٧٦، ٤٦٧٧، ٤٦٧٨، ٦٢٥٥، ٦٦٩٠، ٧٢٢٥۔

باب: يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ اِلَى قَوْلِهِ الْفٰسِقِيْنَ ○ (التوبة: ٩٦)

وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے کہ تم اُن سے راضی ہو جاؤ پس اگر تم اُن سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ اطاعت سے نکل جانے والے لوگوں سے راضی نہیں ہو گا۔

تشریح: سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ . . . فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ: پوری آیت یہ ہے سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○ (التوبة: ٩٥، ٩٦) جب تم اُن کی طرف لوٹو گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تا تم اُن سے در گزر کرو۔ سو اُن سے درگزر ہی کرو کیونکہ وہ ناپاک ہیں اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جو اُن کے کیے کا بدلہ ہے۔ وہ تمہارے لئے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم اُن سے راضی ہو جاؤ۔ پس اگر تم اُن سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ فاسق قوم (نافرمان قوم) سے قطعاً راضی نہیں ہو گا۔

امام ابن حجرؒ نے مجاہد سے بسند ابن ابی نجیح نقل کیا ہے کہ یہ آیت منافقوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جو الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ اور سیاق و سباق سے ظاہر ہے اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (التوبة: ٩٧) بادیہ نشین عرب کفر اور نفاق میں سب سے بڑھے ہوئے

ہیں اور (جہالت کی وجہ سے) اس لائق ہیں کہ اللہ کی حدود سے ناواقف ہوں جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہیں اور اللہ علیم حکیم ہے۔

کفار بھی بوقت ضرورت جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ اس لئے دونوں گروہ یعنی منافق اور منکر فاسقین میں شامل ہیں۔ واقعہ مذکورہ زیر باب میں اس آیت کی شرح ہے۔ یہ روایت کتاب المغازی میں مفصل گزر چکی ہے۔ دیکھئے باب ۷۹ روایت ۴۴۱۸۔

بَاب ١٥ : وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ط عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبة: ١٠٢)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور کچھ اَور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اُنہوں نے کچھ بھلے کام اور کچھ بُرے کام ملا جلا کر کیے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ اُن پر رحم کرے۔ اللہ یقیناً بہت ہی مغفرت کرنے والا اور سچی محنت کا بدلہ رحمت سے دینے والا ہے۔

٤٦٧٤ : حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ حَدَّثَنَا سَمُرَةُ بْنُ جُنْدَبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَنَا أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ فَابْتَعَثَانِي فَانْتَهَيْنَا إِلَى مَدِينَةٍ مَبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ وَلَبِنِ فِضَّةٍ فَتَلَقَّانَا رِجَالٌ شَطْرٌ مِنْ خَلْقِهِمْ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ وَشَطْرٌ كَأَقْبَحِ مَا أَنْتَ رَاءٍ قَالَا لَهُمُ اذْهَبُوا فَقَعُوا فِي ذَلِكَ النَّهْرِ فَوَقَعُوا فِيهِ ثُمَّ رَجَعُوا إِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذَلِكَ السُّوءُ عَنْهُمْ فَصَارُوا فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ قَالَا لِي هَذِهِ جَنَّةُ عَدْنٍ وَهَذَاكَ

۴۶۷۴: مؤمل نے (جو کہ ہشام کے بیٹے ہیں) ہم سے بیان کیا کہ اسماعیل بن ابراہیم نے ہمیں بتایا کہ عوف (بن ابی جمیلہ) نے ہم سے بیان کیا۔ ابورجاء نے ہمیں بتایا (کہا) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے ہم سے بیان کیا۔ اُنہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: آج رات میرے پاس دو آنے والے آئے اور دونوں مجھے نیند سے جگا کر لے گئے اور ہم ایک ایسے شہر کے پاس پہنچے جو سونے چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا تو وہاں ہمیں کچھ آدمی ملے اُن کا آدھا بدن تو نہایت خوبصورت تھا، ایسا کہ جو تو نے کبھی دیکھا ہو اور آدھا نہایت ہی بدشکل تھا کہ جو تو نے کبھی دیکھا ہو۔ اُن دونوں نے اُن لوگوں سے کہا: اس ندی میں داخل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اس

مَنْزِلُكَ قَالَا أَمَّا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَانُوا شَطْرٌ مِنْهُمْ حَسَنٌ وَشَطْرٌ مِنْهُمْ قَبِيحٌ فَإِنَّهُمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا (التوبة: ۱۰۲) تَجَاوَزَ اللهُ عَنْهُمْ.

میں داخل ہو گئے۔ پھر ہمارے پاس واپس آ گئے اور اُن کی وہ بدصورتی اُن سے جاتی رہی اور وہ نہایت ہی خوبصورت ہو گئے۔ اُن دونوں نے مجھے کہا: یہ جنت عدن ہے اور وہ آپکا مکان ہے۔ اُن دونوں نے کہا اور یہ لوگ جن کا آدھا جسم خوبصورت اور آدھا جسم بدصورت تھا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ بھلے کام اور کچھ بُرے کام ملا جلا کر کیے ہیں اور اللہ نے اُن سے درگزر کیا ہے۔

أطرافه: ۸٤٥، ۱۱٤۳، ۱۳۸٦، ۲۰۸٥، ۲۷۹۱، ۳۲۳٦، ۳۳٥٤، ٦۰۹٦، ۷۰٤۷۔

تشریح: وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ . . .: پوری آیت یہ ہے کہ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبۃ:۱۰۲) اور کچھ اَور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا۔ اُنہوں نے نیک عملوں کو کچھ اور عملوں سے جو بُرے تھے ملا دیا قریب ہے کہ اللہ اُن پر فضل کر دے۔ اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیا مذکورہ زیر باب تائبین کے نیک انجام پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ مشہور حدیث ہے: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ، كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ [1] (گناہ سے توبہ کرنے والا اُس شخص کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو) ان توبہ کرنے والوں کے اوصاف سورۂ توبہ آیت ۱۱۲ میں بیان ہوئے ہیں۔ فرماتا ہے: اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (التوبۃ:۱۱۲) وہ توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، حمد (باری تعالیٰ) کرنے والے ہیں، وصال محبوب حقیقی کے لئے سرگرداں، متبتل الی اللہ ہیں (اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے گھومنے والے) (اللہ کے سامنے) جھکنے والے، سجدہ ریز، نیک باتوں کا حکم دینے والے اور ناپسندیدہ باتوں سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کے محافظ ہیں۔ ایسے مومنوں کو تو بشارت دے دے۔

بَاب ۱٦ : مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) نبی اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں نہیں چاہیے تھا کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے (التوبۃ: ۱۱۳)

٤٦٧٥ : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ۴۶۷۵: اسحاق بن ابراہیم نے ہمیں بتایا۔

[1] (سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب ذكر التوبة)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ عَمِّ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ فَنَزَلَتْ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝(التوبة:۱۱۳).

عبدالرزاق نے ہم سے بیان کیا۔ معمر نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے زہری سے، زہری نے سعید بن مسیب سے، سعید نے اپنے باپ (حضرت مسیب بن حزنؓ) سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو اُن کے پاس نبی ﷺ گئے۔ اس وقت وہاں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیّہ تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: چچا! آپ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ کا اقرار کریں تا اس بنا پر میں آپ کے لئے اللہ کے پاس چارہ جوئی کروں۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیّہ نے کہا: ابوطالب! آیا عبدالمطلب کے دین سے آپ پھر جائیں گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے روک نہ دیا جائے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: نبی کو اور وہ لوگ جو مومن ہیں انہیں نہیں چاہیئے تھا کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتے گو وہ قریبی رشتہ دار ہی ہوں جبکہ اُن پر پورے طور پر واضح ہو چکا کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔

أطرافه: ۱۳۶۰، ۳۸۸۴، ۴۷۷۲، ۶۶۸۱۔

تشریح: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ . . . : اس آیت کی تشریح زیر باب ۱۲، ۱۳ گذر چکی ہے اور روایت زیر باب کتاب الجنائز روایت نمبر ۱۳۶۰ میں بھی گذر چکی ہے۔ سورۃ القصص کی تفسیر میں بھی اس سے متعلق ذکر آئے گا۔ آیت مذکورہ بالا میں استغفار کی ممانعت مشروط ہے۔ یعنی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (التوبۃ:۱۱۳) جب واضح طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ جہنم کے لائق ہیں تو پھر استغفار جائز نہیں۔ اور یہ بہت کڑی شرط ہے۔

بَاب ١٧: لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبة: ١١٧)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) یقیناً اللہ نے نبی اور اُن مہاجرین اور انصار پر رحم کیا، جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں اس کا ساتھ دیا۔ جبکہ قریب تھا کہ اُن میں سے ایک گروہ کے دل پھر جائیں۔ اس کے بعد اس نے اُن سب پر رحم کیا۔ وہ اُن پر بہت ہی نرمی کرنے والا، اُن کی کوششوں کا رحمت سے بدلہ دینے والا ہے

٤٦٧٦: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ ح.

قَالَ أَحْمَدُ وَحَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ كَعْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ كَعْبٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ مِنْ بَنِيهِ حِينَ عَمِيَ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ فِي حَدِيثِهِ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا (التوبة:١١٨) قَالَ فِي آخِرِ حَدِيثِهِ إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَنْخَلِعَ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللهِ وَ رَسُولِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمْسِكْ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ.

٤٦٧٦: احمد بن صالح نے ہم سے بیان کیا، کہا: (عبد اللہ) بن وہب نے مجھے بتایا اُنہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی۔

احمد (بن صالح) نے کہا اور عنبسہ (بن خالد) نے ہم سے بیان کیا کہ یونس نے ہمیں بتایا کہ ابن شہاب سے روایت ہے۔ اُنہوں نے کہا: عبد الرحمٰن بن کعب (بن مالک) نے مجھے بتایا کہا کہ عبد اللہ بن کعب نے مجھے خبر دی اور حضرت کعبؓ کے بیٹوں میں سے یہی تھے جو حضرت کعبؓ کو (جب وہ نابینا ہو گئے تھے) پکڑ کر لے جایا کرتے تھے۔ اُنہوں نے کہا: میں نے حضرت کعب بن مالکؓ سے اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے سنا یعنی ان تین شخصوں کا واقعہ جن کا فیصلہ ملتوی کیا گیا تھا۔ اُنہوں نے اپنی بات کے آخر میں کہا کہ میری توبہ میں سے یہ بھی ہے کہ میں اپنی جائیداد سے دستبردار ہوتا ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کے لیے صدقہ رہے گا۔ نبی ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: اپنی جائیداد سے کچھ رکھ لو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

أطرافه: ٢٧٥٧، ٢٩٤٧، ٢٩٤٨، ٢٩٤٩، ٢٩٥٠، ٣٠٨٨، ٣٥٥٦، ٣٨٨٩، ٣٩٥١، ٤٤١٨، ٤٦٧٣، ٤٦٧٧، ٤٦٧٨، ٦٢٥٥، ٦٦٩٠، ٧٢٢٥-

تشریح: لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ....: روایت زیر باب احمد بن صالح سے بسند ابن وہب اور عنبسہ مذکور ہے ان دونوں نے بسند یونس اسے روایت کیا ہے۔ غرض مختلف سندوں سے یہ روایت نہایت ثقہ ثابت شدہ ہے۔

بَاب ١٨

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○(التوبة:١١٨)

اور اُن تین شخصوں پر بھی جن کا فیصلہ ملتوی ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخ ہونے کے اُن کے لئے تنگ ہو گئی، یہاں تک کہ اُن کی اپنی جانیں بھی اُن پر دو بھر ہو گئیں اور اُنہوں نے یقین کر لیا کہ کوئی جائے پناہ نہیں مگر اللہ کے پاس۔ اس کے بعد اللہ نے اُن پر رحم کیا کہ وہ اپنی غلطی سے رجوع کریں۔ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا اور سچی کوشش کا بدلہ رحمت سے دینے والا ہے۔

٤٦٧٧: حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي شُعَيْبٍ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَعْيَنَ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ رَاشِدٍ أَنَّ الزُّهْرِيَّ حَدَّثَهُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ وَهُوَ أَحَدُ الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ تِيبَ عَلَيْهِمْ أَنَّهُ لَمْ يَتَخَلَّفْ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا قَطُّ غَيْرَ غَزْوَتَيْنِ غَزْوَةِ الْعُسْرَةِ وَغَزْوَةِ بَدْرٍ قَالَ فَأَجْمَعْتُ صِدْقَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ضُحًى وَكَانَ قَلَّمَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ

٤٦٧٧: محمد (بن نضر نیشاپوری) نے مجھ سے بیان کیا کہ احمد بن ابی شعیب نے ہمیں بتایا کہ موسیٰ بن اعین نے ہم سے بیان کیا۔ اسحاق بن راشد نے ہمیں بتایا کہ زہری نے اُن سے بیان کیا، کہا: عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک نے مجھے بتایا کہ اُنہوں نے اپنے باپ سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: میں نے اپنے باپ (حضرت کعب بن مالکؓ) سے سنا اور وہ اُن تین شخصوں میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول کی گئی تھی۔ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غزوہ میں بھی جس میں آپ نکلے کبھی پیچھے نہ رہے سوائے دو غزوات کے ایک غزوۂ عسرہ اور ایک غزوۂ بدر۔ اُنہوں نے کہا: میں نے یہ پختہ عزم کر لیا کہ میں

سَافَرَهُ إِلَّا ضُحًى وَكَانَ يَبْدَأُ بِالْمَسْجِدِ فَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ وَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ كَلَامِي وَكَلَامِ صَاحِبَيَّ وَلَمْ يَنْهَ عَنْ كَلَامِ أَحَدٍ مِنَ الْمُتَخَلِّفِينَ غَيْرِنَا فَاجْتَنَبَ النَّاسُ كَلَامَنَا فَلَبِثْتُ كَذَلِكَ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ الْأَمْرُ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَهَمُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَمُوتَ فَلَا يُصَلِّي عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ أَوْ يَمُوتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَكُونَ مِنَ النَّاسِ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ فَلَا يُكَلِّمُنِي أَحَدٌ مِنْهُمْ وَلَا يُصَلِّي عَلَيَّ فَأَنْزَلَ اللهُ تَوْبَتَنَا عَلَى نَبِيِّهِ ﷺ حِينَ بَقِيَ الثُّلُثُ الْآخِرُ مِنَ اللَّيْلِ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ عِنْدَ أُمِّ سَلَمَةَ وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ مُحْسِنَةً فِي شَأْنِي مَعْنِيَّةً فِي أَمْرِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَا أُمَّ سَلَمَةَ تِيبَ عَلَى كَعْبٍ قَالَتْ أَفَلَا أُرْسِلُ إِلَيْهِ فَأُبَشِّرُهُ قَالَ إِذًا يَحْطِمَكُمُ النَّاسُ فَيَمْنَعُونَكُمُ النَّوْمَ سَائِرَ اللَّيْلَةِ حَتَّى إِذَا صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ آذَنَ بِتَوْبَةِ اللهِ عَلَيْنَا وَكَانَ إِذَا اسْتَبْشَرَ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ حَتَّى كَأَنَّهُ قِطْعَةٌ مِنَ

صبح چاشت کے وقت رسول ﷺ سے سچ سچ بیان کر دوں اور کم ہی ہوتا کہ کسی سفر سے جو آپؐ نے کیا ہو تا چاشت کے وقت نہ آتے ہوں اور آپؐ پہلے مسجد میں آتے اور آپؐ وہاں دو رکعتیں پڑھتے اور نبی ﷺ نے میرے اور میرے دونوں ساتھیوں کے ساتھ بات چیت کرنے سے روک دیا اور ہمارے سوا جو اور پیچھے رہنے والے تھے ان میں سے کسی کے ساتھ بھی بات کرنے سے آپؐ نے نہیں روکا۔ اس لئے لوگ ہمارے ساتھ بات کرنے سے بچتے رہے۔ میں اسی حالت میں رہا، یہاں تک کہ یہ معاملہ اتنا لمبا ہو گیا کہ زندگی مجھ پر دوبھر ہونے لگی اور کوئی بات بھی مجھے اس سے بڑھ کر فکر میں ڈالنے والی نہ تھی کہ میں مر جاؤں اور نبی ﷺ میرے لئے دعائے رحمت نہ کریں یا رسول اللہ ﷺ فوت ہو جائیں اور میں لوگوں میں اسی پست حالت میں رہوں کہ اُن میں سے کوئی بھی میرے ساتھ بات نہ کرے اور نہ ہی میرے لئے دعائے رحمت کرے کہ آخر اللہ نے اپنے رسول پر ہماری توبہ سے متعلق اس وقت وحی نازل کی جبکہ رات کی آخری تہائی رہتی تھی اور رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تھے اور حضرت ام سلمہؓ میرے معاملہ میں اچھا رویہ رکھتی تھیں اور میرے متعلق فکر مند تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ام سلمہؓ! کعب کی توبہ

الْقَمَرِ وَكُنَّا أَيُّهَا الثَّلَاثَةُ الَّذِينَ خُلِّفُوا عَنِ الْأَمْرِ الَّذِي قُبِلَ مِنْ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ اعْتَذَرُوا حِينَ أَنْزَلَ اللهُ لَنَا التَّوْبَةَ فَلَمَّا ذُكِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُتَخَلِّفِينَ فَاعْتَذَرُوا بِالْبَاطِلِ ذُكِرُوا بِشَرِّ مَا ذُكِرَ بِهِ أَحَدٌ قَالَ اللهُ سُبْحَانَهُ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ الْآيَةَ. (التوبة:٩٤)

قبول ہوگئی ہے۔ کہنے لگیں: کیا میں اُس کے پاس آدمی بھیج کر اسے بشارت نہ دوں۔ آپؐ نے فرمایا: لوگ تمہارے پاس آکر تمہیں تھکا دیں گے اور ساری رات تمہیں سونے نہ دیں گے۔ جب رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صبح کی نماز پڑھائی تو آپؐ نے اعلان کیا کہ اللہ نے ہماری توبہ قبول کرلی ہے اور آپؐ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ چمک اٹھتا ایسا کہ جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہے اور ہم تین آدمی وہ تھے جن کا معاملہ مؤخر کیا گیا تھا اُن لوگوں سے جنہوں نے بہانے بنائے، جو قبول کر لیے گئے۔ جس وقت اللہ نے ہماری توبہ کی بابت وحی نازل کی اور جب پیچھے رہنے والوں میں سے اُن لوگوں کا ذکر کیا جنہوں نے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے جھوٹ بولا تھا اور باطل عذر پیش کیے تھے تو اُن کا ذکر نہایت ہی بُرا کیا گیا جو کبھی کسی کا کیا گیا ہو۔ یعنی اللہ سبحانہ نے فرمایا: جب تم اُن کی طرف لوٹو گے تو تمہارے پاس عذر کریں گے۔ تو کہہ عذر نہ کرو، ہم تمہاری ہرگز نہیں مانیں گے۔ اللہ نے ہمیں تمہارے اندرونے سے آگاہ کر دیا ہے اور عنقریب اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل دیکھ لے گا۔

أطرافه: ٢٧٥٧، ٢٩٤٧، ٢٩٤٨، ٢٩٤٩، ٢٩٥٠، ٣٠٨٨، ٣٥٥٦، ٣٨٨٩، ٣٩٥١، ٤٤١٨، ٤٦٧٣، ٤٦٧٦، ٤٦٧٨، ٦٢٥٥، ٦٦٩٠، ٧٢٢٥-

تشریح: وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا...: منافقین پر قسمیں کھانے کی وجہ سے کوئی تعزیر عائد نہیں کی گئی اور وہ دنیا کی سزا سے بچ گئے لیکن جنہوں نے راست گوئی سے کام لے کر اپنے قصور کا اقرار کیا اُن پر تعزیر عائد کی گئی اور جب اُنہوں نے صبر و استقلال اور بردباری اور ثابت قدمی سے اپنے

صدق و اخلاص ایمان کا ثبوت دیا تو وہ معاف کئے گئے۔ ایسے ہی اُن لوگوں کا بھی حال ہے جن کی نسبت مذکورہ بالا رؤیا دکھائی گئی ہے۔ تعزیر کا مقصد دراصل اصلاح وتزکیہ نفس ہے۔

روایت زیر باب کے آخر میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے یہ ہے: يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (التوبۃ:۹۴) جب تم جنگ سے اُن کی طرف واپس لوٹ کر آتے ہو تو وہ تمہارے پاس آکر (قسم قسم کے) عذر کرتے ہیں تو اُن سے کہہ دے کہ عذر نہ کرو۔ ہم (تمہارے عذروں کو) ہرگز تسلیم نہیں کریں گے۔ اللہ نے تمہارے حالات سے ہم کو خبر دے دی ہے اور اللہ اور اس کا رسول تمہارے عملوں کو بھانپتے رہیں گے پھر تم حاضر و غائب کو جاننے والے خدا کے حضور لوٹائے جاؤ گے۔ پس وہ تمہارے عملوں کی حقیقت سے تم کو خبردار کرے گا۔

بَاب ۱۹

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (التوبة:۱۱۹)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اے وہ جو ایمان لائے ہو اللہ کو سپر بناؤ اور صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ

٤٦٧٨: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ قِصَّةِ تَبُوكَ فَوَاللهِ مَا أَعْلَمُ أَحَدًا أَبْلَاهُ اللهُ فِي صِدْقِ الْحَدِيثِ أَحْسَنَ مِمَّا أَبْلَانِي مَا تَعَمَّدْتُ مُنْذُ ذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى يَوْمِي هَذَا كَذِبًا وَأَنْزَلَ اللهُ

۴۶۷۸: یحییٰ بن بکیر نے ہم سے بیان کیا۔ لیث (بن سعد) نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے عقیل سے، عقیل نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک سے روایت کی کہ عبداللہ بن کعب بن مالک نے کہا: اور وہ حضرت کعب بن مالکؓ کو (بوجہ نابینائی کے) پکڑ کر لے جایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت کعب بن مالکؓ سے سنا وہ واقعہ تبوک سے متعلق جبکہ وہ پیچھے رہ گئے تھے بیان کرتے تھے کہ اللہ کی قسم! میں کسی کو نہیں جانتا کہ اللہ نے اس کو سچ بیان کرنے کی وجہ سے اس خوبی سے آزمایا ہو جیسا کہ اس نے مجھے آزمایا۔ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ

عَزَّ وَجَلَّ عَلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ إِلَى قَوْلِهِ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبة: ۱۱۷ — ۱۱۹).

بیان کیا، آج کے دن تک میں نے عمداً جھوٹ نہیں بولا اور اللہ عز و جل نے اپنے رسول ﷺ پر یہ وحی نازل کی: اللہ نے نبی اور مہاجرین اور انصار پر بڑا فضل کیا ہے (یعنی ان لوگوں پر) جنہوں نے اس (نبی) کی تکلیف کی گھڑی میں جبکہ ان میں سے ایک گروہ کے دل کسی قدر شک میں پڑ گئے تھے اتباع کی پھر اس نے ان (کمزوروں) پر بھی فضل کر دیا وہ ان (مومنوں) سے یقیناً محبت کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ اسی طرح اُن تینوں پر بھی (اس نے فضل کیا) جو کہ پیچھے چھوڑے گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے اُن پر تنگ ہو گئی اور اُن کے اپنے نفس بھی ان پر بار بن گئے اور اُنہوں نے خیال کیا کہ اللہ کے غضب سے بچنے کے لیے سوائے اس کے اور کوئی پناہ نہیں تو ان کی حالت دیکھ کر اللہ نے ان پر فضل کیا تاکہ وہ بھی توبہ کریں اللہ یقیناً بار بار توبہ قبول کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ اے مومنو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادقوں (کی جماعت) کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔

أطرافهُ: ۲۷۵۷، ۲۹۴۷، ۲۹۴۸، ۲۹۴۹، ۲۹۵۰، ۳۰۸۸، ۳۵۵۶، ۳۸۸۹، ۳۹۵۱، ۴۴۱۸، ۴۶۷۳، ۴۶۷۶، ۴۶۷۷، ۶۲۵۵، ۶۶۹۰، ۷۲۲۵۔

تشریح: **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ:** سابقہ ابواب کے ہی تسلسل میں یہ باب اور اس کی روایت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبة: ۱۱۹) بھی اُن تدابیر میں سے ایک تدبیر ہے، جس سے نفسِ انسانی اصلاح پذیر ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ صحبتِ صالح تُرا صالح کُند۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''چاند جب آفتاب کے مقابل میں ہوتا ہے تو اُسے نور ملتا ہے مگر جوں جوں اس سے کنارہ کشی کرتا ہے توں توں اندھیرا ہوتا جاتا ہے۔ یہی حال ہے انسان کا جب تک اس کے دروازے پر گرا رہے اور اپنے آپ کو اس کا محتاج خیال کرتا رہے تب اللہ تعالیٰ اسے اٹھاتا اور نوازتا ہے ورنہ جب وہ اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ ذلیل کیا جاتا ہے۔ سادھ سنگت بھی ایک ضرب المثل ہے۔ پس یہ ضروری بات ہے کہ انسان باوجود علم کے اور باوجود قوت اور شوکت کے امام کے پاس ایک سادہ لوح کی طرح پڑا رہے تا اس پر عمدہ رنگت آوے۔ سفید کپڑا اچھا رنگا جاتا ہے اور جس میں اپنی خودی اور علم کا پہلے سے کوئی میل کچیل ہوتا ہے اس پر عمدہ رنگ نہیں چڑھتا۔ صادق کی معیت میں انسان کی عقدہ کشائی ہوتی ہے اور اسے نشانات دیئے جاتے ہیں جن سے اس کا جسم منور اور روح تازہ ہوتی ہے۔''

(ملفوظات جلد سوم صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶) (الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۳ مؤرخہ ۱۰ / مارچ ۱۹۰۳ء)

''صحبت میں بڑا شرف ہے۔ اس کی تاثیر کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا ہی دیتی ہے۔ کسی کے پاس اگر خوشبو ہو تو پاس والے کو بھی پہنچ ہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر صادقوں کی صحبت ایک روح صدق کی نفخ کر دیتی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ گہری صحبت نبی اور صاحب نبی کو ایک کر دیتی ہے یہی وجہ ہے جو قرآن شریف میں وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبۃ: ۱۱۹) فرمایا ہے۔''

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۶۰۹) (الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳ مؤرخہ ۲۴ / جنوری ۱۹۰۶ء)

بَاب ۲۰ : لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبة: ۱۲۸)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) (اے مومنو) تمہارے پاس تمہاری ہی قوم کا ایک فرد رسول ہو کر آیا ہے تمہارا تکلیف میں پڑنا اس پر شاق گذرتا ہے اور وہ تمہارے لیے خیر کا بہت بھوکا ہے اور مومنوں کے ساتھ محبت کرنے والا (اور) بہت کرم کرنے والا ہے

مِنَ الرَّأْفَةِ. (رَءُوْفٌ) رَأْفَةٌ سے ہے یعنی نرمی کرنا۔

٤٦٧٩ : حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ السَّبَّاقِ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَانَ مِمَّنْ يَكْتُبُ الْوَحْيَ قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ وَعِنْدَهُ عُمَرُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِالنَّاسِ وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ فِي الْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبَ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا أَنْ تَجْمَعُوهُ وَإِنِّي لَأَرَى أَنْ تَجْمَعَ الْقُرْآنَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ قُلْتُ لِعُمَرَ كَيْفَ أَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُمَرُ هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي فِيهِ حَتَّى شَرَحَ اللهُ لِذَلِكَ صَدْرِي وَرَأَيْتُ الَّذِي رَأَى عُمَرُ قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَعُمَرُ عِنْدَهُ جَالِسٌ لَا يَتَكَلَّمُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ وَلَا نَتَّهِمُكَ وَكُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ فَوَاللهِ لَوْ كَلَّفَنِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ

۴۶۷۹: ابوالیمان نے ہم سے بیان کیا۔ شعیب نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے زہری سے روایت کی کہ اُنہوں نے کہا: ابن سباق نے مجھے خبر دی کہ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا، اور وہ اُن لوگوں میں سے تھے جو وحی لکھا کرتے تھے: حضرت ابوبکرؓ نے مجھ کو جب یمامہ کے لوگ شہید کئے گئے، بُلا بھیجا اور اس وقت اُن کے پاس حضرت عمرؓ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: عمرؓ میرے پاس آئے ہیں اور انہوں نے کہا: یمامہ کی جنگ میں لوگ بہت شہید ہو گئے ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اور لڑائیوں میں بھی قاری نہ مارے جائیں اور اس طرح قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا، سوائے اس کے کہ تم قرآن کو ایک جگہ جمع کر دو اور میری یہ رائے ہے کہ آپ قرآن کو ایک جگہ جمع کریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: میں نے عمرؓ سے کہا: میں ایسی بات کیسے کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی۔ عمرؓ نے کہا: اللہ کی قسم! آپ کا یہ کام اچھا ہے۔ عمرؓ مجھے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے اس کے لئے میرا سینہ کھول دیا اور اب میں بھی وہی مناسب سمجھتا ہوں جو عمرؓ نے مناسب سمجھا۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے کہا اور اس وقت حضرت عمرؓ اُن کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، بات نہ کرتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: تم جوان عقل مند آدمی ہو اور ہم تم پر کوئی بدگمانی نہیں کرتے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتے تھے اس

مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ فَلَمْ أَزَلْ أُرَاجِعُهُ حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ اللهُ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَقُمْتُ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْأَكْتَافِ وَالْعُسُبِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ حَتَّى وَجَدْتُ مِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ آيَتَيْنِ مَعَ خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهُمَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ (التوبة:١٢٨) إِلَى آخِرِهَا وَكَانَتِ الصُّحُفُ الَّتِي جُمِعَ فِيهَا الْقُرْآنُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ. تَابَعَهُ عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ وَاللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ. وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ وَقَالَ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ.

لئے قرآن جہاں جہاں ہو تلاش کرو اور پھر اس کو لے کر ایک جگہ جمع کر دو اور اللہ کی قسم! اگر وہ پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا مجھے مکلف کرتے تو مجھ پر یہ کام اتنا بوجھل نہ ہوتا جتنا کہ یہ کام جس کے کرنے کے لئے اُنہوں نے مجھے حکم دیا یعنی قرآن جمع کرنا۔ میں نے کہا: آپ دونوں وہ کام کیسے کرتے ہیں جو نبی ﷺ نے نہیں کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم وہ اچھا کام ہے۔ میں اُن سے بار بار کہتا رہا، یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ اس امر کے لئے کھول دیا جس کے لئے اللہ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا سینہ کھولا تھا۔ میں کھڑا ہو گیا اور قرآن مجید کی تلاش کرنے لگا، اسے (چمڑے کے) پرچوں اور کندھے کی ہڈیوں اور کھجوروں کی ٹہنیوں اور لوگوں کے سینوں سے اکٹھا کرنے لگا۔ یہاں تک کہ میں نے سورۂ توبہ کی دو آیتیں حضرت خزیمہ انصاریؓ کے پاس پائیں۔ وہ اُن کے سوا میں نے کسی کے پاس نہ پائیں اور وہ یہ ہیں۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ... یعنی تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک رسول آیا اسے بہت سخت شاق گزرتا ہے جو تم تکلیف اُٹھاتے ہو (اور) وہ تم پر (بھلائی چاہتے ہوئے) حریص (رہتا) ہے۔ سورۃ کے آخر تک (اُنہوں نے پڑھا) وہ ورق جن میں قرآن مجید جمع کیا گیا تھا وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے اُن کو وفات دی۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہے یہاں تک کہ اللہ

وَقَالَ مُوسَى عَنْ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ. وَتَابَعَهُ يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ. وَقَالَ أَبُو ثَابِتٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ وَقَالَ مَعَ خُزَيْمَةَ أَوْ أَبِي خُزَيْمَةَ.

نے اُن کو وفات دے دی پھر حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس رہے۔ (ابوالیمان کی طرح) عثمان بن عمر اور لیث (بن سعد) نے یونس سے، یونس نے ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی اور لیث نے (اپنی سند میں) یوں کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن خالد نے ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے بتایا۔ اور اُنہوں نے (حضرت خزیمہؓ کی جگہ) ”حضرت ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس“ کہا۔ اور موسیٰ نے ابراہیم سے یوں نقل کیا کہ ابن شہاب نے ہم سے اپنی روایت میں یہ بیان کیا کہ حضرت ابوخزیمہؓ کے پاس۔ اور موسیٰ (بن اسماعیل) کی طرح یعقوب بن ابراہیم نے بھی اپنے باپ (ابراہیم) سے یہ حدیث روایت کی۔ اور ابوثابت (محمد بن عبیداللہ مدنی) نے کہا: ابراہیم نے ہم سے بیان کیا کہ اُنہوں نے یوں کہا: حضرت خزیمہؓ کے پاس یا حضرت ابوخزیمہؓ کے پاس۔

أطرافه: ۲۸۰۷، ۴۰۴۹، ۴۷۸۴، ۴۹۸۶، ۴۹۸۸، ۴۹۸۹، ۷۱۹۱، ۷۴۲۵۔

تشریح: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ: یہ سورۂ توبہ کی آخری آیت سے ماقبل کی آیت ہے، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ آپ کے صفات باری تعالیٰ کا کامل مظہر ہونے کی نسبت کچھ ذکر کتاب المناقب باب ۱۷ کی تشریح میں بھی گذر چکا ہے۔ اس باب میں جمع قرآن کے بارہ میں بیان کیا گیا ہے کہ آیاتِ کریمہ کہاں کہاں سے دستیاب ہوئیں اور ان کا مقابلہ حفاظ قرآن کی یادداشت سے کرکے انہیں قرآن مجید میں ترتیب دیا گیا اور یہ آیت حضرت خزیمہؓ انصاری کے پاس سے ملی۔ اس روایت کے آخر میں عثمان بن عمر کی متابعت کا ذکر اور موسیٰ بن اسماعیل اور ابوثابت محمد بن عبیداللہ مدنی کی سندوں کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ بعض نے بجائے خزیمہ انصاری کے ابوخزیمہ نقل کیا ہے جو درست ہے۔

(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۳۷)

☆☆☆

۱۰- سُورَةُ يُونُسَ

باب ۱

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَاخْتَلَطَ (يونس: ٢٥) فَنَبَتَ بِالْمَاءِ مِنْ كُلِّ لَوْنٍ. وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ (يونس: ٦٩) وَقَالَ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ (يونس: ٣) مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ خَيْرٌ. يُقَالُ تِلْكَ اٰيٰتُ (يونس: ٢) يَعْنِي هَذِهِ أَعْلَامُ الْقُرْآنِ. وَ مِثْلُهُ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ (يونس: ٢٣) الْمَعْنَى بِكُمْ. دَعْوٰىهُمْ (يونس: ١١) دُعَاؤُهُمْ. اُحِيْطَ بِهِمْ (يونس: ٢٣) دَنَوْا مِنَ الْهَلَكَةِ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ (البقرة: ٨٢). فَاتَّبَعَهُمْ وَ أَتْبَعَهُمْ وَاحِدٌ. عَدْوًا (يونس: ٩١) مِنَ الْعُدْوَانِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَ لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ (يونس: ١٢) قَوْلُ الْإِنْسَانِ لِوَلَدِهِ وَمَالِهِ إِذَا غَضِبَ اللَّهُمَّ لَا تُبَارِكْ فِيهِ وَالْعَنْهُ. لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ (يونس: ١٢) لَأُهْلِكَ

اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: فَاخْتَلَطَ (بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ) کے معنی ہیں کہ پانی کے ذریعہ سے ہر ایک قسم کی روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔ وہ اس سے پاک ذات ہے، وہ بے نیاز ہے۔ اور زید بن اسلم نے کہا: اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ سے مراد محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہیں۔ اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد خیر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تِلْكَ اٰيٰتُ (الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ) کے معنی ہیں یہ قرآن کے وہ نشان ہیں (جن سے اس کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔) اور اسی طرح یہ آیت بھی ہے۔ یعنی یہاں تک کہ جب تم لوگ کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور وہ اُن (لوگوں) کو بھی لے کر چل رہی ہوتی ہیں۔ بِهِمْ سے مراد بِكُمْ ہے یعنی تم کو۔ دَعْوٰىهُمْ کے معنی ہیں اُن کی پکار۔ اُحِيْطَ بِهِمْ کے معنی ہیں وہ ہلاکت کے نزدیک پہنچ گئے۔ (جیسے) اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ یعنی اس کے گناہوں نے اس کو گھیر لیا۔ فَاتَّبَعَهُمْ اور أَتْبَعَهُمْ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی اُن کے پیچھے لگا۔ عَدْوًا عُدْوان کے معنی میں ہے یعنی ظلم کرنا، حد سے گزرنا۔ اور مجاہد نے کہا: آیت وَ لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ ... یعنی اگر اللہ لوگوں کے لئے شر

مَنْ دُعِيَ عَلَيْهِ وَلَأَمَاتَهُ. لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى (یونس: ۲۷) مِثْلُهَا حُسْنَى. وَزِيَادَةٌ (یونس: ۲۷) مَغْفِرَةٌ وَ رِضْوَانٌ وَقَالَ غَيْرُهُ النَّظَرُ إِلَى وَجْهِهِ. اَلْكِبْرِيَآءُ (یونس: ۷۹) الْمُلْكُ.

میں بھی جلدی کرے جیسا کہ وہ خیر جلدی سے مانگتے ہیں، سے مراد انسان کا جب وہ غصے میں ہو، اپنی اولاد اور مال کے لئے یہ دعا کرنا ہے: اے اللہ! تو اس میں برکت نہ ڈال، اس پر لعنت کیجیو۔ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ یعنی جن کے لئے بددعا کی گئی ضرور وہ تباہ کر دیئے جاتے اور اُن کو مار ڈالا جاتا۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى (مجاہد نے کہا) اس سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے اچھے کام کیے اُن کو اچھا بدلہ ملے گا (اور اس کے بعد یہ جو فرمایا) وَ زِيَادَةٌ اس سے مراد مغفرت اور خوشنودی ہے اور (مجاہد کے ماسوا) دوسروں نے کہا: زِيَادَةٌ سے مراد اُس کے منہ کا دیدار ہے۔ اَلْكِبْرِيَآءُ سے مراد بادشاہی ہے۔

تشریح: تفسیر سورۃ یونس کے تعلق میں مندرجہ ذیل الفاظ کی شرح نقل کی گئی ہے۔

فَاخْتَلَطَ کے معنی بقول حضرت ابن عباسؓ یہ ہیں کہ پانی سے مل کر ہر قسم کی روئیدگی زمین سے پیدا ہوئی۔ یہ معنی ابن جریر نے اُن سے بسند ابن جریج نقل کیے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۳۸) لفظ فَاخْتَلَطَ سے مراد یہ آیت ہے: اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّيَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (یونس: ۲۵) حیاتِ دنیا کی مثال تو اُس پانی کی مانند ہے جسے ہم نے بادل سے نازل کیا۔ پھر اس سے مل کر زمین کی روئیدگی پیدا ہوئی، جس سے آدمی اور چارپائے کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب زمین اپنی دلربا زینت سے سنوری اور خوبصورت ہوگئی اور اس کے باشندوں نے سمجھ لیا کہ اب وہ اس پر قادر ہیں تو ہمارا حکم دن کو یا رات کو اچانک آیا اور ہم نے اسے ایک کٹے ہوئے کھیت کی طرح کر دیا گویا کہ کل کچھ تھا ہی نہیں۔ اسی طرح ہم اپنی آیات کو اُن لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتے ہیں، جو سوچ و بچار سے کام لیتے ہیں۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ هُوَ الْغَنِيُّ: امام بخاریؒ نے یہ آیت بلا تشریح ہی رہنے دی ہے اور اس

تعلق میں کوئی قول نقل نہیں کیا۔ امام ابن حجرؒ کا خیال ہے کہ اس سے غالباً عقیدہ ابن اللہ کا بطلان مقصود ہے، جو توحید باری تعالیٰ کے خلاف ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۳۸) دراصل سورۃ یونس کا موضوع ہی توحید ہے۔ پوری آیت یہ ہے: قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (یونس:۶۹) اُنہوں نے کہا: اللہ نے اپنے لیے اولاد اختیار کی ہے۔ وہ اس سے پاک ذات ہے وہ بے نیاز ہے۔ اُسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ تمہارے پاس اس عقیدہ کی کوئی دلیل نہیں۔ کیا تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جس کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں۔

قَدَمَ صِدْقٍ: اس کے دو معنی منقول ہیں۔ ایک زید بن اسلم سے بسند ابن عیینہ، حسن بصری و قتادہ، ابنِ جریر و طبری نے نقل کیے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے لئے شفیع ہیں۔ جیسا کہ سورۃ یونس کی اس سے اگلی آیت میں صراحت ہے کہ بدوں علم الٰہی کوئی شفیع نہیں ہو سکتا۔ اس نفی سے ضمناً پایا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کی اجازت دی گئی ہے۔ دوسرے معنی خَيْرٌ یعنی نیکی کے ہیں، جو مجاہد سے فریابی نے بسند ابن ابی نجیح نقل کیے ہیں۔ علاوہ ازیں ابن جریر نے اپنی تفسیر میں مجاہد ہی سے قَدَمَ صِدْقٍ کی یہ شرح بھی نقل کی ہے کہ اُن کی نماز اور اُن کے روزے اور اُن کے صدقے اور اُن کی تسبیح اور اعمال صالحہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہیں۔ جیسا کہ فرماتا ہے: اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ دونوں معنی ہی درست ہیں۔ اِن میں منافات نہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۳۸)

محولہ بالا آیات یہ ہیں: الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ○ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ○ (یونس :۲، ۳) میں اللہ دیکھنے والا ہوں۔ یہ پُرحکمت کتاب کی آیتیں ہیں۔ کیا لوگوں کے نزدیک ہمارا اُن میں سے ایک شخص پر (یہ) وحی کرنا عجیب امر ہے کہ لوگوں کو خطرہ سے آگاہ کرو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں بشارت دو کہ اُن کے ربّ کے حضور ان کے لیے قدم صدق ہے۔ کافروں نے کہا کہ یہ کھلا کھلا دھوکہ باز ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ: یعنی قرآن کی یہ آیات بطور علم اور دلائل ہیں، جن سے وجود صفات باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت کا علم ہوتا ہے۔ آیت کے معنی ہیں دلیل اور نشان جس سے کسی چیز کا علم حاصل ہو۔ سورۃ یونس کا آغاز تسمیہ کے بعد جس آیت سے ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ پُرحکمت و محکم کتاب کی آیات ہیں۔ لفظ آیات بمعنی الْاَعْلَامِ ہے۔ ابوعبیدہ بن مثنٰی اور سدی نے یہ شرح نقل کی ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۳۸-۴۳۹)

حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ: اس آیت میں خطاب كُنْتُمْ کی وجہ سے جَرَيْنَ بِكُمْ ہونا چاہیے تھا۔ یعنی جب کشتی تمہیں لے کر باد موافق کے ذریعہ سے چلی لیکن بجائے بِكُمْ کے بِهِمْ ضمیر ہے۔ یہ اسلوب خطاب بظاہر قواعد نحو کے خلاف ہے۔ مگر اس ضمیر غائب سے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے ربّ سے غافل اور لاپرواہیں۔ کشتی میں بیٹھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا مسبب الاسباب سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ وہ اپنے خودساختہ

اسباب پر نازاں اور اُن سے مطمئن ہیں۔ اُن کی ذہنی حالت غیر مستحضر باری تعالیٰ اور اس کے وجود و احسان کو فراموش کیے ہوتی ہے۔ اس ذہنی کیفیت پر ضمیر غائب ھُم دلالت کرتی ہے۔ مگر جب بادِ مخالف کے تند جھونکے کشتی کو بھنور میں ڈال دیتے ہیں۔ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ تو وہ اخلاص سے اللہ کو پکارتے ہیں۔ اُن کا ذہن فوراً حاضر باش ہوتا اور اُن کے ہوش و حواس اپنے ٹھکانے پر آجاتے اور اپنے حقیقی کارساز کو اخلاص سے پکارتے اور مخاطب کرتے ہیں۔ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ یعنی اگر تو نے ہمیں اس ہلاکت سے نجات دی تو ہم تیرے شکر گزار اور شکر مند ہوں گے۔ یعنی مصیبت کے وقت انسان فطرتاً وجودِ باری تعالیٰ اور اس کی توحید کا اقرار کرتا ہے۔ امام بخاریؒ نے بحوالہ شرح ابو عبیدہ بن مثنّٰی اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ کا مفہوم اور توحید باری تعالیٰ کا فطرتی اقرار بیان کر دیا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ۭ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ (یونس: ۲۳) وہی ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور وہ سازگار ہوا کے ذریعہ سے اُن (لوگوں) کو لے کر چلتی ہیں اور وہ ان پر اِتراتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ اِسی حالت میں اچانک ایک تند و تیز ہوا آجاتی ہے اور ہر طرف سے موجیں اُن پر لپکتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب وہ گھر گئے (یعنی ہلاک ہونے لگے) تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں اُسی کے لیے اطاعت کو خالص کرنے والے ہوتے ہیں۔ (کہتے ہیں) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دی تو ہم ضرور ہی تیرے شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔ ایمان و عمل صالحہ تمام کامیابیوں کے دو اہم رکن ہیں۔ ایمان ہو اور عمل نہ ہو یا عمل ہو اور ایمان نہ ہو تو کامیابی صحیح معنوں میں حاصل نہیں ہوتی۔ مغربی دنیا نے مادی لحاظ سے غیر معمولی ترقی کی ہے عقل سے کام لیا، سابقہ تجربوں سے فائدہ اٹھایا اور پوری محنت کی۔ قواعد و ضوابط مرتب کیے۔ ملکی نظم و نسق میں دانشمندی سے کام لیا۔ غرض ہر فن میں کمال حاصل کیا۔ مادی ترقی کے لحاظ سے یہ عمل تو ہے مگر چونکہ ایمان باللہ نہیں، نتیجہ یہ ہے کہ نہ اُن کا کردار حقیقی معنوں میں صحت مند ہے نہ اُن کی صنعت و حرفت اور تجارت معاشرۂ بنی نوع انسان کے لیے من حیث المجموع بابرکت ہے بلکہ اخلاق سوز ہے۔ کیونکہ اس کی دہریت اور بوالہی نے دنیا کو لقمۂ نار و جحیم بنایا ہوا ہے۔ دنیا کی بینائی تو ہے مگر دین کی بینائی سے کور ہے جس سے ایمانِ صادق پیدا ہوتا اور عمل کو عملِ صالحہ بناتا ہے۔ فن زراعت کو لیجئے، روس نے اس میں بہت بڑی ترقی کی ہے اور کیمونزم نے جو آج کل اشتراکیت و دہریت کا دوسرا نام ہے۔ کچھ عرصہ ہوا بلند و بانگ دعوے کیے تھے کہ ہر شخص کو بڑا با فراغت کھانے کے لیے میسر آجائے گا۔ لیکن آج اِن دعووں کا ماحصل کیا ہے۔ کارکنوں کی حرص و آس اور طمع اور خشک سالی اور قحط کا یہ انجام ہے کہ چاولوں اور آلوؤں کی بھرجی کے لیے کھڑکیوں کے سامنے بھکاریوں کی قطاریں کھڑی ہیں اور انتظار کرنے کے بعد اِنہیں خوراک شبینہ بمشکل حاصل ہوتی ہے۔ تقدیر الٰہی کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ یہی مضمون اس آیت میں بیان کیا گیا ہے اور توحید باری تعالیٰ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”خبر دار!!! تم غیر قوموں کو دیکھ کر اُن کی ریس مت کرو کہ اُنہوں نے دنیا کے منصوبوں میں بہت ترقی کر لی ہے۔ آؤ ہم بھی انہی کے قدم پر چلیں۔ سنو اور سمجھو کہ وہ اس خدا سے سخت بے گانہ اور غافل ہیں جو تمہیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ اُن کا خدا کیا چیز ہے۔ صرف ایک عاجز انسان۔ اس لیے وہ غفلت میں چھوڑے گئے۔ میں تمہیں دنیا کے کسب اور حرفت سے نہیں روکتا۔ مگر تم اُن لوگوں کے پیرو مت بنو۔ جنہوں نے سب کچھ دنیا کو ہی سمجھ رکھا ہے۔ چاہیئے کہ تمہارے ہر ایک کام میں خواہ دنیا کا ہو خواہ دین کا خدا سے طاقت اور توفیق مانگنے کا سلسلہ جاری رہے لیکن نہ صرف خشک ہونٹوں سے بلکہ چاہیئے کہ تمہارا سچ مچ یہ عقیدہ ہو کہ ہر ایک برکت آسمان سے ہی اُترتی ہے۔ تم راستباز اس وقت بنو گے جبکہ تم ایسے ہو جاؤ کہ ہر ایک کام کے وقت ہر ایک مشکل کے وقت قبل اس کے جو تم کوئی تدبیر کرو اپنا دروازہ بند کرو اور خدا کے آستانہ پر گرو کہ ہمیں یہ مشکل پیش ہے۔ اپنے فضل سے مشکل کشائی فرما تب روح القدس تمہاری مدد کرے گی اور غیب سے کوئی راہ تمہارے لیے کھولی جائے گی۔ اپنی جانوں پر رحم کرو اور جو لوگ خدا سے بکلی علاقہ توڑ چکے ہیں اور ہمہ تن اسباب پر گر گئے ہیں۔ یہاں تک کہ طاقت مانگنے کے لیے وہ منہ سے انشاء اللہ بھی نہیں نکالتے۔ اُن کے پیرو مت بن جاؤ خدا تمہاری آنکھیں کھولے، تا تمہیں معلوم ہو کہ تمہارا خدا تمہاری تمام تدابیر کا شہتیر ہے۔ اگر شہتیر گر جائے تو کیا کڑیاں اپنی چھت پر قائم رہ سکتی ہیں۔ نہیں بلکہ یک دفعہ گریں گی۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۳)

یاد رہے کہ ایمان کلمہ پڑھنے کا نام نہیں بلکہ اُن باتوں پر عمل کا نام ہے، جو کلمہ طیبہ کی روح ہے۔ اُحِيْطَ بِهِمْ کے معنی ہیں ہلاکت کے قریب پہنچ گئے۔ یہ معنی ابو عبیدہ سے مروی ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۳۹) سورۃ البقرۃ آیت ۸۲ کا حوالہ دے کر امام بخاریؒ نے اس مفہوم کی وضاحت کی ہے۔ فرماتا ہے: اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ یعنی گناہوں نے اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اُس کے لیے نجات کی کوئی راہ نہیں رہنے دی۔ اُحِيْطَ بِهٖ کے معنی ہیں وہ ہلاک ہونے والا ہے۔

دَعْوٰىهُمْ کے معنی ہیں دُعَاؤُهُمْ یعنی اُن کی دعا و پکار، یہ معنی ابو عبیدہ سے مروی ہیں (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۳۹)

پوری آیت یہ ہے: دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس:۱۱) اُن (جنتوں میں) اُن کی پکار یہ ہوگی۔ اے اللہ! تو پاک ہے اور (ایک دوسرے کے لیے) اُن کی دعا یہ ہوگی کہ تم سلامتی میں رہو اور اُن کی آخری پکار یہ ہوگی کہ اللہ ربّ العالمین سب خوبیوں کا مستحق ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ انسان کی ترقی و معراج کا منتہیٰ وہ مقام ہے جہاں اس کی آنکھ ربوبیت کاملہ کا مشاہدہ کر کے اس کی حمد و ثنا کا اقرار کرنے کے لیے مجبور ہو جاتی ہے اور اس کی روح آستانہ الٰہی پر بے اختیار گر جاتی ہے۔

وَ لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ: مجاہد نے اس آیت کی یہ شرح بیان کی ہے کہ انسان غصے میں اپنی اولاد اور اپنے مال و دولت کی ہلاکت و بربادی کا بدخواہ ہوتا ہے اور بددعا کرتا ہے۔ اگر اللہ ایسے لوگوں کی بددعا اُسی طرح قبول کرنے لگے جس طرح خیر و برکت کی دعا قبول کرتا ہے، لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ تو جلد ہی لوگوں کا خاتمہ ہو جائے۔ پوری آیت یہ ہے: وَ لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ (یونس:۱۲) اور اگر اللہ لوگوں کی بددعا اُسی طرح جلدی سے قبول کرے جس طرح وہ اپنے لیے بھلائی کی دعا جلد قبول کرنے کی خواہش رکھتے ہیں تو اُن کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ (مگر چونکہ ہم ایسا پسند نہیں کرتے) اس لیے اُن لوگوں کو جو ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے ہم اِس حالت میں چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں پھرتے رہیں۔ آیت کی یہ تفسیر فریابی، عبد بن حمید وغیرہ نے بسند ابن ابی نجیح نقل کی ہے اور طبری سے بھی یہی مفہوم مروی ہے کہ جس طرح وہ بھلی باتوں میں لوگوں کی دعائیں اور نیک خواہشات قبول فرماتا ہے۔ اگر اُن کی بددعائیں اور بری خواہشیں پوری کرتا تو اب تک وہ ہلاک ہو چکے ہوتے۔ قتادہ نے کہا کہ اِس سے مراد انسان کی اپنی جان و مال کے لیے وہ دعا ہے جو وہ پسند نہیں کرتا کہ قبول ہو ایسی دعا ممنوع ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۳۹) جیسا کہ امام مسلمؒ اور ابوداؤدؒ نے اس بارہ میں ایک حدیث نبوی بھی حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَمْوَالِكُمْ لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيهَا عَطَاءً فَيَسْتَجِيبَ لَكُمْ [1] یعنی تم اپنے آپ پر بددعا نہ کرو اور نہ اپنی اولاد پر اور نہ اپنے مالوں پر مبادا تم اللہ سے اس گھڑی میں موافقت کر بیٹھو جس میں اللہ سے جو عطا کیے جانے کی دعا کی جاتی ہے وہ قبول ہو جاتی ہے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى: پوری آیت یہ ہے: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ؕ وَ لَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (یونس:۲۷) اُن لوگوں کے لیے جنھوں نے نیکوکاری اختیار کی بہترین انجام ہوگا اور (اس پر) مزید (انعامات بھی۔) اُن کے چہروں پر نہ غبار چھائے گا اور نہ ذلت (کے آثار ہوں گے) یہ لوگ جنت کے مکین ہیں (اور) اس میں رہتے چلے جائیں گے۔

زِيَادَةٌ سے مراد اُن کے اعمال کی نیک جزا (وَمِثْلُهَا حُسْنَى) ویسی دوچند جزا بصورت مغفرت و رضامندی۔

[1] (مسلم، کتاب الزهد والرقائق، باب حديث جابر الطويل)
(ابو داؤد، کتاب الصلاة، ابواب الوتر، باب النهي عن أن يدعو الانسان، على أهله وماله)

فریابی نے اس آیت کی یہ شرح مجاہد سے نقل کی ہے اور اُن کے سوا (غالباً قتادہ نے) زِيَادَةٌ سے النَّظَرُ إِلَى وَجْهِ اللهِ یعنی دیدار الٰہی مراد لی ہے۔ طبری نے بھی اُن سے بسند سعید بن ابی عروبہ یہی مفہوم نقل کیا ہے: الْحُسْنَى هِيَ الْجَنَّةُ وَالزِّيَادَةُ النَّظَرُ إِلَى وَجْهِ الرَّحْمَنِ۔ یعنی الْحُسْنٰی سے مراد جنت ہے اور زِيَادَةٌ سے مراد رحمٰن خدا کا دیدار نصیب ہونا ہے۔ مسند عبد الرزاق میں بھی بسند معمر قتادہ سے یہی تفسیر مروی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۳۹)

الْكِبْرِيَآءُ کے معنی ہیں الْمُلْكُ یعنی بادشاہت۔ یہ مفہوم عبد بن حمید نے مجاہد ہی سے بسند ابن ابی نجیح نقل کیا ہے۔ فراء نے قول وَ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ کی شرح میں کہا ہے کہ جب نبی صادق سمجھا جاتا ہے تو اپنی مملکت کی چابیاں اسے سونپی جاتی ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۴۰) اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے ارکان قوم کا قول نقل کیا ہے: قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس:۷۹) انہوں نے کہا: کیا تو (اس لیے) ہمارے پاس آیا ہے کہ جس بات پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اس سے ہمیں ہٹا دے اور تم دونوں کو ملک میں بڑائی (حکومت) حاصل ہو جائے اور ہم تو تم پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

بَغْيًا وَّ عَدْوًا: یہ دونوں الفاظ ابو عبیدہ کے نزدیک لغت میں بوجہ حال ہونے کے منسوب ہیں۔ بمعنی بَاغِيْنَ مُتَعَدِّيْنَ یعنی فرعون اور اس کے لشکروں نے باغی و ظالم ہونے کی حالت میں اُن کا تعاقب کیا اور یہ مفعول لاجلہ بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی بغاوت وعداوت کی وجہ سے اُن کا پیچھا کیا۔ حسن بصریؒ کی قرأت عَدْوًا کی عَدُوًّا ('و' کی شد سے) ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۴۰)

بَاب ۲

وَ جٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّ عَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (یونس:۹۱)

اور ہم بنی اسرائیل کو سمندر پار لے گئے اور فرعون اور اس کی فوجیں شرارت اور دشمنی سے اُن کے پیچھے گئے۔ آخر جب وہ غرق ہونے لگا تو اُس نے کہا کہ میں ایمان لایا کہ اُس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں

نُنَجِّيْكَ (یونس:۹۳) **نُلْقِيكَ عَلَى نَجْوَةٍ مِنَ الْأَرْضِ وَهُوَ النَّشَزُ الْمَكَانُ الْمُرْتَفِعُ.** نُنَجِّيْكَ کے معنی ہیں ہم تجھے کسی اونچی زمین پر ڈال دیں گے اور نَجْوَة اونچی اور بلند جگہ ہے۔

٤٦٨٠: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَالْيَهُودُ تَصُومُ عَاشُورَاءَ فَقَالُوا هَذَا يَوْمٌ ظَهَرَ فِيهِ مُوسَى عَلَى فِرْعَوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِهِ أَنْتُمْ أَحَقُّ بِمُوسَى مِنْهُمْ فَصُومُوا.

۴۶۸۰: محمد بن بشار نے مجھے بتایا کہ ہم سے غندر نے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے ابوبشر سے، ابوبشر نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے اور یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ کہنے لگے: یہ وہ دن ہے جس میں حضرت موسیٰؑ فرعون پر غالب آئے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: موسیٰؑ کے ساتھ تمہارا تعلق اِن یہودیوں سے بڑھ کر ہے اس لیے تم بھی روزہ رکھو۔

أطرافه: ٢٠٠٤، ٣٣٩٧، ٣٩٤٣، ٤٧٣٧۔

تشریح: وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ ...: نُنَجِّيْكَ کے معنی ہیں ہم تیرا بدن اونچی جگہ پر پھینک دیں گے۔ نَجْوَة کے معنی ہیں زمین کی سطح مرتفع۔ ابوعبیدہ نے اس کے معنی مطلق ارْتِفَاع یعنی بلندی کیے ہیں۔ نَجْوَةٌ لفظ رَبْوَةٌ کا مترادف (ہم معنی) ہے۔ اس کی جمع نِجَا ہے گویا اُن کے نزدیک نُنَجِّيْكَ کے یہ معنی نہیں کہ ہم تجھے نجات دیں گے۔ یعنی غرق ہونے سے بچ جائے۔[1] بعض کے نزدیک اس لفظ سے بچایا

---

[1] حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور اسلام کی دیگر ادیان پر فضیلت بیان کرتے ہوئے آیت کریمہ فَالْیَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ (یونس:۹۳) کا ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید عالم الغیب خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ آپؒ نے بیان فرمایا ہے کہ

"It should be especially noted here that contrary to this Quranic statement, the Biblical account does not as much as hint at the possibility of the retrieval of Pharaoh's body: ' ... not so much as one of them remained.'

Hence, till the time the Quran mentions the saving of Pharaoh's body with the purpose that the posterity may learn their lesson from it, no human source of history had ever referred to it.

This account of the Quran is unique also in the sense that it does not merely reveal some past events which were till then unknown to the rest of the world, but it also prophesises that the

جاناہی مراد ہے کہ تیرے ساتھی تو سمندر کی تہہ میں ہی رہیں گے اور ہم تیرے بدن کو نکال کر محفوظ رکھیں گے کہ تو دنیا کے لئے عبرت ہو۔ ابن مسعود اور ابن سَمَیْفَع کی قرأت بجائے نُنَجِّيْكَ کے نُنَحِّيكَ ہے۔ أَيْ نُلْقِيكَ بِنَاحِيَةٍ یعنی تجھے ایک طرف الگ ڈال دیں گے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۴۱)

---

future would testify to the truth of the Quranic statement. It was implausible enough to conceive' that the body of Pharaoh having drowned in the conditions described by the Bible, could be retrieved. The phenomenon of such a body, even if retrieved, would present no small problem for the purpose of mummification.

Yet, this is what the Quran claims. No man could have dreamt of making such a statement contrary to the available historical evidence at the time of the revelation of the Quran

It was many centuries after the revelation of the Quran that the earth began to throw up its secrets. The mummified bodies of all the Pharaohs which can claim to be the Pharaohs of the time of Mosesas have been retrieved.

whether it is established that the Pharaoh in question died from drowning, only his body being retrieved, or whether he was rescued from a state of near death while drowning, the miracle of the Quranic statement is in no way obscured . The body of that Pharaoh was indeed preserved and this fact was brought to the knowledge of posterity exactly as the Quran had predicted. "

(Revelation Rationality Knowledge and Truth, Unveiling of the 'Unseen' by the Quran-A Historic perspective, page 571, 572, 574)

ترجمہ: یہاں یہ امر بالخصوص توجہ طلب ہے کہ قرآنی بیان کے برعکس بائیبل کے بیان میں فرعون کی جسمانی نجات کے امکان کا کوئی اشارہ تک نہیں ملتا۔ کیونکہ بائیبل کے مطابق ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔ چنانچہ قرآن کریم سے پہلے کسی انسانی تاریخ میں اس بات کا ذکر نہیں ملتا کہ فرعون کے جسم کو اس لیے بچایا گیا تاکہ وہ آئندہ نسلوں کے لیے باعث عبرت ہو۔........

قرآن کریم کا یہ بیان اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ یہ نہ صرف بعض گزشتہ واقعات کا انکشاف کرتا ہے جو اُس وقت تک دنیا کو معلوم نہ تھے بلکہ وہ یہ پیشگوئی بھی کرتا ہے کہ مستقبل بھی ان بیانات کی تصدیق کرے گا۔ اس وقت اس بات کا تصور بھی محال تھا کہ بائیبل کے بیان کردہ حالات کی رو سے غرق ہونے کے بعد فرعون کا جسم بچالیا گیا ہو۔ لیکن بفرضِ محال اگر اسے بچا بھی لیا جاتا تو بھی ممی کا ذکر بجائے خود ایک عجوبہ سے کم نہ تھا۔ بایں ہمہ قرآن کریم بعینہٖ یہی دعویٰ کرتا ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں کوئی آدمی ایسا بیان دینے کے بارہ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا جو اُس وقت کے موجود تاریخی شواہد کے اتنا برعکس ہوتا۔

نزولِ قرآن سے کئی صدیاں بعد زمین نے اپنے بھید کھولنا شروع کیے اور اب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے منسوب تمام فراعین کی حنوط شدہ لاشیں نکالی جاچکی ہیں۔

بعض نے اس کی توجیہہ میں موقوف روایتیں نقل کی ہیں کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے غرق ہونے کا یقین نہیں آیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُنہیں یقین دلانے کے لیے سمندر کو حکم دیا کہ اِسے باہر کنارے پر پھینک دے تا بنی اسرائیل اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تصدیق کریں کہ فرعون فی الواقع غرق ہو گیا ہے۔ ایسی روایتیں موقوف اور غریب ہیں اور قابلِ التفات نہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۴۱)

خواہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ فرعون ڈوبنے سے مرا تھا یا یہ کہ ڈوبتے ڈوبتے بچا لیا گیا تھا، اس قرآنی بیان کے اعجاز میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ فرعون کا جسم بلاشبہ محفوظ رہا اور آئندہ نسلوں پر یہ حقیقت بالکل اسی طرح منکشف ہوئی جس طرح قرآن کریم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔.........

مفسرین و مؤرخین حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے متعلق دو فراعین کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک رعمسیس ثانی (Ramesses II) ہے اور دوسرا اُس کا جانشین منفتاح (Merneptah) ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے حالات و واقعات کا تجزیہ فرماتے ہوئے ایسے قرائن و شواہد کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآنِ کریم کی پیشگوئی نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ کا مصداق رعمسیس ثانی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

"Again the problem is that according to the archaeological evidence of his mummy's condition, Rameses II who died at the ripe old age of ninety years had spent the last thirty years of his life as a bedridden, senile, tottering old man probably suffering from an extreme case of arteriosclerosis. This state could be a direct consequence of his near-drowning, resulting in an insufficient supply of oxygen to the brain for an extended period.

Again the life of Mosesas and Aaronas after their return to Egypt is described by the Quran and the Bible as very eventful and their confrontation with Pharaoh seems so drawn out that it must have taken a decade or so to come to its final conclusion. All the signs narrated could not have been packed in the mere short space of a year or two. As against this the historians estimate that the entire reign of Merneptah from the day of his crowning to the day of his death is reported to have lasted only eight years or less.

Moreover, history describes Merneptah as a warrior king who repeatedly attacked the Palestinians year after year, while both the Quran and the Bible are absolutely silent about the Pharaoh of Mosesas having carried out such expeditions into the land of Israelites. But this is not the place perhaps for a full in-depth discussion on the issue. Nor is it necessary in any way to prove which of the two Pharaohs, Rameses II or Merneptah

آج تیرہ سو سال بعد ہمارے زمانہ میں فرعونِ موسیٰ کی نعش بصورت مومیا آثارِ عتیقہ کے عجائب خانہ واقع قاہرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ میں نے بھی اِسے دیکھا ہے جب تحصیل علم عربی کے لیے قاہرہ گیا تھا۔ یہ انیسویں صدی کی شہادتِ بیّنہ ہے کہ قرآن کریم کی تنزیل فی الواقع ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔ کسی کو ساتویں صدی میں کیا علم کہ فرعون کی لاش سمندر سے باہر نکالی اور محفوظ رکھی گئی ہے۔ عرب کی اُمّی قوم تو اِن باتوں سے جاہل مطلق تھی۔

---

was the one who was the Pharaoh of the Exodus. As long as their mummies remain preserved, either of the two will always testify to the truth of the Quranic prophecy. Their names are of no real consequence. "

(Revelation Rationality Knowledge and Truth, Unveiling of the 'Unseen' by the Quran-A Historic perspective, page 575, 576)

ترجمہ: مزید برآں مسئلہ یہ ہے کہ رعمسیس ثانی کی ممی کی حالت کے متعلق ماہرین آثار قدیمہ کی شہادت یہ ہے کہ اس نے نوّے سال عمر پائی اور اپنی زندگی کے آخری تیس سال انتہائی نقاہت، کمزوری اور غالباً شریانوں کے سکڑنے کی امراض کے باعث بستر علالت پر گزارے۔ عین ممکن ہے کہ اس کی یہ حالت اس کے ڈوب کر مرنے کے قریب پہنچ جانے کے بعد ایک بلاواسطہ نتیجہ کے طور پر ہوئی ہو جس کی وجہ سے اس کا دماغ آکسیجن کی مناسب مقدار نہ مل سکنے کی وجہ سے مستقلاً مفلوج ہو گیا ہو.........

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی مصر میں واپسی کے بعد کی زندگی کو قرآن کریم اور بائیبل دونوں نے بیحد مصروف قرار دیا ہے اور فرعون کے ساتھ ان کا مقابلہ کم و بیش دس سال پر محیط دکھائی دیتا ہے کیونکہ بیان کردہ معجزات تمام کے تمام ایک یا دو سال کی محدود مدت میں سمیٹے نہیں جا سکتے۔ اس کے برعکس مؤرخین کے اندازہ کے مطابق تاجپوشی سے وفات تک منفتاح کا سارا عہد حکومت آٹھ سال یا اس سے بھی کم مدت پر مشتمل ہے۔

مزید برآں تاریخ بتاتی ہے کہ منفتاح ایک جنگجو بادشاہ تھا جو کئی سال فلسطینیوں پر مسلسل حملے کرتا رہا۔ جبکہ قرآن کریم اور بائیبل دونوں ہی فرعون موسیٰ کے اسرائیل پر ایسے حملوں کے بارہ میں مکمل طور پر خاموش ہیں۔ لیکن یہاں اس معاملہ کی تفصیل میں جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ خروج رعمسیس ثانی کے دور میں ہوا یا منفتاح کے دور میں۔ جب تک دونوں کی ممیاں محفوظ ہیں، دونوں ہی ہمیشہ کے لئے قرآنی پیشگوئی پر مہرِ تصدیق ثبت کرتے رہیں گے۔ ناموں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

☆☆☆

۱۱- سُورَةُ هُودٍ

وَ قَالَ أَبُو مَيْسَرَةَ: الْأَوَّاهُ الرَّحِيمُ بِالْحَبَشِيَّةِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَادِيَ الرَّأْيِ (هود: ۲۸) مَا ظَهَرَ لَنَا. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: الْجُودِيِّ (هود: ٤٥) جَبَلٌ بِالْجَزِيرَةِ. وَقَالَ الْحَسَنُ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ (هود: ۸۸) يَسْتَهْزِئُونَ بِهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَقْلِعِيْ (هود: ٤٥) أَمْسِكِي. عَصِيْبٌ (هود: ۷۸) شَدِيدٌ. لَا جَرَمَ (هود: ۲۳) بَلَى. وَفَارَ التَّنُّوْرُ (هود: ٤١) نَبَعَ الْمَاءُ. وَقَالَ عِكْرِمَةُ وَجْهُ الْأَرْضِ وَقَالَ غَيْرُهُ وَحَاقَ (هود: ۹) نَزَلَ، يَحِيْقُ (فاطر: ٤٤) يَنْزِلُ، يَئُوسٌ فَعُولٌ مِنْ يَئِسْتُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَبْتَئِسْ (هود: ۳۷) تَحْزَنْ. يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ (هود: ٦) شَكٌّ وَامْتِرَاءٌ فِي الْحَقِّ، لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ (هود: ٦) مِنَ اللهِ إِنِ اسْتَطَاعُوا.

اور ابومیسرہ (بن شرحبیل) نے کہا: اَوَّاہٌ حبشی زبان میں رحیم کو کہتے ہیں (یعنی بہت ہی مہربان) اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: بَادِیَ الرَّاْیِ کے معنی ہیں جو ہمیں ظاہراً دکھائی دیتا ہے اور مجاہد نے کہا: اَلْجُوْدِیِّ (دجلہ اور فرات کے درمیان) جزیرہ میں ایک پہاڑ ہے۔ اور حسن (بصری) نے کہا: (کفار کا کہنا کہ) تم تو بڑے بردبار ہو۔ وہ اُس کی ہنسی اُڑاتے تھے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: اَقْلِعِیْ کے معنی ہیں تھام لے۔ عَصِیْبٌ کے معنی ہیں سخت، لَاجَرَمَ کے معنی ہیں ضرور۔ وَفَارَ التَّنُّوْرُ کے معنی ہیں پانی پھوٹ نکلا اور عکرمہ نے کہا (کہ التَّنُّوْرُ کے معنی) سطح زمین (کے ہیں) اور عکرمہ کے سوا اَوروں نے کہا: وَحَاقَ کے معنی ہیں اور وہ اُترا، یَحِیْقُ کے معنی ہیں وہ اُترتا ہے۔ یَئُوْسٌ فعول کے وزن پر ہے۔ یَئِسْتُ سے یعنی میں مایوس ہو گیا اور مجاہد نے کہا: تَبْتَئِسْ کے معنی ہیں غمگین ہو۔ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ سے مراد ہے حق بات میں شک و شبہ کرنا۔ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ سے مراد ہے کہ اگر ہو سکے تو اللہ سے چھپالیں۔

تشریح: وَقَالَ أَبُو مَيْسَرَةَ الْأَوَّاهُ: یہ حبشی زبان (جو سامی الاصل زبان ہے) میں رحیم کا مترادف ہے، یعنی اس کے ہم معنی۔ یعنی دل گداز اور دردناک، بار بار رحم کرنے والا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَادِيَ الرَّأْيِ۔ مَا ظَهَرَ لَنَا: یعنی جو ہمیں نظر آتا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ○ (هود: ۲۸) اِس پر اُن بڑے لوگوں نے جنھوں نے اس کی قوم میں سے (اس کا) انکار کیا تھا (اسے) کہا (کہ) ہم تجھے اپنے جیسے ایک آدمی کے سوا (کچھ) نہیں سمجھتے۔ اور نہ ہم

(یہ) دیکھتے ہیں کہ سوائے ان لوگوں کے جو سرسری نظر میں ہم میں سے حقیر ترین (نظر آتے) ہیں کسی نے تیری پیروی (اختیار) کی ہو۔ اور ہم اپنے اوپر تمہاری (کسی قسم کی) کوئی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْجُوْدِيِّ جَبَلٌ بِالْجَزِيرَةِ: مجاہد نے کہا: جودی عراقِ عرب میں ایک پہاڑ ہے۔ اس کا ذکر کتاب احادیث الانبیاء باب ۳ میں گزر چکا ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ : تم تو بڑے ہی حلیم ہو۔ حلیم کے معنی عقلمند، شریف، صابر، متحمل مزاج ہیں۔ حسن بصریؒ کے نزدیک یہ فقرہ مذاقیہ اور بطور استہزاء ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم آپؑ سے کہتی تھی: قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ○ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَ مَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ ○ (ہود:۸۸،۸۹) اُنہوں نے کہا: اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ جس چیز کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے (آئے) ہیں اُسے ہم چھوڑ دیں یا اِس بات کو (ترک کر دیں) کہ اپنے مالوں کے متعلق ہم جو چاہیں کریں (اگر ایسا ہے) تو تو یقیناً بڑا ہی عقلمند (اور) سمجھدار (آدمی) ہے۔ اس نے کہا: اے میری قوم! (بھلا) بتاؤ (تو سہی) اگر (ثابت ہوا کہ) میں (اپنے دعویٰ کی بناء) اپنے ربّ کی طرف سے (عطا شدہ) کسی روشن دلیل پر (رکھتا) ہوں اور اس نے اپنے حضور سے مجھے اچھا (اور پسندیدہ) رزق دیا ہے (تو کل خدا کے حضور کیا جواب دو گے؟) اور میں نہیں چاہتا کہ جس بات سے تمہیں روکوں (اس سے تم رک جاؤ اور خود میں) تمہارے خلاف اسی (بات) کا قصد کروں میں تو سوائے اس (حد تک) اصلاح کے جس کی مجھے طاقت ہے کچھ نہیں چاہتا اور میرا توفیق پانا اللہ ہی (کے فضل اور رحم) سے (وابستہ) ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں بار بار جھکتا ہوں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَقْلِعِيْ أَمْسِكِي : حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ لفظ اَقْلِعِيْ کے معنی ہیں تھم جاؤ، ادھر ادھر ہٹ جاؤ۔ اس سے یہ آیت مراد ہے: وَ قِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (ہود:۴۵) اس کے بعد (زمین سے بھی) کہہ دیا گیا (کہ) اے زمین تو (اب) اپنے پانی کو نگل جا اور (آسمان سے بھی کہ) اے آسمان (اب) تو (برسنے سے) تھم جا۔ اور پانی کو جذب کر دیا گیا اور (یہ) معاملہ ختم کر دیا گیا۔ اور وہ کشتی جودی پر (جاکر) ٹھہر گئی اور کہہ دیا گیا کہ (اے عذاب کے فرشتو!) ظالم لوگوں کے لیے ہلاکت مقدر کر دو۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَصِيْبٌ شَدِيدٌ: حضرت ابن عباسؓ نے عَصِيْبٌ کے معنی سخت کے کیے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے بسند ابن ابی طلحہ یہ معنی اُن سے روایت کیے ہیں اور طبری نے بھی یہی معنی مجاہد، قتادہ وغیرہ سے کئی سندوں کا حوالہ دے کر بیان کیے ہیں۔ اس تعلق میں راجز شاعر کا یہ قول بطور شہادت پیش کیا گیا ہے: يَوْمٌ عَصِيبٌ يَعْصِبُ الْأَبْطَالَا یہ وہ نہایت سخت (معرکے کا) روز ہے کہ جو بہادروں پر بھی سخت گراں ہے کیونکہ قدم آگے بڑھنے سے جواب

دے دیتے ہیں۔ گویا ہاتھ پاؤں اُنکے بندھ گئے ہیں، کچھ نہیں کر سکتے۔ کہتے ہیں: عَصَبَ يَوْمُنَا يَعْصِبُ عَصَبًا أَيِ اشْتَدَّ۔ يَوْم سے مراد معرکہ حرب ہے کیونکہ وہ بہت سخت ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۴۲) مذکورہ بالا الفاظ سے اشارہ اس آیت کی طرف ہے: وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ○ (هود:۷۸) اور جب ہمارے فرستادے لوط کے پاس آئے تو اُن کی وجہ سے اُسے غم ہوا اور اس نے دل میں تنگی محسوس کی اور کہا آج کا دن (بہت) سخت معلوم ہوتا ہے۔

يَوْمٌ عَصِيْبٌ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قوم لوط دونوں قسم کی سزاؤں سے تباہ ہوئی۔ عَذَابُ صَيْحَة سے جو شدید اور اچانک حملہ پر دلالت کرتا ہے اور زلزلے سے بھی، جیسا کہ سورۃ الحجر کی شرح میں زیرِ لفظ الصَّيْحَةُ اس کا ذکر آئے گا۔

لَا جَرَمَ کے معنی ہیں بلیٰ یعنی ہاں ضرور۔ یہ معنی بھی بواسطہ مذکورہ بالا سند حضرت ابن عباسؓ ہی سے مروی ہیں۔ طبریؒ کا قول ہے۔ جَرَمَ کے معنی دراصل ارتکاب جرم کے ہیں۔ پھر فقرہ لَا جَرَمَ کثرت سے لَا بُدَّ کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ یعنی اس سے چارہ نہیں یا ضرور ایسا ہی ہوگا۔ تا کوئی گناہ کا ارتکاب نہ ہو یا الزام نہ آئے۔ جیسا کہ کہتے ہیں: لَا جَرَمَ أَنَّكَ ذَاهِبٌ۔ ضرور آپ جائیں گے تا کسی قسم کا الزام عائد نہ ہو اور بمعنی حق بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی سچ سچ جیسے کہتے ہیں۔ لَا جَرَمَ لَتَقُومَنَّ۔ یعنی آپ سچ سچ ضرور کھڑے ہوں (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۴۲)

لفظ لَا جَرَمَ سے یہ آیت مراد ہے: لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ○ (هود:۲۳) یہ قطعی (بات) ہے کہ آخرت میں وہی (سب سے) زیادہ گھاٹا پانے والے ہوں گے۔

وَ فَارَ التَّنُّوْرُ: التَّنُّوْرُ کے معنی ہیں چشمے۔ یعنی پانی کے چشمے۔ فَارَ کے معنی ہیں پھوٹ پڑے۔ عکرمہؒ نے کہا: التَّنُّوْرُ کے معنی ہیں سطح زمین۔

وَ حَاقَ کے معنی ہیں اور وہ اُترا۔ اس کا مضارع يُحِيْقُ ہے یعنی وہ نازل ہوتا ہے۔ ابو عبیدہ نے اللہ تعالیٰ کے قول وَ حَاقَ بِهِمْ کی یہ شرح کی ہے کہ اُن پر عذاب نازل ہوا اور انہیں ملا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۴۲) اس لفظ سے یہ آیت مراد ہے: وَ لَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ (هود: ۹) اور یہ (بھی) قطعی امر ہے کہ اگر ہم اس عذاب کو ایک اندازہ کی ہوئی مدت تک اُن سے پیچھے ہٹائے رکھیں تو وہ ضرور کہیں گے (کہ) کون سی بات اسے روک رہی ہے۔ سنو! جس وقت وہ اُن پر آئے گا تو اُن سے ہٹایا نہیں جائے گا اور جس عذاب پر وہ ہنسی کرتے تھے وہ انہیں گھیر لے گا۔ فقرہ حَاقَ بِهِمْ کے وہی معنی ہیں جو اُحِيْطَ بِهِمْ کے ہیں یعنی ایسی ہلاکت ہوگی کہ بچنے کی کوئی راہ نہیں ملے گی۔

يَئُوسٌ: لفظ يَئِسْتُ سے ہے یہ صیغہ مبالغہ فَعُولٌ کے وزن پر ہے۔ جس کے معنی ہیں غایت درجہ نااُمید۔ اس سے اگلی آیت مراد ہے: وَ لَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ○ (هود: ۱۰) اور اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے (کسی قسم کی) رحمت (کا مزا) چکھائیں (اور) پھر ہم اس سے اُسے ہٹالیں تو وہ بہت ہی نااُمید (اور) منکر احسان ہو جاتا ہے۔

تَبْتَئِسْ کے معنی ہیں تَحْزَنْ، لَا تَبْتَئِسْ کے معنی ہیں تو غم نہ کر، دل گیر نہ ہو۔ طبریؒ نے بسند ابن ابی نجیح مجاہد سے یہ معنی نقل کیے ہیں۔ اسی طرح بسند قتادہ وغیرہ بھی یہی معنی منقول ہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۴۲) اس لفظ سے یہ آیت مراد ہے: وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ○ (ہود: ۳۷) اور نوح کی طرف (یہ بھی) وحی کی گئی تھی کہ جو (لوگ) ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا تیری قوم میں سے (اب) کوئی (اور شخص تجھ پر) ہرگز ایمان نہیں لائے گا۔ اس لئے جو (کچھ) وہ کر رہے ہیں اس کی وجہ سے تو افسوس نہ کر۔

یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ: یَثْنُوْنَ کا مفہوم شَكٌّ وَامْتِرَاءٌ فِي الْحَقِّ ہے۔ یعنی حق کے بارہ میں شک و تردد۔ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ أَيْ مِنَ اللّٰهِ إِنِ اسْتَطَاعُوا تاوہ اللہ سے بحد امکان چھپے رہیں۔ شک و تردد کا یہ مفہوم مجاہدؒ نے بیان کیا ہے کہ اُنہوں نے اپنے شبہات کو سینوں میں تہہ بہ تہہ کر کے لپیٹا ہوا ہے۔ تا اُن کا اندرونہ اللہ تعالیٰ پر ظاہر ہونے نہ پائے۔ طبریؒ نے بھی یہ شرح مجاہدؒ سے کئی راویوں کے ذریعہ بسند ابن ابی نجیح نقل کی ہے اور بسند معمرؒ قتادہؒ سے یہ مروی ہے کہ نہایت پوشیدہ بات وہ ہوتی ہے جو انسان اپنے دل میں چھپائے رکھے اور کپڑا اوڑھ کر خاموش ہو جائے۔ بایں ہمہ اللہ (یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ) جانتا ہے جو وہ چھپائیں یا ظاہر کریں اور بسند عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی یہ شرح نقل ہے کہ اپنے سینوں میں اس شک کو چھپائے رکھتے ہیں جو انہیں ہستی باری تعالیٰ کی نسبت ہے اور اسی طرح اپنی بدکاری بھی۔ جیسے کوئی شے کپڑے میں لپٹی لپٹائی رکھی ہو۔ بحالیکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں سب باتیں ظاہر و باطن یکساں ہیں۔ کوئی بات بھی اس سے مخفی نہیں رہ سکتی اور لفظ الثَّنْيُ سے حق کے بارہ میں شک و شبہ مراد ہے۔ نیز حق سے اعراض و روگردانی۔ امام ابن حجرؒ نے اس تعلق میں ایک بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ الفاظ کی یہ مذکورہ بالا شرح ابوذرؒ والے نسخہ بخاری میں مقدم رکھی گئی ہے اور باقی نسخوں میں یہ شرح مؤخر ہے، لفظ اَقْلِعِیْ کے بعد آتی ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۴۲)

باب ۱

اَلَاۤ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ۙ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ (ہود: ۶)

سنو! وہ یقیناً اپنے سینوں کو اس لیے موڑتے رہتے ہیں کہ اُس سے چھپے رہیں۔ سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں (تو اس وقت بھی) جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اُسے وہ جانتا (ہوتا) ہے۔ وہ یقیناً سینوں کی باتوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔

٤٦٨١: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ

۴۶۸۱: حسن بن محمد بن صباح نے ہم سے بیان

بْنِ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ أَلَآ إِنَّهُمْ تَثْنَوْنِي صُدُوْرُهُمْ قَالَ سَأَلْتُهُ عَنْهَا فَقَالَ أُنَاسٌ كَانُوا يَسْتَحْيُونَ أَنْ يَتَخَلَّوْا فَيُفْضُوا إِلَى السَّمَاءِ وَأَنْ يُجَامِعُوا نِسَاءَهُمْ فَيُفْضُوا إِلَى السَّمَاءِ فَنَزَلَ ذَلِكَ فِيهِمْ.

اطرافهٔ: ٤٦٨٢، ٤٦٨٣۔

کیا کہ حجاج (بن محمد اعور) نے ہمیں بتایا۔ کہتے تھے: ابن جریج نے کہا: محمد بن عباد بن جعفر نے مجھے بتایا کہ اُنہوں نے حضرت ابن عباسؓ کو یہ آیت یوں پڑھتے سنا: اَلَآ اِنَّهُمْ تَثْنَوْنِي صُدُوْرُهُمْ۔ کہتے تھے: میں نے اُن سے اِس آیت کی نسبت پوچھا۔ تو اُنہوں نے کہا: کچھ لوگ تھے کہ قضاء حاجت کرنے سے شرماتے کہ کہیں آسمان کے سامنے ننگے نہ ہو جائیں۔ ایسے ہی اپنی بیویوں سے ہم بستر ہوتے وقت بھی شرماتے کہ کہیں آسمان کے سامنے ننگے نہ ہو جائیں۔ تو یہ آیت اُن کے متعلق نازل ہوئی۔

٤٦٨٢: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، وَأَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَرَأَ أَلَا إِنَّهُمْ تَثْنَوْنِي صُدُورُهُمْ قُلْتُ يَا أَبَا الْعَبَّاسِ مَا تَثْنَوْنِي صُدُوْرُهُمْ قَالَ كَانَ الرَّجُلُ يُجَامِعُ امْرَأَتَهُ فَيَسْتَحِي أَوْ يَتَخَلَّى فَيَسْتَحِي فَنَزَلَتْ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ (هود:٦).

اطرافهٔ: ٤٦٨١، ٤٦٨٣۔

۴۶۸۲: ابراہیم بن موسیٰ نے مجھ سے بیان کیا کہ ہشام نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے ابن جریج سے روایت کی اور محمد بن عباد بن جعفر نے مجھے بتایا کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کو یوں پڑھا: أَلَا إِنَّهُمْ تَثْنَوْنِي صُدُورُهُمْ (محمد بن عباد کہتے تھے) میں نے پوچھا: ابوالعباسؓ! تَثْنَوْنِي صُدُوْرُهُمْ سے کیا مراد ہے؟ کہنے لگے: آدمی اپنی بیوی سے ہم بستر ہوتا تو شرماتا یا وہ بیت الخلاء میں جاتا تو شرماتا۔ اس لئے یہ آیت نازل ہوئی یعنی سنو! وہ یقیناً اپنے سینوں کو اس لیے موڑتے رہتے ہیں۔

٤٦٨٣: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ

۴۶۸۳: (عبد اللہ بن زبیر) حمیدی نے ہم سے بیان کیا۔ ہمیں سفیان (بن عیینہ) نے بتایا کہ عمرو

قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ﴾ (هود:٦) وَقَالَ غَيْرُهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْتَغْشُوْنَ يُغَطُّونَ رُءُوسَهُمْ. ﴿سِيْٓءَ بِهِمْ﴾ (هود:٧٨) سَاءَ ظَنُّهُ بِقَوْمِهِ، ﴿وَضَاقَ بِهِمْ﴾ (هود:٧٨) بِأَضْيَافِهِ. ﴿بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ﴾ (هود:٨٢) بِسَوَادٍ. {وَقَالَ مُجَاهِدٌ[1]} ﴿اِلَيْهِ اُنِيْبُ﴾ (هود:٨٩) أَرْجِعُ.

(بن دینار) نے ہم سے بیان کیا۔ اُنہوں نے کہا: حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت پڑھی: اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ... یعنی سنو! وہ یقیناً اپنے سینوں کو اس لیے موڑتے رہتے ہیں کہ اُس سے چھپے رہیں۔سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں۔ اور عمرو بن دینار کے سوا اَوروں نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا: يَسْتَغْشُوْنَ کے معنی ہیں وہ اپنے سروں کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ سِيْٓءَ بِهِمْ کے معنی ہیں وہ اپنی قوم سے بدگمان ہوا۔ وَضَاقَ بِهِمْ کے معنی ہیں کہ اس نے اپنے مہمانوں سے تنگی محسوس کی۔ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ کے معنی ہیں تاریکی میں۔ اور مجاہد نے کہا: اِلَيْهِ اُنِيْبُ کے معنی ہیں میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اطرافہ: ٤٦٨١، ٤٦٨٢۔

تشریح: اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ...: یہ آیت مع ترجمہ عنوانِ باب میں ابھی گزر چکی ہے، اِسی طرح مشکل الفاظ کے معنی بھی۔ اس باب کے تحت تین روایتیں ہیں۔جن میں فقرہ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ کی شرح سے متعلق اختلاف و وضاحت ہے۔ ان میں اس جملہ کا مفہوم التَّغْطِيَةُ یعنی چھپنا مروی ہے اور بتایا گیا ہے کہ عربوں میں رواج تھا کہ قضاء حاجت اور مباشرت کے وقت کپڑا اوڑھ لیا جاتا تھا۔ خدا تعالیٰ اور ملائکہ سے عرب شرماتے، مبادہ وہ عریانی کی حالت میں دیکھے جائیں۔ اُن کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ گویا آیت میں اس قسم کے خیال کا ازالہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تو سینوں کی پوشیدہ در پوشیدہ بات بھی چھپی نہیں رہ سکتی۔ چہ جائیکہ انسان کا ظاہر اُس سے پوشیدہ رہے۔ مذکورہ بالا باب میں ساری آیت نقل کی گئی ہے تاکہ فقرہ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ کا مفہوم اپنے سارے سیاق وسباق سے واضح ہو جائے۔ تیسری روایت سے يَثْنُوْنَ کا معنی الفاظ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ اور يُغَطُّونَ سے کھول دیا گیا ہے۔ تا اس محاورۂ کلام سے متعلق کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔ تیسری روایت میں سِيْٓءَ بِهِمْ کا مفہوم سَاءَ ظَنُّهُ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو گمان ہوا کہ مہمانوں کی آمد خیر و برکت والی آمد معلوم نہیں ہوتی۔ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا میں ضمیر هُمْ مہمانوں سے متعلق ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو اُن کی آمد سے انقباض ہوا مبادہ وہ کسی شر کا پیش خیمہ ہوں۔

[1] یہ الفاظ فتح الباری مطبوعہ انصاریہ کے مطابق ہیں (فتح الباری جزء ۸ حاشیہ صفحہ ۴۴۳) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ سے مراد رات کی تاریکی ہے۔ جس سے اشارہ اس آیت کی طرف ہے جس میں بدظنی پیدا ہونے کا ذکر ہے اور پھر کہا گیا ہے کہ یہ لوگ صبح ہوتے ہی ہلاک کئے جائیں گے۔ پوری آیت یہ ہے: قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَ لَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ○ (ھود: ۸۲) (اِس پر) اُنہوں نے کہا (یعنی مہمانوں نے) کہ اے لوط! ہم یقیناً تیرے ربّ کے فرستادہ ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ تجھ تک ہرگز نہیں پہنچیں گے (اُن کی تباہی کا وقت آ چکا ہے) اس لیے تُو رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر تیزی سے (یہاں سے) چلا جا اور تم میں سے کوئی (فرد بھی) اِدھر اُدھر نہ دیکھے (اس طرح سے تم محفوظ رہو گے) ہاں تیری بیوی ایسی ہے کہ جو (عذاب) اُن پر آیا (ہوا ہے) وہ اُس پر بھی یقیناً آنے والا ہے۔ اُن کا مقررہ وقت (آئندہ) صبح ہے (اور) کیا صبح قریب نہیں ہے؟

لفظ اُنِیْبُ اور أَرْجِعُ مترادف المعنی ہیں۔ وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ لفظ أَنَابَة کے مفہوم میں بچوں کی طرح ماتا کی محبت کی وجہ سے اس کی گود میں جانا مراد ہے۔ انبیاء کے لئے مُنِیْب اور أَنَابَ وغیرہ کے جو الفاظ قرآن مجید میں آئے ہوئے ہیں، انہی معنوں میں ہیں۔

بَاب ۲: وَ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (ھود: ۸)

اور اُس کا عرش پانی پر ہے

٤٦٨٤: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ وَقَالَ يَدُ اللهِ مَلْأَى لَا تَغِيضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ. وَقَالَ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَدِهِ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ

۴۶۸۴: ابوالیمان نے ہم سے بیان کیا کہ شعیب نے ہمیں خبر دی کہ ابوالزناد نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے اعرج سے، اعرج نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: خرچ کر میں بھی تجھ پر خرچ کروں گا اور آپؐ نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے کوئی خرچ اس کو گھٹاتا نہیں ہے، رات دن اس کے فیض (بارش کی طرح) جاری ہیں اور آپؐ نے فرمایا: تم نے دیکھا کہ جب سے اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے تب سے کتنا کچھ خرچ کیا ہے۔ پھر بھی اس خرچ نے جو اس کے ہاتھ میں ہے گھٹایا نہیں اور اُس

وَبِيَدِهِ الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ.

أطرافه: ٥٣٥٢، ٧٤١١، ٧٤١٩، ٧٤٩٦۔

اعْتَرٰكَ (هود:٥٥) افْتَعَلْتَ مِنْ عَرَوْتُهُ أَيْ أَصَبْتُهُ وَمِنْهُ يَعْرُوهُ وَاعْتَرَانِي. اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا (هود:٥٧) أَيْ فِي مِلْكِهِ وَسُلْطَانِهِ. عَنِيْدٌ (هود:٦٠) وَعَنُودٌ وَعَانِدٌ وَاحِدٌ هُوَ تَأْكِيدُ التَّجَبُّرِ. وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ (هود:١٩) وَاحِدُهُ شَاهِدٌ مِثْلُ صَاحِبٍ وَأَصْحَابٍ. اسْتَعْمَرَكُمْ (هود:٦٢) جَعَلَكُمْ عُمَّارًا أَعْمَرْتُهُ الدَّارَ فَهِيَ عُمْرَى جَعَلْتُهَا لَهُ. نَكِرَهُمْ (هود:٧١) وَأَنْكَرَهُمْ وَاسْتَنْكَرَهُمْ وَاحِدٌ. حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (هود:٧٤) كَأَنَّهُ فَعِيلٌ مِنْ مَاجِدٍ، مَحْمُودٌ مِنْ حَمِدَ. سِجِّيْلٍ (هود:٨٣) الشَّدِيدُ الْكَبِيرُ، سِجِّيلٌ وَسِجِّينٌ وَاحِدٌ وَاللَّامُ وَالنُّونُ أُخْتَانِ، وَقَالَ تَمِيمُ بْنُ مُقْبِلٍ:

کا عرش پانی پر ہے اور اُس کے ہاتھ میں میزان ہے۔ جسے جھکا بھی رہا ہے اور اُٹھا بھی رہا ہے۔

اعْتَرٰكَ لفظ عَرَى سے افتعل کے وزن پر ہے، جیسے عَرَوْتُهُ ہے یعنی اس کو میں نے پالیا اور اس سے يَعْرُوهُ (وہ اس کو پکڑ لیتا ہے) اور اعْتَرَانِي (اس نے مجھے آ پکڑا) ہیں۔ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کے قبضہ قدرت اور تسلط میں ہے۔ عَنِيْدٌ، عَنُودٌ اور عَانِدٌ ایک ہی ہیں۔ (یعنی سرکش، مخالف۔) عَنِيْدٌ لفظ جَبَّار کے بعد بطور تاکید کے ہے۔ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ میں اَشْهَادُ کا مفرد شاہد ہے۔ جیسے صَاحِب کی جمع أَصْحَاب ہے۔ اسْتَعْمَرَكُمْ کے معنی ہیں تم کو آباد کرنے والے بنایا۔ کہتے ہیں أَعْمَرْتُهُ الدَّارَ میں نے اس کو گھر میں آباد کیا۔ آباد گھر کو کہتے ہیں عُمْرَى (أَعْمَرْتُهُ الدَّارَ) یعنی اس کو گھر عمر بھر کے لیے دے دیا۔ نَكِرَهُمْ، أَنْكَرَهُمْ اور اسْتَنْكَرَهُمْ کے ایک ہی معنی ہیں۔ (اس نے انہیں نہ پہچانا۔) حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ فعیل کے وزن پر ہیں۔ مَجِيْدٌ کے معنی ہیں ماجد (یعنی بزرگ) اور حَمِيْدٌ کے معنی محمود ہیں (یعنی جس کی بہت تعریف کی جائے) یہ حَمِدَ سے ہے۔ سِجِّيْل کے معنی ہیں سخت اور بڑا۔ سِجِّيْلٌ اور سِجِّينٌ کے ایک ہی معنی ہیں۔ "ل" اور "ن" دو ایسے حروف ہیں جو ایک دوسرے سے بدل جاتے ہیں۔ اور تمیم بن مقبل شاعر نے کہا ہے:

وَرَجْلَةٍ يَضْرِبُونَ الْبَيْضَ ضَاحِيَةً
ضَرْبًا تَوَاصَى بِهِ الْأَبْطَالُ سِجِّينَا

اور بہت سے پیادے لوگ تھے جو اُن خودوں پر جو کہ سورج کی روشنی میں چمک رہی تھیں، سخت چوٹیں مار رہے تھے۔ ایسی چوٹیں کہ بہادر ایک دوسرے کو ان سے متعلق وصیت کر گئے تھے، (جو ایسی چوٹیں تھیں) کہ جن پر پڑتی ان کو وہیں کاٹ ڈالتی تھیں۔

بَاب۳ ا؎

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا (هود:۸۵) إِلَى أَهْلِ مَدْيَنَ لِأَنَّ مَدْيَنَ بَلَدٌ. وَ مِثْلُهُ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (يوسف:۸۳) وَسْئَلِ الْعِيْرَ يَعْنِي أَهْلَ الْقَرْيَةِ وَالْعِيرِ. وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا (هود:۹۳) يَقُولُ لَمْ تَلْتَفِتُوا إِلَيْهِ. وَيُقَالُ إِذَا لَمْ يَقْضِ الرَّجُلُ حَاجَتَهُ ظَهَرْتَ بِحَاجَتِي وَجَعَلْتَنِي ظِهْرِيًّا. وَالظِّهْرِيُّ هَا هُنَا أَنْ تَأْخُذَ مَعَكَ دَابَّةً أَوْ وِعَاءً تَسْتَظْهِرُ بِهِ. اَرَاذِلُنَا (هود:۲۸) سُقَّاطُنَا. اِجْرَامِيْ (هود:۳۶) هُوَ مَصْدَرٌ مِنْ أَجْرَمْتُ. وَبَعْضُهُمْ يَقُولُ جَرَمْتُ. الْفُلْكُ (هود:۳۸) وَالْفَلَكُ وَاحِدٌ وَهِيَ السَّفِينَةُ وَالسُّفُنُ. مَجْرَاهَا مَدْفَعُهَا وَهُوَ مَصْدَرُ أُجْرِيَتْ، وَأَرْسَيْتُ حَبَسْتُ، وَيُقْرَأُ مَجْرَاهَا مِنْ

اور (ہم نے) مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو (بھیجا)۔ مدین سے مراد مدین والے ہیں کیونکہ مدین شہر ہے اور یہ اس طرح ہے جو فرمایا: وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ وَسْـَٔلِ الْعِيْرَ یعنی گاؤں والوں سے پوچھ اور قافلے والوں سے پوچھ۔ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا سے یہ مراد ہے تم نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ اور جب آدمی کسی کا مقصد پورا نہ کرے تو اسے کہتے ہیں یعنی تم نے میرے مقصد کو پس پشت ڈال دیا یا تم نے مجھے پس پشت ڈال دیا اور لفظ الظِّهْرِيُّ کا مفہوم یہاں یہ ہے کہ تو اپنے ساتھ کوئی جانور یا برتن لے لے، جس سے تو حاجت براری کرے۔ اَرَاذِلُنَا کے معنی ہیں ہم میں سے ردی لوگ۔ اِجْرَامِيْ (یعنی میرا جرم) مصدر ہے أَجْرَمْتُ کا اور اُن میں سے بعض کہتے ہیں کہ جَرَمْتُ (کا مصدر ہے)۔ الْفُلْكُ اور الْفَلَكُ ایک ہی ہیں یعنی کشتی اور کئی کشتیوں کو بھی کہتے ہیں۔ مَجْرَاهَا کے معنی ہیں دھکا دے

ا؎ فتح الباری مطبوعہ بولاق کے مطابق یہاں باب نہیں ہے بلکہ یہ عبارت گذشتہ باب کے تسلسل میں ہی ہے (فتح الباری جزء۸ حاشیہ صفحہ ۴۴۷)

جَرَتْ هِيَ مَرْسَاهَا مِنْ رَسَتْ، وَمُجْرِيْهَا وَ مُرْسِيْهَا مِنْ فُعِلَ بِهَا، الرَّاسِيَاتُ ثَابِتَاتٌ.

کر اُن کا چلانا اور یہ مصدر ہے اُجْرِيَتْ کا (یعنی اسے چلایا گیا) اور أَرْسَيْتُ کے معنی ہیں میں نے (کشتی) ٹھہرالی اور مَجْرَاهَا بھی پڑھا جاتا ہے جو جَرَتْ سے ہے (یعنی وہ چلی) اور مَرْسَاهَا بھی پڑھا جاتا ہے جو رَسَتْ سے ہے۔ (یعنی وہ رک گئی۔) اور مُجْرِيْهَا اور مُرْسِيْهَا (بھی پڑھا جاتا ہے۔ جو) مفعول کے معانی میں ہے۔ (یعنی اللہ اُن کو چلانے والا اور ٹھہرانے والا ہے۔) الرَّاسِيَاتُ کے معنی ہیں گڑی ہوئیں۔

تشریح: **وَ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ:** اس کا عرش پانی پر ہے۔ جسمانی زندگی ہو یا روحانی، دونوں کا قیام آسمانی آب حیات سے ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر وحی الٰہی آسمانی پانی سے تعبیر فرمائی گئی ہے۔ عرش تختِ حکومت یعنی شرعی ضابطہ و نظام کا نام ہے۔ اس سے مراد وہ اصول شریعت ہیں جن پر روحانی زندگی کا دارومدار ہے۔ مذکورہ بالا آیت سے یہی روحانی نظام مراد ہے۔ جیسا کہ سیاق کلام سے ظاہر ہے۔

پوری آیت یہ ہے: وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ لَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ○ (ھود: ۸) اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا ہے تاکہ وہ تمہارا امتحان کرے (کہ) تم میں سے کس کے عمل زیادہ اچھے ہیں۔ اور اس کا عرش پانی پر ہے۔ اور یہ یقینی امر ہے کہ اگر تو (اُن سے) کہے (کہ) تم مرنے کے بعد ضرور اُٹھائے جاؤ گے تو جن لوگوں نے انکار کیا ہے (قسمیں کھا کھا کر) کہیں گے (کہ) یہ (دعوے) صرف ایک دھوکا ہے۔

اس باب کے تحت جہاں عرش کا مفہوم بیان کیا گیا ہے وہاں بعض مفردات کی شرح نقل کر کے ان آیات کی طرف توجہ منعطف کرائی گئی ہے تا عرش باری تعالیٰ اور نظام روحانی کی نوعیت کا کسی قدر علم ہو سکے۔

اول: روایت زیر باب (نمبر ۲) کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی شان ربوبیت بہت ہی بلند و بالا اور رحمانیت (بلا محنت عطاء و بخشش) غیر محدود ہے۔ اس کا تختِ حکومت پانی پر قائم ہے اور اُس کے ہاتھ میں میزان ہے۔ یعنی داد و دہش، عدل و انصاف سے ہے۔ اس جہان کی ہر شے اس کی قدرت کے تصرف میں ہے۔ جزا و سزا اعمال کے مطابق ہوتی ہے۔ سورۃ فاتحہ میں جو چار صفات باری تعالیٰ، ربّ، رَحْمٰن، رَحِيم اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بیان ہوئی ہیں، اِن کا یہی مفہوم ہے جو اِس آیت میں بیان ہوا ہے۔ اس سے اس کے عرش کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

دوم: اعْتَرٰكَ سے آیت اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰكَ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام سے اُن کی قوم کہتی ہے کہ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ہمارے دیوتاؤں کی بد دعا تمہیں لگ گئی ہے۔ پوری آیت یہ ہے: اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ (ھود:۵۵) (تیرے متعلق) ہم سوائے اس کے (کچھ) نہیں کہتے کہ ہمارا کوئی معبود بد ارادوں سے تیرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ اس نے کہا میں اللہ کو (اس بات کا) گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جس کسی کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔ یہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ اعْتَرٰی عَرْوٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں قابل اعتماد سہارا۔ مفردات راغب میں عُرْوَةٌ کا اشتقاق عَرَا یعرو بتایا گیا ہے اور اسی سے لفظ عَرِیَّةٌ بھی بیان کیا ہے۔ یعنی اس میں اشارہ ہے کہ خیرات وغیرہ طلب کرنے کے لئے کسی کے پاس جانا اور مطالبہ میں اس سے لپٹے رہنا۔ اسی لفظ سے برتن کے دستے کو عُرْوَةٌ کہتے ہیں اور بٹن کے شگاف کو بھی عُرْوَةٌ کہتے ہیں، جس میں وہ داخل ہو کر کپڑے کو باندھے رکھتا ہے۔ عِرْوٌ کے معنی ”ایک طرف“ کے بھی ہیں اور برتن کا دستہ یا کنڈا بھی ایک طرف ہوتا ہے، جس سے پکڑ کر اسے تھاما جاتا ہے۔

(المفردات فی غریب القرآن- عری) (عمدۃ القاری جزء ۱۸ صفحہ ۲۹۴) (أقرب الموارد- عرو)

مذکورہ بالا اشتقاق سے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۵۷ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ فرماتا ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ (البقرۃ:۲۵۷) دین کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر نہیں۔ ہدایت اور گمراہی کا مابہ الفرق خوب ظاہر ہو چکا ہے۔ پس جو طاغوت کی بات نہیں مانے گا اور اللہ کی باتوں کو مانے گا تو سمجھ لو اُس نے ایک نہایت مضبوط قابل اعتماد چیز کو جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں پکڑ لیا ہے اور اللہ بہت سننے والا اور بہت ہی جاننے والا ہے۔ طاغوت حَانُوت کے وزن پر ہے اور صیغہ مبالغہ ہے۔ یعنی حدود سے بہت نکلنے والا اور حدود توڑنے کا حکم دینے والا، بد سرداروں کو طاغوت کہتے ہیں اور یہ لفظ شیطان کا مترادف ہے۔ اس کی جمع طواغیت ہے۔ عرب کاہن وجادوگر وغیرہ بھی طواغیت کہلاتے تھے۔ غرض عرش باری تعالیٰ میں ہر کوئی تابع تقدیر الٰہی ہے اور پورے طور پر اس کے قبضہ تصرف میں مسخر اور تابع ہے۔ جو راستہ انسان کے لئے معین کیا گیا ہے اس سے روگردانی جرم اور قابل مؤاخذہ ہوتی ہے۔ بایں ہمہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی حکومت میں آزادئ ارادہ وعمل دی گئی ہے۔ چاہے وہ احکام شریعت پر عمل کرے یا نہ کرے ثواب وعقاب کا دارومدار اُس کے اِسی امتیاز میں ہے اور اُس کی یہی خلقت اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ سے تعبیر کی گئی ہے۔ مشیئت الٰہی سے ہم آہنگی اور احکام خالق کی اطاعت سے انسان خالق کی صفات کا مظہر ہو کر زمرۂ علیین میں شامل ہو سکتا ہے اور اُن سے روگردانی اُسے اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ کر دیتی ہے۔ اِس انسانی تخلیق سے صفات باری تعالیٰ عالم ناسوت میں روز بروز زیادہ سے زیادہ جلوہ گر ہوتی جارہی ہیں۔ جس کے بغیر یہ عالم ہیولہ کی صورت میں گم سم پڑا تھا۔ امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا باب میں اِن دونوں آیتوں کا حوالہ یوں ہی نہیں دیا بلکہ اِن سے عرش الٰہی کی شرح مقصود بالذات ہے۔

سوم: اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا- فرماتا ہے: اِنِّیۡ تَوَکَّلۡتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ ؕ مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ اِلَّا ہُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِہَا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ○ (ھود: ۵۷) (ہود نے اپنی قوم سے کہا:) میں اللہ پر جو میرا (بھی) ربّ (ہے) اور تمہارا (بھی) ربّ ہے بھروسہ کرتا ہوں (اور کہتا ہوں کہ روئے زمین پر) کوئی بھی چلنے والا (جاندار) ایسا نہیں کہ وہ (خدا) اس کی پیشانی کو پکڑے ہوئے نہ ہو۔ میرا ربّ یقیناً مومنوں کی مدد کرنے کے لیے سیدھی راہ پر کھڑا ہے (اور اپنی طرف آنے والوں کی حفاظت کر رہا ہے۔)

خالقِ کون نظروں سے اوجھل ہے اور وہ اپنے خارق عادت قادرانہ تصرفات کا اظہار انبیاء کے ذریعہ سے کرتا ہے جب فراعین و طواغیتِ عالم کی زور آزمائی ایک طرف اور معبود یگانہ کا پرستار تنہا دوسری طرف ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا علم پا کر کہتا ہے کہ وہ غالب ہوگا اور دنیا اپنی ساری طاقتوں اور زور آزمائیوں کے باوجود اُس کی صداقت ہر زمانہ میں مشاہدہ کرتی رہی ہے۔ اس آیت کا حوالہ عرش باری تعالیٰ کی نوعیت معلوم کرنے کی غرض سے دیا گیا ہے۔ انسان کو بے شک آزادیٔ ارادہ و عمل دی گئی ہے۔ لیکن جو اِس سے ناجائز فائدہ اُٹھاتا ہے اور حد سے گزرنے لگتا ہے تو وہ پکڑا جاتا ہے۔

چہارم: عَنِیْدٌ وَعَنُوْدٌ وَعَانِدٌ وَاحِدٌ: عَنِیْدٌ اور عَنُوْدٌ اور عَانِدٌ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی پرلے درجہ کا جابر، جبر و عناد میں ضدی۔ اس لفظ سے یہ آیت مراد ہے: وَ تِلۡکَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ وَ عَصَوۡا رُسُلَہٗ وَ اتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ کُلِّ جَبَّارٍ عَنِیۡدٍ ○ (ھود: ۶۰) اور یہ (مغرور) عاد (ہی تھے) جنہوں نے (دیدہ و دانستہ) اپنے ربّ کے نشانوں کا انکار کر دیا تھا۔ اور اُس کے رسولوں کی نافرمانی کی تھی۔ اور ہر ایک سرکش (اور) حق کے دشمن (شخص) کے حکم کی پیروی کرنے لگ پڑے تھے۔

پنجم: وَ یَقُوۡلُ الۡاَشۡہَادُ- شَاہِدٌ کی جمع اَشْہَادٌ ہے۔ جیسے صَاحِبٌ سے اَصْحَابٌ ہے۔ اس سے یہ آیت مراد ہے۔ وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ؕ اُولٰٓئِکَ یُعۡرَضُوۡنَ عَلٰی رَبِّہِمۡ وَ یَقُوۡلُ الۡاَشۡہَادُ ہٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ کَذَبُوۡا عَلٰی رَبِّہِمۡ ۚ اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ○ الَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ؕ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ ○ (ھود: ۱۹، ۲۰) اور اس سے زیادہ کون ظالم (ہو سکتا) ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ ایسے لوگ اپنے ربّ کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور تمام گواہ کہیں گے (کہ) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ربّ پر جھوٹ باندھا۔ سنو! ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ (کی طرف پہنچنے) کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے ہیں اور اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور یہی لوگ پیچھے آنے والی (گھڑی) کے (سب سے بڑے) منکر ہیں۔ الٰہی حکومت کا یہ قانون بھی اٹل ہے کہ مفتری علی اللہ اس کے نزدیک سب سے زیادہ ظالم ہے کہ مالک کونین کی نسبت جرأت کرتا اور اس کی بادشاہت اور پرورش و نگہبانی میں رہتے ہوئے دلیر ہوتا ہے۔ ایسے لوگ راندہ درگاہ الٰہی اور اس کی رحمت سے دور ہوتے ہیں۔ لعنت کے معنی ہیں رحمت سے دوری، جس کی شہادت دونوں جہانوں میں قائم ہوتی ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ششم: اِسۡتَعۡمَرَکُمۡ کے معنی ہیں تمہیں اِس قابل بنایا کہ تم آباد کرو۔ کہتے ہیں: أَعْمَرْتُهُ الدَّارَ فَهِيَ

عُمْرَی جَعَلْتُهَا لَهُ یعنی میں نے گھر تعمیر کرکے اُس میں اُسے آباد کیا۔ آباد شدہ گھر کو عُمْرَی کہتے ہیں۔ اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بادشاہِ دوعالم نے اپنی رعایا کو اس قابل بنایا کہ دنیا کو آباد کریں۔ تصور کریں اس عمران وتمدن کا جو خداداد عقل کے ذریعہ اِس وقت تک وجود پذیر ہوا ہے۔ فقرہ اسْتَعْمَرَكُمْ سے یہ آیت مراد ہے: وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ○ (ھود: ۶۲) اور ثمود کی طرف (ہم نے) اُن کے بھائی صالح کو بھیجا تھا۔ اس نے (اُنہیں) کہا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی بھی معبود نہیں۔ اُسی نے تمہیں زمین سے اُٹھایا (اور بلندی بخشی) اور اُس میں تمہیں آباد کیا۔ اس لئے تم اُس سے بخشش طلب کرو اور اُس کی طرف کامل رجوع اختیار کرو۔ میرا ربّ یقیناً قریب ہے (اور دعائیں) قبول کرنے والا ہے۔

تمام انبیاء کا فرضِ منصبی شروع سے اب تک یہی رہا ہے کہ بنی نوع انسان کو اپنے معبودِ حقیقی کی طرف توجہ دلائیں تاکہ وہ اپنے خالق ومالک اور معبودِ حقیقی کو بھول نہ جائیں۔ جس نے اُنہیں گوں ناگوں نعمتوں سے نوازا ہے۔ دنیا کی مملکتیں رعایا کی یاد دہانی کا انتظام مختلف طریقوں سے کرتی ہیں، جن سے اُنہیں شاہِ مملکت کا پاس رہتا ہے اور وہ حدود سے نکلنے میں جھجکتی ہیں۔ ربّ الکائنات کی طرف سے بھی ویسا ہی انتظام موجود ہے۔ انبیاء کو مُذَكِّرٌ کہا گیا ہے۔ انسان جلدی بھول جاتا ہے اور وہ یاددہانی کا بڑا ہی محتاج ہے۔ جس کی وجہ سے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ قائم ودائم ہے۔

ہفتم: نَكِرَهُمْ وَأَنْكَرَهُمْ وَاسْتَنْكَرَهُمْ وَاحِدٌ: نَكِرَ، اَنْكَرَ اور اِسْتَنْكَرَ بلحاظ معنی ایک ہی ہیں۔ گو اِن کے صیغے مختلف ہیں اور نَكِرَ کے معنی ہیں شناخت نہ کیا، انکار کیا، اَوپرا سمجھا، بُرا منایا اور ناپسند کیا۔ اِنہی معنوں میں سورۃ ہود کی یہ آیت ہے: فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ○ (ھود: ۷۱) پس جب اُس نے اُن کے ہاتھوں کو دیکھا کہ اُس (کھانے) تک نہیں پہنچتے تو (اُس نے) اُن کے (اِس) فعل کو غیر معمولی سمجھا۔ اور اِس (فعل) سے خطرہ محسوس کیا۔ (اِس پر) اُنہوں نے کہا (کہ) تو خوف نہ کر، ہمیں تو لوط کی قوم کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اور یہ آیت بھی: وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَيْهِ مَاٰبِ ○ (الرعد: ۳۷) اور وہ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے خوش ہوتے ہیں اُن باتوں سے جو تیری طرف نازل کی گئی ہیں اور مختلف گروہوں سے وہ بھی ہیں جو اُس کی بعض باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ تم کہو کہ میں صرف یہی حکم دیا گیا ہوں کہ اللہ کی عبادت کروں اور اُس کا کوئی شریک نہ ٹھہراؤں۔ اس کی طرف میں بلاتا ہوں اور اُسی کی طرف میرا رجوع ہے۔ نیز یہ آیت: اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ○ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ○ (المؤمنون: ۷۰، ۷۱) (اور) کیا اُنہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا جس کی وجہ سے وہ اُس کا انکار کر رہے ہیں۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ اِس کو جنون ہے۔ (مگر ایسی بات نہیں) بلکہ وہ اُن کے پاس حق لے کر آیا ہے اور اُن میں سے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرتے ہیں اور یہ آیت بھی: وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ

تُنۡكِرُوۡنَ ○ (المؤمن:۸۲) اور وہ تمہیں اپنے نشانات دکھاتا ہے۔ پھر تم اللہ کے نشانوں میں سے کس نشان کا انکار کرو گے۔ غرض حضرت امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا اشتقاق سے انسان کی آزادی اور اس کی ناز و نعمت میں پرورد گی اور اس کے کفرانِ نعمت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ نیز اس کے انجام کی طرف بھی۔

ہشتم: حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ- حمد اور مجد سے صیغہ مبالغہ بروزن فعیل ہے۔ حامد اور ماجد اسم فاعل ہیں اور حَمِيۡدٌ اسم مفعول کے معنوں میں- یعنی محمود، لائقِ ستائش یعنی حمد اور مجد سے بہت ہی متصف، ستائش کے لائق، عظمت مآب اور عالی شان۔ مجد کے معنی رفعت و علو اور حَمِيۡدٌ صفت بھی فاعل یعنی حامد کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ یعنی وہ ذات جو اپنے فرمانبرداروں کی بہت ہی قدر دان ہو اور حَمِيۡدٌ کے معنی ہیں صفاتِ حسنہ سے موصوف۔

عرش باری تعالیٰ کے اوصاف کے تعلق میں حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ سے ان آیات کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے: قَالَتۡ يٰوَيۡلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوۡزٌ وَّهٰذَا بَعۡلِىۡ شَيۡخًا‌ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عَجِيۡبٌ ○ قَالُوۡۤا اَتَعۡجَبِيۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ‌ؕ اِنَّهٗ حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ ○ (ھود:۷۳، ۷۴) اس نے کہا ہائے میری ذلت کیا میں (بچہ) جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی (ہو چکی) ہوں اور میرا خاوند بھی بڑھاپے کی حالت میں ہے۔ یہ یقیناً عجیب بات ہے۔ (اس وقت فرستادوں نے) کہا: کیا تو اللہ کی بات پر تعجب کرتی ہے۔ اے اس گھر والو! تم پر (تو) اللہ کی رحمت اور اس کی (ہر قسم کی) برکات (نازل ہو رہی) ہیں۔ (پس تمہارے لیے تو یہ بات عجیب نہیں ہونی چاہیے) وہ یقیناً بہت ہی تعریف والا (اور) بزرگ شان والا ہے۔ ان آیات کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت میں اس کے مطیع اور محبوب بندے عجیب طور سے نوازے جاتے ہیں۔ بحالیکہ انسانی حکومت اپنے کارکنوں کی بہت ہی محدود حد تک قدر دان ہوتی ہے اور بہت سے مستحق کارکنان قدر دانی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کنبہ پروری، دوستی، لحاظ داری، رشوت اور سفارش و فرمائش کی وجہ سے بہت سے نااہل لوگ بڑے بڑے مراتب اور بخشش حاصل کر لیتے ہیں۔

نہم: سِجِّيۡلٌ- الشَّدِيدُ الكَبِيرُ- یعنی سخت اور بڑا۔ سِجِّيۡلٌ اور سِجِّيۡنٌ مترادف ہیں۔ حرف ''ل'' اور ''ن'' مخرج کے لحاظ سے ایک ہی جنس کے حروف میں سے ہیں۔ یعنی زبان کے جس حصہ سے ''ل'' کی آواز خارج ہوتی ہے حرف ''ن'' بھی اُسی سے بولا جاتا ہے اور یہ دونوں حروف، حروف متبادلہ میں سے ہیں۔ یعنی زبان عربی میں ایک دوسرے کی جگہ پر بولے جاتے ہیں۔ تمیم بن مقبل شاعر کا قول ہے:

وَرَجۡلَةٍ يَضۡرِبُونَ البِيۡضَ ضَاحِيَةً ضَرۡبًا تَوَاصَى بِهِ الأَبۡطَالُ سِجِّينَا

ترجمہ: اور فوج کے کئی پیادہ سپاہی چمک دار تلواریں دائیں بائیں طرف سے چلاتے اور ایسی سخت مار کھلے بندوں مارتے ہیں کہ بہادر اس کی سختی کی وجہ سے بچاؤ کے لئے ایک دوسرے کو اس سے بچنے کی نصیحت کرتے ہیں رَجۡلَةٌ جمع ہے راجِلٌ کی۔ ضَاحِيَةٌ کے معنی ہیں ظَاهِرَةً اور تَوَاصَى دراصل تَتَوَاصَى ہے یعنی ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۴۴، ۴۴۵)

لفظ سِجِّيۡل سے یہ آیت مراد ہے: فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا جَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهَا حِجَارَةً مِّنۡ

سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۠ (ھود: ۸۳، ۸۴) پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس (بستی) کے اوپر والے حصہ کو نیچے والا (حصہ) بنا دیا اور اس پر سوکھی مٹی کے بنے ہوئے پتھروں کی یکے بعد دیگرے بارش برسائی، جو تیرے ربّ کی تقدیر میں (اُن کے لئے ہی) مقدر (اور نامزد) کئے ہوئے تھے۔ اور اِن ظالموں سے (بھی) یہ عذاب دور نہیں۔

اس حوالہ وشرح سے بتایا گیا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت فرمانبرداروں کی مدد کرتی ہے۔ وہاں ظالم سختی سے تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں۔ غرض مذکورہ بالا نو آیات کی طرف توجہ منعطف کروا کر عرش باری تعالیٰ کی کیفیت سمجھائی گئی ہے کہ لکڑی یا سونے اور چاندی یا زمرد کا بنا ہوا نہیں جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تشریحات کے ضمن میں ہی باب نمبر ۳ بھی ہے اس میں سورۃ ہود کی آیت نمبر ۸۵: وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا اور پھر چند الفاظ کی شرح ہے۔ پوری آیت یہ ہے: وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ (ھود: ۸۵) اور مدین کی طرف (ہم نے) اُن کے بھائی شعیب کو (نبی بنا کر بھیجا) اس نے (انہیں) کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ماپ اور تول کو کم نہ کیا کرو۔ میں (اس وقت) یقیناً تمہیں اچھی حالت میں دیکھتا ہوں اور (ساتھ ہی) میں تمہاری نسبت ایک تباہ کن دن کے عذاب سے ڈر رہا ہوں۔ مدین سے مراد اہل مدین ہیں۔ جیسا کہ حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کے قول وَ سْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (گاؤں سے پوچھ) میں اہل دیہہ یعنی اس کے باشندے مراد ہیں۔ مدین کی بستی بحیرۂ قلزم کے ساحل پر واقع تھی اور یہ حکومت مصر کی باجگزار ریاست اور تجارت کا ایک بڑا مرکز تھی۔ یہ بستی تبوک کے محاذ پر واقع تھی۔ جس پر ۶۳۰ء میں چڑھائی ہوئی تھی اور یہ مہم غزوۂ تبوک کے نام سے تاریخ اسلام میں مشہور ہے۔ دمشق سے مدینہ کی طرف آنے والے حاجیوں کے راستے میں تبوک آتا ہے اور اس کے مقابل پر مدین بستی ساحل قلزم پر طور سیناء کے جنوبی علاقہ میں واقع تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں سورۂ ہود آیت نمبر ۸۵ اور سورۂ عنکبوت آیت نمبر ۳۷ میں آیا ہے۔ سورۃ ہود میں بلحاظ ترتیب زمنی ان کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے بعد ہے اور آیت اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (ھود: ۹۶)[1] سے ظاہر ہے کہ یہ قوم ثمود کے بعد اپنے عروج کو پہنچی، جو عربی النسل ایک قدیم قوم تھی اور قوم عاد کے بعد مَنَصَّہ ظہور میں آئی اور بام ترقی پر نمایاں ہوئی۔ عاد قوم بھی عربی النسل تھی اور حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے احقاف کے ریگستان میں تباہ ہوئی۔ مذکورہ بالا ترتیب بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی عربی النسل نبی تھے۔ اس تعلق میں تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب احادیث الانبیاء باب ۳۴۔ ان کی قوم مدیانی کی تباہی کے واقعہ کا ذکر اسی غرض سے

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”خبردار! مدین کے لئے بھی اسی طرح ہلاکت ہو جیسے قومِ ثمود ہلاک ہوئی۔“

لایا گیا ہے کہ ایسی مملکت کے فرمانبرداروں اور باغیوں سے جو سلوک ہمیشہ ہوتا رہا ہے اس کا نمونہ دکھایا جائے۔ اللہ تعالیٰ جو مالک ادیان ہے اس کا قانون پاداش ایک غیر متبدل شکل میں ہمیشہ سے مسلسل چلا آیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ انعام و سزا کے واقعات اتفاقی حادثے نہ تھے۔ باقی ماندہ الفاظ کی شرح حسب ذیل ہے۔

دہم۔ اَرَاذِلُنَا کے معنی ہیں سُقَّاطُنَا یعنی ہمارے ادنیٰ لوگ، گرے ہوئے، ذلیل۔ اِجْرَامِیْ کے معنی ہیں میرا اِرتکابِ جرم۔ یہ اَجْرَمَ اور جَرَمَ دونوں طرح آتا ہے۔

اَلْفُلْكُ: فُلْكٌ، فُلُكٌ اور فَلَكٌ سب درست ہیں، مفرد اور جمع کی ایک ہی صورت ہے۔ ابن التینؒ کے نزدیک فَلَكٌ مفرد کے لئے اور فُلُكٌ جمع کے لئے ہے، جیسے اَسَد اور اُسُد۔ عیاض کے نزدیک مفرد اور جمع کے لئے اَلْفُلْكُ ہی آتا ہے جو صحیح تلفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں کشتی یا کشتیاں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۴۶)

مَجْرَاهَا: مصدر میمی ہے۔ أَجْرَى سے مشتق ہے، یعنی اس کا چلایا جانا۔ جَرَى سے باب اِفعال أَجْرَى ہے۔ مَرْسَاهَا کے معنی ہیں اُس کا ٹھہرنا۔ رسیٰ سے مصدر میمی ہے۔ مُرْسَاهَا بھی قرأت ہے۔ جیسے مُجْرَاهَا ہے۔ رٰسِیٰتٍ کے معنی ہیں لنگر انداز۔ سُفُنٌ رَاسِيَاتٌ کے معنی ہیں لنگر انداز کشتیاں۔ قُدُوْرٌ رَّاسِيَاتٌ کے معنی ہیں دیگیں جو مضبوطی سے اپنی جگہ میں قائم رکھی جائیں۔ ابو عبیدہؒ نے قُدُوْرٌ رَّاسِيَاتٌ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ بڑی بڑی بھاری دیگیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۴۶) اس کا ذکر کتاب احادیث الأنبیاء، باب ۴۰ میں گذر چکا ہے۔

بَاب ٤ : وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ (هود: ١٩)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور تمام گواہ کہیں گے (کہ) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ربّ پر جھوٹ باندھا۔ سنو! اُن ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

وَاحِدُ الْأَشْهَادِ شَاهِدٌ، مِثْلُ صَاحِبٍ وَأَصْحَابٍ.

اَشْهَاد کا مفرد شاہد ہے۔ جیسے صَاحِبٌ (کی جمع) أَصْحَابٌ ہے۔

٤٦٨٥ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ وَهِشَامٌ قَالَا حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ قَالَ بَيْنَا ابْنُ عُمَرَ يَطُوفُ إِذْ عَرَضَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَوْ

۴۶۸۵: مسدد نے ہم سے بیان کیا کہ یزید بن زُریع نے ہمیں بتایا کہ سعید (بن ابی عروبہ) اور ہشام (بن ابی عبد اللہ) نے ہم سے بیان کیا۔ اُن دونوں نے کہا کہ قتادہ نے ہمیں بتایا: صفوان بن محرز سے روایت ہے۔ اُنہوں نے کہا: ایک بار

قَالَ يَا ابْنَ عُمَرَ هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّجْوَى فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ يُدْنَى الْمُؤْمِنُ مِنْ رَبِّهِ وَقَالَ هِشَامٌ يَدْنُو الْمُؤْمِنُ حَتَّى يَضَعَ عَلَيْهِ كَنَفَهُ فَيُقَرِّرُهُ بِذُنُوبِهِ تَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا يَقُولُ أَعْرِفُ يَقُولُ رَبِّ أَعْرِفُ (مَرَّتَيْنِ) فَيَقُولُ سَتَرْتُهَا فِي الدُّنْيَا وَأَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ. ثُمَّ تُطْوَى صَحِيفَةُ حَسَنَاتِهِ. وَأَمَّا الْآخَرُونَ أَوِ الْكُفَّارُ فَيُنَادَى عَلَى رُءُوسِ الْأَشْهَادِ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ (هود: ١٩). وَقَالَ شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ.

حضرت ابن عمرؓ طواف کر رہے تھے اتنے میں ایک شخص سامنے سے آیا اور کہنے لگا: ابوعبدالرحمٰن! یا کہا ابن عمرؓ! کیا آپؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات (سرگوشی) کی بابت کچھ سنا ہے۔ اُنہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: مومن اپنے ربّ سے اتنا قریب کیا جائے گا۔ اور ہشام نے یوں کہا: مومن اپنے ربّ سے اتنا قریب ہو جائے گا کہ اُس کا ربّ اُس پر اپنا پہلو جھکا دے گا اور اُس سے اُس کے گناہوں کا اقرار کروائے گا۔ (یعنی کہے گا:) کیا تجھے فلاں گناہ معلوم ہے۔ کہے گا: میرے ربّ مجھے معلوم ہے۔ دو دفعہ کہے گا، تو پھر اس کا ربّ کہے گا۔ دنیا میں میں نے پردہ پوشی کی اور آج بھی میں تیرے لیے اِن پر پردہ پوشی کرتا ہوں۔ پھر اِس کے بعد اُس کی نیکیوں کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور جو دوسرے ہوں گے یا (کہا:) کافر ہوں گے تو تمام حاضرین کے سامنے برملا پکار کر کہا جائے گا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنے ربّ کے برخلاف جھوٹ کہا۔ اور شیبان نے (بھی) قتادہ سے روایت کرتے ہوئے (اپنی سند میں) یوں کہا: ہم سے صفوان نے بیان کیا۔

أطرافه: ٢٤٤١، ٦٠٧٠، ٧٥١٤-

تشریح: وَ يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ: پوری آیت یہ ہے: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَ يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ (ھود:۱۹) اور اس سے

زیادہ کون ظالم (ہو سکتا) ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ ایسے لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور تمام گواہ کہیں گے (کہ) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ربّ پر جھوٹ باندھا۔ سنو! ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

بتایا جاچکا ہے لعنت کا مفہوم عربی زبان میں رحمت سے دوری ہے۔ یہ اعلان گواہوں کی موجودگی میں ہوگا۔ اَلْاَشْهَادُ سے مراد انبیاء کی جماعت ہے۔یعنی اُن کی موجودگی میں اور اُن کی شہادت سے ظالموں پر اتمام حجت ہوکر اُن کی سزا وغیرہ کا فیصلہ ہوگا۔ اس باب کے تحت جو روایت منقول ہے وہ کتاب التوحید باب نمبر ۳۶ میں صفوان بن محرزؒ سے ایک نئی سند کے ساتھ مروی ہے۔

وَقَالَ هِشَامٌ: ہشام سے دستوائیؒ مراد ہیں۔ روایت مندرجہ بالا میں ان کی روایت کا ایک لفظی فرق بھی نقل کیا گیا ہے، جس میں بجائے صیغہ فعل مضارع مجہول يُدْنَى کے صیغہ فعل مضارع معروف يَدْنُو ہے۔ اس حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شنیدہ ثابت کرنا مقصود ہے۔

وَقَالَ شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ: یہ سند کتاب التوحید کے محولہ بالا باب کی آخری روایت میں بھی درج ہے۔ وہاں یہ بھی ذکر ہے کہ شیبان سے بیان کرنے والے راوی آدم ہیں۔ اُس میں صراحت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔

نَجْوٰى کے معنی ہیں سرگوشی، قریب ترین جگہ سے ہم کلام ہونا جو محبت، راز و نیاز اور گہرے تعلق پر دلالت کرتا ہے۔ مندرجہ بالا روایت میں مذکور ہے کہ خطاؤں کا اقرار کروانے کے بعد اللہ تعالیٰ راز داری میں اپنے بندوں سے فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تمہاری پردہ پوشی کی تھی اور آج میں تمہیں اپنی مغفرت سے نوازتا ہوں۔ غرض مومن اور کافر سے سلوک الگ الگ قسم کا ہوگا۔ یہ روایت کتاب الادب باب ۶۰ میں بھی ہے۔ وہاں بھی اس کے راوی صفوان بن محرز ہی ہیں۔

بَاب ۵ : وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ○ (ھود:۱۰۳)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور تیرے ربّ کی گرفت جب وہ بستیوں کو اس حالت میں کہ وہ ظلم پر ظلم کررہی ہوں پکڑتا ہے، اسی طرح (یعنی اتمام حجت کے بعد) ہوا کرتی ہے۔ اس کی گرفت بڑی ہی دردناک (اور) سخت ہوتی ہے۔

الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ (ھود:۱۰۰) الْعَوْنُ الْمُعِينُ. رَفَدْتُهُ أَعَنْتُهُ. تَرْكَنُوْٓا (ھود:۱۱۴) تَمِيلُوا. فَلَوْلَا كَانَ (ھود:۱۱۷) فَهَلَّا

الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ کے معنی ہیں کارآمد مدد۔ (کہتے ہیں:) رَفَدْتُهُ میں نے اُس کی مدد کی۔ تَرْكَنُوْٓا کے معنی ہیں جھکو۔ فَلَوْلَا كَانَ یعنی کیوں نہ ہوا۔

كَانَ. أُتْرِفُوْا (هود:١١٧) أُهْلِكُوا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ (هود:١٠٧) شَدِيدٌ وَصَوْتٌ ضَعِيفٌ.

أُتْرِفُوْا کے معنی ہیں ہلاک کیے گئے اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: زَفِيْرٌ کے معنی سخت آواز اور شَهِيْقٌ بمعنی کمزور آواز۔

٤٦٨٦: حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتَّى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ. قَالَ ثُمَّ قَرَأَ وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ○ (هود:١٠٣)

۴۶۸۶: صدقہ بن فضل نے ہم سے بیان کیا کہ ابو معاویہ نے ہمیں خبر دی کہ بُرَید بن ابی بردہ نے ہمیں بتایا۔ ابوبردہ سے روایت ہے۔ اُنہوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ مگر جب اُس کو پکڑتا ہے تو پھر اس کو چھوڑتا نہیں۔ حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں: پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: اور تیرے ربّ کی گرفت جب وہ بستیوں کو اس حالت میں کہ وہ ظلم پر ظلم کر رہی ہوں پکڑتا ہے، اسی طرح (یعنی اتمام حجت کے بعد) ہوا کرتی ہے۔ اس کی گرفت بڑی ہی دردناک (اور) سخت ہوتی ہے۔

تشریح: وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِيَ ظَالِمَةٌ: كَذٰلِكَ میں حرف كَ تشبیہی ہے۔ یعنی گزشتہ مؤاخذہ ہی کی طرح آئندہ مؤاخذہ ہوگا۔ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى میں لفظ اَخَذَ صیغہ ماضی ہے جو مضارع مستقبل کے معنوں میں آیا ہے۔ اس آیت کے سیاق وسباق میں سے بعض الفاظ کے معنی بیان کئے گئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

اول> الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ کے معنی ہیں کارآمد مدد۔ رَفَدْتُهُ کے معنی ہیں میں نے اُس کی کارآمد مدد کی۔ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ سے مراد ہے اعانت والی مدد۔ اس لفظ کی یہ شرح ابوعبیدہ سے مروی ہے (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۴۹) پوری آیت یہ ہے: وَ اُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ○ (هود: ١٠٠) اور اِس دنیا میں (بھی) اُن کے پیچھے لعنت لگادی گئی اور قیامت کے دن بھی (لگادی جائے گی) یہ انعام جو اُنہیں دیا جانے والا ہے بہت ہی بُرا ہے۔

دوم> تَرْكَنُوْٓا کے معنی ہیں جھکو۔ لَا تَرْكَنُوْٓا کے معنی ہیں مائل نہ ہو، نہ جھکو۔ فرماتا ہے: وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○ (ھود:۱۱۴) اور تم اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ہے نہ جھکو، ورنہ تمہیں بھی آگ کی لپٹ پہنچے گی اور اس وقت اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست و مددگار نہیں ہوگا اور تمہیں (کسی طرف سے بھی) مدد نہیں ملے گی۔ ابوعبیدہؒ نے لَا تَرْكَنُوْٓا کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ صراطِ مستقیم چھوڑ کر ظالموں کی طرف مائل نہ ہو۔ کہتے ہیں: رَكَنْتُ إِلَى قَوْلِكَ۔ یعنی میں نے تیری بات کو پسند کیا اور قبول کر لیا۔ علاوہ ازیں عبد بن حمید نے بواسطہ ربیع بن انس لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا کا مفہوم یہ بتایا ہے: لَا تَرْضَوْا أَعْمَالَهُم یعنی ان کے عمل پسند نہ کرو۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۵۰)

بَاب ٦: وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ (هود: ١١٥)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور (اے مخاطب) تو دن کی دونوں طرفوں نیز رات کے (متعدد اور مختلف) اوقات میں عمدگی سے نماز ادا کیا کر یقیناً نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ (تعلیم اللہ کی) یاد رکھنے والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔

وَ زُلَفًا (هود: ١١٥) سَاعَاتٍ بَعْدَ سَاعَاتٍ، وَمِنْهُ سُمِّيَتْ الْمُزْدَلِفَةُ، الزُّلَفُ مَنْزِلَةٌ بَعْدَ مَنْزِلَةٍ، وَأَمَّا زُلْفَى (الزمر: ٤) فَمَصْدَرٌ مِنَ الْقُرْبَى. ازْدَلَفُوا اجْتَمَعُوا. اَزْلَفْنَا (الشعراء: ٦٥) جَمَعْنَا.

وَ زُلَفًا کے معنی ہیں گھڑی گھڑی۔ اور اس سے مزدلفہ کا نام رکھا گیا ہے اور زُلَفٌ ایک منزل کے بعد دوسری منزل کو کہتے ہیں اور زُلْفٰی مصدر ہے بمعنی قُرْبَى، یعنی نزدیکی۔ اِزْدَلَفُوا کے معنی ہیں وہ اکٹھے ہو گئے۔ اَزْلَفْنَا کے معنی ہیں ہم نے اکٹھا کیا۔

٤٦٨٧: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضي الله عنه أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنْ امْرَأَةٍ قُبْلَةً فَأَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ

۴۶۸۷: مسدد نے ہمیں بتایا کہ ہم سے یزید بن زُرَیع نے بیان کیا کہ سلیمان تیمی نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے ابو عثمان سے، ابو عثمان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ سے اس کا ذکر کیا۔ پھر آپؐ پر یہ وحی نازل

الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ (هود: ۱۱۵) قَالَ الرَّجُلُ أَلِيَ هَذِهِ؟ قَالَ لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ أُمَّتِي.

ہوئی: اور (اے مخاطب) تو دن کی دونوں طرفوں نیز رات کے (متعدد اور مختلف) اوقات میں عمدگی سے نماز ادا کیا کر یقیناً نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ (تعلیم اللہ کی) یاد رکھنے والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔ وہ شخص کہنے لگا: یہ آیت میرے لیے ہے؟ آپؐ نے فرمایا: میری امت میں سے جس نے بھی اِس پر عمل کیا اُس کے لیے ہے۔

طرفهُ: ٥٢٦۔

تشریح: وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ...: دن کے دونوں ابتدائی اور انتہائی حصوں میں اور رات کی گھڑیوں میں نماز سنوار کر ادا کرو۔ اس باب کی معنونہ آیت کا عطف سابقہ باب کی آیت پر ہے۔ اس لئے باب کا عنوان حرف عطف کے ساتھ شروع کیا گیا ہے۔ اس تصرف سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس آیت کا تعلق بھی سابقہ باب ہی کے مضمون سے ہے۔ اس تعلق میں مشروعہ الفاظ سے سورۃ ہود کی معنونہ آیت نمبر ۱۱۵ کے علاوہ تین اور آیتوں کا حوالہ مقصود ہے۔

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ (ہود: ۱۱۵) طَرَفَيِ النَّهَارِ سے فجر و مغرب اور ظہر و عصر کے اوقات مراد لئے گئے ہیں۔ کیونکہ طلوع اور زوال شمس کے اعتبار سے اِن اوقات میں نمازوں کی حدیں آسانی سے قائم ہو جاتی ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۵۱) وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ کا مفہوم سَاعَاتٌ بَعْدَ سَاعَاتٍ ہے۔ یعنی رات کے وقت بھی چند گھنٹوں کے وقفہ پر عبادت کی جائے کہ ذکر الٰہی روح کے صیقل کا کام دیتا ہے۔ زَلَفَ اور اِزْدَلَفَ کے معنی ہیں قریب ہوا۔ لفظ اِزْدِلَاف میں تدریجاً قریب ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اِسی مصدر سے مقام مُزْدَلِفَة مشتق ہے جو مواقیتِ حج میں سے ایک میقات ہے۔ مزدلفہ کا نام اشتقاق کی روح سے رکھا گیا ہے کہ منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے حاجی اکٹھے ہو کر ایک گھڑی وہاں آرام کرتے ہیں اور ایک گھڑی عبادت، اس کے بعد مقام عرفات و منیٰ کی طرف کوچ کیا جاتا ہے۔ اِزْدَلَفُوا کے معنی ہیں اِجْتَمَعُوا یعنی اکٹھے ہوئے اور أَزْلَفْنٰهُم کے معنی ہیں ہم نے اُن کو اکٹھا کیا۔ زُلْفٰى مصدر ہے بمعنی قرب کے، کہتے ہیں لَهُ عِنْدِي زُلْفَى: اُسے میرے پاس قرب حاصل ہے۔ ابوعبیدہؒ نے زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ کے معنی سَاعَاتٍ ہی کئے ہیں جو زُلْفَةٌ کی جمع ہے۔ یعنی ساعت، منزل اور قرب۔ عجاج شاعر کا قول ہے:

نَاجٍ طَوَاهُ الْأَيْنُ مِمَّا وَجَفَا ۔۔۔ طَيَّ اللَّيَالِي زُلَفًا فَزُلَفَا

تیز رفتار اونٹ جو اپنے سوار کو بچا کر لے جانے والا ہے کئی راتوں کی منزل بہ منزل دوڑ دھوپ نے اُسے دبلا پتلا، لاغر اور درماندہ کر دیا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۵۱)

لفظ زُلَفًا کی لغوی شرح سے سلوکِ روحانی میں اجتماعی سعی و کوشش اور تدریجی ارتقا کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے جو حج کی اصل غرض ہے۔ سورۃ ہود کی آیت نمبر ۱۱۵ کے سیاق و سباق کا یہی موضوع ہے۔ فرماتا ہے: فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○ (ھود: ۱۱۳، ۱۱۴) [1] اور فرماتا ہے: فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○ (ھود: ۱۱۷) [2] یہی سیاق کلام واضح کرنے کی غرض سے لفظ زُلَفًا کی لغوی شرح بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ جو روایت سورۃ ہود کی اس آیت کے تحت درج ہے اس سے بھی یہی امر ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ افراد واُمت دونوں کا تزکیہ نفس نجات کے لئے ضروری ہے اور اسلام نے اس کے لئے فرائض و نوافل کی عبادت مسنونہ جاری کی ہے جو شب و روز مختلف اوقات میں ہونی چاہیے تا نفس صیقل ہوتا رہے اور وہ آہستہ آہستہ قرب و وصال الٰہی کا مقام حاصل کر سکے جو انسانی ارتقا کا معراج و منتہیٰ ہے۔

جب تک عابد اپنے معبود کا رنگ و روپ اختیار نہیں کر لیتا اور اس کے اوصاف نہیں اپنا لیتا، صِبْغَةَ اللّٰهِ اور نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ کا ادعا باطل ہے۔ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ - ہماری رات دن کی عبادتیں اسی نصب العین اور غایۂ کمالیہ کی یاد ہمیں دلاتی ہیں۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ - کوئی ہے جو اس یاددہانی سے فائدہ حاصل کرے؟ مذکورہ بالا حدیث ایک دوسری سند سے کتاب مواقیت الصلوٰۃ زیر باب ۴ گزر چکی ہے۔ جہاں اس کی شرح میں یہ وضاحت ہے کہ الفاظ فَاُنْزِلَتْ عَلَيْهِ بمعنی تطبیق استعمال ہوئے ہیں اُس سند میں الفاظ لِجَمِيْعِ اُمَّتِي كُلِّهِمْ بھی آئے ہیں۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا آیت کا تعلق کسی خاص فرد سے نہیں بلکہ امت کے تمام افراد سے ہے۔

امام بخاریؒ کو سورۃ ہود کی محولہ بالا آیت نمایاں کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ اس کے شان نزول سے متعلق کئی ایک ضعیف روایتیں مروی ہیں۔ جن میں صحابی کا نام بھی مذکور ہے اور روایات کے بیان میں بھی اختلاف ہے۔ علامہ زمخشریؒ نے بھی بعض ایسی کمزور روایتیں اپنی تفسیر میں نقل کی ہیں۔ لیکن امام ابن حجرؒ نے ان روایات کو مجروح قرار دیا ہے اور امام بخاریؒ نے تو اس کو سرے سے ہی نظر انداز کر دیا ہے اور صرف روایت مندرجہ باب کی

---

[1] **ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ:** ”پس جیسے تجھے حکم دیا جاتا ہے (اس پر) مضبوطی سے قائم ہو جا اور وہ بھی (قائم ہو جائیں) جنہوں نے تیرے ساتھ توبہ کی ہے اور حد سے نہ بڑھو یقیناً وہ اس پر جو تم کرتے ہو گہری نظر رکھنے والا ہے۔ اور ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جنہوں نے ظلم کیا ورنہ تمہیں بھی آگ آ پکڑے گی اور اللہ کو چھوڑ کر تمہارے کوئی سرپرست نہ ہوں گے پھر تم کوئی مدد نہیں دیئے جاؤ گے۔“

[2] **ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ:** ”پس کیوں نہ تم سے پہلے زمانوں میں کچھ ایسے صاحبِ عقل لوگ ہوئے جو زمین میں فساد سے روکتے ہاں مگر اُن چند ایک کا معاملہ الگ ہے جن کو ہم نے اُن میں سے نجات دی اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہوں نے اُس کی پیروی کی جس کی بنا پر وہ (پہلے لوگ) سرکش ٹھہرائے گئے اور وہ مجرم (لوگ) تھے۔“

صحت قبول کی ہے۔ جس میں نام مذکور نہیں۔ صحابہ کرام ایسے واقعات بیان کرتے وقت نام لینے سے چشم پوشی سے کام لیا کرتے تھے، جن سے کسی کا نقص یا عیب ظاہر ہو۔

فرقہ مُرجِئہ نے آیت اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (هود:۱۱۵) میں السَّيِّاٰتِ سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو بھی گناہ صادر ہوں نیکیاں اُن کا کفارہ ہو جاتی ہیں، ایسے لوگ بخش دیئے جاتے ہیں خواہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۵۳) اس تاویل باطل سے ارتکاب گناہ کا نہ صرف دروازہ کھلتا ہے بلکہ نمازوں کی اصل غرض وغایت ہی مفقود ہو جاتی ہے۔ اس فرقہ کا خیال ردّ کرنے کی غرض سے بھی آیت زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ کی شرح کے تعلق میں لفظ زُلَفٌ کے لغوی معنی بیان ہوئے ہیں اور اس سے مومن کی شان بتانا مقصود ہے کہ (يَمْشِي الْقُدَمِيَه) اس کا قدم آگے آگے کو ہوتا ہے۔ ایمان اور معرفت میں ساعت بہ ساعت ترقی لازمی ہے۔ غرض مومن کی شان بتائی گئی ہے کہ اس کی حالت تزکیہ نفس اور اعمال صالحہ کی بجا آوری میں ترقی پذیر ہوتی ہے۔ (اس تعلق میں دیکھئے کتاب الایمان تشرح باب ۱)

عقیدہ مُرجِئہ وغیرہ کے خلاف جمہور اسلام کا عقیدہ ہے کہ آیت اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہر نیکی ہر بدی کا کفارہ ہوتی ہے۔ بلکہ من حیث العموم نیکیاں اگر مستقل صورت میں جاری رہیں تو وہ بدی کے رجحانات کو پس پردہ ڈال دیتی ہیں اور یہی مفہوم مغفرت کا ہے۔ نماز بھی کفارہ ہے۔ مَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ۔ بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۵۳) نماز سے متعلق یہ پہلو سلبی ہے ایجابی نہیں۔ سلبی پہلو کی قیمت صرف منفی ہے اور شریعت اسلامیہ کی نظر میں گناہ نہ کرنا مقصود بالذات نہیں بلکہ نیکی کرنا اصل مقصود ہے۔ سلبی پہلو پہلی کڑی شرط ہے۔ فرماتا ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۴۶) نماز یقیناً تمام بُری اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد سب کاموں سے بڑھ کر ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اس منفی پہلو سے بڑھ کر مثبت پہلو ہے جیسا کہ سورۃ النحل آیت ۹۱ میں فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ [1] حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اخلاق ترک شر کی وضاحت کرنے کے بعد اخلاق ایصال خیر کو بیان کرتے ہوئے اس آیت کی شرح ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ:

> ”دوسرا خلق اخلاق ایصال خیر میں سے عدل ہے۔ اور تیسرا احسان اور چوتھا اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى۔ جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کرو اور اگر عدل سے بڑھ کر احسان

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”یقیناً اللہ عدل کا اور احسان کا اور اقرباء پر کی جانے والی عطا کی طرح عطا کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور ناپسندیدہ باتوں اور بغاوت سے منع کرتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم عبرت حاصل کرو۔“

کا موقعہ اور محل ہو تو وہاں احسان کرو اور اگر احسان سے بڑھ کر قریبیوں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرنے کا محل ہو تو وہاں طبعی ہمدردی سے نیکی کرو اور اس سے خدا تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ تم حدودِ اعتدال سے آگے گزر جاؤ یا احسان کے بارے میں منکرانہ حالت تم سے صادر ہو جس سے عقل انکار کرے۔ یعنی یہ کہ تم بے محل احسان کرو یا برمحل احسان کرنے سے دریغ کرو یا یہ کہ تم محل پر اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی کے خلق میں کچھ کمی اختیار کرو یا حد سے زیادہ رحم کی بارش کرو۔ اس آیتِ کریمہ میں ایصالِ خیر کے تین درجوں کا بیان ہے۔ اول: یہ درجہ کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کی جائے یہ تو کم درجہ ہے اور ادنیٰ درجہ کا بھلا مانس آدمی بھی یہ خلق حاصل کر سکتا ہے کہ اپنے نیکی کرنے والوں کے ساتھ نیکی کرتا رہے۔ دوسرا درجہ اس سے مشکل ہے اور وہ یہ کہ ابتداءً آپ ہی نیکی کرنا اور بغیر کسی کے حق کے احسان کے طور پر اس کو فائدہ پہنچانا اور یہ خلق اوسط درجہ کا ہے۔ اکثر لوگ غریبوں پر احسان کرتے ہیں اور احسان میں یہ ایک مخفی عیب ہے کہ احسان کرنے والا خیال کرتا ہے کہ میں نے احسان کیا ہے اور کم سے کم وہ اپنے احسان کے عوض میں شکریہ یا دعا چاہتا ہے اور اگر کوئی ممنون منت اس کا مخالف ہو جائے تو اس کا نام احسان فراموش رکھتا ہے۔ بعض وقت اپنے احسان کی وجہ سے اس پر فوق الطاقت بوجھ ڈال دیتا ہے اور اپنا احسان اس کو یاد دلاتا ہے۔ جیسا کہ احسان کرنے والوں کو خدا تعالیٰ متنبہ کرنے کے لیے فرماتا ہے: لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰی۔ یعنی اے احسان کرنے والو! اپنے صدقات کو جن کی صدق پر بناء چاہیئے احسان یاد دلانے اور دکھ دینے کے ساتھ برباد مت کرو۔ یعنی صدقہ کا لفظ صدق سے مشتق ہے۔ پس اگر دل میں صدق اور اخلاص نہ رہے تو وہ صدقہ صدقہ نہیں رہتا بلکہ ایک ریاکاری کی حرکت ہو جاتی ہے۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۳- ۳۵۴)

مذکورہ بالا مختصر سا نمونہ اسلامی تعلیم کا پیش کیا گیا ہے تا معلوم ہو مرجئہ فرقہ کا نقطۂ نظر اسلامی تعلیم سے کتنا دور ہے اور اسی طرف امام بخاریؒ نے اپنے قارئین کو توجہ دلائی ہے۔

☆☆☆

١٢ـ سُورَةُ يُوسُفَ

وَقَالَ فُضَيْلٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ مُجَاهِدٍ مُتَّكَأً (يوسف:٣٢) الْأُتْرُجُّ {وَقَالَ فُضَيْلٌ الْأُتْرُنْجُ[١]} بِالْحَبَشِيَّةِ مُتْكًا. وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ مُجَاهِدٍ مُتْكًا كُلُّ شَيْءٍ قُطِعَ بِالسِّكِّينِ.

اور فضیل (بن عیاض بن مسعود) نے حصین (بن عبدالرحمٰن) سے روایت کرتے ہوئے کہا۔ انہوں نے مجاہد سے مُتَّكَأً کے معنی أُتْرُجّ یعنی بڑا لیموں کئے ہیں۔ خود فضیل نے بھی کہا کہ أُتْرُنْج حبشی زبان میں مُتْكًا کا مترادف ہے اور ابن عیینہ نے ایک شخص سے اور اس شخص نے مجاہدؒ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ مُتْكًا ہر وہ چیز ہے جو چھری سے کاٹی جائے۔

وَقَالَ قَتَادَةُ لَذُوْ عِلْمٍ (يوسف:٦٩) عَامِلٌ بِمَا عَلِمَ.

اور قتادہؒ نے کہا کہ لَذُوْ عِلْمٍ وہ شخص ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل کرنے والا ہو۔

وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ صُوَاعٌ مَكُّوكُ الْفَارِسِيِّ الَّذِي يَلْتَقِي طَرَفَاهُ كَانَتْ تَشْرَبُ بِهِ الْأَعَاجِمُ.

اور سعید بن جبیر نے کہا کہ صُوَاع فارسی میں مَكُّوك کا مترادف ہے جو ایک گلاس ہوتا تھا۔ جس کے دونوں کنارے آپس میں ملے ہوتے تھے۔ اس میں عجمی (ایرانی) پانی پیا کرتے تھے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تُفَنِّدُوْنِ (يوسف:٩٥) تُجَهِّلُونِ. وَقَالَ غَيْرُهُ غَيَابَةُ الْجُبِّ كُلُّ شَيْءٍ غَيَّبَ عَنْكَ شَيْئًا فَهُوَ غَيَابَةٌ وَالْجُبُّ الرَّكِيَّةُ الَّتِي لَمْ تُطْوَ. بِمُؤْمِنٍ لَّنَا (يوسف:١٧) بِمُصَدِّقٍ. اَشُدَّهٗ (يوسف:٢٢) قَبْلَ أَنْ يَأْخُذَ فِي النُّقْصَانِ يُقَالُ بَلَغَ

اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: تُفَنِّدُوْنِ کے معنی ہیں تم مجھے جاہل ٹھہراؤ گے اور حضرت ابن عباسؓ کے سوا اَوروں نے کہا: ہر وہ چیز جو تجھ سے دوسری چیز کو چھپا دے غَيَابَةٌ کہلاتی ہے اور جُبّ وہ کنواں ہے جس کی بندش نہ ہوئی ہو۔ (مَآ اَنْتَ) بِمُؤْمِنٍ لَّنَا کے معنی ہیں: تو ہماری بات کو سچا ماننے کا نہیں۔ اَشُدَّهٗ: ضعیفی سے پہلے کا زمانہ

[١] یہ الفاظ فتح الباری مطبوعہ انصاریہ کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء٨ صفحہ ٤٥٣) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

اَشُدَّهٗ(يوسف:٢٣) وَبَلَغُوا أَشُدَّهُمْ وَقَالَ بَعْضُهُمْ وَاحِدُهَا شَدٌّ.

یعنی عنفوانِ شباب۔ کہتے ہیں: بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغُوا أَشُدَّهُمْ: اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ گئے اور بعض نے کہا کہ اَشُدٌّ کی مفرد شَدٌّ ہے۔

وَالْمُتَّكَأُ مَا اتَّكَأْتَ عَلَيْهِ لِشَرَابٍ أَوْ لِحَدِيثٍ أَوْ لِطَعَامٍ. وَأَبْطَلَ الَّذِي قَالَ الْأُتْرُجُّ[1] وَلَيْسَ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ الْأُتْرُجُّ[2] فَلَمَّا احْتُجَّ عَلَيْهِمْ بِأَنَّهُ الْمُتَّكَأُ مِنْ نَّمَارِقَ فَرُّوا إِلَى شَرٍّ مِّنْهُ فَقَالُوا إِنَّمَا هُوَ الْمُتْكُ سَاكِنَةَ التَّاءِ وَإِنَّمَا الْمُتْكُ طَرَفُ الْبَظْرِ وَمِنْ ذَلِكَ قِيلَ لَهَا مَتْكَاءُ وَابْنُ الْمَتْكَاءِ فَإِنْ كَانَ ثَمَّ أُتْرُجٌّ فَإِنَّهُ بَعْدَ الْمُتَّكَإِ.

اور اَلْمُتَّکَأُ کے معنی ہیں گاؤ تکیہ جس سے تو پینے یا بات کرنے یا کھانے کے وقت سہارا لے اور جس نے کہا کہ یہ أُتْرُنج ہے اس نے غلط کہا۔ بحالیکہ کلام عرب میں أُتْرُنج نہیں۔ جب ان لوگوں سے (جنھوں نے اَلْمُتَّکَأُ أُتْرُنج کا مترادف بتایا ہے) اس کی دلیل بیان کی گئی اور کہا گیا: اَلْمُتَّکَأُ مسند یا گاؤ تکیہ وغیرہ کی قسم کا ہوتا ہے۔ تو وہ اس سے بھی بدتر بات کی طرف بھاگے اور کہنے لگے یہ مُتْكُ ہے اور مُتْكُ اندامِ نہانی کا اُبھار ہے۔ اسی لئے اُسے (یعنی عورت کو عربی زبان میں) مَتْكَاءُ اور (آدمی کو) ابْنُ الْمَتْكَاءِ کہتے ہیں۔ اگر کہیں وہاں أُتْرُجٌّ بھی ہو تو وہ بھی بطور گاؤ تکیہ استعمال ہونے کے بعد ہی اس مفہوم میں بولا جاتا ہے۔

شَغَفَهَا(يوسف:٣١) يُقَالُ بَلَغَ إِلَى شِغَافِهَا وَهُوَ غِلَافُ قَلْبِهَا وَأَمَّا شَعَفَهَا فَمِنَ الْمَشْعُوفِ.

شَغَفَهَا کے معنی ہیں اس کے دل کے غلاف تک محبت سما گئی۔ کیونکہ شِغَافِهَا سے مراد ہے: اُس کے دل کا غلاف۔ اگر شَعَفَهَا ہو تو یہ مَشْعُوْف سے مشتق ہے۔ یعنی فریفتہ، مجنون، محبّ۔

اَصْبُ اِلَيْهِنَّ(يوسف:٣٤) أَمِيلُ إِلَيْهِنَّ حُبًّا.

اَصْبُ اِلَيْهِنَّ کے معنی ہیں میں محبت میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا۔

[1] فتح الباری مطبوعہ انصاریہ میں "الاترنج" ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۵۴) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔
[2] فتح الباری مطبوعہ انصاریہ میں "الاترنج" ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۵۴) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ (يوسف:٤٥) مَا لَا تَأْوِيلَ لَهُ. وَالضِّغْثُ مِلْءُ الْيَدِ مِنْ حَشِيشٍ وَمَا أَشْبَهَهُ وَمِنْهُ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا (ص:٤٥) لَا مِنْ قَوْلِهِ أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ (يوسف:٤٥) وَاحِدُهَا ضِغْثٌ.

أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ یعنی پراگندہ خوابیں جن کی کوئی تعبیر نہ ہو اور ضِغْثٌ کے معنی ہیں مٹھی بھر گھاس اور اس جیسی کوئی چیز۔ اور انہی معنوں میں آیا ہے: خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا یعنی تو اپنے ہاتھ میں مٹھی بھر شاخیں لے۔ یہ لفظ (ضِغْثٌ) أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ سے مختلف ہے جس کے معنی ہیں پراگندہ خیالات۔ اس کی واحد بھی ضِغْثٌ ہے۔

نَمِيْرُ (يوسف:٦٦) مِنَ الْمِيرَةِ. وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ (يوسف:٦٦) مَا يَحْمِلُ بَعِيرٌ. أَوَى إِلَيْهِ (يوسف:١٠٠) ضَمَّ إِلَيْهِ. السِّقَايَةُ مِكْيَالٌ. تَفْتَؤُا (يوسف:٨٦) لَا تَزَالُ.

نَمِيْرُ- الْمِيرَة سے ہے۔ وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ: ہم اتنا اور لیں گے جتنا ایک اونٹ اٹھا سکے یعنی بار اُونٹ۔ أَوَى إِلَيْهِ کے معنی ہیں اسے اپنے گلے لگایا، اپنے ساتھ ملایا۔ السِّقَايَةُ یعنی ماپ۔ تَفْتَؤُا- ہمیشہ ایسے ہی رہو گے۔

اسْتَيْئَسُوْا (يوسف:٨١) يَئِسُوا وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللهِ (يوسف:٨٨) مَعْنَاهُ الرَّجَاءُ.

اسْتَيْئَسُوْا کے معنی ہیں نااُمید ہو گئے۔ لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللهِ کے معنی ہیں اللہ کی رحمت سے نااُمید مت ہو۔

خَلَصُوْا نَجِيًّا (يوسف:٨١) اعْتَزَلُوا نَجِيًّا (يوسف:٨١) وَالْجَمْعُ أَنْجِيَةٌ، يَتَنٰجَوْنَ (المجادلة:٩) الْوَاحِدُ نَجِيٌّ وَالِاثْنَانِ وَالْجَمْعُ نَجِيٌّ وَأَنْجِيَةٌ.

خَلَصُوْا نَجِيًّا: الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے۔ نَجِيًّا کی جمع أَنْجِيَةٌ۔ (اسی سے) يَتَنٰجَوْنَ- آپس میں مشورہ کرتے ہیں۔ نَجِيٌّ مفرد ہے۔ اس کی تثنیہ اور جمع نَجِيٌّ اور أَنْجِيَةٌ ہے۔

حَرَضًا (يوسف:٨٦) مُحْرَضًا يُذِيبُكَ الْهَمُّ. تَحَسَّسُوا تَخَبَّرُوا.

حَرَضًا کے معنی ہیں غم سے چور، جسے غم پگھلا دے۔ تَحَسَّسُوا کے معنی ٹوہ لگاؤ۔

مُزْجَاةٍ (يوسف:٨٩) قَلِيلَةٍ. غَاشِيَةٌ

مُزْجَاةٍ کے معنی تھوڑی۔ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللهِ

مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ (یوسف:۱۰۸) عَامَّـةٌ مُجَلِّلَةٌ. سے مراد ہے ایسی سزا جو عام ہو۔ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے، چھا جانے والی، ڈھانپنے والی۔

تشریح: امام بخاریؒ نے سورۂ یوسف سے متعلق روایات باب وار شروع کرنے سے پہلے بطور تمہید بعض مشکل الفاظ کے معنی بیان کئے ہیں جو متعلقہ آیات کے حوالے سے حسب ذیل ہیں:

۱) مُتَّكَاً: مسند، گاؤ تکیہ وغیرہ، سہارے کی چیز۔ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ○ (یوسف:۳۲) اور جب اس نے ان کی اِن سرگوشیوں کی خبر سنی تو انہیں (دعوت کا) پیغام بھیجا اور ان کے لئے ایک (خاص) مسند تیار کی اور (جب وہ آئیں تو) ان میں سے ہر ایک کو (کھانے کے کاٹنے کے لئے ایک ایک) چھری دی اور (یوسفؑ سے) کہا (کہ) ان کے سامنے آ۔ پس جب انہوں نے اُسے دیکھا تو اُسے (بہت) بڑی شان کا انسان پایا اور (اسے دیکھ کر حیرت سے) اپنے ہاتھ کاٹے اور کہا (کہ یہ شخص محض) اللہ کے لئے (بدی کے ارتکاب سے) ڈرا ہے۔ یہ بشر (ہے ہی) نہیں۔ یہ (تو) صرف ایک معزز فرشتہ ہے۔

۲) اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ: قتادہؒ نے ذِی عِلْمٍ سے عالم با عمل مراد لی ہے۔ اسے ابن ابی حاتم نے بسند بیان کیا ہے۔ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ میں ضمیر "ہٗ" کا مرجع حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں، جیسا کہ سیاق کلام سے واضح ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۵۶) (عمدۃ القاری جزء۱۸ صفحہ ۲۹۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ قَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَ مَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَ عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ وَ لَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (یوسف:۶۸، ۶۹) اور (یعقوب) نے کہا: اے میرے بیٹو! تم شہر کے ایک ہی دروازہ سے اکٹھے اندر نہ جانا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہو اور میں اللہ کے مؤاخذہ سے بچانے میں تمہارے کام نہیں آسکتا۔ فیصلہ کرنا دراصل اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ رکھیں۔ اور جب (یعقوب کے بیٹے) اسی طریق کے مطابق (شہر میں) داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے انہیں حکم دیا تھا (تو وہ غرض پوری ہوگئی) یعقوب کے نفس میں ایک خواہش تھی جو اس نے اس طرح پوری کرلی۔ وہ اپنی تدبیر سے الٰہی قضاء و قدر سے انہیں بچا نہیں سکتا تھا۔ اور وہ یقیناً صاحب علم تھا، کیونکہ ہم نے اسے تعلیم دی تھی لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۳) صُوَاعَ: چاندی کا جام، جس سے پانی پیا جاتا ہے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ معنی بحوالہ ابن ابی حاتمؒ اور ابن مندہ نقل کئے ہیں۔ یہ لفظ فارسی ہے اور چاندی کا یہ آبخورہ ایران میں استعمال ہوتا تھا۔

(فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۵۶) مَکُّوك عراق عرب میں ماپ کا نام تھا۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۸ صفحہ ۲۹۹)
سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۷۳ میں لفظ صُوَاع آیا ہے۔ فرماتا ہے: قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَ لِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ○ انہوں نے کہا کہ ہم شاہی پیمانہ گم پاتے ہیں اور جو اُسے تلاش کر کے لے آئے اُسے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ دیا جائے گا۔ (اعلان کرنے والے نے کہا:) میں اس انعام کا ذمہ دار ہوں۔ آیت نمبر ۷۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی کے سامان میں پینے کا برتن رکھا گیا تھا اور آیت نمبر ۷۳ میں مذکور ہے کہ اعلان کرنے والوں نے اپنے اعلان میں لفظ صُوَاعَ استعمال کیا جو ذو معنی ہے۔[1]

۴) تُفَنِّدُوْنِ: اس لفظ کے معنی حضرت ابن عباسؓ سے تُجَهِّلُونَ اور تُسَفِّهُوْنَ مروی ہیں۔ یعنی لَوْ لَآ اَنْ تُسَفِّهُوْنِ۔ اگر تم مجھے بے وقوف، کم عقل نہ سمجھو، پوری آیت یہ ہے: وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْ لَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ○ (یوسف:۹۵) اور جب (ان کا) قافلہ (مصر سے) چل پڑا تو ان کے باپ نے (لوگوں سے) کہا (کہ) ایسا نہ ہو کہ تم مجھے جھٹلانے لگو تو (میں ضرور کہوں گا کہ) مجھے یوسف کی خوشبو ضرور آرہی ہے۔

۵) غَيٰبَتِ الْجُبِّ: جُبّ کے معنی باؤلی۔ فرماتا ہے: قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَ اَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ○ (یوسف:۱۱) (اُس پر) اُن میں سے ایک بولنے والے نے کہا (کہ) تم یوسف کو قتل نہ کرو اور اگر تم نے (کچھ) کرنا (ہی) ہے تو اُسے (کسی) باؤلی کی تہ میں ڈال دو۔ کسی قافلہ کا کوئی شخص اسے (دیکھ کر) اٹھالے گا۔ (اور بغیر جان لینے کے تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا)

غَيٰبَتِ الْجُبِّ: باؤلی کی ایسی جگہ جہاں نظر نہ آئے۔ یہ معنی ابو عبیدہؒ سے مروی ہیں۔ وَقَالَ غَيْرُهُ سے مراد حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ۔ یعنی ابو عبیدہؒ ہیں، جیسا کہ علامہ ابن حجرؒ اور عینیؒ نے ذکر کیا ہے۔
(فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۵۶) (عمدۃ القاری جزء ۱۸ صفحہ ۳۰۰)

۶) مَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا: تو ہماری بات ماننے کا نہیں۔ مومن سے مراد مصدق۔ یعنی ہماری بات سچی نہیں سمجھو گے۔ ابو عبیدہؒ نے اس فقرہ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۵۶، ۴۵۷) پوری آیت یہ ہے: وَ جَآءُوْ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ○ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ○ (یوسف:۱۷، ۱۸) اور عشاء کے وقت وہ روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے۔ کہنے لگے: اے ہمارے باپ! ہم مقابلہ کی دوڑ دوڑنے لگے اور یوسف کو اپنے سامان

[1] حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس کے متعلق فرماتے ہیں: ”اس کے یہ معنی نہیں کہ اُس کو پھنسانے کے لئے، بلکہ اس نے پینے کے لئے پانی مانگا تھا۔ پھر غلطی سے برتن اس بورے میں جو اس کے بھائی کا تھا رکھ دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یوسفؑ نے تھک کر پینے کے لیے پانی مانگا۔ نوکر پانی لائے اور پانی پی کر اس نے غلطی سے وہ برتن جو پانی پینے کے کام بھی آتا تھا اور ماپنے کے بھی، بھائی کے بورے میں رکھ دیا۔ ہمارے زمانے میں بھی اکثر دودھ اور غلّے گلاس سے ماپے جاتے ہیں اور وہ پانی پینے کے بھی کام آتے ہیں۔“ (دیکھئے تفسیر صغیر، سورۃ یوسف، حاشیہ آیت نمبر ۷۱)

کے پاس چھوڑ گئے تو اسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ بات تو مانیں گے ہی نہیں خواہ ہم سچے ہوں۔

۷) اَشُدَّهٗ: فرماتا ہے وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ (یوسف:۲۳) جب یوسف اپنی پختہ عمر کو پہنچ گیا تو ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم عطاء کیا اور ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اس آیت میں اَشُدَّهٗ کے معنی اپنی مضبوطی اور جوانی کی عمر کو پہنچ گیا یعنی بالغ ہو گیا۔ یہ معنی ابن منذر نے شعبی، ربیعہ اور زید بن اسلم سے نقل کئے ہیں اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ یہ عمر اٹھارہ سال ہے۔ بعض نے بیس سال کے لگ بھگ کہا ہے اور بعض کے نزدیک پچیس سے تیس سال ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ عمر اٹھارہ سے تیس سال ہے۔ (عمدۃ القاری جزء۱۸ صفحہ ۳۰۰)

۸) شَغَفَهَا: شِغَاف دل کے پردہ کو کہتے ہیں اور شَغَفَ کے معنی پردہ دل تک پہنچ گیا، یعنی محبت نے دل کو چیر لیا۔ فرماتا ہے: وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (یوسف:۳۱) اور اُس شہر کی بعض عورتوں نے (ایک دوسری سے) کہا (کہ) عزیز کی عورت اپنے غلام سے اس کی مرضی کے خلاف (بُرا) فعل کروانا چاہتی ہے (اور) اس کی محبت نے اس کے دل کی گہرائیوں میں گھر کر لیا ہے۔ ہم (اس معاملہ میں) اُسے کھلی (کھلی) غلطی پر دیکھتی ہیں۔

۹) اَصْبُ: صَبَا يَصْبُو سے صیغہ متکلم مفرد اَصْبُ ہے۔ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ کے معنی أَمِيلُ إِلَيْهِنَّ حُبًّا۔ ابوعبیدہؒ سے یہ معنی مروی ہیں: اَصْبُ اِلَيْهِنَّ أَهْوَاهُنَّ۔ ایک شاعر کا قول ہے:

إِلَى هِنْدٍ صَبَا قَلْبِي وَهِنْدٌ مِثْلُهَا يُصْبَى

ہند کی طرف میرا دل مائل ہو گیا اور ہند جیسی عورت چاہنے کے قابل ہوتی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۵۷)

۱۰) اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ: پراگندہ خوابیں۔ بادشاہ نے جب اپنی خواب کی تعبیر پوچھی تو معبرین نے کہا کہ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ○ (یوسف:۴۵) یہ پراگندہ خوابیں ہیں اور ہم ایسی پراگندہ خوابوں کی حقیقت نہیں جانتے۔ اَضْغَاثُ جمع ہے ضِغْثٌ کی یعنی مٹھی بھر گھاس یا کھجور کی گچھادار شاخ۔ ان معنوں میں یہ لفظ سورۂ ص میں آیا ہے۔ فرماتا ہے: وَ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ○ (ص:۴۵) اور (ایوب سے فرمایا) اپنے ہاتھ میں کھجور کی ایک گچھادار ٹہنی لے اور اس کے ذریعے سواری کو تیزی سے چلا کر سفر طے کر اور باطل کی طرف مائل نہ ہو۔ یقیناً ہم نے اسے صابر پایا، بہت ہی اچھا بندہ تھا۔ وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف بار بار رجوع کرنے والا تھا۔ امام بخاریؒ نے اس آیت کی تفسیر سے بعض غلط تفسیروں کی اصلاح کی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۵۷) (عمدۃ القاری جزء۱۸ صفحہ ۳۰۱)

۱۱) نَمِيْرُ... وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ: ہم خوراک کا سامان لائیں گے... اور بار شتر ہمیں زیادہ ملے گا۔ یہ وزن جو ہمیں مفت ملے گا اس زمانہ قحط میں بڑی نعمت ہے۔ پوری آیت یہ ہے: وَ لَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَ نَمِيْرُ اَهْلَنَا وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَيْلَ

بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ○(یوسف:٦٦) اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ اُن کی پونجی اُن کی طرف واپس کر دی گئی ہے (اس پر) انہوں نے (اپنے باپ سے) کہا (کہ) اے ہمارے باپ (اس سے بڑھ کر) ہم اور کیا خواہش کر سکتے ہیں (دیکھئے) یہ ہماری پونجی ہے اسے (بھی) ہماری طرف واپس کر دیا گیا ہے اور (اگر ہمارا بھائی ہمارے ساتھ جائے گا تو) ہم اپنے گھر والوں کو خوراک کا سامان لا دیں گے اور اپنے بھائی کی (ہر طرح سے) حفاظت کریں گے اور ایک بارِ شتر زیادہ لائیں گے۔ یہ وزن (جو ہمیں مفت ملے گا) بڑی نعمت ہے۔

اَلْمِيْرَة: عربی میں بمعنی طعام یعنی خوراک۔ مَارَ أَهْلَهُ کے معنی ہیں أَتَى لِأَهْلِهِ طَعَامًا۔ امام ابن حجرؒ اور عینیؒ نے فریابی اور ثعلبی کے حوالہ سے بَعِيْرٍ کے معنی گدھے کے کئے ہیں۔ كَيْلَ بَعِيْرٍ: گدھے کا بوجھ۔ زبان عربی میں حمار کے لئے بھی بَعِيْر کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور یہ دلیل دی ہے کہ کنعان کے ملک میں اونٹ نہیں ہوتا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۵۷) (عمدۃ القاری جزء۱۸ صفحہ ۳۰۲) بے شک اونٹ سارے عرب کا جانور ہے لیکن اونٹ سے دور و نزدیک نقلیات میں مدد لی جاتی ہے۔ مجھے کنعان کے علاقہ میں ایک لمبا عرصہ رہنے کا موقع ملا ہے اور اونٹوں کے قافلے آتے جاتے دیکھا کرتا تھا۔ گدھے کے لئے دور دراز کا سفر کرنا مشکل ہے۔ سوائے اس کے کہ ایک لمبا عرصہ صرف ہو اور صحرا کا طے کرنا تو بہت ہی مشکل ہے۔ لہٰذا كَيْلَ بَعِيْرٍ کے معنی بارِ شتر زیادہ مناسب ہے۔

۱۲) اٰوٰۤى اِلَيْهِ - ضَمَّ إِلَيْهِ: اپنے گلے لگایا، فرماتا ہے: وَ لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○(یوسف:٦٩) جب وہ یوسف کے پاس اندر آئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور (اس سے) کہا کہ میں ہی تیرا بھائی ہوں، پس جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اس کی وجہ سے غمگین نہ ہو۔

۱۳) تَفْتَؤُا: لَا تَزَالُ - ہمیشہ ایسی حالت میں رہتا ہے۔

۱۴) اسْتَيْئَسُوْا: وہ نا اُمید ہو گئے۔ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ (یوسف:٨٨) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یعنی اُس سے امید رکھو۔

۱۵) خَلَصُوْا نَجِيًّا: وہ الگ ہو کر سرگوشیاں کرنے لگے۔ نَجِيٌّ کی جمع أَنْجِيَةٌ۔ لفظاً مفرد ہے لیکن بمعنی جمع استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اس آیت میں استعمال جمع کے معنی میں ہوا ہے۔ فرماتا ہے: فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ○(یوسف:٨١) جب وہ اس سے مایوس ہوئے تو الگ ہو کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ ان میں سے بڑے نے کہا: تمہیں علم نہیں کہ تمہارے باپ نے اللہ کا پختہ عہد لیا ہے کہ تم اپنے بھائی کو واپس لاؤ گے اور اس سے پہلے جو تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو اس کا تمہیں علم ہے۔ میں اس ملک میں ہرگز نہیں جاؤں گا تاوقتیکہ میرا باپ مجھے حکم نہ دے یا اللہ کوئی میرے لئے فیصلہ فرمائے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

۱۶) حَرَضًا: مُحْرَضًا - يُذِيبُكَ الْهَمُّ - غم تجھے گداز کر رہا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ○ (یوسف:۸۶) انہوں نے کہا (کہ) اللہ کی قسم (یوں معلوم ہوتا ہے کہ) آپ اس وقت تک یوسف کا ذکر کرتے رہیں گے جب تک آپ بیمار نہ پڑ جائیں یا فوت نہ ہو جائیں۔

۱۷) تَحَسَّسُوا: ٹوہ لگانا بمعنی تَخَبَّرُوا۔ یعنی خبر معلوم کرو۔ پوری آیت یہ ہے: يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (یوسف:۸۸) اے میرے بیٹو! جاؤ اور (جاکر) یوسف اور اس کے بھائی کی جستجو کرو اور اللہ کی رحمت سے نااُمید مت ہو۔ (اصل) بات یہی ہے کہ اللہ کی رحمت سے کافروں کے سوا کوئی (انسان) نااُمید نہیں ہوتا۔

علامہ عینی نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے تَحَسَّسُ جو حَسَّ سے مشتق ہے اور تَجَسَّسُ کے درمیان یہ فرق نقل کیا ہے کہ تَحَسَّسُ بمعنی تَتَّبُعُ ہے، جو اچھی بات کی جستجو کرنے سے متعلق ہے اور تَجَسَّسُ کا تعلق شر سے ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے ہی تَجَسَّسُوا کے معنی اِلْتَمِسُوْا نقل کئے گئے ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء۱۸ صفحہ ۳۰۲)

۱۸) مُزْجَاةٍ: اس کے معنی ہیں تھوڑی سی۔ یہ لفظ اس آیت میں آیا ہے: فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ○ (یوسف:۸۹) پس جب وہ (واپس ہو کر پھر) اس کے (یعنی یوسف کے) حضور حاضر ہوئے تو (اس سے) کہا (کہ) اے سردار! ہمیں اور ہمارے (تمام) کنبہ کو (سخت) تنگی پہنچی (ہوئی) ہے اور ہم (بالکل) تھوڑی سی پونجی لائے ہیں پس آپ (محض احسان کے طور پر) ہمیں (مطالبہ کے مطابق) غلّہ دے دیں اور صدقہ (کے طور پر حق سے بھی کچھ زیادہ) دیں۔ اللہ صدقہ دینے والوں کو یقیناً (بڑا) اَجر دیتا ہے۔

امام عینیؒ نے مُزْجَاةٍ کے معنی قَلِيْلَةٍ اور رَدِيَّة دونوں نقل کئے ہیں۔ یعنی تھوڑی اور ردّی جسے منڈی میں کوئی اور قبول نہ کرے۔ قتادہؒ سے اس کے معنی يَسِيْرَة مروی ہیں، یعنی ایسا سامان جو معمولی ہو۔ عینیؒ نے عکرمہ اور حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ غلہ لینے کے لئے جو سکہ ان کے پاس تھا وہ کھوٹا تھا اور مبادلہ کے لئے جو اُونی سامان یا بوریوں اور رسیوں کی قسم کا سامان تھا، وہ بھی ناقص تھا۔ (عمدۃ القاری جزء۱۸ صفحہ ۳۰۲)

۱۹) غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ: یعنی عَامَّةٌ مُجَلِّلَةٌ۔ ایسی سزا جو عام اور ہمہ گیر ہو۔ سب پر چھا جانے والی۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۵۸) یہ لفظ اس آیت میں آیا ہے: اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ (یوسف:۱۰۸) کیا یہ لوگ اس بات سے امن میں ہیں کہ ایک ہمہ گیر سزا اُن پر آجائے یا وہ گھڑی ان کے پاس اچانک آئے (جس کی پہلے سے اطلاع دی جاچکی ہے) اور انہیں علم بھی نہ ہو۔

مذکورہ بالا مفردات کی شرح کے بعد حسب ذیل چھ ابواب قائم کئے گئے ہیں جو سورۂ یوسف کی آیتوں سے معنون ہیں۔

بَاب ١ : وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ (یوسف:٧)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور وہ تجھ پر اور یعقوب کی آل پر اپنی نعمت پوری کرے گا جیسا کہ اس نے اس سے پہلے تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر کی

٤٦٨٨ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْكَرِيمُ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ.

٤٦٨٨: عبداللہ بن محمد نے ہمیں خبر دی کہ عبدالصمد نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار سے، انہوں نے اپنے باپ (عبداللہ بن دینار) سے، ان کے باپ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: شریف، شریف کے بیٹے، شریف کے پوتے، شریف کے پڑپوتے حضرت یوسف ہیں، جو ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم (علیہم السلام) ہیں۔

أطرافه: ٣٣٨٢، ٣٣٩٠۔

تشریح: وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ: روایت زیر باب میں حضرت یوسفؑ کی جس فضیلت کا ذکر ہے وہ بلحاظ نسب ہے۔ خود بھی نبی، باپ بھی نبی، دادا بھی نبی اور پڑدادا بھی نبی۔ یہ فضیلت خاص نوعیت کی ہے، مطلق فضیلت نہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ٤٥٩) یعنی اس فضیلت سے یہ مراد نہیں کہ آپؑ ہر جہت و پہلو سے تمام سابقہ انبیاء سے افضل تھے جن میں حضرت موسیٰؑ جیسے اُولوالعزم نبی بھی ہیں۔ اس لئے حدیث زیر باب سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہر خوبی کے اعتبار سے حضرت یوسفؑ کو تمام انبیاء پر فضیلت حاصل ہے، بلکہ اس سے نسبتی فضیلت مراد ہے۔ وہ اپنے زمانہ کے لوگوں کے مقابل سب سے افضل تھے۔

علامہ عینیؒ نے اتمام نعمت سے مراد نعمت نبوت بیان کی ہے اور اس طرح اعلائے کلمۃ اللہ کی توفیق پانا اور اس کے لئے تمام اسباب کا میسر آنا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اتمام النعمۃ یہ ہے کہ دنیا کی بادشاہت بھی حاصل ہو اور اُخروی انعام سے بھی بہرہ وَر ہو۔ (عمدۃ القاری جزء۱۸ صفحہ ٣٠٣)

بَاب ۲

لَقَدْ كَانَ فِىْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ○(یوسف:۸)

یوسف اور اس کے بھائیوں (کے واقعات) میں (حق کے) طالبوں کے لئے یقیناً کئی نشان (پائے جاتے) ہیں

٤٦٨٩ :حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَي عَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ النَّاسِ أَكْرَمُ قَالَ أَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللهِ ابْنُ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ خَلِيلِ اللهِ قَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونِي قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَخِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا. تَابَعَهُ أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ.

أطرافهُ: ٣٣٥٣، ٣٣٧٤، ٣٣٨٣، ٣٤٩٠۔

۴۶۸۹: محمد نے مجھے بتایا کہ عبدہ نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے عبید اللہ (عمری) سے، عبید اللہ نے سعید بن ابی سعید سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، کہا: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے کون زیادہ معزز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اُن میں سے اللہ کے نزدیک وہ زیادہ معزز ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ لوگوں نے کہا: اس کے متعلق آپؐ سے نہیں پوچھ رہے۔ آپؐ نے فرمایا: پھر لوگوں میں سب سے بڑھ کر شریف یوسفؑ ہیں جو اللہ کے نبی، نبی اللہ کے بیٹے، نبی اللہ کے پوتے اور خلیل اللہ (حبیب خدا) کے پڑپوتے ہیں۔ انہوں نے کہا: اس کے متعلق بھی ہم آپؐ سے نہیں پوچھتے۔ آپؐ نے فرمایا: تو کیا پھر تم مجھ سے عربوں کے خاندانوں کی نسبت پوچھتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: تم میں سے جو جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں، بشرطیکہ دین سیکھیں اور سمجھیں۔ (عبدہ کی طرح) ابو اسامہ نے بھی عبید اللہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

تشریح: لَقَدْ كَانَ فِىْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ: دوسرے باب کا عنوان سورۂ یوسف کی ایک اہم آیت سے قائم کیا گیا ہے جس کا دراصل تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت سے ہے۔ شارحین کی توجہ اس آیت کے اصل موضوع کی طرف تو منعطف نہیں ہوئی لیکن ان کا یہ خیال اس دقیق

نکتہ کی طرف گیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کی خواب سن کر بایں الفاظ تعبیر کی: وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (یوسف:۷)[۱] کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح تجھے منتخب کرے گا اور اپنی نعمت سے پوری طرح نوازے گا۔ باوجود اس واضح تعبیر کے حضرت یوسفؑ کے متعلق کیوں خوف کھاتے ہیں کہ بھیڑیا اسے کھا جائے گا۔ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ (یوسف:۱۴)[۲] یہ دور کا سوال اٹھا کر شارحین نے کئی ایک جواب دیئے ہیں کہ کھانے سے مراد زخمی کرنا ہے نہ کہ ہلاکت۔ اور حضرت یعقوبؑ کا مقصد حضرت یوسفؑ سے متعلق ہوشیار کرنا تھا۔ ورنہ وہ مطمئن تھے کہ ایسا وقوع میں نہیں آئے گا۔ یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ فقرہ دعائیہ ہے۔ جیسے کہتے ہیں: يَرْحَمُهُ اللّٰهُ۔ یعنی بیٹا خدا تجھے بھی اسی طرح نوازے اور یہ دعا قبول ہوگئی تھی۔ کیونکہ جب حضرت یوسفؑ کنویں میں ڈالے گئے تو وہ مورد وحی الٰہی ہو چکے تھے۔ فرماتا ہے: جب انہوں نے اسے کنویں میں ڈالا تو ہم نے اسے وحی کی کہ تو اپنے بھائیوں کو ان کی اس حرکت سے آگاہ کرے گا۔ وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ (یوسف:۱۶)[۳] موعودہ اصطفاء وانتخاب حاصل ہونے کے بعد کسی خوف کا احتمال نہ تھا۔ حضرت یعقوبؑ کا اندیشہ صرف احتمالی تھا جو ہر خبر کے ساتھ لازمی ہے۔ فقرہ اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ احتمال کی شکل رکھتا ہے نہ کہ امر واقعہ کی۔

امام ابن حجرؒ نے یہ جواب دینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی علامات الساعۃ کا حوالہ دیا ہے جس میں قیامت کی نشانیوں میں سے خروج دجال، نزول عیسیٰ اور طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنَ الْمَغْرِبِ وغیرہ علامتیں مذکور ہیں۔ لیکن ایک موقع پر جب سورج گرہن ہوا تو ذکر آتا ہے کہ فَقَامَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَزِعًا يَخْشَى أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ۔[۴] نبی صلی اللہ علیہ وسلم مضطرب ہو کر اُٹھے۔ آپؐ ڈرے کہ کہیں وہ گھڑی نہ ہو۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۶۰)

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ انبیاء وعدہ الٰہی کے باوجود اللہ تعالیٰ کے غناء ذاتی سے بے نیاز نہیں ہوجاتے۔ یہ اصل جواب ہے مذکورہ بالا سوال کا جو شارحین نے اٹھایا ہے۔

جو امر قابل غور ہے وہ قریش مکہ کے متعلق پیشگوئی ہے۔ جس میں دونوں مواقع پر واقعات کی مماثلت نمایاں ہوئی۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنا وطن مجبوراً چھوڑنا پڑا اور اس ہجرت کے دوران آپؐ نے غار حرا میں

---

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور اسی طرح تیرا ربّ تجھے (اپنے لئے) چُن لے گا اور تجھے معاملات کی تہ تک پہنچنے کا علم سکھادے گا اور اپنی نعمت تجھ پر تمام کرے گا۔“

[۲] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”یقیناً مجھے یہ بات فکر میں ڈالتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ کھا جائے۔“

[۳] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تُو (ایک دن) یقیناً انہیں ان کی اس کارستانی سے آگاہ کرے گا اور انہیں کچھ پتہ نہ ہو گا (کہ تُو کون ہے)۔“

[۴] (صحیح البخاری، کتاب الکسوف، باب الذکر فی الکسوف، روایت نمبر ۱۰۵۹)

پناہ لی، جہاں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اور آپؐ کے یار غار حضرت ابو بکرؓ کی غیر معمولی طور پر حفاظت فرمائی۔ ورنہ آپؐ کا پیچھا کرنے والے قریش مع کھوجیوں کے غار کے منہ تک پہنچ گئے تھے اور انجام کار قریش مکہ کو آپ ﷺ کے سامنے ہر موقع پر شکست کھانی پڑی اور فتح مکہ کے موقع پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں بے بس اور سرنگوں ہو گئے اور اسیر ان جنگ سے دریافت کرنے پر کہ ان سے کیا سلوک کیا جائے، ان کا یہ جواب دینا کہ جو سلوک حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کیا، اسی سلوک کی آپؐ سے توقع ہے۔ جس پر آپؐ نے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کے الفاظ فرمائے۔ اور یہ وہ الفاظ ہیں جو حضرت یوسفؑ نے اس وقت کہے جب ان کے بھائیوں کو اپنے کئے پر ندامت محسوس ہوئی۔ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝ (یوسف:۹۳)[۱] یہ سورۃ بالاتفاق مکہ معظمہ میں ہجرت سے کچھ مدت پہلے نازل ہوئی تھی۔ جیسا کہ امام سیوطیؒ نے اس کے متعلق وضاحت سے لکھا ہے۔[۲] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی فقرہ دہرانا جو حضرت یوسفؑ کے منہ سے نکلا، یقینی طور پر بتاتا ہے کہ جیسا آپؐ کو سورۂ یوسف کے نزول کا مقصود معلوم تھا کفار مکہ بھی جانتے تھے۔ ہجرت اور فتح مکہ کے دوران قریش قحط زدگی کا تختۂ مشق ہوئے اور ان میں سے بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعا کے لئے رجوع کیا۔ جس طرح حضرت یوسفؑ کے وسیلہ سے ان کا خاندان دین و دنیا کی نعمتوں سے نوازا گیا اور اسے فروغ حاصل ہوا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی قوم نے آپؐ کے طفیل دنیا میں بہت بڑی عزت حاصل کی۔

غرض اس قسم کے بہت سے امور مماثلت ہیں جن کے متعلق اگر غور کیا جائے تو اس سورۃ کی عظمت بحیثیت پیشگوئی نمایاں ہو جاتی ہے اور یہی امر اس باب کے عنوان کا موضوع اور مدعا ہے اور روایت زیر باب کا بھی یہی منشاء ہے۔

خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ: یعنی جو لوگ زمانہ جاہلیت میں اچھے تھے وہ اب بھی اچھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب لوگوں کے دریافت کرنے پر تھا۔ انہوں نے پوچھا: أَيُّ النَّاسِ أَكْرَمُ؟ آپؐ نے اس کے دو جواب دیئے۔ أَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاهُمْ۔ اُن میں اللہ کے حضور وہ زیادہ معزز ہے جو ان میں سے سب سے زیادہ متقی ہے اور دوسرا جواب مذکورہ بالا الفاظ میں۔ اور یہ دونوں جواب اُن واقعات سے تصدیق پاتے ہیں جو حضرت یوسفؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزرے۔ اور اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے سورۂ یوسف کی محولہ بالا آیت سے عنوان باب قائم کر کے اس کے تحت روایت نمبر ۴۶۸۹ درج کی ہے۔ کیونکہ حضرت یوسف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی عزت افزائی کے واقعات میں مماثلت پائی جاتی ہے اور یہ امر روز روشن کی طرح ثابت ہوا، أَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاهُمْ۔ واقعات میں پوری پوری مشابہت ہے۔ صرف کم و کیف اور وسعت و عظمت میں فرق ہے۔

---

[۱] ترجمہ حضرت خليفة المسيح الرابعؒ: ”اس نے کہا آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تمہیں بخش دے گا اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“

[۲] (الإتقان في علوم القرآن، النوع الأول في معرفة المكي والمدني، جزء اول صفحہ ۳۹)

باب ۳: قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ (يوسف: ١٩)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) یعقوب نے کہا: بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لئے ایک (ایسی بُری) بات کو خوبصورت کر کے دکھلایا ہے (جسے تم کر گزرے ہو) اب اچھی طرح صبر کرنا (ہی میرے لئے مناسب) ہے

سَوَّلَتْ (يوسف: ١٩) زَيَّنَتْ.

سَوَّلَتْ کے معانی ہیں اُس نے خوبصورت کر کے دکھایا۔

٤٦٩٠: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ح. قَالَ: وَحَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ الْأَيْلِيُّ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللّٰهُ كُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِّنَ الْحَدِيثِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ كُنْتِ بَرِيئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللّٰهُ وَإِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ قُلْتُ إِنِّي وَاللّٰهِ لَا أَجِدُ مَثَلًا إِلَّا أَبَا يُوسُفَ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ

۴۶۹۰: عبد العزیز بن عبد اللہ نے ہم سے بیان کیا کہ ابراہیم بن سعد نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے صالح سے، صالح نے ابن شہاب سے روایت کی، نیز کہا۔ اور حجاج نے ہم سے بیان کیا کہ عبد اللہ بن عمر نمیری نے ہمیں بتایا کہ یونس بن یزید ایلی نے ہمیں خبر دی۔ کہا: میں نے زہری سے سنا۔ انہوں نے عروہ بن زبیر اور سعید بن مسیب اور علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہؓ کے اس واقعہ کے متعلق سنا جس میں تہمت لگانے والوں نے آپؓ پر تہمت لگائی تھی اور پھر اللہ نے آپؓ کی برأت نازل کی تھی۔ ان میں سے ہر ایک نے اس واقعہ کا ایک حصہ مجھ سے بیان کیا۔ (اس میں ہے کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم بَری ہو تو ضرور اللہ تعالیٰ تمہیں بَری فرمائے گا، اور اگر تم سے کوئی کمزوری ہو گئی ہو تو اللہ سے مغفرت مانگو اور اس کے حضور توبہ کرو۔ (حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ) میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں کوئی مثال نہیں پاتی سوائے حضرت یوسفؑ کے باپ کی مثال

الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ. (يوسف:١٩) وَأَنْزَلَ اللهُ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ۝ (النور:١٢) الْعَشْرَ الْآيَاتِ.

کے۔(انہوں نے کہا تھا:) اب اچھی طرح صبر کرنا (ہی میرے لئے مناسب) ہے اور جو بات تم بیان کرتے ہو اس (کے تدارک) کے لئے اللہ ہی سے مدد مانگی جاسکتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ دس آیات نازل کیں: یقیناً وہ لوگ جنہوں نے ایک بڑا اتہام باندھا تھا۔ تمہیں میں سے ایک گروہ ہے....

أطرافهُ: ٢٥٩٣، ٢٦٣٧، ٢٦٦١، ٢٦٨٨، ٢٨٧٩، ٤٠٢٥، ٤١٤١، ٤٧٤٩، ٤٧٥٠، ٤٧٥٧، ٥٢١٢، ٦٦٦٢، ٦٦٧٩، ٧٣٦٩، ٧٣٧٠، ٧٥٠٠، ٧٥٤٥۔

٤٦٩١: حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَسْرُوقُ بْنُ الْأَجْدَعِ قَالَ حَدَّثَتْنِي أُمُّ رُومَانَ وَهْيَ أُمُّ عَائِشَةَ قَالَتْ بَيْنَا أَنَا وَعَائِشَةُ أَخَذَتْهَا الْحُمَّى فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ فِي حَدِيثٍ تُحُدِّثَ قَالَتْ نَعَمْ وَقَعَدَتْ عَائِشَةُ قَالَتْ مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ كَيَعْقُوبَ وَبَنِيهِ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ. (يوسف:١٩)

۴۶۹۱: موسیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ ابو عوانہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے حصین سے، حصین نے ابو وائل سے روایت کی۔ کہا: مسروق بن اجدع نے مجھ سے بیان کیا، کہا: مجھے حضرت اُم رومانؓ نے بتایا اور وہ حضرت عائشہؓ کی والدہ تھیں، انہوں نے کہا: اس دوران کہ میں اور عائشہؓ بیٹھی تھیں، عائشہؓ کو بخار ہو گیا تھا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: شاید اس بات کی وجہ سے جو بتائی گئی ہے۔ (حضرت اُم رومانؓ نے) کہا: جی ہاں۔ عائشہؓ یہ بات سن کر بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں: میری مثال اور آپؐ کی مثال حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹوں کی سی ہے۔ (حضرت یعقوبؑ نے کہا تھا) بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لئے ایک بات کو خوبصورت کر کے دکھلایا ہے (جسے تم کر گزرے ہو) اب اچھی طرح صبر کرنا (ہی میرے لئے مناسب) ہے اور جو بات تم بیان کرتے ہو اس (کے تدارک) کے لئے اللہ ہی سے مدد مانگی جاسکتی ہے (اور اسی سے مدد مانگی جائے گی۔)

أطرافهُ: ٣٣٨٨، ٤١٤٣، ٤٧٥١۔

تشریح. قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ: سَوَّلَتْ کے معنی زَيَّنَتْ وَ حَسَّنَتْ۔ یعنی تمہارے نفسوں نے بُری بات عمدہ پیرایہ میں تمہیں خوبصورت کر کے دکھائی ہے اور تم بھی اسے اب عمدہ پیرائے میں بیان کرتے ہو کہ سننے والا یقین کرے کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔ نفس ہمیشہ جب انسان کو تقویٰ سے اِدھر اُدھر کرتا ہے تو اس کے ورغلانے کا یہی طریق ہوتا ہے کہ بدی کو عمدہ شکل میں دکھاتا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○ (یوسف:۱۹) ترجمہ: اور (اسے یقین دلانے کے لئے) وہ اس کے کُرتے پر جھوٹا خون لگا لائے (جسے دیکھ کر) اُس نے کہا: (یہ بات درست نہیں) بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لئے ایک (ایسی بُری) بات کو خوبصورت کر کے دکھلایا ہے (جسے تم کر گزرے ہو) اب اچھی طرح صبر کرنا (ہی میرے لئے مناسب) ہے۔ اور جو بات تم بیان کرتے ہو اس (کے تدارک) کے لئے اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔ (اور اسی سے مدد مانگی جائے گی)

اس باب کے تحت دو روایتیں نمبر ۴۶۹۰، ۴۶۹۱ نقل کی گئی ہیں۔ دونوں میں ایک اور مماثلت کا ذکر ہے۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو بدنام کرنے والا گروہ خائب و خاسر ہوا اُسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اہل بیت کے خلاف بہتان طراز گروہ بھی خائب و خاسر ہو گا۔

باب ٤ : وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ (يوسف: ٢٤)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور جس (عورت) کے گھر میں وہ (رہتا) تھا اُس نے اُس سے اُس کی مرضی کے خلاف (ایک) فعل کروانا چاہا۔ اور (اس مکان کے) تمام دروازے بند کر دیئے اور کہا (میری طرف) آجا

وَقَالَ عِكْرِمَةُ هَيْتَ لَكَ بِالْحَوْرَانِيَّةِ هَلُمَّ. وَقَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ تَعَالَهْ.

اور عکرمہ نے کہا: هَيْتَ حورانی زبان میں هَلُمَّ کے مترادف ہے۔ اور ابن جبیر نے اس لفظ کے معنی تَعَالَهْ بتائے ہیں۔ یعنی اِدھر آؤ۔

٤٦٩٢ : حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ هَيْتَ

۴۶۹۲: احمد بن سعید نے مجھ سے بیان کیا کہ بشر بن عمر نے ہمیں بتایا کہ شعبہ نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے سلیمان سے، سلیمان نے ابووائل سے، ابووائل نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت

لَكَ(يوسف:٢٤) قَالَ وَإِنَّمَا نَقْرَؤُهَا كَمَا عُلِّمْنَاهَا، مَثْوَاهُ مُقَامُهُ، وَ اَلْفَيَا (يوسف:٢٦) وَجَدَا، اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ (الصّٰفّٰت:٧٠) اَلْفَيْنَا(البقرة:١٧١). وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ (الصّٰفّٰت:١٣).

کی۔ انہوں نے کہا: هَيْتَ لَكَ۔ کہا: ہم اس کو ویسا ہی پڑھتے ہیں جیسا ہم کو سکھایا گیا ہے۔ مَثْوَاهُ کا معنی ہے اس کا ٹھکانا۔ اَلْفَيَا کا معنی ہے ان دونوں نے پایا۔ اسی سے اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ (انہوں نے اپنے باپ دادوں کو پایا) اور اَلْفَيْنَا (ہم نے پایا) ہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بَلْ عَجِبْتَ وَ يَسْخَرُوْنَ[1] منقول ہے۔

٤٦٩٣: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِنَّ قُرَيْشًا لَمَّا أَبْطَئُوا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْإِسْلَامِ قَالَ اللَّهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ فَأَصَابَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى أَكَلُوا الْعِظَامَ حَتَّى جَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ فَيَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا مِثْلَ الدُّخَانِ قَالَ اللهُ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ○(الدُّخان:١١) قَالَ اللهُ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ○(الدُّخان:١٦) أَفَيُكْشَفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَقَدْ مَضَى

۴۶۹۳: حمیدی نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے مسلم سے، مسلم نے مسروق سے، مسروق نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ قریش نے جب رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے بارے میں توقف کیا تو آپؐ نے فرمایا: اے اللہ! میرے لئے اُن کے مقابل یوسف کے سات سالوں کی طرح کے سات سالوں کی صورت میں کافی ہو جا۔ سو اُن پر ایسا قحط پڑا جس نے ہر ایک چیز کو فنا کر دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہڈیاں کھائیں اور کوئی شخص اگر آسمان کی طرف دیکھتا تو اُسے اپنے اور اس کے درمیان دھواں ہی نظر آتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس انتظار کر اُس دن کا جب آسمان ایک واضح دھواں لائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم عذاب کو تھوڑی دیر کے لئے ہٹا دیں گے مگر تم پھر وہی (کرتوتیں)

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "حقیقت یہ ہے کہ تُو تو (تخلیق پر) عش عش کر اٹھا ہے جبکہ وہ تمسخر اُڑاتے ہیں۔"

الدُّخَانُ وَمَضَتِ الْبَطْشَةُ.

کرنے لگ جاؤ گے۔ پس کیا قیامت کے دن اُن سے عذاب دور کر دیا جائے گا؟ چنانچہ دھواں اور سخت گرفت والی پیشگوئی ہو چکی۔

أطرافه: ۱۰۰۷، ۱۰۲۰، ٤٧٦٧، ٤٧٧٤، ٤٨٠٩، ٤٨٢٠، ٤٨٢١، ٤٨٢٢، ٤٨٢٣، ٤٨٢٤، ٤٨٢٥۔

تشریح: وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ: عکرمہ کا قول عبد بن حمید نے موصولاً نقل کیا ہے اور عکرمہ ہی سے هَيْتَ کے معنی هُيِّئْتُ لَكَ مروی ہیں۔ یعنی میں تیرے لئے بن سنور کر تیار ہوئی ہوں۔ اور عبد الرزاق نے بھی عکرمہ سے اس کے معنی تَهَيَّأْتُ لَكَ ایک دوسری سند کے ساتھ نقل کئے ہیں۔ اور ابن مردویہ نے بسند مسروق حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت اس تعلق میں نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے هَيْتَ لَكَ کے معنی مجھے هَلُمَّ لَكَ بتائے ہیں۔ اس تعلق میں ابو عمرو بن العلاء شاعر کا یہ شعر امام ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے:

إِنَّ الْعِرَاقَ وَأَهْلَهُ عُنُقٌ إِلَيْكَ فَهِيتَ هِيتًا

یعنی عراق اور اس کے باشندے تیری آمد کا گردن اٹھائے منتظر ہیں۔ سو خوشی اور سبک پائی سے آؤ۔

لفظ هَيْتَ کی نسبت قراء کے درمیان اختلاف ہے جس کی وجہ سے الگ باب قائم کر کے عنوان باب میں عکرمہ اور ابن جبیر کے حوالے سے اس لفظ کی تشریح کی گئی ہے اور اس کا معنی بتایا گیا ہے۔

(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۶۲)

باب کے تحت دو روایتیں منقول ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے حوالہ سے پہلی میں هَيْتَ کی صحیح قراءت کا ذکر ہے اور دوسری میں عذابِ دخان اور قحط کی پیشگوئی پورا ہونے کا، جس سے قریش کو سورۂ یوسف نازل کر کے قبل از وقت آگاہ کر کے کہا کہ توبہ و استغفار اور اصلاح حال کے ذریعہ اس سے بچیں اور یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ مؤاخذہ میں دھیما ہوتا ہے۔ لیکن مکذبین انبیاء میں سے کم ہیں جو انذار سے فائدہ اٹھاتے ہوں۔ اور اتمام حجت کے بعد انہیں پکڑا جاتا ہے۔

باب ۵: فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ○ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ (یوسف: ۵۱، ۵۲)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) پس جب (بادشاہ کا) پیغام رساں اس کے پاس آیا تو اس نے (یعنی یوسف نے اس سے) کہا (کہ) تو اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے ان کی (اس وقت) کیا کیفیت ہے۔ میرا ربّ ان کے منصوبے کو یقیناً خوب جاننے والا ہے۔ (یہ پیغام سن کر) اس نے (یعنی بادشاہ نے) ان (عورتوں) سے کہا (کہ) تمہارا (وہ) معاملہ جبکہ تم نے یوسف سے اس کی مرضی کے خلاف (ایک بُرا) فعل کروانے کی کوشش کی تھی (اصل میں) کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ وہ اللہ کی خاطر (بدی کے ارتکاب سے) ڈرا تھا۔

وَحَاشَ وَحَاشَى تَنْزِيهٌ وَاسْتِثْنَاءٌ. حَصْحَصَ (یوسف: ۵۲) وَضَحَ.

حَاشَ اور حَاشَی تنزیہہ اور استثناء کے معنی میں ہے۔ حَصْحَصَ کا مطلب ہے واضح ہو گیا۔

٤٦٩٤: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ تَلِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ بَكْرِ بْنِ مُضَرَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ لُوطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوسُفُ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ وَنَحْنُ أَحَقُّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لَهُ: اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ

۴۶۹۴: سعید بن تلید نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالرحمٰن بن قاسم نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے بکر بن مضر سے، بکر نے عمرو بن حارث سے، عمرو نے یونس بن یزید سے، یونس نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے سعید بن مسیّب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ لوطؑ پر رحم کرے وہ کسی مضبوط سہارے کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ اور اگر میں قید خانہ میں اتنا عرصہ رہتا جتنا کہ یوسف رہے تو جو بلانے والا شخص آیا تھا میں اس کی بات مان لیتا۔ اور ہم ابراہیمؑ سے زیادہ حقدار

قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ. (البقرة: ٢٦١)

ہیں جب اس نے اس سے کہا: کیا تو ایمان نہیں لاچکا؟ (ابراہیم نے) کہا: کیوں نہیں۔ (ایمان تو بے شک حاصل ہو چکا ہے) لیکن اپنے اطمینان قلب کی خاطر (میں نے یہ سوال کیا ہے۔)

أطرافهُ: ٣٣٧٢، ٣٣٧٥، ٣٣٨٧، ٤٥٣٧، ٦٩٩٢۔

تشریح: فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ: حَاشَ اور حَاشَا تنزیہی الفاظ ہیں جو برأت کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے معاذاللہ، یعنی اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے۔ اس لفظ کی قرأت میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے حَاشَى (یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔) ابوعبیدہؒ کی قرأت میں صرف ش مفتوحہ ہے۔ زبان عربی میں حاشی بھی کہتے ہیں، جیسے ایک شاعر کا قول ہے: حَاشَى أَبِي ثَوْبَانَ إِنَّ بِهِ ضَمَنًا۔ ابوثوبان اس سے بلند و بالا ہے کہ اس پر کوئی بوجھ ہو۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۶۵) (عمدۃ القاری جزء۱۸ صفحہ ۳۰۷)

حَصْحَصَ الْحَقُّ: وَضَحَ الْحَقُّ وَ تَبَيَّنَ۔ حق واضح ہو گیا، کھل گیا۔ خلیل نحوی کے نزدیک یہ لفظ حِصَّة سے مشتق ہے جس کے معنی کٹ جانے کے ہیں۔ حِصَّة کے معنی قِطْعَةُ اور حَصْحَصَ ایسے ہی ہے، جیسے كَفَّ سے كَفْكَفَ۔ ظَهَرَتْ حِصَّةُ الْحَقِّ مِنْ حِصَّةِ الْبَاطِلِ۔ یعنی حق کا حصہ باطل حصہ سے واضح ہو گیا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۶۵)

لفظ حَاشَ اور حَصْحَصَ دونوں اس آیت میں آئے ہیں: قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (یوسف: ۵۲) (یہ پیغام سن کر) اُس نے (یعنی بادشاہ نے) اُن (عورتوں) سے کہا: (کہ) تمہارا (وہ) معاملہ جبکہ تم نے یوسف سے اس کی مرضی کے خلاف (ایک بُرا) فعل کروانے کی کوشش کی تھی۔ (اصل میں) کیا تھا؟) انہوں نے کہا کہ وہ اللہ کی خاطر (بدی کے ارتکاب سے) ڈرا تھا۔ (اور) ہم نے اُس میں کوئی بھی بُرائی (کی بات) نہیں معلوم کی تھی۔ (یہ سن کر) عزیز کی بیوی نے کہا کہ اب سچائی بالکل کھل گئی ہے۔ میں نے (ہی) اس سے اس کی مرضی کے خلاف (بُرا) فعل کرانے کی کوشش کی تھی۔ اور وہ یقیناً راستبازوں میں سے ہے۔ حَاشَ لِلّٰهِ کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے: مَعَاذَاللہ۔ (یعنی اللہ کی پناہ) اور پھر ماضی کے طور پر بھی اس کا ترجمہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اوپر کیا گیا ہے۔

حدیث زیر باب کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب احادیث الانبیاء باب ۱۱ (روایت نمبر ۳۳۷۲) جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام ولوط علیہ السلام کے ذکر میں یہی روایت الگ سند سے نقل کی گئی ہے۔

بَاب ٦: حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ (يوسف: ١١١)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور جب (ایک طرف تو) رسول (ان کی جانب سے) نااُمید ہو گئے

٤٦٩٥: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ

۴۶۹۵: عبدالعزیز بن عبداللہ نے ہم سے بیان کیا کہ ابراہیم بن سعد نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے

عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ لَهُ وَهُوَ يَسْأَلُهَا عَنْ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى حَتَّىٰٓ إِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ (يوسف:١١١) قَالَ قُلْتُ أَكُذِبُوْا (يوسف:١١١) أَمْ كُذِّبُوْا قَالَتْ عَائِشَةُ كُذِّبُوْا قُلْتُ فَقَدْ اسْتَيْقَنُوا أَنَّ قَوْمَهُمْ كَذَّبُوهُمْ فَمَا هُوَ بِالظَّنِّ قَالَتْ أَجَلْ لَعَمْرِي لَقَدْ اسْتَيْقَنُوا بِذَلِكَ فَقُلْتُ لَهَا وَظَنُّوٓا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا (يوسف:١١١) قَالَتْ مَعَاذَ اللهِ لَمْ تَكُنِ الرُّسُلُ تَظُنُّ ذَلِكَ بِرَبِّهَا قُلْتُ فَمَا هَذِهِ الْآيَةُ قَالَتْ هُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ الَّذِينَ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَصَدَّقُوهُمْ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْبَلَاءُ وَاسْتَأْخَرَ عَنْهُمُ النَّصْرُ حَتَّىٰٓ إِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ (يوسف:١١١) مِمَّنْ كَذَّبَهُمْ مِنْ قَوْمِهِمْ وَظَنَّتِ الرُّسُلُ أَنَّ أَتْبَاعَهُمْ قَدْ كَذَّبُوهُمْ جَاءَهُمْ نَصْرُ اللهِ عِنْدَ ذَلِكَ.

أطرافه: ٣٣٨٩، ٤٥٢٥، ٤٦٩٦-

صالح سے، صالح نے ابن شہاب سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: عروہ بن زبیر نے مجھے بتایا۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق پوچھا: یہاں تک کہ جب رسول نااُمید ہو گئے۔ عروہ نے کہا: میں نے پوچھا کہ اس آیت میں کُذِبُوْا ہے یا کُذِّبُوْا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کُذِّبُوْا ہے یعنی انہیں جھٹلایا گیا۔ میں نے کہا: انہیں تو یقین تھا کہ ان کی قوم نے انہیں جھٹلایا ہے اور یہ صرف گمان نہیں تھا۔ انہوں نے فرمایا: بے شک انہیں اس کا یقین ہو چکا تھا۔ میں نے اُن سے کہا: شاید اس آیت میں کُذِبُوْا ہو۔ یعنی ان سے جھوٹے وعدے کئے گئے۔ حضرت عائشہؓ کہنے لگیں: معاذاللہ! رسول ایسے نہیں ہوتے کہ اپنے ربّ پر یہ گمان کریں۔ میں نے کہا: پھر اس آیت کے کیا معنی ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: یہ (گمان کرنے والے) رسولوں کے پیرو ہیں جو اپنے ربّ پر ایمان لائے اور ان رسولوں کو سچا سمجھا اور ان کی آزمائش دیر تک ہوتی رہی اور اُن کو مدد پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ یہاں تک کہ جب رسول اپنی قوم کے ان لوگوں سے بالکل نا اُمید ہو گئے جنہوں نے انہیں جھٹلایا تھا اور رسولوں نے یہ خیال کیا کہ ان کے پیروؤں نے بھی انہیں جھوٹا قرار دے دیا ہے تو اس وقت اللہ کی مدد اُن کو پہنچی۔

٤٦٩٦ : حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ فَقُلْتُ لَعَلَّهَا كُذِبُوا مُخَفَّفَةً قَالَتْ مَعَاذَ اللهِ نَحْوَهُ.

۴۶۹۶: ابو الیمان نے ہم سے بیان کیا کہ شعیب نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے زہری سے روایت کی، کہا: مجھے عروہ نے بتایا کہ (انہوں نے کہا:) میں نے (حضرت عائشہؓ سے) کہا کہ ہو سکتا ہے یہ کُذِبُوا ہو، تخفیف کے ساتھ۔ تو انہوں نے کہا: معاذاللہ۔

أطرافهُ: ٣٣٨٩، ٤٥٢٥، ٤٦٩٥-

تشریح: حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ: اِسْتَيْأَس يَئِسَ سے باب اِسْتَفْعَلَ ہے۔ اس کا معنی وہی ہے جو يَئِسَ کا ہے، یعنی مایوس ہو گیا۔ جیسے عَجِبَ اور اِسْتَعْجَبَ معنی کی رُو سے ایک ہی ہیں، سوا اِس کے کہ اس میں معنی کی زیادتی پائی جاتی ہے۔ مبالغہ مقصود ہو تو اِسْتِفْعَال باب کا وزن بعض اوقات اختیار کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ علامہ زمخشری وغیرہ نے ان صیغوں کے فرق کو بیان کیا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۶۶) پوری آیت یہ ہے: حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَ لَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ (یوسف:۱۱۱) اور جب (ایک طرف تو) رسول (ان کی جانب سے) نااُمید ہو گئے اور (دوسری طرف) ان (منکروں) کا (یہ) پختہ خیال ہو گیا کہ ان سے (وحی کے نام سے) جھوٹی باتیں کی جا رہی ہیں تو (اس وقت) ان (رسولوں) کے پاس ہماری مدد آ گئی۔ اور جنہیں ہم بچانا چاہتے تھے (انہیں) بچا لیا گیا۔ اور مجرم لوگوں سے ہمارا عذاب (ہرگز) نہیں ہٹایا جاتا۔

اس آیت کے سمجھنے میں بھی غلط فہمی پیدا ہوئی ہے اور خیال کیا گیا ہے کہ اسْتَيْــَٔسُوْا اور ظَنُّوْۤا کا فاعل رسول ہی ہیں۔ اسْتَيْــَٔسَ کا فاعل تو وہ ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کے ایمان لانے سے نااُمید ہو گئے۔ لیکن ظَنُّوْۤا کا فاعل وہ نہیں بلکہ منکر ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے جب مندرجہ بالا مفہوم سنا تو انہوں نے کہا: معاذاللہ یہ صحیح نہیں، اور بتایا کہ ایسا خیال کرنے والے رسولوں کے پیرو ہیں کہ جب انہوں نے دیکھا کہ نصرت الٰہی میں تاخیر ہو رہی ہے تو وہ گھبرائے اور خیال کرنے لگے کہ جو اُن سے وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا نہیں ہوا اور مومن بھی سمجھنے لگے کہ وحی سمجھنے میں انہیں غلطی لگی ہے اور انہیں طرح طرح کے شبہات گزرنے لگے، اور کفار کو بھی یقین ہو گیا کہ رسول کی انذاری پیشگوئیاں خالی دھمکی ہی تھیں۔ فرماتا ہے: ایسی حالت میں اچانک ہمارا عذاب آیا اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہو گیا۔ غرض ایسے ہی ناموافق حالات میں انبیاء کی شان کا علم ہوتا ہے اور ان کی خارق عادت باتوں کی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ ان کا کلام انسانی ساختہ پرداختہ نہیں بلکہ الٰہی سرچشمہ سے نکلا ہوا ہے اور ان کے ساتھ جو غیر معمولی سلوک ہوتا ہے اس میں الٰہی اور ملکی تصرفات کام کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر لوگوں کا ایمان باللہ زندہ اور مضبوط ہو کر اس قابل ہوتا ہے کہ حرکت عمل میں جان پیدا کرے۔

☆☆☆

۱۳ـ سُورَةُ الرَّعْدِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ (الرعد:١٥) مَثَلُ الْمُشْرِكِ الَّذِي عَبَدَ مَعَ اللهِ إِلَهًا غَيْرَهُ كَمَثَلِ الْعَطْشَانِ الَّذِي يَنْظُرُ إِلَى ظِلِّ خَيَالِهِ فِي الْمَاءِ مِنْ بَعِيدٍ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَتَنَاوَلَهُ وَلَا يَقْدِرُ.

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ میں مشرک کی مثال بیان کی گئی ہے جو اللہ کے ساتھ اور بھی معبودوں کی عبادت کرتا ہے، اس کی مثال اس پیاسے کی سی ہے جو اپنے وہم کے زیر اثر دور پانی دیکھ رہا ہوتا ہے، وہ اسے حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کو حاصل کرنے کی قدرت نہیں پاتا۔

وَقَالَ غَيْرُهُ سَخَّرَ (الرعد:٣) ذَلَّلَ. مُتَجَاوِرَاتٌ (الرعد:٥) مُتَدَانِيَاتٌ. الْمَثُلٰتُ (الرعد:٧) وَاحِدُهَا مَثُلَةٌ، وَهِيَ الْأَشْبَاهُ وَالْأَمْثَالُ. وَقَالَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا. (يونس:١٠٣) بِمِقْدَارٍ (الرعد:٩) بِقَدَرٍ. مُعَقِّبٰتٌ (الرعد:١٢) مَلَائِكَةٌ حَفَظَةٌ تُعَقِّبُ الْأُولَى مِنْهَا الْأُخْرَى. وَمِنْهُ قِيلَ الْعَقِيبُ، يُقَالُ عَقَّبْتُ فِي إِثْرِهِ. الْمِحَالِ (الرعد:١٤) الْعُقُوبَةُ. كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَآءِ (الرعد:١٥) لِيَقْبِضَ عَلَى الْمَاءِ. رَابِيًا (الرعد:١٨) مِنْ رَبَا يَرْبُو. أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ (الرعد:١٨) الْمَتَاعُ مَا تَمَتَّعْتَ بِهِ. جُفَآءً (الرعد:١٨) أَجْفَأَتِ الْقِدْرُ إِذَا غَلَتْ فَعَلَاهَا الزَّبَدُ ثُمَّ تَسْكُنُ فَيَذْهَبُ الزَّبَدُ بِلَا مَنْفَعَةٍ.

اور ان کے سوا اَوروں نے کہا: سَخَّرَ کے معنی ہیں اس نے مطیع بنایا۔ مُتَجَاوِرَاتٌ کا مطلب ہے ایک دوسرے کے پاس پاس۔ الْمَثُلٰتُ کا واحد ہے مَثُلَةٌ۔ اور یہ مشابہہ امثال ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ اُن لوگوں کے جو اُن سے پہلے گزر چکے ہیں ایام کے مشابہہ ایام ہی کا (انتظار کر رہے ہیں) بِمِقْدَارٍ کے معنی ہیں اندازہ کے مطابق۔ مُعَقِّبٰتٌ۔ یعنی پے در پے آنے والے محافظ فرشتے۔ اور اسی سے الْعَقِيبُ ہے، کہا جاتا ہے: عَقَّبْتُ فِي إِثْرِهِ۔ یعنی میں اُس کے نقش پا پر چلا۔ الْمِحَالِ کے معنی ہیں سزا۔ كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَآءِ سے مراد ہے کہ پانی کو حاصل کرے۔ رَابِيًا رَبَا يَرْبُو سے مشتق ہے۔ یعنی اُوپر آنے والا۔ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ میں ایسا سامان مراد ہے جس سے تم نفع اٹھاتے ہو۔ جُفَآءً۔ پھینکا ہوا۔ (کہتے ہیں:) أَجْفَأَتِ الْقِدْرُ: یعنی ہانڈی نے اُبلتے وقت جھاگ پھینک دی اور ساکن ہوگئی اور جھاگ

فَكَذَلِكَ يُمَيِّزُ الْحَقُّ مِنَ الْبَاطِلِ. الْمِهَادُ (الرعد:١٩) الْفِرَاشُ. يَدْرَءُونَ (الرعد:٢٢) يَدْفَعُونَ، دَرَأْتُهُ دَفَعْتُهُ. سَلَامٌ عَلَيْكُمْ (الرعد:٢٤) أَيْ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ. وَإِلَيْهِ مَآبِ (الرعد:٣٦)[1] تَوْبَتِي. أَفَلَمْ يَايْئَسِ (الرعد:٣١) لَمْ يَتَبَيَّنْ. قَارِعَةٌ (الرعد:٣١) دَاهِيَةٌ. فَأَمْلَيْتُ (الرعد:٣٢) أَطَلْتُ، مِنَ الْمَلِيِّ وَالْمِلَاوَةِ، وَمِنْهُ مَلِيًّا (مريم:٤٦) وَيُقَالُ لِلْوَاسِعِ الطَّوِيلِ مِنَ الْأَرْضِ، مَلًى مِنَ الْأَرْضِ. أَشَقُّ (الرعد:٣٤) أَشَدُّ مِنَ الْمَشَقَّةِ. مُعَقِّبَ (الرعد:٤١) مُغَيِّرٌ.

بے فائدہ ہو گئی۔ اسی طرح وہ حق کو باطل سے ممتاز کرتا ہے۔ الْمِهَادُ کا مطلب ہے بچھونا۔ يَدْرَءُونَ کے معنی ہیں وہ دور کرتے ہیں۔ دَرَأْتُهُ۔ یعنی میں نے اُسے اپنے سے ہٹایا۔ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ۔ یعنی وہ کہیں گے تمہارے لیے سلامتی ہو۔ وَإِلَيْهِ مَآبِ۔ یعنی میرا رجوع اسی کی طرف ہے۔ أَفَلَمْ يَايْئَسِ کے معنی ہیں کیا (ابھی تک) ظاہر نہیں ہوا؟ قَارِعَةٌ کا معنی ہے تباہ کن ناگہانی مصیبت۔ فَأَمْلَيْتُ کے معنی ہیں میں نے مہلت دی۔ یہ مَلِيّ اور مِلَاوَة سے ہے۔ اور اسی سے مَلِيًّا ہے، یعنی چھوڑ دینا۔ لمبے چوڑے قطعہ زمین کو بھی مَلًى کہتے ہیں۔ أَشَقُّ مشقت سے ہے، یعنی شدید۔ مُعَقِّبَ: یعنی تبدیل کرنے والا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مُتَجَاوِرَاتٌ طَيِّبُهَا وَخَبِيثُهَا السِّبَاخُ. صِنْوَانٌ (الرعد:٤) النَّخْلَتَانِ أَوْ أَكْثَرُ فِي أَصْلٍ وَاحِدٍ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ (الرعد:٤) وَحْدَهَا. بِمَاءٍ وَاحِدٍ (الرعد:٤) كَصَالِحِ بَنِي آدَمَ وَخَبِيثِهِمْ أَبُوهُمْ وَاحِدٌ. السَّحَابَ الثِّقَالَ (الرعد:١٢) الَّذِي فِيهِ الْمَاءُ. كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ (الرعد:١٤)

اور مجاہد نے کہا: مُتَجَاوِرَاتٌ سے مراد ہے اچھے اور ردّی شورہ زمین کے ٹکڑے جو پاس پاس واقع ہوں۔ صِنْوَانٌ سے مراد ایسی دو یا زیادہ کھجوریں ہیں جو ایک ہی جڑ سے پھوٹیں اور غَيْرُ صِنْوَانٍ سے مراد وہ جو اکیلی اکیلی اُگیں۔ بِمَاءٍ وَاحِدٍ سے مراد ہے آدم کی ذریت میں سے صالح اور بد بختوں کی مانند، جن کا باپ ایک ہی ہے۔ السَّحَابَ الثِّقَالَ یعنی بوجھل بادل جس میں پانی ہو۔ كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ - یعنی (اس شخص کی مانند) جو

[1] فتح الباری مطبوعہ انصاریہ میں "وَإِلَيْهِ مَتَابِ" (الرعد:۳۱) ہے۔ (فتح الباری جزء۸ حاشیہ صفحہ ۴۷۰)

يَدْعُو الْمَاءَ بِلِسَانِهِ وَيُشِيرُ إِلَيْهِ بِيَدِهِ فَلَا يَأْتِيهِ أَبَدًا. سَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا (الرعد:۱۸) تَمْلَأُ بَطْنَ وَادٍ، زَبَدًا رَابِيًا(الرعد:۱۸) زَبَدُ السَّيْلِ. زَبَدٌ مِّثْلُهُ(الرعد:۱۸)خَبَثُ الْحَدِيدِ وَالْحِلْيَةِ.

زبان سے پانی کو بلائے اور اپنے ہاتھ سے اسے اشارہ کرے (کہ میرے پاس آ) مگر وہ اس کے پاس کبھی نہیں آتا۔ سَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا سے مراد ہے وادی اپنے ظرف کے مطابق بھر گئی (اور بہہ نکلی۔) زَبَدًا رَّابِيًا سے مراد ہے سیلاب کے اُوپر جھاگ۔ زَبَدٌ مِّثْلُهُ سے مراد لوہے اور زیور کی میل ہے۔

تشریح: كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَآءِ: حضرت ابن عباسؓ نے کہا: آیت كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ میں مشرک کی مثال دی گئی ہے جو شریک باری تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے اور اس سے حاجت براری چاہتا ہے۔ یہ مشرک اپنے بتوں کے سامنے بے فائدہ ہاتھ پھیلائے رکھتے ہیں جیسے کوئی پیاسا پانی کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور خواہش کرے کہ پانی خود بخود اس کے منہ میں پہنچ جائے۔ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ اور وہ پانی اس تک پہنچنے کا نہیں۔ اس کا مفہوم اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے وہم کے زیرِ اثر دور پانی دیکھ رہا ہوتا ہے اور اگر اسے پکڑنا چاہے تو پکڑ نہ سکے۔ اس آیت کا سیاق یہ ہے: لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ○ (الرعد:۱۵) اسی کو پکارنا برحق ہے (ایسی پکار ہے جو نہیں ٹلتی) اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دیتے۔ ان کا یہ فعل ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے رکھے تا کہ اس کے منہ میں پہنچ جائے اور وہ پانی کبھی اس تک نہیں پہنچے گا اور کافروں کی چیخ و پکار ہمیشہ رائیگاں جاتی ہے۔

آیت كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ (الرعد:۱۵) کا مفہوم ابو عبیدہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ اس غرض سے ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہے لِيَقْبِضَ عَلَى الْمَاءِ کہ پانی کو حاصل کرے۔ وَ مَا هُوَ بِبَالِغِهٖ اور وہ اس کے منہ میں نہیں پہنچتا۔ اس مفہوم کو واضح کرنے کے لئے ضابئ بن حارث کے قول کا حوالہ دیا ہے:

وَإِنِّي وَإِيَّاكُمْ وَشَوْقًا إِلَيْكُمْ كَقَابِضِ مَاءٍ لَمْ تُسِقْهُ أَنَامِلُهُ

یعنی میری اور تمہاری مثال اس شوق میں جو مجھے تمہارے متعلق ہے، اس انسان کی سی ہے جو پانی حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی انگلیاں پانی پہنچانے پر قادر نہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۷۲، ۴۷۳)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک انسان کسی چیز کے حاصل کرنے کے لئے صحیح کوشش نہیں کرتا اس پر کامیاب نہیں ہوتا۔ یاد رہے کہ پانی کی مثال اس لئے دی گئی ہے کہ یہ منبع حیات ہے۔ زندگی کا اس پر دارومدار ہے اور خدا تعالیٰ سے اتصال میں بھی انسان کی زندگی ہے۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ سرچشمہ حیات ہے۔ پوری آیت یہ ہے: لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ

بِبَالِغِهٖ ؕ وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ○ (الرعد:۱۵) اسی کو پکارنا برحق ہے (ایسی پکار ہے جو نہیں ٹلتی) اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دیتے۔ ان کا یہ فعل ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے رکھے تاکہ اس کے منہ میں پہنچ جائے اور وہ پانی کبھی اس تک نہیں پہنچے گا اور کافروں کی چیخ و پکار ہمیشہ رائیگاں جاتی ہے۔ یہاں مشرکین کی غیر اللہ کو پکارنے کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے کہ وہ رائیگاں جاتی ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهٗ مُتَجَاوِرَاتٌ...: ابوعبیدہؒ نے سورۂ رعد کی آیات ۳ تا ۷ کی تشریح بیان کرتے ہوئے وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ کے معنی مُتَدَانِيَاتٌ نقل کئے ہیں۔[۱] یعنی ایک دوسرے کے قریب قریب قطعات واقع ہیں۔ اور سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ میں لفظ سَخَّرَ کے معنی ذَلَّلَ بتائے ہیں۔ یعنی اس نے سورج و چاند وغیرہ کو مطیع بنایا، خدمت میں لگا دیا۔ جیسا کہ سورۂ ملک کی آیت نمبر ۱۶ میں لفظ تسخیر کے انہی معنوں میں زمین کو ذَلُوْلًا کہا گیا ہے۔ فرماتا ہے: هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا یعنی وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے مطیع بنایا، جو خدمت کر رہی ہے۔ پھر سورۂ رعد کی آیت نمبر ۷ وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ[۲] میں اَلْمَثُلٰتُ جمع ہیں مَثُلَةٌ کی۔ وَهِيَ الْأَشْبَاهُ وَالْأَمْثَالُ۔ یعنی یہ مشابہ امثال ہیں، مراد نمونہ ہائے عبرت ہیں۔ مُثْلَةٌ اسے بھی کہتے ہیں جس کے ناک، کان، ہاتھ اور پاؤں بطور سزا کٹے ہوں تا لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ○ (یونس:۱۰۲، ۱۰۳) کہو: آسمانوں اور زمین میں دیکھو اور غور کرو (کہ کیا کچھ ہو رہا ہے) اور نشانات اور ڈرانے والی خبریں ان لوگوں کو فائدہ نہیں دیتیں جو ایمان نہ لائیں۔ تو پھر وہ کیا یہی انتظار کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے ایام دیکھیں جو ان سے پہلے گزر چکے؟ کہو اچھا (پھر انہی کے نمونہ کا) انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

بِمِقْدَارٍ: بِقَدَرٍ۔ یعنی اندازہ کے ساتھ۔ فرماتا ہے: اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَ مَا تَزْدَادُ ؕ وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ○ (الرعد:۹) اللہ ہی جانتا ہے اسے بھی جو ہر مادہ (اپنے رحم میں) ٹھہراتی ہے اور جسے رحم اُدھورا چھوڑ دیتے ہیں اور جسے وہ بڑھاتے ہیں اور ہر چیز اس کے پاس اندازہ کے مطابق ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ○ (الرعد:۱۰) پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔ بہت بلند مرتبہ اور بڑی شان والا ہے۔ اس آیت میں بلاغت ہے اور الفاظ تَغِيْضُ وَ تَزْدَادُ کے تقابل و تضاد سے معانی میں وسعت پیدا کی گئی ہے۔

اس سورۃ کے آخری باب میں یہ آیت دہرائی گئی ہے جہاں تَغِيْضُ کے معنی ناتمام بتائے گئے ہیں۔ جو مَا تَزْدَادُ

---

[۱] (مجاز القرآن لابی عبیدۃ، تفسیر سورۃ الرّعد، آیت وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ، جزء اول صفحہ ۳۲۲)

[۲] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اور وہ تجھ سے بدی کو بھلائی سے پہلے جلد تر طلب کرتے ہیں جبکہ ان سے پہلے بہت سی عبرتناک مثالیں گزر چکی ہیں۔"

کے تقابل سے مفہوماً واضح ہیں۔ یعنی بعض نطفے بڑھتے بڑھتے پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں اور بعض ناتمام رہتے اور ضائع ہو جاتے ہیں۔ ان کی تکمیل و تنقیص کا دارومدار رحموں کی صلاحیت یا عدم صلاحیت پر ہے۔ یہی حال قوموں کی ہدایت، اصلاح اور ضلالت و گمراہی کا ہے۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ○ (الرعد:۸) [۱] ان کی ہدایت یا ضلالت کا انحصار اس بات پر ہے کہ انہوں نے حق کو کہاں تک قبول یا ردّ کیا ہے۔ یہ مضمون ہے سورۂ رعد کی محولہ آیات کا۔

علامہ طبریؒ نے مِقْدَار کے معنی قتادہؒ سے اَجَلٌ مَّعْلُوْمٌ نقل کئے ہیں۔ [۲] (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۲) یعنی ہر شے ایک مقررہ میعاد تک کام دیتی ہے۔ علامہ عینیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے مِقْدَار کا مفہوم تقدیر الٰہی نقل کیا ہے جس سے کوئی شے آگے پیچھے یا گھٹ بڑھ نہیں سکتی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: كُلُّ شَيْءٍ مِمَّا يَكُوْنُ قَبْلَ أَنْ يَّكُوْنَ وَكُلَّمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (عمدۃ القاری جزء۱۸ صفحہ ۳۱۰) ہر شے وجود میں آنے سے قبل اللہ کی تقدیر میں ہوتی ہے۔ ایسا ہی ہر وہ شے جو قیامت تک آئندہ ہونے والی ہے اس کا بھی تقدیر الٰہی احاطہ کئے ہوئے ہے۔

مُعَقِّبٰتٌ: مَلَائِكَةٌ حَفَظَةٌ۔ حفاظت کرنے والے ملائکہ۔ عَقْبٌ کے معنی ہیں ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔ تَعْقِيْبٌ مصدر سے اسم فاعل مُعَقِّبٌ مذکر ہے اور مُعَقِّبَةٌ مؤنث ہے اور اسی سے فَعِيْل وزن پر عَقِيْبٌ ہے یعنی پیرو۔ مُعَقِّبُونَ جمع مذکر اور مُعَقِّبَات جمع مؤنث ہے۔ فرماتا ہے: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ○ (الرعد:۱۲) اس (رسول کے) آگے اور پیچھے پے درپے (ملائکہ کی ایک جماعت) ہے جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ کبھی بھی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے نفسوں میں تبدیلی نہ کرے۔ اور جب اللہ کسی قوم کی سزا کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سزا کو ہٹانے والا کوئی نہیں ہوتا اور نہ اس کے مقابل ان کا کوئی مددگار ہوتا ہے۔

اَلْمِحَالِ: اَلْعُقُوْبَةُ- یہ معنی ابوعبیدہؒ سے مروی ہیں [۳] اور بسند ابن ابی نجیح - مجاہدؒ سے شَدِيْدُ الْمِحَالِ کے معنی شَدِيْدُ الْقُوَّةِ (زبردست) مروی ہیں۔ قتادہؒ اور سدی سے بھی یہی مروی ہیں۔ مَحْلٌ کے معنی مکر اور حیلہ ہیں لیکن وہ مکر نہیں جو اُردو میں استعمال ہوتا ہے بلکہ تدبیر کے معنوں میں، فرماتا ہے: وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَ هُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ○ (الرعد:۱۴) بادل کی کڑک، اس کی حمد کے ساتھ ساتھ اس کی پاکیزگی کا اظہار بھی کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے یہی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور وہ بجلیاں گراتا ہے۔ ان کے ذریعہ سے پھر جس کو چاہتا ہے نفع و نقصان دیتا ہے اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں بحالیکہ وہ نہایت قوی ہے۔ امام ابن حجرؒ نے یہ حوالے نقل کرنے کے بعد

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''یقیناً تُو محض ایک ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لئے ایک راہنما ہوتا ہے۔''

[۲] (جامع البیان للطبری، تفسیر سورۃ الرّعد، آیت وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ، جزء۱۳ صفحہ ۴۵۲)

[۳] (مجاز القرآن لابی عبیدۃ، تفسیر سورۃ الرّعد، آیت وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ، جزء اول صفحہ ۳۲۵)

لکھا ہے مِحَال میم کی زیر کے ساتھ اصل میں قوت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مکر اور حیلہ کا معنی ضمنی ہے۔ بعض نے مِحَال کو حِیْلَة سے مشتق بیان کیا ہے۔ اُن کے نزدیک میم زائدہ ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۲)

رَابِيًا: رَبَا، يَرْبُو، رَبْوًا سے اسم فاعل ہے۔ اِنْتَفَخَ یعنی پھول کر اُوپر آ گیا۔ زَبَدًا رَّابِيًا: جھاگ جو سطح آب پر اُبھر آئے۔ دنیا کی پونجی بھی جھاگ کی طرح ہے۔ فائدہ اٹھانے کے بعد زائل ہو جاتی ہے۔ پوری آیت یہ ہے: اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَ الْبَاطِلَ ؕ۬ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ○ (الرعد:۱۸) اس نے آسمان سے پانی اتارا ہے جس سے کئی وادیاں اپنے اپنے اندازہ کے مطابق بہہ پڑیں اور سیلاب نے اوپر آجانے والی جھاگ کو اٹھالیا اور ویسی ہی جھاگ ان چیزوں سے بھی پیدا ہوتی ہے جنہیں زیور یا کوئی اور سامان بنانے کی غرض سے آگ میں تپاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان کرتا ہے۔ جو جھاگ ہوتی ہے تو وہ خشک ہو جاتی ہے اور جو لوگوں کو نفع دیتا ہے تو وہ زمین میں ٹھہرے رہتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے (کہ حق و باطل کے درمیان فرق معلوم ہو)۔

جُفَآءً: کہتے ہیں جَفَا الْوَادِي وَأَجْفَى - نَشَفَ۔ یعنی خشک ہو گئی۔ اور کہتے ہیں: أَجْفَأَتِ الْقِدْرَ - ہانڈی نے اُبلتے وقت جھاگ پھینک دی اور ساکن ہو گئی۔ یعنی اس کا جوش و خروش جاتا رہا اور جھاگ رائیگاں گئی۔ حق و باطل کی بھی یہی مثال ہے کہ باطل حق کے مقابلہ میں جوش و خروش دکھاتا ہے لیکن جلد ہی اس کا جوش و خروش جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ رؤبہ بن عجاج نے آیت فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً کو اس طرح بھی پڑھا ہے: فَيَذْهَبُ جُفَالًا۔ کہتے ہیں: أَجْفَلَتِ الرِّيحُ الْغَيْمَ إِذَا قَطَعَتْهُ کہ ہوا نے بادل کو ٹکڑے کر کے بکھیر دیا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۳)

علامہ عینیؒ کے نزدیک مذکورہ بالا مثال سے مراد یہ ہے کہ جھاگ باقی رہ جاتی ہے جو زمین کی زرخیزی میں کار آمد ہوتی ہے۔ یہی حال حق کا ہے کہ وہ نفع بخش ہونے کی وجہ سے دنیا میں باقی رہتا ہے لیکن باطل کو اس کے مقابلہ میں کوئی پائیداری نہیں۔ (عمدۃ القاری جزء۱۸ صفحہ ۳۱۱) غرض آیت میں تین مثالیں دی گئی ہیں۔ ایک مثال سیلاب کے جھاگ کی جو زرخیزی میں ممد ہوتی ہے۔ دوسری مثال سونا چاندی اور دیگر دھاتوں سے سامان بنانے میں جو تلچھٹ باقی رہتی ہے وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ تیسری مثال ہانڈی کے ابال کی۔ ان تینوں مثالوں سے حق و باطل کے مابین فرق نمایاں کیا گیا ہے۔

الْمِهَادُ: الْفِرَاشُ: بچھونا، گہوارہ۔ ابوعبیدہؒ نے یہ معنی کئے ہیں۔[۱] جس آیت میں یہ لفظ آیا ہے وہ یہ ہے: لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؔ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَا فْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ (الرعد:۱۹) جن لوگوں نے اپنے ربّ کی بات مانی ان کے لئے بہترین بدلہ ہے اور جنہوں نے اس کا کہا نہیں مانا (ان کی یہ حالت ہو گی کہ) جو کچھ بھی زمین میں ہے اگر

[۱] (مجاز القرآن، تفسیر سورۃ الرّعد، آیت لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى، جزء اول صفحہ ۳۲۹)

سب ان کا ہو جائے اور اس کے برابر اتنا اور بھی تو یہ سب مال عذاب سے بچنے کے لئے بطور فدیہ دے دیں (تو بھی نہ بچ سکیں گے) یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا حساب نہایت بُرا ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت ہی بُری قرار گاہ ہے۔

يَدْرَءُوْنَ: يَدْفَعُونَ- ہٹاتے ہیں، دور کرتے ہیں۔ دَرَأْتُهُ عَنِّي- دَفَعْتُهُ عَنِّيْ: میں نے اسے اپنے سے ہٹایا، دور کیا۔ یہ معنی بھی ابوعبیدہؒ سے منقول ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۳) پوری آیت یہ ہے: وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ○ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ○ (الرعد: ۲۲، ۲۳) اور وہ لوگ جو اُن تعلقات کو قائم کرتے ہیں جن کے قائم کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اپنے ربّ کا پاس رکھتے ہیں اور بُرے دن سے ڈرتے ہیں۔ اور جنہوں نے اپنے ربّ کی رضاجوئی میں ثابت قدمی سے کام لیا اور نماز سنوار کر ادا کی اور جو ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے چھپا کر اور کھلے طور پر خرچ کیا اور نیکی کے ذریعہ سے بدی کو دور کرتے رہتے ہیں۔ انہیں کے لئے انجام کار بہترین رہائش گاہ مقدر ہے۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ: یعنی وہ سلامتی کی دعا دیتے ہیں۔ اس سے پہلے لفظ يَقُوْلُوْنَ محذوف بیان کیا جاتا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ○ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ○ (الرعد: ۲۴، ۲۵) مستقل رہائش کے باغات ہوں گے جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادوں اور ان کی بیویوں اور ان کی نسلوں میں سے وہ بھی داخل ہوں گے جنہوں نے نیکی اختیار کی اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔ (کہیں گے) تم پر سلامتی ہو۔ کیونکہ تم ثابت قدم رہے سو کیا ہی اچھا عاقبت کا گھر ہے۔

لفظ قَوْل کا حذف دوسری جگہوں میں بھی بیان ہوا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے: وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ○ (السجدة: ۱۳) اور اگر تو (وہ حالت دیکھے) کہ جب مجرم اپنے ربّ کے سامنے سر ڈالے کھڑے ہوں گے۔ (کہہ رہے ہوں گے کہ) اے ہمارے ربّ! ہم نے جو کچھ تو نے کہا تھا دیکھ لیا اور سن لیا۔ پس تو واپس لوٹا کہ ہم (تیرے حکم کے مطابق) نیک عمل کریں۔ (اب) ہم (تیری بات پر) پوری طرح یقین کر چکے ہیں۔

اس آیت میں رَبَّنَآ سے پہلے يَقُوْلُوْنَ یا قَائِلِيْنَ محذوف بیان کیا جاتا ہے جس کا پتہ سیاق کلام سے چل جاتا ہے۔ سابقہ آیت میں لفظ قَوْل بصیغہ حال بھی ہوسکتا ہے۔ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ (قَائِلِيْنَ) سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ، اور دوسری آیت میں يَقُوْلُوْنَ بصیغہ مضارع۔ آیت بِمَا صَبَرْتُمْ میں ما مصدریہ ہے جو فعل ماضی کو مصدر کے معنی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ یعنی بِصَبْرِكُمْ- تمہارے صبر کی وجہ سے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۳)

وَ اِلَيْهِ مَاٰبِ- تَوْبَتِيْ: یعنی اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔ بخاری کے بعض نسخوں میں لفظ مَاٰبِ کی بجائے مَتَابِ ہے۔ مَتَابِ مصدر تَابَ يَتُوْبُ سے ہے۔ پوری آیت یہ ہے: كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ

اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاْ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ○ (الرعد:۳۱) اِسی (قسم کا انجام پانے کے) لئے ہم نے تجھے ایک ایسی قوم میں بھیجا ہے جس سے پہلے کئی اُمتیں گزر چکی ہیں تا کہ تو ان لوگوں پر وہ کلام پڑھ کر سنائے جو ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے۔ بحالیکہ وہ رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں۔ تو کہہ وہ میرا ربّ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

اَفَلَمْ يَايْئَسِ: أَفَلَمْ يَتَبَيَّنْ کیا ابھی تک ظاہر نہیں ہوا یا نہیں کھلا؟ ابوعبیدہؒ نے اس فقرے کا مفہوم أَفَلَمْ يَعْلَمْ وَيَتَبَيَّنْ بیان کیا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۳) یعنی ابھی تک انہیں علم نہیں ہوا یا اُن پر بات واضح نہیں ہوئی۔ علم کے معنوں میں لفظ يَايْئَسِ اس آیت میں آیا ہے: وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (الرعد:۳۲) اور اگر کوئی ایسا قرآن ہو جس کے ذریعے سے (بطور نشان) پہاڑوں کو ان کی جگہوں سے ہٹا کر چلایا جائے یا اس کے ذریعہ سے زمین ٹکڑے ٹکڑے کر دی جائے یا اس کے ذریعہ سے مُردوں سے باتیں کرنے لگیں (تو کیا یہ لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے؟) ہرگز نہیں، بلکہ ایمان لانے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا جو ایمان لائے ہیں ابھی تک انہیں علم نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔ جن لوگوں نے انکار کیا ہے انہیں ہمیشہ ہی ان کے عمل کی وجہ سے کوئی نہ کوئی سخت آفت پہنچتی رہے گی یا ان کے گھر کے قریب مصیبت نازل ہوتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا آخری وعدہ آجائے۔ اللہ اس وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔ (یعنی کامل فتح و غلبہ)

علامہ طبریؒ نے يَئِسْتُ بمعنی عَلِمْتُ قبیلہ ہوازن کی زبان بتائی ہے۔ بعض اور قبائل میں بھی يَأْس بمعنی علم بولا جاتا تھا۔ سحیم یربوعی کا قول ہے: أَلَمْ تَيْأَسُوْا أَنِّي ابْنُ فَارِسِ زَهْدَمٍ أَيْ لَمْ تُبَيِّنُوْا۔ کیا تمہیں ابھی تک پورے طور پر علم نہیں ہوا کہ میں سالار زہدم کا بیٹا ہوں۔ اور امام ابن حجرؒ نے ایک اور شاعر کا قول انہی معنوں میں نقل کیا ہے:

أَلَمْ يَيْأَسِ الْأَقْوَامُ أَنِّي أَنَا ابْنُهُ وَإِنْ كُنْتُ عَنْ أَرْضِ الْعَشِيْرَةِ نَائِيًا

کیا ابھی تک قوموں کو علم نہیں ہوا کہ میں ہی اس کا بیٹا ہوں۔ گو میں قبیلے کے ملک سے بعید ہوں (لیکن بوجہ شہرت چھپ نہیں سکتا۔)

فراء ادیب نے لفظ يَيْأَس کا یہ مفہوم اوپرا سمجھنے کے باوجود مذکورہ بالا آیت میں يَيْأَس کا معنی علم تسلیم کیا ہے اور یہ توجیہہ کی ہے کہ مایوسی علم کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مایوس وہی ہوتا ہے جو علم رکھتا ہو کہ فلاں بات نہیں ہوگی۔ مجاہدؒ اور قتادہؒ نے اَفَلَمْ يَايْئَسِ کے معنی اَفَلَمْ يَعْلَمْ ہی کئے ہیں اور طبریؒ اور عبد بن حمید نے حضرت ابن عباسؓ سے اعلیٰ پائے کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ وہ کبھی اَفَلَمْ يَايْئَسِ کی جگہ أَفَلَمْ يَتَبَيَّنْ بھی پڑھا کرتے تھے، مگر معلوم ہوتا

ہے کہ وہ یہ طریق سامعین کو توجہ دلانے کی غرض سے کیا کرتے تھے کہ یہاں اس لفظ کے معنی مایوسی کے نہیں۔ ابن کثیر وغیرہ کا خیال ہے کہ پہلی قراءت یہی تھی اور اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ قراءت بعد کی ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ، عکرمہ، ابن ابی ملیکہؒ، علی بن بدیمہؒ، ابن حوشب، علی بن حسین اور ان کے بیٹے زید اور پوتے جعفر بن محمد سے یہ قراءت مروی ہے۔ لیکن طبریؒ والی مذکورہ بالا روایت اَفَلَمْ يَتَبَيَّنْ کی صحت سے متعلق بعض نے شدت سے انکار کیا ہے جن میں علامہ زمخشریؒ بھی ہیں۔ ان سے یہ الفاظ مروی ہیں: وَهِيَ وَاللّٰهِ فِرْيَةٌ مَا فِيهَا مِرْيَةٌ- بخدا یہ ایسا افتراء ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اور ایک بڑی جماعت ان کے ہم خیال ہے۔ امام ابن حجرؒ نے تکذیب کا طریق ناپسند کیا ہے اور مشورہ دیا ہے کہ ایسی صورت میں تاویل کی راہ مناسب ہے۔ جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے کہ لفظ کے اصل معنی کی طرف توجہ دلانے کے لئے مترادف الفاظ اختیار کئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ۔ (بنی اسرائیل:۲۴) یعنی تیرے ربّ نے (اس بات کا) تاکیدی حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ پڑھتے وقت انہوں نے قَضٰى کی جگہ وَصّٰى بھی پڑھا اور بتایا کہ یہاں قَضٰى بمعنی فیصلہ نہیں بلکہ تاکیدی حکم ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۳، ۴۷۴)

قَارِعَةٌ کا معنی دَاهِيَةٌ یعنی تباہ کن ناگہانی مصیبت۔ یہ معنی ابوعبیدہؒ سے مروی ہیں۔ یہ لفظ سورۂ رعد آیت نمبر ۳۲ میں آیا ہے۔ کہتے ہیں: قَرَعْتُ عَظْمَهٗ- میں نے اس کی ہڈی توڑ دی۔ بعض نے لفظ قَارِعَةٌ سے سَرِيَّةٌ مراد لی ہے۔ یعنی حملہ آور دستہ فوج جو دشمن کی بیخ و بن اکھاڑ دے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۴)

فَاَمْلَيْتُ: أَطَلْتُ- میں نے مہلت دی، ڈھیل دی۔ مصدر مَلِيٌّ وَمِلَاوَةٌ ہے۔ اسی سے مَلِيًّا ہے بمعنی سہولت و وسعت۔ لمبے چوڑے قطعہ زمین کو بھی مَلًى کہتے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۴) فرماتا ہے: وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ○ (الرعد:۳۳) اور تجھ سے پہلے رسولوں سے (بھی) استہزاء کی گیا تھا جس پر میں نے اُن لوگوں کو جنہوں نے انکار کیا تھا (کچھ عرصہ تک کے لیے) ڈھیل دی۔ پھر میں نے اُن کو تباہ کر دیا۔ اب دیکھو میری سزا کیسی (سخت) تھی۔

مُعَقِّب: مُغَيِّرٌ- تبدیل کرنے والا۔ فرماتا ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ (الرعد:۴۲) اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ملک کو اس کے تمام اطراف سے کم کرتے چلے آ رہے ہیں؟ اور اللہ فیصلہ کرے گا، کوئی اس کے فیصلہ کو تبدیل کرنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مُتَجَاوِرَاتٌ طَيِّبُهَا وَخَبِيثُهَا السِّبَاخُ: اچھے اور ردّی شورہ زمین کے ٹکڑے جو پاس پاس واقع ہوں۔ مُتَجَاوِرَاتٌ کے معنی مع متعلقہ آیت ابھی گزر چکے ہیں۔ آیت کی یہ شرح فریابی نے ابن ابی نجیح کی سند سے موصولاً نقل کی ہے۔ یعنی زمین میں کئی قسم کے ٹکڑے قریب قریب ایک دوسرے سے ملے ہوئے واقع ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض زرخیز اور بعض ردّی شورہ۔ طبریؒ نے بھی مجاہدؒ سے آیت کا یہی مفہوم نقل کیا ہے اور بسند

ابو سنان حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ اچھی اور ردّی زمین مراد ہے۔ تُنْبِتُ هَذِهِ وَهَذِهِ إِلَى جَنْبِهَا لَا تُنْبِتُ ایک اُگاتی ہے اور دوسری جو اُس کے ساتھ ہی ہے نہیں اُگاتی۔ ایک اور سند سے ان کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں: تَكُونُ هَذِهِ حُلْوَةٌ وَهَذِهِ حَامِضَةٌ وَتُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَهُنَّ مُتَجَاوِرَاتٌ- باوجود یہ کہ ایک ہی پانی سے سیراب ہوتی ہیں اور قریب قریب واقع ہیں ان میں سے ایک شیریں ہے اور دوسری کھاری۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۴، ۴۷۵)

صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ: يعني مُجْتَمِعٌ وَغَيْرُ مُجْتَمِعٍ- بعض کھجوریں ایک ہی جڑ سے پھوٹتی ہیں اور اکٹھی ہوتی ہیں اور بعض الگ الگ جڑوں سے۔ یہ معنی طبریؒ نے بسند سعید بن جبیر نقل کئے ہیں۔ نیز بسند سعید بن منصور حضرت براء بن عازبؓ سے صِنْوَانٌ کے معنی یک بیخ کھجوریں جن کے تنے اور شاخیں ایک ہی جگہ سے پھوٹیں اور غَيْرُ صِنْوَانٍ الگ تھلگ اگنے والی کھجوریں۔ صِنْوٌ کے اصل معنی مِثْلٌ کے ہیں۔ یعنی ایک جیسی، ایک دوسرے کی مانند۔ کہتے ہیں: عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيهِ لِأَنَّهُمَا يَجْمَعُهُمَا أَصْلٌ وَاحِدٌ- آدمی کا چچا اس کے باپ کی مانند ہے۔ کیونکہ ان دونوں کو ایک ہی اصل اکٹھا کرتا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۵)

علامہ عینی نے حسن بصریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں صالح انسان کی مثال بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنے اصل سے تعلق پکڑتا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی سرشت اور خوبو نہیں چھوڑتا۔ جبکہ غیر صالح ان سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اور نرالہ رنگ وروپ رکھتا ہے۔ بحالیکہ دونوں کی زندگی کا دارومدار آسمانی آب حیات پر ہے۔ (عمدۃ القاری جزء۱۸ صفحہ ۳۱۲)

السَّحَابَ الثِّقَالَ: الَّذِي فِيهِ الْمَاءُ- بوجھل بادل جن میں پانی ہو۔ فریابی ہی نے مجاہد سے یہ مفہوم نقل کیا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۵) فرماتا ہے: هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ○ (الرعد:۱۳) وہی ہے جو تمہیں بجلی (کی چمک) دکھاتا ہے۔ خوف کے لیے (بھی) اور طمع کے لیے (بھی) اور بھاری بادل اٹھاتا ہے۔

كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ: يَدْعُو الْمَاءَ بِلِسَانِهِ وَيُشِيرُ إِلَيْهِ بِيَدِهِ فَلَا يَأْتِيهِ أَبَدًا: اس شخص کی مانند جس نے اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہیں یعنی اپنی زبان سے پانی کو بلا رہا ہے اور اپنے ہاتھ سے اسے اشارہ کر رہا ہے کہ میرے پاس آ مگر وہ اس کے پاس کبھی نہیں آتا۔ اس آیت کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔ فریابی اور طبریؒ نے مجاہد سے ان الفاظ آیت کا مفہوم نقل کیا ہے جو سابقہ مفہوم سے مختلف نہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۵)

فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا: بادل تمام وادیوں کو ان کی وسعت کے مطابق بھر دیتے ہیں جس سے وہ بہنے لگیں۔ زَبَدًا رَّابِيًا ان پر جھاگ اٹھی ہوئی ہوتی ہے جو زمین کے لئے کھاد کا کام دیتی ہے۔ فریابی نے زَبَدٌ سے مراد سیلاب لیا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَ الْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ○ (الرعد:۱۸) اس نے

آسمان سے کچھ پانی اُتارا۔ پھر (اُس سے) کئی وادیاں اپنی (اپنی) گنجائش کے مطابق بہ نکلیں اور اس سیلاب نے اُوپر آجانے والی جھاگ کو اٹھالیا اور جس (دھات) کو وہ کسی زیور یا اَور کسی گھریلو استعمال کے سامان بنانے کے لئے آگ میں تپاتے ہیں اس میں (بھی) اس (سیلاب) جیسا ایک جھاگ (ہوتا) ہے۔ اسی طرح اللہ حق اور باطل (کے فرق) کو بیان کرتا ہے۔ پھر جھاگ تو پھینکا جا کر تباہ ہو جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کو نفع دینے والی ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے۔ اللہ تمام باتوں کو اسی طرح (کھول کر) بیان کرتا ہے۔ اس آیت میں ایک ہی لفظ زَبَدٌ دو متضاد مفہوم میں آیا ہے۔ ایک مثال میں سیلاب مع جھاگ اور دوسری مثال میں چاندی سونے وغیرہ کی میل جو زیور یا کوئی اور سامان بناتے وقت تلچھٹ کی صورت میں پھینکی جاتی ہے۔ تین مثالوں سے حق و باطل کا فرق سمجھایا گیا ہے۔ پانی زرخیز زمین میں ٹھہرتا اور نفع دیتا ہے اور ناکارہ زمین سے خشک ہو کر غائب ہو جاتا ہے۔

بَاب ۱ : اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ (الرعد:۹)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اللہ (خوب) جانتا ہے اُسے (بھی) جو ہر مادہ اُٹھاتی ہے اور جسے رحم ناقص کر (کے گرا) دیتے ہیں۔ اور (اسے بھی) جسے وہ بڑھاتے ہیں۔ اور ہر ایک چیز اس کے پاس ضرورت کے مطابق موجود ہے

غِيضَ نُقِصَ.

غِیضَ کے معنی ہیں گھٹ گیا، کم ہوا۔

٤٦٩٧ : حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللهُ لَا يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ إِلَّا اللهُ وَلَا يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ إِلَّا اللهُ وَلَا يَعْلَمُ مَتَى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلَّا اللهُ وَلَا تَدْرِىْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ (لقمان:۳۵) وَلَا يَعْلَمُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللهُ.

أطرافه: ١٠٣٩، ٤٦٢٧، ٤٧٧٨، ٧٣٧٩-

۴۶۹۷: ابراہیم بن منذر نے مجھے بتایا کہ معن نے ہم سے بیان کیا، کہا: مالک نے مجھے بتایا۔ انہوں نے عبد اللہ بن دینار سے، عبد اللہ بن دینار نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیب کی چابیاں پانچ ہیں جنہیں کوئی نہیں جانتا مگر اللہ ہی۔ کوئی نہیں جانتا کہ کل کو کیا ہوگا مگر اللہ ہی، اور کوئی نہیں جانتا کہ رحم کیا کچھ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں مگر اللہ ہی، اور کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی مگر اللہ ہی، اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا مگر اللہ ہی، اور کوئی نہیں جانتا کہ گھڑی کب برپا ہو گی مگر اللہ ہی۔

تشریح: اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ: باب کا عنوان سورۂ رعد کی نویں آیت سے قائم کیا گیا ہے جو مع ترجمہ پہلے نقل کی جاچکی ہے اور روایت نمبر ۴۶۹۷ میں علم الٰہی سے متعلق پانچ باتیں بتائی گئی ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور اکلید قرار دیا ہے۔ یعنی وہ ایسے راز ہیں کہ جنہیں جب تک اللہ تعالیٰ نہ کھولے کوئی نہیں جانتا۔ ان میں سے ایک بات مستقبل کا علم، دوسری بات مشیمۂ رحم میں جو کمی بیشی ہورہی ہے، بچے کی تکوین میں کیا کیا مؤثرات اثر انداز ہیں اور وہ کس شکل میں آئندہ نمایاں ہوں گے۔ تیسری بات بارش کب نازل ہوگی۔ چوتھی بات موت کا علم کسی نفس کو نہیں کہ وہ کس جگہ واقع ہوگی۔ پانچویں بات قیامت یا تباہی کی گھڑی کب واقع ہوگی۔ غیب کی یہ پانچوں باتیں علم الٰہی میں ہیں۔ ان میں سے جو باتیں جتنی جتنی اللہ تعالیٰ کسی کے لئے کھولتا ہے اتنا ہی اسے علم ہوتا ہے۔ مثلاً فضائے آسمانی کے طبعی تغیرات معلوم کرنے کے لئے آلات بنائے جاچکے ہیں اور ان کے ذریعہ معلوم ہوجاتا ہے کہ فلاں جگہ فلاں وقت بارش ہوگی۔ قدیم زمانے میں صحرائے عرب کے باشندے ہواؤں کی خنکی و کثافت اور اُن کے چلنے کی سمت سے اندازہ کرلیا کرتے تھے کہ برسات ہونے والی ہے۔ حدیث کا مفہوم اس قدر ہے کہ مذکورہ بالا غیب کی باتوں کے لئے کچھ اکلیدیں ہیں۔ جب اُن چابیوں میں سے کوئی چابی انسان کو ملتی ہے تو وہ اس کے ذریعہ سربستہ راز معلوم کرنے کی قدرت حاصل کرلیتا ہے۔ آیت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ انسان کو مثلاً کل ہونے والی بات کا علم قطعاً نہیں دیا جاتا۔ بحالیکہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے اور مشہور ہے کہ حوادث کا بھی سایہ ہوتا ہے جس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ فلاں بات ہونے والی ہے۔ اس کا اس غیب دانی سے کوئی تعلق نہیں جو حدیث کا موضوع ہے بلکہ رویاء صالحہ، مکاشفہ اور وحی کے ذریعہ سے اسے آئندہ کا علم ہوجاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ دجال سے متعلق جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ حیرت انگیز ہیں اور آپؐ کی وسعت علم و نظر اور دوراز قیاس و فکر، آپؐ کے روحانی مشاہدات پر بین اور ناقابل انکار شہادت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر:۳۰) انسان میں اپنی روح پھونکی ہے اور اسے اپنے صفات سے متصف کرکے تمام دیگر مخلوقات سے ممتاز کیا ہے اور اس کے اس امتیاز کا طبعی تقاضا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے علم و قدرت وغیرہ سے بہرہ ور ہو۔

حدیث نبوی کا یہ مفہوم نہیں کہ انسان مذکورہ بالا باتوں کا علم حاصل نہیں کرسکتا۔ بلکہ لفظ مَفَاتِيْحِ دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسرار کائنات کے معلوم کرنے کے لئے چابیاں رکھی ہیں جن کے ذریعہ سے وہ معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ (البقرۃ:۲۵۶) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) اسی کا ہے۔ کون ہے جو اُس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور میں سفارش کرے۔ جو کچھ اُن کے سامنے ہے اور جو

کچھ ان کے پیچھے ہے وہ (سب ہی کچھ) جانتا ہے۔ اور وہ اُس کی مرضی کے سوا اُس کے علم کے کسی حصہ کو (بھی) پا نہیں سکتے۔ اس کا علم آسمانوں پر (بھی) اور زمین پر (بھی) حاوی ہے۔ اور ان کی حفاظت اسے تھکاتی نہیں۔ اور وہ بلند شان (رکھنے) والا (اور) عظمت والا ہے۔

تورات میں جو یہ مذکور ہے: ”اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔“ (پیدائش باب ۱:۲۷) اس سے یہی حقیقت تکوین مراد ہے جو ایک طرف روحانی طور پر انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ نمایاں ہو رہی ہے اور دوسری طرف انسان کے مادی ذرائع جدوجہد سے پایہ تکمیل کی طرف حرکت میں ہے۔ دونوں قسم کی تحریکیں مشیئت ربانی کی بروز اور ارادہ الٰہی کے تحت ظہور پذیر ہیں۔

علامہ عینیؒ نے بسند سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن دینار کا قول نقل کیا ہے کہ انسان کو تو بہت سی باتوں کا علم نہیں۔ پھر علم غیب کی بے شمار باتوں میں سے صرف پانچ باتوں کی تخصیص کیوں؟ اس سوال کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ مشرکین عرب کا یہ اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اِن مذکورہ بالا پانچ باتوں کا علم ان کے دیوتاؤں، کاہنوں اور جوتشیوں کو بھی ہے، اس کی نفی کی گئی ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان پانچ باتوں کی بابت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص طور پر دریافت کیا گیا ہو۔ ورنہ صرف پانچ باتوں کے ذکر سے تعداد کے بارہ میں استدلال درست نہیں۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۸ صفحہ ۳۱۳) اور حضرت حسن بصریؒ کا قول گزشتہ تشریح میں گزر چکا ہے کہ صالح شخص اپنے اصل سے تعلق پکڑتا اور اس کا روپ دھارتا ہے۔

سورۂ رعد کی جس آیت سے عنوان باب قائم کیا گیا ہے وہ یہ ہے: اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ○ (الرعد:۹) اللہ (خوب) جانتا ہے اُسے (بھی) جو ہر مادہ اُٹھاتی ہے اور جسے رحم ناقص کر (کے گرا) دیتے ہیں، اور (اسے بھی) جسے وہ بڑھاتے ہیں۔ اور ہر ایک چیز اس کے پاس ضرورت کے مطابق موجود ہے۔ لفظ بِمِقْدَارٍ کی تشریح کے تعلق میں یہ آیت گزر چکی ہے۔ عبداللہ بن دینار کا قیاس صحیح معلوم ہوتا ہے۔ نہ صرف گزشتہ زمانوں ہی میں مشرکین عرب و عجم دیوتاؤں، کاہنوں اور جوتشیوں کی غیب دانی کا عقیدہ رکھتے تھے بلکہ ہمارے اس ترقی یافتہ زمانہ میں بھی علم و عرفان کا دعویٰ کرنے والی قوموں کی ذہنی پستی مشرک اور جاہل اقوام کے ذہنی اُفق سے بلند نہیں ہوئی ہے۔ مشرق و مغرب کے اخبارات میں آج کل چرچا ہے کہ ہیئت دانوں اور جوتشیوں کے علم نجوم نے معلوم کیا ہے کہ قیامت کی گھڑی ۵ فروری ۱۹۶۲ء کو قائم ہوگی۔ اس دن ساری دنیا کی تباہی ہے اور اس قیامت کے ظہور کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ اس دن آٹھ سیارے برج جدی میں اکٹھے ہوں گے۔ جوتشیوں اور ہیئت دانوں کی اسی پیشگوئی سے نہ صرف ہندوستان میں سخت تشویش پھیل گئی بلکہ برٹش سوسائٹی کے ایک سو اَرکان ۴ فروری ۱۹۶۲ء کو قیامت کی تباہ کاریوں سے دنیا کو بچانے کے لئے ایک پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ گئے اور ساری رات دعا کرتے رہے اور دوسرے دن انہوں نے اعلان کیا کہ ہم نے دعاؤں سے قیامت

کی گھڑی پھر کئی ماہ کے لئے ٹال دی ہے ورنہ زبردست اندیشہ تھا کہ چاند کے برج جدی میں داخل ہونے سے دنیا میں قیامت برپا ہو جاتی اور سورج گرہن ہونے پر ابھی تک اس خطرے کا امکان ہے اور سوسائٹی کے ارکان انگلستان اور ویلز کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر ابھی تک بیٹھے عبادت اور دعا میں مشغول ہیں۔ اس سوسائٹی کا اپنے متعلق یہ زعم ہے کہ ان کا مریخ اور زہرہ سیاروں کی مخلوق سے روحانی تعلق ہے۔ اس بارے میں خبریں تمام دنیا کے ممالک میں اخبارات کے ذریعے کافی شہرت پاچکی ہیں کہ کسی حوالہ دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ خبر ہر ملک کے اخبارات میں جو گزشتہ دسمبر کے اواخر اور جنوری کے اوائل میں شائع ہوئے ہیں دیکھی جاسکتی ہے۔

اس قسم کی متوہمانہ ذہنیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی مشرک اقوام میں بھی پائی جاتی تھی جس کی اصلاح آپؐ نے یہاں تک فرمائی کہ آج کل بھی مسلمان قومیں باوجود تنزل کے ان مشرکانہ توہمات سے محفوظ ہیں۔

چنانچہ مذکورہ بالا خبروں کے ساتھ مصر، شام، پاکستان اور ایران وغیرہ اسلامی ممالک سے متعلق یہ خوش کن خبر بھی اخبارات میں آچکی ہے کہ وہ پر امید ہیں۔ مصری اور عرب کے ہیئت دانوں نے اعلان کیا ہے کہ انہیں کوئی خطرہ نہیں۔ خطرہ اگر ہے تو بھارت یا یونان، ہندو یا عیسائی ممالک کو ہے جن کی اکثریت مشرک اور اوہام پرست ہے اور وہاں کے لوگ اس دہشتناک خبر سے ہراساں اور ترساں ہیں۔

ان تازہ خبروں سے حدیث زیر باب کے اس پس منظر کی تصدیق ہوتی ہے جس کا ذکر عبداللہ بن دینار نے کیا ہے۔ یہ قیاس ہی نہیں بلکہ امر واقعہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات بارش ہونے پر فرمایا کہ آج بعض لوگوں نے اس حالت میں صبح کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مومن ہیں اور ستاروں کی تاثیرات کے منکر اور بعض اللہ تعالیٰ کے منکر اور ستاروں کے مومن۔[1] غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تعلیم اور تربیت کا مبارک نتیجہ یہ ہے کہ آج تک مسلم قومیں اس مشرکانہ ذہنیت سے محفوظ ہیں۔

السَّاعَة سے قومی تباہی بھی مراد ہوتی ہے۔ (دیکھئے کتاب الایمان، تشریح باب ۳۷، کتاب العلم، تشریح باب ۲۱)

رمالوں، جوتشیوں، کاہنوں اور ہیئت دانوں کی مذکورۃ النوع پیشگوئیوں کے برعکس سرچشمہ وحی الٰہی سے خبر پانے والے انبیاء اور رسل کے تحدی آمیز اعلانات ہیں جو یقینی اور حتمی انذار و تبشیر کی خبروں پر مشتمل ہوتے ہیں اور بالکل مخالفانہ حالات میں غیر متوقع طور پر پورے ہو کر خدا نمائی کا ذریعہ بنتے اور مردہ ایمانوں کو زندہ کر کے بنی نوع انسان کے تزکیہ نفس اور برکات کا موجب ہوتے ہیں۔ طوالت کے خوف سے یہاں صرف دو مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک وہ جو قرآن مجید میں اور تاریخ عالم کی لوح پر محفوظ ہے اور دوسری تازہ مثال جو ہمارے زمانے کے علم و مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے۔

قریش مکہ کی قوت و طاقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کی کمزوری اور بے بسی سے کون

---

[1] (بخاری، کتاب الإستسقاء، باب ۲۸ روایت نمبر ۱۰۳۸)

ناواقف ہوگا۔ اسی حالت ضعف میں آپؐ کو یہ وحی ہوئی: لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ (آل عمران: ۱۱۲) تمہیں یہ ہرگز نقصان نہیں دے سکیں گے سوائے معمولی ایذا دہی کے، اور اگر یہ تم سے جنگ کریں گے تو تمہارے مقابلہ میں پیٹھ پھیر کر راہ فرار اختیار کریں گے۔ پھر انہیں کسی طرف سے بھی مدد نہیں مل سکے گی۔ دوسری جگہ ان کی شکست فاش سے متعلق یہ مختصر سی خبر ہے: اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ○ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ○ (القمر: ۴۵، ۴۶) کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم بہت بڑی جمعیت ہیں جو غالب ہوں گے؟ عنقریب ان کی ساری جمعیت شکست کھا جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ○ (القمر: ۴۷) بلکہ ان کی تباہی کی گھڑی کا وعدہ ہے اور وہ وعدہ کی گھڑی سخت ہلاک کرنے والی اور نہایت تلخ ہوگی۔ ان مجملاً الفاظ میں کتنی بڑی تحدی اور زور ہے اور منفی و مثبت جہت سے اس میں پوری پوری وضاحت ہے کہ یہ کفار اپنی بہت جمعیت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کو نقصان نہیں دے سکیں گے بلکہ خود نہایت بُری طرح شکست کھائیں گے۔ صرف انہی الفاظ پر بس نہیں بلکہ اس موعودہ تباہی کا وقت تک معین کیا گیا ہے کہ وہ رمضان کے مہینہ میں ہوگی اور اس تباہی کے روز فلاں فلاں نشان ظاہر ہوں گے۔ اس نشان دہی کی تفصیل کتاب المغازی میں غزوہ بدر و غزوہ فتح مکہ کے متعلق ابواب میں گزر چکی ہے۔ اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ تاریخ سے واقف اس واقعہ سے متعلق بخوبی علم رکھتے ہیں۔

دوسری مثال جس کا تعلق ہمارے زمانہ سے ہے وہ یہ ہے:

”دنیا میں ایک نذیر آیا، پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔“

(تذکرہ صفحہ ۸۱)

اس نذیر ربانی نے پانچ شدید زلزلہ اُفگن، الٰہی مؤاخذہ اور قہری تجلی سے متعلق مدت ہوئی دنیا کو اطلاع دی اور اُن میں سے ایک زلزلہ کی نسبت یہ نشاندہی کی کہ ”زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار۔“[۱] ۱۹۱۴ء کی پہلی عالمگیر جنگ میں یہ زلزلہ افگن نشان ہم نے اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھا، پھر دوسری عالمگیر جنگ ہوئی جس کی علامت یہ بتائی گئی کہ خون کی ندیاں چلیں گی۔ دوسری جنگ میں تباہ کاری کے اعداد و شمار شائع ہو چکے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱) میدان جنگ میں انسانی جانوں کی ہلاکت .... دو کروڑ نفوس سے زیادہ۔
۲) سول آبادی کا نقصان جان بذریعہ ہوائی حملوں کے .... ڈیڑھ کروڑ عورتیں، بچے اور بوڑھے۔
۳) زخمیوں کی تعداد جن کے ہاتھ پاؤں کٹ گئے اور بالکل بے کار ہو گئے .... تین کروڑ۔
۴) خانہ بربادی کا اندازہ .... اڑھائی کروڑ لوگ گھروں کی بربادی سے بے خانماں ہو گئے۔

---

[۱] (براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۱۵۲)

۵) جلاوطنوں، نظر بندوں اور مہاجرین کی تعداد کا اندازہ........پانچ کروڑ۔
۶) عمارتوں کی بربادی........ تین کروڑ عمارتیں راکھ اور مٹی کا ڈھیر ہو گئیں۔
۷) مابعد جنگ کے اثرات........پندرہ کروڑ افراد بے ملجا وماویٰ قحط زدگی، بھوک اور بیماریوں کا شکار ہوئے۔
۸) اخراجاتِ جنگ کا اندازہ........لڑائی کے صرف چھ گھنٹوں کا خرچ حکومت پاکستان کے سالانہ بجٹ کے برابر اور یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ عرصہ پانچ سال کے اثنا میں جو خرچ برسرپیکار حکومتوں کو برداشت کرنا پڑا ہے اگر وہ دنیا بھر کے ۲۳۰ کروڑ انسانوں میں تقسیم کیا جاتا تو ہر شخص کو تیس تیس ہزار روپے ملتے۔[۱]

تباہ کاری کے مذکورہ بالا اعداد و شمار مسٹر ڈکن وزیر خارجہ یونائیٹڈ اسٹیٹس (ریاست ہائے متحدہ) امریکہ نے جمع کئے ہیں اور اخبار لائف اور نیو ایرا (New Era) میں شائع ہوئے اور روزنامہ تسنیم نے مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۵۶ء اور روزنامہ الفضل نے ۲۵ فروری ۱۹۵۶ء کے پرچہ میں شائع کئے ہیں۔

ان پانچ نمونہ ہائے قہر ربانی زلزلوں میں سے ایک زلزلہ کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ نمونۂ قیامت ہوگا۔ ایسی ہیبت ناک وہ تجلی ہوگی کہ ساری دنیا اس سے لرز جائے گی۔ جب سے یہ دنیا پیدا ہوئی ہے ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی۔ انسانوں کے ہوش و حواس خطا ہو جائیں گے اور لوگوں کی گردنیں اپنے خالق کے سامنے جھک جائیں گی۔ اس ہیبت ناک انذار میں پوری پوری تفصیل ہے۔[۲]

وحی الٰہی کے انذار و تبشیر کا یہ سلسلہ ہوشیار پور کے شہر میں بحالت اعتکاف (چلہ کشی) شروع ہوا اور بذریعہ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو شائع کیا گیا۔ اور اسی سال یکم مارچ کو اخبار ریاض ہند میں بھی چھپا۔ پھر جوں جوں مخالفت بڑھتی چلی گئی یہ سلسلہ اخبار وحی اپنی تفصیلات میں زیادہ سے زیادہ ہوتا چلا گیا جو اَب ایک ضخیم کتاب تذکرہ میں جمع ہیں۔ اور اس انذار و تبشیر کی غرض وغایت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

> ”اب وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ جو سچائی کا آفتاب مغرب سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا...... قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام۔ اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ۔ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے

---

۱ (روزنامہ الفضل ربوہ، ۲۵ فروری ۱۹۵۶ء، صفحہ نمبر ۷، ۸)
۲ (تذکرہ صفحہ ۴۵۴، ۵۵۲، ۵۵۴) (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ حاشیہ صفحہ ۹۶)
(براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۱۵۱، ۱۵۲)
(رسالہ الوصیت، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۱۴، ۳۱۵)

کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں، ملکوں میں پھیلے گی۔ اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کردے گا۔ لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے، بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔'' (تذکرہ صفحہ ۲۴۴)

باب نمبر ا کے تعلق میں علم غیب سے متعلق تازہ نمونہ وحی نہایت اختصار سے پیش کیا گیا ہے تا قارئین کو اس فرق کا علم ہو جو انبیاء اور غیر انبیاء کی خبروں میں پایا جاتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ سورۂ رعد کے ابواب سے اُس اہم مضمون کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے جس کی تشریح اوپر بیان ہو چکی ہے۔

☆☆☆

۱٤ ۔ سُورَةُ إِبْرَاهِيمَ

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هَادٍ(الرعد:۸) دَاعٍ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ صَدِيدٍ(ابراهيم:۱۷) قَيْحٌ وَ دَمٌ. وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ (ابراهيم:۷) أَيَادِيَ اللهِ عِنْدَكُمْ وَأَيَّامَهُ.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: هَادٍ سے مراد ہے داعی (الی اللہ)، اور مجاہدؒ نے کہا: صَدِيدٌ سے مراد ہے پیپ اور خون، اور ابن عیینہ نے کہا: اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ سے مراد ہے: تم اپنے آپ پر (ہونے والے) اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی تائیدات کے واقعات یاد کرو۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ(ابراهيم:۳۵) رَغِبْتُمْ إِلَيْهِ فِيهِ. تَبْغُونَهَا عِوَجًا(آل عمران:۱۰۰) تَلْتَمِسُونَ لَهَا عِوَجًا. وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ (ابراهيم:۸) أَعْلَمَكُمْ، آذَنَكُمْ. رَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ هَذَا مَثَلٌ كَفُّوا عَمَّا أُمِرُوا بِهِ. مَقَامِي (ابراهيم:۱۵) حَيْثُ يُقِيمُهُ اللهُ بَيْنَ يَدَيْهِ. مِنْ وَّرَآئِهِ (ابراهيم:۱۷) قُدَّامِهِ جَهَنَّمُ. لَكُمْ تَبَعًا(ابراهيم:۲۲) وَاحِدُهَا تَابِعٌ، مِثْلُ غَيَبٍ وَغَائِبٍ. بِمُصْرِخِكُمْ (ابراهيم:۲۳) اسْتَصْرَخَنِي اسْتَغَاثَنِي، يَسْتَصْرِخُهُ (القصص:۱۹) مِنَ الصُّرَاخِ. وَلَا خِلَالٌ (ابراهيم:۳۲) مَصْدَرُ خَالَلْتُهُ خِلَالًا، وَيَجُوزُ أَيْضًا جَمْعُ خُلَّةٍ وَخِلَالٍ. اجْتُثَّتْ

اور مجاہدؒ نے کہا: مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ کا مطلب ہے: جس چیز کی بھی خواہش تم نے اس سے کی۔ تَبْغُونَهَا عِوَجًا سے مراد ہے: تم اس راہ میں ٹیڑھا پن اختیار کرنا چاہتے ہو۔ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ سے مراد ہے: جب تمہارے ربّ نے تمہیں آگاہ اور خبر دار کیا۔ رَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ مثال ہے کہ جس بات کا حکم دیئے گئے اس (کو ماننے) سے وہ رُک گئے۔ مَقَامِي سے مراد ہے: جہاں اللہ انہیں اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ مِنْ وَّرَآئِهِ سے مراد ہے: اس کے سامنے جہنم ہوگا۔ لَكُمْ تَبَعًا یعنی تمہارے تابعدار۔ اس کی واحد تَابِعٌ ہے، جیسے غَيَبٌ اور غَائِبٌ۔ بِمُصْرِخِكُمْ سے مراد ہے تمہارا فریادرس۔ اسْتَصْرَخَنِي کے معنی ہیں: اُس نے مجھے مدد کے لیے پکارا۔ يَسْتَصْرِخُهُ، صُرَاخ سے ہے۔ (جس کے معنی ہیں مدد کے لئے پکارنا۔ یعنی وہ اسے مدد کے لئے پکارتا ہے۔) وَلَا خِلَالٌ۔ کوئی دوستی نہیں۔ خَالَلْتُهُ (میں نے اس سے گہری دوستی رکھی) سے خِلَالٌ مصدر ہے۔ اور

(ابراھیم:۲۷) اسْتُؤْصِلَتْ. یہ خُلَّةٌ اور خِلَلٌ کی جمع بھی ہے۔ اجْتُثَّتْ کے معانی ہیں جڑ سے اکھاڑ دی گئی۔

تشریح: حضرت ابن عباسؓ نے کہا: هَادٍ کے معنی دَاعٍ یعنی ہادی اور داعی الی اللہ۔ اللہ کی طرف بلانے والا اور راہنمائی کرنے والا۔ یہ لفظ هَادٍ سورۂ رعد میں بمعنی داعی آیا ہے۔ فرماتا ہے: اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد:۸) تُو صرف انذار کرنے والا ہے اور ہر قوم کو اللہ کی طرف بلانے والا ہے۔

علامہ عینیؒ کے نزدیک کاتبوں کی غلطی سے اس آیت کی تشریح یہاں درج ہوئی ہے، سورۂ رعد کی تفسیر میں درج ہونی چاہیئے تھی۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۲) مفسرین اس آیت کی نسبت متفق ہیں کہ اس سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن ان کا اختلاف مفہوم آیت کی نسبت ہے۔ علامہ طبریؒ نے مذکورہ بالا مفہوم بسند علی بن ابی طلحہ و قتادہؒ نقل کیا ہے۔ اس تاویل میں ان کے مدنظر یہ آیت معلوم ہوتی ہے: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (یونس:۲۶) اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے پسند کرتا ہے (اُسے) ایک سیدھی راہ پر چلا (کر منزلِ مقصود تک پہنچا) دیتا ہے۔ بعض متشیع راویوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: أَنَا الْمُنْذِرُ وَأَوْمَأَ إِلَى عَلِيٍّ وَقَالَ أَنْتَ الْهَادِي منذر میں ہوں اور حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: تو ہادی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۷) اس قسم کی ضعیف روایات میں جو تکلف و تصنع ہے ظاہر ہے۔ جس کی وجہ سے امام بخاریؒ کو تحقیق کی ضرورت پیش آئی ہے اور آیت کا صحیح مفہوم اور اس سے جو مراد ہے اس بارے میں مستند قول محفوظ کر لیا ہے۔ اس تعلق میں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے بھی بعض لوگوں کو اسلام میں داخل کرے گا۔ اگر یہ روایات صحیح ہوں تو کتاب المغازی باب ۶۱ کی تشریح میں گزر چکا ہے کہ اہل ہمدان ان کے ذریعے سے اسلام میں داخل ہوئے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپؐ الحمد للہ کہتے ہوئے سربسجود ہو گئے۔ لیکن ایسی روایتوں کی صحت کے باوجود ان کا تعلق محولہ بالا آیت سے قطعاً نہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں اور آپؐ سے فرمایا گیا ہے کہ آپؐ ہر قوم کے لئے ہادی ہیں۔ یہ عظیم الشان پیشگوئی ہے جو اپنے وقت پر انشاء اللہ پوری ہو گی۔

صَدِيْدٌ کے معنی پیپ و خون۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ○ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ○ (ابراھیم:۱۶، ۱۷) اور انہوں نے (اپنی) فتح کے لئے دعا کی اور (نتیجہ یہ ہوا کہ) ہر ایک سرکش (اور) حق کا دشمن ناکام رہا۔ اس (دنیوی عذاب) کے بعد (اس کے لئے) جہنم (کا عذاب بھی مقدر) ہے اور (وہاں) اُسے تیز گرم پانی پلایا جائے گا۔ علامہ عینیؒ نے لفظ صَدِيْدٌ کے تعلق میں بعض روایات نقل کی ہیں۔ جو امام بخاریؒ نے نظر انداز کی ہیں اور وہ ضعیف اور قابل ذکر نہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ پیپ ان کے مقعد اور اندام نہانی سے نکلے گی اور وہ اسے پئیں گے۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۲) اس سے ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ کو اس لفظ

جس کے معنی پیپ اور خون کئے گئے ہیں خاص طور پر ذکر کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ صَدِیْدٌ کے مذکورہ بالا معنی مجاہدؒ سے مروی ہیں اور اس کے معنی تیز گرم پانی بھی ہوتے ہیں۔

اُذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ: اس سے مراد أَيَادِيَ اللّٰهِ عِنْدَ كُمْ وَأَيَّامَهُ ہے۔ یعنی تم اپنے آپ پر (ہونے والے) اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی تائیدات کے واقعات یاد کرو۔ علامہ طبریؒ نے یہ مراد بسند حمیدیؒ سفیان بن عیینہؒ سے نقل کی ہے۔ اسی طرح عبد اللہ بن احمد سے بھی اَيَّامِ اللّٰه کا یہی مفہوم مروی ہے اور بروایت ابن ابی حاتم حضرت ابن عباسؓ کی سند سے حضرت ابی بن کعبؓ کا بھی یہی قول منقول ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۷) مؤخر الذکر نے آیت وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ○ (ابراهيم:٦)[۱] سے یہ مفہوم مستنبط کیا ہے اور بتایا ہے کہ اَيَّامِ اللّٰه سے مراد اللہ تعالیٰ کے انعام ہیں جو کسی قوم پر کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ساتویں آیت میں فرماتا ہے: وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ○[۲] (ابراهيم:٧) اس آیت سے اَيَّامِ اللّٰه کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔

مِنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ: یعنی ہر بات جس کی تم نے خواہش کی اس نے تمہیں عنایت کی۔ پوری آیت یہ ہے: وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ○ (ابراهيم:٣٥) اور جو کچھ (بھی) تم نے اس سے مانگا اس نے تمہیں دیا ہے اور اگر تم اللہ کے احسان گننے لگو تو ان کا شمار نہیں کر سکو گے۔ انسان یقیناً بڑا ہی ظالم (اور) بڑا ہی ناشکر گزار ہے۔

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا: تم اس میں کجی کی جستجو کرتے ہو۔ مجاہدؒ ہی نے یہ مفہوم بیان کیا ہے۔ پوری آیت ہے: قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (آل عمران:١٠٠) کہہ اے اہلِ کتاب! تم اللہ کی راہ سے انہیں کیوں روکتے ہو جو ایمان لے آئے ہیں اس میں کجی اختیار کرنا چاہتے ہو۔ بحالیکہ تم گواہ ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے ہرگز غافل نہیں۔ سورۂ اعراف میں فرماتا ہے: وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ○ (الاعراف:٨٧) اور ہر راستہ پر

---

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنے نشانات کے ساتھ (یہ اِذن دے کر) بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لا اور انہیں اللہ کے دن یاد کرا یقیناً اس میں ہر بہت صبر کرنے والے (اور) بہت شکر کرنے والے کے لئے بہت سے نشانات ہیں۔“

[۲] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی جب اس نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات بخشی وہ تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو تو ہلاک کر دیتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے ربّ کی طرف سے (تمہارے لئے) بہت بڑا ابتلا تھا۔“

(اس نیت سے) نہ بیٹھا کرو کہ جو اللہ پر ایمان لائے ہیں انہیں اللہ کی راہ سے ڈراؤ دھمکاؤ اور روکو اور تم اس راہ میں ٹیڑھا پن اختیار کرنا چاہتے ہو اور یاد کرو وہ وقت جب تم تھوڑے تھے اور اس نے تمہیں زیادہ کر دیا اور ہمیشہ مد نظر رکھو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا رہا ہے۔ یہ آیات سورۂ ابراہیم میں نہیں لیکن امام ابن حجرؒ کے نزدیک مجاہدؒ کے تفسیری حوالجات میں یہ ضمناً نقل کی گئی ہیں۔ صحیح بخاری کے اس نسخے میں جو ابوذر کی طرف منسوب ہے اس آیت کی تفسیر اگلے باب سے پہلے منقول ہے۔ یعقوب ابن سکیت کے نزدیک لفظ عِوَجٌ عین کی زیر سے ہے اور اس سے مراد کج روی اور فتنہ وفساد ہے جو ملک و دین میں پیدا کیا جاتا ہے اور عَوَجٌ عین کی زبر سے لکڑی وغیرہ ایسی اشیاء کے ٹیڑھے پن کو کہتے ہیں جن میں استقامت اور استواری مطلوب ہو۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۸)

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ : أَعْلَمَكُمْ آذَنَكُمْ - جب تمہارے ربّ نے تمہیں آگاہ اور خبردار کیا۔ یہاں حرف اِذْ زائدہ نہیں بلکہ یہ اُذْكُرُوْا کے مفہوم میں ہے۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۳) فرماتا ہے: وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ○ (ابراهیم: ۸) اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب تمہارے ربّ نے (انبیاء کے ذریعے سے) اعلان کیا تھا کہ (اے لوگو!) اگر تم شکر گزار بنے تو میں تمہیں اور بھی زیادہ دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو (یاد رکھو) میرا عذاب یقیناً سخت (ہوا کرتا) ہے۔ اہل لغت کے نزدیک تَاَذَّنَ إِيْذَان سے باب تَفَعَّلٌ ہے جس میں تاکید پائی جاتی ہے، اور بعض عرب أَذَّنَ اور تَاَذَّنَ ایک ہی مفہوم میں بولتے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۸) علامہ عینیؒ نے بھی تَاَذَّنَ کا مترادف إِيْذَان سے نہیں بلکہ تَأْذِيْن سے مشتق بتایا ہے، یعنی أَذَّنَ رَبُّكُمْ: تمہارے ربّ نے اعلان کیا۔ اس تعلق میں علامہ زمخشریؒ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ تَأَذَّنَ وَآذَنَ کی مانند تَوَعَّدَ وَأَوْعَدَ، تَفَضَّلَ وَأَفْضَلَ ہے اور لکھا ہے کہ تَفَعَّلَ میں معنی کی کوئی ایسی زیادتی نہیں ہے جو أَفْعَلَ میں نہیں اور آیت اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ سے مراد إِيذَانًا بَلِيْغًا تَنْتَفِي عِنْدَهُ الشُّكُوْكُ ہے۔ پورے طور پر اعلان کر دیا جس سے شکوک وشبہات رفع ہوں۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۳)

رَدُّوْا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ : ہاتھ اپنے مونہوں میں لوٹائے - وہ شخص جو حق قبول نہیں کرتا، بات سن کر اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتا ہے، کہتے ہیں: رَدَّ يَدَهُ فِي فِيهِ - إِذَا أَمْسَكَ وَلَمْ يُجِبْ - یعنی چپ رہا اور جواب نہ دیا۔ رَدُّوْا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ هَذَا مِثْلُ كَفُّوا عَمَّا أُمِرُوا بِهِ۔ یعنی یہ مثال ہے کہ جس بات کا حکم دیئے گئے اس سے وہ رک گئے۔ ابوعبیدہؒ کے نزدیک یہ اسلوب بیان مجازی ہے اور بطور مثال کے ہے۔ ابوعبیدہؒ کی اس تاویل پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ محاورہ ان معنوں میں عربوں سے نہیں سنا گیا۔ عبد بن حمید نے اس آیت کے تعلق میں بسند ابوالاحوص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: عَضُّوا عَلَى أَصَابِعِهِمْ - یعنی اپنی انگلیاں کاٹیں اور حاکم نے اس کی سند صحیح قرار دی ہے۔ اس مفہوم کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ (آل عمران: ۱۲۰) اور جب وہ علیحدہ ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں۔ تو (اُن سے) کہہ دے تم اپنے غصہ (کے سبب) سے مر جاؤ۔ اللہ یقیناً سینہ کے رازوں تک کو خوب جانتا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۷۸) اس حوالے سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ محولہ بالا آیت

کے مترادف الفاظ میں محاورہ عربوں میں پایا جاتا ہے اور قرآن مجید میں بھی بیان ہوا ہے۔ اس ضمن میں امام ابن حجرؒ نے ایک شاعر کا قول رکھنے کے مفہوم میں نقل کیا ہے: يَرُدُّونَ فِي فِيهِ غَيْظَ الْحَسُودِ - حاسد کا غصہ اس کے منہ میں لوٹاتے ہیں کہ وہ غیظ وغضب کے مارے اپنی انگلیاں کاٹتا ہے۔ بعض نے آیت کے یہ معنی کئے ہیں: رَدَّ الْكُفَّارُ أَيْدِي الرُّسُلِ فِي أَفْوَاهِهِمْ بِمَعْنَى أَنَّهُمُ امْتَنَعُوا مِنْ قَبُولِ كَلَامِهِمْ۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۷۸) یعنی کفار نے ان کی بات قبول نہیں کی۔ سیاق کلام سے بھی یہ مفہوم واضح ہے۔ فرماتا ہے: اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۛ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ○ (ابراهيم: ۱۰) کیا جو لوگ تم سے پہلے تھے یعنی نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور جو اُن کے بعد ہوئے، ان کی نسبت دلوں کو دہلا دینے والی خبر تمہیں نہیں پہنچی؟ (وہ ایسے نابود ہوئے اور مٹائے گئے کہ) اللہ کے سوا (اب) انہیں کوئی (بھی) نہیں جانتا۔ (جب) ان کے پاس اُن کے رسول (ہمارے) روشن نشان لے کر آئے تو انہوں نے ان کی بات نہ مانی اور کہا (کہ) جس (تعلیم) کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے اس کا (تو) ہم انکار کر چکے ہیں اور جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کے متعلق ہم ایک بے چین کر دینے والے شک میں (پڑے ہوئے) ہیں۔ علامہ عینیؒ نے بھی رُدُّوْا أَيْدِيَهُمْ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ کفار نے اپنا ہاتھ انبیاء کے منہ پر رکھا کہ چپ رہو ہم تمہاری باتیں سننے کے لئے تیار نہیں۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۳) ہمیں تمہارے متعلق شک ہے تم راستباز نہیں۔ غرض مراد واضح ہے جونسی بھی تاویل اختیار کی جائے۔

مَقَامِيْ: حَيْثُ يُقِيمُهُ اللّٰهُ بَيْنَ يَدَيْهِ - یہ وعدہ ان کے لئے اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے مقام محاسبہ سے ڈرتے ہیں جہاں اللہ انہیں اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ اس لفظ سے یہ آیت مراد ہے: وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ وَعِيْدِ ○ (ابراهيم: ۱۵) اور ان (کی ہلاکت) کے بعد اس ملک میں ضرور تمہیں آباد کردیں گے۔ یہ (وعدہ) اس کے حق میں ہے جو میرے مقام سے ڈرے اور نیز میری انذاری پیشگوئیوں سے ڈرے۔ یہ معنی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۳) اور ابوعبیدہؒ سے بھی۔ اس تعلق میں فراء نے ایک شاعر کا قول نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مقام مصدر ہے اور وہ فاعل کی طرف مضاف ہے۔ أَيْ قِيَامِي عَلَيْهِ بِالْحِفْظِ: یعنی میری نگرانی کا خوف رکھیں۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۷۸) امام بخاریؒ نے پہلے معنی قبول کئے ہیں۔

مِنْ وَّرَآئِهٖ: قُدَّامِهِ جَهَنَّمُ - اس کے سامنے جہنم ہوگی۔ پوری آیتیں یہ ہیں: مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ○ يَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَ يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ○ (ابراهيم: ۱۷،۱۸) اس (دنیوی عذاب) کے بعد (اس کے لئے) جہنم (کا عذاب بھی مقدر) ہے اور (وہاں) اسے تیز گرم پانی پلایا جائے گا۔ وہ اُسے تھوڑا تھوڑا کر کے پیئے گا اور اُسے آسانی سے نگل نہیں سکے گا اور ہر جگہ (اور ہر طرف سے) اس پر موت آئے گی اور وہ مرے گا نہیں اور اس کے علاوہ بھی (اس کے لیے) ایک سخت عذاب (مقرر) ہے۔ ابوعبیدہؒ نے وَرَائِهٖ کے معنی قُدَّامِهٖ کے کئے ہیں اور ایک شاعر کا قول بھی نقل کیا ہے:

أَلَيْسَ وَرَائِي إِنْ تَرَاخَتْ مَنِيَّتِي ۔۔۔ لُزُومُ الْعَصَا تُحْنَى عَلَيْهَا الْأَصَابِعُ

گو میری موت میں ڈھیل ہو جائے، میرے آگے وہ وقت نہیں جس میں مجھے سونٹا پکڑنا ہو گا جس پر انگلیاں اکٹھی ہوں گی۔ اور لفظ وَرَائِهٖ کے اسی مفہوم میں نابغہ ذبیانی کا قول ہے: وَلَيْسَ وَرَاءَ اللّٰهِ لِلْمَرْءِ مَذْهَبٌ۔ یعنی اللہ کے ماوراء کہیں جانے کی جگہ نہیں۔ ثعلب نے وَرَاءُ کا معنی مَا تَوَارَىٰ عَنِ الشَّخْصِ بتائے ہیں۔ یعنی جو انسان سے پوشیدہ ہو۔ قطرب کے نزدیک یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ یعنی آگے پیچھے دونوں جہتوں پر اطلاق پاتا ہے۔
(فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۷۹)

لَكُمْ تَبَعًا: تَبَعٌ کے معنی ہیں تابعدار۔ یہ لفظ تَابِعٌ کی جمع ہے۔ جیسے غَائِبٌ کی جمع غَيَبٌ ہے۔ اس سے یہ آیت مراد ہے: وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ○ (ابراهیم: ۲۲) اور وہ سب اللہ کے سامنے کھلے طور پر حاضر ہو جائیں گے۔ تب کمزور ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے تکبر کیا ہے کہ ہم تو تمہارے پیچھے چلنے والے تھے، سو کیا تم اللہ کے عذاب میں سے اس وقت ہم سے کچھ بھی دور کر سکتے ہو۔ وہ کہیں گے اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی تمہیں ہدایت دیتے۔ برابر ہے ہم پر اگر ہم بے صبری کا اظہار کریں یا ہم صبر کریں، ہمارے لئے کوئی بچاؤ کی صورت نہیں۔

مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ: مَا أَنَا بِمُغِيْثِكُمْ - میں تمہاری فریاد رَس نہیں کرنے کا۔ فرماتا ہے کہ جب فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان اپنے متبعین سے کہے گا کہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے جو وعدہ کیا تھا وہ میں پورا نہیں کر سکا۔ میرا تم پر کوئی تسلط نہیں تھا ہاں میں نے تمہیں اپنی طرف بلایا تو تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا۔ اب تم مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ کو ملامت کرو۔ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ (ابراهیم: ۲۳) نہ میں تمہاری فریاد سن سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد سُن سکتے ہو۔ اسْتَصْرَخَنِي - اسْتَغَاثَنِي - مجھ سے فریاد کی اور مدد طلب کی۔ يُقَالُ اسْتَصْرَخَنِي فَأَصْرَخْتُهُ۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے اس کی فریاد پہ اس کی مدد کی۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۷۹)

وَلَا خِلٰلٌ: کوئی دوستی نہیں۔ یہ لفظ مصدر ہے اور خَالَلْتُ اسی سے ہے۔ کہتے ہیں: خَالَلْتُهُ میں نے اس سے گہری دوستی رکھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خِلَالٌ خُلَّةٌ کی جمع بھی ہے۔ یعنی گہری دوستی۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۷۸)
اس لفظ سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے: قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ○ (ابراهیم: ۳۲) (اے رسول!) میرے اُن بندوں سے جو ایمان لا چکے ہیں کہہ کہ وہ اُس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ کوئی بیع (و شراء) ہو گی اور نہ ہی کوئی گہری دوستی، نماز کو عمدگی سے ادا کیا کریں اور جو کچھ ہم نے اُنہیں دیا ہے اُس میں سے پوشیدگی میں (بھی) اور ظاہر میں (بھی ہماری راہ میں) خرچ کیا کریں۔

اجْتُثَّتْ: اسْتُؤْصِلَتْ - جڑ سے اکھاڑ دی گئی۔ فرماتا ہے: وَ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اِجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ○ (ابراهیم: ۲۷) اور بری بات کی مثال ردّی درخت کی سی ہے جو زمین سے

جڑوں سمیت اکھاڑ کر پھینک دیا گیا ہو اور جسے کہیں بھی قرار نہ ملے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بسند عوفی مروی ہے کہ کافر کا عمل رد کر دیا جاتا ہے اور تلخ نتائج پیدا کرتا ہے۔ اس کے عمل کی مثال ردی درخت سے دی گئی ہے، جس کی جڑیں بودی، تنا کمزور، شاخیں پست ہوں اور جو بے برگ وبار ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کافر پست خیال اور کوتہ نظر و فکر ہوتا ہے۔ اس کے عمل میں بلند پروازی نہیں ہوتی اور نہ ثبات و قرار۔ اور بسند ضحاکؒ ان سے مروی ہے کہ مَالَهَا قَرَار کے معنی ہیں کہ مَالَهَا أَصْلٌ وَلَا فَرْعٌ وَلَا ثَمَرَةٌ وَلَا مَنْفَعَةٌ۔ یعنی وہ ایسا درخت ہے جس کی بیخ و بن نہیں، جس کی شاخ نہ ہو، بے پھل ہو اور وہ ناکارہ ہو۔ اسی طرح کافر کے قول و عمل میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کو بے برکت اور بے سود رکھتا ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۷۹)

بَاب ۱ : كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ○ تُؤْتِيٓ أُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ (ابراهيم: ۲۵، ۲۶)

وہ ایک پاک درخت کی طرح ہوتا ہے جس کی جڑ (مضبوطی کے ساتھ) قائم ہوتی ہے اور اس کی (ہر ایک) شاخ آسمان کی بلندی میں (پہنچی ہوتی) ہے۔ وہ ہر وقت اپنا (تازہ) پھل دیتا ہے

٤٦٩٨ : حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَخْبِرُونِي بِشَجَرَةٍ تُشْبِهُ أَوْ كَالرَّجُلِ الْمُسْلِمِ لَا يَتَحَاتُّ وَرَقُهَا وَلَا وَلَا وَلَا، تُؤْتِيٓ أُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ (ابراهيم: ٢٦) قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ وَرَأَيْتُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ لَا يَتَكَلَّمَانِ فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ فَلَمَّا لَمْ يَقُولُوا شَيْئًا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ النَّخْلَةُ فَلَمَّا قُمْنَا قُلْتُ لِعُمَرَ يَا أَبَتَاهُ

۴۶۹۸: عبید بن اسمٰعیل نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے ابواُسامہ سے، ابواُسامہ نے عبیداللہ سے، عبیداللہ نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے ایک ایسا درخت بتلاؤ جو مسلمان شخص کے مشابہ یا اس کی طرح ہے۔ اس کے پتے نہیں گرتے۔ اور نہ ایسا ہے اور نہ ایسا اور نہ ایسا۔ وہ اپنا پھل ہر وقت دیتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے تھے: میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور ہے۔ اور میں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ نہیں بول رہے تو میں نے بُرا جانا کہ میں بات کروں۔ پس جب وہ کچھ نہ بولے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کھجور ہے۔ پھر جب ہم کھڑے ہوئے تو

وَاللهِ لَقَدْ كَانَ وَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَكَلَّمَ قَالَ لَمْ أَرَكُمْ تَكَلَّمُونَ فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ أَوْ أَقُولَ شَيْئًا قَالَ عُمَرُ لَأَنْ تَكُونَ قُلْتَهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا.

میں نے حضرت عمرؓ سے کہا: ابا! بخدا میرے دل میں آیا تھا کہ وہ کھجور ہے، توانہوں نے کہا: تمہیں (یہ بات) کہنے سے کس نے روکا؟ حضرت ابن عمرؓ نے کہا: مجھے صرف اسی بات نے روکا کہ میں نے آپؐ کو (اور حضرت ابو بکرؓ کو) بات کرتے نہیں دیکھا اس لئے میں نے برا جانا کہ میں بولوں یا کچھ کہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اگر تم نے کہہ دیا ہوتا تو یہ مجھے ایسی ایسی بات سے زیادہ پسند تھا۔

أطرافه: ٦١، ٦٢، ٧٢، ١٣١، ٢٢٠٩، ٥٤٤٤، ٥٤٤٨، ٦١٢٢، ٦١٤٤۔

تشریح: كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ: اس باب کی معنونہ آیت پوری یہ ہے: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ○ (ابراهیم: ۲۵) کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کس طرح پاکیزہ کلمہ کی مثال اس پاکیزہ درخت کی مانند دی ہے جس کی جڑ مضبوط اور شاخ آسمان کی بلندی میں ہوتی ہے۔ روایت نمبر ۴۶۹۸ سے بتایا گیا ہے کہ مومن کی مثال کھجور کے درخت کی سی ہے جس کی جڑیں مضبوط اور جس کا تنا بلند و بالا اور شاخیں شیریں اور ثمر ہمیشہ سرسبز اور بارآور ہوتا ہے۔ کھجور کے پھل میں غذایت کے مکمل اجزاء ہوتے ہیں جنہیں آج کل کی اصطلاح میں حیاتین (Vitamins) کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ افطاری میں کھجور کو مقدم فرمایا کرتے تھے۔ اس وقت جبکہ جسم غذایت کا محتاج ہوتا ہے، کھجور، کیلا اور آم ان پھلوں میں شمار ہوتے ہیں جو بطور غذا استعمال کئے جاتے ہیں۔ یوپی میں آموں کے موسم میں آم بطور خوراک استعمال کیا جاتا ہے، اس کے ساتھ اور کوئی غذا نہیں کھائی جاتی۔ یہی حال عرب کا تھا کہ کھجور پر گزارہ کیا کرتے تھے۔

امام ابن حجرؒ کا کہنا ہے کہ اس باب سے ان لوگوں کا خیال رد کرنا مقصود ہے جن کے نزدیک مومن کی مذکورہ بالا مثال سے ناریل (کھوپرہ) مراد ہے کہ وہ ہر ماہ میں پھل دیتا ہے۔ اس بارے میں ابن مردویہ کی ایک روایت بھی مروی ہے جو ضعیف ہے اور روایت نمبر ۴۶۹۸ کے مقابل میں قابل ردّ ہے۔ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ سے یہ مراد بھی لی گئی ہے کہ مومن بلند و بالا درخت کی طرح اپنی بلندی کی وجہ سے زمینی تعفنات سے محفوظ ہوتا ہے۔
(فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۸۰)

باب ۲ : يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (ابراهيم: ۲۸)

جو لوگ ایمان لائے ہیں انہیں اللہ اس قائم رہنے والی (اور پاک) بات کے ذریعہ سے ثبات بخشتا ہے

٤٦٩٩ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ إِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ فَذَلِكَ قَوْلُهُ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ. (ابراهيم: ۲۸)

۴۶۹۹: ابوالولید نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا، کہا: علقمہ بن مرثد نے مجھے خبر دی۔ انہوں نے کہا: میں نے سعد بن عبیدہ سے سنا۔ سعد نے حضرت براء بن عازبؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے کہ جب اس سے قبر میں پوچھا جاتا ہے تو وہ یہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور یہی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو لوگ ایمان لائے ہیں انہیں اللہ اس قائم رہنے والی (اور پاک) بات کے ذریعہ سے (اس) ورلی زندگی میں (بھی) ثبات بخشتا ہے اور آخرت (کی زندگی) میں بھی (بخشے گا)۔

طرفہ: ۱۳۶۹۔

تشریح: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ: روایت زیر باب سے اَلْقَوْلِ الثَّابِتِ کی وضاحت مراد ہے کہ یہ مضبوط قول کلمہ توحید ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ کی یہ روایت کتاب الجنائز باب نمبر ۸۶ میں مع مفصل تشریح گزر چکی ہے۔

باب ۳: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا (ابراهيم: ۲۹)

(اے مخاطب!) کیا تو نے ان لوگوں (کی حالت) کو (غور کی نظر سے) نہیں دیکھا جنہوں نے ناشکری سے اللہ کی نعمت کو بدل ڈالا

اَلَمْ تَرَ (ابراهيم: ۲۹) أَلَمْ تَعْلَمْ كَقَوْلِهِ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا (البقرة: ۲٤٤)

اَلَمْ تَرَ سے مراد ہے کیا تجھے علم نہیں ہوا؟ جیسا کہ قول ہے: کیا تجھے ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو

الْبَوَارِ (ابراھیم:۲۹) الْهَلَاكُ، بَارَ يَبُورُ بَوْرًا، قَوْمًا بُوْرًا (الفرقان:۱۹) هَالِكِينَ.

نکلے ؟ الْبَوَارُ کے معنی ہیں ہلاکت۔ یہ بَارَ يَبُورُ بَوْرًا ہے۔ قَوْمًا بُوْرًا۔ یعنی ہلاک ہونے والے۔

٤٧٠٠: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللهِ كُفْرًا (ابراھیم:۲۹) قَالَ هُمْ كُفَّارُ أَهْلِ مَكَّةَ.

۴۷۰۰: علی بن عبداللہ نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان نے ہمیں بتایا۔ سفیان نے عمرو سے، عمرو نے عطاء سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے آیت اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ ... کے متعلق سنا۔ یعنی ”(اے مخاطب!) کیا تو نے اُن لوگوں (کی حالت) کو (غور کی نظر سے) نہیں دیکھا جنہوں نے ناشکری سے اللہ کی نعمت کو بدل ڈالا۔“ آپؓ نے فرمایا: یہ (ناشکر گذار لوگ) کفار اہل مکہ ہیں۔

طرفہ: ۳۹۷۷۔

تشریح: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللهِ كُفْرًا: آیت زیر باب پوری یہ ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ○ (ابراھیم:۲۹) (اے مخاطب!) کیا تو نے ان لوگوں (کی حالت) کو (غور کی نظر سے) نہیں دیکھا جنہوں نے ناشکری سے اللہ کی نعمت کو بدل ڈالا۔ (اور آپ بھی ہلاک ہوئے) اور اپنی قوم کو (بھی) ہلاکت کے گھر میں (لا) اُتارا۔

اَلَمْ تَرَ کے معنی أَلَمْ تَعْلَمْ بتائے گئے ہیں کہ کیا تجھے علم نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ناقدر دانوں کی ہلاکت کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا۔ ایسا ہی قاری کے علم میں بھی ہے مگر یہاں عینی مشاہدے کا سوال ہے جس سے کامل یقین حاصل ہوتا ہے اور یہی یہاں مراد ہے۔ مذکورہ بالا معنی ابوعبیدہؒ سے مروی ہیں۔ اور عینیؒ نے اَلَمْ تَرَ کا مفہوم اَلَمْ تَعْجَبْ بیان کیا ہے۔ یعنی کیا تجھے ان لوگوں کی حالت سے تعجب نہیں آتا جنہوں نے الٰہی نعمت کی ناشکری کی۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۶) اَلْبَوَارِ کے معنی ہلاکت اور تباہی کے ہیں۔ بَارَ يَبُوْرُ بَوْرًا سے بَائِرٌ ہے یعنی ہلاک ہونے والا۔ بَائِرٌ کی جمع بُوْرٌ اور بَوْرٌ بھی ہے۔

قَوْمًا بُوْرًا: أَيْ هَالِكِينَ۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اپنی قوم کو ہلاکت کے آنگن میں پہنچانے والے الْأَفْجَرَان ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان سے مراد بنو امیہ اور بنو مغیرہ ہیں،[1] جو غزوہ بدر میں خود بھی ہلاک ہوئے اور اپنی قوم کو بھی ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا۔

☆☆☆

[1] (جامع البیان للطبری، تفسیر سورۃ ابراھیم، آیت اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا، جزء۱۳ صفحہ ۶۷۵)

۱۵۔ سُوْرَةُالْحِجْرِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ (الحجر:٤٢) الْحَقُّ يَرْجِعُ إِلَى اللهِ وَعَلَيْهِ طَرِيقُهُ. لَبِإِمَامٍ مُّبِيْنٍ(الحجر:٨٠) عَلَى الطَّرِيقِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَعَمْرُكَ (الحجر:٧٣) لَعَيْشُكَ. قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ (الحجر:٦٣) أَنْكَرَهُمْ لُوطٌ. وَقَالَ غَيْرُهُ كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ (الحجر:٥) أَجَلٌ. لَوْمَا تَأْتِيْنَا (الحجر:٨) هَلَّا تَأْتِينَا . شِيَعٌ (الحجر:١١) أُمَمٌ وَلِلْأَوْلِيَاءِ أَيْضًا شِيَعٌ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُهْرَعُوْنَ (هود:٧٩) مُسْرِعِينَ. لِلْمُتَوَسِّمِيْنَ لِلنَّاظِرِينَ. سُكِّرَتْ(الحجر:١٦) غُشِّيَتْ. بُرُوْجًا(الحجر:١٧) مَنَازِلَ لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ. لَوَاقِحَ(الحجر:٢٣) مَلَاقِحَ مُلْقَحَةً. حَمَإٍ(الحجر:٢٧) جَمَاعَةُ حَمْأَةٍ وَهُوَ الطِّينُ الْمُتَغَيِّرُ. وَالْمَسْنُونُ الْمَصْبُوبُ. تَوْجَلْ (الحجر:٥٤) تَخَفْ. دَابِرَ(الحجر:٦٧) آخِرَ. لَبِإِمَامٍ مُّبِيْنٍ (الحجر:٨٠) الْإِمَامُ كُلُّ مَا ائْتَمَمْتَ وَاهْتَدَيْتَ بِهِ. الصَّيْحَةُ(الحجر:٨٤) الْهَلَكَةُ.

اور مجاہدؒ نے کہا: صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ سے مراد حق ہے جو اللہ کی طرف لوٹتا ہے اور اللہ پر ہی اس کا دارومدار ہے۔ لَبِإِمَامٍ مُّبِيْنٍ سے مراد ہے: شاہراہ پر۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: لَعَمْرُكَ سے مراد ہے: تیری زندگی کی قسم۔ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ سے مراد ہے: حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اجنبی جانا۔ اور حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ بعض نے کہا: كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ سے مراد ہے مقررہ مدت۔ لَوْمَا تَأْتِيْنَا کا مطلب ہے: کیوں نہیں ہمارے پاس آتے۔ شِيَعٌ کے معنی ہیں اُمتیں۔ اور دوستوں کے لئے بھی شِيَعٌ (کا لفظ بولا جاتا ہے۔) اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: يُهْرَعُوْنَ سے مراد ہے: بے تحاشہ بھاگتے ہوئے آئے۔ لِلْمُتَوَسِّمِيْنَ سے مراد ہے دیکھنے والوں کے لیے۔ سُكِّرَتْ کے معنی ہیں پردے ڈال دیئے گئے۔ بُرُوْجًا سے مراد ہے سورج اور چاند کی منزلیں۔ لَوَاقِحَ سے مراد مَلَاقِحَ ہے۔ (جس کی واحد) مُلْقَحَةٌ ہے یعنی بارآور۔ حَمَإٍ جمع ہے حَمْأَةٍ کی۔ یعنی ایسی گیلی مٹی جس کی ہیئت بدل گئی ہو۔ الْمَسْنُونُ کے معنی ہیں ڈھلا ہوا گارا۔ (لَا) تَوْجَلْ کے معنی ہیں خوف (نہ) کھا۔ دَابِرَ کے معنی ہیں آخری حصہ یعنی جڑ۔ لَبِإِمَامٍ مُّبِيْنٍ سے ہر وہ امام مراد ہے جس کی تو پیروی کرتا اور جس کے ذریعہ ہدایت پاتا ہے۔ الصَّيْحَةُ کے معنی ہیں ہلاکت۔

تشریح: صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ: آیت سے متعلق مجاہدؒ نے کہا ہے کہ راہ مستقیم سے مراد حق ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس پر اس کا دارومدار ہے۔ پوری آیت کا مفہوم مع سیاق وسباق یہ ہے کہ شیطان نے معین وقت تک مہلت مانگی جو اسے دی گئی اور اس نے کہا: رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ○ (الحجر: ۴۰تا۴۲) یعنی اے میرے ربّ! چونکہ تو نے مجھے غاوی (حدود سے تجاوز کرنے والا) بنایا ہے اس لئے میں ضرور ان کے لئے دنیا میں (گمراہی کو) خوبصورت کر کے دکھاؤں گا اور سب کو حدود سے نکالوں گا، سوائے تیرے ان بندوں کے جو برگزیدہ ہوں۔ فرمایا: مجھ تک پہنچنے کی یہی سیدھی راہ ہے۔ اس آیت میں شہوات واھواء نفس اور امیال طبیعہ کا نام شیطان ہے کیونکہ ہر شہوت کا طبعی میلان یہ ہے کہ وہ حدود سے نکلے۔ مثال کے طور پر کھانے پینے کی شہوت یعنی خواہش کو لے لیجئے کہ وہ غیر محدود ہے، اگر انسان کا شکم محدود نہ ہوتا تو کھاتا ہی چلا جاتا، کبھی سیر ہونے کو نہ آتا۔ اسی طرح اس کی ہر شہوت کا حال ہے۔ انسان کو ثواب تبھی حاصل ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اپنی شہوات پر قابو پاتا ہے اور انہیں حدود کے اندر رکھتا ہے۔ اس جدوجہد میں اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور قبولیت ہے۔ لفظ شَيْطَان شَطَنٌ یا شَيْطٌ سے مشتق ہے۔ شَطَنَ کے معنی حق سے دور ہو گیا اور شَاطَ کے معنی ہیں هَلَكَ۔ اس کے معنی بھڑک اٹھا بھی ہیں۔ انہی معنوں میں لفظ اشْتِيَاطٌ ہے۔ (اقرب الموارد- شطن، شیط) غرض تحریکات نفسانیہ کے وجود اور ان کی آزمائش ہی سے امتیاز ہو جاتا ہے کہ کون بندۂ نفس ہے اور کون بندۂ خدا ہے جو اس کے احکام کی پیروی کو مقدم کرتا ہے اور اپنے نفس کی شہوات وخواہشات کو احکام الٰہی کے تابع رکھتا اور انعام یا سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ یہی مضمون ہے سورۃ الحجر کی مذکورہ بالا آیات کا۔ اس کڑی آزمائش کے سوا اللہ تعالیٰ تک رسائی کی اور کوئی راہ نہیں۔ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ کا یہی مفہوم ہے، جیسا کہ طبریؒ نے اس کی شرح بایں الفاظ کی ہے: اَلْحَقُّ يَرْجِعُ إِلَى اللّٰهِ وَعَلَيْهِ طَرِيقُهُ، لَا يُعَرِّجُ عَلَى شَيْءٍ۔[1] حق اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹتا ہے اور یہ وہ سیدھی راہ ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے کہیں اِدھر اُدھر نہیں جاتی۔

امام ابن حجرؒ نے قتادہؒ ومحمد بن سیرین وغیرہ کے حوالے سے مذکورہ بالا آیت کی قرأت یہ بھی نقل کی ہے: هٰذَا صِرَاطٌ عَلِيٌّ مُسْتَقِيْمٌ۔ عَلِيٌّ معنی رَفِيعٌ یعنی عالی شان۔ عَلِيٌّ - صِرَاطٌ کی صفت ہے۔ یعنی یہ راہ مستقیم بہت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۸۱) سابقہ قراءت مجاہدؒ سے مروی ہے۔ اسی اختلاف کے پیش نظر امام بخاریؒ نے اس قراءت کو زیادہ صحیح ثابت کیا ہے۔ علامہ عینیؒ نے کسائی کے حوالے سے اس کا مفہوم وعید وتحدید کے معنوں میں نقل کیا ہے جو سیاقِ کلام کی رُو سے دور کی تاویل ہے۔ ان کے نزدیک هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ایسا ہی کلام جیسا کوئی کسی سے کہے: تیرا راستہ میرے پاس سے ہی گزرتا ہے تجھے پتہ لگ جائے گا میں کون ہوں۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۷)

اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ: یعنی وہ دونوں جگہیں شاہراہ پر واقع ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم علاقہ

---

[1] (جامع البیان للطبری، سورۃ الحجر، آیت قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ، جزء۱۴ صفحہ ۷۰)

مدین میں رہتی تھی اور اس نام کی ایک بستی بھی تھی۔ اس علاقے میں گھنے جنگل تھے اور اس وجہ سے مدین کی قوم کا نام اَصْحٰبُ الْاَیْکَۃِ بھی ہے، یعنی جنگل والے۔ یہ علاقہ قوم لوطؑ کے علاقہ سے دور نہیں تھا، بلکہ مصر اور بحیرہ مردار کے درمیان سے گزرنے والے تجارتی قافلوں کے راستے پر یہ دونوں علاقے واقع تھے۔ یہ تجارتی راستے حجاز اور شام میں سے بھی گزرتے تھے اور جب تک ان راستوں پر آباد قومیں تجارتی قافلوں کی حفاظت کے لئے ضامن نہ ہوتی تھیں وہ اَمن سے آجا نہیں سکتے تھے۔ اور اس تجارت کے حاصلات سے قوم شعیبؑ نے بہت بڑا فائدہ اٹھایا اور دولت مند ہوگئی اور اس دولت کے گھمنڈ میں انہوں نے احکام الٰہی کی نافرمانی شروع کر دی اور جب شرارتوں میں بڑھی تو الٰہی مؤاخذے میں گرفتار ہو کر تباہ ہو گئی، جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تباہ ہوئی۔ ان دونوں قوموں کا ذکر سورۃ الحجر کے پانچویں رکوع (آیت نمبر ۶۲ تا ۸۰) میں ہے اور انہیں کے سیاق میں فرمایا ہے کہ وہ دونوں قومیں بڑے تجارتی راستہ پر واقع ہیں اور آنے جانے والوں کے لئے دیدہ عبرت ہیں کہ جب انہوں نے کھلی کھلی بغاوت کی تو پکڑی گئی۔ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ○ (الحجر: ۸۰) ہم نے انہیں سخت سزا دی اور یہ دونوں جگہیں کھلے راستہ پر واقع ہیں۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ مصر و حجاز سے شام جانے والے قافلے انہیں شاہراہوں سے گزرتے تھے۔ ان دنوں شام تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ لفظ إِمَامٌ - اَمّ (بمعنی قصد) سے مشتق ہے۔ راستے کو إِمَامًا اس لئے کہا گیا ہے کہ (يُؤْتَمُّ بِهٖ) اس کے ذریعہ منزل مقصود تک پہنچا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۷)

لَعَمْرُكَ: لَعَيْشُكَ: تیری زندگی ہی کی قسم۔ ابن ابی حاتم نے بحوالہ علی بن ابی طلحہؒ لَعَمْرُكَ کے یہ معنی حضرت ابن عباسؓ سے نقل کئے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۸۱) ثعلبی نے بھی اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ لَعَمْرُكَ - لَحَيَاتُكَ: تیری زندگی کی قسم۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۷) اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے لئے قسم کھانا بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ کو اس دنیا میں بھی ایک حیات جاودانی حاصل ہوگی۔ دشمن آپؐ کی زندگی کو ختم کرنا چاہتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ آپؐ کی زندگی کی قسم کھا کر یقین دلاتا ہے کہ یہ زندگی ایسی نہیں کہ ختم ہو بلکہ دنیا کے لئے ہمیشہ برکت کا موجب رہے گی۔ تفسیر سورۃ ابراہیم باب ۱ میں شجرہ طیبہ کی جو مثال دی گئی ہے اس کا پھل دائمی ہے۔ اس پھل سے یہی مراد ہے کہ آپؐ کے فیوض سے فیضان ربانی دنیا میں ہمیشہ جاری رہے گا، ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو آپؐ کی روحانی زندگی کا ثبوت ہوں گے۔ لَعَمْرُكَ سے یہ آیت مراد ہے: لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ (الحجر: ۷۳) (اے ہمارے نبی!) تیری زندگی کی قسم (کہ) یہ (تیرے مخالفین بھی) یقیناً (انہی کی طرح) اپنی بدمستی میں بہک رہے ہیں۔ یعنی یہ بھی انہیں کی طرح ہلاک ہونا چاہتے ہیں۔

قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ: اَنْكَرَهُمْ لُوْطٌ۔ یعنی حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں نہیں پہچانا، ان کو اُوپرا جانا، یعنی اجنبی جانا۔ پوری آیت یہ ہے: فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ ○ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ○ (الحجر: ۶۲، ۶۳) جب مرسل آل لوطؑ کے پاس آئے تو اس نے کہا: تم تو اجنبی لوگ ہو۔

کِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ: أَجَلٌ- یعنی مدت معلومہ، مقررہ مدت۔ فرماتا ہے: وَمَآ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ○ (الحجر:۵) اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس وقت جب اس کے لئے ایک مقررہ فیصلہ ہو چکا ہو۔

لَوۡ مَا: هَلَّ کا مترادف ہے۔ فرماتا ہے: لَوۡ مَا تَاۡتِيۡنَا بِالۡمَلٰٓئِكَةِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ○ (الحجر:۸) اگر تُو سچا ہے تو کیوں ملائکہ کو ہمارے پاس نہیں لاتا۔ حرف لَوۡ حرف مَا کے ساتھ مل کر تحریک و ترغیب اور تحریص (اکسانا) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لَوۡ مَا کے ذریعے تحریک کی جاتی ہے کہ کیوں نہیں ایسا کیا جاتا۔ چنانچہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ کیوں نہیں ملائکہ ہمارے پاس آتے جو شہادت دیں اور تیری تصدیق کریں۔ حرف هَلۡ حرف لَا کے ساتھ مل کر هَلَّ اس مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ قول ابوعبیدہؒ کا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۸۲) زمخشریؒ کے نزدیک لَوۡ اسی مفہوم میں حرف مَا کے ساتھ ترکیب پاتا ہے، جیسے هَلۡ حرف لَا کے ساتھ۔
(عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۷)

شِيَعٌ: أُمَمٌ- اُمتیں۔ یہ شِيۡعَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں دوست اور ہم خیال لوگ۔ فرماتا ہے: وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِيۡ شِيَعِ الۡاَوَّلِيۡنَ ○ وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ○ (الحجر:۱۱، ۱۲) اور ہم تجھ سے پہلے اگلے لوگوں کی جماعتوں میں بھی رسول بھیج چکے ہیں اور جو رسول بھی ان کے پاس آتا رہا ہے وہ ضرور اس کی ہنسی اُڑاتے رہے ہیں۔

وَقَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ يُهۡرَعُوۡنَ مُسۡرِعِيۡنَ: بے تحاشہ بھاگتے ہوئے آئے۔ یہ لفظ سورۃ ہود کی ایک آیت میں آیا ہے نہ کہ سورۃ الحجر میں۔ وَجَآءَهٗ قَوۡمُهٗ يُهۡرَعُوۡنَ اِلَيۡهِ ؕ وَمِنۡ قَبۡلُ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ ○ (ھود:۷۹) اور اس کی قوم (غصہ سے) اس کی طرف بھاگتی ہوئی آئی (اور یہ پہلا موقعہ نہ تھا) پہلے (بھی) وہ (لوگ نہایت خطرناک) بدیاں کرتے تھے۔ ابن ابی حاتمؒ نے بسند علی بن ابی طلحہ معنی مُسۡرِعِيۡنَ حضرت ابن عباسؓ سے موصولاً نقل کئے ہیں۔
(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۸۲)

لِلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ: لِلنَّاظِرِيۡنَ- قوم لوطؑ کی تباہی کے متعلق فرماتا ہے: اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ ○ (الحجر:۷۶) اس (ذکر) میں فراست سے کام لینے والوں کے لیے یقیناً کئی نشان ہیں۔ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ ○ (الحجر:۷۷) اور وہ (کوئی گمنام جگہ نہیں بلکہ) ایک بڑے مستقل راستے پر (واقع) ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر کتاب احادیث الانبیاء، باب ۱۶ میں بھی تفصیل سے گذر چکا ہے۔

سُكِّرَتۡ: غُشِّيَتۡ- پردے ڈال دیئے گئے۔ فرماتا ہے: وَلَوۡ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوۡا فِيۡهِ يَعۡرُجُوۡنَ ○ لَقَالُوۡۤا اِنَّمَا سُكِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ ○ (الحجر:۱۵، ۱۶) اور اگر (بالفرض) ہم ان پر (شناخت کی) کوئی آسمانی راہ کھول (بھی) دیتے اور وہ اس سے (فائدہ اٹھا کر) حقیقت کو سمجھنے بھی لگتے تو (بھی) وہ (یہی) کہتے (کہ) محض ہماری نظروں پر پردہ ڈالا گیا ہے (ورنہ حقیقت کچھ نہیں) بلکہ ہم (لوگوں) پر (کوئی) جادو کر دیا گیا ہے۔ سُكِّرَتۡ کے معنی سُدَّتۡ یعنی ہماری آنکھیں دیکھنے سے روک دی گئی ہیں۔ لفظ سُكِّرَتۡ کی دو قراءتیں

ہیں۔ ایک کاف مشدد کے ساتھ جو جمہور کی قراءت ہے اور دوسری کاف بلا شدّ جو سُکِرَ سے ہے۔ یہ قراءت ابن کثیر اور زہری سے مروی ہے۔ سُکْر کے معنی نشہ شراب، جس کی وجہ سے انسان مدہوش ہوتا ہے اور اسے صحیح طور پر دکھائی نہیں دیتا۔ قتادہؒ سے سُكِرَتْ کے معنی سُحِرَتْ بھی کئے گئے ہیں کہ ہماری آنکھوں کو جادو کیا گیا ہے۔ غرض اس اختلاف قراءت کی وجہ سے امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کیا ہے اور جمہور کی قراءت قبول کی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۸۲) علامہ عینیؒ نے کلبی سے سُكِّرَتْ کے معنی أُغْشِيَتْ نقل کئے ہیں اور یہ بھی منقول ہے: مُنِعَتْ مِنَ النَّظْرِ دیکھنے سے روک دی گئیں۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۸) بہر حال مفہوم ایک ہی ہے۔

بُرُوْجًا: سورج اور چاند وغیرہ سیارگان کی منزلیں، ان کے مدار و مناطق۔ جو مِنْطَقَة کی جمع ہے یعنی دائرہ حرکت۔ فرماتا ہے: وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ○ (الحجر:۱۷) اور یقیناً ہم نے آسمان میں (ستاروں کی) کئی منزلیں بنائی ہیں اور ہم نے اُسے دیکھنے والوں کے لئے خوبصورت بنایا ہے۔ ہر سیارے اور ستارے کے لئے ایک منطقہ حرکت معین ہے جس سے وہ اِدھر اُدھر نہیں ہوتا۔

لَوَاقِحَ: یہ لَاقِحٌ کی جمع ہے۔ مُلْقَحَةٌ بھی انہی معانی میں ہے یعنی حمل قرار پانے والی ہوائیں، بارآور۔ مُلْقَحَةٌ کی جمع مَلَاقِحُ ہے۔ لَوَاقِحَ وصف ہے رِيَاحٌ کا۔ یعنی ہوائیں پانی اٹھائے ہوئے چلتی اور بارآوری کا موجب ہوتی ہیں۔ فرماتا ہے: وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ○ (الحجر:۲۳) اور ہم نے (بخارات کو) اُٹھانے والی ہوائیں (بھی) چھوڑ رکھی ہیں اور (اُن کے ذریعہ سے) ہم نے بادلوں سے پانی اُتارا ہے، پھر وہ تمہیں پلایا ہے۔ اور تم خود اسے محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے۔ (لیکن اس ذریعہ سے ہم نے اُسے محفوظ کر دیا ہے) اگر یہ طریق نہ ہوتا تو دریاؤں، نہروں اور کنوؤں کا پانی محفوظ نہ رہتا بلکہ مکدر اور متعفن ہو جاتا اور استعمال کے قابل نہ رہتا۔ صحتیں بگڑ جاتیں اور فصلوں کے لئے بھی نقصان دہ ہوتا۔

حَمَاٍ جمع ہے حَمَأَةٌ کی۔ الطِّينُ الْمُتَغَيِّرُ جیسے گارا۔ الْمَسْنُونُ کے معنی الْمَصْبُوبُ ڈھلا ہوا گارا۔ لفظ حَمَاٍ اور مَسْنُوْن سورۃ الحجر کی آیت نمبر ۲۷ میں آئے ہیں۔ فرماتا ہے: وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ اور انسان کو ہم نے آواز دینے والی مٹی سے یعنی سیاہ گارے سے جس کی ہیئت تبدیل ہو گئی تھی پیدا کیا ہے۔ یہ آیت مع تشریح کتاب بدء الخلق میں گزر چکی ہے۔ (دیکھئے کتاب بدء الخلق، تشریح باب ۱۲)

لَا تَوْجَلْ: نہ ڈر خوف نہ کھا۔ کسی قسم کا دھڑکا نہ رہے۔ فرماتا ہے: قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ○ (الحجر:۵۴) انہوں نے کہا (کہ) توخوف نہ کر۔ ہم تجھے ایک بہت علم (پانے) والے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔

دَابِرَ: اس کے معنی ہیں جڑ کا آخری حصہ۔ فرماتا ہے: وَ قَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ○ (الحجر:۶۷) اور ہم نے اس فیصلے سے اسے آگاہ کر دیا کہ ان لوگوں کی جڑیں صبح ہوتے ہی کاٹ دی جائیں گی۔ لفظ دَابِرَ مفرد ہے۔ چونکہ جمع کی طرف مضاف ہے اس لئے اس کے معنی صیغہ جمع سے کئے گئے ہیں۔ یعنی ان کا کچھ نہیں چھوڑا جائے گا، وہ پورے طور پر تباہ کر دیئے جائیں گے۔

الصَّيْحَةُ: الْهَلَكَةُ- یعنی ہلاکت۔ فرماتا ہے: فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ○ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ○ (الحجر: ۷۴،۷۵) یعنی (لوط علیہ السلام کی) قوم کو دن چڑھتے ہی موعودہ سزا نے پکڑ لیا اور اس بستی کو اوپر تلے کر دیا اور ان پر سنگریزے پتھر برسائے گئے۔ یعنی زلزلے سے تباہ ہوئے جو آسمانی حملہ تھا۔ صَيْحَةٌ اس آواز کو بھی کہتے ہیں جو لڑائی میں بلند کی جاتی ہے۔ اس کے لفظی معنی چنگھاڑ کے ہیں۔

باب ۱: اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ○ (الحجر: ۱۹)

مگر جو شخص چوری سے (وحی الٰہی کی) کوئی بات سن لے (اور اُسے بگاڑ کر پھیلائے)
تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ لگا دیا جاتا ہے

٤٧٠١: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَالسِّلْسِلَةِ عَلَى صَفْوَانٍ قَالَ عَلِيٌّ وَقَالَ غَيْرُهُ صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ (سبا: ٢٤) قَالُوا لِلَّذِي قَالَ الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (سبا: ٢٤) فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُو السَّمْعِ وَمُسْتَرِقُو السَّمْعِ هٰكَذَا وَاحِدٌ فَوْقَ آخَرَ وَوَصَفَ سُفْيَانُ بِيَدِهِ وَفَرَّجَ بَيْنَ أَصَابِعِ يَدِهِ الْيُمْنَى نَصَبَهَا بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ فَرُبَّمَا أَدْرَكَ الشِّهَابُ الْمُسْتَمِعَ قَبْلَ أَنْ يَرْمِيَ بِهَا

۴۷۰۱: علی بن عبد اللہ نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عمرو سے، عمرو نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔ وہ اس روایت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: جب اللہ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے اس کی بات سن کر عاجزی سے اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہیں جس کی ایسی آواز ہوتی ہے جیسے زنجیر کو پتھر پر مارنے سے۔ علی (بن عبد اللہ) کہتے تھے: سفیان کے علاوہ بعض نے کہا: اللہ اس (امر) کو اُن تک پہنچا دیتا ہے۔ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: تمہارے ربّ نے کیا کہا ہے؟ وہ کہتے ہیں: اس ذات کی قسم ہے جس نے حق کہا ہے۔ اور وہ بلند شان اور بڑے اختیارات والا ہے۔ تب چوری سے سننے والے سن لیتے ہیں اور چوری سے سننے والے اس طرح ایک دوسرے کے اُوپر ہوتے ہیں۔ اور سفیان

إِلَى صَاحِبِهِ فَيُحْرِقَهُ وَرُبَّمَا لَمْ يُدْرِكْهُ حَتَّى يَرْمِيَ بِهَا إِلَى الَّذِي يَلِيهِ إِلَى الَّذِي هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ حَتَّى يُلْقُوهَا إِلَى الْأَرْضِ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى الْأَرْضِ فَتُلْقَى عَلَى فَمِ السَّاحِرِ فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ فَيُصَدَّقُ فَيَقُولُونَ أَلَمْ يُخْبِرْنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا يَكُونُ كَذَا وَكَذَا فَوَجَدْنَاهُ حَقًّا لِلْكَلِمَةِ الَّتِي سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ.

نے اپنے ہاتھ کے اشارہ سے اسے بیان کیا۔ انہوں نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو اس طرح کھولا کہ ایک دوسرے کے اوپر تھی۔ کبھی تو سننے والے کے اپنے ساتھی کو پہنچانے سے پہلے شہاب اسے پکڑ لیتا ہے اور اسے جلا دیتا ہے۔ اور کبھی وہ اسے نہیں پکڑتا یہاں تک کہ وہ اسے اپنے سے نیچے والے ساتھی کو پہنچا دیتا ہے اور وہ اسے زمین تک پہنچا دیتا ہے۔ اور ایک مرتبہ سفیان نے کہا: یہاں تک کہ وہ زمین تک پہنچ جاتی ہے اور دھوکہ دینے والے کے منہ پر آجاتی ہے تو وہ سو جھوٹ اس کے ساتھ ملا کر بولتا ہے پھر اس کی تصدیق ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں: کیا اس نے ہمیں فلاں فلاں دن نہیں بتایا تھا کہ ایسا ایسا ہو گا؟ تو ہم اسے اس بات کی وجہ سے جو آسمان سے سنی گئی تھی سچا سمجھ لیتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ وَزَادَ وَالْكَاهِنِ.

علی بن عبد اللہ نے ہمیں بتایا۔ سفیان نے ہم سے بیان کیا کہ عمرو نے ہمیں یہی بتلایا۔ انہوں نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ جب اللہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور انہوں نے (اس روایت میں یہ لفظ) زائد بیان کیا ہے یعنی اور کاہن....

وَحَدَّثَنَا سُفْيَانُ فَقَالَ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ وَقَالَ عَلَى فَمِ

اور سفیان نے ہم سے بیان کیا اور کہا: عمرو کہتے تھے: میں نے عکرمہ سے سنا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے ہمیں بتلایا، کہا: جب اللہ کسی بات کا فیصلہ کرتا

السَّاحِرِ قُلْتُ لِسُفْيَانَ آنْتَ سَمِعْتَ عَمْرًا قَالَ سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ لِسُفْيَانَ إِنَّ إِنْسَانًا رَوَى عَنْكَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَيَرْفَعُهُ أَنَّهُ قَرَأَ فُرِّغَ (سبا:٢٤). قَالَ سُفْيَانُ هَكَذَا قَرَأَ عَمْرٌو فَلَا أَدْرِي سَمِعَهُ هَكَذَا أَمْ لَا قَالَ سُفْيَانُ وَهِيَ قِرَاءَتُنَا.

ہے۔ اور کہا: دھوکہ دینے والے کے منہ پر۔ میں نے سفیان سے پوچھا: کیا آپ نے عمرو سے سنا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے عکرمہ سے سنا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ میں نے سفیان سے کہا کہ ایک آدمی نے آپ سے یوں روایت کی ہے کہ آپ نے عمرو سے، عمرو نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ اور وہ اسے مرفوع بیان کرتے تھے کہ آنحضور ﷺ نے یوں پڑھا ہے کہ گھبراہٹ دور کر دی گئی۔ سفیان نے کہا: عمرو نے اسی طرح پڑھا۔ اور میں نہیں جانتا کہ انہوں نے اسی طرح سنا تھا یا نہیں۔ سفیان نے کہا: اور یہی ہماری قرأت ہے۔

أطرافهُ: ٤٨٠٠، ٧٤٨١۔

بَاب ٢: وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الحجر:٨١)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) حجر والوں نے (بھی) یقیناً (ہمارے) پیغمبروں کو جھٹلایا تھا

٤٧٠٢: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لِأَصْحَابِ الْحِجْرِ لَا تَدْخُلُوا عَلَى هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ أَنْ يُّصِيبَكُمْ مِّثْلُ مَا أَصَابَهُمْ.

۴۷۰۲: ابراہیم بن منذر نے ہم سے بیان کیا۔ معن نے ہمیں بتایا، کہا: مالک نے مجھے بتایا۔ انہوں نے عبداللہ بن دینار سے، عبداللہ بن دینار نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر والوں کی نسبت فرمایا: تم اس قوم (کے آثار) پر نہ جاؤ سوائے اس کے کہ تم گریہ وزاری کرنے والے ہو۔ پس اگر تم گریہ وزاری نہ کرو تو اُن کے پاس نہ جاؤ، مبادا تمہیں وہی عذاب پہنچے جو انہیں پہنچا۔

أطرافهُ: ٤٣٣، ٣٣٨٠، ٣٣٨١، ٤٤١٩، ٤٤٢٠۔

تشریح. وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ: اس آیت سے متعلق بھی ایک اختلاف ہے جس کی وجہ سے اس کے لئے باب قائم کیا گیا ہے۔ اس تعلق میں جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے علاقہ حجر میں داخل ہونے سے منع فرمایا کہ اہل حجر کو سزا دی گئی تھی مبادا تمہیں بھی سزا دی جائے۔ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِيْنَ سوائے اس کے کہ تم گریہ وزاری کرتے ہوئے وہاں جاؤ۔ شیخ ابوالحسن نے بَاكِيْنَ کی جگہ بَائِيْنَ پڑھا ہے جو بَاءَ يَبُوْءُ سے اسم فاعل بَاءٍ ہے یعنی رَاجِعٌ لوٹنے والے۔ بَاءٍ کی جمع بَائِيْن ہے، یعنی رَاجِعِيْن۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ان علاقوں میں مقیم نہ ہو، کاروبار کے لئے اگر وہاں جانا ہو تو پھر تم وہاں سے لوٹ آؤ۔ ابن التین نے روایت کی ہے لیکن اس کو پسند نہیں کیا اور کہا ہے: لَا وَجْهَ لَهُ۔ یعنی اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ (فتح الباری جزء٨ صفحہ ۴٨۴)

حجر سے مراد وہ احاطہ یا شہر یا قلعہ ہوتا ہے جس کے گرد پتھروں کی فصیل ہو۔ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ سے مراد ثمود کا شہر ہے جو حضرت صالح نبی علیہ السلام کی قوم تھی۔ کیونکہ یہ شہر فصیلوں سے مضبوط اور محفوظ کیا گیا تھا، اس لئے اس کا نام حجر مشہور ہوا۔

متعلقہ آیات یہ ہیں: وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ○ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ○ (الحجر: ٨١ تا ٨٣) حجر والے بھی مرسلوں کی تکذیب کر چکے ہیں اور ہم نے انہیں اپنے نشان دیئے مگر وہ ان سے روگردان رہے اور وہ پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے تھے کہ امن سے رہیں۔

بَاب ٣: وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ○ (الحجر: ٨٨)

اور ہم نے یقیناً تجھے سات دہرائی جانے والی (آیات) اور (بہت بڑی) عظمت والا قرآن دیا ہے

٤٧٠٣: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ مَرَّ بِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أُصَلِّي فَدَعَانِي فَلَمْ آتِهِ حَتَّى صَلَّيْتُ ثُمَّ أَتَيْتُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَ فَقُلْتُ كُنْتُ أُصَلِّي فَقَالَ أَلَمْ يَقُلِ اللهُ

۴٧٠٣: محمد بن بشار نے مجھے بتایا۔ غندر نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے خبیب بن عبدالرحمٰن سے، خبیب نے حفص بن عاصم سے، حفص نے حضرت ابوسعید بن معلیٰؓ سے روایت کی، انہوں نے کہا: نبی ﷺ میرے پاس سے گزرے اور میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپؐ نے مجھے بلایا، لیکن میں آپؐ کے پاس نہ آیا۔ یہاں تک کہ میں نے نماز پڑھ لی پھر آیا۔ تو آپؐ نے فرمایا: تمہیں (میرے پاس) آنے سے کس

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ(الانفال:۲٥) ثُمَّ قَالَ أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَذَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَخْرُجَ فَذَكَّرْتُهُ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الفاتحة:۲) هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ.

أطرافه: ٤٤٧٤، ٤٦٤٧، ٥٠٠٦۔

بات نے روکا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا؟ اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی بات سنو۔ پھر آپؐ نے فرمایا: سنو! میں مسجد سے نکلنے سے پہلے تمہیں قرآن کی سب سے بڑی سورۃ بتاؤں گا۔ پھر نبی ﷺ (مسجد سے) نکلنے لگے تو میں نے آپؐ کو یاد دلایا۔ آپؐ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی ہر (قسم کی) تعریف کا اللہ (ہی) مستحق ہے (جو) تمام جہانوں کا ربّ (ہے۔) یہی سات دُہرائی جانے والی (آیات) اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

٤٧٠٤: حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ.

۴۷۰۴: آدم نے ہم سے بیان کیا کہ ابن ابی ذئب نے ہمیں بتایا۔ سعید مقبری نے ہمیں خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُمّ القرآن ہی سبع مثانی (سات دُہرائی جانے والی آیات) ہے اور قرآن عظیم ہے۔

تشریح: وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ: اس باب کی دونوں روایتوں سے ظاہر ہے کہ سبع مثانی سورۂ فاتحہ ہے۔ جس کی مع بسم اللہ سات آیتیں نمازوں میں بار بار دہرائی جاتی ہیں اور نہ صرف بلحاظ الفاظ دہری ہیں یعنی الرَّحْمٰن- الرَّحِيْم، اِيَّاكَ- اِيَّاكَ، صِرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ- صِرَاطَ الَّذِيْنَ، غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ- وَلَا الضَّآلِّيْن، بلکہ معانی کے اعتبار سے اس کی آیتیں تہ بہ تہ ہیں اور قرآن عظیم کی تفصیل مجمل طور پر اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اس سورۃ میں اجمال ہے اور قرآن کریم میں تفصیل۔

اس تعلق میں امام ابن حجرؒ نے خطابیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اس باب سے محمد بن سیرینؒ کا قول ردّ کرنا مقصود ہے، جن کے نزدیک اُمُّ الْكِتَابِ سورۂ فاتحہ نہیں بلکہ لوح محفوظ کا نوشتہ تقدیر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سورۂ فاتحہ اس

لئے أُمُّ الْكِتَابِ ہے کہ وہ اصل مقصود ہے۔ أُمُّ الشَّيْءِ کے معنی ہیں کسی چیز کا اصل، جس کا بار بار قصد کیا جائے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۸۵) ماں کو بھی انہی معنوں میں اُمّ کہتے ہیں کہ بچہ دودھ کے لئے بار بار اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی مفہوم میں سورۃ فاتحہ أُمُّ الْكِتَابِ کہلاتی ہے۔ كَأَنَّهَا تَؤُمُّهُ- گویا تو اس کا بار بار قصد کرتا ہے۔ بعض کے نزدیک أُمُّ الْكِتَابِ سات لمبی سورتیں ہیں جو السَّبْعُ الطِّوَالُ کے نام سے مشہور ہیں، یعنی الْبَقَرَةُ، آل عِمْرَان، النِّسَاءُ، الْمَائِدَةُ، الْأَنْعَامُ، الْأَعْرَافُ اور يُونُس۔ اس بارے میں روایت حضرت ابن عباسؓ کی ہے جو طبریؒ نے نقل کر کے ترجیح مذکورہ بالا قول کو ہی دی ہے کہ سورۃ فاتحہ ہی درحقیقت أُمُّ الْكِتَابِ ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۸۵)

بَاب ٤ : قَوْلُهُ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ○ (الحجر: ٩٢)

اللہ تعالیٰ کا فرمانا: وہ (لوگ) جنہوں نے قرآن کو جھوٹی باتوں کا مجموعہ قرار دیا تھا

الْمُقْتَسِمِيْنَ (الحجر: ٩١) الَّذِينَ حَلَفُوا، وَمِنْهُ لَآ أُقْسِمُ (البلد: ٢) أَيْ أُقْسِمُ، وَتُقْرَأُ لَأُقْسِمُ، قَاسَمَهُمَآ (الاعراف: ٢٢) حَلَفَ لَهُمَا وَلَمْ يَحْلِفَا لَهُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَقَاسَمُوْا (النمل: ٥٠) تَحَالَفُوا.

الْمُقْتَسِمِيْنَ سے مراد وہ ہیں جنہوں نے قسمیں کھائیں۔ اور اسی سے لَآ أُقْسِمُ ہے۔ یعنی میں قسم کھاتا ہوں۔ اور لَأُقْسِمُ (بھی) پڑھا جاتا ہے۔ یعنی میں ضرور قسم کھاتا ہوں۔ قَاسَمَهُمَآ کے معنی ہیں اس نے ان دونوں سے قسم کھائی اور ان دونوں نے اس سے قسم نہ کھائی۔ اور مجاہد نے کہا: تَقَاسَمُوْا کے معنی ہیں تم سب قسم کھاؤ۔

٤٧٠٥ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ○ (الحجر: ٩٢) قَالَ هُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ جَزَّءُوهُ أَجْزَاءً فَآمَنُوا بِبَعْضِهِ وَكَفَرُوا بِبَعْضِهِ.

أطرافه: ٣٩٤٥، ٤٧٠٦-

۴۷۰۵: یعقوب بن ابراہیم سے ہم سے بیان کیا کہ ہشیم نے ہمیں بتایا۔ ابوبشر نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ (انہوں نے آیت) الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ (یعنی جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے سے متعلق) کہا: وہ اہل کتاب تھے جنہوں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس کی بعض باتیں مانیں اور بعض کا انکار کیا۔

٤٧٠٦: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ○ (الحجر: ٩١) قَالَ آمَنُوا بِبَعْضٍ وَكَفَرُوا بِبَعْضٍ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى.

٤٧٠٦: عبید اللہ بن موسیٰ نے مجھے بتایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابوظبیان سے، ابوظبیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے (آیت) كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ کے متعلق روایت کی کہ انہوں نے کہا: یہود اور نصاریٰ نے بعض باتیں مانیں اور بعض کا انکار کیا۔

أطرافهُ: ٣٩٤٥، ٤٧٠٥۔

تشریح: الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ: عِضِيْنَ جمع ہے عُضْوٌ یا عِضَةٌ کی جو درحقیقت عِضَهَةٌ ہے جیسے شَفَهَةٌ۔ هاء محذوف ہونے کے بعد شَفَةٌ اور عِضَةٌ ہوتا ہے۔ شَفَهَةٌ کے معنی ہونٹ اور عِضَهَةٌ کے معنی ٹکڑا۔ (فتح الباری جزء٨ صفحه ٤٨٦) پوری آیت مع اپنے سیاق کے یہ ہے: وَ قُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ○ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ○ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ○ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الحجر: ٩٠ تا ٩٤) تو کہہ دے میں ایک کھلا کھلا ہوشیار کرنے والا ہوں۔ اس لیے کہ (خدا کہتا ہے کہ) ہم نے اُن (لوگوں) کے لیے (بھی) عذاب مقرر کر چھوڑا ہے جنہوں نے (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف منصوبوں میں اپنی) ڈیوٹیاں تقسیم کی ہوئی تھیں (یعنی) وہ (لوگ) جنہوں نے قرآن کو جھوٹی باتوں کا مجموعہ قرار دیا تھا۔ سو تیرے ربّ کی قسم! ہم اُن سب سے جواب طلبی کریں گے اُن کاموں کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے۔

طبریؒ نے بھی بسند قتادہؒ روایت کی ہے کہ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ کا یہ مفہوم ہے عَضَهُوْهُ وَبَهَتُوْهُ۔ یعنی انہوں نے اس کی طرف افتراء اور بہتان منسوب کیا۔ عکرمہ سے مروی ہے کہ الْعَضْهُ قریش کی زبان میں السِّحْرُ کو کہتے ہیں۔ جادوگر العاضهة کہلاتا ہے۔ جنہوں نے عِضِيْنَ عَضْهٌ کی جمع قرار دی ہے۔ ان کے نزدیک جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ سے یہ مراد ہے کہ قریش میں سے کسی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر ہیں اور قرآن ایک جادوگر کا کلام ہے۔ ان میں سے بعض نے آپؐ کو مجنون سمجھا اور کہا کہ یہ مجنون کی باتیں ہیں اور کسی نے آپؐ کو کاہن قرار دیا اور آپؐ کی باتیں کاہنوں والی قرار دیں۔ غرض اسی طرح قرآن مجید سے متعلق مختلف قیاس آرائیاں ہوئیں۔ مجاہدؒ سے بھی یہی مفہوم مروی ہے اور اس تعلق میں آیت قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ (النحل: ٢٥) کہ یہ پہلوں کی سی خرافات ہیں۔ یعنی قصے کہانیاں۔ سدیؒ سے مروی ہے۔ الْمُقْتَسِمِيْنَ سے یہ مراد ہے کہ قَسَّمُوا الْقُرْآنَ وَاسْتَهْزَءُوا بِهٖ۔ یعنی انہوں نے قرآن مجید کے حصے بخرے کر دئے اور اس کا مذاق اڑایا۔ الفاظ الْبَعُوض وَالذُّبَاب وَالنَّمْل وَالْعَنْكَبُوت (مچھر اور مکھی اور چیونٹی اور مکڑی) کا ذکر جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے اس پر پھبتیاں اڑائیں، اُن

لوگوں کو اَلْمُقْتَسِمِیْنَ کہا گیا اور ان کے نام یہ تھے اسود بن عبد یغوث، اسود بن مطلب، عاص بن وائل، حارث بن قیس اور ولید بن مغیرہ۔ یہ قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ بعض روایات میں یہ ذکر ملتا ہے کہ یہ پانچوں سردار ایک ہی رات میں ہلاک ہوئے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۸۶)

جہاں تک روایتوں کا تعلق ہے اس کا خلاصہ یہی ہے جو اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک سیاق کلام کا تعلق ہے اس کے معانی میں وسعت ہے۔ اَلْمُقْتَسِمِیْنَ کے معنی ہیں وہ لوگ جنہوں نے قسمیں اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے خلاف منصوبہ تیار کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک حصہ کام کرنے کا ذمہ لیا تھا۔ کسی نے قبائل کو اشتعال دلانے کا کام اور کسی نے فوج کشی کا انتظام اور بعض نے حملہ کرنے والی فوجوں کی خوراک مہیا کرنے کا ذمہ لیا۔ اس طرح انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے سے پہلے اپنے منصوبہ کو پختہ کیا اور اس آیت میں ان لوگوں کی سزا کا ذکر ہے کہ انہیں ان کے بد انجام سے آگاہ کر دیا جائے کہ وہ اپنی اس منصوبہ بندی میں ناکام ہوں گے۔ اَلْمُقْتَسِمِیْنَ کے یہی معنی مجاہدؒ سے مروی ہیں: تَقَاسَمُوْا- تَحَالَفُوا- یعنی قسمیں کھا کھا کر آپس میں عہد و پیمان کئے۔
(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۸۷)

روایت زیر باب میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اَلْمُقْتَسِمِیْنَ سے مراد اہل کتاب ہیں کہ ان میں سے بعض نے قرآن مجید کی کچھ باتیں جو ان کے حق میں تھیں صحیح تسلیم کیں اور باقی کا انکار کر دیا۔ یہی حال اب ان مسلمانوں کا ہے جنہوں نے اہل کتاب کی کھلم کھلی مشابہت اختیار کر لی ہے۔ احکام نماز، روزہ اور پردہ وغیرہ پس پشت ڈال دیئے گئے ہیں نہ صرف ان کی نسبت تاویلیں کرنے لگے ہیں بلکہ ان احکام کا مذاق بھی اڑایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مسلمان آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق بہتر ۷۲ سے زیادہ فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ ہر فرقہ اپنے خیال کی تائید میں آیات کی تاویل کرتا ہے اور اس لحاظ سے یہ سب لوگ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ کے مصداق اور اَلْمُقْتَسِمِیْنَ سے متعلق وعید کے تحت ہیں۔ یہ سب اپنے قول و عمل کا خمیازہ بھگتیں گے۔ غرض جیسا کہ قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ سے ارشاد فرمایا کہ ان سب سے کہہ دو کہ میں تم سب کے لئے نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ہوں۔ آپؐ نے اس ارشاد کا حق ادا کر دیا اور انذار میں پوری پوری صراحت فرمائی۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی احادیث میں اس انذار کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔

بَاب: ۵ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ○ (الحجر: ۱۰۰)

اور اپنے ربّ کی عبادت کرتا رہ، یہاں تک کہ تجھ پر موت (کی گھڑی) آ جائے

قَالَ سَالِمٌ اَلْيَقِيْنُ (الحجر: ۱۰۰) اَلْمَوْتُ. سالم نے کہا: اَلْيَقِيْنُ سے مراد موت ہے۔

تشریح: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ: سالم نے کہا: اس آیت میں اَلْيَقِيْنُ سے مراد موت ہے۔ (جس کا واقع ہونا یقینی امر ہے) فریابی، عبد بن حمید وغیرہ نے اَلْيَقِيْنُ کے یہ معنی

سالم بن ابی الجعد سے موصولاً نقل کئے اور طبریؒ نے بھی متعدد سندوں سے مجاہدؒ اور قتادہؒ وغیرہ سے یہی معنی بیان کئے ہیں اور اس تعلق میں سورۃ المدثر کی آیت کا حوالہ بھی دیا گیا ہے: وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ○ حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ○ (المدثر: ۴۷، ۴۸) یعنی ہم جزاء وسزا کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم پر موت آگئی۔

(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۸۷)

اس تعلق میں مسلم کی اس حدیث کا بھی حوالہ دیا گیا ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً منقول ہے: مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ، رَجُلٌ مُمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، يَطِيرُ عَلَى مَتْنِهِ، كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً، أَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَيْهِ، يَبْتَغِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَظَانَّهُ، أَوْ رَجُلٌ فِي غُنَيْمَةٍ فِي رَأْسِ شَعَفَةٍ مِنْ هَذِهِ الشَّعَفِ، أَوْ بَطْنِ وَادٍ مِنْ هَذِهِ الْأَوْدِيَةِ، يُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَيَعْبُدُ رَبَّهُ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْيَقِينُ، لَيْسَ مِنَ النَّاسِ إِلَّا فِي خَيْرٍ۔[1] یعنی سب سے اچھی زندگی جو لوگوں کے ساتھ کوئی معاشرے میں گزارے، اُس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہو اور جب کبھی بھی کوئی خطرے یا خوف کی آواز سنتا ہے تو جہاد اور شہادت کے شوق میں اُس کی پیٹھ پر سوار ہو کر اُڑتا ہوا اُس کی طرف جاتا ہے یا اُس شخص کی (ہے) جو اپنی بکریوں کے ساتھ اُن پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کی چوٹی پر یا اُن وادیوں میں سے کسی وادی میں ہوتا ہے۔ وہ نماز قائم کرتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے اور اپنے ربّ کی عبادت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے موت آجاتی ہے۔ لوگوں میں سے وہ خیر (کی حالت) میں ہی ہوتا ہے۔ لفظ الْيَقِيْنُ کا اطلاق موت پر بطور مجاز ہے نہ کہ لغوی معنوں میں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۸۷)

☆☆☆

---

[1] (مسلم، کتاب الإمارة، باب فضل الجهاد والرباط)

۱۶ - سُورَةُ النَّحْل

رُوحُ الْقُدُسِ جِبْرِيلُ. نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ (الشعراء: ١٩٤). فِيْ ضَيْقٍ (النحل: ١٢٨) يُقَالُ أَمْرٌ ضَيْقٌ وَضَيِّقٌ مِثْلُ هَيْنٍ وَهَيِّنٍ وَلَيْنٍ وَلَيِّنٍ وَمَيْتٍ وَمَيِّتٍ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ تَتَهَيَّأُ. سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا (النحل: ٧٠) لَا يَتَوَعَّرُ عَلَيْهَا مَكَانٌ سَلَكَتْهُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ (النحل: ٤٧) اخْتِلَافِهِمْ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَمِيدُ تَكَفَّأُ. مُفْرَطُوْنَ مَنْسِيُّونَ. وَقَالَ غَيْرُهُ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (النحل: ٩٩) هَذَا مُقَدَّمٌ وَمُؤَخَّرٌ، وَذَلِكَ أَنَّ الِاسْتِعَاذَةَ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ، وَمَعْنَاهَا الِاعْتِصَامُ بِاللّٰهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تُسِيْمُوْنَ (النحل: ١١) تَرْعَوْنَ. شَاكِلَتِهٖ (بنی اسرائیل: ٨٥) نَاحِيَتِهِ. قَصْدُ السَّبِيْلِ (النحل: ١٠) الْبَيَانُ. الدِّفْءُ مَا اسْتَدْفَأْتَ بِهِ. تُرِيْحُوْنَ (النحل: ٧) بِالْعَشِيِّ وَ تَسْرَحُوْنَ (النحل: ٧) بِالْغَدَاةِ. بِشِقِّ (النحل: ٨) يَعْنِي الْمَشَقَّةَ. عَلٰى تَخَوُّفٍ (النحل: ٤٨) تَنَقُّصٍ. الْاَنْعَامِ

روح القدس سے مراد جبریل ہیں۔ روح امین (امانت دار روح) اسے لے کر نازل ہوئی ہے۔ فِيْ ضَيْقٍ سے مراد ہے تنگی میں۔ کہا جاتا ہے: أَمْرٌ ضَيْقٌ اور ضَيِّقٌ یعنی پریشان کن معاملہ۔ جیسے هَيْنٌ اور هَيِّنٌ: یعنی آسانی یا آسان، اور لَيْنٌ وَلَيِّنٌ: نرمی اور نرم، اور مَيْتٌ وَمَيِّتٌ: یعنی مردہ۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: تَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ کے معنی ہیں اُس کے سایے ہیئت اور شکل اختیار کررہے ہیں۔ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا سے مراد ایسی جگہ میں اُس کو داخل کرنا ہے جو اُس کے لیے دشوار گذار نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: فِيْ تَقَلُّبِهِمْ کے معنی ہیں اُن کے اِدھر اُدھر ہونے میں۔ اور مجاہد نے کہا: تَمِيْدُ کے معنی ہیں الٹ جائے، (غیر متوازن ہو جائے۔) مُفْرَطُونَ کے معنی ہیں بُھلا دیئے جانے والے۔ اور بعض اَوروں نے کہا: (اے مخاطب!) جب تو قرآن پڑھنے لگے تو دھتکارے ہوئے شیطان (کے شرّ) سے (محفوظ رہنے کے لئے) اللہ کی پناہ مانگ (لیا کر)۔ یہ (استعاذہ قراءت کے) ابتداء میں بھی ہے اور آخر میں بھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ قراءت سے قبل اَعُوْذُ بِاللّٰہ پڑھا جاتا ہے۔ اور اس (استعاذہ) کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: تُسِيْمُوْنَ کے معنی ہیں تم (جانور) چراتے ہو۔ شَاكِلَتِهٖ کے معنی ہیں اُس کا طریق۔ قَصْدُ السَّبِيْلِ سے مراد

لَعِبْرَةً(النحل:٦٧) وَهِيَ تُؤَنَّثُ وَتُذَكَّرُ، وَكَذَلِكَ النَّعَمُ، الْأَنْعَامُ جَمَاعَةُ النَّعَمِ. أَكْنَانًا(النحل:٨٢) وَاحِدُهَا كِنٌّ مِثْلُ حِمْلٍ وَ أَحْمَالٍ. سَرَابِيْلَ(النحل:٨٢) قُمُصٌ، تَقِيْكُمُ الْحَرَّ (النحل:٨٢) وَأَمَّا سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَأْسَكُمْ (النحل:٨٢) فَإِنَّهَا الدُّرُوعُ. دَخَلًا بَيْنَكُمْ (النحل:٩٣) كُلُّ شَيْءٍ لَمْ يَصِحَّ فَهُوَ دَخَلٌ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ حَفَدَةً(النحل:٧٢) مِنْ وَّلَدِ الرَّجُلِ. السَّكَرُ مَا حُرِّمَ مِنْ ثَمَرَتِهَا. وَالرِّزْقُ الْحَسَنُ مَا أَحَلَّ اللهُ. وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ صَدَقَةَ أَنْكَاثًا(النحل:٩٢) هِيَ خَرْقَاءُ كَانَتْ إِذَا أَبْرَمَتْ غَزْلَهَا نَقَضَتْهُ. وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ:الْأُمَّةُ مُعَلِّمُ الْخَيْرِ. {وَالْقَانِتُ الْمُطِيْعُ.[1]}

ہے (سیدھی راہ کا) بیان کرنا۔ الدِّفْءُ سے گرمی حاصل کرنے کا سامان مراد ہے۔ تُرِيْحُوْنَ سے شام کے وقت چرانا مراد ہے اور تَسْرَحُوْنَ سے مراد صبح کے وقت چرانا ہے۔ بِشِقِّ کا مطلب ہے مشقت سے، تکلیف برداشت کرکے۔ عَلٰى تَخَوُّفٍ سے مراد ہے آہستہ آہستہ گھٹا کر یا کمزور کرکے۔ الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً، یہ مؤنث (بھی) ہے اور مذکر (بھی) اور اسی طرح نَعَمْ ہے۔ أَنْعَام - نَعَم کی جمع ہے یعنی چوپائے۔ أَكْنَانٌ کی واحد كِنٌّ ہے (یعنی پناہ گاہ)۔ جیسے حِمْلٌ سے أَحْمَالٌ یعنی بوجھ۔ سَرَابِيْلَ کے معنی ہیں قمیصیں، جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور ایسی قمیصیں جو تمہیں جنگ کے خطرے سے محفوظ رکھتی ہیں، وہ زرہیں ہیں۔ دَخَلًا بَيْنَكُمْ میں دَخَلٌ ہر وہ چیز ہے جو اندر سے درست نہ ہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: حَفَدَةً کا مطلب ہے مرد کی ذریت سے جو اولاد ہو (یعنی پوتے پوتیاں)۔ السَّكَرُ وہ ہے جو پھل میں سے حرام کیا گیا ہے اور رِزْقُ الْحَسَنُ وہ ہے جو اللہ نے حلال قرار دیا ہے۔ اور ابن عیینہ نے کہا: صدقہ سے روایت ہے کہ أَنْكَاثًا (یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے) سے مراد خَرْقَاءُ (نامی ایک عورت) ہے، جب وہ اپنا سوت کات لیتی تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے کہا: أُمَّةٌ کے معنی بھلائی سکھانے والا اور قَانِتٌ کے معنی ہیں فرمانبردار۔

---

[1] فتح الباری مطبوعہ بولاق میں "وَالْقَانِتُ الْمُطِيْع" ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۸۸) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: رُوۡحُ الۡقُدُسِ جِبۡرِيۡلُ: روح القدس سے مراد جبریل ہیں۔ سورۃ الشعراء میں ہے: وَ اِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ○ عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيۡنٍ ○ (الشعراء: ۱۹۳ تا ۱۹۶) اور یقیناً یہ (قرآن) ربّ العالمین کی طرف سے اُتارا گیا ہے۔ روح امین (امانت دار روح) اسے لے کر تیرے دل پر نازل ہوئی ہے تاکہ تو نذیروں میں سے ایک نذیر ہو۔ عربی زبان میں جو کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ روح امین سے بالاتفاق جبریل مراد لئے گئے ہیں۔ امام ابن حجرؒ کے نزدیک امام بخاریؒ اس شرح سے ضحاک کی روایت ردّ کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ روح امین سے وہ اسم مراد ہے جس کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نعوذ باللہ مردے زندہ کیا کرتے تھے۔ إِسۡنَادُهٗ ضَعِيۡفٌ یعنی اس روایت کی سند کمزور ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۸۸)

غرض امام موصوف نے سورۃ الشعراء کی آیت سے اس بارہ میں استدلال کیا ہے۔ ضَيۡقٌ اور ضَيِّقٌ دونوں طرح ہے بمعنی تنگی یا تنگ۔ هَيۡنٌ وَ هَيِّنٌ: آسانی اور آسان۔ لَيۡنٌ وَلَيِّنٌ: نرمی اور نرم۔ مَيۡتٌ وَمَيِّتٌ: مردہ۔ لفظ ضَيۡقٍ سے یہ آیت مراد ہے: وَاصۡبِرۡ وَ مَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُ فِيۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ ○ (النحل: ۱۲۸) اور (اے رسول) تو صبر سے کام لے اور تیرا صبر کرنا اللہ (کی مدد) سے ہی (ہو سکتا) ہے۔ اور تو اُن (لوگوں کی حالت) پر غم نہ کھا۔ اور جو تدبیریں وہ کرتے ہیں اُن کی وجہ سے تکلیف محسوس نہ کر۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا وَّ الَّذِيۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ○ (النحل: ۱۲۹) اور یاد رکھ کہ اللہ یقیناً اُن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جنہوں نے تقویٰ (کا طریق) اختیار کیا ہو اور جو نیکوکار ہوں۔ محسن کے معنی جو اپنے عمل میں حسن پیدا کر دے اور محسن واصل باللہ کو بھی کہتے ہیں جو اپنے عمل کے حسن کی وجہ سے وصالِ الٰہی سے باریاب ہوا۔

قَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ تَتَفَيَّأُ ظِلَالُهٗ: تَتَفَيَّأُ کے معنی تَتَهَيَّأُ بطور ہیولیٰ تیار ہو رہے ہیں۔ ہیئت اور شکل اختیار کر رہے ہیں۔ فرماتا ہے: اَوَ لَمۡ يَرَوۡا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَيۡءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمۡ دٰخِرُوۡنَ ○ (النحل: ۴۹) اور کیا باوجود اس کے کہ وہ ذلیل ہو رہے ہیں۔ انہوں نے (کبھی) اللہ کے حضور (تذلل کے ساتھ) جھکتے ہوئے جو کچھ بھی اللہ نے (اُن کے لیے) پیدا کیا ہے اُسے غور سے نہیں دیکھا کہ اُس کے سائے دائیں جانب سے اور شمالی جانبوں سے اِدھر اُدھر ہو رہے ہیں۔ (پس اسی طرح محمد رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ کا سایہ بڑھے گا اور وہ کفار ذلیل ہو کر رہیں گے۔)

سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا: اس سے یہ آیت مراد ہے: ثُمَّ كُلِيۡ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُكِيۡ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ فِيۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ○ (النحل: ۷۰) پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے (تھوڑا تھوڑا لے کر) کھا اور اپنے ربّ کے (بتائے ہوئے) طریقوں پر جو (تیرے لیے) آسان (کیے گئے) ہیں چل۔ اُن (مکھیوں) کے پیٹوں سے (تمہارے) پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جو مختلف رنگوں کی ہوتی

ہے (اور) اُس میں لوگوں کے لیے شفا (کی خاصیت رکھی گئی) ہے۔ جو لوگ سوچ (اور فکر) سے کام لیتے ہیں اُن کے لیے اس میں یقیناً کئی نشان (پائے جاتے) ہیں۔

ذُلُلًا کے معنی ہیں لَا يَتَوَعَّرُ عَلَيْهَا کہ جن راستوں پر شہد کی مکھی کے لئے چلنا دشوار نہیں۔ اپنی قوت شامہ کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ جہاں اس کی خوراک ہو آسانی سے جا پہنچتی ہے، اسے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ قتادہؒ سے ذُلُلًا کے معنی مُطِيعَةٌ مروی ہیں۔ اس صورت میں ذُلُلًا - اُسْلُكِيْ کا حال ہوگا۔ یعنی خدا کی راہ میں چل ایسی حالت میں کہ تو اس کی فرمانبردار ہو۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۸۹)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ : اخْتِلَافِهِمْ - اُن کے اِدھر اُدھر نقل و حرکت کرنے میں۔ اس سے یہ آیت مراد ہے: اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○ (النحل:۴۷) یا وہ اُنہیں اُن کے سفروں میں تباہ کرے۔ پس (وہ یاد رکھیں کہ) وہ (ہرگز اللہ کو ان باتوں کے پورا کرنے سے) عاجز نہ پائیں گے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَمِيْدُ: تَكَفَّأُ - اُلٹ جائے، غیر متوازن ہو جائے۔ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (النحل:۱۶) اور اس نے زمین میں مضبوط پہاڑ بنائے ہیں تا وہ تمہیں چکر میں نہ ڈالے (توازن نہ بگاڑے) اور دریا (چلائے ہیں) اور خشکی کے راستے بنائے ہیں تا تم آسانی سے اپنی منزل مقصود کی راہ پا سکو۔

مُفْرَطُوْنَ: مَنْسِيُّوْنَ - بھلائے جائیں گے، نظر انداز کئے جائیں گے۔ فرماتا ہے: وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ○ (النحل:۶۳) اور وہ اللہ کے لئے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جسے وہ (خود اپنے لئے) ناپسند کرتے ہیں اور ان کی زبانیں (بڑی جرأت سے کام لے کر یہ) جھوٹ بولتی ہیں کہ انہیں ضرور بھلائی مل کر رہے گی۔ (مگر یہ) اٹل بات ہے کہ ان کے لئے (دوزخ کی) آگ (کا عذاب مقدر) ہے اور یہ کہ انہیں (اس میں) چھوڑ دیا جائے گا۔

وَقَالَ غَيْرُهُ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ...: مجاہدؒ کے سوا اوروں نے کہا: یہ استعاذہ قراءت کے ابتداء میں بھی ہے اور آخر میں بھی، جیسا کہ قرآن مجید کے آغاز میں بھی شیطان سے پناہ مانگی جانے کی ہدایت ہے۔ قرآن مجید کے خاتمہ میں بھی دو سورتیں خاص استعاذہ کی ہیں، ایک میں شَرِّ غَاسِقٍ (الفلق:۴) نہایت تاریک رات کے شر سے پناہ مانگنے کی ہدایت ہے اور دوسری میں الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ (الناس:۵) سے، یعنی وسوسہ اندازسے جو پس پردہ رہتے ہوئے بنی نوع انسان کے عقائد و اعمال بگاڑ رہا ہے۔ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ (الفلق:۵) سے بھی وسوسہ اندازی کے ہی خیالاتِ بد مراد ہیں جن کے اثر سے شیرازۂ معاشرہ کی گرہیں ڈھیلی کی جاتی ہیں۔ اگر سورۃ تَبَّتْ يَدَاۤ اَبِيْ لَهَبٍ اور سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے سیاق میں دیکھا جائے تو عیسائی قوموں سے تعلق رکھنے والے دجال کی حقیقت اور اس کی بولہبی اور فتنہ انگیزی اور ان کی آتش بار جنگوں کے شر عظیم کی ہولناکی کے بارے میں قرآن مجید کے انذار کا بخوبی علم ہو سکتا ہے۔ دجال شیطان اکبر کا مظہر اکبر ہے اور اس سے استعاذہ کے معنی یہ ہیں: اَلْاِعْتِصَامُ بِاللّٰهِ - اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الإخلاص:۲) کے ارشاد سے بھی پایا جاتا ہے کہ ابولہب (آتش بار جنگوں کے موجد) کا

شر انگیز فتنہ اتنا خطرناک ہولناک اور تباہ کن ہو گا کہ اس سے کہیں پناہ کی جگہ نہیں ملے گی سوا اللہ تعالیٰ کی ذات یگانہ کے جس کی صفت سورۃ الاخلاص میں الصَّمَدُ بتائی گئی ہے۔ الصَّمَدُ کے معنی بھی آخری پناہ کے ہیں۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کا مفہوم یہ ہے کہ ابولہب کا فتنہ اتنا شدید ہے کہ تو بنی نوع انسان سے کہہ دے کہ وہی اللہ واحد یگانہ تنہا ہے اور الصَّمَدُ ہی اس کے شر سے آخری جائے پناہ ہو گا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تُسِيْمُوْنَ: تَرْعَوْنَ - ریوڑ چرنے کے لئے چھوڑتے ہو۔ یہ لفظ اس آیت میں آیا ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ○ (النحل:۱۱) وہی ہے جس نے بادلوں سے پانی اُتارا۔ اُسی میں سے پینے کا پانی تمہارے لئے (مہیا ہوتا) ہے اور اُسی سے درخت بھی جن میں تم مویشیوں کو چرنے کے لئے چھوڑتے ہو۔ طبریؒ نے یہ معنی حضرت ابن عباسؓ سے نقل کئے ہیں: تَرْعَوْنَ فِيْهِ أَنْعَامَكُمْ - اپنے چوپائے ان میں چھوڑتے ہو کہ وہ درختوں میں چریں، کھائیں اور گھاٹ سے پئیں۔ عکرمہ سے بھی یہی معنی منقول ہیں، جو حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

ابوعبیدہؒ نے أَسَامَ يُسِيْمُ نقل کیا ہے۔ سَامَ يَسُوْمُ سے فعل متعدی ہے۔ کہتے ہیں: أَسَمْتُ الْإِبِلَ: میں نے اُونٹ چرائے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۸۹)

شَاكِلَتُهُ: نَاحِيَتُهُ - اپنے طریق یا طرز پر۔ حموی کے نسخہ صحیح بخاری میں ابوذر سے شَاكِلَتُهُ کے معنی نِيَّتُهُ مروی ہیں۔ یعنی اپنی اپنی نیت کے مطابق۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۹۰) یہ لفظ سورۂ بنی اسرائیل میں آیا ہے۔ فرماتا ہے: قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ○ (بنی اسرائیل:۸۵) کہو ہر (فریق) اپنے اپنے طریق پر عمل کر رہا ہے۔ پس تمہارا ربّ ہی بہتر جانتا ہے کون زیادہ صحیح راستے پر ہے۔

قَصْدُ السَّبِيْلِ الْبَيَانُ: یعنی ضلالت اور ہدایت کا بیان۔ فرماتا ہے: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (النحل:۱۰) اور اللہ ہی کے ذمہ ہے کہ وہ سیدھی راہ کھول کر بتائے اور ان میں سے کئی ٹیڑھے راستے ہیں اور اگر وہ چاہتا تو تم سبھی کو ہدایت دے دیتا (لیکن تمہیں اختیار دیا ہے تا ثواب کے مستحق ہو)۔ عوفی نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ معنی روایت کئے ہیں اور طبریؒ نے بھی۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۹۰)

دِفْءٌ: اُون وغیرہ قسم کی اشیاء جن سے گرمی حاصل کی جاتی ہے۔ فرماتا ہے: وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ (النحل:۶) اور اس نے چوپاؤں کو پیدا کیا ہے جن میں تمہارے لئے گرمی اور کئی منافع حاصل کرنے کا سامان ہے انہیں کا گوشت تم کھاتے ہو۔ تُرِيْحُوْنَ بِالْعَشِيِّ وَ تَسْرَحُوْنَ بِالْغَدَاةِ۔ شام کو چراگاہوں سے واپس لاتے ہو اور صبح کو چرنے کے لئے چھوڑتے ہو۔ فرماتا ہے: وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ (النحل:۷) اور (اس کے علاوہ) جب تم انہیں چرا کر شام کو (اُن کے تھانوں کی طرف) واپس لاتے ہو تو اُس میں ایک قسم کا زینت کا سامان ہوتا ہے۔ اسی طرح اُس وقت جب تم انہیں (صبح کو) چرنے کے لئے (آزاد) چھوڑتے ہو۔ (تو اُس میں بھی تمہارے لیے زینت اور بڑائی کا سامان ہوتا ہے)

بِشِقِّ: یعنی مشقت سے، مشقت کی وجہ سے، تکلیف برداشت کر کے۔ پوری آیت یہ ہے: وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ‌ؕ اِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝ (النحل:۸) اور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر ایسے شہر تک بھی لے جاتے ہیں جہاں تم خود پہنچنے کے نہیں، سوا اِس کے کہ جانوں کو تکلیف میں ڈالو۔ یقیناً تمہارا ربّ بہت ہی مہربان اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

آیت لَمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ کے متعلق ابوعبیدہؒ کا قول ہے کہ اس فقرے سے یہ معنی ہیں کہ اگر سواری کے جانور مہیانہ کئے جاتے تو تم منزل مقصود تک نہ پہنچ سکتے، بجز اس کے کہ تمہاری جانیں تکلیف برداشت کرتیں۔

قتادہؒ نے بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ کا مترادف بِجَهْدِ الْأَنْفُسِ قرار دیا ہے، یعنی جان جوکھوں میں ڈال کر۔ اس آیت کی قراءت سے متعلق بھی ایک اختلاف ہے۔ جمہور کی قراءت شِقِّ شین کی زیر سے ہے۔ ابو جعفر بن قعقاع نے شَقّ شین کی زبر سے پڑھا ہے۔ ابوعبیدہؒ کے نزدیک دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ انہوں نے اس رائے کی تائید میں یہ شعر نقل کیا ہے:

وَذُو إِبِلٍ تَسْعَى وَيَحْبِسُهَا لَهُ أَخُو نَصَبٍ مِنْ شِقِّهَا وَذَءُوبِ

یعنی تیز رو سدھائے ہوئے گھوڑے لچکدار لمبے نیزے تانے ہوئے دوڑے آرہے ہیں اور ایک علم بردار عالی مقصد اور علو ہمت و عزم انہیں اس کی خاطر روکتا ہے۔ مبادہ وہ انہیں چھلنی کر دیں۔ ذَؤُبٍ یعنی ذو ذَؤُبٍ۔ مراد ہے پختہ کار، دشمن کو بگھارنے والا، اسے تہس نہس کرنے والا ہے۔

اثرم ادیب جو ابوعبیدہؒ کے ہم عصر ہیں اُن کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ لفظ شِقّ اور شَقّ دونوں طرح سنا ہے۔ فراء ادیب کے نزدیک شِقّ کے مفہوم میں یہ پایا جاتا ہے کہ جانیں پگھل کر آدھی رہ گئیں اور شَقِّ الْاَنْفُس کے مفہوم میں مشقت اور انتہائی تکلیف کے معنی پائے جاتے ہیں۔ مفسرین پہلے مفہوم کے مؤید ہیں۔

(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۰، ۴۹۱)

عَلٰى تَخَوُّفٍ: تَنَقُّصٍ - آہستہ آہستہ گھٹا کر یا کمزور کر کے۔ فرماتا ہے: اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ عَلٰى تَخَوُّفٍ‌ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝ (النحل:۴۸) یا وہ انہیں آہستہ آہستہ گھٹا کر ہلاک کر دے۔ کیونکہ تمہارا ربّ یقیناً (مومنوں پر) بہت (ہی) شفقت کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً: اس سے یہ آیت مراد ہے: وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً‌ؕ نُسۡقِيۡكُمۡ مِّمَّا فِىۡ بُطُوۡنِهٖ مِنۡۢ بَيۡنِ فَرۡثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيۡنَ ۝ (النحل:۶۷) اور تمہارے لئے چار پایوں میں (بھی) یقیناً نصیحت حاصل کرنے کا ذریعہ (موجود) ہے۔ (کیا تم دیکھتے نہیں کہ) جو کچھ اُن کے پیٹوں میں (گند وغیرہ بھرا) ہوتا ہے اس میں سے یعنی گوبر اور خون کے درمیان سے ہم تمہیں پینے کے لیے (پاک اور) صاف دودھ (مہیا کر) دیتے ہیں۔ جو پینے والوں کے لیے خوشگوار (اور) گلے سے آسانی سے اُترنے والا (ہوتا) ہے۔ لفظ عِبۡرَةً تاء تانیث کی وجہ سے مؤنث ہے، لیکن اس شے کے اعتبار سے جس سے نصیحت حاصل ہو یہ لفظ مذکر ہے۔ اسی طرح لفظ الۡاَنۡعَام بلحاظ

صیغہ جمع ہونے کے مؤنث ہے، جس کا واحد نَعَمٌ ہے اور اس لفظ کے اعتبار سے مذکر۔ چنانچہ فراء نحوی ادیب نے لفظ نَعَمٌ کو تذکیر پر محمول کیا ہے، جس کی جمع نُعْمَان ہے۔ جیسے حَمَلٌ و حُمْلَان۔ ان کے نزدیک لفظ نَعَمٌ کو مؤنث سمجھنا صحیح نہیں۔ دراصل عرب مختلف اعتبارات سے تذکیر و تانیث اور افراد و جمع میں وسعت دیکھتے ہیں۔ کبھی کسی چیز کی اطلاع ایک صیغہ سے دیتے ہیں پھر اس چیز کا سبب ملحوظ رکھ کر دوسرا صیغہ اس کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ امام ابن حجرؒ نے اس کی مثال میں مندرجہ ذیل شعر نقل کیا ہے:

قَبَائِلُنَا سَبْعٌ وَأَنْتُمْ ثَلَاثَةٌ وَلَلسَّبْعُ أَوْلَى مِنْ ثَلَاثٍ وَأَطْيَبُ

یعنی ہمارے قبیلے سات ہیں اور تم صرف تین قبیلے ہو اور سات قبیلے یقیناً تین سے بہتر ہیں اور زیادہ اچھے ہیں۔ نحوی قاعدے کی رو سے چاہیئے تھا ثَلَاثُ قَبَائِلَ لیکن یہاں أَحْيَاء ملحوظ رکھتے ہوئے اسے مذکر کی جمع ہونے کی وجہ سے ثَلَاثَةٌ کہا ہے۔ أَحْيَاء جمع ہے حَيّ کی، یعنی قبیلہ۔ آخری حصہ شعر میں پھر عدد مذکر ہے یعنی ثَلَاث۔ اس سے مراد ہے ثَلَاثُ قَبَائِلَ۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۰) لفظ الْأَنْعَام کے حوالے سے مذکورہ بالا آیت مراد ہے جس کا حوالہ مع ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔

أَكْنَانًا جمع ہے كِنٌّ کی بمعنی پناہ گاہ۔ جیسے حِمْلٌ سے أَحْمَالٌ: بوجھ۔ أَكْنَان سے مراد غاریں ہیں، جن میں بوجہ بارش وغیرہ پناہ لی جاتی تھی۔ فرماتا ہے: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ○ (النحل: ۸۲) اور اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اُس میں اُس نے تمہارے لئے کئی سایہ دینے والی چیزیں بنائی ہیں (جن کے نیچے تم آرام پاتے ہو) اور پہاڑوں میں (بھی) تمہارے لیے پناہ کی جگہیں بنائی ہیں اور نیز اُس نے تمہارے لیے کئی قسم کی قمیصیں بنائی ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور بعض قمیصیں (یعنی زرہیں) ایسی ہیں جو تمہیں تمہاری (آپس کی) جنگ (کی سختی) سے بچاتی ہیں۔ اسی طرح وہ تم پر اپنے (روحانی) انعام کو (بھی) پورا کرتا ہے تا کہ تم (اس کے) کامل فرمانبردار بنو۔

سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ: ایسی قمیصیں جو تمہیں سردی سے بچاتی ہیں اور ایسی قمیصیں جو تمہیں جنگ کے خطرے سے محفوظ رکھتی ہیں، یعنی زرہیں۔ یہ آیت مع ترجمہ ابھی گزر چکی ہے۔

دَخَلًا: ہر نادرست اور ناجائز بات۔ یہی معنی ابوعبیدہؒ سے مروی ہیں اور قتادہؒ نے اس کے معنی خیانت کے کئے ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ بیرونی شے دخل کہلاتی ہے جس کا باطن سے تعلق نہ ہو۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ (النحل: ۹۳) اور اس عورت کی طرح مت بنو جس نے اپنے کاتے ہوئے سوت کو اس کے مضبوط ہو جانے کے بعد کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ اسی طرح کہ تم اپنی قسموں کو فریب کے ذریعہ آپس میں رسوخ بڑھانے کا ذریعہ بنالو، اس خوف سے کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم کے مقابلہ

میں زیادہ طاقتور نہ ہو جائے۔ اللہ تو صرف اس وقت تم کو ان (احکام) کے ذریعہ سے آزمارہا ہے اور قیامت کے دن تم پر اُن امور کی ساری حقیقت ضرور کھول دے گا جن میں تم اختلاف رکھتے تھے۔

علامہ عینیؒ نے بھی زمخشریؒ کے حوالے سے اَنْكَاثًا کا مفہوم نقض معاہدہ ہی مراد لیا ہے۔ اس تعلق میں ابن اثیر کا قول نقل کیا ہے: النَّكْثُ نَقْضُ الْعَهْدِ- یعنی النَّكْثُ کے معنی ہیں عہد توڑ دینا۔ فعل نَكَثَ سے اسم نِكْث ہے، جس کے معنی ہیں بوسیدہ دھاگہ اون کا ہو یا بالوں کا۔ ایسا دھاگہ جلدی ٹوٹ جاتا ہے بار بار بٹا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۱۷)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ حَفَدَةٌ مِنْ وَلَدِ الرَّجُلِ: مرد کی ذریت سے جو اولاد ہو یعنی پوتے پوتیاں۔ طبریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے موصولاً نقل کیا ہے کہ لفظ حَفَدَةٌ بیٹے بیٹیوں اور پوتوں پوتیوں کو شامل رکھتا ہے۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ اسی طرح مرد کی بیوی سے جو اولاد ہو وہ بھی حَفَدَةٌ میں شامل ہے اور ایک تیسرا قول یہ بھی ہے کہ حَفَدَةٌ سے مراد اَصہار ہیں، یعنی دامادی کے تعلق میں جو رشتے دار ہوں۔ بیوی کے رشتہ داروں کی اولاد بھی حَفَدَةٌ کہلاتی ہے۔ ایک چوتھا قول بھی مروی ہے جو طبریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: مَنْ أَعَانَكَ فَقَدْ حَفَدَكَ۔ جس نے تیری مدد کی وہ تیرا اسہار ابنا۔ ان معنوں کی رو سے خدام بھی حَفَدَةٌ میں شامل ہیں۔

(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۱)

لفظ حَفَدَةٌ اس آیت میں آیا ہے: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ (النحل:۷۳) اور اللہ نے تمہارے لئے تم میں سے ہی (تمہارے جیسے نفس رکھنے والی) بیویاں بنائی ہیں اور اس نے تمہاری بیویوں میں سے بیٹے بیٹیاں اور پوتے پوتیاں پیدا کئے ہیں اور تمہیں پاکیزہ اور خوشگوار رزق عطا کیا ہے تو پھر کیا وہ باطل پر ایمان لائیں گے اور اللہ کی نعمت کے ناشکر گزار ہوں گے۔

السَّكَرُ: پھل میں سے جو حرام کیا گیا ہے وہ سَكَرٌ ہے اور اس کے مقابل کا رزقِ حلال رِزْقٌ حَسَنٌ کہلاتا ہے، اور اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ فرماتا ہے: وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (النحل:۶۸) اور کھجور کے پھلوں اور انگوروں سے تم شراب بھی بناتے ہو اور اچھا رزق بھی حاصل کرتے ہو۔ جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں اُن کے لئے اس میں ایک بہت بڑا نشان ہے۔ طبریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے متعدد سندوں کے ساتھ سَكَرٌ کا یہ مفہوم نقل کیا ہے۔ حاکم نے بھی ان کی اس روایت کا ذکر کیا ہے اور سعید بن جبیر کے حوالے سے لکھا ہے: الرِّزْقُ الْحَسَنُ الْحَلَالُ وَالسَّكَرُ الْحَرَامُ۔ مجاہدؒ سے بھی یہی مروی ہے اور قتادہؒ کا قول ہے کہ السَّكَرُ جس کا ذکر آیت میں ہے اس سے ایرانیوں کی مشہور و معروف شراب مراد ہے (جو انگوروں سے تیار کی جاتی تھی۔) کھجور سے بھی نشہ آور شراب تیار کی جاتی تھی اور منقّی سے بھی۔ ہر نشہ آور شے بطور غذا استعمال کرنا شریعت اسلامیہ میں ممنوع ہے۔

شعبی نے آیت کے مذکورہ بالا مفہوم کی صحت سے انکار کیا ہے ان کا قول ہے کہ نشہ آور شراب خَمْرٌ کہلاتی ہے جو عقل و شعور پر چھا جاتی ہے اور انسان کو مدہوش کر دیتی ہے، لیکن السَّکَرُ سے مراد منقّٰی اور انگور کا نقوع (آب جوش) ہے جو پینے میں مفید ہے اور آیت میں اس کا ذکر ہے نہ کہ نشہ آور شراب کا۔ طبریؒ نے بھی اس آیت کا یہی مفہوم بتایا ہے اور شعبی کی تائید کی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۱) غرض اس آیت کی لفظی شرح سے اس اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ صَدَقَةَ: سفیان بن عیینہ نے صدقہ سے روایت نقل کی ہے کہ سدی سے منقول ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک عورت خرقاء نامی تھی۔ جس کی یہ عادت تھی کہ وہ صبح سے دوپہر تک اپنی سہیلیوں کو ساتھ لئے چرخہ کاتتی رہتی تھی اور دوپہر کے بعد اپنا کاتا سوت توڑ پھوڑ دیتی۔ خَرْقَاءُ - أَخْرَقُ کا مؤنث ہے، جس کے معنی ہیں کم عقل۔ مقاتل کی تفسیر میں اس کا نام ریطہ بتایا گیا ہے جو عمرو بن کعب (بن سعد بن زید مناۃ) کی بیٹی تھی۔ علامہ بلاذری نے بتایا ہے کہ وہ اسد بن عبد العزیٰ بن قصی کی ماں تھی۔ طبریؒ نے بھی ابن جریج کے حوالے سے صدقہ کی طرح اسی مفہوم کی ایک روایت نقل کی ہے۔ لیکن قطع نظر اس بحث سے کہ یہ روایتیں کہاں تک صحیح ہیں قتادہؒ کا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ بالا میں عہد توڑنے والوں کی مثال بیان کی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۲)

بعض شارحین نے صدقہ والی روایت اس بنا پر ردّ کی ہے کہ امام بخاریؒ کے شیوخ میں سے صدقہ بن فضل مروزی نے سدی کا زمانہ نہیں پایا اور نہ سدی کے ملاقاتیوں سے ان کا ملنا ثابت ہے۔ البتہ تاریخ بخاری میں صدقہ ابو الہذیل کا نام بھی آتا ہے، جن کا سدی سے روایت کرنا مذکور ہے اور ابن حبان نے بھی انہیں ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ ایک صدقہ بن ابی عمران بھی ہیں جن سے سفیان بن عیینہ نے روایت کی ہے۔ ابن ابی حاتمؒ نے بھی اپنے باپ سے ایک صدقہ نامی راوی کا ذکر کیا ہے لیکن وہ عبد اللہ بن کثیر کے بیٹے ہیں جو مجاہدؒ کے رفیق تھے۔ اور یہ اس صدقہ سے الگ ہیں جو ابو عمران کے بیٹے تھے اور یہ بھی بخاری کے ان راویوں میں سے ہیں جن سے ضمناً بطور حوالہ مدد لی گئی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۲)

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ الْأُمَّةُ مُعَلِّمُ الْخَيْرِ وَالْقَانِتُ الْمُطِيعُ: اُمَّةٌ کے معنی بھلائی سکھانے والا اور قَانِتٌ سے مراد فرمانبردار۔ اُمَّةٌ اور قَانِتٌ کے یہ معانی فریابیؒ نے بحوالہ شعبی اور بواسطہ مسروق حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کئے ہیں۔ فریابیؒ کے علاوہ عبد الرزاق، ابو عبید اللہ اور حاکم نے بھی اس سند سے یہ معنی نقل کئے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۲) یہ الفاظ ان معنوں میں اس آیت میں آئے ہیں، فرماتا ہے: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (النحل: ۱۲۱) ابراہیمؑ یقیناً ہر خیر کا جامع تھا، اللہ کے لئے تذلّل اختیار کرنے والا اور کامل فرمانبردار اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔ قَانِتًا حَنِيْفًا کے معنی ہیں غایت درجہ فرمانبردار، جس میں غیر اللہ کی محبت کا شائبہ تک نہ ہو۔

بَاب ۱ : وَمِنكُمْ مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ (النحل: ۷۱)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور تم میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو نہایت نکمی عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں

٤٧٠٧ : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مُوسَى أَبُو عَبْدِ اللهِ الْأَعْوَرُ عَنْ شُعَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْكَسَلِ وَأَرْذَلِ الْعُمُرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ.

۴۷۰۷: موسیٰ بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا کہ ہارون بن موسیٰ ابوعبداللہ اعور نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے شعیب (بن حبحاب) سے، شعیب نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ (انہوں نے کہا:) رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: میں تیری پناہ لیتا ہوں بخل سے، سستی سے، نکمی عمر سے، عذاب قبر سے، فتنہ دجال سے نیز زندگی اور موت کے فتنے سے۔

أطرافه: ۲۸۲۳، ۶۳۶۷، ۶۳۶۹، ۶۳۷۱۔

تشریح: وَمِنكُمْ مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ: اس باب کے تحت جو حدیث نبوی (نمبر ۴۷۰۷) مروی ہے، وہ مشہور ہے۔ اس میں سات باتوں سے محفوظ رہنے کی دعا ہے۔ ان میں سے ایک دعا أَرْذَلِ الْعُمُرِ سے متعلق ہے۔ أَرْذَل کے معنی ہیں ردّی، ناکارہ۔ یعنی ایسی عمر جس میں نہ صرف انسان کا وجود بے فائدہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کا جینا اس کے اور اس کے عزیز و اقرباء کے لئے بھی ایک بہت بڑے دکھ کا موجب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عذاب قبر، فتنہ دجال اور زندگی اور موت کے فتنہ سے بھی آپؐ پناہ مانگا کرتے تھے۔ عذاب قبر کے متعلق ذکر کتاب الجنائز باب ۸۶، ۸۷ میں گذر چکا ہے اور فتنہ دجال کا ذکر کتاب احادیث الانبیاء باب ۳ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

فتنہ مَحْيَا وَ مَمَاتِ کیا ہے؟ زندگی اور موت کا فتنہ ہر فرد اور ہر قوم کے لئے الگ اور بے شمار صورتیں رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ دعا ایک جامع دعا ہے۔ لیکن فتنہ دجال سے اس کا کیا تعلق؟ ان تینوں باتوں کو اکٹھا رکھا گیا ہے۔ فتنہ دجال کے تعلق میں فتنہ مَحْيَا وَ مَمَاتِ کے بارے میں غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی اور موت کا عقیدہ اور فتنہ دجال آپس میں لازم و ملزوم ہیں اور یہ عقیدہ بنی آدم کے لئے اس صورت و شکل میں مصائب کا باعث بن گیا ہے۔ کسی اور انسان کی زندگی اور موت مصیبت کا باعث نہیں بنی۔ آخر صلیبی جنگیں کیا ہیں؟

اسی مسئلے کے اختلاف کا نتیجہ اور یہی اختلاف عقیدہ انسان کی بُوالہوسی اور بولہبی کی شکل میں ساری دنیا کے لیے وبال جان ومال اور اخلاق کے لئے تباہ کن ہو رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی مذکورہ بالا دعا الٰہی تجلی کے تحت آپؐ سے صادر ہوئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی آخری سورتوں میں فتنہ حیاۃ ومماۃ سے تعلق رکھنے والے فتنہ دجال کا بھی ذکر ہے اور اس سے پناہ مانگنے کی ہدایت ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا جاچکا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو یہ استعاذہ کی دعا یونہی بلاوجہ نہیں سکھائی۔ علامہ عینیؒ نے جوہریؒ کے حوالے سے رَذْلُ كُلُّ شَيْءٍ رَدِيْهٌ نقل کئے ہیں۔ یعنی ہر شے کا رذّی حصہ، اور اَرْذَلِ الْعُمُرِ کے معنی پیر فرتوت کے لئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی دعا میں بخل سے پناہ جو مانگی گئی ہے اس سے مراد مالی حقوق کی کوتاہی سے بچنا ہے۔ اسی طرح آپؐ نے غِنًی یعنی دولت مندی کے فتنہ سے بھی پناہ مانگی ہے۔ کیونکہ دولت کے ساتھ بے جا اسراف اور معصیت کے کاموں میں انسان خرچ کرنے پر دلیر ہو جاتا ہے۔ کسل کا تعلق بھلے کاموں میں عدم رغبت سے ہے۔ باوجود قدرت وہمت ہونے کے پھر نیکی نہ کرنا۔ ابونجیب سہروردی نے فِتْنَةِ الْمَحْيَا سے ابتلاء اور مصیبتوں میں گرفتار ہونا مراد لی ہے۔

(عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۱۸)

☆☆☆

۱۷۔ سُورَةُ بَنِي إِسْرَائِيلَ

باب ۱

٤٧٠٨: حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ وَالْكَهْفِ وَمَرْيَمَ إِنَّهُنَّ مِنَ الْعِتَاقِ الْأُوَلِ وَهُنَّ مِنْ تِلَادِي. فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ (بَنِي إِسْرَائِيلَ: ٥٢) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَهُزُّونَ وَقَالَ غَيْرُهُ نَغَضَتْ سِنُّكَ أَيْ تَحَرَّكَتْ.

أطرافهُ: ٤٧٣٩، ٤٩٩٤۔

۴۷۰۸: آدم (بن ابی ایاس) نے ہم سے بیان کیا۔ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابو اسحاق (عمرو بن عبد اللہ سبیعی) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے سنا۔ انہوں نے کہا: میں نے (حضرت عبد اللہ) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ الکہف اور سورۃ مریم سے متعلق کہتے تھے کہ یہ پہلی عمدہ سورتوں میں سے ہیں اور یہ میری پرانی یاد کی ہوئی ہیں۔ آیت فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ [1] کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے کہا: (فَسَيُنْغِضُوْنَ کے معنی ہیں) وہ (اپنا سر) ہلائیں گے۔ اور ان کے سوا دوسروں نے کہا: نَغَضَتْ سِنُّكَ یعنی تیرا دانت ہل گیا۔

تشریح: عِتَاقِ جمع عَتِيْق ہے۔ عَتِيْق کے معنی ہیں قدیم۔ اور اس کے معنی ہر وہ شے جو عمدگی میں انتہائی درجے کی ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں تینوں سورتوں کے متعلق ذکر کیا ہے کہ إِنَّهُنَّ مِنَ الْعِتَاقِ الْأُوَلِ کہ یہ سورتیں ان سورتوں میں سے ہیں جو ابتدائی زمانے میں نازل ہوئیں اور اپنے مطالب کے لحاظ سے نہایت عمدہ سورتیں ہیں اور بتایا وَهُنَّ مِنْ تِلَادِي یہ سورتیں میری پرانی عمدہ جائیداد ہیں۔ تِلَادٌ جمع ہے تَالِدٌ کی۔ تَالِد اس جائیداد کو کہتے ہیں جو قدیم ہو اور اعلیٰ درجے کی ہو۔ ان تینوں سورتوں کو اپنی جائیداد اس لحاظ سے قرار دیا ہے کہ انہوں نے یہ سورتیں اس وقت یاد کیں جبکہ وہ مکہ مکرمہ میں تھے اور ابھی ہجرت نہیں ہوئی تھی، کیونکہ یہ سورتیں مکی زندگی میں ہی نازل ہوئی تھیں۔ سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ مریم ابتدائی سورتوں میں سے ہیں جو اس وقت نازل ہوئیں کہ دعویٰ پر بمشکل پانچ سال کا عرصہ گزرا ہو گا اور سورۃ الکہف بھی مکی زندگی کے درمیانی

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "تو وہ تیری طرف (منہ کرکے) اپنے سر مٹکائیں گے۔"

عرصہ سے تعلق رکھتی ہے یعنی بلحاظ شان نزول کے۔ اندازاً یہ زمانہ چار اور آٹھ سال کے درمیان کا ہے۔ یعنی ہجرت سے دو سال پہلے کا۔ اس وجہ سے حضرت ابن مسعودؓ نے ان سورتوں کو تِلَادِیْ کہا ہے۔

فَسَيُنْغِضُوْنَ کے معنوں میں اختلاف ہوا ہے۔ ایک مفہوم تو وہ ہے جو اس روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، یعنی مذاق میں سر ہلانا۔ نَغَضَ کے معنی ہیں تَحَرَّكَ۔ یہ فعل لازم ہے اور اس سے فعل متعدی أَنْغَضَ اور فعل مضارع يُنْغِضُ ہے۔ دوسرا مفہوم تعجب میں سر ہلانے کا ہے۔ موت کے بعد زندگی کو ناممکن سمجھتے ہوئے وہ عنقریب سر ہلائیں گے اور تعجب کریں گے کہ کیا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ پوری آیت یہ ہے: وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا۝ (بنی اسرائیل: ۵۰ تا ۵۲) اور انہوں نے (یہ بھی) کہا ہے: (کیا) جب ہم (مرکر) ہڈیاں ہو جائیں گے اور کچھ عرصہ کے بعد گل کر ہڈیوں کا (بھی) چورا بن جائیں گے (تو ہمیں از سر نو زندہ کیا جائے گا اور) کیا واقعی ہمیں ایک نئی مخلوق کی صورت میں اٹھایا جائے گا؟ تو (انہیں) کہہ (کہ) تم (خواہ) پتھر بن جاؤ یا لوہا، یا کوئی اور ایسی مخلوق جو تمہارے دلوں میں ان سے بھی سخت نظر آتی ہو (تب بھی تم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا)۔ (یہ سن کر) وہ ضرور کہیں گے (کہ) کون ہمیں دوبارہ (زندہ کر کے وجود میں) لائے گا۔ تو (انہیں) کہہ (کہ) وہی (خدا) جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اس پر وہ لازماً تعجب سے تمہاری طرف (دیکھتے ہوئے) سر ہلائیں گے اور کہیں گے (کہ) یہ (زندہ کیے جانے کا معاملہ) کب ہو گا؟ (جب وہ ایسا کہیں تو) تُو (اُن سے) کہہ (کہ) بالکل ممکن ہے کہ وہ (وقت اَب) قریب (آچکا) ہو۔

باب ۲

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (بَنِی إِسْرَائِیلَ: ۵) أَخْبَرْنَاهُمْ أَنَّهُمْ سَيُفْسِدُونَ، وَالْقَضَاءُ عَلَى وُجُوهٍ وَقَضٰى رَبُّكَ (بَنِی إِسْرَائِیلَ: ۲۴) أَمَرَ رَبُّكَ، وَمِنْهُ الْحُكْمُ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ (یونس: ۹۴) وَمِنْهُ الْخَلْقُ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (حٰمٓ السجدة: ۱۳) خَلَقَهُنَّ. نَفِيْرًا (بَنِی إِسْرَائِیلَ: ۷) مَنْ يَّنْفِرُ مَعَهُ. وَلِيُتَبِّرُوْا (بَنِی إِسْرَائِیلَ: ۸)

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ سے مراد یہ ہے کہ ہم نے ان کو خبر دی کہ وہ آئندہ فساد کریں گے۔ اور لفظ اَلْقَضَاءُ کئی معنوں میں آتا ہے۔ وَقَضٰى رَبُّكَ یعنی تیرے ربّ نے حکم دیا ہے۔ اور یہ لفظ فیصلہ کرنے کے معنوں میں بھی آیا ہے: اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ۔ یعنی تیرا ربّ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ اور یہ لفظ پیدا کرنے کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ (جیسا کہ فرمایا:) فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ۔ یعنی اس نے انہیں سات آسمانوں

يُـدَمِّرُوا مَا عَلَوْا(بَنِي إِسْرَائِيلَ:۸). حَصِيْرًا(بَنِي إِسْرَائِيلَ:۹) مَحْبِسًا مَحْصَرًا. حَقَّ وَجَبَ. مَيْسُورًا (بَنِي إِسْرَائِيلَ:۲۹) لَيِّنًا. خِطْأً (بَنِي إِسْرَائِيلَ:۳۲) إِثْمًا وَهُوَ اسْمٌ مِّنْ خَطِئْتَ وَالْخَطَأُ مَفْتُوحٌ مَصْدَرُهُ مِنَ الْإِثْمِ خَطِئْتُ بِمَعْنَى أَخْطَأْتُ. تَخْرِقَ (بَنِي إِسْرَائِيلَ:۳۸) تَقْطَعَ. وَإِذْ هُمْ نَجْوَى(بَنِي إِسْرَائِيلَ:۴۸) مَصْدَرٌ مِنْ نَّاجَيْتُ فَوَصَفَهُمْ بِهَا وَالْمَعْنَى يَتَنَاجَوْنَ. رُفَاتًا(بَنِي إِسْرَائِيلَ:۵۰) حُطَامًا. وَاسْتَفْزِزْ (بَنِي إِسْرَائِيلَ:۶۵) اسْتَخِفَّ. بِخَيْلِكَ(بَنِي إِسْرَائِيلَ:۶۵) الْفُرْسَانِ. وَالرَّجْلُ الرَّجَّالَةُ وَاحِدُهَا رَاجِلٌ، مِثْلُ صَاحِبٍ وَصَحْبٍ وَتَاجِرٍ وَتَجْرٍ. حَاصِبًا(بَنِي إِسْرَائِيلَ:۶۹) الرِّيْحُ الْعَاصِفُ، وَالْحَاصِبُ أَيْضًا مَا تَرْمِي بِهِ الرِّيْحُ وَمِنْهُ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الأنبياء:۹۹) يُرْمَى بِهِ فِي جَهَنَّمَ وَهُوَ حَصَبُهَا وَيُقَالُ حَصَبَ فِي الْأَرْضِ ذَهَبَ، وَالْحَصَبُ مُشْتَقٌّ مِنَ الْحَصْبَاءِ وَالْحِجَارَةِ. تَارَةً (بَنِي إِسْرَائِيلَ:۷۰) مَرَّةً وَجَمَاعَتُهُ تِيَرَةٌ

کی صورت میں بنایا۔ نَفِيْرًا۔ یعنی وہ لوگ جو کسی کے ساتھ نکلیں۔ وَلِيُتَبِّرُوْا کے معنی ہیں: جس چیز پر وہ غلبہ پائیں اُسے بالکل تباہ کردیں۔ حَصِيْرًا کے معنی ہیں: قید خانہ، گھیرنے والا۔ حَقَّ کے معنی ہیں: واجب ہوگیا۔ مَيْسُورًا کے معنی ہیں: نرم، آسان۔ خِطْأً کے معنی ہیں: گناہ، اور یہ اسم ہے خَطِئْتَ سے، اور اَلْخَطَأُ خاء کی زبر کے ساتھ اس کا مصدر ہوگا۔ اِثْمٌ یعنی گناہ کرنے کے مفہوم میں لفظ خَطِئْتُ کے معنی ہیں میں نے گناہ کیا۔ تَخْرِقَ کے معنی ہیں: تو (زمین کو) طے کرتا ہے۔ وَإِذْ هُمْ نَجْوَى (میں نَجْوَى) نَاجَيْتُ سے مصدر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کی صفت بیان کی ہے، یعنی اس حالت میں کہ جب وہ آپس میں مشورہ کرتے ہوں۔ رُفَاتًا کے معنی ہیں: ریزہ ریزہ۔ وَاسْتَفْزِزْ کے معنی ہیں: اُکسادے، جھنجھلا دے۔ بِخَيْلِكَ۔ یعنی اپنے سواروں سمیت، اور الرَّجْلُ کے معنی ہیں: پیادے، اس کی مفرد رَاجِلٌ ہے، جیسے صَاحِبٌ کی جمع صَحْبٌ اور تَاجِرٌ کی تَجْرٌ ہے۔ حَاصِبًا کے معنی ہیں: جھکڑ، آندھی اور اَلْحَاصِبُ ایسی چیزوں کو بھی کہتے ہیں جنہیں آندھی اُڑا کر پھینکے۔ اور اسی سے حَصَبُ جَهَنَّمَ ہے۔ یعنی جو جہنم میں پھینکا جائے گا وہی اس کا حَصَبُ ہے۔ اور کہا جاتا ہے: حَصَبَ فِي الْأَرْضِ۔ یعنی وہ زمین میں دھنس گیا، اور حَصَبُ سنگریزوں کے معانی میں بھی ہے۔ تَارَةً کے معنی ہیں: ایک

وَتَارَاتٌ. لَأَحْتَنِكَنَّ (بَنِي إِسْرَائِيلَ: ٦٣) لَأَسْتَأْصِلَنَّهُمْ يُقَالُ احْتَنَكَ فُلَانٌ مَا عِنْدَ فُلَانٍ مِنْ عِلْمٍ اسْتَقْصَاهُ. طَائِرَهُ (بَنِي إِسْرَائِيلَ: ١٤) حَظَّهُ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُلُّ سُلْطَانٍ فِي الْقُرْآنِ فَهُوَ حُجَّةٌ. وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ (بَنِي إِسْرَائِيلَ: ١١٢) لَمْ يُحَالِفْ أَحَدًا.

بار۔ اس کی جمع تِيَرَةٌ اور تَارَاتٌ ہے۔ لَأَحْتَنِكَنَّ کے معنی ہیں: میں ان کو جڑ سے اکھیڑ ڈالوں گا۔ کہتے ہیں: احْتَنَكَ فُلَانٌ کہ فلاں شخص کے پاس جو بھی علم ہے فلاں نے اس سے سارے کا سارا معلوم کرلیا کچھ نہ چھوڑا۔ طَائِرَهُ کے معنی ہیں: اس کا نصیب۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: قرآن میں جہاں جہاں سُلْطَان کا لفظ آیا ہے اس کے معنی ہیں دلیل۔ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ سے مراد ہے کہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی ساتھی نہیں بنتا۔

تشریح: وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ سے مراد یہ ہے کہ ہم نے ان کو خبر دی کہ وہ آئندہ فساد کریں گے۔ اور لفظ الْقَضَاءُ کئی معنوں میں آتا ہے۔ جیسے وَقَضَىٰ رَبُّكَ یعنی تیرے ربّ نے حکم دیا ہے۔ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ○ (یونس:۹۴)[1] اس آیت میں قَضَىٰ يَقْضِي فیصلہ کرنے کے معنوں میں آیا ہے۔ اور یہ لفظ پیدا کرنے کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ۔ یعنی اس نے انہیں سات آسمانوں کی صورت میں بنایا۔

نَفِيرًا: وہ لوگ مراد ہیں جو سپہ سالار کے ساتھ کوچ کریں۔ اس سے اس آیت کی شرح مقصود ہے: ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنٰكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِينَ وَجَعَلْنٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ○ (بنی اسرائیل:۷) ترجمہ: (اس کے بعد) پھر ہم نے تمہیں (دشمن پر) حملہ کی طاقت عطا کی اور ہم نے مالوں اور بیٹوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کی اور ہم نے تمہیں جتھے کے لحاظ سے بھی (پہلے سے) زیادہ کر دیا۔

مَّيْسُورًا: اس کے معنی ہیں نرم اور آسان۔ فرماتا ہے: وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ○ (بنی اسرائیل:۲۹) اور اپنے ربّ کی کسی عظیم الشان رحمت کے حصول کے لئے جس کی تجھے اُمید لگی ہوئی ہو اگر تو اُن (رشتہ داروں) سے اعراض کرے (تو اس صورت میں اعراض جائز ہے مگر) تب بھی اُن سے تلطف والے طریق پر بات کر۔ مَّيْسُورًا کے معنی نرم ابوعبیدہؒ سے مذکور ہیں۔ طبریؒ نے ابراہیم نخعیؒ سے اس کے معنی ایسی بات بیان کئے ہیں جس کا تو وعدہ کرے۔ اور فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا کا مفہوم عِدْهُمْ عِدَةً حَسَنَةً مروی ہے۔ یعنی ان سے اچھا وعدہ کر۔ ابن ابی حاتمؒ نے بھی بحوالہ محمد بن ابی موسیٰ حضرت ابن عباسؓ سے قَوْلًا مَّيْسُورًا کا یہی مفہوم نقل کیا ہے۔ یعنی وعدہ کرنا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۵، ۴۹۶)

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''یقیناً تیرا ربّ قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔''

لِيُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِيۡرًا: تَبَّرُوا کے معنی ہیں: دَمَّرُوا۔ یعنی تباہ کر دیا۔ اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس شہر پر بھی وہ غالب آئیں اسے تباہ کر دیں۔ فرماتا ہے: اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ ۚ وَاِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ وَلِيَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ كَمَا دَخَلُوۡهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِيۡرًا○ (بنی اسرائیل:۸) (سنو!) اگر تم نیکوکار بنو گے تو نیکوکار بن کر اپنی جانوں کو ہی فائدہ پہنچاؤ گے۔ اور اگر تم بُرے اعمال کرو گے تو (بھی) ان (یعنی اپنی جانوں) کے لئے (بُرا کرو گے) پھر جب دوسری بار والا وعدہ (پورا ہونے کا وقت) آ گیا، تاکہ وہ (یعنی تمہارے دشمن) تمہارے معزز لوگوں سے ناپسندیدہ معاملہ کریں اور (اسی طرح) مسجد میں داخل ہوں جس طرح وہ اس میں پہلی بار داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر غلبہ پائیں اُسے بالکل تباہ (اور برباد) کر کے رکھ دیں۔ (یہ بات اس وقت پوری ہو گئی جب طیطوس شاہ روم نے فلسطین پر حملہ کیا۔ یہ واقعہ صلیب کے واقعہ سے ستر سال بعد کا ہے)

حَصِيۡرًا کے معنی ہیں مَحۡبِسًا مَحۡصَرًا: قید خانہ، گھیرنے والا۔ فرماتا ہے: عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ ۚ وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ۘ وَجَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا○ (بنی اسرائیل:۹) (اب بھی) کچھ بعید نہیں (بلکہ عین ممکن ہے) کہ تمہارا ربّ تم پر رحم کر دے اور اگر تم (پھر اپنے غلط رویہ کی طرف) لوٹے تو ہم بھی (اپنی سزا کی طرف) لوٹیں گے اور (یاد رکھو کہ) جہنم کو ہم نے کافروں کے لئے قید خانہ بنایا ہے۔

خِطۡاً: خاء کی زیر سے ہو تو یہ اسم ہے اور اس کے معنی گناہ کے ہیں اور خاء کی زبر کے ساتھ مصدر ہو گا۔ خَطَأٌ غلطی کرنا، گناہ کرنا۔ خَطِئۡتُ اور أَخۡطَأۡتُ کا ایک ہی مفہوم ہے، لیکن ابوعبیدہؒ کے نزدیک ان دونوں لفظوں میں فرق ہے۔ خَطِیءَ کے معنی أَثِمَ گناہ کیا اور أَخۡطَأَ کے معنی چوک گیا۔ یعنی بھول کر غلطی ہو گئی۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۶)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَقۡتُلُوۡٓا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا○ (بنی اسرائیل:۳۲) اور تم مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ہی انہیں اور تمہیں رزق دیتے ہیں۔ انہیں قتل کرنا یقیناً بہت بڑا گناہ ہے۔

تَخۡرِقَ: چیرنا پھاڑنا بھی اس کے معنی ہیں اور قطع مسافت کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی مسافت طے کرنا، سفر کے آخر تک پہنچ جانا۔ اس لفظ سے اس آیت کی تشریح مقصود ہے: وَلَا تَمۡشِ فِى الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَلَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا○ (بنی اسرائیل:۳۸) اور زمین میں اکڑ کر نہ چل۔ کیونکہ نہ تو تُو اس طرح ملک کی آخری حد تک پہنچ سکتا ہے اور نہ تُو پہاڑوں کی بلندی (سرداروں کا بلند درجہ) پا سکتا ہے۔

وَاِذۡ هُمۡ نَجۡوٰٓى: پوری آیت یہ ہے نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَسۡتَمِعُوۡنَ بِهٖۤ اِذۡ يَسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ وَاِذۡ هُمۡ نَجۡوٰٓى اِذۡ يَقُوۡلُ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا○ (بنی اسرائیل:۴۸) جب وہ (بظاہر) تیری باتیں سن رہے ہوتے ہیں تو جس غرض سے تیری باتیں سنتے ہیں ہم اس کی حقیقت کو خوب جانتے ہیں اور اس وقت بھی جب وہ باہم سرگوشی میں مشغول ہوتے ہیں جب ظالم (ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ تم صرف ایک فریب خوردہ شخص کی ہی پیروی کر رہے ہو۔

إِسۡتِفۡزَاز عربی میں جانور کو اس کی پناہ گاہ سے ڈرا دھمکا کر باہر نکالنے کے لئے آتا ہے۔ تاکہ جونہی وہ سامنے

آئے، تیر وغیرہ سے گھائل کر دیا جائے۔ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ یہ تجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں کہ کسی بہانے سے تجھے ختم کرنے کا موقع انہیں ملے۔

حَاصِبًا کے معنی کنکریلی آندھی جس میں کنکر اور پتھر برسیں۔ یہ صورت سخت آندھی میں پیدا ہوتی ہے۔ ابوعبیدہؒ نے اس کے معنی برفانی جھکڑ بھی کئے ہیں اور اس تعلق میں فرزدق کے اس قول کا حوالہ دیا ہے: بِحَاصِبٍ كَنَدِيفِ الْقُطْنِ مَنْثُورٍ۔ یعنی ایسی برفانی آندھی سے جیسے دھنی ہوئی روئی ہو اور وہ چاروں طرف سے برسائی جائے۔ ابن ابی حاتمؒ نے بواسطہ سعید، قتادہؒ سے حَاصِبًا کے معنی حِجَارَةٌ مِنَ السَّمَاءِ بھی نقل کئے ہیں۔ یعنی آسمان سے پتھروں کی برسات۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۷)

تَارَةً کی شرح سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے: اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ○ (بنی اسرائیل:۷۰) کیا تم اس بات سے امن میں ہو کہ وہ تمہیں سمندر میں دوبارہ نہ لوٹائے اور تم پر ایک نہایت تند ہوا چھوڑ دے اور تمہیں تمہارے کفر کی وجہ سے غرق کر دے۔ پھر تم اپنے لئے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاؤ۔

لَاَحْتَنِكَنَّ کے معنی ابن ابی نجیح نے مجاہدؒ سے لَأَحْتَوِيَنَّ نقل کئے ہیں۔ یعنی میں اسے اپنے قبضے میں پورا لے لوں گا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۷) اور اس کے معنی لَأَسْتَوْلِيَنَّ عَلَيْهِمْ بِالْإِغْوَاءِ وَالْإِضْلَالِ۔ یعنی میں بڑے بہکاوے اور گمراہی کے ذریعہ ان پر پورے طور پر غالب ہو جاؤں گا۔ کہتے ہیں: إِحْتَنَكَ الْجَرَادُ الزَّرْعَ۔ مکڑی کھیتی کو چٹ کر گئی۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۲۲) یعنی میں بنیادوں تک ہلاک کر دوں گا جیسے مکڑی کھیتوں کو تباہ کر دیتی ہے۔

طٰٓئِرَهٗ: حَظُّهُ یعنی اُس کا نصیب۔ فرماتا ہے: وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ○ (بنی اسرائیل:۱۴) اور ہم نے ہر انسان کی گردن میں اس کے عمل کو باندھ دیا ہے اور ہم قیامت کے دن اس (کے اعمال) کی ایک کتاب نکال کر اس کے سامنے رکھ دیں گے جسے وہ (بالکل) کھلی ہوئی پائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے طَائِرَهُ کے معنی عَمَلَهُ مروی ہیں اور مجاہدؒ سے رِزْقَهُ اور حسن بصریؒ سے طائرہُ کے معنی يُمْنُهُ وَشُؤْمُهُ یعنی اس کی برکت اور نحوست بیان ہوئے ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۲۲)

كُلُّ سُلْطَانٍ فِي الْقُرْآنِ فَهُوَ حُجَّةٌ: قرآن مجید میں جہاں کہیں سُلطان آیا ہے اس کے معنی دلیل کے ہیں۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے جو سفیان بن عیینہؒ نے اپنی تفسیر میں بسند عمرو بن دینار نقل کیا ہے۔ انہوں نے عکرمہؒ سے روایت کی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے ہی فریابی نے یہ بھی کہا ہے: كُلُّ تَسْبِيحٍ فِي الْقُرْآنِ فَهُوَ صَلَاةٌ۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں تسبیح کا لفظ آیا ہے وہاں اس سے مراد نماز ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۷) فرماتا ہے: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ○ (بنی اسرائیل:۳۴) اور جس جان کو (مارنا) اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے اسے (شرعی) حق کے سوا قتل نہ کرو۔ اور جو شخص مظلوم مارا جائے اس کے وارث کو ہم نے (قصاص کا) اختیار دیا ہے۔ پس (اس کے

لئے یہ ہدایت ہے کہ) وہ (قاتل کو) قتل کرنے میں (ہماری مقرر کردہ) حد سے آگے نہ بڑھے (اگر وہ حد کے اندر رہے گا) تو یقیناً (ہماری) مدد اس کے شاملِ حال ہوگی۔ اس آیت میں سُلْطان کے یہ معنی ہیں کہ شریعت نے اس کے لئے قتل کا بدلہ لینے کی جو اجازت دی ہے تو یہ شرعی حجت و دلیل اس کے پاس ہے۔

اسی طرح فرماتا ہے: اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰی بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ○ (بنی اسرائیل:٦٦) جو میرے بندے ہیں اُن پر ہرگز تیرا تسلط نہیں (ہو سکتا) اور (اے میرے بندے!) تیرا ربّ کارسازی میں (تیرے لئے) کافی ہے۔ یہاں اس آیت میں بھی سُلْطٰنٌ کے معنی قدرت و اختیار کے ہیں۔

اسی طرح فرماتا ہے: وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ○ (بنی اسرائیل:٨١) اور کہہ اے میرے ربّ مجھے (مکہ میں) نیک طور پر داخل کر اور نیک طریق سے (وہاں سے) نکال اور میرے لئے اپنے حضور سے ایسا گواہ بنا جو پورے طور پر مدد کرنے والا ہو۔ یہاں سلطن کے معنی شاہد کے ہیں جس کی شہادت پورے طور پر حجت ہو۔

وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ: کمزوری کی وجہ سے دوست و مددگار۔ فرماتا ہے: وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ○ (بنی اسرائیل:١١٢) اور (سب دنیا کو سنا کر) کہہ (کہ) ہر تعریف کا مستحق اللہ ہی ہے جو نہ تو اولاد رکھتا ہے اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ اس کو عاجز پا کر کوئی (اور اس پر رحم کر کے) اس کا دوست بنتا ہے (بلکہ جو بھی اس کا دوست ہوتا ہے اس سے مدد لینے کے لئے ہوتا ہے) اور اس کی خوب (اچھی طرح) بڑائی بیان کر۔

بَاب۳: اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (بنی اسرائیل:۲)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) رات کے وقت وہ اپنے بندے کو (اس) حرمت والی مسجد سے لے گیا

٤٧٠٩: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ ح. و حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ بِإِيلِيَاءَ بِقَدَحَيْنِ مِنْ خَمْرٍ وَلَبَنٍ فَنَظَرَ إِلَيْهِمَا فَأَخَذَ اللَّبَنَ

۴۷۰۹: عبدان نے ہم سے بیان کیا کہ عبداللہ (بن مبارک) نے ہمیں بتایا کہ یونس نے ہمیں خبر دی۔ نیز احمد بن صالح نے ہمیں بتایا کہ عنبسہ (بن خالد) نے ہم سے بیان کیا کہ یونس نے ہمیں بتایا۔ ابن شہاب سے روایت ہے کہ ابن مسیب نے کہا: حضرت ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس رات کو جس میں آپؐ بیت المقدس لے جائے گئے دو پیالے لائے گئے، ایک شراب کا اور

قَالَ جِبْرِيلُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَاكَ لِلْفِطْرَةِ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ.

أطرافه: ٣٣٩٤، ٣٤٣٧، ٥٥٧٦، ٥٦٠٣-

ایک دودھ کا۔ آپؐ نے ان دونوں کو دیکھا اور پھر دودھ کو لے لیا۔ جبرائیل نے کہا: الحمد للہ جس نے آپؐ کو فطرت کی طرف راہنمائی کی ہے۔ اگر آپؐ شراب کو لیتے تو آپؐ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

٤٧١٠: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَمَّا كَذَّبَتْنِي قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَّى اللهُ لِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ.

۴۷۱۰: احمد بن صالح نے ہمیں بتایا کہ (عبداللہ) ابن وہب نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: یونس نے مجھے خبر دی۔ ابن شہاب سے مروی ہے کہ ابو سلمہ نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہتے تھے: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپؐ فرماتے تھے: جب قریش نے مجھے جھٹلایا میں حجر (مقام حطیم) میں کھڑا تھا تو اللہ نے بیت المقدس میرے سامنے لا کر مجھے صاف دکھایا اور میں بیت المقدس کی نشانیاں انہیں بتانے لگا۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔

زَادَ يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ لَمَّا كَذَّبَتْنِي قُرَيْشٌ حِينَ أُسْرِيَ بِي إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ... نَحْوَهُ. قَاصِفًا (بنی اسرائیل: ۷۰) رِيحٌ تَقْصِفُ كُلَّ شَيْءٍ.

طرفه: ٣٨٨٦-

یعقوب بن ابراہیم نے (اپنی سند میں) یہ (حصہ) زائد بیان کیا ہے۔ ابن شہاب کے بھتیجے نے اپنے چچا (زہری) سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ جب قریش نے مجھے اس وقت جھٹلایا کہ جب میں بیت المقدس رات کے وقت لے جایا گیا۔ پھر انہوں نے اسی طرح پوری روایت بیان کی۔ قَاصِفًا کے معنی ہیں وہ باد تند جو ہر چیز کو توڑ پھوڑ دے۔

تشریح: اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: سورۃ بنی اسرائیل کی دوسری آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ پوری آیت یوں ہے: سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○ (بنی اسرائیل: ۲) یعنی (میں) اُس

(خدا) کی پاکیزگی (بیان کرتا ہوں) جو رات کے وقت اپنے بندے کو (اس) حرمت والی مسجد سے (اس) دُور والی مسجد تک، جس کے ارد گرد کو (بھی) ہم نے برکت دی ہے (اس لئے) لے گیا تا ہم اُسے اپنے بعض نشان دکھلائیں۔ یقیناً وہی (خدا) ہے جو (اپنے بندوں کی پکار کو) خوب سننے والا (اور ان کی حالتوں کو) خوب دیکھنے والا ہے۔

اَسْرٰی کے تعلق میں جو مکاشفہ آنحضرت ﷺ کو ہوا تھا اس کی نسبت کئی ایک روایتیں مروی ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ کو جھٹلایا بلکہ آپؐ کا مذاق اڑایا۔ امام بخاریؒ نے وہ روایتیں نظر انداز کر دی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے معیار کے مطابق نہیں۔ لیکن صحاح ستہ کی باقی کتابوں نے یہ روایتیں نقل کی ہیں۔[1] ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو اس باب کی روایت نمبر ۴۷۱۰ میں اختصار سے نقل کی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ جب آپؐ نے قریش سے ذکر کیا کہ آپؐ کو راتوں رات بیت المقدس لے جایا گیا ہے تو انہوں نے پوچھا کہ اس کی صورت و شکل بتائی جائے اور آپؐ نے بیان کی۔ ایک اور روایت میں ذکر ہے کہ مشرکین میں سے ایک شخص حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ آپؐ کا ساتھی یہ یہ کہتا ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: أَوَقَالَ ذٰلِكَ - کیا واقعی محمد (ﷺ) نے یہ کہا ہے؟ تو اس نے کہا: ہاں۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا: لَقَدْ صَدَقَ: تو پھر یقیناً انہوں نے سچ کہا ہے۔[2] یہ روایت یعقوب بن ابراہیم کے حوالے سے امام احمد بن حنبلؒ نے بھی نقل کی ہے۔[3]

آنحضرت ﷺ کے اس مکاشفہ کے متعلق سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ”ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا تھا۔ مگر اس میں جو بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ صرف ایک معمولی خواب تھا، سو یہ عقیدہ غلط ہے۔ اور جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ معراج میں آنحضرتؐ اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے، سو یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔ بلکہ اصل بات اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج کشفی رنگ میں ایک نورانی وجود کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ ایک وجود تھا مگر نورانی اور ایک بیداری تھی مگر کشفی اور نورانی جس کو اس دنیا کے لوگ نہیں سمجھ سکتے مگر وہی جن پر وہ کیفیت طاری ہوئی ہو۔ ورنہ ظاہری جسم اور ظاہری بیداری کے ساتھ آسمان پر جانے کے واسطے تو خود یہودیوں نے معجزہ طلب کیا تھا جس کے جواب میں قرآن شریف میں کہا گیا تھا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۴) کہہ دے میرا ربّ پاک ہے میں تو ایک انسان

[1] (مسلم، کتاب الإيمان، باب ذكر المسيح ابن مريم، والمسيح الدجال)
(ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة بنی اسرائیل، جزء۵ صفحہ ۳۰۱)
[2] (مصنف عبد الرزاق، کتاب المغازی، باب ذكر بعض ما يتعلق بالإسراء، جزء۵ صفحہ ۳۲۱)
[3] (مسند احمد بن حنبل، مسند المكثرين من الصحابة، مسند جابر بن عبد اللهؓ، جزء۳ صفحہ ۳۷۷)

رسول ہوں انسان اس طرح اُڑ کر کبھی آسمان پر نہیں جاتے۔ یہی سنّت اللہ قدیم سے جاری ہے۔“

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۱ مورخہ ۱۷، جون ۱۹۰۶ء صفحہ ۴)

ایک اور موقع پر آپؑ نے فرمایا:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج تین قسم پر منقسم ہے۔ سیر مکانی[۱] اور سیر زمانی[۲] اور سیر لا مکانی[۳] ولا زمانی۔ سیر مکانی میں اشارہ ہے طرف غلبہ اور فتوحات پر۔ یعنی یہ اشارہ کہ اسلامی ملک مکّہ سے بیت المقدس تک پھیلے گا۔ اور سیر زمانی میں اشارہ ہے طرف تعلیمات اور تاثیرات کے۔ یعنی یہ کہ مسیح موعود کا زمانہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات سے تربیت یافتہ ہو گا، جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے: وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعۃ:۴)۔ اور سیر لامکانی و لا زمانی میں اشارہ ہے طرف اعلیٰ درجہ کے قرب اللہ اور مدانات کی، جس پر دائرہ امکانِ قرب کا ختم ہے۔“

(خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد ۱۶ حاشیہ صفحہ ۲۶)

نیز آپؑ نے فرمایا:

”ان الزمان زمانان۔ زمان التائیدات ودفع الأفات وزمان البرکات والطیبات والیہ اشار عزاسمہ بقولہ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ (بنی اسرائیل:۲) فاعلم ان لفظ مسجد الحرام فی قولہ تعالیٰ یدل علیٰ زمانٍ فیہ ظھرت عزۃ حرمات اللہ بتائید من اللہ وظھرت عزۃ حدودہ واحکامہ و فرائضہ وترّاءت شوکۃ دینہ ورعب ملّتہ۔ وھو زمان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم۔ والمسجد الحرام البیت الذی بناہ ابراھیم علیہ السلام فی مکۃ وھو موجود الیٰ ھٰذا الوقت حرسہ اللہ من کلّ آفۃ۔ واما قولہ عزّاسمہ بعد ھٰذا القول اعنی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ فیدل علیٰ زمانٍ فیہ یظھر برکاتٍ فی الارض من کل جھۃ کما ذکرناہ أنفا وھو زمان المسیح الموعود والمھدی المعھود والمسجد الاقصیٰ ھو المسجد الذی بناہ المسیح الموعود فی

القادیان سُمّی اَقْصٰی لبُعْدہ من زمان النبوّۃ ولما وقع فی اقصٰی طرفٍ من زمن ابتداء الاسلام فتدبر ھٰذا المقام فانہ اودع اسرارًا من اللہ العلام۔[۱] (خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد ۱۶ حاشیہ صفحہ ۲۵، ۲۶)

بَاب ٤ : وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل: ۷۱)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) یقیناً ہم نے بنی آدم کو بہت بڑی عزت بخشی ہے

كَرَّمْنَا (بنی اسرائیل: ۷۱) وَأَكْرَمْنَا وَاحِدٌ. ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ (بنی اسرائیل: ۷۶) عَذَابَ الْحَيَاةِ وَعَذَابَ الْمَمَاتِ. خِلٰفَكَ (بنی اسرائیل: ۷۷) وَخَلْفَكَ سَوَاءٌ. وَنَاٰ (بنی اسرائیل: ۸۴) تَبَاعَدَ. شَاكِلَتِهٖ (بنی اسرائیل: ۸۵) نَاحِيَتِهٖ وَهِيَ مِنْ

كَرَّمْنَا اور أَكْرَمْنَا کے ایک ہی معنی ہیں۔ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ (میں لفظ عَذَاب محذوف ہے) کا مطلب ہے: دنیوی زندگی کی سزا اور مرنے کے بعد کی سزا۔ خِلٰفَكَ اور خَلْفَكَ دونوں ایک ہی معانی میں ہیں۔ یعنی تیرے پیچھے۔ اور نَاٰ کے معنی ہیں دور ہوا۔ شَاكِلَتِهٖ کے معنی ہیں اپنی طرز پر، یعنی اپنی شکل یا طریق پر۔

---

[۱] ترجمہ: ”زمانہ کے دو حصے ہیں (۱) تائیدات اور آفات کے دور کرنے کا زمانہ (۲) برکات اور پاکیزہ تعلیمات کے پھیلانے کا زمانہ۔ اس کی طرف خداوند تعالیٰ نے اپنے قول سُبْحٰنَ الَّذِيٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ میں اشارہ فرمایا ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کا لفظ اِس آیت میں اس زمانہ پر دلالت کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی محرمات کی عزت و احترام اللہ کی تائید سے ظاہر ہوئی اور اس کے مقرر کردہ حدود، احکام اور فرائض کا جلال ظاہر ہوا اور اس کے دین کی شوکت اور اس کی ملت کا رُعب صاف نظر آ گیا، اور یہ زمانہ ہمارے نبی ﷺ کا زمانہ ہے۔ اور الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وہ گھر ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ شریف میں تعمیر کیا اور وہ اس وقت تک موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر آفت سے محفوظ رکھے۔ آیت میں الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے بعد کا حصہ یعنی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ اس زمانہ پر دلالت کرتا ہے جس میں زمین پر ہر جہت سے برکات کا ظہور ہوگا، جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔ اور یہ مسیح موعود اور مہدی معہود کا زمانہ ہے۔ اور مسجد اقصیٰ وہ مسجد ہے جس کو مسیح موعود نے قادیان میں بنایا۔ اسے اقصیٰ (یعنی دور والی) مسجد اس لئے قرار دیا گیا کہ وہ زمانہ نبوت سے دور ہے اور ابتدائے اسلام کے زمانہ سے ایک طرف واقع ہے۔ پس تو اس مقام پر غور کر کیونکہ اس میں خدائے علّام الغیوب کی طرف سے بہت سے راز ودیعت کئے گئے ہیں۔“
(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ، سورۃ بنی اسرائیل، آیت: سُبْحٰنَ الَّذِيٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ، جلد ۳ حاشیہ صفحہ ۴۵)

شَـــكْلِهٖ. صَرَّفْنَا (بـنـی اسرائیـل: ۹۰) وَجَّهْنَا. قَبِيْلًا (بنی اسرائیل:۹۳) مُعَايَنَةً وَمُقَابَلَةً وَقِيلَ الْقَابِلَةُ لِأَنَّهَا مُقَابِلَتُهَا وَتَقْبَــلُ وَلَــدَهَا. خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ (بـنـی اسرائیل:۱۰۱) أَنْفَقَ الرَّجُلُ أَمْلَقَ وَنَفِقَ الشَّيْءُ ذَهَبَ. قَتُوْرًا (بنی اسرائیل:۱۰۱) مُقَتِّـرًا. لِلْاَذْقَانِ (بـنی اسرائیـل:۱۰۸) مُجْتَمَعُ اللَّحْيَيْنِ وَالْوَاحِدُ ذَقَنٌ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَوْفُوْرًا (بنی اسرائیل:۶۴) وَافِرًا. تَبِيْعًا (بنی اسرائیـل:۷۰) ثَـائِرًا، وَقَـالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَصِيْرًا. خَبَتْ (بنی اسرائیل:۹۸) طَفِئَـتْ. وَقَـالَ ابْـنُ عَبَّـاسٍ لَا تُبَذِّرْ (بـنی اسرائیـل:۲۷) لَا تُنْفِــقْ فِــي الْبَاطِلِ. ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ (بنی اسرائیل:۲۹) رِزْقٍ. مَثْبُوْرًا (بـــنی اسرائیـــل:۱۰۳) مَلْعُونًـا. لَا تَقْفُ (بـنی اسرائیـل:۳۷) لَا تَقُلْ. فَجَاسُوْا (بنی اسرائیل:۶) تَيَمَّمُوا. يُزْجِي الْفُلْكَ يُجْـرِي الْفُلْـكَ. يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ (بنی اسرائیل:۱۰۸) لِلْوُجُوهِ.

صَرَّفْنَا کے معنی ہیں: ہم نے (اسے) توجہ دلائی یا منہ پھیرا۔ قَبِيْلًا کے معنی ہیں: آنکھوں کے سامنے، آمنے سامنے۔ اور (دایہ کو) الْقَابِلَةُ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ زچہ کے سامنے ہو کر بچے کو لیتی ہے۔ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ یعنی تنگ دستی کے خوف سے۔ (کہتے ہیں:) أَنْفَقَ الرَّجُلُ: یعنی تہی دست ہو گیا اور نَفِقَ الشَّيْءُ کے معنی ہیں چیز ختم ہو گئی۔ قَتُوْرًا کے معنی ہیں: بڑا ہی کنجوس، بخیل، تنگ دست۔ لِلْاَذْقَانِ وہ جگہ جہاں دو جبڑے ملیں۔ (یعنی ٹھوڑی کے بل) اس کی واحد ذَقَنٌ ہے۔ اور مجاہد نے کہا: مَوْفُوْرًا کے معنی ہیں بڑھ چڑھ کر۔ تَبِيْعًا کے معنی ہیں: بدلہ لینے والا۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: (تَبِيْعًا کے معنی ہیں) مددگار۔ خَبَتْ کے معنی ہیں: بجھ گئی۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: لَا تُبَذِّرْ کے معنی ہیں: بے سود کاموں میں خرچ نہ کرو۔ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ کے معنی ہیں: رزق کی تلاش میں۔ مَثْبُوْرًا کے معنی ہیں: رحمت سے دور کیا ہوا، ہلاک شدہ۔ لَا تَقْفُ یعنی وہ بات نہ کہو (جس کا تجھے علم نہیں)۔ فَجَاسُوْا کے معنی ہیں: انہوں نے رُخ کیا۔ يُزْجِي الْفُلْكَ کے معنی ہیں وہ کشتیاں چلاتا ہے۔ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یعنی وہ مونہوں کے بل گر پڑتے ہیں۔

تشریح: وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ: ابوعبیدہؒ کے نزدیک كَرَّمْنَا جو باب تفضیل سے ہے زیادہ بلیغ ہے۔ اور یہ کَرَم سے نہیں جس کے معنی مال ہیں بلکہ کَرُمَ سے ہے بمعنی شرف یعنی عزت۔ كَرَّمْنَا کے معنی ہیں شَرَّفْنَا بہت بڑی عزت بخشی، غایت درجہ عزت سے نوازا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۹) پوری

آیت یہ ہے: وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ○ (بنی اسرائیل:۷۱) اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بہت شرف بخشا ہے اور ان کے لئے خشکی اور تری میں سواری کا سامان پیدا کیا ہے اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ہے اور جو مخلوق ہم نے پیدا کی ہے اس میں سے پیشتر حصے پر ہم نے انہیں بہت بڑی فضیلت دی ہے۔

ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ: یہ جملہ دراصل یوں ہے: ضِعْفَ عَذَابِ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ عَذَابِ الْمَمَاةِ۔ عَذَاب- ضِعْف کا مضاف اِلیہ ہے اور مقدر و محذوف ہے۔ ایسے مضاف اِلیہ عربی میں اکثر محذوف ہو جاتے ہیں اور سیاق کلام سے پڑھنے سننے والا سمجھ جاتا ہے۔ طبریؒ نے بحوالہ ابن ابی نجیحؒ، مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ اس آیت سے دنیا و آخرت کی سزا مراد ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۹) دراصل جب دنیا میں سزا ملتی ہے تو روح اور جسم دونوں ہی مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ جسم سزا پائے اور روح اس سے متاثر نہ ہو اور نہ یہ ہوتا ہے کہ روح سزا پائے اور جسم غیر متاثر رہے۔ یہی حال موت کے بعد کی زندگی میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ سبا آیت نمبر ۳۸ میں فرماتا ہے: وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ هُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ○ اور تمہارے مال اور تمہاری اولادیں ایسی چیز نہیں کہ تم کو ہمارا مقرب بنا دیں۔ ہاں جو ایمان لاتا ہے اور اس کے مناسب حال عمل کرتا ہے (وہی ہمارا مقرب ہوتا ہے) اور ایسے ہی لوگوں کو ان کے اچھے اعمال کی وجہ سے بڑھ بڑھ کر بدلے ملیں گے اور وہ بالا خانوں میں امن سے زندگی بسر کریں گے۔ یہاں اس آیت میں لفظ ضِعْف بغیر کسی اضافت کے استعمال ہوا ہے۔ یعنی ضِعْفَ الْحَيٰوةِ یا ضِعْفَ الْمَمَاتِ نہیں۔ لیکن مراد یہی ہے کہ انہیں اس زندگی میں اور بعد الموت کی زندگی میں بڑھ چڑھ کر بدلے ملیں گے۔ آخرت میں بھی روح کو ایک جسم عطا کیا جائے گا جو نورانی یا ظلمانی جسم ہو گا۔ اس تعلق میں دیکھئے اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۵

ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ میں جو لفظ عَذَاب مقدر سمجھا گیا ہے اس بارے میں نہ صرف مجاہدؒ ہی کا قول ہے بلکہ قتادہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ پورا سیاق یہ ہے: وَ لَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ○ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ○ (بنی اسرائیل:۷۵،۷۶) اور اگر ہم تجھے (قرآن دے کر) ثبات نہ بخش چکے ہوتے تو پھر بھی (یہی ہوتا کہ) تو (بغیر الہام کے بھی) ان کی طرف بہت کم باتوں میں مائل ہوتا (مگر اب تو تجھے وحی الٰہی نے صحیح راستہ بتا دیا ہے) (اور اگر جیسا کہ ان کا خیال ہے تو ہم پر افترا باندھنے والا ہوتا) تو اس صورت میں ہم تجھے زندگی کا بڑا عذاب اور موت کا بڑا عذاب چکھاتے (اور) پھر تو ہمارے مقابل پر اپنا کوئی (بھی) مددگار نہ پاتا۔ اس آیت میں ضِعْف- عَذَاب کے لئے بطور صفت واقع ہوا ہے۔ یعنی لَاَذَقْنٰكَ عَذَابًا ضِعْفًا فِي الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ۔ عَذَاب جو محذوف ہے موصوف واقع ہوا ہے اور اس موصوف کو حذف کر کے ضِعْف مضاف کیا گیا ہے۔ اور موصوف مقدر کے لئے قائم مقام ہے۔ یہ شرح ابو عبیدہؓ سے مروی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۹۹)

خِلٰفَكَ کے وہی معنی ہیں جو خَلْفَكَ کے ہیں یعنی بَعْدَكَ تیرے پیچھے۔ یہ مفہوم بھی ابو عبیدہؓ سے ہی مروی ہے اور دونوں قراءتیں منقول ہیں، خِلٰفَكَ اور خَلْفَكَ۔ خَلْفَكَ جمہور کی قراءت ہے اور خِلٰفَكَ ابن عامر کی جو حفص

سے مروی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۰) اس سے اس آیت کی شرح کرنا مقصود ہے: وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (بنی اسرائیل:۷۷) اور وہ یقیناً تجھے اس ملک سے نکالنے کے مختلف حیلے کرتے رہتے ہیں تاکہ تجھے ڈرا کر ملک سے باہر نکال دیں۔ مگر (ایسا ہوا تو) وہ (خود بھی) تیرے بعد تھوڑا عرصہ ہی (محفوظ) رہیں گے (اور جلد تباہ ہو جائیں گے)

وَ نَاٰ: یہ لفظ اس آیت میں آیا ہے: وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ○ (بنی اسرائیل:۸۴) اور جب ہم انسان پر انعام کریں تو وہ روگردان ہو جاتا ہے اور اپنے پہلو کو (اس سے) دور کر لیتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچے تو وہ بہت ہی مایوس ہو جاتا ہے۔ نَاٰ بِجَانِبِهٖ: تَبَاعَدَ اور أَعْرَضَ - روگردانی کی۔ یہ تشریح بھی ابوعبیدہؒ ہی سے مروی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۰) اور عینیؒ نے عطاء بن ابی رباح سے اس کے معنی تَعَظَّمَ وَ تَكَبَّرَ نقل کئے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا اور کبر کا اظہار کیا۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۲۴)

شَاكِلَتِهٖ: طبریؒ نے بواسطہ علی بن ابی طلحہ، حضرت ابن عباسؓ سے شَاكِلَتِهٖ کا مترادف عَلٰى نَاحِيَتِهٖ نقل کیا ہے، اپنے ڈھب یا اپنے طریق کے مطابق، اور مجاہدؒ سے بواسطہ ابن ابی نجیح اس کا مترادف عَلٰى طَبِيعَتِهٖ وَعَلٰى حِدَاتِهٖ نقل کئے ہیں اور ابوعبیدہؒ سے وَخِلْقَتِهٖ بیان کئے ہیں یعنی اپنی طبیعت اپنی طرز یا اپنی خلقت کے مطابق۔ فرماتا ہے: قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ○ (بنی اسرائیل:۸۵) کہہ ہر فریق اپنے اپنے ڈھب پر (یا طبیعت کے موافق یا طرز پر) عمل کر رہا ہے۔ سو تمہارا ربّ ہی بہتر جانتا ہے جو زیادہ صحیح راستے کو اختیار کئے ہوئے ہے۔ کہتے ہیں: هٰذَا مِنْ شَكْلِ هٰذَا۔ یہ اس کی مانند ہے، اس کی طرح ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۰)

صَرَّفْنَا: وَجَّهْنَا - یعنی ہم نے مختلف پہلوؤں سے توجہ دلا دی ہے۔ اس سے اس آیت کی شرح مقصود ہے: وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَ مَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ○ (بنی اسرائیل:۴۲) اور ہم نے اس قرآن میں (ہر بات) مختلف پہلوؤں سے بار بار بیان کر دی ہے تا وہ نصیحت حاصل کریں۔ لیکن (اس کے باوجود) یہ انہیں نفرت ہی میں بڑھاتا رہا ہے۔

قَبِيْلًا: مُعَايَنَةً - آنکھوں کے سامنے، روبرو، آمنے سامنے۔ فرماتا ہے: اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ○ (بنی اسرائیل:۹۳) یا جیسا کہ تیرا خیال ہے تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دے یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے آمنے سامنے لے آ (کہ ہم آنکھوں سے دیکھ لیں۔) قَبِيْلًا کے یہ معنی ابوعبیدہؒ نے بیان کئے ہیں۔ اس تعلق میں اعشٰی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: كَصَرْخَةِ حُبْلٰى بَشَّرَتْهَا قَبِيْلُهَا۔ جیسے حاملہ کی چیخ جسے دایہ نے بشارت دی۔ دایہ کو عربی زبان میں اَلْقَابِلَةُ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ سامنے سے بچے کو لیتی ہے۔ ابن ابی حاتمؒ نے قَبِيْل کے معنی فوج کئے ہیں جو آنکھوں سے دیکھ لی جائے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۰) سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ○ (الاعراف:۲۸) یعنی وہ (شیطان) اور اس کی فوج تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے۔

خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ: یعنی تنگ دستی کے خوف سے۔ فرماتا ہے: قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ○ (بنی اسرائیل:۱۰۱) کہہ اگر تم میرے ربّ کی رحمت کے خزانوں کے مالک بھی ہو جاؤ تو بھی تم تنگ دستی کے خوف سے خرچ کرنے سے رُک جاتے اور انسان بڑا ہی کنجوس ہے۔ خرچ میں بہت تنگی سے کام لیتا ہے۔ أَنْفَقَ کے معنی افْتَقَرَ (أقرب الموارد- نفق) تہی دست ہو گیا۔

لِلْاَذْقَانِ: ذَقَنٌ کی جمع ہے ٹھوڑی۔ یہ معنی ابو عبیدہؒ سے منقول ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۰) سجدہ پیشانی کے بل کیا جاتا ہے لیکن عرب لوگ نہایت درجہ تذلل اور عاجزی کے اظہار کے لئے ٹھوڑیوں کے بل گرنا بولتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک داڑھی بڑی عزت سمجھی جاتی ہے۔ داڑھیوں کے بل گرنے سے یہ سمجھانا مقصود ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی ساری عزت خاک میں ملادی۔ غایت درجہ تذلل کے اظہار ہی میں فرماتا ہے: قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ○ (بنی اسرائیل:۱۰۸) کہہ یہ بات مانو یا نہ مانو جو پہلے سے علم دئے گئے ہیں یقیناً وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں جب ان پر (کلام اللہ) پڑھا جاتا ہے۔ اس آیت کے بعد لفظ أَذْقَان اسی مفہوم میں دوبارہ آیا ہے۔ طبریؒ نے علی بن ابی طلحہ کے واسطے سے أَذْقَان کا مفہوم وُجُوْهٌ بیان کیا ہے۔ یعنی مونہوں کے بل گر پڑتے ہیں، مراد پیشانیاں ہیں اور قتادہؒ سے بھی یہی مفہوم مروی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۱) گویا لفظ أَذْقَان بطور مجاز استعمال ہوا ہے۔ مابعد کا سیاق کلام یہ ہے: وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ○ وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ○ (بنی اسرائیل:۱۰۹، ۱۱۰) اور وہ کہتے ہیں ہمارا ربّ ہر عیب سے پاک ہے۔ ہمارے ربّ کا وعدہ یقیناً پورا ہو کر رہنے والا ہے اور وہ اپنے مونہوں کے بل گر جاتے ہیں روتے ہوئے اور یہ (قرآن) ان کی زاری کو اَور بھی بڑھاتا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَوْفُوْرًا: مَوْفُوْر اسم مفعول بمعنی وَافِر اسم فاعل آیا ہے۔ فرماتا ہے: قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ○ (بنی اسرائیل:۶۴) فرمایا: چل دُور ہو کیونکہ جو اُن میں سے تیری پیروی کریں گے تو تم سب کی سزا جہنم ہے جو پورا پورا بدلہ ہو گا۔ طبریؒ نے عبد اللہ بن ابی نجیح کے ذریعہ مجاہدؒ سے اس کے معنی سَوَاءً نقل کئے ہیں۔ یعنی برابر کا بدلہ، نہ کم نہ زیادہ۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۱)

تَبِيْعًا: پیروی کرنے والا۔ فَعِيْل بمعنی فَاعِل۔ مجاہدؒ نے اس کے معنی ثَائِرًا کئے ہیں یعنی انتقام لینے والا۔ ثَأْرٌ کے معنی ہیں انتقام۔ فرماتا ہے: ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ○ (بنی اسرائیل:۷۰) تم (اس سزا کی وجہ سے) کوئی ایسا شخص نہیں پاؤ گے جو اس کا بدلہ لینے کے لئے ہمارا پیچھا کرنے والا ہو۔ اس آیت کے تعلق میں حضرت ابن عباسؓ سے تَبِيْعًا کے معنی نَصِيْرًا نقل کئے گئے ہیں۔ یہ قول ابن ابی حاتمؒ کا ہے جو انہوں نے علی بن ابی طلحہ کے ذریعہ نقل کیا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۱) تَبِيْعًا کے معنی تَابِعٌ یا ثَائِرٌ یا نَصِيْرٌ کئے جائیں، مفہوم ایک ہی ہے یعنی خدا کی پکڑ کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

خَبَتْ کے معنی ہیں بجھ گئی۔ فرماتا ہے: مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ○ (بنی اسرائیل:۹۸)

ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ جب بھی اس کی گرمی مدھم ہو گی ہم اُسے اَور بھڑکا دیں گے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا تُبَذِّرْ - لَا تُنْفِقْ فِي الْبَاطِلِ: تو باطل کاموں میں اپنا مال خرچ نہ کر۔ طبریؒ نے عطاء خراسانی کے ذریعہ حضرت ابن عباسؓ کی یہ تشریح نقل کی ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۱) فرماتا ہے: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۲۷، ۲۸) اور قریبی رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو بھی دے اور ناجائز طور پر خرچ نہ کر کیونکہ اسراف کرنے والے لوگ یقیناً شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے ربّ کا بہت ہی ناشکر گزار ہے۔

عکرمہؒ سے بھی تَبْذِیْر کے یہی معنی منقول ہیں۔ اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ و دیگر صحابہؓ نے بھی یہی معنی کئے ہیں۔ بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں: كُنَّا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ نَتَحَدَّثُ أَنَّ التَّبْذِيرَ النَّفَقَةُ فِي غَيْرِ حَقٍّ۔ ہم محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھی آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ تَبْذِیْر وہ خرچ ہے جو ناجائز باتوں میں کیا جائے۔
(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۱)

ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ - رِزْقٍ۔ رزق چاہنے کی غرض سے۔ طبریؒ نے بواسطہ عطاء الخراسانی حضرت ابن عباسؓ سے آیت وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا میں رَحْمَةٍ سے مراد رزق نقل کیا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۲۹) اور اپنے ربّ کی کسی بڑی رحمت کے حصول کے لئے جس کی تو امید رکھتا ہے ان (رشتہ داروں) سے اعراض کرے (تو یہ اعراض جائز ہے) تب بھی ان سے ایسی بات کر جس میں لطف اور مہربانی ہو۔ ابن ابی حاتمؒ نے ابراہیم نخعیؒ سے رَحْمَةٍ کے معنی فضل نقل کئے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۱) یہاں اس میں فضل سے مراد وحی و مکالمہ سے مخصوص کرنا بھی ہو سکتا ہے۔

مَثْبُوْرًا: مَلْعُوْنًا- یعنی رحمت الٰہی سے دور۔ یہ معنی طبریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے بواسطہ علی بن ابی طلحہ نقل کئے ہیں، اور اس کے علاوہ اس کے کئی اَور معنی بھی ان سے مروی ہیں۔ مثلاً بواسطہ عوفی مَغْلُوْبًا یعنی مغلوب، اور بواسطہ مجاہدؒ هَالِكًا یعنی ہلاک ہونے والا، بواسطہ قتادۃؒ مُهْلِكًا یعنی ہلاک کرنے والا، بواسطہ عطیہ مُغَيِّرًا مُبَدِّلًا یعنی بگاڑنے والا اور تبدیل کرنے والا، اور بواسطہ ابن زید بن اسلم مَخْبُولًا مروی ہیں۔ مَخْبُولًا کے معنی ہیں وہ جسے عقل نہ ہو۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۱) فرماتا ہے: قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآىِٕرَ ۚ وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۱۰۳) حضرت موسیٰ نے کہا: تمہیں یقیناً علم ہو چکا ہے کہ یہ نشانات زمین و آسمانوں کے ربّ نے ہی نازل کئے ہیں کہ وہ بصیرت بخشنے والے ہوں۔ اور میں یقیناً تجھے اے فرعون ہلاک شدہ یقین کرتا ہوں۔ لفظ مَثْبُوْرًا ان تمام معنوں ہی میں آیا ہے۔ رحمت الٰہی سے دور، مغلوب، ہلاک ہونے والا، ہلاک کرنے والا، دین بگاڑنے والا، یا دین تبدیل کرنے والا اَور کم عقل۔

لَا تَقْفُ: لَا تَقُلْ- قَفَا يَقْفُو، تَبِعَ يَتْبَعُ کے معنی میں ہے۔ یعنی لَا تَتْبَعْ- مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ: ایسی بات

کے پیچھے نہ لگ جس کا تجھے علم نہیں۔ پوری آیت یہ ہے: وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ○ (بنی اسرائیل:۳۷) اور جس بات کا تجھے علم نہ ہو وہ نہ کہو۔ کیونکہ کان آنکھ اور دل یقیناً ہر ایک کے متعلق پوچھا جائے گا۔

فَجَاسُوْا: تَيَمَّمُوْا - انہوں نے قصد کیا، انہوں نے رُخ کیا۔ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ: مختلف بستیوں میں گھس گئے (تا کہ ان کے باشندوں کو اشتعال دلائیں اور بھڑکائیں۔) آیت کا یہ مفہوم ابن ابی حاتمؒ نے بواسطہ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ ابوعبیدہؒ نے جَاسَ يَجُوسُ کے معنی نَقَّبَ يُنَقِّبُ کئے ہیں۔ یعنی دور تک چلا گیا۔ اس کے علاوہ جَاسَ کے معنی نَزَلَ، قَتَلَ، تَرَدَّدَ (اُترا، قتل کیا، چکر لگایا) اور طَلَبُ الشَّيْءِ بِاسْتِقْصَاءٍ (انتہائی کوشش سے جستجو کی) بھی مروی ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۱) فرماتا ہے: فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَ كَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ○ (بنی اسرائیل:۶) جب ان دو (فسادوں میں سے) پہلی بار کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آیا تو ہم نے اپنے بعض ایسے بندے کھڑے کر دئے جو سخت جنگجو تھے تو وہ گھروں کے اندر گھس گئے (اور قتل عام کیا) اور یہ وعدہ پورا ہو کر رہنے والا تھا۔

يُزْجِي الْفُلْكَ: کشتیاں چلاتا ہے۔ اَزْجٰى يُزْجِي کے معنی اَجْرٰى يُجْرِي ہیں۔ یہ معنی طبریؒ ہی نے بواسطہ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کئے ہیں اور قتادہؒ سے بھی یہی معنی منقول ہیں۔ انہوں نے اَزْجٰى يُزْجِي کے معنی سَيَّرَ يُسَيِّرُ کئے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۱)

بَاب: وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا (بنی اسرائیل:۱۷)

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کریں تو (پہلے) ہم
اس کے آسودہ حال لوگوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں

٤٧١١: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا نَقُولُ لِلْحَيِّ إِذَا كَثُرُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَمِرَ بَنُو فُلَانٍ.

۴۷۱۱: علی بن عبداللہ نے ہمیں بتایا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہم سے بیان کیا۔ منصور نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے ابووائل سے، ابووائل نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: زمانہ جاہلیت میں جب کوئی قبیلہ تعداد میں بڑھ جاتا تو ہم کہتے: فلاں قبیلہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔

حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وَقَالَ أَمَرَ.

(عبداللہ بن زبیر) حمیدی نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا اور انہوں نے کہا کہ (یہ لفظ) أَمَرَ ہے (أَمِرَ نہیں)۔

تشریح: وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا: لفظ اَمَرْنَا فعل ماضی جمع متکلم ہے۔ أَمَرَ اور أَمِرَ دونوں سے آتا ہے لیکن معنوں میں فرق ہے۔ پہلے کے معنی ہیں ہم نے حکم دیا اور دوسرے کے معنی ہیں ہم نے تعداد میں یا دولت میں بڑھا دیا۔ جیسا کہ روایت مذکورہ بالا میں ہے۔ تعداد یا دولت کی کثرت مد نظر ہو تو ابن التین کے نزدیک أَمَرَ فُلَانٌ نہیں کہتے بلکہ أَمِرَ کہتے ہیں۔ اور جمہور کی قراءت أَمِرْنَا مُتْرَافِيْهَا نہیں بلکہ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا ہے۔ ابو جعفرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی قراءت أَمِرْنَا نقل کی ہے اور ابوزید قاری نے اس قراءت کو درست قرار دیا ہے۔ ان کے سوا باقی قاریوں نے أَمِرْنَا کی قراءت اوپری سمجھی ہے۔ ان کے نزدیک اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا اگر پڑھا جائے تو اس کے معنی بھی تعداد اور دولت میں بڑھانا ہو سکتا ہے، جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ کی شرح میں مذکور ہے۔ یعنی ہم نے آسودہ حال لوگوں کو بڑھایا۔ فراء کا دعویٰ ہے کہ أَمَرْنَا بھی بمعنی كَثَّرْنَا ہے۔ یعنی ہم نے بڑھایا۔ اور "ء" کی مد سے معنوں میں زیادتی پیدا ہو جاتی ہے۔ لفظ أَمَرَ ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: خَيْرُ مَالِ الْمَرْءِ مُهْرَةٌ مَأْمُورَةٌ أَوْ سِكَّةٌ مَأْبُورَةٌ۔[1] یعنی آدمی کا سب سے بہتر مال وہ بچھڑا ہے جسے پال کر تیار کیا جائے یا وہ ہل جس کے آگے تیز دھاری دار پھل لگایا گیا ہو۔ لفظ مَأْمُورَةٌ میں "ء" جو بغیر مدّ ہے تو بطور مزاوجت (یعنی تجانس لفظی، مناسبت و ملائمت) ہے۔ عثمان ہندی کے نزدیک أَمَّرْنَا (م کی شد سے) ہے۔ یعنی ہم نے انہیں حاکم بنایا۔ طبریؒ نے بواسطہ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباسؓ سے اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا کے معنی سَلَّطْنَا شِرَارَهَا: یعنی ہم نے شریروں کو مسلط کر دیا۔ اس تعلق میں مجاہدؒ، ابوعالیہ اور ابوعثمان کے قول کا حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے أَمَّرْنَا (م کی تشدید سے) پڑھا ہے۔ (فتح الباری جزء٨ صفحہ ۵٠٢) آیت زیر تشریح پوری یہ ہے: وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ○ (بنی اسرائیل:١٧) اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کریں (تو پہلے) ہم اس کے آسودہ حال لوگوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں جس پر وہ اس بستی میں نافرمانی کرتے ہیں۔ تب اس بستی کے متعلق ہمارا کلام پورا ہو جاتا ہے (یعنی اس کے بر خلاف فرد جرم عائد ہو جاتا ہے) اور ہم اسے بالکل تباہ کر دیتے ہیں۔

لفظ أَمِرَ کتاب بدء الوحی، باب ٦ روایت نمبر ٧ میں بھی گزر چکا ہے۔ ابوسفیان ہرقل شاہ روم کے دربار سے جب رخصت ہوا تو واپسی پر اس نے اپنے ساتھیوں سے آنحضرت ﷺ کی نسبت یہ فقرہ کہا تھا: لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ، إِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الأَصْفَرِ۔ یعنی ابو کبشہ کے بیٹے کا معاملہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اس سے تو رومیوں کا

[1] (بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث، كتاب البيوع، باب فِيمَا يُقْتَنَى مِنَ الْمَالِ، جزء اول صفحہ ۴٨٨)

بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے آیت کی یہ تاویل بھی کی گئی ہے کہ أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا بِالطَّاعَةِ فَعَصَوْا۔ یعنی ہم نے آسودہ حال لوگوں کو اطاعت کا حکم دیا مگر انہوں نے نافرمانی کی۔ جیسا کہ کہتے ہیں: أَمَـــرْتُهُ فَعَصَانِي۔ یعنی اس فقرے میں بِالطَّاعَةِ محذوف مقدر ہے۔ یہ عام عربی کا اسلوب ہے جو حذف وتقدیر میں اختیار کیا جاتا ہے اور سیاق کلام سے اس کا پتہ چل جاتا ہے زمخشریؒ نے اس تاویل کا انکار کیا ہے اور یہ دلیل دی ہے کہ (أَنَّ حَذْفَ مَا لَا دَلِيلَ عَلَيْهِ غَيْرُ جَائِزٍ) جس کی دلیل نہ ہو اسے حذف کرنا جائز نہیں، لیکن مذکورہ بالا مثالوں میں قرینہ موجود ہے۔ أَمَرْتُهُ فَعَصَانِي کی عبارت میں ہی قرینہ مقدر ہے کہ میں نے اسے فرمانبرداری کا حکم دیا اور اس نے انکار کیا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ۵۰۲) زمخشری کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر کے تعلق میں احتیاط کی جائے ورنہ وہ جس پائے کے عالم ہیں اس کے پیش نظر یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ حذف و تقدیر کا قاعدہ جو عربی زبان میں عام ہے وہ اس سے بے خبر ہوں۔

بَاب ۵: ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا (بنی اسرائیل:۴)

(اور یہ بھی کہا تھا کہ اے) ان لوگوں کی نسل! جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی پر) سوار کیا تھا (یاد رکھو کہ) وہ یقیناً (ہمارا) نہایت شکر گذار بندہ تھا (پس تم بھی شکر گذار بنو)

٤٧١٢: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا نَهْسَةً ثُمَّ قَالَ أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهَلْ تَدْرُونَ مِمَّ ذَلِكَ يُجْمَعُ النَّاسُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ يُسْمِعُهُمُ الدَّاعِي وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ

۴۷۱۲: محمد بن مقاتل نے ہم سے بیان کیا کہ عبد اللہ (بن مبارک) نے ہمیں خبر دی۔ ابو حیان تیمی نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابو زُرعہ بن عمرو بن جریر سے، ابو زُرعہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس گوشت لایا گیا اور اس میں سے دستی کا گوشت اٹھا کر آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا اور آپؐ کو یہ بہت پسند تھا۔ آپؐ نے اس گوشت میں سے کچھ دانتوں سے تھوڑا سا لیا۔ پھر فرمایا کہ میں قیامت کے روز لوگوں کا سردار ہوں گا اور (کیا) تم جانتے ہو کس لئے؟ پہلے اور پچھلے لوگ ایک ہی میدان میں اکٹھے کئے جائیں گے۔ پکارنے والا ان سب کو سنائے گا اور آنکھ ان

وَتَدْنُو الشَّمْسُ فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لَا يُطِيقُونَ وَلَا يَحْتَمِلُونَ فَيَقُولُ النَّاسُ أَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ أَلَا تَنْظُرُونَ مَنْ يَّشْفَعُ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ عَلَيْكُمْ بِآدَمَ فَيَأْتُونَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَام فَيَقُولُونَ لَهُ أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُّوحِهِ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ أَلَا تَرَى إِلَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ آدَمُ إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَ إِنَّهُ نَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى نُوحٍ فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُونَ يَا نُوحُ إِنَّكَ أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَقَدْ سَمَّاكَ اللّٰهُ عَبْدًا شَكُورًا (بنی اسرائیل:۴) اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ إِنَّ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا

کو دیکھے گی اور سورج نزدیک آجائے گا اور لوگوں کو اس قدر غم ہو گا اور گھبراہٹ اس حد تک پہنچ جائے گی جس کی وہ طاقت نہیں رکھیں گے اور نہ اسے برداشت کر سکیں گے۔ لوگ (آپس میں) کہیں گے کہ کیا دیکھتے نہیں کہ تمہارا کیا حال ہو چکا ہے۔ کیا اب بھی تم ایسے شخص کو نہیں ڈھونڈو گے جو تمہارے ربّ کے پاس تمہارے لئے سفارش کرے۔ تب بعض لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ چلو آدمؑ سے مدد لیں۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور اُن سے کہیں گے کہ آپؑ تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپؑ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا اور وہ آپؑ کے فرمانبردار ہو گئے۔ اپنے ربّ سے ہمارے لئے بھی سفارش کریں۔ کیا آپؑ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں، ہماری نوبت کہاں تک پہنچ گئی ہے۔ یہ سن کر حضرت آدمؑ کہیں گے کہ میرا ربّ آج بہت بڑے جلال میں ہے کہ اس سے قبل اتنے جلال میں نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد ایسے جلال کا اظہار کرے گا۔ اور (یہ بات بھی ہے کہ) اس نے مجھے درخت سے روکا تھا اور میں نے اس کی نافرمانی کی۔ مجھے تو اپنی جان کی پڑی ہے۔ اپنی ہی فکر ہے اپنی ہی فکر ہے۔ میرے سوا تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ نوحؑ کے پاس جاؤ۔ اور وہ حضرت نوحؑ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے نوحؑ آپؑ پہلے رسول ہیں جو زمین والوں کی طرف بھیجے

لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِي دَعْوَةٌ دَعَوْتُهَا عَلَى قَوْمِي نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى إِبْرَاهِيمَ فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُونَ يَا إِبْرَاهِيمُ أَنْتَ نَبِيُّ اللهِ وَخَلِيلُهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ لَهُمْ إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَدْ كُنْتُ كَذَبْتُ ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ فَذَكَرَهُنَّ أَبُو حَيَّانَ فِي الْحَدِيثِ نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى مُوسَى فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُونَ يَا مُوسَى أَنْتَ رَسُولُ اللهِ فَضَّلَكَ اللهُ بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلَامِهِ عَلَى النَّاسِ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَدْ قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ أُومَرْ بِقَتْلِهَا نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا

گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو شکر گزار بندہ قرار دیا ہے۔ اپنے ربّ سے ہمارے لئے سفارش کریں۔ کیا آپؑ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ وہ کہیں گے: میرا ربّ عز و جل آج بہت بڑے غضب میں ہے۔ ایسا غضب ناک نہ وہ اس سے پہلے کبھی ہوا اور نہ آئندہ ایسا غضب ناک ہو گا۔ اور (بات یہ ہے کہ) مجھ سے ایک دعا ہو گئی تھی جو میں نے اپنی قوم ہی کے بر خلاف کی تھی۔ مجھے تو اپنی جان کی پڑی ہے۔ مجھے اپنی ہی فکر ہے اپنی ہی فکر ہے۔ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ (بہتر ہو گا کہ) تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ۔ وہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: اے ابراہیم! آپؑ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور ساری زمین والوں میں سے اس کے جانی دوست ہیں۔ اپنے ربّ سے ہمارے لئے سفارش تو فرمائیں۔ کیا آپؑ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ وہ ان سے کہیں گے کہ میرا ربّ تو آج اتنے غضب میں ہے کہ ایسا غضب ناک وہ کبھی نہیں ہوا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی ہو گا۔ اور میں نے تو تین باتیں خلاف واقعہ کہی تھیں۔ ابو حیان راوی نے حدیث میں ان (خلاف واقعہ باتوں) کا ذکر کیا ہے۔ مجھے تو اپنی پڑی ہے اپنی فکر ہے اپنی فکر ہے۔ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم موسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ اور وہ حضرت موسیٰؑ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: اے موسیٰ! آپؑ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اپنی رسالت

إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى عِيسَى فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُونَ يَا عِيسَى أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ (النساء:۱۷۲) وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا (مریم:۳۰) اشْفَعْ لَنَا، أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ عِيسَى إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ ذَنْبًا نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى مُحَمَّدٍ ﷺ فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا ﷺ فَيَقُولُونَ يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ رَسُولُ اللهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح:۳) اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَأَنْطَلِقُ فَآتِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّي عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ يَفْتَحُ اللهُ عَلَيَّ مِنْ مَحَامِدِهِ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ عَلَى أَحَدٍ قَبْلِي ثُمَّ يُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ

اور اپنے کلام سے لوگوں پر فضیلت دی ہے۔ اپنے ربّ سے ہماری سفارش کریں۔ کیا آپؑ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ وہ کہیں گے کہ میرا ربّ تو آج اس قدر غضب میں ہے کہ اتنے غضب میں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا اور نہ ہی اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا۔ اور میں نے ایک جان کو مار ڈالا تھا جس کے مارنے کا مجھے حکم نہیں تھا۔ مجھے تو اپنی پڑی ہے اپنی ہی فکر ہے اپنی ہی فکر ہے۔ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔ (بہتر ہو کہ) تم عیسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے عیسیٰ! آپؑ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اُس کا کلمہ جو مریم کو اللہ تعالیٰ نے القا کیا اور اس کی روح ہیں۔ آپؑ نے گہوارے میں لوگوں سے باتیں کی تھیں (یعنی بچپن میں۔) ہماری سفارش کریں۔ کیا آپؑ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ حضرت عیسیٰؑ کہیں گے کہ میرا ربّ آج اس قدر غضب میں ہے کہ ایسا غضب ناک اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا نہ اس کے بعد کبھی ہوگا۔ انہوں نے اپنے کسی گناہ کا ذکر تو نہیں کیا (مگر کہیں گے:) مجھے تو اپنی پڑی ہے اپنی فکر ہے اپنی فکر ہے۔ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ (بہتر ہوگا کہ) تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ اور وہ حضرت محمد ﷺ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: اے

وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُولُ أُمَّتِي يَا رَبِّ أُمَّتِي يَا رَبِّ فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ أَدْخِلْ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَّا حِسَابَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْبَابِ الْأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَّصَارِيعِ الْجَنَّةِ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَحِمْيَرَ أَوْ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَبُصْرَى.

أطرافه: ۳۳۴۰، ۳۳۶۱۔

محمدؐ! آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نبیوں کی مہر ہیں۔ اور اللہ نے آپؐ کو پہلے بھی گناہوں سے محفوظ رکھا [1] اور بعد میں بھی۔ اپنے ربّ سے ہماری سفارش فرمائیں۔ کیا آپؐ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ تو میں (یہ سن کر) جاؤں گا اور عرش کے نیچے آکر اپنے ربّ عزوجل کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا اور اللہ مجھے اپنی خوبیاں بیان کرنے کی توفیق دے گا کہ مجھ سے پہلے کسی کو ویسی توفیق نہ دی ہوگی۔ پھر کہا جائے گا: محمد! تم اپنا سر اُٹھاؤ۔ مانگو تمہیں دیا جائے گا، سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ تب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا: اے میرے ربّ! میری امت، اے میرے ربّ! میری امت۔ کہا جائے گا: محمد! اپنی امت ہی سے جن لوگوں کے ذمہ کوئی حساب نہیں جنت کے دروازوں میں سے دائیں جانب کے دروازے سے جنت میں لے جاؤ اور اس کے سوا جو دوسرے دروازے ہیں ان میں بھی وہ لوگوں کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (جنت کا دروازہ اتنا فراخ ہوگا) کہ اس کے دو کواڑوں میں فاصلہ اتنا ہے جتنا مکہ اور حمیر کے درمیان ہے۔ یا (فرمایا:) جتنا فاصلہ مکہ اور بصریٰ کے درمیان ہے۔

[1] امام راغب نے "غَفَرَ" کے معنی محفوظ رکھنا بھی کئے ہیں۔ (المفردات فی غریب القرآن۔ غفر)

تشریح: ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا: روایت زیر باب شفاعت انبیاء کے تعلق میں ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ شفاعت چاہنے والوں نے حضرت نوح علیہ السلام سے ان الفاظ میں خطاب کیا: إِنَّكَ أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَقَدْ سَمَّاكَ اللهُ عَبْدًا شَكُورًا اشْفَعْ لَنَا۔ یعنی یہ کہ آپؑ پہلے رسول ہیں جو زمین والوں کی طرف بھیجے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو شکر گزار بندہ قرار دیا ہے۔ اپنے ربّ سے ہمارے لئے سفارش کریں۔ یہ خطاب بلحاظ پہلے شرعی نبی ہونے کے ہے۔ کتاب احادیث الانبیاء میں آنحضرت ﷺ کا مقام تکمیل شریعت واضح کیا جاچکا ہے۔ اس تعلق میں دیکھئے کتاب احادیث الانبیاء، تشریح باب ٣۔

بَاب ٦: وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا (بنی اسرائیل: ٥٦)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی

٤٧١٣: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُفِّفَ عَلَى دَاوُدَ الْقُرْآنُ[1] فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَابَّتِهِ لِتُسْرَجَ فَكَانَ يَقْرَأُ قَبْلَ أَنْ يَفْرُغَ يَعْنِي الْقُرْآنَ.[1]

٤٧١٣: اسحاق بن نصر نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالرزاق نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے معمر سے، معمر نے ہمام بن منبہ سے، ہمام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: داؤد کے لئے (زبور) پڑھنا آسان کیا گیا تھا۔ وہ اپنے جانور پر زین کسنے کا حکم دیتے اور زین کسنے سے پہلے پہلے وہ اسے پڑھ لیتے۔ یعنی جتنا پڑھنے کا حکم ہوتا۔

أطرافهُ: ٢٠٧٣، ٣٤١٧۔

تشریح: وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا: زبور سے مراد مخصوص دعائیں ہیں۔ دیکھئے کتاب احادیث الانبیاء، تشریح باب ٣٧۔ اس تعلق میں زبور باب ٣ تا ٤١ دیکھا جا سکتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور حفاظت چاہنے، مصائب و مظالم سے نجات پانے، توکل علی اللہ سے لبریز فتح و ظفر مندی کی دعائیں شامل ہیں۔

---

[1] ابوذر کے نسخہ میں اس جگہ "الْقِرَاءَةُ" کا لفظ ہے۔ (فتح الباری جزء٨ صفحہ ٥٠٤) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

بَاب ۷: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا (بنی اسرائیل: ۵۷)

تو (انہیں) کہہ (کہ) جن لوگوں کے متعلق تمہارا دعویٰ ہے کہ وہ اس کے سوا اُلوہیت رکھتے ہیں انہیں (اپنی مدد کے لئے) پکارو (تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ) نہ وہ (تمہاری کسی) تکلیف کو تم سے دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (تمہاری حالت میں) کوئی تبدیلی پیدا کرنے کی (طاقت رکھتے ہیں)

٤٧١٤: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ (بنی اسرائیل: ۵۸) قَالَ كَانَ نَاسٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعْبُدُونَ نَاسًا مِنَ الْجِنِّ فَأَسْلَمَ الْجِنُّ وَتَمَسَّكَ هٰؤُلَاءِ بِدِينِهِمْ.

۴۷۱۴: عمرو بن علی (فلاس) نے مجھے بتایا کہ یحییٰ (بن سعید قطان) نے ہم سے بیان کیا۔ سفیان (ثوری) نے ہمیں بتایا کہ سلیمان (اعمش) نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے ابو معمر (عبداللہ ازدی) سے، ابو معمر نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ آیت اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ سے مراد یہ ہے کہ انسانوں میں سے بعض لوگ جنّوں میں سے بعض لوگوں کی عبادت کیا کرتے تھے پھر وہ (جنّ) لوگ تو مسلمان ہو گئے مگر (انسانوں میں سے) وہ لوگ (جو ان کے پرستار تھے) اپنے دین پر ہی اڑے رہے۔

زَادَ الْأَشْجَعِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ الْأَعْمَشِ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ. (بنی اسرائیل: ۵۷)

اشجعی (عبیداللہ بن عبیدالرحمٰن ان کا اصل نام ہے) نے سفیان (ثوری) سے، سفیان نے اعمش سے روایت کرتے ہوئے اتنا زائد بیان کیا: تو (انہیں) کہہ (کہ) جن لوگوں کے متعلق تمہارا دعویٰ ہے انہیں پکارو۔

طرفهُ: ٤٧١٥-

تشریح: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا: جنّ وانس سے بشری طبقہ حاکمہ وطبقہ محکومہ مراد ہے۔ اول الذکر طبقہ نے دوسرے کو اپنا مسخر اور مغلوب کیا ہوا ہے اور اس کے لئے وہی معبود و مسجود ہیں۔ چنانچہ ابن التین کو بھی طبقہ بشری کی اس تقسیم کا احساس ہوا ہے اور اس روایت میں دونوں جنّ وانس کے لئے لفظ نَاسٌ آیا ہے جس کا تعلق بشر سے ہے۔

نَاسٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعْبُدُوْنَ نَاسًا مِنَ الْجِنِّ: مندرجہ بالا آیت کے تعلق میں حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ مشرکین اپنے خیال میں ملائکۃ اللہ، عزیر اور مسیح ابن مریم علیہما السلام وغیرہ سے متعلق سمجھتے تھے کہ وہ نفع و نقصان کے مالک ہیں اور اپنی عبادت و دعاؤں میں ان سے بھی التجائیں کرتے تھے۔ اس امر کی تائید عوفی کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جو اس مفہوم میں حضرت ابن عباسؓ سے ہی منقول ہے۔
(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۵، ۵۰۶)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ لفظ جنّ کی وضاحت کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

”اس بنا پر انکار کرنا کہ وہ اگر ہے تو ہمیں نظر کیوں نہیں آتی، دانشمندی سے بعید ہے۔ خود جنّ کے لفظ میں یہ اشارہ موجود ہے کہ وہ ایک انسانی نظروں سے پوشیدہ مخلوق ہے۔ اس مادہ سے جس قدر الفاظ نکلے ہیں اُن میں یہی معنے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً جنت، جُنّۃ جو انسان کو چھپا کر تلوار کے حملے سے محفوظ رکھتی ہے۔ جنین وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں پوشیدہ ہو۔ جنون، عقل کو چھپانے والا مرض۔ جنّ کا اطلاق حدیث میں سانپ، کالے کتے، مکھی، چیونٹی، وبائی جرمز، بجلی، کبوتر باز، زقوم، بائیں ہاتھ سے کھانے والا، بال پراگندہ رکھنے والا، غراب، ناک یا کان کٹا، شیر بر سردار وغیرہ پر بولا گیا ہے۔ جنّ لغت میں بڑے آدمیوں پر بھی بولا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے: جنّ الناس معظمهم۔ شاید بڑے پیسے والے ساہوکاروں کو بھی اسی لئے مہاجن کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ غریب لوگوں کے مقابل ایک گروہ پر بولا گیا ہے۔ پہلے فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا (سبا:۳۴)[1] اس سے آگے

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور وہ لوگ جو کمزور بنا دیئے گئے تھے ان سے جنہوں نے تکبر کیا کہیں گے، بلکہ یہ تو رات دن کیا جانے والا ایک فریب تھا جب تم ہمیں اس بات کا حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کا انکار کر دیں اور اس کے شریک ٹھہرائیں۔“

فرمایا: بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ○ (سبا: ۴۲)"[1]

(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ۴۳۹)

بَاب ۸

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ (بنی اسرائیل: ۵۸) الْآيَةَ

وہ لوگ جنہیں وہ پکارتے ہیں وہ بھی اپنے ربّ کے قرب کے لئے کوئی ذریعہ تلاش کرتے ہیں

٤٧١٥: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي هَذِهِ الْآيَةِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ (بنی اسرائیل: ۵۸) قَالَ نَاسٌ مِنَ الْجِنِّ يُعْبَدُونَ فَأَسْلَمُوا.

۴۷۱۵: بشر بن خالد نے ہم سے بیان کیا کہ محمد بن جعفر نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے سلیمان (اعمش) سے، سلیمان نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے ابو معمر سے، ابو معمر نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے اس آیت الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ... یعنی جنہیں وہ پکارتے ہیں وہ بھی اپنے ربّ کے قرب کے لئے کوئی ذریعہ تلاش کرتے ہیں، کے بارے میں بتایا (کہ اس سے مراد یہ ہے) کہ جنّوں میں سے کچھ لوگوں کی پرستش کی جاتی تھی پھر وہ مسلمان ہو گئے۔

طرفہ: ٤٧١٤۔

تشریح: **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ:** باب ۷ روایت نمبر ۴۷۱۴ کے آخر میں اشجعی کی جس روایت کا حوالہ دیا گیا ہے اس کا تعلق معنونہ آیت سے ماقبل کی آیت قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ۔ یعنی تو (انہیں) کہہ (کہ) جن لوگوں کے متعلق تمہارا دعویٰ ہے کہ وہ اس کے سوا اُلوہیت رکھتے ہیں انہیں (اپنی مدد کے لئے) پکارو، سے ہے۔ اور اس آیت سے بتایا گیا ہے کہ مشرکین کا اپنے معبودان یعنی انبیاء یا فرشتوں سے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ نفع و نقصان کے مالک اور اس امر میں شریک باری تعالیٰ ہیں۔ بحالیکہ

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "بلکہ وہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے (اور) اِن میں سے اکثر اُنہی پر ایمان لانے والے تھے۔"

ان معبودان باطلہ (مثل مسیح ابن مریم، عزیر یا ملائکہ) کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ قرب رضائے الٰہی کے متمنی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور سزا سے خائف ہیں۔ اس آیت سے بُت وغیرہ ادنیٰ کائنات مراد نہیں، کیونکہ انہیں الٰہی قربت وخشیت کا شعور واحساس تک نہیں، لیکن جن معبودوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان کی نسبت بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی قرب کی آرزو رکھتے ہیں اور اس کی ناراضگی سے ترساں ہیں۔ غرض آیت کا غلط مفہوم مذکورہ بالا روایت سے ردّ کیا گیا ہے۔

بَاب ۹

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل: ۶۱)

اور وہ رؤیا ہم نے تمہیں صرف اس لئے دکھائی تھی کہ وہ لوگوں کے لئے آزمائش کا موجب ہو

٤٧١٦ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل: ٦١) قَالَ هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ (بنی اسرائیل: ٦١) قَالَ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ.

۴۷۱۶: علی بن عبداللہ (مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عمرو (بن دینار) سے، عمرو نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: جس رؤیا کا ذکر آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ[1] میں ہے وہ آنکھ کا نظارہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کو اُس رات دکھلایا گیا جس میں آپؐ کو اسراء ہوا۔ اور وہ درخت جسے قرآن میں ملعون قرار دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا: وہ تھوہر کا درخت ہے۔

أطرافه: ٣٨٨٨، ٦٦١٣۔

تشریح: وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ: لفظ زَقُّوْم کے معنی ہیں تھوہر۔ یعنی ایسے درخت جن کے پھل وغیرہ کھاتے ہی قے ہو جائے۔ نیز ہر ثقیل غذاء جو ہضم نہ ہو زَقُّوْم کہلاتی ہے۔ تھوہر کڑوی ہوتی ہے اور اس کا حلق سے نیچے اترنا مشکل ہے۔ جن لوگوں نے شجرۂ خبیثہ سے تھوہر مراد لی ہے انہوں نے اسے بطور تمثیل ہی سمجھا ہے۔ ابن ابی حاتمؒ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ شجرہ ملعونہ سے مراد حکم بن ابی عاص اور اس کے بیٹے وغیرہ ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۷)

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور وہ خواب جو ہم نے تجھے دکھایا اُسے ہم نے نہیں بنایا مگر لوگوں کے لئے آزمائش۔“

شجرہ ملعونہ سے مراد جنس خبیث یعنی وہ شریر ٹولہ ہے جس نے نبیوں کا مقابلہ کیا اور ان کے مقدس مقاصد میں مشکلات اور روکیں پیدا کرنے کی کوشش کی۔

قرآن کریم میں مذکور لفظ شجرۂ ملعونہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میرے نزدیک آیت زیر بحث میں شجرۂ ملعونہ سے مراد بنی اسرائیل کی قوم ہے۔ اور چونکہ یہ سورۃ بھی خصوصاً سورۃ بنی اسرائیل کے متعلق ہے۔ حتٰی کہ اس کا ایک نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ بنی اسرائیل بتایا ہے اور چونکہ اس آیت میں بنی اسرائیل ہی کا ذکر ہے کیونکہ اس آیت میں اسراء کا ذکر کیا گیا ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو بنی اسرائیل کے مرکز میں دیکھا اور وہاں نماز پڑھائی۔ پس اسراء والی رویا کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ یہ رویا بھی لوگوں کے امتحان کا ذریعہ ہے۔ اور بنی اسرائیل جن کا اس رویا میں خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے وہ بھی ایک امتحان ہیں یعنی وہ ہمیشہ اسلام کی بلاوجہ مخالفت کرتے رہیں گے۔ چنانچہ دیکھ لو کہ یہود کو سب سے زیادہ امن اسلامی ممالک میں ملتا ہے اور پھر بھی یہ لوگ اسلام سے دشمنی ہی کرتے چلے جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ ان کے امن کا واحد ذریعہ اسلام ہے یہودی رہ کر وہ دنیا کے ظلموں کا تختۂ مشق ہی بنے رہیں گے۔ آیت کے آخر میں فرمایا کہ ہم تو اس قوم کو ان کا انجام بتابتا کر ڈراتے ہیں لیکن یہ سرکشی میں اور زیادہ بڑھتی جاتی ہے۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ بنی اسرائیل، آیت وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡيَا الَّتِيۡۤ اَرَيۡنٰكَ، جلد چہارم صفحہ ۳۵۸)

بَاب ۱۰: اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُوۡدًا (بنی اسرائیل: ۷۹)

صبح کے وقت (قرآن) کا پڑھنا یقیناً (اللہ کے حضور میں ایک) مقبول عمل ہے

قَالَ مُجَاهِدٌ صَلَاةَ الْفَجْرِ.

مجاہدؒ نے کہا کہ اس سے مراد فجر کی نماز ہے۔

٤٧١٧: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَابْنِ الْمُسَيَّبِ

۴۷۱۷: عبداللہ بن محمد (مسندی) نے مجھے بتایا کہ عبدالرزاق (بن ہمام) نے ہم سے بیان کیا کہ معمر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے زہری سے، زہری نے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَضْلُ صَلَاةِ الْجَمْعِ عَلَى صَلَاةِ الْوَاحِدِ خَمْسٌ وَّعِشْرُونَ دَرَجَةً وَتَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا.

(بنی اسرائیل:۷۹)

ابوسلمہ (عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عوف) اور (سعید) ابن مسیب سے، ان دونوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: باجماعت نماز پڑھنے والے کی فضیلت اکیلے شخص کی نماز پر پچیس درجے بڑھ کر ہے اور صبح کی نماز میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ (یہ حدیث بیان کرکے) حضرت ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: اور صبح کے وقت (قرآن) کے پڑھنے کو بھی (لازم سمجھ)۔ صبح کے وقت (قرآن) کا پڑھنا یقیناً (اللہ کے حضور میں ایک) مقبول عمل ہے۔

أطرافه: ۱۷۶، ٤٤٥، ٤٧٧، ٦٤٧، ٦٤٨، ٦٥٩، ۲۱۱۹، ۳۲۲۹۔

تشریح: اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا: روایت زیر باب سے ظاہر ہے کہ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ سے صبح کی نماز مراد لی گئی ہے۔ عنوان باب میں مجاہدؒ کا قول جو مروی ہے وہ طبریؒ نے بسند ابن ابی نجیح اور عوفی نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ مذکورہ بالا مفہوم آیت کے ماسوا قُرْاٰنَ الْفَجْرِ سے مراد مطلق قرآن مجید کی صبح کے وقت تلاوت بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس سے مراد وہ پیشگوئیاں بھی ہیں جن کا تعلق طلوع فجر کے ساتھ ہے، جب تاریکی بالکل دور ہو جائے گی اور اسلامی نور کا ظہور ہوگا۔ کیونکہ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ سے متعلق یہ صراحت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو مقام محمود پر کھڑا کیا جائے گا اور اس پیشگوئی کی شہادت تمام دنیا دے گی۔ اس تعلق میں سیاق کلام یہ ہے: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ○ وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۗ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (بنی اسرائیل:۷۹، ۸۰) سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر اس وقت تک کہ رات خوب تاریک ہو جائے نماز کو عمدگی سے ادا کر اور صبح کے وقت تلاوت قرآن کو بھی لازم سمجھ۔ یقیناً صبح کی تلاوت ایسی ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ کے حضور) مقبول و مشہود ہے۔ یعنی اس کے متعلق شہادت قائم کی جائے گی اور رات کو بھی سونے کے بعد شب بیداری کیا کر جو تیرے لئے ایک زائد انعام ہے۔ امید ہے کہ تیرا ربّ تجھے مقام محمود پر کھڑا کرے۔

مذکورہ بالا قیام شہادت اور مقام محمود کے تعلق میں اگلے دو ابواب کی روایتوں میں مزید وضاحت ہے۔

بَاب ١١: عَسَى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا (بنی اسرائیل: ٨٠)

امید ہے کہ تجھے تیرا ربّ مقام محمود پر کھڑا کر دے

٤٧١٨: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ آدَمَ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ إِنَّ النَّاسَ يَصِيرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جُثًا كُلُّ أُمَّةٍ تَتْبَعُ نَبِيَّهَا يَقُولُونَ يَا فُلَانُ اشْفَعْ حَتَّى تَنْتَهِيَ الشَّفَاعَةُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَلِكَ يَوْمَ يَبْعَثُهُ اللهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ.

طرفهُ: ١٤٧٥۔

۴۷۱۸: اسماعیل بن ابان نے ہم سے بیان کیا۔ ابوالاحوص (سلام بن سلیم) نے ہمیں بتایا۔ آدم بن علی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے (حضرت عبداللہ) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، کہتے تھے کہ قیامت کے روز لوگ ٹولیاں ٹولیاں ہوں گے۔ ہر ایک امت اپنے نبی کے پیچھے ہولے گی۔ وہ کہیں گے: اے فلاں! ہماری سفارش کر۔ یہاں تک کہ آخر میں سفارش کی نوبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گی۔ اور یہ وہ وقت ہو گا کہ جب اللہ آپؐ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا۔

٤٧١٩: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ اللَّهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَّهُ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

۴۷۱۹: علی بن عیاش نے ہم سے بیان کیا کہ شعیب بن ابی حمزہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے محمد بن منکدر سے، انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ (انصاری) رضی اللہ عنہما سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر کہے: اے اللہ جو اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کا ربّ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وسیلہ اور ہر قسم کی برتری عطا فرما اور اُن کو اس مقام محمود پر کھڑا کر دے جس کا تو نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے۔ تو قیامت کے روز میری سفارش اس کے لئے لازم ہو جائے گی۔

رَوَاهُ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اس حدیث کو حمزہ بن عبداللہ نے بھی اپنے باپ سے، ان کے باپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

طرفہ: ٦١٤۔

تشریح: عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا: باب ۵ کی روایت نمبر ۴۷۱۲ میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک مفصل روایت گزر چکی ہے کہ تمام قومیں انتہائی کرب اور گھبراہٹ کی گھڑی میں اپنے اپنے نبی اور رسول کے پاس آئیں گی اور ان سے سفارش چاہیں گی۔ لیکن تمام انبیاء و رسل اپنی معذرت کریں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اس غرض کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ آئیں گی اور آپؐ ان کی سفارش فرمائیں گے اور آپؐ کی سفارش سے ان کی نجات کا سامان ہوگا۔ یہی وہ نازک گھڑی ہے جس کا تعلق مقام محمود اور قرآن مشہود کی پیشگوئی کے پورا ہونے سے ہے۔ آخرت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام محمود حاصل ہوگا اور دنیا میں بھی، جب نمونۂ قیامت گھڑی برپا ہوگی اور تمام قومیں بالآخر مجبور ہو کر آپؐ کے سایہ رحمت میں جگہ ڈھونڈیں گی اور گواہی دیں گی کہ ان کے لئے سوائے دین اسلام کے کوئی راہ نجات نہیں۔ باب ۱۱ کے ماتحت جو روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے اور باب ۵ کی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے، ان دونوں روایتوں میں اختلاف نہیں۔ فرق صرف تفصیل اور اجمال کا ہے۔ دونوں مفہوماً ایک ہی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کے نقل کرنے والے ابوالاحوص ثقات میں سے ہیں۔ ان کا نام سلام بن سلیم ہے اور آدم بن علی عجلی بصری جن سے ابوالاحوص نے روایت کی ہے وہ بھی ثقہ ہیں۔ صحیح بخاری میں ان کی یہ ایک ہی روایت (نمبر ۴۷۱۸) ہے۔ اس روایت میں لفظ جُثًا یا جُثًّی آیا ہے۔ جَاثٍ یا جُثْوَةٌ کی جمع ہے جیسے خُطْوَةٌ کی جمع خُطًا یا جیسے غَازٍ سے غُزًّی۔ دونوں طرح اس لفظ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۰۸) جماعت اور گروہ کے معانی میں بھی یہ لفظ آتا ہے۔ (المفردات فی غریب القرآن - جثی)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام شفاعت کے مضمون کی وضاحت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”شفاعت کا لفظ شفع کے لفظ سے نکلا ہے جو زوج کو کہتے ہیں پس جو شخص فطرتی طور پر ایک دوسرے شخص کا زوج ٹھہر جائے گا ضرور اس کی صفات میں سے حصہ لے گا... تمام مدار شفاعت سے فیض اٹھانے کا اس بات پر ہے کہ جس شخص کی شفاعت سے مستفیض ہونا چاہتا ہے اُس سے فطرتی تعلق اُس کو حاصل ہوتا جو کچھ اُس کی فطرت کو دیا گیا ہے اس کی فطرت کو بھی وہی ملے... اسی بنا پر قوت عشقی کا تموّج بھی ہے کہ ایک شخص ایک شخص سے اس قدر محبت بڑھاتا ہے کہ بغیر اس کے دیکھنے کے آرام نہیں کر سکتا۔ آخر اس کی شدت محبت اس دوسرے شخص کے

دل پر بھی اثر کرتی ہے اور جو شخص انتہا درجہ پر کسی سے محبت کرتا ہے وہی شخص کامل طور پر اور سچے طور پر اس کی بھلائی کو بھی چاہتا ہے چنانچہ یہ امر بچوں کی نسبت ان کی ماؤں کی طرف سے مشہود اور محسوس ہے۔ پس اصل جڑ شفاعت کی یہی محبت ہے جب اس کے ساتھ فطرتی تعلق بھی ہو کیونکہ بجز فطرتی تعلق کے محبت کا کمال جو شرطِ شفاعت ہے غیر ممکن ہے... اگر کسی انسان میں یہ دو صفتیں موجود ہوں کہ ایک خدا سے تعلق شدید ہو اور دوسری طرف مخلوق سے بھی محبت اور ہمدردی کا تعلق ہو تو بلا شبہ ایسا شخص ان لوگوں کے لئے جنہوں نے عمداً اُس سے تعلق نہیں توڑا دلی جوش سے شفاعت کرے گا اور وہ شفاعت اس کی منظور کی جائے گی۔" (عصمت انبیاء علیہم السلام، روحانی خزائن جلد ۱۸، صفحہ ۶۵۹ تا ۶۶۲)

اس مضمون کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا:

"شفاعت کا لفظ شفع سے نکلا ہے جس کے معنی جفت ہے پس اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ تمام برکات تناسل شفع سے ہی پیدا ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ ایک انسان کے اخلاق اور قوت اور صورت دوسرے انسان میں اسی ذریعہ سے آجاتے ہیں یعنی وہ ایک جوڑ کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔... پس یہی جوڑ جب ان معنوں سے لیا جاتا ہے کہ ایک ناقص ایک کامل سے روحانی تعلق پیدا کر کے اس کی روح سے اپنی کمزوری کا علاج پاتا ہے اور نفسانی جذبات سے محفوظ رہتا ہے تو اِس جوڑ کا نام شفاعت ہے... یہی حقیقت شفاعت ہے اور جس طرح جسمانی شفع یعنی جوڑ کا یہ لازمہ ذاتی ہے کہ اولاد مناسب حال اس شخص کے ہوتی ہے جس سے یہ جوڑ کیا گیا ہے ایسا ہی روحانی شفع کا بھی خاصہ ہے۔ غرض یہی حقیقت شفاعت ہے کہ خدا کا قانون قدرت جسمانی اور روحانی اس طرح پر قدیم سے واقع ہے کہ تمام برکات جوڑ سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔" (عصمت انبیاء علیہم السلام، روحانی خزائن جلد ۱۸، صفحہ ۶۷۸، ۶۷۹)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"جب ہم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈالتے ہیں تو آپؐ کا شفیع ہونا اجلٰی بدیہیات معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپؐ کی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ آپؐ نے غریب صحابہ کو تخت پر بٹھا دیا اور آپؐ کی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ وہ لوگ باوجود

اس کے کہ بُت پرستی اور شرک میں نشوونما پایا تھا ایسے موحّد ہوگئے جن کی نظیر کسی زمانہ میں نہیں ملتی اور پھر آپؐ کی شفاعت کا ہی اثر ہے کہ اب تک آپؐ کی پیروی کرنے والے خدا کا سچا الہام پاتے ہیں خدا ان سے ہم کلام ہوتا ہے۔"

(عصمت انبیاء علیہم السلام، روحانی خزائن جلد ۱۸، صفحہ ۶۹۹، ۷۰۰)

بَاب ۱۲

وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل: ۸۲)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور سب لوگوں سے کہہ دے (کہ بس اب) حق آگیا ہے اور باطل بھاگ گیا ہے اور باطل تو ہے ہی بھاگ جانے والا

يَزْهَقُ يَهْلِكُ.

يَزْهَقُ کے معنی ہیں يَهْلِكُ۔ یعنی وہ ہلاک ہوتا ہے۔

٤٧٢٠: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ وَحَوْلَ الْبَيْتِ سِتُّونَ وَثَلَاثُ مِائَةِ نُصُبٍ فَجَعَلَ يَطْعُنُهَا بِعُودٍ فِي يَدِهِ وَيَقُولُ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل: ۸۲) جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ. (سبا: ۵۰)

۴۷۲۰: حمیدی نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابن ابی نجیح سے، انہوں نے مجاہد سے، مجاہد نے ابی معمر سے، ابی معمر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم (فتح کے روز) مکہ میں داخل ہوئے، اس وقت بیت اللہ کے آس پاس تین سو ساٹھ بُت تھے۔ ایک لکڑی سے جو آپؐ کے ہاتھ میں تھی آپؐ اُن کو ٹھکرانے لگے اور فرمانے لگے: حق آگیا ہے اور باطل بھاگ گیا ہے اور باطل تو ہے ہی بھاگ جانے والا۔ حق آگیا ہے۔ اب باطل نہ نئے سرے سے نمودار ہوگا اور نہ لَوٹے گا۔

أطرافه: ٢٤٧٨، ٤٢٨٧۔

تشریح: وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا: لفظ زُهُوق بمعنی ہلاکت ابوعبیدہؒ سے مروی ہے۔ انہوں نے آیت تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○ (توبة: ۵۶) کے معنی یہ کئے ہیں: تَخْرُجُ وَتَمُوتُ وَتَهْلَكُ۔ ان کی جانیں نکلیں گی، مریں گی اور ہلاک ہوں گی۔ کہتے ہیں: زَهَقَ مَا

عِنْدَكَ أَيْ ذَهَبَ كُلُّهُ۔ جو تیرے پاس تھا وہ سارے کا سارا ضائع ہو گیا۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباسؓ سے آیت اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ زَهُوْق لفظ کے معنی ذَاهِبًا یعنی بھگوڑے کے کئے ہیں۔ اور بسند سعید، قتادہؒ سے زَهَقَ الْبَاطِلُ کے معنی هَلَكَ الْبَاطِلُ منقول ہیں۔ یعنی باطل برباد ہو گیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی مندرجہ بالا روایت خانہ کعبہ سے باہر پڑے بتوں کے متعلق ہے۔ اس مضمون کی ایک روایت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ میں داخل ہونے سے رُک گئے۔ کیونکہ اُس کے اندر بُت پڑے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ان کی نسبت حکم دیا اور وہ نکال دئے گئے۔ پھر (آپؐ کے ارشاد پر) حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی تصویریں بھی نکال دی گئیں جن کے ہاتھ میں فال نکالنے کے تیر بنے ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر فرمایا: اللہ ان مشرکوں کو ہلاک کرے۔ انہیں علم ہے کہ ان دونوں نے ان چیزوں سے کبھی فال نہیں لی۔ (بخاری، کتاب المغازی باب ۴۸، روایت نمبر ۴۲۸۸)

سورۃ بنی اسرائیل کی آیات ۷۹ تا ۸۲ کا تعلق فتح مکہ سے ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کے شان نزول کی نسبت بتایا جا چکا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور ہجرت سے کافی عرصہ قبل نازل ہوئی۔ مکہ مکرمہ ۸ ہجری میں فتح ہوا، اس لئے یہ آیات ایک عظیم الشان پیشگوئی پر مشتمل ہیں۔ اگلے باب کی تشریح میں شان نزول کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا جائے گا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس واقعہ سے متعلق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”مکہ میں داخل ہوتے وقت حضرت ابو بکرؓ آپؐ کی اونٹنی کی رکاب پکڑے ہوئے آپؐ کے ساتھ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ اور سورۂ فتح جس میں مکہ کی فتح کی خبر دی گئی تھی، وہ بھی پڑھتے جاتے تھے۔ آپؐ سیدھے خانہ کعبہ میں آئے اور اونٹنی پر چڑھے چڑھے سات دفعہ خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اُس وقت آپؐ کے ہاتھ میں ایک سوٹی تھی۔ آپؐ خانہ کعبہ کے گرد، جس گھر کو ابراہیمؑ اور اُس کے بیٹے اسماعیلؑ نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے بنایا تھا اور جس کو بعد میں اُن کی گمراہ اولاد نے بتوں کا مخزن بنا کر رکھ دیا تھا، گھومے۔ اور وہ تین سو ساٹھ بُت جو اس جگہ پر رکھے ہوئے تھے اُن میں سے ایک ایک بت پر آپؐ سوٹی مارتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے: جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ یہ وہ آیت ہے جو ہجرت سے پہلے سورۂ بنی اسرائیل میں آپؐ پر نازل ہوئی تھی۔ اور جس میں ہجرت اور پھر فتح مکہ کی خبر دی گئی تھی۔ اس سورۃ میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ

زَهُوْقًا○ (بنی اسرائیل:۸۱، ۸۲) یعنی تُو کہہ دے میرے ربّ! مجھے اس شہر یعنی مکہ میں نیک طور پر داخل کیجیو۔ یعنی ہجرت کے بعد فتح اور غلبہ دے کر اور اس شہر سے خیریت سے ہی نکالیو یعنی ہجرت کے وقت۔ اور خود اپنے پاس سے مجھے غلبہ اور مدد کے سامان بھجوائیو۔ اور یہ بھی کہو کہ حق آگیا ہے اور باطل یعنی شرک شکست کھا کے بھاگ گیا ہے۔ اور باطل یعنی شرک کے لئے شکست کھا کر بھاگنا تو ہمیشہ کے لئے مقدر تھا۔ اِس پیشگوئی کے لفظاً لفظاً پورا ہونے اور حضرت ابوبکرؓ کے اس کو تلاوت کرتے وقت مسلمانوں اور کفار کے دلوں میں جو جذبات پیدا ہوئے ہوں گے وہ لفظوں میں ادا نہیں ہوسکتے۔ غرض اُس دن ابراہیمؑ کا مقام پھر خدائے واحد کی عبادت کے لئے مخصوص کر دیا گیا اور بُت ہمیشہ کے لئے توڑے گئے۔ جب رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہُبل نامی بُت کے اوپر اپنی چھڑی ماری اور وہ اپنے مقام سے گر کر ٹوٹ گیا تو حضرت زبیرؓ نے ابوسفیان کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور کہا: ابوسفیان یاد ہے اُحد کے دن جب مسلمان زخموں سے چُور ایک طرف کھڑے ہوئے تھے، تم نے اپنے غرور میں یہ اعلان کیا تھا اُعلُ ھُبل اُعلُ ھُبل۔ ہُبل کی شان بلند ہو، ہُبل کی شان بلند ہو۔ اور یہ کہ ہبل نے ہی تم کو اُحد کے دن مسلمانوں پر فتح دی تھی۔ آج دیکھتے ہو وہ سامنے ہبل کے ٹکڑے پڑے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: زبیرؓ! یہ باتیں جانے بھی دو۔ آج ہم کو اچھی طرح نظر آرہا ہے کہ اگر محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے خدا کے سوا کوئی اور خدا بھی ہوتا تو آج جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اس طرح کبھی نہ ہوتا۔ پھر آپؐ نے خانہ کعبہ کے اندر جو تصویریں حضرت ابراہیمؑ وغیرہ کی بنی ہوئی تھیں اُن کے مٹانے کا حکم دیا۔ اور خانہ کعبہ میں خدا تعالیٰ کے وعدوں کے پورا ہونے کے شکریہ میں دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر باہر تشریف لائے اور باہر آکر بھی دو رکعت نماز پڑھی۔ خانہ کعبہ کی تصویروں کو مٹانے کے لئے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عمرؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ انہوں نے اِس خیال سے کہ حضرت ابراہیمؑ کو تو ہم بھی نبی مانتے ہیں حضرت ابراہیمؑ کی تصویر کو نہ مٹایا۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جب اس تصویر کو قائم دیکھا تو فرمایا: عمرؓ! تم نے یہ کیا کیا۔ کیا خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا

وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○(آل عمران:٦٨) یعنی ابراہیم نہ یہودی تھا نہ نصرانی بلکہ وہ خدا تعالیٰ کا کامل فرمانبردار اور خدا تعالیٰ کی ساری صداقتوں کو ماننے والا اور خدا کا مؤحد بندہ تھا۔ چنانچہ آپؐ کے حکم سے اِس تصویر کو بھی مٹا دیا گیا۔“

(دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد ۱۹ صفحہ ۳۱۲، ۳۱۳)

بَاب ۱۳: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (بنی اسرائیل:۸٦)

اور وہ تجھ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں

٤٧٢١: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَرْثٍ وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى عَسِيبٍ إِذْ مَرَّ الْيَهُودُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ فَقَالَ مَا رَابَكُمْ إِلَيْهِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا يَسْتَقْبِلُكُمْ بِشَيْءٍ تَكْرَهُونَهُ فَقَالُوا سَلُوهُ فَسَأَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ فَأَمْسَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِمْ شَيْئًا فَعَلِمْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ فَقُمْتُ مَقَامِي فَلَمَّا نَزَلَ الْوَحْيُ قَالَ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ

۴۷۲۱: عمر بن حفص بن غیاث نے ہم سے بیان کیا کہ میرے باپ نے ہمیں بتایا۔ اعمش نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: ابراہیم (نخعی) نے مجھے بتایا۔ انہوں نے علقمہ سے، علقمہ نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ایک بار میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک کھیتی میں تھا اور آپؐ کھجور کی چھڑی سے سہارا لئے کھڑے تھے کہ اتنے میں کچھ یہودی گزرے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ان (محمد ﷺ) سے روح کی نسبت پوچھیں، تو (ان میں سے) کسی نے کہا کہ تمہیں اس کا خیال کیسے آیا (کہ ان سے یہ بات پوچھی جائے) اور بعض نے کہا: کہیں وہ تم سے ایسی بات نہ کہہ دیں کہ جو تم بُرا مناؤ۔ آخر انہوں نے کہا کہ ان (محمد ﷺ) سے پوچھ لیں۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ سے روح کی بابت پوچھا۔ نبی ﷺ خاموش رہے، انہیں جواب نہ دیا۔ میں سمجھا کہ آپؐ کو وحی ہو رہی ہے، تو میں اپنی جگہ

الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا. (بنی اسرائیل: ۸٦)

کھڑا ہو گیا۔ جب وحی نازل ہو چکی تو آپؐ نے فرمایا: اور وہ تجھ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ تو کہہ کہ روح میرے ربّ کے امر سے وجود پذیر ہے اور تمہیں علم میں سے بہت ہی تھوڑا دیا گیا ہے۔ (کہ اس کی حقیقت سمجھ سکو)

أطرافهُ: ۱۲۵، ۷۲۹۷، ۷٤٥٦، ۷٤٦۲۔

تشریح: **وَ یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ:** روایت زیر باب کا تعلق بظاہر سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۸٦ کے شان نزول سے ہے۔ مگر جس واقعہ کا ذکر ہے اس کا تعلق مدنی زندگی سے ہے نہ کہ مکی زندگی سے۔ جبکہ سورۃ بنی اسرائیل مکی زندگی میں نازل ہوئی تھی۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خاموشی سے نزول وحی کا جو قیاس کیا گیا ہے یہ صرف صحابی کا خیال ہے۔ کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ آپؐ جواب کے لئے قرآن مجید میں غور فرما رہے ہوں تا وحی الٰہی سے سوال کرنے والے یہودیوں کو بتایا جائے۔ چنانچہ اس احتمال کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ یہ سورۃ جس میں آیت یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ہے وہ بالاتفاق مکی سورۃ ہے۔ علاوہ ازیں اس روایت کی دوسری سند سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے جس میں فَعَلِمْتُ کی جگہ فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يُوْحَى إِلَيْهِ مذکور ہے۔ یعنی میں نے سمجھا کہ آپؐ کو وحی ہو رہی ہے۔ (دیکھئے کتاب التوحید، باب وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ، روایت نمبر ۷۴۵٦)

کتاب العلم کی روایت نمبر ۱۲۵ میں یہ الفاظ ہیں: فَقُلْتُ إِنَّهُ يُوْحَى إِلَيْهِ۔ میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ آپؐ کو وحی ہو رہی ہے۔ اور کتاب الاعتصام کی روایت نمبر ۷۲۹۷ میں ہے: فَعَرَفْتُ أَنَّهُ يُوْحَى إِلَيْهِ۔ میں سمجھا کہ آپؐ کو وحی ہو رہی ہے۔ فَعَلِمْتُ، فَظَنَنْتُ، فَقُلْتُ اور فَعَرَفْتُ ایک دوسرے کے ہم معنی افعال ہیں۔ امام ابن حجرؒ نے لکھا ہے: وَإِطْلَاقُ الْعِلْمِ عَلَى الظَّنِّ مَشْهُوْرٌ۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۲) یعنی یہ کہ علم کا ظن پر اطلاق مشہور بات ہے۔

کتاب الاعتصام کی روایت نمبر ۷۲۹۷ میں فَقُمْتُ مَقَامِي کی جگہ فَتَأَخَّرْتُ عَنْهُ ہے۔ یعنی میں پیچھے ہٹ گیا۔ یعنی بوجہ ادب کے میں ایک طرف ہو گیا، اور اس میں فَلَمَّا نَزَلَ الْوَحْيُ کی جگہ حَتَّى صَعِدَ الْوَحْيُ ہے۔ یعنی یہاں تک کہ وحی چلی گئی۔ اور کتاب العلم کی روایت نمبر ۱۲۵ میں ہے: فَقُمْتُ فَلَمَّا انْجَلَى عَنْهُ۔ یعنی میں کھڑا ہو گیا۔ جب وحی کی حالت (آپؐ سے) ہٹ گئی۔

روایتوں کا یہ لفظی اختلاف بتاتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو جو راوی حدیث ہیں آپؐ کی خاموشی سے خیال پیدا ہوا کہ یہ نزول وحی کی کیفیت ہے۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حرکات و سکنات تمام تر وحی الٰہی کی تجلی سے صادر ہوتے تھے۔ آپؐ کا سوچنا اور آپؐ کا بات کرنا اور آپؐ کا ہر فعل ارادۂ الٰہی کے ماتحت تھا اور آپؐ سے روح القدس کا پیوند دائمی تھا جو ایک لحہ آپؐ سے جدا نہ ہوتا تھا۔ اس اہم مضمون کی تفصیلات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف آئینہ کمالات اسلام میں نہایت بسط سے بیان فرمائی ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ کی نسبت صحابہ کا بلاشبہ یہ اعتقاد تھا کہ آنجناب کا کوئی فعل اور کوئی قول وحی کی آمیزش سے خالی نہیں۔ گو وہ وحی مجمل ہو یا مفصل۔ خفی ہو یا جلی۔ بیّن ہو یا مشتبہ...."

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۱۱۲، ۱۱۳)

بَاب ١٤ : وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا (بنی اسرائیل:١١١)

تو اپنی نماز بلند آواز سے نہ پڑھ اور نہ بالکل خاموشی سے

٤٧٢٢ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا[1] أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا (بنی اسرائیل:١١١) قَالَ نَزَلَتْ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُخْتَفٍ بِمَكَّةَ كَانَ إِذَا صَلَّى بِأَصْحَابِهِ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ فَإِذَا سَمِعَ الْمُشْرِكُونَ سَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ فَقَالَ اللهُ تَعَالَى لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ (بنی اسرائیل:١١١) أَيْ بِقِرَاءَتِكَ فَيَسْمَعَ الْمُشْرِكُونَ فَيَسُبُّوا الْقُرْآنَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا (بنی اسرائیل:١١١) عَنْ أَصْحَابِكَ

۴۷۲۲: یعقوب بن ابراہیم نے ہمیں بتایا کہ ہشیم (بن بشیر) نے ہم سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا) ابوبشر نے ہمیں خبر دی کہ سعید بن جبیر سے مروی ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قول وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا (یعنی تو اپنی نماز بلند آواز سے نہ پڑھ اور نہ بالکل خاموشی سے) کی نسبت فرمایا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ پوشیدہ طور پر مکہ میں رہتے تھے۔ جس وقت آپؐ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے، قرآن پڑھنے میں اپنی آواز بلند کرتے۔ اور جب مشرک سنتے تو قرآن کو گالیاں دیتے اور اس ذات کو بھی جس نے یہ نازل کیا اور اس کو بھی جو لے کر آیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے کہا کہ اپنی نماز بلند آواز سے نہ پڑھ۔ یعنی اپنی قراءت کو اونچا نہ کرو مبادا مشرک سن پائیں اور قرآن کو گالیاں دیں۔

[1] فتح الباری مطبوعہ بولاق میں "أَخْبَرَنَا" کا لفظ ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۴) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

فَلَا تُسْمِعُهُمْ وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا.
(بنی اسرائیل: ۱۱۱)

اور نہ اس میں اپنے ساتھیوں سے آواز اتنی دھیمی کر کہ تو ان کو سنا نہ سکے۔ اور اس کی درمیانی راہ اختیار کر۔

أطرافهُ: ٧٤٩٠، ٧٥٢٥، ٧٥٤٧۔

٤٧٢٣: حَدَّثَنَا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: أُنْزِلَ ذَلِكَ فِي الدُّعَاءِ.

۴۷۲۳: طلق بن غنام نے ہم سے بیان کیا کہ زائدہ (بن قدامہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ہشام (بن عروہ) سے، ہشام نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ وہ فرماتی تھیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

أطرافهُ: ٦٣٢٧، ٧٥٢٦۔

تشریح: **وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا:** طبریؒ، حاکمؒ اور ابن خزیمہؒ وغیرہ نے بعض ایسی روایتیں نقل کی ہیں جن میں وہی ذکر ہے جو روایت نمبر ۴۷۲۲ میں مذکور ہے۔ طبریؒ نے متعدد روایتیں نقل کرنے کے بعد حضرت ابن عباسؓ سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق ایک روایت نقل کی ہے جس میں ذکر ہے کہ مذکورہ بالا ارشاد باری تعالیٰ کا تعلق نماز اور دعا سے ہے، محض قراءت بالجہر یا قراءت بالخفا سے نہیں اور نہ ہی کفار مکہ کی گالیاں دینے اور بُرا منانے سے۔ یعنی نمازوں اور دعاؤں میں خشوع و خضوع سے کام لینا چاہیئے۔ جیسا کہ روایت نمبر ۴۷۲۳ میں حضرت عائشہؓ کے قول میں صراحت ہے اور بعض مفسرین نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ طبریؒ نے یہاں تک لکھا ہے کہ ہم مفسرین کی رائے کی مخالفت جائز نہیں سمجھتے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ کا تعلق دن کی نمازوں سے ہے جن میں قراءت بالجہر نہیں اور وَلَا تُخَافِتْ کا تعلق رات کی نمازوں سے ہے جن میں دھیمی آواز سے قراءت کرنے کا حکم ہے۔[1] (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۵، ۵۱۶) طبریؒ کی یہ تاویل معقول اور واقعہ کے مطابق ہے۔ اس تعلق میں مزید تفصیل کے لئے کتاب الأذان، ابواب صفۃ الصلاۃ، باب ۹۸ تا ۱۰۹ دیکھئے۔

یہاں قارئین کو ایک ضروری امر کی طرف توجہ دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ باب ۱۴ کی دونوں روایتیں معنعن ہیں جو بلحاظ استناد کے مرفوع اور موصول سے کم درجے کی ہیں۔ مزید برآں امام ابن حجرؒ نے بحوالہ

[1] (جامع البیان للطبری، تفسیر سورۃ الإسراء، آیت وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ، جزء۱۵ صفحہ ۱۲۸ تا ۱۳۷)

کرمانی لکھا ہے کہ ان کے نسخہ میں بجائے ابوبشر کے یونس راوی کا نام آیا ہے اور یہ تصحیف یعنی کتابت کی غلطی ہے۔ اور فربری کے حوالے سے بتایا ہے کہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے اپنی اس کتاب میں جہاں بھی ہشیم کی روایت کا ذکر کیا ہے وہاں ابوالبشر سے روایت نقل کرتے ہوئے أَخْبَرَ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ بھی روایت کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے بمقابل حَدَّثَنَا کے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۴، ۵۱۵)

اس تبصرے سے ظاہر ہے کہ روایت بلحاظ سند محل نظر ہے۔ عینیؒ نے جو امام ابن حجرؒ کا تتبع کرتے ہیں اس پر اعتراض کیا ہے اور سمجھا ہے کہ اس تبصرے سے انہوں نے کرمانی کی ہتک کی ہے۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۳۵) جو درست نہیں۔ انہوں نے امر واقعہ کا ذکر کیا ہے جو عینی کو بھی تسلیم ہے۔ لیکن چونکہ وہ اہل حدیث ہیں اور علامہ ابن حجرؒ حنفی المذہب ہیں۔ علامہ عینیؒ کو جہاں بھی موقع ملتا ہے وہ ان کے خلاف رائے کا اظہار کرنے سے چوکتے نہیں۔ علامہ ابن حجرؒ نہ صرف تاریخ دان ہیں بلکہ بڑے پائے کے محقق اور صاحب نظر بھی۔ غرض دونوں روایتیں معنعن ہیں۔ اس لئے دوسری روایت جو حضرت عائشہؓ کے حوالے سے درج کی ہے قابل ترجیح ہے جس کی تائید نہ صرف دوسری روایتوں سے ہوتی ہے بلکہ خود کلام اللہ کی آیات کے سیاق سے، جن میں خشیت اور تضرع کا ذکر ہے۔ ہشیم راوی سے متعلق محدثین بالعموم متفق ہیں کہ وہ سند میں بوجہ حافظہ کی کمزوری کے محتاط نہ تھے۔ ان کے متعلق یہ الفاظ ہیں: مَذْكُورٌ بِتَدْلِيسِ الْإِسْنَادِ۔ یعنی سند کی تدلیس میں ان کا ذکر ملتا ہے۔
(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۵)

☆☆☆

۱۸ـ سُورَةُ الْكَهْفِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَقْرِضُهُمْ (الكهف:۱۸) تَتْرُكُهُمْ. وَكَانَ لَهُ ثُمُرٌ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ. وَقَالَ غَيْرُهُ جَمَاعَةُ الثَّمَرِ. بَاخِعٌ (الكهف:۷) مُهْلِكٌ. اَسَفًا (الكهف:۷) نَدَمًا.

اور مجاہدؒ نے کہا: تَقْرِضُهُمْ کے معنی ہیں انہیں (ایک طرف) چھوڑ دیتا ہے۔ وَكَانَ لَهُ ثُمُرٌ (میں ثُمُرٌ سے مراد) سونا اور چاندی ہیں۔ مجاہدؒ کے علاوہ اوروں نے کہا: (ثُمُرٌ) ثَمَرٌ کی جمع ہے، یعنی بار آور۔ بَاخِعٌ یعنی ہلاک کرنے والا۔ اَسَفًا کے معنی ہیں ندامت سے۔

الْكَهْف (الكهف:۱۰) الْفَتْحُ فِي الْجَبَلِ. وَالرَّقِيم (الكهف:۱۰) الْكِتَابُ، مَرْقُومٌ مَكْتُوبٌ، مِنَ الرَّقْمِ. رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (الكهف:۱۵) أَلْهَمْنَاهُمْ صَبْرًا. لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا (القصص:۱۱). شَطَطًا (الكهف:۱۵) إِفْرَاطًا.

الْكَهْف یعنی غار یا کھوہ جو پہاڑ میں ہوتی ہے۔ الرَّقِيم بمعنی کتاب ہے۔ مَرْقُوْمٌ یعنی لکھا ہوا۔ یہ رَقْمٌ سے مشتق ہے۔ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ: ہم نے ان کے دلوں میں صبر ڈال دیا۔ (جیسا کہ فرمایا ہے:) لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا: اگر ہم موسیٰ کی ماں کے دل میں صبر نہ ڈالتے۔ شَطَطًا: حد سے بڑھ جانا۔

{[۱] مِرْفَقًا (الكهف:۱۷) كُلُّ شَيْءٍ ارْتَفَقْتْ به. تَزَاوَرُ (الكهف:۱۸) تَمِيْلُ مِنَ الزَّوْرِ، وَالْأَزْوَرُ الْأَمِيْلُ. فَجْوَةٍ (الكهف:۱۸) مُتَّسَعٍ، وَالْجَمْعُ فَجَوَاتٌ وَفِجَاءٌ، كَقَوْلِكَ رَكْوَةٌ وَرِكَاءٌ. }

مِرْفَقًا یعنی ہر وہ شے جس پر تُو تکیہ لگائے۔ تَزَاوَرُ کے معنی ہیں وہ جھک جاتا ہے، یہ زَوْرٌ سے ہے اور اَزْوَرُ کے معنی ہیں ٹیڑھا ہونا۔ فَجْوَةٌ کے معنی ہیں کشادہ جگہ اور اس کی جمع فَجَوَات اور فِجَاءٌ ہے، جیسے رَكْوَةٌ اور رِكَاءٌ (یعنی چھوٹا ڈول۔)

الْوَصِيدُ الْفِنَاءُ، جَمْعُهُ وَصَائِدُ وَوُصُدٌ، وَيُقَالُ الْوَصِيْدُ الْبَابُ، مُؤْصَدَةٌ مُطْبَقَةٌ، آصَدَ الْبَابَ وَأَوْصَدَ.

الْوَصِيد یعنی آنگن۔ اس کی جمع وَصَائِدُ اور وُصُدٌ ہے۔ وَصِيْد دروازے کو بھی کہتے ہیں۔ مُؤْصَدَةٌ یعنی بند کیا ہوا۔ آصَدَ الْبَابَ وَأَوْصَدَ کے معنی

---

[۱] یہ الفاظ "التوضیح لشرح الجامع الصحیح" کے مطابق متن میں ہیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ الکھف، جزء ۲۲ صفحہ ۵۶۹) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

بَعَثْنَاهُمْ (الكهف:١٣) أَحْيَيْنَاهُمْ. أَزْكٰى (الكهف:٢٠) أَكْثَرُ، وَيُقَالُ أَحَلُّ، وَيُقَالُ أَكْثَرُ رَيْعًا. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أُكْلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ (الكهف:٣٤) لَمْ تَنْقُصْ.

ہیں دروازہ بند کر دیا۔ بَعَثْنَاهُمْ ہم نے اُن کو زندہ کیا۔ أَزْكٰى (طَعَامًا) یعنی وہ (بستی) جہاں (کھانے کا) سامان وافر ہوتا ہو، اور کہتے ہیں: أَحَلُّ یعنی زیادہ مفید اور حلال، اور (اسی طرح) کہتے ہیں: أَكْثَرُ رَيْعًا یعنی وہ خوراک جس میں غذائیت بہت ہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے أُكُلَهَا کہا۔ یعنی اس کا میوہ، لَمْ تَظْلِمْ کے معنی ہیں کم نہیں ہوا۔

وَقَالَ سَعِيدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ الرَّقِيمُ اللَّوْحُ مِنْ رَصَاصٍ، كَتَبَ عَامِلُهُمْ أَسْمَاءَهُمْ ثُمَّ طَرَحَهُ فِي خِزَانَتِهِ. فَضَرَبَ اللّٰهُ عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ (الكهف:١٢) فَنَامُوا. وَقَالَ غَيْرُهُ وَأَلَتْ تَئِلُ تَنْجُو. وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَوْئِلًا (الكهف:٥٩) مَحْرِزًا. لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا (الكهف:١٠٢) لَا يَعْقِلُونَ.

اور سعید نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے کہا: رَقِيْم سے مراد ہے سیسے کی تختی جس پر اُن کے حاکم نے اُن کے نام لکھوا کر وہ تختی اپنے خزانے میں رکھوا دی تھی۔ فَضَرَبَ اللّٰهُ عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ سے مراد یہ ہے کہ وہ سو گئے اور حضرت ابن عباسؓ کے ما سوا اَوروں نے کہا: وَأَلَتْ، تَئِلُ کے معنی میں ہیں یعنی تو نجات پاتا ہے۔ اور مجاہدؒ نے کہا: مَوْئِلًا کے معنی ہیں نجات پانے کی جگہ۔ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا کے معنی ہیں وہ عقل نہیں رکھتے۔

تشریح: تَقْرِضُهُمْ کے مذکورہ بالا معنی فریابیؒ نے مجاہدؒ سے نقل کئے ہیں۔ عبدالرزاق نے بھی بسند معمرؒ، قتادہؒ سے اس کے معنی چھوڑنا ہی نقل کیا ہے۔ لفظ قَرْض کے معنی ہیں کاٹنا۔ اس سے مِقْرَاض اسم آلہ ہے۔ یعنی قینچی، جس کے ذریعے چیز کاٹی جاتی ہے۔ یہ لفظ اس آیت میں آیا ہے: وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ (الکھف:۱۸) اور تو سورج کو دیکھتا ہے کہ وہ بوقت طلوع ان کی غار سے دائیں طرف کو ہٹ کر گزرتا ہے اور بوقت غروب انہیں شمالی سمت کو چھوڑ دیتا ہے اور وہ اس غار کے اندر ایک فراخ جگہ میں رہتے تھے۔ یہ اللہ کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔ جسے اللہ ہدایت دے، وہی ہدایت پانے والا ہوتا ہے اور جسے گمراہ کرے تو تُو اُس کا کوئی دوست اور رہنما نہیں پائے گا۔

اس آیت سے اصحاب الکہف کی غاروں کا محل وقوع بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت میں لفظ تَزْوَرُ اور فَجْوَة بیان ہوئے ہیں، جن کے معنی ایک طرف کو ہٹنے اور کشادہ جگہ کے کئے گئے ہیں جو ابوعبیدہؒ سے مذکور ہیں۔ کہتے ہیں: قَرَضَ الْوَادِيَ۔جَازَهُ۔ یعنی وادی کو طے کیا۔ قَرَضَ الْمَكَانَ- عَدَلَ عَنْهُ و تَنَكَّبَهُ (اقرب الموارد- قرض) یعنی کسی جگہ سے ایک طرف کو ہٹ کر گیا۔ فجوةٌ۔مُتَّسَعٌ یعنی کشادہ جگہ۔ مَا اتَّسَعَ مِنَ الْأَرْضِ۔(اقرب الموارد- فجا) یعنی وسیع زمین۔ مذکورہ بالا آیت میں بتایا گیا ہے کہ غاریں ایسے علاقہ میں واقع ہیں کہ سورج بوقت طلوع دائیں سمت کو ہوتا ہے اور بوقت غروب بائیں سمت کو۔ یعنی ان غاروں کے اوپر سے سورج کبھی نہیں گزرتا۔ اس بیان سے پایا جاتا ہے کہ وہ جگہیں نہ خط استوا پر واقع ہیں اور نہ خط جدی نہ خط سرطان کے درمیان بلکہ شمالی اطراف میں ہیں، کیونکہ سورج بوقت طلوع اسی صورت میں دائیں طرف سے گزرتا ہوا انہیں دکھائی دے گا، جب ہم شمال کی طرف جائیں اور مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں اور بوقت غروب جب وہاں سے جنوب کو آئیں اور مشرق کی طرف منہ کریں تو سورج ہماری بائیں طرف رہے گا۔ اس طرح مذکورہ بالا بیان سے اصحاب الکہف کی غاروں کا محل وقوع متعین ہو جاتا ہے کہ وہ شمالی علاقے میں ہیں۔ لفظ الْكَهْف مفرد ہے لیکن یہ اسم جنس ہونے کی وجہ سے جمع پر دلالت کرتا ہے اور زبان عربی میں قاعدہ ہے کہ جب مفرد کو جمع کی طرف مضاف کیا جائے تو اس مفرد مضاف کے معنی بھی جمع ہی ہوں گے۔ كَهْفِهِمْ کے معنی ہیں ان کی غاریں۔ لفظ فَجْوَةٌ کی جو شرح ابوعبیدہؒ سے مروی ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ غاریں وسیع علاقہ میں تھیں۔

امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعودؓ نے قدیم مسیحیوں کی ابتدائی تاریخ زندگی کا ذکر تفصیل سے کیا اور بتایا ہے کہ وہ کس طرح رومانی مشرک حکام کے ظلم وستم سے بچنے کی خاطر غاروں میں پناہ گزیں ہوئے۔ رومانی حکومت شمالی یورپ وسکینی وغیرہ کے علاقوں تک ممتد تھی اور عیسائی مبلغین جو ابتداء میں مؤحد تھے اپنی تبلیغی مساعی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرتے ہوئے آخر شمالی یورپ کے ملکوں اور جزائر کی طرف بڑھتے چلے گئے اور وہاں کی قدیمی مشرک اقوام میں بود و باش اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ انہوں نے ان قوموں کو اپنے مذہبی خیالات و اخلاق سے متاثر کیا اور ایک لمبے عرصے کے اختلاط و آمیزش اور باہمی کشمکش کا نتیجہ وہ ہے جو آج عقیدہ تثلیث اور تمدنی انقلاب کی صورت میں ہمیں نظر آرہا ہے۔ یہ تفسیر پڑھنے کے قابل ہے جو وسیع مطالعہ اور تحقیق پر مبنی ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ اصحاب کہف کی غاروں کا مجموعی رقبہ ۸۷۰ میل تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر کبیر، تفسیر سورۃ الکھف، جلد ۴ صفحہ ۴۱۸ تا ۴۳۰۔ اس اندازے سے ابوعبیدہؒ کی محولہ بالا شرح کی تائید ہوتی ہے۔

كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ: ثُمُرٌ کے معنی چاندی اور سونا اور مال و دولت، فریابی نے مجاہدؒ سے نقل کئے ہیں اور قتادہؒ نے بھی کہا ہے کہ ہر قسم کا مال و منال مراد ہے، خواہ وہ سیم وزر کی صورت میں ہو یا جائیداد کی صورت میں۔ طبریؒ نے یہ معنی قتادہؒ سے نقل کئے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے قرأت ثَمَرٌ سے بھی انواع المال مراد لئے ہیں۔ ان کی یہ روایت

ابن منذر نے نقل کی ہے۔(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۶) وَ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ سے یہ آیت مراد ہے: كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَ لَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ۝ (الکہف:۳۴،۳۵) اُن دونوں باغوں نے (اپنا) اپنا پھل (خوب) دیا اور اس میں سے کچھ (بھی) کم نہ کیا اور ان کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری کی تھی اور اسے بہت پھل حاصل (ہوتا) تھا۔ اسی وجہ سے اُس نے اپنے ساتھی کو اس سے باتیں کرتے ہوئے (فخریہ طور پر) کہا (کہ دیکھ) تیری نسبت میرا مال زیادہ اور جتھا معزز ہے۔

تفسیر کبیر میں دو باغوں کی تمثیل سے عیسائی قوم کی دو حکومتیں مراد لی گئی ہیں اور اُکُل سے مراد کھانے پینے کا بافراغت سامان اور مال و دولت کی انواع و اقسام اور زَرْعٌ (کھیتی) سے دو حکومتوں کے درمیان معمولی حیثیت کی ملکیت۔ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا میں فعل اٰتَتْ مفرد ہے از روئے قواعد نحو جب فعل اپنے فاعل کے بعد ہو تو اس کے مطابق ہوتا ہے۔ الْجَنَّتَيْنِ (دو باغ) تثنیہ ہے اور چاہیے تھا کہ اس کے بعد فعل تثنیہ ہوتا یعنی اٰتَتَا۔ آیت میں فعل مفرد بیان ہوا ہے۔ اس مفرد فعل کے بیان ہونے سے ایک لطیف معنی پیدا ہو جاتے ہیں جس کی تفصیل تفسیر کبیر میں بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ چونکہ دونوں حکومتیں ایک ہی مذہب و ملت سے تعلق رکھتی ہیں گو بلحاظِ زمانہ کے عیسائی حکومت دو مملکتوں میں دکھائی دیتی ہے لیکن درحقیقت وہ ایک ہی قوم کی جدوجہد کا تسلسل ہے اور وہ اپنے اپنے وقت پر بار آور ہوئی۔

اس شرح سے آیت ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ۝ (الکہف:۱۳)[1] اور آیت يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝ (الکہف:۱۷)[2] کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

وَ لَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا کا مفہوم حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ سے لَمْ تَنْقُصْ نقل کیا گیا ہے۔ یعنی پھل لانے میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی۔ واقعات سے ظاہر ہے کہ عیسائی ابتداء میں توحید پرست تھے، پھر بعد میں ان کی تمام تر کوششیں دنیا ہی کے لئے وقف ہو گئیں اور ان کا مطمحِ نظر خور و نوش اور دنیا کی آسائش و آرام تک ہی محدود ہے۔ مذکورہ آیات کی تطبیق کے لئے تفسیر کبیر (تفسیر سورۃ الکہف، جلد ۴ صفحہ ۴۴۷ تا ۴۵۱) ملاحظہ ہو۔ شرح صحیح بخاری میں گنجائش نہیں کہ وہ تفصیلات دہرائی جائیں جو اس میں بیان ہوئی ہیں۔ جو کچھ اختصار سے بیان کیا گیا ہے وہ الفاظ الْكَهْف، فَجْوَة، تَقْرِضُهُمْ، تَزْوَرُ اور ثَمَرٌ کی ضروری شرح کے تعلق میں ہے۔

الرَّقِيْمُ بمعنی کتاب۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اَصْحٰبُ الرَّقِيْم کے معنی ہیں پتھر یا لوہے پر کھودنے والے

---

[1] ترجمہ از تفسیر صغیر: "پھر ہم نے اُنہیں اٹھایا تا کہ ہم جان لیں کہ جتنی مدت وہ (وہاں) ٹھہرے رہے تھے اسے (مسیح کے متبع) دونوں گروہوں میں سے زیادہ محفوظ رکھنے والا کونسا گروہ ہے"

[2] ترجمہ از تفسیر صغیر: "تمہارا ربّ اپنی رحمت (کی کوئی راہ) تمہارے لئے کھول دے گا اور تمہارے لیے تمہارے اس معاملہ میں کوئی سہولت کا سامان مہیا کر دے گا۔"

لوگ یا نقش و نگار کرنے اور تصویریں بنانے والے لوگ یعنی کتبوں والے۔[۱] تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر کبیر مصنفہ حضرت مصلح موعودؓ، تفسیر سورۃ الکھف، جلد ۴ صفحہ ۴۱۷۔

علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ اصحاب الکہف زمین کی غاروں میں رہتے تھے اور جو قصے ان کی نسبت مشہور ہیں ان میں بتایا گیا ہے کہ ان کے کتبوں پر اَصحاب الکہف کے نام و حالات درج تھے۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۳۶) تفسیر کبیر میں بتایا گیا ہے کہ وہ غاریں جن میں مؤحد عیسائیوں نے بود و باش اختیار کی، انہیں انگریزی میں (Catacombs) کہتے ہیں۔ یعنی زمین دوز کمرے۔ ان میں پتھر کے کتبے پائے گئے ہیں جن میں غار میں رہنے والوں کے نام و حالات کندہ ہیں۔ کیٹا کو مبز سے متعلق کتاب (Catacombs of Rome) کا حوالہ تفسیر کبیر میں دیا گیا ہے، یہ میں نے بھی زمانہ طالب علمی میں پڑھی تھی۔ کلمہ توحید کی خاطر ابتدائی عیسائیوں کی جدوجہد اور ان کی غیر معمولی قربانیوں کا اس کتاب سے علم ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۱۸ تا ۴۳۰)

رَبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا کا مذکورہ بالا مفہوم ابو عبیدہؒ سے مروی ہے اور قتادہؒ سے بواسطہ معمر مروی ہے کہ ہم نے ان کے دلوں کو ایمان سے مضبوط کر دیا تھا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۷)

نیرو اور ڈیسیس وغیرہ شاہانِ روم کے مظالم کی روح فرسا داستان کا نمونہ تفسیر کبیر (جلد ۴ صفحہ ۴۲۴، ۴۲۵) میں نقل کیا گیا ہے جس سے ابتدائی توحید پرست عیسائیوں کے انتہائی جہد اور ایمان کی مضبوطی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ پورا سیاقِ کلام جن میں الفاظ رَبَطْنَا اور شَطَطًا وغیرہ بیان ہوئے ہیں یہ ہے: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ۞ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۞ (الکھف: ۱۴، ۱۵) (اب) ہم ان کی اہم خبر بالکل صحیح طور پر تیرے پاس بیان کرتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے ربّ پر (حقیقی) ایمان لائے تھے اور انہیں ہم نے ہدایت میں (اور بھی) بڑھایا تھا۔ اور جب وہ (اپنے وطن سے نکلنے کے لئے) اُٹھے تو ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا تب انہوں نے (ایک دوسرے سے) کہا (کہ) ہمارا ربّ (وہ ہے جو) آسمانوں اور زمین کا (بھی) ربّ ہے۔ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو ہرگز (کبھی) نہیں پکاریں گے ورنہ ہم ایک حق سے دور بات کہنے والے ہوں گے۔

ڈیسیس نے حکم جاری کر دیا تھا کہ مسیحی لوگ بتوں کو سجدہ کرنے پر مجبور کئے جائیں۔ اگر وہ انکار کریں تو ان پر ہر قسم کی سختی کی جائے۔ چنانچہ وہ پیٹے جاتے اور بُری طرح زخمی کئے جاتے۔ شاہِ نیرو اس ظلم کے بارے میں شہرۂ آفاق اور ضرب المثل ہے۔ اُس نے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے مسیحیوں کو آگ میں زندہ بھی جلوایا۔ ان توحید پرست عیسائیوں نے ہر قسم کے ظلم برداشت کئے، لیکن توحید سے سرتابی نہ کی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر کبیر، تفسیر سورۃ الکھف، جلد ۴ صفحہ ۴۲۴، ۴۲۵) یہی مفہوم ہے آیت رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کا۔

---

[۱] (التفسیر الکبیر للرازی، سورۃ الکھف، آیت اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ، جزء۲۱ صفحہ ۴۲۹)

اَلْوَصِيْدُ: دروازہ کی دہلیز، آنگن۔ غاروں کے زمین دوز کمرے اوپر تلے تہ خانوں کی شکل میں تھے جو دروازوں کے ذریعے ایک دوسرے سے متصل تھے۔ خطرے کی آہٹ پاکر وہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں چلے جاتے تھے۔ حفاظت کے لئے پالتو کتے رکھے ہوئے تھے جو انہیں قبل از وقت ان کے تعاقب کرنے والوں کی آمد سے خبردار کر دیتے تھے۔ کتوں کی پرورش کے متعلق اب تک ان قوموں میں اہتمام پایا جاتا ہے جو انہیں آباؤاجداد سے ورثہ میں ملا ہے۔

بَعَثْنَاهُمْ: أَحْيَيْنَاهُمْ ۔ یعنی ہم نے ان کو زندہ کیا۔ لفظ بَعَثَ کے معنی اُٹھایا۔ روحانی زندگی اور اجتماعی ترقی کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ بعثت انبیاء بھی انہیں معنوں میں ہے۔ بَعَثْنَاهُمْ کے معنی أَحْيَيْنَاهُمْ ابوعبیدہؒ سے مروی ہیں۔ عبدالرزاقؒ نے عکرمہؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اصحاب کہف بادشاہوں کی اولاد تھے جو مذہبی اختلاف کی وجہ سے اپنی قوم سے الگ ہوگئے اور غاروں میں رہنے لگے۔ امام ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ لفظ بَعَث کے معنوں میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: روحانی احیاء مراد ہے اور بعض نے جسمانی اور روحانی دونوں زندگیاں مراد لیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ امر سمجھانے کے لیے کچھ عرصہ کے لیے موت دے دی۔ اس بارے میں ان کے الفاظ یہ ہیں: فَاخْتَلَفُوا فِي بَعْثِ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ فَقَالَ قَائِلٌ يُبْعَثَانِ وَقَالَ قَائِلٌ تُبْعَثُ الرُّوحُ فَقَطْ وَأَمَّا الْجَسَدُ فَتَأْكُلُهُ الْأَرْضُ فَأَمَاتَهُمُ اللهُ ثُمَّ أَحْيَاهُمْ فَذَكَرَ الْقِصَّةَ۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۷) غرض دونوں قسم کی رائے ہیں۔ ان میں سے جو رائے واقعات کے مطابق ہو وہی قابل قبول ہے اور دوسری رائے قابل ردّ۔ قرآنِ کریم کی نصوص کے خلاف ہے کہ مُردے دنیا میں واپس لوٹائے جائیں۔ چنانچہ فرماتا ہے: فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ (الاعراف:۲۶)[1] یہ خطاب افراد بنی نوع انسان کو ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی انسان اس زمین سے باہر نہیں جاسکتا۔ اسی میں اس کی زندگی اور موت ہے اور بستیوں کی نسبت جو ہلاک ہوچکی ہوں، فرماتا ہے کہ وَ حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ (الانبیاء:۹۶، ۹۷) اور اس بستی پر حرام ہے جسے ہم نے ہلاک کر دیا کہ اس کے رہنے والے اس دنیا میں لَوٹ کر نہیں آئیں گے۔ یہاں تک کہ یاجوج وماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر پہاڑی اور سمندر کی لہروں سے پھلانگتے ہوئے دنیا میں پھیل جائیں گے۔ پس اس آیت میں بھی افراد کے رجوع کا ذکر نہیں بلکہ برباد شدہ بستیوں کی نَو آبادی کا ذکر ہے۔ آج کل یورپ کی عیسائی اقوام کے ادارہ جاتِ استعمار کے ذریعہ یہ وعدۂ الٰہی پورا ہو رہا ہے اور ہر کسی کو معلوم ہے۔

قرآن مجید میں روحانی موت اور زندگی کے لئے الفاظ بَعْثٌ، اِحْيَاءٌ اور اِمَاتَةٌ بیان ہوئے ہیں۔ دیکھئے سورۃ الانعام آیت نمبر ۳۷۔ فرماتا ہے: اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَ الْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''تم اسی میں جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی میں سے تم نکالے جاؤ گے۔''

جو لوگ سنتے ہیں وہی (بات کو) قبول کرتے ہیں اور (جو) مُردے (ہیں) اللہ انہیں اُٹھائے گا پھر انہیں اُسی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآنِ کریم میں مُردہ کا لفظ حق سے محروم کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ کفار کا حق کی طرف رجوع کرنا اور اسے قبول کرنا ہی ان کی روحانی زندگی کا باعث ہے۔ اور انہی معنوں میں سورۃ الحج میں فرماتا ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ (الحج:۷،۸) یہ اس لئے ہوتا ہے کہ (ظاہر کیا جائے کہ) اللہ ہی قائم رہنے والی اور قائم رکھنے والی ہستی ہے اور وہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ہر چیز کے لئے جو وقت مقرر ہے وہ ضرور آکر رہے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ یقیناً اُن کو جو قبروں میں ہیں دوبارہ اُٹھائے گا۔ اس آیت میں بھی قوم کی روحانی بعثت مراد ہے۔

علماءِ جامدین نے ایک ہی تاویل پر اصرار کیا ہے جس کا ذکر امام ابن حجرؒ نے مذکورہ بالا الفاظ میں کیا ہے۔ اصحاب کہف کے لئے جو بَعَثْنَا کا لفظ بیان ہوا ہے اُس میں ان کی اجتماعی زندگی کا ذکر ہے کہ انہیں گوشہ گمنامی اور پستی سے اُٹھایا اور ترقی دی۔ فرماتا ہے: فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ○ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ○ (الکھف:۱۲،۱۳) یعنی جس پر ہم نے اس وسیع غار میں چند گنتی کے سالوں کے لیے انہیں (بیرونی حالات کے) سننے سے محروم کر دیا۔ پھر ہم نے اُنہیں اُٹھایا، تاکہ ہم جان لیں کہ جتنی مدت وہ (وہاں) ٹھہرے رہے تھے، اُسے (مسیح کے متبع) دونوں گروہوں میں سے زیادہ محفوظ رکھنے والا کونسا گروہ ہے۔

عربی میں لفظ اَمَدًا غیر معین عرصے پر دلالت کرتا ہے اور اَبَدًا غیر محدود زمانے پر۔ دو گروہوں سے مراد ابتدائی زمانے کے مسیحی اور بعد کے مسیحی لوگ ہیں۔ دونوں گروہوں کے حالات کا مقابلہ کرنے سے صحیح طور پر معلوم ہو سکتا ہے کہ کون اپنے خالق کا شناسا اور قدر دان تھا۔ وہ گروہ جس نے انتہائی تلخیاں جھیلیں اور اپنے خالق کے شکر گزار اور اس سے وابستہ رہے یا وہ جنہیں کشائش و آسائش کے سامان میسر آئے اور پھر انہوں نے ناشکر گزاری کی اور غیر اللہ کو پوجنا شروع کر دیا۔ اس تعلق میں تفسیر کبیر جلد چہارم (صفحہ نمبر ۴۱۸ تا ۴۴۲) کا مطالعہ ضروری ہے جہاں مسلمان مفسرین اور عیسائی مؤرخین کے حوالے سے ان کے اقوال نقل کئے گئے ہیں اور اصحاب الکہف سے متعلق محققانہ قیمتی معلومات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے جس سے زیر شرح آیت کا مضمون واضح ہو جاتا ہے۔

اَزْكٰى طَعَامًا کے معنی ہیں أَكْثَرُ رَيْعًا اور أَحَلُّ یعنی کھانے کے اعتبار سے وہ زیادہ مفید اور حلال اور بکثرت ہے۔ اس آیت کے مفہوم میں اختلاف متعدد روایتوں کی وجہ سے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے أَحَلُّ ذَبِيحَةٍ مروی ہے کہ مشرک اپنے دیوتاؤں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۷) ایسی قربانیاں حلال نہیں تھیں اور اَزْكٰى کی تعریف سے خارج ہیں۔ غذائیت کے لحاظ سے زیادہ پاکیزہ کا مفہوم درست ہے جو سیاق کلام سے واضح ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ

مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا○(الکہف:۲۰) اپنے میں سے کسی کو اس سکے کے ساتھ شہر کی طرف بھیجو تا وہ دیکھے اس شہر میں سے کس کا غلہ زیادہ اچھا ہے۔ (جس کا غلہ سب سے زیادہ اچھا ہو) اس سے کچھ کھانے کا سامان لے آئے اور لوگوں کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آئے اور تمہارے متعلق کسی کو علم نہ ہونے دے۔

مَوْئِلًا: مُحْرِزًا، بمعنی ملجأ و مأوی و پناہ گاہ ہے۔ مَرْجِعٌ یعنی جائے رجوع بھی اس کے معنی ہیں۔ وَأَلَ يَئِلُ إِذَا لَجَأَ إِلَيْهِ يَلْجَأُ۔ لفظ مَوْئِلًا وَأَلَ يَئِلُ سے ظرف مکان ہے، یعنی نجات پانے کی جگہ۔ ان معنوں کی تائید میں ایک شاعر کا یہ مصرعہ نقل کیا ہے: فَلَا وَأَلَتْ نَفْسٌ عَلَيْهَا تُحَاذِرُ۔ أَيْ لَا نَجَتْ۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۴۱۸) یعنی نجات نہ پائے وہ نفس جس کے متعلق تو ڈر رہا ہے۔ فرماتا ہے: وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا○(الکہف:۵۹) اور تیرا ربّ بہت ہی بخشنے والا (اور بہت ہی) رحمت کرنے والا ہے۔ اگر وہ ان کے (بُرے) اعمال کی وجہ سے انہیں ہلاک کرنا چاہتا تو وہ ان پر فوراً عذاب نازل کر دیتا۔ (مگر وہ ایسا نہیں کرتا) بلکہ ان کے لیے ایک میعاد (مقرر) ہے جس سے ورے (یعنی پیشتر اس کے کہ وہ عذاب کو بُھگت لیں) وہ ہرگز کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا: لَا يَعْقِلُوْنَ - عقل سے کام نہیں لیتے۔ اس آیت کا یہ مفہوم فریابیؒ نے مجاہدؒ سے نقل کیا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۸) اس سے اشارہ آیت الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ کی طرف ہے۔ پورا سیاقِ کلام یہ ہے: وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا○ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا○(الکہف:۱۰۱، ۱۰۲) اور ہم اس دن جہنم کو کافروں کے بالکل سامنے لے آئیں گے۔ (وہ کافر) جن کی آنکھیں میرے ذکر (یعنی قرآنِ کریم) کی طرف سے (غفلت کے) پردہ میں تھیں۔ اور وہ سننے کی طاقت (بھی) نہیں رکھتے تھے۔ یہ آیات عیسائی اقوام کی موجودہ حالت کفر اور پرلے درجے کی غفلت اور دین سے لاپرواہی پر پورے طور پر منطبق آتی ہیں۔

بَاب ۱: وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (الکہف:۵۵)

اور انسان ہر شے سے بڑھ کر جھگڑالو ہے

٤٧٢٤ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ

۴۷۲۴: علی بن عبداللہ (مدینی) نے ہمیں بتایا کہ یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے ہم سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) میرے باپ نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے صالح (بن کیسان) سے، صالح نے ابن شہاب سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: علی

أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ أَخْبَرَهُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ قَالَ أَلَا تُصَلِّيَانِ.

أطرافه: ۱۱۲۷، ۷۳٤۷، ۷٤٦٥۔

بن حسین نے مجھے بتایا کہ حضرت حسین بن علیؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور حضرت فاطمہؓ کے پاس رات کو آئے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم دونوں نماز (تہجد) نہیں پڑھتے؟

رَجْمًا بِالْغَيْبِ (الكهف:۲۳) لَمْ يَسْتَبِنْ. فُرُطًا (الكهف:۲۹) نَدَمًا. سُرَادِقُهَا (الكهف:۳۰) مِثْلُ السُّرَادِقِ وَالْحُجْرَةِ الَّتِي تُطِيفُ بِالْفَسَاطِيطِ. يُحَاوِرُهٗٓ (الكهف:۳۸) مِنَ الْمُحَاوَرَةِ. لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ (الكهف:۳۹) أَيْ لَكِنْ أَنَا هُوَ اللهُ رَبِّي، ثُمَّ حَذَفَ الْأَلِفَ وَأَدْغَمَ إِحْدَى النُّونَيْنِ فِي الْأُخْرَى. وَفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا (الكهف:۳٤) تَقُولُ بَيْنَهُمَا نَهَرًا. زَلَقًا (الكهف:٤١) لَا يَثْبُتُ فِيهِ قَدَمٌ. هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ (الكهف:٤٥) مَصْدَرُ وَلِيَ، الْوَلِيُّ وَلَاءً. عُقْبًا (الكهف:٤٥) عَاقِبَةً وَعُقْبَى وَعُقْبَةً وَاحِدٌ وَهِيَ الْآخِرَةُ. قِبَلًا وَقُبُلًا (الكهف:٥٦) وَقَبَلًا: اسْتِئْنَافًا. لِيُدْحِضُوْا (الكهف:٥٧)

رَجْمًا بِالْغَيْبِ کے معنی ہیں بات اچھی طرح نہ سمجھی اور یونہی بیان کر دی۔ فُرُطًا کے معنی ہیں ندامت، شرمندگی۔ سُرَادِقُهَا سے مراد یہ ہے کہ (آگ انہیں گھیرے ہوئے ہوگی) دیواروں اور کمرے کی طرح۔ یعنی (ایسی قناتیں) جو بڑے خیمے کے ارد گرد ہوتی ہیں۔ يُحَاوِرُهٗٓ یعنی وہ اُس سے رُوبرو بات کر رہا تھا۔ یہ لفظ محاورہ سے ہے بمعنی گفتگو۔ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ۔ لیکن میں تو یہ کہتا ہوں: حق تو یہ ہے کہ اللہ ہی میرا ربّ ہے۔ پھر الف کو حذف کر دیا اور اس کی ایک نون کو (لکن کی) دوسری نون میں مدغم کر دیا۔ وَفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا۔ یعنی تم کہو اور اُن کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری کی تھی۔ زَلَقًا وہ جگہ جس پر قدم نہ جم سکے۔ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ (میں الْوَلَايَةُ) وَلِيَ سے مصدر ہے۔ اَلْوَلِيُّ کے معنی ہیں حکومت و سرپرستی۔ عُقْبًا، عَاقِبَةً، عُقْبَى اور عُقْبَةً مفہومًا ایک ہی ہیں۔ (اس کے معنی ہیں انجام) اور یہ آخرت ہے۔

لِيُزِيلُوا، الدَّحْضُ الزَّلَقُ.

قِبَلًا، قُبُلًا اور قَبَلًا تینوں طرح ہی پڑھا گیا ہے۔ یعنی نئے سرے سے سامنے سے آتا ہوا۔ لِيُدْحِضُوْا کے معنی ہیں تا اس کو پھسلا دیں۔ الدَّحْضُ کے معنی ہیں پھسلنا یا پھسلانا۔

تشریح: وَ كَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا: امام ابن حجرؒ نے اس باب سے امام بخاریؒ کی غرض کی بابت لکھا ہے کہ واضح نہیں۔ حسب عادت ابہام و اخفاء سے کام لیا گیا ہے۔ اس تعلق میں ان کے یہ الفاظ ہیں: وَلَمْ يَذْكُرْ مَقْصُودَ الْبَابِ عَلَى عَادَتِهِ فِي التَّعْمِيَةِ۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۵۱۸) روایت زیر باب اس سے قبل کتاب التهجد، باب ۵ میں مع شرح گزر چکی ہے۔ جہاں بتایا جا چکا ہے کہ حضرت علیؓ تہجد کے لئے نہ اُٹھ سکنے کے متعلق عذر کرنے لگے کہ ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، جب چاہتا ہے ہمیں بیدار کر دیتا ہے وغیرہ۔ یہ درست ہے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کے اختیار و تصرف میں ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ انسان کو ارادہ و قوتِ عمل عطا ہوا ہے۔ جو پختہ عزم کر لیتا ہے اور دعاؤں سے مزید مدد حاصل کرتا ہے، وہ ضرور توفیق پاتا ہے۔ یہاں جس آیت سے یہ باب قائم کیا گیا ہے، وہ یہ ہے: وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ كَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ○ (الکہف:۵۵) اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر اعلیٰ بات مختلف پیراؤں میں بیان کر دی ہے (اور یہ اس لئے کیا گیا ہے) کہ انسان سب سے بڑھ کر بحث کرنے والا ہے۔ اس آیت کا سارا سیاقِ کلام ہی انسان کی کج بحثی کے متعلق ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کے بارہ میں کج بحثی سے کام لینا درحقیقت اس کی رحمت بے پایاں سے اپنے آپ کو محروم کرنا ہے۔ معمولی معمولی عذروں سے اس کے احکام پر عمل نہ کرنا اور انہیں ٹالتے چلے جانے کا آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو ہلاک کر لیتا ہے۔ یہی حال عیسائی قوموں کا ہوگا۔ وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ○ (الکہف:۶۰) اور ہم نے اُن کی ہلاکت کے لئے پہلے سے ایک میعاد مقرر کر دی تھی (تا وہ چاہیں تو توبہ کر لیں۔) غرض یہ وہ سیاقِ کلام ہے جس کی طرف توجہ دلانے کے لئے یہ باب قائم کیا گیا ہے اور تباہی کی موعودہ گھڑی کی نسبت سورۃ الکہف سے متعلقہ آیات کا حوالہ دیا گیا ہے جو حسب ذیل ہے:

فُرُطًا: نَدَمًا- ندامت، پشیمانی۔ یہ معنی طبریؒ نے داؤد بن ابی ہند کی سند سے نقل کئے ہیں اور ابوعبیدہؒ نے اس کے معنی اسراف و ضیاع بتائے ہیں۔ یہی معنی طبریؒ نے مجاہدؒ سے بھی نقل کئے ہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۵۱۸، ۵۱۹) پوری آیت یہ ہے۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ○ (الکہف:۲۹) اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رکھ جو اپنے ربّ کو اس کی خوشنودی چاہتے ہوئے

صبح وشام پکارتے ہیں۔ اور تیری نظریں ان کو پیچھے چھوڑ کر آگے نہ نکل جائیں (اور اگر تُو ایسا کرے گا تو) تُو ورلی زندگی کی زینت چاہے گا اور جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہو اور اس نے اپنی گری ہوئی خواہش کی پیروی اختیار کی ہو اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہو، اُس کی فرمانبرداری مت کر۔

سُرَادِقُهَا: سُرَادِقٌ کے معنی ہیں چار دیواری جو بڑے خیمے کے ارد گرد کھینچی جاتی ہے۔ یہ معنی ابوعبیدہؒ سے منقول ہیں۔ جس کی تائید میں انہوں نے اس مصرعہ کا حوالہ دیا ہے: سُرَادِقُ الْمَجْدِ عَلَيْكَ مَمْدُودٌ۔ عظمت کی قناتیں تیرے ارد گرد تانی گئی ہیں۔ طبریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے حَائِطٌ مِّنْ نَّارٍ کے معنی نقل کئے ہیں۔ یعنی آگ کی چار دیواری اُن کو گھیرے گی۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۹) پوری آیت یہ ہے: وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ○ (الکہف: ۳۰) اور کہہ یہ سچائی تیرے ربّ کی طرف سے ہی (نازل) ہوئی ہے۔ پس جو چاہے اس پر ایمان لائے اور جو چاہے انکار کر دے۔ ہم نے ظالموں کے لئے یقیناً ایک آگ تیار کی ہے جس کی چار دیواری انہیں گھیرے گی اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریادرَسی کی جائے گی جو کھولتے ہوئے تانبے کی طرح نہایت شدید گرم ہو گا، چہروں کو جھلس دے گا۔ وہ بہت ہی بُری پینے کی چیز ہو گی اور یہ آگ نہایت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ خلاصہ اس آیت کا یہ ہے کہ یہ آگ چاروں طرف سے اس طور پر گھیرے میں لے گی کہ انہیں کوئی راہِ فرار نہیں ملے گی۔ اس سے موعودہ عذاب کی نوعیت بتائی گئی ہے جو عیسائی اقوام کے لئے مقدر ہے اور آج ہم اس عذاب کو پورے طور پر متمثل ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ بولہبی آتشیں جنگوں کی شدت کا تصور کرنا بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔

يُحَاوِرُهٗٓ: یہ لفظ مُحَاوَرَةٌ سے ہے، یعنی مکالمہ و مخاطبہ کی صورت میں گفتگو کرنا۔ اس لفظ سے یہ آیت مراد ہے: قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ○ (الکہف: ۳۸) اس کے ساتھی نے اس سے سوال و جواب کرتے ہوئے کہا (کہ) کیا تُو نے اُس (ہستی) کا انکار کر دیا ہے جس نے تجھے (اوّلاً) مٹی سے (اور) پھر نطفہ سے پیدا کیا اور پھر اُس نے تجھے پورا آدمی بنایا۔ یہ بات کرنے والا مسلمان نمائندہ اسلام ہے۔

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ: لٰكِنَّا دراصل لٰكِنْ اَنَا ہے۔ دونوں الفاظ ترکیب پا کر لٰكِنَّا ہوا۔ ابوعبیدہؒ نے اس تعلق میں یہ شعر نقل کیا ہے:

وَتَرْمُقُنِي بِالطَّرْفِ أَيْ أَنْتَ مُذْنِبٌ وَتَقْلِينَنِي لَكِنْ إِيَّاكِ لَا أَقْلِي

اس شعر میں عبارت اصل میں یوں ہے: لَكِنْ اَنَا إِيَّاكِ لَا أَقْلِي۔ یعنی تو مجھے ایسی نظر سے دیکھتی ہے کہ میں خطاکار ہوں اور مجھ سے تو نفرت کرتی ہے۔ لیکن میں تجھ سے نفرت نہیں کرتا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۹) پوری آیت یہ

ہے: لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا○ (الکھف:۳۹) (تمہارا تو یہ حال ہے) لیکن (میں تو یہ کہتا ہوں کہ) حق تو یہ ہے کہ اللہ ہی میرا ربّ ہے اور میں کسی کو (بھی) اپنے ربّ کا شریک نہیں بناتا۔

سیاقِ کلام میں دونوں آیتوں کا یہ مفہوم ہے کہ بغیر اتمام حجت کے عیسائی قومیں ہلاک نہیں کی جائیں گی۔ کتاب الانبیاء (باب ۴۹) میں گزر چکا ہے کہ ان قوموں پر اتمام حجت قائم کرنے کے لئے ابن مریم نازل ہوگا۔

وَ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا: لفظ فَجَّرْنَا کی دو قراءتیں ہیں، ایک ج بغیر تشدید کے جو یعقوب و عیسیٰ بن عمر قاری کی ہے، دوسری ج مشدد کے ساتھ جو جمہور کی قراءت ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۹) اسی اختلافِ قراءت کے پیش نظر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ لفظ ج کی شد کے ساتھ فَجَّرْنَا پڑھا جانا چاہیے۔

آیت كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا سے پہلے یہ آیت ہے: وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّ حَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا○ (الکھف:۳۳) اور تو اُن کے لئے دو شخصوں کی مثال بیان کر۔ جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے تھے اور ان باغوں کو ہم نے کھجوروں کے درختوں کی باڑ سے محفوظ کیا تھا اور ان دونوں باغوں کے درمیان کھیتی بھی اگائی تھی۔ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ تمثیل بیان کی گئی ہے جو تورات و انجیل میں بھی بیان کی گئی ہے۔ (متی باب ۲۱: ۲۸، ۳۳) اور اس سے مراد مملکت ہے یعنی عیسائی قوم کے لئے ترقی و تنزل کے دو دَور ہیں۔ ایک وہ دورِ ترقی جو اسلام سے قبل تھا، جس میں ان کی مملکت باز نطینی کے نام سے تاریخ عالم میں مشہور ہے اور دوسرا دَورِ ترقی وہ ہے جو موجودہ زمانے میں انہیں ملا ہے۔ اس میں انہیں بہت بڑا عروج حاصل ہوا ہے۔ ان دو دَوروں کے درمیان عیسائی حکومتیں باقی رہیں لیکن معمولی حیثیت میں جسے مذکورہ بالا تمثیل میں کھیتی قرار دیا گیا ہے۔ آیت نمبر ۳۶ تا ۴۴ میں ان کی تباہی کی خبر ہے اور یہ تباہی اس وقت ہوگی جب انہیں وہم تک نہیں ہوگا کہ وہ تباہ ہو سکتے ہیں۔ آیت نمبر ۴۳ میں فرماتا ہے: وَ اُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِيْهَا وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا○ اور اس کے تمام پھلوں کو تباہ کر دیا گیا اور وہ (باغ کا مالک) لگا اپنے دونوں ہاتھ ملنے اس پر جو اس نے اپنے باغ پر خرچ کیا تھا اور وہ انگوروں کا باغ اپنے سہاروں کے بل گرا ہوا تھا اور وہ کہہ رہا تھا ہائے کاش میں کسی کو بھی اپنے ربّ کا شریک نہ ٹھہراتا۔ اور آیت نمبر ۴۱، ۴۲ میں بتایا گیا ہے کہ یہ اس کی تباہی کی تدبیر آسمان سے ہوگی اور اس کا ساختہ و پرداختہ راکھ کرنے کے لئے آگ کے شعلے آسمان سے گرائے جائیں گے اور اس کی زمینی طاقتیں سب سلب کر دی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا○ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا○ (الکھف:۴۱، ۴۲) اُمید ہے کہ میرا ربّ تیرے باغ سے بھی کوئی بہتر باغ مجھے دے اور تیرے باغ پر آسمان سے آگ کا شعلہ گرائے جس سے وہ ایک صاف چٹیل میدان ہو جائے۔ یا اس کا پانی خشک ہو جائے۔ پھر تُو اسے تلاش نہ کر سکے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اور اس کی یہ سنت

ہمیشہ رہی ہے کہ مؤاخذہ اور سزا سے پہلے آگاہ کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی سنت کے پیش نظر مامورِ زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

"دنیا میں ایک نذیر آیا، پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اَور بڑے زورآور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔" (تذکرہ صفحہ ۸۱)

عیسائیوں کی نسبت جس تباہی کا ذکر سورۃ الکہف (آیات ۲۹ تا ۴۵) میں کیا گیا ہے۔ ان آیات میں السَّاعَة سے مراد یہی تباہی کی گھڑی ہے جس سے دنیا کو بروقت آگاہ کیا گیا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۴۲ تا ۴۵۵۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ: وَلَايَةٌ مصدر ہے۔ وَلِيَ يَلِي وَلَايَةٌ وَوَلَاءٌ بمعنی سرپرستی، دوستی اور یاوری۔ پوری آیت یہ ہے: هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۖ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا ○ (الکہف:۴۵)[۱] اس آیت سے متعلقہ سیاقِ کلام میں بڑی وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ جب تباہی کی گھڑی آئے گی تو کوئی جتھا مدد نہ کر سکے گا۔ وَ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ○ (الکہف:۴۴)[۲] آیت نمبر ۴۵ میں عُقْبًا کا جو لفظ بیان ہوا ہے اس کے معنی انجام ہیں۔ عُقْبًا سے مراد روز قیامت ہے جب اعمال کا محاسبہ ہوگا تو نیکو کاروں کو اچھے سے اچھا بدلہ ملے گا جیسا کہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ الْوَلَايَةُ کی قراءت سے متعلق اختلاف ہوا ہے۔ جمہور کی قراءت الْوَلَايَةُ (واؤ کی زبر سے) ہے اور بعض نے الْوِلَايَةُ (واؤ کی زیر سے) پڑھا ہے۔ ابوعمرو اور اصمعی نے یہ قراءت قبول نہیں کی اور بتایا ہے کہ زیر سے الْوِلَايَةُ کے معنی امارت کے ہیں، جس کا یہاں محل نہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۹)

قُبُلًا: آنکھوں کے سامنے۔ فرماتا ہے: وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَ يَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ○ (الکہف:۵۶) اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے اور اپنے ربّ سے بخشش چاہنے سے صرف اس بات نے روک دیا کہ پہلے لوگوں کا سا ماجرا اُنہیں بھی پیش آئے یا پھر عذاب ان کے سامنے آ جائے۔ لفظ قُبُلًا کی قراءت سے متعلق بھی اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے قِبَلًا پڑھا ہے جس کے معنی ہیں اسْتِئْنَافًا، یعنی نئے سرے سے۔ لیکن ابن التین کی رائے ہے کہ اس کا یہاں موقع نہیں ہے۔ بلکہ یہ لفظ استقبال کے مفہوم میں یہاں بیان ہوا ہے جس کا تلفظ قُبُلًا ہے۔ یعنی عذاب اپنے سامنے سے آتا دیکھیں گے اور یہ قراءت جمہور کی ہے۔ بعض نے قِبَلًا کو بھی اسی مفہوم میں سمجھا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۹)

---

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اس وقت اختیار کلیۃً اللہ ہی کا تھا جو حق ہے وہ جزا دینے میں بھی اچھا اور نیک انجام تک پہنچانے میں بھی اچھا ہے۔"

[۲] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اور اُس کے لئے کوئی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابل پر اس کی مدد کر سکتی اور وہ کسی قسم کا انتقام نہ لے سکا۔"

لِیُدْحِضُوْا: تاوہ پھسلادیں۔ ابوعبیدہؒ نے لِیُدْحِضُوْا کے معنی لِیُزِیلُوا کئے ہیں۔ پھسلادیں، ہٹادیں۔ لفظ زَلَقٌ بھی انہی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کہتے ہیں: مَكَانٌ دَحْضٌ أَيْ مُزِلٌّ مُزْلِقٌ لَا يَثْبُتُ فِيهِ خُفٌّ وَلَا حَافِرٌ۔ یعنی ایسی جگہ جس سے انسان یا حیوان پھسل جائے اور کوئی شے بھی اس پر نہ ٹھہر سکے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۱۹)

بَاب ۲: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا (الکھف: ٦١)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (رفیق) سے کہا تھا (کہ) میں (جس راستے پر جارہا ہوں اس پر قائم رہنے سے) نہیں ٹلوں گا یہاں تک کہ ان دونوں سمندروں کے اکٹھے ہونے کے مقام پر پہنچ جاؤں یا صدیوں تک (آگے ہی آگے) چلتا جاؤں

زَمَانًا وَجَمْعُهُ أَحْقَابٌ.

(حُقُبًا کے معنی ہیں) زَمَانًا یعنی زمانہ۔ اور اس کی جمع أَحْقَابٌ ہے۔

٤٧٢٥: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ نَوْفًا الْبَكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَى صَاحِبَ الْخَضِرِ لَيْسَ هُوَ مُوسَى صَاحِبَ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ، حَدَّثَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ مُوسَى قَامَ خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَسُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟ فَقَالَ أَنَا. فَعَتَبَ اللهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ،

۴۷۲۵: حمیدی (عبداللہ بن زبیر) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ عمرو بن دینار نے ہم سے بیان کیا، کہا: سعید بن جبیر نے مجھے بتایا، وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا: نوف بکالی سمجھتے ہیں کہ خضر والے موسیٰ وہ نہیں جو بنی اسرائیل والے موسیٰ تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ سن کر کہا: اللہ کے دشمن نے غلط کہا ہے۔ حضرت اُبَیّ بن کعبؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا۔ آپؐ نے فرمایا: موسیٰؑ بنی اسرائیل سے خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ ان سے پوچھا گیا: لوگوں میں سے کون زیادہ عالم ہے۔ انہوں نے کہا: میں۔ اللہ نے اُن پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ انہوں نے علم کو اللہ کی طرف کیوں

فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ إِنَّ لِي عَبْدًا بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ. قَالَ مُوسَى يَا رَبِّ فَكَيْفَ لِي بِهِ قَالَ تَأْخُذُ مَعَكَ حُوتًا فَتَجْعَلُهُ فِي مِكْتَلٍ، فَحَيْثُمَا فَقَدْتَّ الْحُوتَ فَهُوَ ثَمَّ. فَأَخَذَ حُوتًا فَجَعَلَهُ فِي مِكْتَلٍ ثُمَّ انْطَلَقَ، وَانْطَلَقَ مَعَهُ بِفَتَاهُ يُوشَعَ بْنِ نُونٍ حَتَّى إِذَا أَتَيَا الصَّخْرَةَ وَضَعَا رُءُوسَهُمَا فَنَامَا، وَاضْطَرَبَ الْحُوتُ فِي الْمِكْتَلِ فَخَرَجَ مِنْهُ فَسَقَطَ فِي الْبَحْرِ فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا (الكهف:٦٢) وَأَمْسَكَ اللهُ عَنِ الْحُوتِ جِرْيَةَ الْمَاءِ فَصَارَ عَلَيْهِ مِثْلَ الطَّاقِ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ نَسِيَ صَاحِبُهُ أَنْ يُخْبِرَهُ بِالْحُوتِ، فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا وَلَيْلَتِهِمَا، حَتَّى إِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ قَالَ مُوسَى لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا (الكهف:٦٣) قَالَ وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى النَّصَبَ حَتَّى جَاوَزَا الْمَكَانَ الَّذِي أَمَرَ اللهُ بِهِ، فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ

نہیں لوٹایا۔ (کیوں یہ جواب نہیں دیا کہ اللہ سب سے بڑھ کر عالم ہے۔) چنانچہ اللہ نے اُن کو وحی کی کہ میرا ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰؑ نے عرض کی کہ اے میرے ربّ! میں اُس تک کیونکر پہنچوں۔ فرمایا: تم اپنے ساتھ مچھلی لے لو اور وہ ٹوکری میں رکھ لو۔ پھر جہاں وہ مچھلی تم سے کھو جائے تو وہ وہیں ہوگا۔ چنانچہ موسیٰؑ نے مچھلی ٹوکری میں رکھ لی اور چل پڑے۔ اور اپنے ساتھ اپنے نوجوان یوشع بن نون کو بھی لے لیا۔ جب وہ دونوں چٹان کے پاس پہنچے، (ستانے کے لئے) اپنے سر ٹکائے اور سو گئے اور مچھلی ٹوکری میں تڑپنے لگی اور اس سے نکل کر سمندر میں جا گری اور تیزی سے بھاگتے ہوئے سمندر میں اپنی راہ لی، اور اللہ نے اس مچھلی سے پانی کا بہاؤ روک دیا اور پانی مچھلی پر محراب کی طرح ہوگیا۔ جب موسیٰؑ جاگے تو اُن کا ساتھی مچھلی کی نسبت انہیں بتانا بھول گیا۔ وہ دونوں باقی دن اور رات بھی چلتے رہے، یہاں تک کہ جب دوسرا دن ہوا۔ موسیٰؑ نے اپنے نوجوان سے کہا: ہمارا ناشتہ ہمارے پاس لاؤ۔ ہم تو اس سفر سے بہت تھک گئے ہیں۔ (حضرت ابن عباسؓ) کہتے تھے: موسیٰؑ نے اس وقت تک تھکان محسوس نہیں کی جب تک کہ وہ اس جگہ سے نہیں گزر گئے کہ جس کی بابت اللہ نے فرمایا تھا۔ ان کے نوجوان نے ان سے کہا کہ بتائیے (اب

نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۖ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا (الكهف:٦٤) قَالَ فَكَانَ لِلْحُوتِ سَرَبًا، وَلِمُوسَى وَلِفَتَاهُ عَجَبًا فَقَالَ مُوسَى ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا (الكهف:٦٥) قَالَ رَجَعَا يَقُصَّانِ آثَارَهُمَا حَتَّى انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِذَا رَجُلٌ مُسَجًّى ثَوْبًا، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ مُوسَى فَقَالَ الْخَضِرُ وَأَنَّى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ قَالَ أَنَا مُوسَى. قَالَ مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ؟ قَالَ نَعَمْ أَتَيْتُكَ لِتُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (الكهف:٦٧، ٦٨) يَا مُوسَى إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَكَ اللهُ لَا أَعْلَمُهُ فَقَالَ مُوسَى سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا (الكهف:٧٠) فَقَالَ لَهُ الْخَضِرُ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ

کیا ہوگا) جب ہم (آرام کے لئے) اس چٹان پر ٹھہرے تو میں مچھلی (کا خیال) بھول گیا اور مجھے یہ بات شیطان کے سوا کسی نے نہیں بھلائی اور اس نے سمندر میں عجیب طرح سے اپنی راہ لے لی۔ (حضرت ابن عباسؓ) کہتے تھے کہ وہ راستہ مچھلی کے آنے جانے کا تھا، پر موسیٰؑ اور ان کے نوجوان کو تعجب ہوا۔ موسیٰؑ نے یہ سن کر کہا کہ یہی وہ (مقام) ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔ پھر وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لَوٹے۔ کہتے تھے کہ جب وہ اپنے قدموں کا کھوج لیتے لَوٹے یہاں تک کہ چٹان کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ہے جو کپڑا اوڑھے ہے۔ موسیٰؑ نے انہیں سلام کہا اور خضر نے جواب دیا: تمہارے ملک میں سلامتی کہاں؟ (موسیٰ نے) کہا: میں موسیٰ ہوں۔ خضر نے کہا: بنی اسرائیل کا موسیٰ؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ جو راستی کی باتیں آپ کو سکھائی گئی ہیں وہ مجھے بھی سکھائیں۔ فرمایا: تو میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکے گا۔ اے موسیٰ! علم الٰہی میں سے مجھے ایک علم حاصل ہے جو اللہ ہی نے مجھے سکھایا ہے تو اُسے نہیں جانتا اور تجھے بھی علم الٰہی میں سے ایک علم حاصل ہے جو اللہ ہی نے تجھے سکھایا ہے، میں اُسے نہیں جانتا۔ موسیٰ نے کہا: اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر

ذِكْرًا (الكهف:٧١) فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ، فَمَرَّتْ سَفِينَةٌ، فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَّحْمِلُوهُمْ، فَعَرَفُوا الْخَضِرَ فَحَمَلُوهُمْ بِغَيْرِ نَوْلٍ. فَلَمَّا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ لَمْ يَفْجَأْ إِلَّا وَالْخَضِرُ قَدْ قَلَعَ لَوْحًا مِنْ أَلْوَاحِ السَّفِينَةِ بِالْقَدُومِ. فَقَالَ لَهُ مُوسَى قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ، عَمَدْتَّ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا○ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا○ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا○ (الكهف:٧٢-٧٤)

(مستقل مزاج) پائیں گے اور میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ خضر نے ان سے کہا: اگر تمہیں میرے ساتھ ہی رہنا ہے تو پھر کسی بات کے متعلق مجھ سے نہ پوچھنا یہاں تک کہ میں خود ہی تم سے اس کا ذکر کروں۔ چنانچہ وہ دونوں سمندر کے کنارے کنارے چل پڑے۔ اتنے میں ایک کشتی گزری۔ انہوں نے کشتی والوں سے کہا کہ انہیں بھی سوار کرلیں۔ کشتی والوں نے خضر کو پہچان لیا اور اُن کو بغیر کرایہ لئے سوار کیا۔ جب وہ دونوں کشتی پر سوار ہوئے تو ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ یکایک خضر نے تیشے سے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ نکال دیا۔ موسیٰؑ نے ان سے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بغیر کرایہ لئے ہمیں سوار کیا ہے۔ آپ ان کی کشتی پر لپکے ہیں اور اس میں شگاف کر دیا ہے تا جو اِس کشتی میں ہیں ان کو غرق کر دیں۔ آپ نے یقیناً (یہ) ایک ناپسندیدہ کام کیا ہے۔ خضر بولے: کیا میں نے (تجھے) نہیں کہا تھا (کہ) تُو میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکے گا۔ موسیٰؑ نے کہا: (اِس دفعہ) آپ مجھ پر گرفت نہ کریں کیونکہ میں (آپ کی ہدایت کو) بھول گیا تھا۔ اور آپ میری (اِس) بات کی وجہ سے مجھ پر سختی نہ کریں۔

قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتِ الْأُولَى مِنْ مُّوسَى

(حضرت ابن عباسؓ) کہتے تھے: اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ پہلی غلطی موسیٰؑ سے بھول کر

نِسْيَانًا. قَالَ وَجَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَنَقَرَ فِي الْبَحْرِ نَقْرَةً، فَقَالَ لَهُ الْخَضِرُ مَا عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللهِ إِلَّا مِثْلُ مَا نَقَصَ هَذَا الْعُصْفُورُ مِنْ هَذَا الْبَحْرِ. ثُمَّ خَرَجَا مِنَ السَّفِينَةِ، فَبَيْنَا هُمَا يَمْشِيَانِ عَلَى السَّاحِلِ إِذْ أَبْصَرَ الْخَضِرُ غُلَامًا يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ، فَأَخَذَ الْخَضِرُ رَأْسَهُ بِيَدِهِ فَاقْتَلَعَهُ بِيَدِهِ فَقَتَلَهُ. فَقَالَ لَهُ مُوسَى اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَاكِيَةً بِغَيْرِ نَفْسٍؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا(الكهف:۷۵-۷٦) قَالَ وَهَذِهِ أَشَدُّ مِنَ الْأُولَى. قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا۝ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ۣاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ(الكهف:۷۷-۷۸) قَالَ مَائِلٌ فَقَامَ الْخَضِرُ فَأَقَامَهُ بِيَدِهِ. فَقَالَ مُوسَى قَوْمٌ أَتَيْنَاهُمْ فَلَمْ يُطْعِمُونَا،

ہوئی۔ کہتے تھے: اور ایک چڑیا آئی اور آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اس نے سمندر میں ایک چونچ ماری۔ یہ دیکھ کر خضر نے موسیٰؑ سے کہا: علم الٰہی سے جو علم مجھے اور تجھے حاصل ہوا ہے، اتنا ہی ہے جتنا اس چڑیا نے سمندر سے کم کیا ہے۔ پھر وہ دونوں کشتی سے نکلے، اس دوران کہ وہ سمندر کے کنارے چلے جا رہے تھے، خضر نے ایک لڑکا دیکھا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضر نے اس کا سر پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اسے اکھیڑ کر مار ڈالا۔ موسیٰؑ نے یہ دیکھ کر خضر سے کہا: کیا آپ نے ایک پاکیزہ نفس بغیر کسی نفس کے بدلے کے مار ڈالا ہے؟ آپ نے یقیناً (یہ) بہت بُرا کام کیا ہے۔ خضر نے کہا: کیا میں نے (تجھے) نہیں کہا تھا (کہ) تُو میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکے گا۔ موسیٰؑ نے کہا: یہ کام تو پہلے سے بھی زیادہ سخت (ناگوار) ہے۔ موسیٰؑ نے کہا: اگر اس کے بعد میں نے کسی بات کے متعلق آپ سے پوچھا تو (بیشک) آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا۔ (اور اس صورت میں) آپ یقیناً میری اپنی رائے کے مطابق معذور سمجھے جانے کی حد تک پہنچ چکے ہوں گے۔ پھر وہ (وہاں سے بھی) چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ ایک بستی کے لوگوں کے پاس پہنچے تو اس بستی کے باشندوں سے انہوں نے کھانا مانگا، مگر اُنہوں نے انہیں (اپنے) مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں

وَلَمْ يُضَيِّفُونَا، لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا○ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ إِلَى قَوْلِهِ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا (الکہف: ۷۸-۸۳) فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِدْنَا أَنَّ مُوسَى كَانَ صَبَرَ حَتَّى يَقُصَّ اللهُ عَلَيْنَا مِنْ خَبَرِهِمَا. قَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا وَكَانَ يَقْرَأُ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَكَانَ اَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ. (الکہف: ۸۱)

نے اس (بستی) میں ایک ایسی دیوار پائی جو گرنے کو تھی۔ کہتے تھے: جھکی ہوئی تھی۔ خضر اُٹھے اور آپ نے ہاتھ سے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰؑ نے کہا: یہ ایسے لوگ ہیں کہ ہم ان کے پاس آئے۔ انہوں نے ہمیں کھانے کو نہ دیا اور نہ ہمیں مہمان ٹھہرایا۔ اگر آپ چاہتے تو یقیناً اس کی کچھ (نہ کچھ) اُجرت لے سکتے تھے۔ خضر نے کہا: یہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان جدائی (کا وقت) ہے۔...... (پھر انہوں نے) اس آیت تک (پڑھا جس میں ذکر ہے) کہ یہ اُس بات کی حقیقت ہے جس پر تو صبر نہیں کر سکا۔ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے یہ واقعہ بیان کرکے فرمایا: ہمیں یہ خواہش ہی رہ گئی کہ موسیٰؑ صبر کرتے تا اللہ ان دونوں کے حالات ہم سے بیان کرتا۔ سعید بن جبیر نے کہا: حضرت ابن عباسؓ اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے: وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔ اور پڑھتے تھے کہ یہ جو لڑکا تھا وہ کافر تھا اور اس کے ماں باپ مومن تھے۔

أطرافہ: ۷۴، ۷۸، ۱۲۲، ۲۲۶۷، ۲۷۲۸، ۳۲۷۸، ۳۴۰۰، ۳۴۰۱، ۴۷۲۶، ۴۷۲۷، ۶۶۷۲، ۷۴۷۸۔

تشریح: وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ: حُقُبًا کے معنی ہیں لمبا زمانہ۔ یہ معنی ابوعبیدہؒ سے مروی ہیں۔ عبدالرزاق نے بھی قتادہؒ سے یہی معنی نقل کیے ہیں۔ حِقْبَةٌ بھی منقول ہے جس کی جمع حِقَبٌ ہے۔ ابن منذر نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے بیان کیا ہے کہ یہ لفظ اَسّی (۸۰) سال کے عرصہ پر اطلاق پاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس کے معنی الدَّهْرُ مروی ہیں یعنی زمانہ سالہاسال۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۵۲۱)

مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ: وہ مقام ہے جہاں دونوں سمندر اکٹھے ہوں۔ اس مقام سے کیا مراد ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نوجوان ساتھی کون تھا اور معنونہ آیت میں کس واقعہ کا ذکر ہے۔ ان تینوں باتوں کی تفصیل مابعد کے ابواب میں ہے اور عنقریب بیان کی جائے گی۔

بَاب٣: فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا (الكهف:٦٢)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) پس جب وہ (دونوں) ان (دونوں سمندروں) کے باہم ملنے کی جگہ پر (یعنی قربِ زمانۂ نبوی تک) پہنچے تو وہ اپنی مچھلی (وہاں) بھول گئے۔ جس پر اس (مچھلی) نے تیزی سے بھاگتے ہوئے سمندر میں اپنی راہ لی

مَذْهَبًا، يَسْرُبُ يَسْلُكُ وَمِنْهُ سَارِبٌ بِالنَّهَارِ (الرعد:١١).

سَرَبٌ کے معنی ہیں راستہ۔ یَسْرُبُ کے معنی ہیں وہ چلتا ہے اور اسی سے سَارِبٌ بِالنَّهَارِ ہے۔ (جو قرآن مجید میں ہے) یعنی دن کو چلنے والا۔

٤٧٢٦: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ وَعَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ يَزِيدُ أَحَدُهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ وَغَيْرُهُمَا قَدْ سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُهُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ إِنَّا لَعِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي بَيْتِهِ إِذْ قَالَ سَلُونِي قُلْتُ أَيْ أَبَا عَبَّاسٍ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ بِالْكُوفَةِ رَجُلٌ قَاصٌّ يُقَالُ لَهُ نَوْفٌ يَزْعُمُ أَنَّهُ لَيْسَ بِمُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَمَّا عَمْرٌو فَقَالَ لِي قَالَ قَدْ كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ وَأَمَّا يَعْلَى فَقَالَ

۴۷۲۶: ابراہیم بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام بن یوسف نے ہمیں خبر دی۔ ابن جریج نے ان کو بتایا۔ انہوں نے کہا: یعلیٰ بن مسلم اور عمرو بن دینار نے مجھے بتایا۔ سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے کچھ زیادہ بیان کرتا تھا۔ نیز ان دونوں کے علاوہ کسی اور کو بھی میں نے سعید بن جبیر سے ہی روایت کرتے سنا ہے۔ انہوں نے کہا: ہم حضرت ابن عباسؓ کے پاس ان کے گھر میں تھے جب انہوں نے کہا: مجھ سے پوچھیں (جو پوچھنا ہو۔) میں نے کہا: ابوعباسؓ! اللہ مجھے آپ کے قربان کرے۔ کوفہ میں ایک شخص قصہ گو ہے جسے نوف کہتے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے موسیٰؑ نہیں تھے (جو خضر سے علم حاصل کرنے کے لئے گئے۔ ابن جریج کہتے تھے:) عمرو (بن دینار) نے مجھ سے یوں کہا (حضرت ابن عباسؓ) کہنے لگے: اللہ کے دشمن نے غلط کہا ہے۔ یعلیٰ نے (یہ

لِي قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوسَى رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ ذَكَّرَ النَّاسَ يَوْمًا حَتَّى إِذَا فَاضَتِ الْعُيُونُ وَرَقَّتِ الْقُلُوبُ وَلَّى فَأَدْرَكَهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَيْ رَسُولَ اللهِ هَلْ فِي الْأَرْضِ أَحَدٌ أَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ لَا فَعَتَبَ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَى اللهِ قِيلَ بَلَى قَالَ أَيْ رَبِّ فَأَيْنَ قَالَ بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ قَالَ أَيْ رَبِّ اجْعَلْ لِّي عَلَمًا أَعْلَمُ ذَلِكَ مِنْهُ فَقَالَ لِي عَمْرٌو قَالَ حَيْثُ يُفَارِقُكَ الْحُوتُ وَقَالَ لِي يَعْلَى قَالَ خُذْ نُونًا مَيِّتًا حَيْثُ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ فَأَخَذَ حُوتًا فَجَعَلَهُ فِي مِكْتَلٍ فَقَالَ لِفَتَاهُ لَا أُكَلِّفُكَ إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنِي بِحَيْثُ يُفَارِقُكَ الْحُوتُ قَالَ مَا كَلَّفْتَ كَثِيرًا فَذَلِكَ قَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ (الكهف: ٦١) يُوشَعَ

فقرہ نہیں کہا، کچھ یوں) بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: حضرت اُبیّ بن کعبؓ نے مجھ سے بیان کیا، کہا: رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ موسیٰ رسول اللہ علیہ السلام نے ایک دن لوگوں کو وعظ ونصیحت کی۔ یہاں تک کہ جب آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور دل پگھل گئے، موسیٰؑ پیٹھ موڑ کر چلنے لگے۔ اتنے میں ایک شخص ان سے ملا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! کیا زمین میں کوئی ہے جو آپؑ سے بڑھ کر عالم ہو۔ موسیٰؑ نے کہا: نہیں۔ اس وجہ سے (اللہ نے) اُن پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ کیونکہ انہوں نے جواب میں نہیں کہا کہ اللہ ہی سب سے بڑھ کر علم رکھتا ہے۔ اُن سے کہا گیا: نہیں (بلکہ تم سے بڑھ کر بھی عالم ہے۔) موسیٰؑ نے کہا: اے میرے ربّ وہ کہاں ہے؟ فرمایا: مجمع البحرین میں۔ (جہاں دو سمندر اکٹھے ہوتے ہیں) موسیٰؑ نے کہا: یا ربّ! میرے لیے کوئی نشان مقرر فرما جس کے ذریعہ مجھے اس جگہ کا علم ہو جائے۔ (ابن جریج کہتے تھے:) عمرو (بن دینار) نے مجھ سے یوں کہا: ربّ نے فرمایا: (وہ وہاں ہوگا) جہاں مچھلی تم سے جدا ہو جائے گی۔ (ابن جریج کہتے تھے کہ) یعلیٰ (بن مسلم) نے مجھ سے یہ (الفاظ) کہے: ربّ نے فرمایا: ایک مردہ مچھلی لو۔ جہاں اس میں روح پھونکی جائے گی (وہاں وہ ہوگا۔) چنانچہ موسیٰؑ نے ایک مچھلی لی اور وہ ٹوکری میں رکھ لی اور اپنے نوجوان سے کہا: میں تمہیں اور تکلیف نہیں دیتا سوا اِس بات کے کہ تم مجھے بتا دینا

بْنِ نُونٍ لَيْسَتْ عَنْ سَعِيدٍ قَالَ فَبَيْنَا هُوَ فِي ظِلِّ صَخْرَةٍ فِي مَكَانٍ ثَرْيَانَ إِذْ تَضَرَّبَ الْحُوتُ وَمُوسَى نَائِمٌ فَقَالَ فَتَاهُ لَا أُوقِظُهُ حَتَّى إِذَا اسْتَيْقَظَ نَسِيَ أَنْ يُخْبِرَهُ وَتَضَرَّبَ الْحُوتُ حَتَّى دَخَلَ الْبَحْرَ فَأَمْسَكَ اللهُ عَنْهُ جِرْيَةَ الْبَحْرِ حَتَّى كَأَنَّ أَثَرَهُ فِي حَجَرٍ قَالَ لِي عَمْرٌو هَكَذَا كَانَ أَثَرُهُ فِي حَجَرٍ وَحَلَّقَ بَيْنَ إِبْهَامَيْهِ وَاللَّتَيْنِ تَلِيَانِهِمَا، لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا (الکھف:۶۳) قَالَ قَدْ قَطَعَ اللهُ عَنْكَ النَّصَبَ لَيْسَتْ هَذِهِ عَنْ سَعِيدٍ أَخْبَرَهُ فَرَجَعَا فَوَجَدَا خَضِرًا قَالَ لِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ عَلَى طِنْفِسَةٍ خَضْرَاءَ عَلَى كَبِدِ الْبَحْرِ قَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ مُسَجًّى بِثَوْبِهِ قَدْ جَعَلَ طَرَفَهُ تَحْتَ رِجْلَيْهِ وَطَرَفَهُ تَحْتَ رَأْسِهِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ مُوسَى فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ وَقَالَ هَلْ بِأَرْضِي مِنْ سَلَامٍ مَنْ أَنْتَ

جہاں وہ مچھلی تم سے جدا ہو۔ نوجوان نے کہا: آپؑ نے کسی بڑی بات کی تکلیف نہیں دی ہے۔ یعنی یہ معمولی سی بات ہے اور یہی بات ہے جو اللہ جلّ ذکرہٗ نے (قرآن شریف میں) فرمائی ہے کہ اور جب موسیٰؑ نے اپنے نوجوان سے کہا یعنی یوشع بن نون سے۔ یہ الفاظ سعید (بن جبیر) سے نہیں ہیں۔ (بلکہ ابن جریج سے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ) کہتے تھے: اس اثنا میں کہ موسیٰؑ ایک چٹان کے سائے تلے ایک ٹھنڈی جگہ لیٹ گئے، مچھلی تڑپنے لگی، موسیٰؑ سوئے ہوئے تھے۔ نوجوان نے (دل میں) کہا: میں انہیں نہیں جگاتا۔ آخر جب موسیٰؑ خود ہی جاگے تو غلام ان کو یہ بتانا بھول گیا اور مچھلی تڑپ کر سمندر میں چلی گئی۔ اللہ نے اس پر سمندر کا بہاؤ روک دیا۔ یہاں تک کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس مچھلی کا نشان پتھر پر موجود ہو۔ (ابن جریج کہتے تھے:) عمرو (بن دینار) نے مجھ سے یوں کہا: پتھر پر نشان اس طرح تھا۔ اور (یہ بات بتاتے ہوئے) اپنے دونوں انگوٹھوں اور دونوں انگلیوں سے جو انگوٹھوں کے ساتھ ہیں ملا کر حلقہ بنایا۔ (پھر روایت شروع کر دی کہ موسیٰؑ نے کہا:) ہمیں یقیناً اپنے اس سفر کی وجہ سے تھکان ہوگئی ہے۔ (نوجوان نے) کہا: اللہ نے آپؑ کی تھکان دور کر دی ہے۔ یہ الفاظ سعید سے مروی نہیں ہیں۔ (آخر) غلام نے موسیٰؑ سے واقعہ بیان کیا اور وہ دونوں وہیں سے واپس ہوئے اور خضر کو پالیا۔ (ابن جریج کہتے تھے کہ)

قَالَ أَنَا مُوسَى قَالَ مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا شَأْنُكَ قَالَ جِئْتُ لِتُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (الكهف:٦٧) قَالَ أَمَا يَكْفِيكَ أَنَّ التَّوْرَاةَ بِيَدَيْكَ وَأَنَّ الْوَحْيَ يَأْتِيكَ يَا مُوسَى إِنَّ لِي عِلْمًا لَا يَنْبَغِي لَكَ أَنْ تَعْلَمَهُ وَأَنَّ لَكَ عِلْمًا لَا يَنْبَغِي لِي أَنْ أَعْلَمَهُ فَأَخَذَ طَائِرٌ بِمِنْقَارِهِ مِنَ الْبَحْرِ فَقَالَ وَاللهِ مَا عِلْمِي وَمَا عِلْمُكَ فِي جَنْبِ عِلْمِ اللهِ إِلَّا كَمَا أَخَذَ هَذَا الطَّائِرُ بِمِنْقَارِهِ مِنَ الْبَحْرِ، حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ (الكهف:٧٢) وَجَدَا مَعَابِرَ صِغَارًا تَحْمِلُ أَهْلَ هَذَا السَّاحِلِ إِلَى أَهْلِ هَذَا السَّاحِلِ الْآخَرِ عَرَفُوهُ فَقَالُوا عَبْدُ اللهِ الصَّالِحُ قَالَ قُلْنَا لِسَعِيدٍ خَضِرٌ قَالَ نَعَمْ لَا نَحْمِلُهُ بِأَجْرٍ فَخَرَقَهَا وَ وَتَدَ فِيهَا وَتِدًا قَالَ مُوسَى اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا (الكهف:٧٢) قَالَ مُجَاهِدٌ مُنْكَرًا

عثمان بن ابی سلیمان نے مجھ سے کہا: سمندر کے عین وسط میں سبز چٹائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سعید بن جبیر نے یہ الفاظ کہے: اپنا کپڑا اُوڑھے ہوئے تھے۔ اس کپڑے کا ایک سرا اپنے پاؤں کے نیچے لیا ہوا تھا اور دوسرا سرا اپنے سر کے نیچے۔ موسیٰؑ نے ان کو سلام کہا۔ (یعنی سلامتی کی دعا دی) انہوں نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور کہا: کیا ملک میں سلامتی ہے؟ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: میں موسیٰؑ ہوں۔ خضر نے کہا: بنی اسرائیل کا موسیٰ؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ خضر نے کہا: آپ کی غرض کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں اس لئے آیا ہوں کہ جو راستی کی باتیں آپ کو سکھائی گئی ہیں ان میں سے کچھ مجھے بھی سکھائیں۔ خضر نے کہا: موسیٰؑ! تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تورات تمہارے ہاتھوں میں ہے اور وحی تم پر نازل ہوتی ہے۔ مجھے ایک علم (دیا گیا) ہے جو تمہارے لائق نہیں کہ تم اس کو جانو اور تمہیں ایک علم (دیا گیا) ہے جو مجھے لائق نہیں کہ میں اسے سیکھوں۔ اتنے میں ایک پرندے نے سمندر سے اپنی چونچ میں پانی لیا۔ خضر کہنے لگے: اللہ کی قسم! میرا اور تمہارا علم بمقابل علم الٰہی اتنا ہی ہے جتنا کہ اس پرندے نے سمندر سے اپنی چونچ میں لیا ہے۔ جب وہ دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو انہوں نے وہاں اور چھوٹی چھوٹی کشتیاں دیکھیں جو ایک کنارے کے لوگوں کو دوسرے کنارے کے لوگوں کے پاس لے جاتی تھیں۔ کشتی والوں نے خضر

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (الكهف:٧٣) كَانَتِ الْأُولَى نِسْيَانًا وَالْوُسْطَى شَرْطًا وَالثَّالِثَةُ عَمْدًا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا (الكهف: ٧٤) لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ (الكهف:٧٥) قَالَ يَعْلَى قَالَ سَعِيدٌ وَجَدَ غِلْمَانًا يَلْعَبُونَ فَأَخَذَ غُلَامًا كَافِرًا ظَرِيفًا فَأَضْجَعَهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ بِالسِّكِّينِ، قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ (الكهف:٧٥) لَمْ تَعْمَلْ بِالْحِنْثِ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَرَأَهَا زَكِيَّةً زَاكِيَةً مُسْلِمَةً كَقَوْلِكَ غُلَامًا زَكِيًّا فَانْطَلَقَا فَوَجَدَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ قَالَ سَعِيدٌ بِيَدِهِ هَكَذَا وَرَفَعَ يَدَهُ فَاسْتَقَامَ قَالَ يَعْلَى حَسِبْتُ أَنَّ سَعِيدًا قَالَ فَمَسَحَهُ بِيَدِهِ فَاسْتَقَامَ، لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا (الكهف:٧٨) قَالَ سَعِيدٌ أَجْرًا نَأْكُلُهُ وَكَانَ وَرَاءَهُمْ وَكَانَ أَمَامَهُمْ قَرَأَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ

کو پہچان لیا۔ آپس میں کہنے لگے: یہ اللہ کے نیک بندے ہیں۔ (یعلیٰ بن مسلم نے) کہا: ہم نے سعید سے پوچھا، ان کی اس سے مراد خضر تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ (کشتی والوں نے کہا:) ہم کرایہ لے کر ان کو سوار نہیں کریں گے۔ (پھر) خضر نے اس کشتی کو پھاڑ دیا (اور شگاف میں) ایک میخ گاڑ دی۔ موسیٰ نے کہا: کیا آپ نے اس لیے شگاف کیا ہے کہ آپ اس کے اندر (بیٹھ کر جانے) والوں کو غرق کر دیں۔ آپ نے یقیناً (یہ) ایک ناپسندیدہ کام کیا ہے۔ مجاہدؒ نے کہا: مُنْكَرًا (یعنی اوپرا یا بُرا)۔ (خضر نے) کہا: کیا میں نے (تجھے) نہیں کہا تھا کہ تُو میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکے گا۔ یہ پہلی بات بھول کر ہوگئی ہے اور درمیانی بات شرطیہ تھی اور تیسری قصداً۔ موسیٰ نے کہا: (کہ اِس دفعہ) آپ مجھ پر گرفت نہ کریں کیونکہ میں (آپ کی ہدایت کو) بھول گیا تھا۔ اور آپ میری (اِس) بات کی وجہ سے مجھ پر سختی نہ کریں۔ (پھر) وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے۔ خضر نے اس کو مار ڈالا۔ یعلیٰ نے کہا: سعید کہتے تھے: خضر نے کچھ لڑکوں کو کھیلتے دیکھا تو ایک خوبصورت لڑکے کو پکڑا جو کافر تھا۔ اسے لٹایا اور چھری سے اُسے ذبح کر دیا۔ موسیٰؑ نے کہا: کیا آپ نے بغیر کسی نفس کے عوض ایک پاکیزہ نفس کو مار ڈالا ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا؟ اور حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت میں لفظ زَكِيَّةً کو زَاكِيَةً پڑھا ہے بمعنی مُسْلِمَةً۔ جیسے تم کہتے ہو

أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَزْعُمُونَ عَنْ غَيْرِ سَعِيدٍ أَنَّهُ هُدَدُ بْنُ بُدَدَ وَالْغُلَامُ الْمَقْتُولُ اسْمُهُ يَزْعُمُونَ حَيْسُورٌ[1] مَلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا (الكهف:٨٠) فَأَرَدْتُ إِذَا هِيَ مَرَّتْ بِهِ أَنْ يَدَعَهَا لِعَيْبِهَا فَإِذَا جَاوَزُوا أَصْلَحُوهَا فَانْتَفَعُوا بِهَا وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ سَدُّوهَا بِقَارُورَةٍ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ بِالْقَارِ كَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ (الكهف:٨١) وَكَانَ كَافِرًا فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا (الكهف:٨١) أَنْ يَحْمِلَهُمَا حُبُّهُ عَلَى أَنْ يُتَابِعَاهُ عَلَى دِينِهِ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا (الكهف:٨١) لِقَوْلِهِ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً (الكهف:٧٥) وَ اَقْرَبَ رُحْمًا (الكهف:٨٢) هُمَا بِهِ أَرْحَمُ مِنْهُمَا بِالْأَوَّلِ الَّذِي قَتَلَ خَضِرٌ وَزَعَمَ غَيْرُ سَعِيدٍ أَنَّهُمَا أُبْدِلَا جَارِيَةً وَأَمَّا دَاوُدُ بْنُ أَبِي عَاصِمٍ فَقَالَ عَنْ

غُلامًا زَكِيًّا، یعنی پاک لڑکا۔ وہ دونوں چل پڑے اور انہوں نے ایک دیوار پائی جو گرنا چاہتی تھی۔ اُس نے اسے درست کر دیا۔ سعید نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے دکھایا کہ اس طرح سیدھا کر دیا۔ (یعنی خضر نے) اپنا ہاتھ اُٹھایا اور (ہاتھ کے اشارے سے) وہ دیوار سیدھی ہوگئی۔ یعلیٰ نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ سعید نے (یوں) کہا کہ خضر نے اس دیوار پر ہاتھ پھیرا تو وہ سیدھی ہوگئی۔ (موسیٰؑ نے کہا:) اگر آپ چاہتے تو یقیناً اس کی کچھ (نہ کچھ) اُجرت لے سکتے تھے۔ سعید نے کہا: مزدوری، جس سے ہم کھانا کھاتے۔ وَكَانَ وَرَآءَهُمْ سے مراد یہ ہے کہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے (وَرَآءَهُمْ کی جگہ) أَمَامَهُمْ مَلِكٌ پڑھا ہے۔ (ابن جریج کہتے تھے کہ) راویوں کا خیال ہے کہ سعید کے سوا کسی اور نے یوں نقل کیا ہے: وہ بادشاہ ہُدَد بن بُدَد تھا اور جو لڑکا قتل کیا گیا تھا لوگ کہتے تھے کہ اس کا نام جیسور تھا۔ (پھر کہا:) ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔ اور میں نے چاہا کہ جب یہ کشتی اس کے پانی سے گزرے گی تو وہ اس کے ناقص ہونے کی وجہ سے اسے چھوڑ دے گا۔ جب یہ لوگ آگے گزر جائیں گے تو وہ اسے درست کر لیں گے اور اس سے فائدہ اُٹھاتے رہیں گے۔ ان راویوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے (اس کشتی کا سوراخ) کچ سے بند

[1] عمدۃ القاری کے مطابق اس جگہ لفظ جَيْسُورٌ ہے۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۴۴) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

غَيْرِ وَاحِدٍ إِنَّهَا جَارِيَةٌ.

کیا اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ تارکول سے (بند کیا۔) اس لڑکے کے ماں باپ مومن تھے اور وہ خود کافر تھا۔ اس پر ہم ڈرے کہ ایسا نہ ہو (بڑے ہو کر) وہ ان پر سرکشی اور کفر کا الزام لگوا دے۔ یعنی اس کی محبت انہیں اس کے دین کی پیروی کرنے پر آمادہ نہ کر دے، پس ہم نے چاہا کہ ان کا ربّ ان کو اس (لڑکے) سے پاکیزگی اور رحم وانصاف کے لحاظ سے بہتر (لڑکا بدل کر) دے دے۔ موسیٰؑ نے یہی اعتراض کیا تھا کہ آپ نے ایک پاک لڑکا قتل کر دیا ہے۔ اور اَقْرَبَ رُحْمًا جو قرآن میں ہے، اس کے معنی ہیں کہ ماں باپ اس دوسرے لڑکے پر پہلے لڑکے سے بھی زیادہ مہربان ہوں گے جسے خضر نے قتل کر دیا۔ سعید کے سوا کسی اَور راوی نے یہ سمجھا ہے کہ انہیں اس لڑکے کے بدلے میں ایک لڑکی دی گئی۔ (اور ابن جریج نے کہا:) داؤد بن ابی عاصم راوی جو ہیں انہوں نے کئی شخصوں سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ وہ لڑکی تھی۔

أطرافهُ: ٧٤، ٧٨، ١٢٢، ٢٢٦٧، ٢٧٢٨، ٣٢٧٨، ٣٤٠٠، ٣٤٠١، ٤٧٢٥، ٤٧٢٧، ٦٦٧٢، ٧٤٧٨۔

تشریح: **فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا:** روایت نمبر ۴۷۲۶ سے متعلق یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ یہ کئی راویوں سے مروی ہے اور راویوں کے الفاظ میں چھوٹے سے چھوٹا جو اختلاف ہے وہ امام بخاریؒ نے راویوں کے حوالے سے نمایاں کیا ہے۔ اس سے غالباً یہ توجہ دلانا مقصود ہے کہ ان چھوٹے چھوٹے لفظی اختلاف سے قطع نظر کرتے ہوئے جو اصل واقعہ قرآنِ مجید میں بیان ہوا ہے وہ مدنظر رکھا جائے اور جو سبق اس میں مضمر ہے وہ اصل مقصود ہے۔ راویوں کے لفظی اختلاف کا خیال نہ کیا جائے کہ اس اختلاف سے چارہ نہیں، خصوصاً جب ایک لمبا واقعہ جو سماعی ہو اس میں لفظی اختلاف کا واقع ہونا طبعی ہے، کیونکہ اس کا دار و مدار سماعت پر ہے اور ضعف و قوت حافظہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس واقعہ سے متعلق جو سوالات اُٹھ سکتے ہیں، ان میں سے بعض کے جوابات اختصاراً حسب ذیل ہیں۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ: شارحین کے نزدیک حضرت موسیٰؑ کے ساتھی یوشع بن نون ہیں جو اُن کی وفات پر اُن کے خلیفہ ہوئے تھے۔ عہد نامہ قدیم میں اس نام کی ایک کتاب بھی ہے۔ اس روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوجوان کا نام یوشع بن نون ہی بتایا گیا ہے۔ حضرت یوشع بن نون نے بھی اپنی قوم بنی اسرائیل سے توحید پر قائم رہنے کا عہد لیا تھا۔ (یشوع ۲۴: ۲۰ تا ۲۷) مگر وہ اس عہد پر قائم نہیں رہے اور مچھلی گم کر بیٹھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتہائی بسط سے ان آیاتِ کریمہ کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ اس تعلق میں آپؓ فرماتے ہیں:

> ”فتٰی کے متعلق روایات میں لکھا ہے کہ وہ یوشع بن نون تھے۔ کوئی تعجب نہیں کہ کشف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ہی ساتھ دیکھا ہو۔ لیکن میری اپنی رائے یہ ہے کہ یہ دوسرا شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے، جنہوں نے موسوی سلسلہ کے سفر کے آخری دَور میں قوم کی راہنمائی کرنی تھی۔ اور گویا موسوی سفر کا اختتام ان کی معیت میں ہونا تھا۔......“

(تفسیر کبیر، سورۃ الکہف، آیت وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ...، جلد ۴ صفحہ ۴۷۰)

الْبَحْرَيْنِ سے مراد علم الٰہی ہے۔ جیسا کہ اسی روایت میں علم کے غیر محدود ہونے کا ذکر بار بار آیا ہے: وَاللهِ مَا عِلْمِي وَمَا عِلْمُكَ فِي جَنْبِ عِلْمِ اللهِ إِلَّا كَمَا أَخَذَ هَذَا الطَّائِرُ بِمِنْقَارِهِ مِنَ الْبَحْرِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بالمقابل میرا علم اور تیرا علم اتنا ہی ہے جتنا کہ اس پرندے نے اپنی چونچ سے سمندر سے پانی لیا ہے۔ سمندر سے مراد تمثیلاً علم ہے اور مجمع البحرین وہ مقام معرفت تامہ ہے کہ جب کوئی انسان اس مقام کو حاصل کرلیتا ہے تو اس کی نظر اس مادی دنیا کے قابل احتراز و تعجب واقعات و حوادث میں مشیئت الٰہی کو کار فرما دیکھتی ہے اور اسے ظاہر و باطن میں پوری پوری موافقت نظر آتی ہے اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ دنیا کی ہر شے حکمت پر مبنی ہے۔ مجمع البحرین کے مقام پر جو خضر راہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مکاشفہ میں متمثل دکھائی دیا ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جن کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود پیشگوئی فرمائی ہے کہ وہ میری طرح صاحب شریعت ہوں گے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ساری باتوں کا علم دیا جائے گا۔ دیکھئے کتابِ مقدس (شائع کردہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لنڈن ۱۸۸۷ء)، استثناء باب ۱۸: ۱۵ تا ۲۰ نیز یوحنا باب ۱۶: ۱۲، ۱۳۔ سورۂ کہف میں بھی اس خضر راہ کی نسبت یہ الفاظ ہیں: عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا○ (الکھف:۶۶) اُسے ہم نے اپنی جناب سے (خاص) علم (بھی) عطا کیا تھا۔ مچھلی بھولنے سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم عبادت کی غرض وغایت بھول جائے گی۔ چونکہ مکاشفہ کا یہ حصہ بھی تمثیلی صورت رکھتا ہے اس لئے تمثیلی پیرایۂ بیان قابل تاویل ہے اور اسے ظاہر پر محمول کرنا معقول نہیں۔ اس تعلق میں تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۶۵ تا ۴۹۰۔

بَاب ٤

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ○ إِلَى قَوْلِهِ قَصَصًا (الكهف:٦٣- ٦٥)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) پھر جب وہ (اس جگہ سے) آگے نکل گئے تو اس (یعنی موسیٰ) نے اپنے نوجوان (رفیق) سے کہا (کہ) ہمارا صبح کا کھانا ہمیں دو۔ ہمیں یقیناً اپنے اس سفر کی وجہ سے تھکان ہوگئی ہے۔ اس نے کہا (کہ) بتایئے (اب کیا ہوگا) جب ہم (آرام کے لیے) اس چٹان پر ٹھہرے تو میں مچھلی (کا خیال) بھول گیا اور مجھے یہ بات شیطان کے سوا کسی نے نہیں بھلائی۔ اور اس نے سمندر میں عجیب طرح سے اپنی راہ لے لی۔ اس نے کہا (کہ) یہی وہ (مقام) ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔ پھر وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔

صُنْعًا (الكهف:١٠٥) عَمَلًا. حِوَلًا (الكهف:١٠٩) تَحَوُّلًا. قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمَا قَصَصًا (الكهف:٦٥). إِمْرًا (الكهف:٧٢) وَنُكْرًا (الكهف:٧٥) دَاهِيَةً. يَنْقَضَّ (الكهف:٧٨) يَنْقَاضُ كَمَا تَنْقَاضُ السِّنُ. لَتَخِذْتَ وَاتَّخَذْتَ وَاحِدٌ. رُحْمًا (الكهف:٨٢) مِنَ الرُّحْمِ وَهِيَ أَشَدُّ مُبَالَغَةً مِنَ الرَّحْمَةِ، وَيَظُنُّ أَنَّهُ مِنَ الرَّحِيمِ. وَتُدْعَى مَكَّةُ أُمَّ رُحْمٍ أَيْ الرَّحْمَةُ تَنْزِلُ بِهَا.

صُنْعًا کے معنی ہیں کام۔ حِوَلًا کے معنی ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔ موسیٰ نے کہا: یہی وہ (مقام) ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔ پھر وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔ إِمْرًا اور نُكْرًا کے معنی ہیں بہت بڑی بات۔ يَنْقَضَّ يَنْقَاضُ کے معنی میں ہے (یعنی وہ گر رہا ہے۔) انہی معنوں میں فقرہ تَنْقَاضُ السِّنُّ ہے، یعنی دانت ٹوٹ رہا ہے۔ لَتَخِذْتَ اور اتَّخَذْتَ بھی ایک ہی ہیں، یعنی تُو نے لیا۔ رُحْمًا۔ رُحْم سے مشتق ہے اور اس میں معنوں کے لحاظ سے رَحْمَةٌ کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے۔ اور خیال ہے کہ یہ لفظ رَحِیْم سے ہے۔ مکہ کو أُمُّ رُحْمٍ کہتے ہیں۔ یعنی رحمت وہاں سدا نازل ہوتی ہے۔

باب قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ (الكهف: ٦٤)

اس نے کہا (کہ) بتایئے (اب کیا ہو گا) جب ہم (آرام کے لیے) اس چٹان پر ٹھہرے

٤٧٢٧: حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنِي سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ نَوْفًا الْبَكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ لَيْسَ بِمُوسَى الْخَضِرِ فَقَالَ كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ عَنْ رَّسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَامَ مُوسَى خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ فَقِيلَ لَهُ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ قَالَ أَنَا فَعَتَبَ اللهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ وَأَوْحَى إِلَيْهِ بَلَى عَبْدٌ مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ أَيْ رَبِّ كَيْفَ السَّبِيلُ إِلَيْهِ قَالَ تَأْخُذُ حُوتًا فِي مِكْتَلٍ فَحَيْثُمَا فَقَدْتَّ الْحُوتَ فَاتَّبِعْهُ قَالَ فَخَرَجَ مُوسَى وَمَعَهُ فَتَاهُ يُوشَعُ بْنُ نُونٍ وَمَعَهُمَا الْحُوتُ حَتَّى انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَنَزَلَا عِنْدَهَا قَالَ فَوَضَعَ

۴۷۲۷: قتیبہ بن سعید نے مجھ سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) سفیان بن عیینہ نے مجھے بتایا کہ عمرو بن دینار نے سعید بن جبیر سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا: نوف بکالی کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کے موسیٰؑ خضر والے موسیٰؑ نہیں تھے۔ (حضرت ابن عباسؓ نے یہ سن کر) کہا: اللہ کے دشمن نے غلط کہا ہے۔ حضرت اُبَیّ بن کعبؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ آپؐ نے فرمایا: موسیٰؑ بنی اسرائیل سے خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور ان سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے کون سب سے بڑھ کر عالم ہے۔ انہوں نے کہا: میں۔ اللہ نے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ انہوں نے علم کو اللہ کی طرف کیوں نہیں لوٹایا۔ اور انہیں وحی کی (کہ تم نہیں) بلکہ ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے وہ تم سے زیادہ عالم ہے۔ (موسیٰؑ نے) کہا: اے میرے ربّ! اس کے پاس کیسے پہنچا جائے؟ فرمایا: ٹوکری میں ایک مچھلی لے لو (اور چلے جاؤ) جہاں تم اس مچھلی کو کھو دو تو اُس کے پیچھے چلے جانا (وہ بندہ مل جائے گا) (حضرت ابن عباسؓ) کہتے تھے: موسیٰؑ روانہ ہو گئے اور ان کے ساتھ اُن کا نوجوان یوشع بن نون بھی

مُوسَى رَأْسَهُ فَنَامَ قَالَ سُفْيَانُ وَ فِي حَدِيثِ غَيْرِ عَمْرٍو قَالَ وَفِي أَصْلِ الصَّخْرَةِ عَيْنٌ يُقَالُ لَهَا الْحَيَاةُ لَا يُصِيبُ مِنْ مَّائِهَا شَيْءٌ إِلَّا حَيِيَ فَأَصَابَ الْحُوتَ مِنْ مَّاءِ تِلْكَ الْعَيْنِ قَالَ فَتَحَرَّكَ وَانْسَلَّ مِنَ الْمِكْتَلِ فَدَخَلَ الْبَحْرَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ مُوسَى قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا (الکهف:٦٣) الْآيَةَ قَالَ وَلَمْ يَجِدِ النَّصَبَ حَتَّى جَاوَزَ مَا أُمِرَ بِهِ قَالَ لَهُ فَتَاهُ يُوشَعُ بْنُ نُونٍ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ (الکهف:٦٤) الْآيَةَ قَالَ فَرَجَعَا يَقُصَّانِ فِي آثَارِهِمَا فَوَجَدَا فِي الْبَحْرِ كَالطَّاقِ مَمَرَّ الْحُوتِ فَكَانَ لِفَتَاهُ عَجَبًا وَلِلْحُوتِ سَرَبًا قَالَ فَلَمَّا انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ إِذْ هُمَا بِرَجُلٍ مُسَجًّى بِثَوْبٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ مُوسَى قَالَ وَأَنَّى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ فَقَالَ أَنَا مُوسَى قَالَ مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ

تھا اور ان کے ساتھ وہ مچھلی تھی۔ جب چٹان کے پاس پہنچے تو وہاں ٹھہر گئے۔ کہتے تھے کہ موسیٰؑ اپنا سر ٹیک کر سو گئے۔ سفیان (بن عیینہ) نے کہا: عمرو (بن دینار) کے سوا دوسرے راوی کی روایت میں (یوں) ہے کہ انہوں نے کہا: اس چٹان کے دامن میں ایک چشمہ تھا جسے آب حیات کہتے ہیں۔ جو چیز اس پانی میں پڑتی وہ زندہ ہو جاتی۔ اس چشمے کے پانی سے کچھ پانی اس مچھلی پر بھی پڑا۔ (حضرت ابن عباسؓ) کہتے تھے کہ وہ حرکت کرنے لگی اور اس ٹوکری سے کھسک کر سمندر میں چلی گئی۔ جب موسیٰؑ جاگے تو انہوں نے اپنے نوجوان سے کہا: ہمارا ناشتہ ہمارے پاس لاؤ۔ جیسا کہ آیت میں ہے۔ کہتے تھے: اور موسیٰؑ نے اس وقت ہی تھکان محسوس کی جب وہ اس جگہ سے آگے نکل گئے جہاں جانے کا انہیں حکم ہوا تھا۔ موسیٰؑ سے ان کے نوجوان یوشع بن نون نے کہا: بتایئے (اب کیا ہوگا) جب ہم (آرام کے لیے) اس چٹان پر ٹھہرے تو میں مچھلی (کا خیال) بھول گیا۔ انہوں نے کہا: اس پر وہ دونوں اپنے قدموں کا کھوج لیتے ہوئے وہاں سے لوٹے اور انہوں نے سمندر میں مچھلی کی گزرگاہ کو محراب کی شکل میں پایا۔ جس سے موسیٰؑ کے ساتھی کو تعجب ہوا۔ اور (یہ شکل) مچھلی کا راستہ بن گئی۔ کہتے تھے: جب وہ دونوں اس چٹان کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کپڑا اُوڑھے ہوئے ہے۔ موسیٰؑ نے اسے سلام کیا تو اُس نے کہا:

رُشْدًا (الكهف:٦٧) قَالَ لَهُ الْخَضِرُ يَا مُوسَى إِنَّكَ عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَكَهُ اللهُ لَا أَعْلَمُهُ وَأَنَا عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِيهِ اللهُ لَا تَعْلَمُهُ قَالَ بَلْ أَتَّبِعُكَ، قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْئَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ فَانْطَلَقَا (الكهف:٧١-٧٢) يَمْشِيَانِ عَلَى السَّاحِلِ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ فَعُرِفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوهُمْ فِي سَفِينَتِهِمْ بِغَيْرِ نَوْلٍ يَقُولُ بِغَيْرِ أَجْرٍ فَرَكِبَا السَّفِينَةَ قَالَ وَوَقَعَ عُصْفُورٌ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَغَمَسَ مِنْقَارَهُ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ لِمُوسَى مَا عِلْمُكَ وَعِلْمِي وَعِلْمُ الْخَلَائِقِ فِي عِلْمِ اللهِ إِلَّا مِقْدَارُ مَا غَمَسَ هَذَا الْعُصْفُورُ مِنْقَارَهُ قَالَ فَلَمْ يَفْجَأْ مُوسَى إِذْ عَمَدَ الْخَضِرُ إِلَى قَدُومٍ فَخَرَقَ السَّفِينَةَ فَقَالَ لَهُ مُوسَى قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَّ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ

تمہارے ملک میں سلامتی کہاں؟ انہوں نے (جواب میں) کہا: میں موسیٰؑ ہوں۔ اس شخص نے پوچھا: کیا بنی اسرائیل کا موسیٰؑ؟ انہوں نے کہا: ہاں (موسیٰؑ نے) کہا کیا میں اس (مقصد کے) لیے آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں کہ جو علم آپ کو عطا ہوا ہے اُس میں سے کچھ رُشد (کی باتیں) مجھے بھی سکھائیں؟ خضر نے ان سے کہا: موسیٰؑ! علم الٰہی میں سے تمہیں ایک ایسا علم حاصل ہے جو اللہ ہی نے تمہیں سکھایا ہے میں اسے نہیں جانتا اور مجھے بھی علم الٰہی سے ایک ایسا علم حاصل ہے جو اللہ ہی نے مجھے سکھایا ہے تو اس کو نہیں جانتا (موسیٰؑ نے) کہا: نہیں، بلکہ میں آپ کے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ خضر نے کہا: اچھا اگر تمہیں میرے ساتھ ہی رہنا ہے تو مجھ سے کسی بات کی بابت نہ پوچھنا یہاں تک کہ میں خود ہی اس کی نسبت تم سے بیان کروں۔ اس پر وہ دونوں سمندر کے کنارے کنارے چل پڑے۔ اتنے میں ایک کشتی ان کے پاس سے گزری۔ خضر پہچانے گئے اور کشتی والوں نے ان کو اپنی کشتی میں بغیر کرایہ لینے کے سوار کر لیا۔ کہتے ہیں: بغیر اَجر کے۔ وہ دونوں کشتی میں سوار ہو گئے۔ کہتے تھے: کشتی کے کنارے ایک چڑیا آ بیٹھی اور اس نے اپنی چونچ سمندر میں ڈبوئی۔ خضر نے موسیٰؑ سے کہا: تمہارا علم اور میرا علم اور تمام مخلوقات کا علم اللہ کے علم کے مقابل میں اتنا ہی ہے جتنا کہ اس

لَقَدْ جِئْتَ (الكهف: ٧٢) الْآيَةَ، فَانْطَلَقَا إِذَا هُمَا بِغُلَامٍ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَأَخَذَ الْخَضِرُ بِرَأْسِهِ فَقَطَعَهُ قَالَ لَهُ مُوسَى أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ○ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ إِلَى قَوْلِهِ فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ (الكهف: ٧٥-٧٨) فَقَالَ بِيَدِهِ هَكَذَا فَأَقَامَهُ فَقَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّا دَخَلْنَا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَلَمْ يُضَيِّفُونَا وَلَمْ يُطْعِمُونَا لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ○ قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَ بَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ○ (الكهف: ٧٨-٧٩) فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِدْنَا أَنَّ مُوسَى صَبَرَ حَتَّى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا قَالَ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا وَأَمَّا

چڑیا نے اپنی چونچ ڈبو کر (سمندر سے) لیا ہے۔ کہتے تھے: ابھی تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ موسیٰؑ یکایک گھبرا گئے، جب (دیکھا کہ) خضر نے لپک کر ایک تیشہ لیا اور کشتی میں شگاف کر دیا ہے۔ موسیٰؑ نے ان سے کہا: ان لوگوں نے بغیر کرایہ لئے ہمیں سوار کیا تھا، آپ ان کی کشتی کی طرف لپکے ہیں اور اس میں شگاف کر دیا ہے کہ اس کے اندر (بیٹھ کر جانے) والوں کو غرق کر دیں۔ آپ نے یقیناً (یہ) ایک ناپسندیدہ کام کیا ہے۔...... پھر وہ دونوں چل پڑے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک لڑکا ہے جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ خضر نے اس کا سر پکڑا اور اسے کاٹ ڈالا۔ موسیٰؑ نے ان سے کہا: کیا (یہ سچ نہیں کہ) آپ نے (اس وقت) ایک پاکباز (اور بے گناہ) شخص کو بغیر کسی (کے خون) کے بدلہ کے (ناحق ہی) مار ڈالا ہے۔ آپ نے یقیناً (یہ) بہت بُرا کام کیا ہے۔ (خضر نے) کہا: کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا (کہ) تو میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکے گا۔ اس قول تک کہ اُنہوں نے اُنہیں (اپنے) مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے اس (بستی) میں ایک ایسی دیوار پائی جو گرنے کو تھی۔ تو خضر نے اپنے ہاتھ سے اس طرح (اشارہ) کیا اور اسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰؑ ان سے کہنے لگے: ہم اس بستی میں آئے تھے تو ان لوگوں نے ہمیں مہمان نہیں ٹھہرایا اور نہ ہمیں کھانے کو کچھ دیا۔ اگر آپ چاہتے تو یقیناً اس کی کچھ (نہ کچھ) اُجرت

الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا.

لے سکتے تھے۔ (خضر نے) کہا: یہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان جدائی (کا وقت) ہے۔ جس بات پر تُو صبر نہیں کر سکا، میں ابھی تجھے اس کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ہمیں خواہش ہی رہی کہ کاش موسیٰؑ صبر کرتے تا ان دونوں کا حال ہمیں بتا دیا جاتا۔ سعید نے کہا: حضرت ابن عباسؓ یوں پڑھتے تھے کہ اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔ اور (یہ جو) لڑکے (کا واقعہ ہے تو اِس) کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کافر تھا۔

أطرافه: ۷٤، ۷۸، ۱۲۲، ۲۲٦۷، ۲۷۲۸، ۳۲۷۸، ۳٤۰۰، ۳٤۰۱، ٤۷۲٥، ٤۷۲٦، ٦٦۷۲، ۷٤۷۸۔

تشریح: **قَالَ اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَاۤ اِلَی الصَّخْرَةِ:** یہ باب گذشتہ باب (نمبر ۴) کے ہی ضمن میں ہے۔ اسی لیے اس پر الگ نمبر نہیں لگایا گیا۔ اس باب کے تحت سابقہ روایت نئی سند کے ساتھ دُہرائی گئی ہے، جس میں حضرت موسیٰؑ کی تھکان و بھوک کو آیت کے حوالے سے عنوان باب (نمبر ۴) میں نمایاں کیا گیا ہے۔ لفظ اِمْرًا کے معنوں میں علماء کے درمیان اختلاف ہوا ہے کہ آیا یہ لفظ بلیغ ہے یا نُکْرًا۔ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا○ (الکہف: ۷۲) یعنی آپ نے یقیناً (یہ) ایک ناپسندیدہ کام کیا ہے اور لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا○ (الکہف: ۷۵) یعنی آپ نے یقیناً (یہ) بہت بُرا کام کیا ہے۔ کشتی میں شگاف کرنے کے موقع پر پہلا فقرہ حضرت موسیٰؑ کی زبان سے نکلا اور دوسرا بے گناہ نفس کے قتل کے واقعہ پر۔ کشتی میں شگاف کرنے سے سواریوں کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے بہت ہی خطرناک قرار دیا۔ ڈر ہے کہ سواریاں غرق ہو جائیں گی۔ اور ایک لڑکے کے قتل پر صرف ایک ہی جان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے لفظ اِمْرًا- نُکْرًا سے زیادہ بلیغ ہے۔ بعض کے نزدیک نُکْرًا کا لفظ زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ ناپسندیدہ فعل واقع ہو چکا ہے اور شگاف والے واقعہ میں کشتی کے ڈوبنے کا صرف احتمال ہے۔ لفظ نُکْرًا سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۸۸ میں بھی آیا ہے جہاں اس کے معنی سخت کے ہیں۔ فرماتا ہے: قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا○ (الکہف: ۸۸) اس نے کہا (ہاں میں ایسا ہی کروں گا اور) جو ظلم کرے گا اُسے تو ہم ضرور سزا دیں گے۔ پھر وہ اپنے ربّ کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اُسے سخت سزا دے گا۔ بخاری نے بھی ایک حوالے سے اس کے معنی دَاهِيَةٌ کئے ہیں یعنی بہت بڑی مصیبت۔ ابو عبیدہؒ نے نُکْرًا کے معنی عظیمًا کئے ہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۵۳۹)

صُنْعًا کے معنی ہیں عَمَلًا۔ فرماتا ہے: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ○ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ○ (الکہف: ۱۰۴، ۱۰۵) تو (اُنہیں) کہہ (کہ) کیا ہم تمہیں ان لوگوں سے آگاہ کریں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھاٹا پانے والے ہیں۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جن کی (تمام تر) کوشش اس ورلی زندگی میں ہی غائب ہوگئی ہے اور (اس کے ساتھ) وہ (یہ بھی) سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ صُنْعًا کے معنی بھی کام کے ہیں، جس میں صنعت اور فن کاری نمایاں ہو۔

يَنْقَضَّ کا لفظ سورۃ الکہف کی اس آیت میں بیان ہوا ہے: فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ○ (الکہف: ۷۸) پھر وہ (وہاں سے بھی) چل پڑے، یہاں تک کہ جب وہ ایک بستی کے لوگوں کے پاس پہنچے تو اس (بستی) کے باشندوں سے انہوں نے کھانا مانگا، مگر اُنہوں نے اُنہیں (اپنے) مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے اس (بستی) میں ایک ایسی دیوار پائی جو گرنے کو تھی۔ اس (یعنی خضر) نے اُسے درست کر دیا۔ (اس پر) اُس نے (یعنی موسیٰؑ نے) کہا (کہ) اگر آپ چاہتے تو یقیناً اس کی کچھ (نہ کچھ) اُجرت لے سکتے تھے۔

لَتَخِذْتَ اور اتَّخَذْتَ ابوعبیدہؒ کے نزدیک دونوں ایک ہی ہیں۔ مسلم کی روایت میں جو عمرو بن محمد سے مروی ہے مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لَتَخِذْتَ پڑھا ہے۔[1] بجائے اتَّخَذْتَ کے۔ یہ قراءت قاری ابوعمرو کی ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۵۳۹)

رُحْم جو رحمت سے مشتق ہے اس میں رقّتِ قلب کا مفہوم پایا جاتا ہے اور رَحِم میں بھی یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔ رَحِم میں انتہائی درجہ کی شفقت پائی جاتی ہے۔ فرماتا ہے: وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ○ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ○ (الکہف: ۸۱، ۸۲) اور (یہ جو) لڑکے (کا واقعہ ہے تو اِس) کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے اس پر (اس کی یہ حالت دیکھ کر) ہم ڈرے کہ ایسا نہ ہو (بڑے ہو کر) وہ ان پر سرکشی اور کفر کا الزام لگوا دے۔ پس ہم نے چاہا کہ ان کا ربّ اُن کو اس (لڑکے) سے پاکیزگی اور رحم و انصاف کے لحاظ سے بہتر (لڑکا بدل کر) دے دے۔

وَدِدْنَا أَنَّ مُوسَى صَبَرَ حَتَّى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا: زیر باب روایت جو قتیبہ سے بسند سفیان بن عیینہ منقول ہے کتاب العلم میں بھی گزر چکی ہے اور عبد اللہ بن محمد سے مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسَى لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا۔ امام ابن حجرؒ نے اس خفیف سے اختلاف کی یہ توجیہہ بیان کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ابن عیینہ نے عمرو بن دینار سے یہ روایت دو دفعہ سنی ہو۔ ایک دفعہ اس زیادتی کے بغیر اور دوسری دفعہ مذکورہ بالا الفاظ سے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ زیادتی بطور ادراج یعنی راوی کی طرف سے اضافہ ہے۔

[1] (مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر علیہ السلام)

(فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۵۳۹) مگر یہ خیال درست نہیں، کیونکہ راوی بڑے پائے کے ہیں اور محتاط مانے گئے ہیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہی فرمایا: وَدِدْنَا أَنَّ مُوسَى صَبَرَ حَتَّى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا۔ یعنی ہمیں خواہش ہی رہی کہ کاش موسیٰؑ صبر کرتے تا ان دونوں کا حال ہمیں بتادیا جاتا۔

بَاب ٥

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا (الکھف: ١٠٤)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تو (اُنہیں) کہہ (کہ) کیا ہم تمہیں ان لوگوں سے آگاہ کریں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھاٹا پانے والے ہیں

٤٧٢٨: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ مُصْعَبٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبِي قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا (الکھف: ١٠٤) هُمُ الْحَرُورِيَّةُ؟ قَالَ لَا هُمُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى، أَمَّا الْيَهُودُ فَكَذَّبُوا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَمَّا النَّصَارَى فَكَفَرُوا بِالْجَنَّةِ وَقَالُوا لَا طَعَامَ فِيهَا وَلَا شَرَابَ، وَالْحَرُورِيَّةُ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ (البقرة: ٢٨) وَكَانَ سَعْدٌ يُسَمِّيهِمُ الْفَاسِقِينَ.

۴۷۲۸: محمد بن بشار نے مجھے بتایا کہ محمد بن جعفر نے ہم سے بیان کیا۔ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عمرو (بن مرہ) سے، عمرو نے مصعب (بن سعد بن ابی وقاص) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے اپنے باپ (حضرت سعد بن ابی وقاصؓ) سے پوچھا: آیت قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا سے مراد حروری لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں، یہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہود اس لئے کہ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور نصاریٰ اس لئے کہ انہوں نے جنت سے انکار کیا اور یہ کہا کہ وہاں نہ کسی قسم کا کھانا ہوگا نہ پینا۔ اور حروری تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کا عہد پختہ کرنے کے بعد توڑ دیا۔ اور حضرت سعدؓ ان کا نام فَاسِقِينَ رکھتے تھے یعنی بدعہد۔

تشریح: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا: روایت زیر باب سے واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ سورۃ الکھف میں الْأَخْسَرِينَ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں کہ باوجود اس کے کہ ان کی تمام تر کوششیں دنیا میں صرف ہوگئیں اور مادی علوم و فنون میں انہوں نے حیرت انگیز ترقی کی۔ ان کی اس حیرت انگیز ترقی

کا انجام آگ ہے جو سطح زمین پر بنی نوع انسان کے درمیان آتشیں تباہ کن جنگوں کی صورت میں بھڑکائی جائے گی اور بہت ہی بڑا خسارہ ہے۔ سورۃ الکہف کی یہ پیشگوئی آج ہماری آنکھوں کے سامنے واقعات کی صورت میں متمثل ہے۔ جس امر کی واقعات تصدیق کریں اس کی صداقت کے بارہ میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ اس وقت تک جو دو عالمگیر جنگوں کی آگ بھڑکائی جاچکی ہے اس کے مالی اور جانی نقصان کے اعداد و شمار بہت ہیں۔ اس خطرناک تباہی سے انسان طبعاً حیران ہوتا ہے کہ خالق کائنات ربّ العالمین کی حمد اور ربوبیت سے یہ ہلاکت بظاہر منافی ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ملائکۃ اللہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ کیا تو اس دنیا میں ایسا انسان پیدا کرے گا جو خونریزی اور فساد برپا کرے گا؟ اور انہیں جواب دیا گیا: میں جانتا ہوں جو میری حمد و تسبیح سے تم ظاہر کررہے ہو اور جو تم چھپائے ہوئے ہو۔ حضرت موسیٰؑ اور صاحب مجمع البحرین کے واقعہ میں یہی بات بتائی گئی ہے کہ حوادثِ عالم میں علیم و حکیم خالق کی مشیئت و حکمت کارفرما ہے۔ اس کا کوئی فعل خالی از مصلحت ربانی نہیں۔ چنانچہ سورۃ الکہف کا آغاز ہی اس آیت سے ہے: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ○(الکھف:۲) اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سراسر حمد سے متصف ہے اور یہ کتاب جو اُس ذات جامع الصفات کی طرف سے نازل ہوئی ہے وہ بھی اسی طرح ہر خوبی پر مشتمل ہے اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو راستی پر مبنی نہ ہو۔ ان الفاظ سے یہی مراد ہے کہ قرآنِ مجید کی تمام آیات ان حقائق سے متعلق ہیں جو حمد و سبوحیت باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہیں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے: وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ (بنی اسرائیل:۴۵) اور (دنیا کی) ہر چیز اس کی تعریف کرتی ہوئی (اس کی) تسبیح کرتی ہے، یعنی خالق کائنات کی سبوحیت و حمد کی شہادت دے رہی ہے۔ جوں جوں ہماری تحقیق کائنات میں گہری سے گہری اور وسیع سے وسیع ہوتی جارہی ہے اس سے یہی حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ خالق کائنات کا ہر فعل نقص سے پاک اور گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے اور ہر شے اپنے خالق کی حمد کا اقرار کرتی ہے اور فرماتا ہے: وَ لٰکِنۡ لَّا تَفۡقَہُوۡنَ تَسۡبِیۡحَہُمۡ (بنی اسرائیل:۴۵) لیکن تم ان (اشیاء) کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ جس مقام پر انسانی چشم وا ہو کر بنائے حقائق ہو جاتا ہے اس مقام کا نام مجمع البحرین ہے۔ اس مقام عرفان پر انسان کو دنیا کے حوادث کا ظاہر و باطن آپس میں پوری مطابقت رکھتا ہوا نظر آتا ہے اور سارا عالم کائنات کو مبنی بر علم و حکمت اور پُر از حقائق پاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مذکورہ بالا مکاشفہ میں جو ایک قسم کا معراج تھا یہی بات ذہن نشین کرائی گئی ہے اور انہیں بتایا گیا ہے کہ ان کی سیر اور تگ و دَو مجمع البحرین تک ہی محدود ہوگی اور اس مقام پر ایک اور بندۂ خدا (عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ) ہے جو اپنے عرفان میں کامل اور بصیر بالحقائق ہے۔ یہ صاحبِ عرفانِ کامل و جامع حقائق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو دنیا کے لئے خضر راہ ہوں گے، ان کے ذریعہ تمام قوموں کی نجات مقدر ہے۔ یہ خلاصہ ہے سورۃ الکہف کی معنونہ آیات کا۔ اس مضمون کی تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر کبیر مصنفہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ، تفسیر سورۃ الکہف، جلد ۴۔

بَاب ٦

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (الکهف:١٠٦) الْآيَة

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ربّ کے نشانوں کا اور اس سے ملنے کا انکار کر دیا ہے اس لیے ان کے (تمام) اعمال گر کر (اسی دنیا میں) رہ گئے ہیں

٤٧٢٩ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَزِنُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ وَقَالَ اقْرَءُوا فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (الکهف:١٠٦) وَعَنْ يَّحْيَى بْنِ بُكَيْرٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ مِثْلَهُ.

۴۷۲۹: محمد بن عبد اللہ نے ہم سے بیان کیا (کہا:) سعید بن ابی مریم نے ہمیں بتایا کہ مغیرہ (بن عبدالرحمٰن) نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے کہا کہ ابوزناد نے مجھے بتایا۔ انہوں نے اعرج سے، اعرج نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: قیامت کے روز ایک بڑا شخص جو موٹا تازہ ہوگا آئے گا۔ وہ اللہ کے نزدیک پرِ پشہ کے برابر بھی وزن نہ رکھے گا اور آپؐ نے فرمایا: (یہ آیت) پڑھو: قیامت کے دن ہم انہیں کچھ بھی وقعت نہیں دیں گے۔ اور یحيٰ بن بُکیر سے بھی مروی ہے۔ انہوں نے مغیرہ بن عبدالرحمٰن سے، مغیرہ نے ابوزناد سے اسی طرح روایت کی ہے۔

تشریح: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ: سورۃ الکہف کی اس آیت میں عیسائی اقوام کے خسارہ عظیمہ کی دو وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کے احسانوں کی ناشکر گزاری کہ ایک وہ وقت تھا جب یہ رومیوں کے تشدد اور ظلم عظیم کی وجہ سے کچلے جارہے تھے اور یہاں تک کہ انہیں سوائے غاروں کے سطح زمین پر کہیں پناہ نہیں ملی تھی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے انہیں خبردار کیا تھا کہ غیر قومیں تمہیں پامال کریں گی۔ چنانچہ بخت نصر (Nebuchadnezzar) نے ۵۸۶ ق م میں، انطاکس چہارم (Antiochus IV) نے ۱۶۸ ق م میں، ویسپازیان (Vespasian) رومی کے بیٹے ٹائیٹس (Titus) نے ۷۰ عیسوی میں اور اس کے ۶۴ برس بعد ہیڈریان (Hadrian) قیصر رومی نے ۱۳۲ تا ۱۳۵ عیسوی میں بنی اسرائیل اور عیسائیوں پر بے پناہ ظلم توڑے۔

آخر اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی مظلومیت اور غایت درجہ مفلوک الحال اور پستی سے انہیں اُٹھایا اور بامِ عروج تک پہنچایا۔ لیکن انہوں نے اپنے ربّ کے ان احسانات کو بھلا دیا۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے۔ دوسری بڑی وجہ جو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے وہ حیاتِ آخرت پر عدم ایمان ہے، یعنی جزا و سزا کے وقت سے انکار۔ یوم محاسبہ سے نڈر ہو کر عیسائی قوم نے جو چاہا سو کیا۔ اگر محاسبہ کا خیال ہوتا تو دنیا میں فتنہ و فساد برپا نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزِ حساب ان کی بڑی سے بڑی شخصیتوں کی پرِ پشہ وقعت نہ ہوگی۔ زیر باب دونوں روایتوں کا یہی خلاصہ ہے جو معنونہ آیات کی شرح میں نقل کی گئی ہیں۔ سورۃ الکہف شروع سے لے کر آخر تک عیسائی اقوام سے متعلق ایک مہتم بالشان پیشگوئی پر مشتمل ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر کبیر، تفسیر سورۃ الکہف، جلد ۴۔

یہ سوال کہ سورۃ الکہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے خلیفہ کا جو سفر مذکور ہے آیا وہ فی الواقعہ مکاشفہ ہے یا رؤیا، جس سے انہیں بتایا گیا ہے کہ ان کی روحانی سیر مجمع البحرین تک ہی محدود ہے جہاں خضر راہ ہوگا۔ آیا اس کا کوئی ذکر تورات میں ہے یا نہیں؟ قرآنِ مجید یا احادیث کے الفاظ میں ایسا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ جو اِس مکاشفہ کی تأویل ہے اس کا ذکر مفہوماً کتاب استثناء باب ۱۸: ۱۵ تا ۲۰ کی مشہور پیشگوئی میں پایا جاتا ہے۔ جس میں ایک ایسے نبی کے برپا کئے جانے کی پیشگوئی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوگا اور جو باتیں اس سے فرمائے گا وہ سب بنی اسرائیل سے کہے گا۔ اگر وہ اس کی مانیں گے برکت پائیں گے ورنہ تباہ و برباد کر دیئے جائیں گے۔ اس موعود نبی سے متعلق یہ صراحت ہے کہ وہ حضرت موسیٰؑ کی مانند شرعی نبی ہوگا جس کی شریعت جامع احکام الٰہی ہوگی۔ اور یوشع بن نون نبی کی نسبت تورات میں صراحت ہے کہ وہ روح القدس سے پُر ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آئین احکام الٰہی اور برکت و لعنت کی باتیں واضح کرنے کے بعد یوشع بن نون ہی سے فرمایا کہ وہ بنی اسرائیل کو توحید پر قائم رکھیں اور ان کو خبر دی کہ بنی اسرائیل شریعت کو پس پشت ڈال دیں گے اور توحید چھوڑ کر اجنبی دیوتاؤں کی پیروی کریں گے اور بجائے برکت کے لعنت و ہلاکت لیں گے۔ (دیکھئے استثناء باب ۳۱) حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کشف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سفر کرنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ آپؓ فرماتے ہیں:

”آیت میں یہ ذکر نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام گھر سے ایک نوجوان کو لے کر چلے، بلکہ خود اُن کے چلنے کا بھی ذکر نہیں۔ ذکر ہے تو یہ کہ موسیٰ نے اپنے آپ کو سفر کی حالت میں دیکھا اور اُس وقت ان کے ساتھ ایک نوجوان تھا۔ ......وہ نوجوان حضرت مسیحؑ تھے جو موسوی سفر کے اختتام کے قریب آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملے اور پھر اس روحانی سفر میں ان کے ہمرکاب ہو گئے۔“

(تفسیر کبیر، سورۃ الکہف، آیت وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ...، جلد ۴ صفحہ ۴۷۰، ۴۷۱)

یہی تعبیر اس مکاشفہ کی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے۔

علامہ عینیؒ نے ثعلبی کے حوالے سے یہ بتایا ہے کہ نَسِيَا حُوتَهُمَا میں دو یعنی موسیٰؑ اور یوشع کے بھول جانے کا ذکر ہے۔ لیکن دراصل بھولنے والا صرف ایک ہی شخص ہے یعنی یوشع بن نون۔ زبان عربی میں بعض وقت ضمیر تثنیہ استعمال ہوتی ہے لیکن مراد صرف ایک شے ہوتی ہے۔ الفاظ کے تناسب کی وجہ سے ضمیر تثنیہ استعمال ہوتی ہے۔ جیسے سورۂ رحمٰن (آیت نمبر ۲۳) میں فرمایا: يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ○ کہ ان دو سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ حالانکہ مذکورہ بالا قیمتی چیزیں کڑوے پانی سے نکلتی ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۴۲) یہ دونوں چیزیں نہر سویز و پانامہ سے بکثرت نکلتی ہیں۔ نہر سویز بحیرہ قلزم اور بحیرہ روم کو ملاتی ہے اور نہر پانامہ بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کے درمیان اتصال پیدا کرتی ہے۔ لیکن چونکہ آیات میں دو سمندروں کا ذکر ہے اس لئے جب ان چیزوں کے نکلنے کا ذکر کیا ہے تو دونوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ○ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ○ (الرحمٰن: ۲۰ تا ۲۳) اس نے دو سمندروں کو اس طرح چلایا ہے کہ وہ ایک وقت میں مل جائیں گے۔ (سردست) ان کے درمیان ایک پردہ ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے ربّ کی نعمتوں میں سے کس کس کا انکار کرو گے۔ ان دونوں سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ امام ثعلبیؒ کی مراد یہ ہے کہ چونکہ ان آیات میں بَحْرَيْنِ، يَلْتَقِيٰنِ، لَا يَبْغِيٰنِ، تُكَذِّبٰنِ تثنیہ کے صیغے ہیں۔ اسی تسلسل میں لفظ يَخْرُجُ مِنْهُمَا تثنیہ استعمال ہوا ہے۔ ورنہ موتی اور مونگے کڑوے سمندر سے نکلتے ہیں۔ یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ آیا امام ثعلبیؒ کو بحر الکاہل (جو نسبتاً میٹھے پانی کا سمندر رہے) سے ان چیزوں کے نکلنے کا علم تھا یا نہیں۔ جس طرح انیسویں صدی میں نہر سویز سے بحیرہ قلزم اور بحیرہ روم کو ملایا گیا ہے، اسی طرح نہر پانامہ کے ذریعہ بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل بھی ملائے گئے ہیں۔ غرض یہ آیات ایک پیشگوئی پر بھی مشتمل ہیں جو ہمارے زمانے میں پوری ہوئی ہے۔ آیات کے اس حصے کا علم نہ امام ثعلبیؒ کو ہو سکتا تھا نہ امام بخاریؒ کو۔ پیشگوئی کے اس حصے میں اس سے زیادہ تفصیل میں جانا مناسب نہیں۔ کیونکہ عنوان زیر باب میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے متعلق روایات زیر باب کا تعلق ہے اور جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیر روحانی کا تعلق ہے اس بارے میں بغیر کسی تردّد کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہیں یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم ہو چکا تھا کہ ان کی قوم دین حق سے ارتداد اختیار کرے گی۔ جیسا کہ کتاب استثناء کے باب ۳۰، ۳۱ میں ان کے ارتداد کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے ارتداد کا علم وحی یا مکاشفہ یا رؤیا ہی کے ذریعہ ہو سکتا تھا۔ ان ذرائع کے ماسوا اُن کے پاس اور کونسا ذریعہ تھا۔ قرآن مجید کے اسلوب بیان پر غور کیا جائے تو اس بیان کا کوئی حصہ بھی ظاہر پر چسپاں نہیں ہو سکتا اور تاویل طلب ہے۔ مثلاً مچھلی کا پھڑ پھڑانا اور زندہ ہو کر سمندر میں چلے جانا، کشتی میں شگاف کر دینا، خوبصورت لڑکے کا قتل۔ یہ انوکھی اور اچنبھی باتیں رؤیا اور کشف میں ہی دیکھی جا سکتی ہیں اور رؤیا یا کشف ایک تمثیلی نظارہ ہوتا ہے جسے سمجھنے کے لئے تمثیلی زبان کا سمجھنا ضروری ہے اور اس سے متعلق اصلاحات کتب علمِ تعبیر میں مذکور ہیں۔

روایات متعلقہ سفر موسیٰؑ و خضر علیہم السلام چار ابواب میں منقسم ہیں جو قرآن مجید کی آیات کے تحت نقل کی گئی ہیں اور ان روایات سے پایا جاتا ہے کہ ان کے نقل کرنے والے متعدد لوگ ہیں جن کے بیان میں لفظی اختلافات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اس سے امام بخاریؒ یہ امر ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ مذکورہ بالا سفر کی کیفیت کو قرآن مجید کے بیان تک ہی محدود رکھنا مناسب ہے۔ ان ابواب کے بعد دو آخری باب جو قائم کئے گئے ہیں ان میں یہود و نصاریٰ کا انجام بد بطور پیشگوئی مذکور ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس پیشگوئی کے عین مطابق ہے جس میں بنی اسرائیل کی برگشتگی اور بربادی کا صریح ذکر ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب استثناء، باب ۳۰، ۳۱۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابیات

✡✡✡✡✡✡✡

قرآنِ کریم وتفاسیر

- تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام
- حقائق الفرقان: حضرت حکیم مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ
- تفسیر کبیر: حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ
- تفسیر صغیر: حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ
- دیباچہ تفسیر القرآن: حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ
- قرآن کریم: اُردو ترجمہ حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ علیہ

☆☆☆

- مجاز القرآن:

  أبو عبيدة معمر بن المثنى التيمى البصري (المتوفى: ۲۰۹ھ)

  مكتبة الخانجى - القاهرة ۱۳۸۱ ھـ

- جامع البیان للطبری:

  محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملی، أبو جعفر الطبري (المتوفى:۳۱۰ هـ)

  دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان - الطبعة: الأولى، ۱۴۲۲ هـ / ۲۰۰۱ء

- تفسیر القرآن العظیم لابن أبی حاتم:

  محمد بن إدريس بن المنذر التميمى، الحنظلى، الرازي ابن أبي حاتم (المتوفى: ۳۲۷ھ)

  مكتبة نزار مصطفى الباز - المملكة العربية السعودية الطبعة: الثالثة - ۱۴۱۹ هـ

- المفردات فی غریب القرآن للراغب:

  أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهاني (المتوفى: ۵۰۲ ھ)

  الناشر: دار القلم، الدار الشامية - دمشق بيروت - الطبعة: الأولى -۱۴۱۲ هـ

★ **الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل:**

ابوالقاسم محمود بن عمرو الزمخشري (المتوفى: ۵۳۸ھ)

دار الكتاب العربي، بيروت۔ الطبعة الثالثة۔ ۱٤۰۷ھ۔

★ **مفاتيح الغيب المسمى بالتفسير الكبير للرازى:**

أبو عبد الله محمد بن عمر الملقب بفخر الدين الرازي (المتوفى: ٦۰٦هـ)

دار إحياء التراث العربي – بيروت۔ الطبعة: الثالثة – ١٤٢٠ هـ

★ **تفسير ابن كثير:**

إسماعيل بن عمر بن كثير القرشى البصري ثم الدمشقى (المتوفى: ٧٧٤ھ)

دار طيبة للنشر والتوزيع – بيروت۔ الطبعة: الثانية ١٤٢٠ھ / ١٩٩٩ء

★ **الدرّ المنثور فى التفسير بالمأثور:**

عبد الرحمٰن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطى (المتوفى: ۹۱۱ھ)

دار الفكر ۔ بيروت۔ ۱۹۹۳ء

★ **الإتقان فى علوم القرآن:**

عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطى (المتوفى: ۹۱۱ھ)

الناشر: الهيئة المصرية العامة للكتاب۔ الطبعة: ١٣٩٤ھ / ١٩٧٤ء

★ **التحرير والتنوير للتونسى:**

محمد الطاهر بن محمد بن محمد الطاهر بن عاشور التونسي (المتوفى: ١٣٩٣ ھ)

الناشر: الدار التونسية للنشر ۔ تونس ۔ سنة النشر: ١٩٨٤ ھ

کتب لمتون الحديث

★ **صحيح البخارى:** ابو عبدالله محمد بن اسماعيل البخاري (المتوفى: ۲۵٦ھ)

(۱) فتح الباري: احمد بن على بن حجر العسقلاني (المتوفى: ۸۵۲ھ)

مطبوعه دار السلام الرياض۔ الطبعة الاولى –۲۰۰۰ء

المطبعة الأميرية ببولاق بمصر ۱۳۰۱ھ

المطبع الأنصاري دهلى ۱۳۰۵ھ

(۲) صحيح البخاري: مطبوعه۔ قدیمی کتب خانه آرام باغ کراچی-۱۳۵۷ھ

(۳) عمدة القاري: بدرالدين ابومحمد محمودبن احمدالعينى (المتوفى: ۸۵۵ھ)

داراحياء التراث العربي۔ بيروت لبنان

(۴) صحيح الإمام البخاري مطبوعة عن النسخة اليونينية
مطبوعه دار طوق النجاة۔ الطبعة الأولى ١٤٢٢ھ
(۵) صحيح البخاري مطبوعه مكتبة الرشد الرياض۔الطبعة الثانية٢٠٠٦ء
★ **صحیح مسلم**: مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري (المتوفى:٢٦١ھ)
دارالسلام۔ الرياض۔ الطبعة الاولى۔١٩٩٨ء
★ **جامع ترمذی**: ابو عيسيٰ محمد بن عيسي بن سورة الترمذي(المتوفى:٢٧٩ھ)
دار السلام۔ الرياض۔ الطبعة الاولى۔ ١٩٩٩ء
★ **سنن ابی داود**: ابو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الأزدي (المتوفى:٢٧٥ھ)
دار السلام ۔ الرياض۔ الطبعة الاولى۔ ١٩٩٩ء
★ **سنن نسائی**: ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعيب بن على النسائي (المتوفى:٣٠٣ھ)
دارالسلام ۔ الرياض۔ الطبعة الاولى۔ ١٩٩٩ء
★ **سنن ابن ماجه**: ابو عبد الله محمد بن يزيد القزوينى(المتوفى: ٢٧٥ھ)
دار السلام۔ الرياض۔ الطبعة الاولى۔ ١٩٩٩ء
★ **مسند احمد بن حنبل**: احمد بن محمد بن حنبل ابو عبد الله الشيباني(المتوفى:٢٤١ھ)
دار الفكر العربي ، المكتب الاسلامى بيروت۔
مسند أحمد مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط، مؤسسة قرطبة – القاهرة۔
★ **مصنف عبد الرزاق**:
ابو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني (المتوفى:٢١١ھ)
المكتب الاسلامى بيروت۔ الطبعة الثانية، ١٤٠٣ھ
★ **مصنف ابن ابی شیبة**:
ابو بكر عبد الله بن محمد بن ابي شيبة(المتوفى:٢٣٥ھ)
مكتبة الرشد الرياض، الطبعة الأولى ١٤٠٩ھ
★ **التفسير من سنن سعيد بن منصور**:
أبو عثمان سعيد بن منصور بن شعبة الخراساني الجوزجاني (المتوفى: ٢٢٧ھ)
الناشر: الدار السلفية ، الهند ـ الطبعة: الأولى، ١٤٠٣ھ /١٩٨٢ء
★ **بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث**:
الحارث بن محمد بن داهر التميمى البغدادي الخصيب المعروف بابن أبي أسامة (المتوفى:٢٨٢ھ)
الناشر: مركز خدمة السنة والسيرة النبوية ـ المدينة المنورة
الطبعة الأولى، ١٤١٣ھ / ١٩٩٢ء

★ **المعجم الكبير:** أبو القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب الطبراني (المتوفى: ٣٦٠هـ)
مكتبة العلوم والحكم الموصل الطبعة الثانية ١٩٨٣ء
مكتبة ابن تيمية القاهرة الطعبة الثانية۔

★ **المستدرك على الصحيحين:** ابو عبد الله الحاكم النيسابوري (المتوفى: ٤٠٥هـ)
دار المعرفة بيروت۔لبنان۔ الطبعة الاولى ١٩٨٦ء

★ **شعب الإيمان:** أحمد بن الحسين بن أبو بكر البيهقی (المتوفى: ٤٥٨ هـ)
الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند ۔
الطبعة: الأولى، ١٤٢٣ هـ / ٢٠٠٣ء

کتب لِشرح الحدیث وعلوم الحدیث

★ **فتح الباری:** احمد بن علی بن حجر العسقلانی (المتوفى: ٨٥٢هـ)
مطبوعه دار السلام الرياض، الطبعة الاولیٰ –٢٠٠٠ء

★ **ھدی الساری مقدمة فتح الباری:** احمد بن علی بن حجر العسقلانی (المتوفى: ٨٥٢هـ)
مطبوعه دار السلام الرياض، الطبعة الاولیٰ –٢٠٠٠ء

★ **عمدۃ القاری:** بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی (المتوفى: ٨٥٥هـ)
دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

★ **تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری:** احمد بن علی بن حجر العسقلانی (المتوفى: ٨٥٢هـ)
المكتب الإسلامی بيروت لبنان، الطبعة الأولى ١٤٠٥هـ

★ **فيض القدير شرح الجامع الصغير:** زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علی بن زين العابدين الحدادي ثم المناوي القاهري (المتوفى: ١٠٣١هـ)
الناشر: المكتبة التجارية الكبرى ۔ مصر۔ الطبعة: الأولى، ١٣٥٦هـ

★ **التوضیح لشرح الجامع الصحیح:**
ابن الملقن عمر بن علی بن أحمد الشافعی المصري (المتوفى: ٨٠٤هـ)
دار النوادر، دمشق ۔ سوريا ۔ الطبعة الأولى، ١٤٢٩ هـ / ٢٠٠٨ء

★ **الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع:**
أبوبكر أحمد بن علی بن ثابت الخطيب البغدادي (المتوفى: ٤٦٣هـ)
الناشر: مكتبة المعارف – الرياض۔

کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام

★ براہین احمدیہ حصہ سوم: روحانی خزائن جلد ا۔ Islam International Publications Limited, Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK 2009.

★ براہین احمدیہ حصہ چہارم: روحانی خزائن جلد ا۔ Islam International Publications Limited, Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK 2009.

★ ازالہ اوہام: روحانی خزائن جلد ۳۔ Islam International Publications Limited, Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK 2009.

★ آئینہ کمالاتِ اسلام: روحانی خزائن جلد ۵۔ Islam International Publications Limited, Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK 2009.

★ تحفہ بغداد: روحانی خزائن جلد ۷۔ Islam International Publications Limited, Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK 2009.

★ اسلامی اصول کی فلاسفی: روحانی خزائن جلد ۱۰۔ Islam International Publications Limited, Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK 2009.

★ خطبہ الہامیہ: روحانی خزائن جلد ۱۶۔ Islam International Publications Limited, Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK 2009.

★ عصمت انبیاء علیہم السلام: روحانی خزائن جلد ۱۸۔ Islam International Publications Limited Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK 2009.

★ کشتی نوح: روحانی خزائن جلد ۱۹۔ Islam International Publications Limited, Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK 2009.

★ رسالہ الوصیت: روحانی خزائن جلد ۲۰۔ Islam International Publications Limited, Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK 2009.

★ تذکرۃ الشہادتین: روحانی خزائن جلد ۲۰۔ Islam International Publications Limited, Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK 2009.

★ براہین احمدیہ حصہ پنجم: روحانی خزائن جلد ۲۱۔ Islam International Publications Limited, Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK 2009.

★ حقیقۃ الوحی: روحانی خزائن جلد ۲۲۔ Islam International Publications Limited, Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK 2009.

★ ملفوظات حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام: ناشر نظارت اشاعت ربوہ

★ تذکرہ (مجموعہ الہامات، کشوف ورؤیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) ناشر نظارت اشاعت ربوہ، مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ، ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

كتب السيرة والتاريخ والفقه واللغة

★ **السيرة النبوية لابن هشام:** أبو محمد عبد الملك بن هشام (المتوفى:٢١٣هـ)
دار الكتاب العربي بيروت- الطبعة الثانية-١٣٧٥هـ / ١٩٥٥ء

★ **تاريخ ابن خلدون:** (المسمى : ديوان المبتدأ والخبر فى تاريخ العرب والبربر)
عبد الرحمان بن خلدون (المتوفى:٨٠٨هـ)
دار الفكر- بيروت، لبنان- ١٤٢١هـ/٢٠٠٠ء

☆☆☆

★ **أديان العرب فى الجاهلية:**
محمد نعمان الجارم القاضى
مطبعة السعادة بجوار محافظة مصر- الطبعة الأولى- ١٣٤١هـ/ ١٩٢٣ء

★ **شرح المعلقات السبع للزوزنى:**
حسين بن أحمد بن حسين الزَّوْزَني (المتوفى:٤٨٦هـ)
الناشر: دار احياء التراث العربي- الطبعة: الأولى ١٤٢٣هـ / ٢٠٠٢ ء

★ **التوفيقات الإلهامية فى مقارنة التواريخ الهجرية-**
محمد مختار باشا المصري (المتوفى:١٣١٥هـ)
المؤسسة العربية للدراسات والنشر- الطبعة الأولى ١٤٠٠هـ/١٩٨٠ء

★ **معجم البلدان:**
شهاب الدين أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله الرومى الحموي (المتوفى:٦٢٦هـ)
دار صادر ، بيروت- الطبعة الثانية ١٩٩٥ء

★ **معجم المعالم الجغرافية فى السيرة النبوية:**
عاتق بن غيث بن زوير بن زاير بن حمود البلادي الحربي (المتوفى:١٤٣١هـ)
دار مكة، مكة المكرمة- الطبعة الأولى ١٤٠٢هـ/١٩٨٢ء

★ **أطلس السيرة النبوية للدكتور شوقى ابو خليل**
دار الفكر دمشق ، سوريا- الطبعة الأولى ١٤٢٣هـ

☆☆☆

★ **الاستیعاب فی معرفة الأصحاب:**
أبو عمر يوسف بن عبد الله، ابن عبد البر (المتوفى: ٤٦٣هـ)
الناشر: دار الجيل، بيروت ـ الطبعة: الأولى، ١٤١٢ هـ / ١٩٩٢ء

★ **أسد الغابة فی معرفة الصحابة:** عز الدين على بن أبي الكرم المعروف بابن الأثير (المتوفى:٦٣٠هـ)
دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٤١٥هـ/ ١٩٩٤ء

★ **الاصابة فی تمييز الصحابة:** أحمد بن على بن حجر العسقلاني (المتوفى:٨٥٢هـ)
دار الجيل ـ بيروت ـ الطبعة الأولى ١٩٩٢ء ـ

★ **انساب الاشراف للبلاذری:** أحمد بن يحيى بن جابر بن داود البلاذري (المتوفى: ٢٧٩هـ)
الناشر: دار الفكر-بيروت - الطبعة: الأولى، ١٤١٧ هـ / ١٩٩٦ء

☆☆☆

★ **لسان العرب:** محمد بن مكرم بن على بن احمد جمال الدين ابو الفضل الشهير بابن المنظور
دار احياء التراث العربي ـ الطبعة الاولى ـ ١٩٨٨ء

★ **أقرب الموارد فی فصح العربية والشوارد:** سعيد الخوري الشرتوني اللبناني ـ
منشورات مكتبة آية الله العظمى المرعشي النجفى ـ ايران ـ ١٤٠٣هـ

★ **النهاية فی غريب الحديث والأثر:** مجد الدين بن محمد الشيباني ، ابن الأثير (المتوفى: ٦٠٦هـ)
دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان-الطبعة الاولى-١٤٢٢هـ

★ **معجم اللغة العربية المعاصرة:** أحمد مختار عبد الحميد عمر (المتوفى: ١٤٢٤هـ)
عالم الكتب ـ الطبعة الأولى، ١٤٢٩ هـ / ٢٠٠٨ ء

★ **قاموس الوحيد:** علامه وحيد الزمان قاسمی کیرانوي (المتوفى: ١٩٩٥ء) ـ
ادارۂ اسلامیات لاہور ـ اشاعت اوّل ۲۰۰۱ء

★ **اردو لغت:** اردو لغت بورڈ ـ ترقی اردو بورڈ کراچی ـ ایڈیشن اوّل - ۱۹۹۲ء -

الأخبار والرسائل والكتب الأخرى

★ **ہفت روزہ الحکم:** شیخ یعقوب علی عرفانی ـ قادیان دارالامان
جلد۴ (۱۹۰۰ء)، جلد۷ (۱۹۰۳ء)، جلد۹ (۱۹۰۵ء)، جلد۱۰ (۱۹۰۶ء) ـ

★ **روزنامہ الفضل** ربوہ: ۲۵ فروری ۱۹۵۶

★ **انوار العلوم:** حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ، جلد ۲۰ ـ ناشر فضل عمر فاؤنڈیشن ربوہ ـ

☆☆☆

★ بائیبل: کتاب مقدس (یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ) نارتھ انڈیا بیبل سوسیٹی - ۱۸۷۰ء۔
شائع کردہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۹ء
★ بائیبل: کتاب مقدس (یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ) پاکستان بائبل سوسائٹی - انارکلی لاہور۔ ۱۹۶۵ء۔
Printed by: Lowe and Brydone Printers Ltd. London, N.W.10

★ **Revelation, Rationality, Knowledge and Truth**
Mirza Tahir Ahmad
(Supreme Head of the wordwide Ahmadiyya Muslim Community)
Islam International Publications Limited,
Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, Gu10 2AQ
United Kingdom,
First Published in U.K. in 1998.

☆☆☆